مجدد اعظم

ڈاکٹر بشارت احمد

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

مجدد اعظم

یعنی

سوانحعمری حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رحمۃ اللہ علیہ

مسیح موعود و مہدی معہود مجدد صد چہاردھم

حصہ دوم

از جون ۱۹۰۱ء تا وفات

و

سیرت

مؤلفہ

جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب

جسے
بماہ ذیقعد ۱۳۵۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۴۰ء
احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے شائع کیا

تعداد اشاعت دو ہزار
بار اول

ہمارے یعنی جماعت احمدیہ فریق لاہور کے عقائد

۱۔ ہم اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔

۲۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ بالفاظ بانیٔ سلسلہ حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ:۔

"اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا نیا ہو یا پرانا۔"

"جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بیدین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحیٔ رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صلعم پر ختم ہو گئی۔" "ہم نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں۔"

۳۔ ہم قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب مانتے ہیں۔ جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں۔ نہ قیامت تک منسوخ ہوگا۔

۴۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجدّدین کا آنا مانتے ہیں۔ اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اس اُمت کے اولیاء سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے۔ اس اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کریگا جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے۔ رجالٌ یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء۔

۵۔ ہم تمام صحابہ کرام اور تمام ائمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہل سنّت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے۔ اور کسی صحابی یا امام یا محدّث یا مجدّد یا ولی کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۶۔ ہم ہر اس شخص کو جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرتا ہے مسلمان کہتے ہیں خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔

۷۔ ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو چودھویں صدی کا مجدّد مانتے ہیں۔ نبی ہرگز نہیں مانتے۔ ان کے اپنے الفاظ میں:۔ "نبوّت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدّثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔" "میں نبوّت کا مدعی نہیں بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ اور اُن لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔"

رسید مژدہ زغیبم کہ من ہماں مردم — کہ او مجدّدِ ایں دین و رہنما باشد

منم مسیح بہ بانگ بلند مے گویم — منم خلیفۂ شاہے کہ بر سما باشد



حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی، مسیح زمان مہدی دوران مجدّد صدی چہاردہم

مصنّف کی دیگر کتابیں

مجدّدِ اعظم حصہ اوّل - اس کتاب میں جو ۷۳۶ صفحات پر مشتمل ہے حضرت مجدّدِ وقت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوانح حیات ابتدا سے سنہ ۱۹۰۰ء تک نہایت شرح و بسط سے لکھے گئے ہیں۔ قیمت فی جلد ساڑھے تین روپیہ (۳/۸)

انوار القرآن حصہ اوّل - یعنی پارہ ۳۰ کی بصیرت افروز تفسیر جن لوگوں نے ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کا درس قرآن کریم سنا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے معارف و حقائق قرآنی کو خوب جانتے ہیں۔ پارہ ۳۰ عام طور پر بہت مشکل خیال کیا جاتا ہے اس لئے یہ بیش بہا تحفہ قابل دید ہے۔ بہترین کتاب، دیدہ زیب طباعت۔ سفید ولایتی کاغذ خوبصورت جلد جس پر کتاب اور مصنف کا نام سنہری حرفوں سے لکھا ہوا ہے۔ قیمت دو روپے (عگار) علاوہ محصول ڈاک۔

انوار القرآن حصہ دوم - یعنی پارہ ۲۷ کی پُر از معارف و حقائق تفسیر جس میں سات مکمل سورتیں الذّٰریٰت - الطور - النجم - القمر - الرحمٰن - الواقعۃ - الحدید شامل ہیں اور اکثر مشکل مسائل دینیہ۔ مثلاً وحی۔ وجود ملائکہ۔ تقدیر۔ سنت اللہ۔ معجزہ۔ شفاعت۔ دوزخ و بہشت وغیرہ پر مبسوط بحث ہے۔ بہترین کتابت - دیدہ زیب طباعت خوبصورت جلد جس پر کتاب کا نام سنہری حرفوں میں لکھا ہوا ہے۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے (عگ/۸) علاوہ محصول ڈاک۔

حج - اس چھوٹے سے رسالہ میں قابل مصنف نے حج کے احکام، فلسفہ اور فوائد پر بحث کرنے کے علاوہ ان تمام اعمال اور دعاؤں کو بھی جو حج کے موقعہ پر کی جاتی ہیں ایسی وضاحت سے لکھا ہے کہ انہیں یاد کر کے حج کیلئے کسی مطوّف کی ضرورت نہیں رہتی ۴؍

کشف الظنون عن المراق والجنون - اس رسالہ میں اس اعتراض کا کہ حضرت مرزا صاحب کو نعوذ باللہ مراق کی بیماری لاحق تھی نہایت مدلل جواب دیا گیا ہے۔ (برائے مفت تقسیم)

الروح - روح یا نفس انسانی کی تحقیقات از روئے قرآن کریم و سائنس - قیمت . . . . ۳؍

تناسخ - زمانۂ لاعلمی کا ایک غلط نظریہ - قیمت . . . . ۲؍

مسئلہ تقدیر - مسئلہ تقدیر کی اہمیت اور علت غائی از روئے قرآن کریم - قیمت . . . . ۶؍

قرآن کریم کا عالمگیر پیغام حریت - جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کریم نے ہر قسم کی غلامی سے آزادی عطا کی ہے قیمت ۳؍

ولادت مسیح - ولادت مسیح پر قرآن کریم اور بائیبل سے عالمانہ استدلال - قیمت . . . . ۴؍

برتھ آف جیزس - ولادت مسیح بزبان انگریزی . . . . ۴؍

مرآۃ الاختلاف - جس میں مرزا محمود احمد صاحب آف قادیان کے جلالی خطبوں پر ایک تنقیدی نظر اور اختلاف سلسلہ پر صحیح صحیح روشنی ڈالی گئی ہے اور بہشتی مقبرہ کی اصل حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔ قیمت . . . . ۴؍

آئینۂ غلو و اختلاف - جس میں میاں محمود احمد صاحب کے ایک غالی مرید کے اعتراضوں کا جواب اور اختلاف سلسلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت . . . . ۴؍

محصول ڈاک علاوہ

ملنے کا پتہ:- **منیجر دار الکتب اسلامیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور پنجاب**

چوہدری فضل حق صاحب پبلشر نے تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام ایم محمد فاضل منیجر چھپوا کر شائع کیا۔

فہرست مضامین مجدد اعظم حصہ دوم

خلاصہ مضامین	نمبر صفحہ

۱۹۰۷ء کے بعض دیگر ضروری واقعات
از صفحہ ۱۱۶۹ تا صفحہ ۱۱۸۰

چشمۂ معرفت
از صفحہ ۱۱۸۰ تا صفحہ ۱۱۹۱

فنانشل کمشنر پنجاب کا قادیان میں ورود
از صفحہ ۱۱۹۱ تا صفحہ ۱۱۹۵

سفر و قیام لاہور
الہام "داغ ہجرت" کا پورا ہونا
از صفحہ ۱۱۹۵ تا صفحہ ۱۲۰۷

لباس

از صفحہ ۱۲۴۸ تا صفحہ ۱۲۵۳

غذا

از صفحہ ۱۲۵۳ تا صفحہ ۱۲۶۵

حضرت اقدس کی طبیعت نہایت سادگی پسند تھی

از صفحہ ۱۲۶۵ تا صفحہ ۱۲۶۷

حسن معاشرت اور آپ کے اخلاق فاضلہ

از صفحہ ۱۲۶۸ تا صفحہ ۱۲۹۰

لوگوں سے معاملات میں آپ کے اخلاق فاضلہ

از صفحہ ۱۲۹۰ تا صفحہ ۱۳۳۲

مذہبی بلند نظری اور رواداری

از صفحہ ۱۳۳۲ تا صفحہ ۱۳۴۳

عشق الٰہی

از صفحہ ۱۳۴۴ تا صفحہ ۱۳۶۴

عرضِ حال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰی وَ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے مجھے آج مجدّدِ اعظم کی دوسری جلد بھی اپنے احباب اور پبلک کی خدمت میں پیش کرنے کی توفیق بخشی۔ اس جلد میں حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب مجدّد صد چہار دہم کے بقیہ حالات از جون ۱۹۰۰ء تا وفات درج ہیں۔ مَیں نے اس جلد میں حضرت اقدس کے سیرت و اخلاق کو بھی شامل کر دیا ہے۔ پس اب جلد سوم میں فقط آپ کی خدمات دینیہ پر تبصرہ باقی رہ گیا۔ احباب دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے کہ اُسے بھی میں اپنے احباب اور پبلک کی خدمت میں پیش کر سکوں۔

اللہ تعالیٰ کے دربار میں میری التجا ہے کہ وہ اس کتاب کو جو اس فقیر کی طرف سے ایک ہدیۂ حقیر ہے اپنی جناب میں قبول فرمائے اور اس میں یہ اثر بخشے کہ حق لوگوں کے قلوب پر کھُل جائے اور خدمتِ دین اور اشاعت اسلام کا جوش لیکر حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب اس صدی کے سر پر خدا کی طرف سے کھڑے ہوئے تھے اس میں شامل ہونے کی اور خدمت کرنے کی ہر ایک مسلمان کو توفیق بخشے کہ تعاونوا علی البرّ والتقویٰ خدا کا حکم ہے۔ مجدّدِ وقت کی اس آواز پر کاش کہ مسلمان آواز دھریں:۔

اے مسلماناں خدارا یک نظر برحالِ دیں
آنچہ می بینم بلاہا حاجتِ اظہار نیست

آتش اُفتاد است در رختش بخیزید اے یلاں
دیدنش از دُور کارِ مردمِ دیندار نیست

ہر زماں از بہرِ دیں در خوں دِل من مے تپد
محرمِ ایں دردِ ما جز عالمِ اسرار نیست

ایخدا ہرگز مکن شاد آں دِلِ تاریک را
آنکہ او را فکرِ دینِ احمدِ مختار نیست۔

اے برادر پنج روز ایامِ عشرت ہا بُوَد
دائماً عیش و بہارِ گلشن و گلزار نیست

لاہور - ۱۲ - نومبر ۱۹۴۰ء

خاکسار بشارت احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حصّہ دوّم

پیر مہر علی شاہ گولڑوی صاحب کو چیلنج
اور
اُن کا فرار

راولپنڈی سے چند میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے جو گولڑہ کے نام سے مشہور ہے وہاں ایک سجادہ نشین پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی ہوا کرتے تھے۔ پوٹھوار اور سرحد کے علاقہ میں ان کی بڑی مانتا تھی۔ پیر صاحب میں ایک خصوصیت یہ بیان کی جاتی تھی کہ وہ برخلاف دوسرے سجادہ نشینوں کے بڑے عالم اور منطقی بھی ہیں ان کے علم و فضل کا بظاہر تو ہمیں کوئی نشان نظر نہیں آیا اس لئے کہہ نہیں سکتے کہ ان کے مریدوں کا یہ بیان کہاں تک صحیح تھا۔ البتہ ان کا ایک مرید خاص مولوی غازی نامی تھا جو بڑا مولوی اور منطقی تھا۔ ابتدا میں تو حضرت اقدس مرزا صاحب سے کسی قسم کی مخالفت ان پیر صاحب کو نہ تھی بلکہ اگر ان کے ایک مرید نبی بخش مرحوم کا بیان صحیح ہے تو ایک قسم کی عقیدت تھی۔ نبی بخش مرحوم نے مجھ سے ذکر کیا کہ ایک مرتبہ لالہ موسیٰ کے اسٹیشن پر پیر مہر علی شاہ صاحب نے قادیان کی طرف منہ کر کے اپنی قبا کے بند کھولے اور کہا کہ قادیان کی طرف سے مجھے رحمان کی خوشبو آتی ہے۔

شمس الہدایہ لیکن بعد میں مریدوں نے مجبور کیا یا خود ہی قلبی کیفیت بدل گئی۔ انہوں نے ایک کتاب شمس الہدایہ حضرت مرزا صاحب کے خلاف لکھ ماری جس میں اپنی طرف سے حیاتِ مسیح پر بہت سے دلائل دیئے تھے

یہ سنہ ۱۹۰۰ء کا ذکر ہے۔ شمس الہدایہ لکھ کر پیر صاحب موصوف نے افسوس ہے کہ اپنی علمی پردہ دری کرائی اوّل تو کتاب کی عبارت ایسی غیر سلیس اُردو اور الفاظ ایسے بھدے اور فقرات کی ترتیب ایسی بیہودہ اور اور طرز بیان ایسا لغو تھا کہ سمجھدار آدمی کے لئے تو اُس کا ایک صفحہ بھی پڑھنا ایسا مشکل تھا جیسا کہ سیدھی سڑک کو چھوڑ کر ناہموار زمین پر کسی کو گاڑی چلانی پڑے۔ دوم بیچ میں دلائل خاک نہ تھے۔ اُنہی پرانی باتوں کو دُہرایا تھا۔ خاکسار مؤلف کو بھی اس کتاب کے دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ مجھے ایک میرے دوست مولوی نے دی تھی اور کہا تھا کہ اس کو پڑھ کر آپ کبھی وفات مسیح کے قائل رہ ہی نہیں سکتے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس کو پڑھ کر مجھ پر حیات مسیح کی لغویت اور وفات مسیح کی صداقت جیسی ظاہر ہوئی کبھی نہ ہوئی تھی۔ خیر۔ وہ کتاب قادیان پہنچی تو حضرت مولانا نورالدین صاحب مرحوم کی نظر سے بھی گزری ٭

مولانا نورالدین صاحب کی علم دوستی

میں یہ بات عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا نورالدین مرحوم کو طلب علم اور کتب بینی کا اس قدر شوق تھا کہ ہزارہا روپے خرچ کر کے تمام مذہبی کتابیں جمع کی تھیں جو عربی یا فارسی یا اُردو زبان میں تھیں۔ ہندوستان کے علاوہ عرب، مصر، ٹیونس، مراکش، ٹرکی، ہالینڈ، جرمنی، غرضکہ جہاں بھی جن مذہبی اور اسلامی کتب کا پتہ لگا آپ نے صرفِ کثیر سے ان کتابوں کو جمع کیا اور قاعدہ تھا کہ ہر ایک کتاب کو اس کے پڑھ لینے کے بعد اپنی لائبریری میں داخل کیا کرتے تھے۔ غرضکہ اس معاملہ میں اُنکی نظر بہت وسیع تھی۔ اُنہوں نے جو پیر گولڑوی صاحب کی کتاب میں بعض ایسی کتب کا حوالہ دیکھا جن کا اس زمانہ میں پنجاب کیا بلکہ سارے ہندوستان میں بھی ملنا محال تھا تو آپ نے ایک خط ۱۸۔ فروری سنہ ۱۹۰۰ء کو پیر صاحب موصوف کو لکھا جس میں اُن کتب کے متعلق دریافت کیا کہ آیا آپ نے ان کتابوں کو آنکھ سے دیکھا بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر آپ کے پاس ہیں تو کیا مجھے ان کی زیارت کی اجازت مل سکتی ہے؟ نیز پیر صاحب کو انکی مصنفہ کتاب کی بعض علمی اور منطقی غلطیوں کی طرف بھی توجہ دلائی۔ غرضکہ اپنے اس خط میں ان امور پر مشتمل گیارہ سوالات آپ نے لکھ بھیجے (چونکہ اصل خط طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے اس لئے میں طوالت کے خوف سے نقل نہیں کرتا مختصر مضمون اس خط کا میں نے درج کر دیا ہے) اس خط کو پڑھ کر پیر صاحب بہت سٹ پٹائے کیونکہ جن کتابوں کا حوالہ دیا تھا وہ نہ تو اُن کے پاس موجود تھیں اور نہ کبھی انہوں نے اپنی آنکھوں سے ان کتابوں کو دیکھا تھا خدا جانے کس طرح اُن کے حوالے اور نام لکھ دیئے تھے۔ اس لئے اُنہوں نے حضرت مولانا نورالدین صاحب کو ایک مختصر سا گول مول خط لکھ دیا جس سے یہ سمجھا جائے کہ گویا پیر صاحب نے کوئی کتاب لکھی ہی نہیں بلکہ کتاب مولوی غازی نے لکھی ہے۔ چنانچہ ان کے مطبوعہ خط مرقومہ ۲۶۔ شوال سنہ ۱۳۱۷ھ میں یہ فقرہ قابل غور ہے۔ فرماتے ہیں:

"مولوی صاحب (یعنی مولوی غازی۔ ناقل) نے اپنی سعی اور اہتمام سے کتاب شمس الہدایہ کو مطبوع

اور تالیف فرمایا۔ ہاں احیاناً اس بے ہیچ سے بھی اتفاق استفسار بعض مضامین ہوا"

قادیان سے جب یہ دونو خطوط مولوی نورالدین صاحب اور پیر گولڑوی صاحب کے طبع ہو کر شائع ہوئے اور پیر گولڑہ صاحب کے مریدوں کو یہ پتہ لگا کہ ہمارے پیر صاحب نے تو کتاب کے لکھنے سے ہی انکار کر دیا ہے تو وہ بہت گھبرائے۔ اور انہوں نے پیر صاحب کو چٹھیاں لکھنی شروع کر دیں کہ "قبلہ آپ نے یہ کیا کیا۔ خود ہی تو کتاب لکھ کر ہمارے درمیان شائع کی اور خود ہی مولوی نورالدین صاحب کو خط لکھ دیا کہ مَیں نے یہ کتاب لکھی ہی نہیں"۔ جب مریدوں کے یہ خطوط پیر صاحب کو پہنچے تو ان کی پریشانی اور بھی بڑھی اُن کو یہ خیال نہ تھا کہ یہ خط شائع ہو جائیگا۔ آخر ناچار مریدوں کو تسلی دینے کیلئے خط لکھنے شروع کئے کہ تم نہ گھبراؤ۔ ہماری کتاب کی خوب اشاعت ہوگئی ہے اور اصل مطلب حاصل ہوگیا ہے۔ مولوی نورالدین صاحب کو مَیں نے فقط اتنا لکھا تھا کہ کتاب کا مؤلف مَیں نہیں ہوں (گویا مؤلف مولوی غازی ہے اور مصنف پیر صاحب ہیں۔ لیکن مَیں نے اصل فقرہ نقل کر دیا ہے جس میں صاف لکھا ہے کہ مجھ سے فقط احیاناً یعنی کبھی کبھی کسی مضمون کے متعلق کوئی استفسار کر لیا گیا تھا باقی سب کچھ کیا دھرا مولوی غازی کا ہے۔ ذرا ملاحظہ ہو کہ کس طرح پیر لوگ مریدوں کی آنکھوں پر پٹیاں باندھتے ہیں۔ ناقل) اتفاق سے ان کا ایک مرید غلام محمد نامی دفتر اکونٹنٹ جنرل پنجاب میں کلرک تھا۔ اس کے نام جو ایسا ہی ایک خط پیر صاحب کا آیا تو اپنی طرف سے پیر صاحب کی بریت کیلئے اس نے وہ خط دوسرے لوگوں کو بھی دکھا دیا جس سے پیر صاحب کی اس دورُخی چال کا سارا راز فاش ہوگیا۔ پیر صاحب کے اس خط کو اور ان کی اس دورخی چال کو مولانا عبدالکریم صاحب نے اخبار الحکم میں ایک نہایت زبردست مضمون لکھ کر جو طشت از بام کیا تو پیر صاحب کے کیمپ میں کھلبلی مچ گئی چنانچہ مولوی غازی صاحب جو کہیں گئے ہوئے تھے میدان میں آ کودے اور پیر صاحب کی طرف سے مولانا نورالدین مرحوم کے جواب میں ایک خط لکھوا ہی دیا جس میں حضرت مولانا کے گیارہ سوالات کے جواب دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ بمطلوبہ کتابوں کو تو کیا دکھانا تھا۔ کہہ دیا کہ ہم نے شمس الہدایہ میں ان کتابوں کی تخصیص ہرگز نہ کی تھی۔ اُن کے مثل کہکر تعمیم کر دی تھی۔ پھر یہ بھی لکھ دیا کہ بالمشافہ دیکھنا چاہو تو مولوی غازی کہتے ہیں ہم دکھا بھی دیں گے۔ اسی قسم کی رطب و یابس سے سارا خط بھرا ہوُا ہے۔ خط شائع شدہ موجود ہے جس کا دل چاہے دیکھ لے۔ مولوی غازی نے اس خط کے ساتھ ایسے اشتہارات بھی شائع کئے جن میں نہایت بدتہذیبی سے کام لیا تھا۔ ان اشتہارات کے جواب میں حضرت مرزا صاحب کے خدام نے متفرق مقامات سے اگرچہ نہایت تہذیب سے جواب دیئے مگر ضمناً ایسی باتیں بھی آگئیں جن سے پیر صاحب کے شوق و شغل کیمیا سازی اور کشتہ گری اور تعویذ حُب دینے کے بھید بھی افشا ہو گئے۔

دعا میں مقابلہ سے انکار

اسی اثنا میں حضرت مرزا صاحب کی جماعت کی طرف سے ایک اشتہار نکلا کہ اگر کوئی مرزا صاحب کا مخالف۔ ملاں۔ مولوی۔ سجادہ نشین اپنے تئیں حق پر خیال کرتا ہے اور صرف اپنے آپ کو مومن جانتا ہے تو مومن کا نشان یہ ہے کہ اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس واسطے چاہئے کہ ایسے تمام مولوی صاحبان ایک جگہ اکٹھے ہو جاویں۔ اور چند ایک لا علاج مریضوں اور مصیبت زدوں کو لیکر قرعہ اندازی سے تقسیم کیا جائے۔ آدھے حضرت مرزا صاحب کے حصّہ میں آئیں اور آدھے مخالفین کے حصّہ میں۔ فریقین اپنے اپنے حصّہ کے آدمیوں کے حق میں دعا کریں اور چالیس دن کے اندر خدا سے خبر پا کر یہ بات شائع کر دیں کہ ہمارے حصّہ کے مریضوں میں سے فلاں فلاں تندرست ہو جائیں گے جس کی دعا سے مریض اور مصیبت زدہ تندرست اور خوشحال ہو جائیں وہ حق کی طرف سے سمجھا جائے۔ یہ اشتہار ۲۷۔ جون سنہ ۱۹۰۰ء کو شائع ہؤا تھا۔ پیر صاحب کے مریدوں کی طرف سے ایک اشتہار بے تاریخ کا جولائی سنہ ۱۹۰۰ء میں لاہور پہنچا جس میں مولوی غازی وغیرہ پیر صاحب کے مریدوں نے صاف لفظوں میں یہ اقرار کیا کہ نہ خدا ہمارا طرفدار ہے اور نہ بیماروں کو ہماری دعا سے شفا ہو سکتی ہے۔ مرزا صاحب یکطرفہ نشان دکھائیں اور مریضوں کو شفا دلائیں اس کے علاوہ اس اشتہار میں حسب عادت بہت سی لغو اور بیہودہ باتیں بھی تحریر کیں۔ اور یہ بھی لکھا کہ "مہدی سنوسی میں تمام آثار مہدی کے موجود ہیں"۔ لیکن سمجھ نہیں آتا کہ جب مہدی سنوسی میں تمام آثار مہدی کے موجود تھے تو پھر مہر علی شاہ صاحب اور ان کے مریدوں کا کیا فرض نہ تھا کہ فوراً مہدی سنوسی کی خدمت میں جا حاضر ہوتے اور ان کی بیعت کرتے لیکن ایسا نہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ صرف منہ کی باتیں تھیں۔ مگر ان باتوں سے اتنا پتہ ضرور مل گیا کہ اندر سے دل قائل ہو چکے تھے کہ یہ زمانہ کسی مہدی کے ظہور کا ہے۔ البتہ بوجہ عناد اور تعصب کے اصلی مہدی کو چھوڑ کر ادھر ادھر ہاتھ مارنے کی کوشش کرتے تھے اور کہیں ہاتھ نہ پڑتا تھا۔ اور پھر عجیب تر یہ کہ ایک پیر سجادہ نشین کا دعا کی استجابت سے انکار کر جانا کیا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ ان مشائخ کے ہاتھ میں اب فقط چھلکا ہی چھلکا ہے مغز کوئی نہیں۔

حضرت مرزا صاحب کا اشتہار دعوت

آخر کار حضرت مرزا صاحب نے یہ فرمایا کہ شمس الہدایہ جیسی لغو کتابوں کا ہم کہاں تک جواب دیتے جائیں گے۔ وہی باتیں جن کا ہم کئی دفعہ جواب دے چکے ہیں۔ مخالف بار بار دُہرا دیتے ہیں اور کوئی نئی بات نہیں ہوتی۔ ہماری طرف سے مبسوط کتابیں ان مسائل کی تحقیق میں نکل چکی ہیں اب زیادہ ان پر توجہ کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے لیکن اگر یہ لوگ نیک نیتی کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہیں تو ایک آسان راہ فیصلہ کی یہ ہے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تمہارے درمیان کوئی جھگڑا پڑ جائے تو فیصلہ کے واسطے اللہ اور رسولؐ کے آگے پیش کرو جس کے حق میں وہ فیصلہ دیں وہی

حق پر ہے۔ اچھا اب ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان یہ جھگڑا ہے کہ یہ ہمیں کافر کہتے ہیں اور ہم ان کو اس فعل میں خدا کو ناراض کرنیوالا کہتے ہیں۔ یہ جھگڑا قرآن شریف کے جج کے سامنے پیش کرو اور دیکھو کہ فیصلہ کس کے حق میں ہے۔ قرآن شریف نے جو نشان مومن اور متقی کے بیان کئے ہیں وہ تلاش کرنے چاہئیں کہ کس میں پائے جاتے ہیں۔ ہم میں؟ یا ہمارے مخالفین مکذبین میں؟ اس جگہ میں حضرت مرزا صاحب کے اس اشتہار کی جو آپ نے ۲۰۔ جولائی ۱۹۰۰ء کو شائع فرمایا۔ اصل عبارت نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ وھوہٰذا۔

"میں فیصلہ کیلئے ایک سہل طریق پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ قرآن شریف سے یہ ثابت ہے کہ جو لوگ درحقیقت خداتعالیٰ کے راستباز بندے ہیں ان کے ساتھ تین طور سے خدا کی تائید ہوتی ہے (۱) ان میں اور ان کے غیر میں ایک فرق مابہ الامتیاز رکھا جاتا ہے۔ اسلئے مقابلہ کے وقت بعض امور خارق عادت ان سے صادر ہوتے ہیں جو حریف مقابل سے صادر نہیں ہوسکتے جیسا کہ آیت ویجعل لکم فرقانا اس کی شاہد ہے (۲) ان کو علم معارف قرآن دیا جاتا ہے اور غیر کو نہیں دیا جاتا۔ جیسا کہ آیت ولا یمسّہ الّا المطہّرون اس کی شاہد ہے۔ (۳) ان کی دعائیں اکثر قبول ہو جاتی ہیں اور غیر کی اس قدر نہیں ہوتیں جیسا کہ آیت اُدعونی استجب لکم اس کی گواہ ہے۔ سو مناسب ہے کہ لاہور میں جو صدر مقام پنجاب ہے صادق اور کاذب کے پرکھنے کیلئے ایک جلسہ قرار دیا جائے اور اس طرح پر مجھ سے مباحثہ کریں کہ قرعہ اندازی کے طور پر قرآن شریف کی کوئی سورت نکالیں اور اس میں سے چالیس آیت یا ساری سورت اگر چالیس آیت سے زیادہ نہ ہو لیکر فریقین یعنی یہ عاجز اور مہرعلیشاہ صاحب اوّل یہ دعا کریں کہ یا الٰہی ہم دونوں میں سے جو شخص تیرے نزدیک راستی پر ہے اس کو تو اس جلسہ میں اس سورت کے حقائق اور معارف فصیح اور بلیغ عربی میں عین اسی جلسہ میں لکھنے کے لئے اپنی طرف سے ایک روحانی قوت عطا فرما۔ اور روح القدس سے اس کی مدد کر[1] اور جو شخص ہم دونو فریق میں سے تیری مرضی کے مخالف اور تیرے نزدیک صادق نہیں ہے اس سے یہ توفیق چھین لے اور اس کی زبان کو فصیح عربی اور معارف قرآنی کے بیان سے روک لے تا لوگ معلوم کر لیں کہ تو کس کے ساتھ ہے اور کون تیرے فضل اور

[1] پیر مہر علی شاہ صاحب اپنی کتاب شمس الہدایہ کے صفحہ ۱۰ میں لاف زنی کر چکے ہیں کہ قرآن شریف کی سمجھ ان کو عطا کی گئی ہے اگر وہ اپنی کتاب میں اپنی جہالت کا اقرار کرتے اور فقر کا بھی دم نہ مارتے تو اس دعوت کی کچھ ضرورت نہیں تھی لیکن اب تو وہ ان دونو کمالات کے مدعی ہو چکے ہیں ؎

ندارد کسے با تو ناگفتہ کار
ولیکن چو گفتی دلیلش بیار منہ

تیری رُوح القدس کی تائید سے محروم ہے۔ پھر اس دعا کے بعد فریقین عربی زبان میں اس تفسیر کو لکھنا شروع کریں اور یہ ضروری شرط ہوگی کہ کسی فریق کے پاس کوئی کتاب موجود نہ ہو اور نہ کوئی مددگار ہوگا اور کہ ہر ایک فریق چپکے چپکے بغیر آواز سنانے کے اپنے ہاتھ سے لکھے تا اس کی فصیح عبارت اور معارف کے سننے سے دوسرا فریق کسی قسم کا اقتباس یا سرقہ نہ کر سکے۔ اور اس تفسیر کے لکھنے کے لئے ہر ایک فریق کو پورے سات گھنٹے مہلت دی جائے گی۔ اور زانو بہ زانو لکھنا ہوگا۔ نہ کسی پردہ میں۔ ہر ایک فریق کو اختیار ہوگا کہ اپنی تسلی کے لئے فریق ثانی کی تلاشی کر لے۔ اس احتیاط سے کہ وہ پوشیدہ طور پر کسی کتاب سے مدد نہ لیتا ہو۔ اور لکھنے کیلئے فریقین کو سات گھنٹے کی مہلت ملے گی مگر ایک ہی جلسہ اور ایک ہی دن میں اس تفسیر کو گواہوں کے روبرو ختم کرنا ہوگا۔ اور جب فریقین لکھ چکیں تو دونو تفسیریں بعد دستخط تین اہل علم کو جن کا اہتمام حاضری و انتخاب پیر مہر علی شاہ صاحب کے ذمہ ہوگا سنائی جائیں گی۔ اور ان ہر سہ مولوی صاحبان کا یہ کام ہوگا کہ وہ حلفاً یہ رائے ظاہر کریں کہ دونو تفسیریں اور دونو عربی عبارتوں میں سے کونسی تفسیر اور عبارت تائید رُوح القدس سے لکھی گئی ہے۔ اور ضروری ہوگا کہ ان تینوں عالموں میں سے کوئی نہ اس عاجز کے سلسلہ میں داخل ہو اور نہ مہر علیشاہ کا مرید ہو۔ اور مجھے منظور ہے کہ پیر مہر علیشاہ صاحب اس شہادت کیلئے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی اور مولوی عبداللہ پروفیسر لاہوری کو یا کوئی تین اور مولوی منتخب کریں جو ان کے مرید اور پیرو نہ ہوں۔ مگر ضروری ہوگا کہ یہ تینوں مولوی صاحبان حلفاً اپنی رائے ظاہر کریں کہ کس کی تفسیر اور عربی عبارت اعلیٰ درجہ پر اور تائید الٰہی سے ہے۔ لیکن یہ حلف اس حلف سے مشابہ ہونی چاہئے جس کا ذکر قرآن میں قذفِ محصنات کے باب میں ہے جس میں تین دفعہ قسم کھانا ضروری ہے اور دونو فریق پر یہ واجب اور لازم ہوگا کہ ایسی تفسیر جس کا ذکر کیا گیا ہے کسی حالت میں بیس ورق سے کم نہ ہو اور ورق سے مراد اس اوسط درجہ کی تقطیع اور قلم کا ورق ہوگا جس پر پنجاب اور ہندوستان کے صدہا قرآن شریف کے نسخے چھپے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ پس اس طرز کے مباحثہ اور اس طرز کی تین مولویوں کی گواہی سے اگر ثابت ہو گیا کہ درحقیقت پیر مہر علی شاہ صاحب تفسیر اور عربی نویسی میں تائید یافتہ لوگوں کی طرح ہیں اور مجھ سے یہ کام نہ ہو سکا۔ یا مجھ سے بھی ہو سکا مگر انہوں نے میرے مقابلہ پر ویسا ہی کر دکھایا تو تمام دنیا گواہ رہے کہ میں اقرار کروں گا کہ حق پیر مہر شاہ کے ساتھ ہے اور اس صورت میں مَیں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تمام کتابیں جو اس دعوے کے متعلق ہیں جلا دوں گا اور اپنے تئیں مخذول اور مردود سمجھ لوں گا۔ میری طرف سے یہی تحریر کافی ہے جس کو مَیں آج بہ ثبت شہادت بتیس گواہان کے اس وقت

لکھتا ہوں۔ لیکن اگر میرے خدا نے اس مباحثہ میں مجھے غالب کر دیا اور مہر علی شاہ صاحب کی زبان بند ہو گئی۔ نہ وہ فصیح عربی پر قادر ہو سکے۔ اور نہ وہ حقائق و معارف سورۃ قرآنی میں سے کچھ لکھ سکے یا یہ کہ اس مباحثہ سے انہوں نے انکار کر دیا تو ان تمام صورتوں میں ان پر واجب ہو گا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں۔ اور لازم ہو گا کہ یہ اقرار صاف صاف لفظوں میں بذریعہ اشتہار دس دن کے عرصہ میں شائع کر دیں۔ میں مکرر لکھتا ہوں کہ میرا غالب رہنا اسی صورت میں متصور ہو گا کہ جبکہ مہر علی شاہ صاحب بجز ایک ذلیل اور قابل شرم اور رکیک عبارت اور لغو تحریر کے کچھ بھی لکھ نہ سکیں اور ایسی تحریر کریں جس پر اہل علم تھوکیں اور نفرین کریں کیونکہ میں نے خدا سے یہی دعا کی ہے کہ وہ ایسا ہی کرے۔ اور میں جانتا ہوں کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ اور اگر مہر علی شاہ صاحب بھی اپنے تئیں جانتے ہیں کہ وہ مومن اور مستجاب الدعوات ہیں تو وہ بھی ایسی ہی دعا کریں۔ اور یاد رہے کہ خدا تعالیٰ ان کی دعا ہرگز قبول نہیں کریگا کیونکہ وہ خدا کے مامور اور مرسل کے دشمن ہیں اس لئے آسمان پر ان کی عزت نہیں"۔

پیر مہر علی شاہ صاحب کا جواب پیر مہر علی شاہ صاحب نے حضرت اقدس مرزا صاحب کا یہ اشتہار پڑھا تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ بہت سٹ پٹائے کہ اب کیا بنے گا۔ اتنی لیاقت تو ہے نہیں کہ عربی میں تفسیر لکھیں یا قرآن کے حقائق و معارف بیان کریں۔ اور نہ خدا سے تعلق اور اس پر اتنا بھروسہ ہے کہ وہ وقت پر میری دعا کو قبول کر کے میری مدد کرے گا اس واسطے انہوں نے گریز کی ایک راہ نکالی جس سے معاملہ بھی ٹل جائے اور مقابلہ بھی نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہم کو سب شرطیں منظور ہیں مگر ایک شرط ہماری بھی ہے کہ پہلے آپ سے دعاوئ مہدی و مسیح پر ایک تقریری مباحثہ بالمشافہ ہو گا جس کے حَکَم مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبد الجبار غزنوی اور مولوی عبد اللہ ٹونکی ہوں گے۔ اگر وہ فیصلہ ہمارے حق میں دیدیں گے تو آپ اپنے دعوئ مہدویت و مسیحیت سے تائب ہو کر ہمارے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ اس کے بعد آپ کو اجازت ہو گی کہ تفسیر نویسی میں بھی مقابلہ کر لیں۔ یہ خلاصہ ہے اس اشتہار کا جو پیر گولڑوی صاحب نے ۲۵۔ جولائی ۱۹۰۰ء کو شائع کیا۔ یہ جواب بجائے خود کس قدر چالاکی اور لغویت سے پُر ہے۔ پیر صاحب نے یہ راہ اس لئے اختیار کی کہ حضرت مرزا صاحب اس سے چار سال قبل اپنی کتاب انجام آتھم میں یہ شائع کر چکے تھے کہ ہم ان مسائل میں چونکہ کافی بحث کر چکے ہیں اور ہماری طرف سے مبسوط کتابیں ان مسائل پر لکھی جا چکی ہیں اس لئے اب مزید بحث ان مسائل پر تضیع اوقات ہے۔ لہٰذا اب ہم عہد کرتے ہیں کہ ان مسائل پر کسی سے بالمشافہ بحث نہیں کریں گے۔ وہ کتاب انجام آتھم جس میں یہ بات شائع کی گئی تھی پیر صاحب کی خدمت میں بھی روانہ کی گئی تھی۔ پیر صاحب خوب جانتے تھے کہ مرزا صاحب نے اپنے معاہدہ کے خلاف تو کرنا ہی نہیں

پس ہم کہہ دیں گے کہ دیکھ لو مرزا صاحب نے مقابلہ سے انکار کر دیا۔ پھر جن مسائل میں مولوی محمد حسین بٹالوی اور عبدالجبار غزنوی وغیرہ حضرت مرزا صاحب کے سخت مخالف تھے اور ان کو کافر ٹھیرا چکے تھے انہی مسائل کے فیصلہ کے لئے ان مخالف مولویوں کو حَکَم بنانا کیا معنی ؟ اور جب مرزا صاحب نے اپنے دعاوی سے توبہ کر کے پیر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو پھر اپنے پیر و مرشد سے تفسیر نویسی میں مقابلہ کا کیا مقصد ؟ مگر پیر صاحب کو کسی معنی اور مقصد سے کیا غرض تھی۔ انہیں تو اپنے مریدوں کی نظروں میں اپنی شہرت برقرار رکھنی مطلوب تھی۔ گریز کی ایک راہ نکالی کہ پہلے مہدی و مسیح کے دعاوی پر تقریری مباحثہ کر لو جس کا فیصلہ مولوی محمد حسین بٹالوی وغیرہ دیں گے اور جو ظاہر تھا کہ خلاف دیں گے پھر بیعت توبہ کر لو۔ اس کے بعد تفسیر نویسی میں مقابلہ کر لینا۔ مثل ہے کہ نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔

پیر صاحب کے اس اشتہار کا جواب

پیر صاحب کے اس جواب کے ساتھ ہی ان کے مرید خاص مولوی غازی نے جو اس راز سے واقف تھا کہ پیر صاحب نہ عربی لکھ سکتے ہیں اور نہ تفسیر جانتے ہیں اُسی اشتہار میں اپنی طرف سے بھی ایک تتمہ اسی مضمون سے ملتا جلتا لکھ مارا۔ اور تقریری مباحثہ پر بڑا زور دیا۔ پیر صاحب کے اس ۲۵۔ جولائی سنہ ۱۹۰۰ء کے اشتہار کے جواب میں قادیان سے ۴ا۔ اگست سنہ ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار سید مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے شائع فرمایا جس میں سید صاحب موصوف نے پیر صاحب اور مولوی غازی ہر دو کی تمام باتوں کے مفصل جوابات نہایت عمدگی سے دیکر اتمام حجّت کے طور پر یہ بھی لکھ دیا کہ اگر پیر صاحب سیدھی طرح حضرت امامنا مرزا صاحب کے مقابلہ میں تفسیر القرآن لکھنا نہیں چاہتے۔ اور تفسیر القرآن میں مقابلہ کو ٹالنے کے واسطے دعاوی مسیحیت و مہدویت میں ضرور بالمشافہ تقریری مباحثہ کرنا چاہتے ہیں تو چونکہ حضرت مرزا صاحب اب ان بالمشافہ تقریری مباحثوں سے محترز رہنے کا عہد کر چکے ہیں اس لئے اس مباحثہ کے لئے مَیں حاضر ہوں۔ علاوہ ازیں یہ بھی لکھا کہ وہی تین مولوی جو ہمارے مخالف اور جناب پیر صاحب کے موافق ہیں پیر صاحب سے مل کر اور اچھی طرح تحقیقات کر کے اگر مجوزہ قسم کھا کر یہ شائع کر دیں کہ پیر صاحب گولڑوی نے رعب میں آکر تفسیر نویسی کے مقابلہ کو ٹالنے کیلئے یہ تجویز نہیں کی تھی بلکہ اُنھوں نے نیک نیتی سے یہ کارروائی کی تھی۔ تو ایسی قسم کے بعد اگر ایک سال تک کوئی نشان حضرت مرزا صاحب کی تائید میں ظاہر نہ ہؤا تو ہمیں پیر صاحب کے اس عذر کو مان لینے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔

پبلک کو مغالطہ دہی

مولانا محمد احسن صاحب امروہی کے اس اشتہار پر نہ تو کسی نے مباحثہ منظور کیا اور نہ ان تین مولویوں سے یہ قسم دلائی گئی کہ پیر صاحب گولڑوی کا یہ طریق مقابلہ تفسیر نویسی کے مقابلہ کو ٹالنے کے واسطے نہ تھا۔ پیر صاحب خود تو خاموش رہے لیکن راولپنڈی سے ان کے ایک مرید حکیم سلطان محمود خان نے

گند کا بھرا ہوا ایک اشتہار شائع کر دیا کہ مولوی محمد احسن صاحب امروہی کے ساتھ ہم مباحثہ نہیں کرتے۔ خود مرزا صاحب آویں۔ اور لوگوں کو دھوکا دینے کے واسطے اپنی طرف سے اخیر میں مضحکہ کے طور پر یہ بھی لکھ دیا کہ اگر مرزا صاحب نہیں مانتے تو پیر صاحب کو مرزا صاحب کی ہی ساری شرائط منظور ہیں۔ مرزا صاحب آجاویں۔ جب یہ اشتہار نکلا تو چونکہ پیر صاحب کے ایک مرید کی طرف سے تھا۔ اس لئے حضرت مرزا صاحب کی جماعت لاہور کے افراد کی طرف سے پیر مہر علی شاہ صاحب کے پاس کئی خطوط بھیجے گئے اور دو مطبوعہ اشتہار یکے بعد دیگرے بھیجے گئے اور درخواست کی گئی کہ جو کچھ آپ کا مرید لکھ بیٹھا ہے آپ اپنی زبان مبارک سے بھی فرماویں کہ ہم کو سب شرائط مرزا صاحب کے بلاکم و بیش منظور ہیں لیکن پیر صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے۔ جواب ہی نہ دیا۔ مگر حکیم سلطان محمود کے اس مغالطہ کی ترمیم پیر صاحب کے دوسرے مریدوں نے اسطرح کی کہ عوام کو دھوکا دینے کے لئے یہ مشہور کر دیا کہ پیر صاحب نے تمام شرائط مرزا صاحب کی مان لی ہیں اور وہ مباحثہ تقریری کے واسطے لاہور آنیوالے ہیں۔ حالانکہ حضرت مرزا صاحب نے تقریری مباحثہ کے لئے کبھی بھی آمادگی ظاہر نہ کی تھی۔ وہ آج سے چار سال قبل ان تقریری مباحثوں سے محترز رہنے کا عہد کر چکے تھے۔ لیکن جب خدا کا خوف نہ ہو تو جھوٹ اور افترا سے کوئی عار نہیں ہوتی البتہ حضرت مرزا صاحب نے تفسیر نویسی اور عربی نویسی کیلئے دعوت مقابلہ دی تھی جس سے پیر صاحب کی جان نکلتی تھی لیکن مرید تھے کہ نہایت دیدہ دلیری سے یہ جھوٹ مشہور کر رہے تھے کہ ہاں ہاں پیر صاحب نے مرزا صاحب کی سب شرائط منظور کر لی ہیں اور تقریری مباحثہ کے لئے لاہور آ رہے ہیں۔ گویا کہ تقریری مباحثہ کی شرط خود حضرت مرزا صاحب کی پیش کردہ ہی جو سراسر غلط تھا۔ لطف یہ کہ پیر صاحب اپنے مریدوں کے یہ جھوٹ اور افترا سب آنکھوں سے دیکھ رہے تھے لیکن روکتے نہ تھے۔ بلکہ غالباً دل میں خوش ہو رہے ہوں گے کہ خوب چال چلی جا رہی ہے۔

ایک ہزار روپیہ کے انعام کا اشتہار

لاہور میں جب یہ شور و شغب زیادہ ہوا تو حضرت مرزا صاحب کی لاہور والی جماعت نے یکے بعد دیگرے ۱۹ اور ۲۰ اگست ۱۹۰۰ء کو دو اشتہار شائع کئے جن میں صاف صاف لکھا کہ نہ پیر گولڑوی صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی دعوت مقابلہ تفسیر نویسی و عربی نویسی کو منظور کیا ہے اور نہ حضرت مرزا صاحب نے کسی تقریری مباحثہ بالمشافہ کے لئے آمادگی ظاہر فرمائی ہے۔ اس افترا اور بہتان سے کیا فائدہ۔ اگر پیر صاحب نے تقریری مباحثہ کرنا ہے تو مولوی محمد احسن صاحب امروہی جیسا کہ انہوں نے اپنے اشتہار ۱۴ اگست میں لکھا ہے مباحثہ کے لئے ۲۵۔ اگست ۱۹۰۰ء کو لاہور پہنچ جائیں گے لیکن حضرت مرزا صاحب سے اگر پیر صاحب نے مقابلہ کرنا ہے تو اسی طریق پر مقابلہ کریں جو اہل حال اور مردانِ طریقت کا مسلک ہے یعنی قرآن کے علم اور معرفت میں مرزا صاحب سے مقابلہ کریں۔ اور اگر حضرت مرزا صاحب

کی مجوزہ شرائط کے مطابق پیر صاحب تفسیر نویسی میں مقابلہ کر کے اپنا غلبہ دکھائیں تو ہم ایک ہزار روپیہ نقد ان کی خدمت میں پیش کریں گے لیکن اس کے جواب میں کسی نے تقویٰ اور ایمانداری سے کام نہ لیا۔ اور لیتے بھی کس طرح جب جھوٹ اور چالاکی میں ہی اپنی کامیابی نظر آتی ہو۔ البتہ پیر صاحب کے مرید محمد الدین تاجر کتب لاہور نے بہت سی گالیوں وغیرہ کا اشتہار نکال کر اپنا اعمال نامہ سیاہ کیا۔ غرضکہ پیر صاحب کے مرید اپنے اس جھوٹ اور افترا سے باز نہ آئے۔ اور وہی طوفان بے تمیزی برابر جاری رکھا کہ پیر گولڑوی صاحب مرزا صاحب کا مقابلہ کرنے لاہور آرہے ہیں +

پیر گولڑوی صاحب لاہور میں جب قادیان اور لاہور سے اس قسم کے اشتہارات نکلے اور پیر صاحب کو یقین ہو گیا کہ حضرت مرزا صاحب اپنے اس معاہدہ پر پختہ ہیں جو وہ انجام آتھم میں کر چکے ہیں کہ ہم آئندہ بالمشافہ مباحثات سے مجتنب رہیں گے۔ اور انہیں تسلی ہو گئی کہ اندریں حالات اُمید نہیں کہ مرزا صاحب لاہور آویں تو آپ نے پبلک کو دھوکا دینے اور اپنی شہرت کا یہ موقعہ غنیمت سمجھا اور جھٹ اپنے سرحدی اور تند خو مریدوں کی ایک فوج ساتھ لیکر ۲۴۔ اگست سنہ ۱۹۰۰ء کو لاہور آن دھمکے۔ لاہور پہنچتے ہی سب سے پہلے جعفر زٹلی کے بیٹے نے آپ کو ایڈریس دیا۔ اور پیر صاحب کے مریدوں نے اشتہار دیدیا کہ پیر صاحب بغرض مباحثہ لاہور آگئے ہیں اور تمام شرائط مرزا صاحب کے اُنہوں نے منظور کر لئے ہیں۔ اس پر حضرت مرزا صاحب کے لاہوری خدام نے ایک تیسرا اشتہار ۲۴۔ اگست سنہ ۱۹۰۰ء کو شائع کیا جس میں تمام واقعات کو صحیح صحیح درج کر کے پیر صاحب سے یہ مطالبہ کیا "اگر حکیم سلطان محمود راولپنڈی والا اور محمد الدین تاجر کتب لاہور اور اُن کے دوسرے مرید یہ مشہور کر رہے ہیں کہ پیر صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی دعوت مقابلہ اور ان کی شرائط کو منظور کر لیا ہے تو کیوں خود جناب پیر صاحب صاف الفاظ میں یہ اشتہار نہیں دلواتے کہ ہمیں حضرت مرزا صاحب کے اشتہار کے مطابق بلا کمی و بیشی تفسیر القرآن میں مقابلہ منظور ہے۔ اور اگرچہ بموجب دعوت حضرت مرزا صاحب وہ تاریخ گزر چکی ہے جس تک کہ پیر گولڑوی صاحب کی طرف سے قبولیت کا خط آنا چاہیے تھا۔ مگر ہم تیار ہیں کہ اب بھی اگر وہ مان جاویں تو دوبارہ مناسب تاریخ مقرر کی جاوے اور جلد فیصلہ بھی ہو جاوے اور حضرت اقدس مرزا صاحب تشریف لاویں" اس کے بعد بصورت غلبہ ہزار روپے انعام کا پھر اعادہ کیا گیا۔ لیکن پیر صاحب نے ایسی چُپ سادھی کہ جواب ہی نہ دیا۔ پیر صاحب کی اس خاموشی سے زچ ہو کر آخر حضرت مرزا صاحب کے لاہوری خدام نے یہ تجویز کی کہ چند آدمیوں کو دستی خط دیکر پیر صاحب کی خدمت میں بھیجا جائے شاید پیر صاحب یہ اقرار کر لیں کہ ہم کو مرزا صاحب کے ساتھ مقابلہ تفسیر میں منظور ہے تو فیصلہ ہو جائے۔ چنانچہ پیر صاحب کے نام اُن کے ورود لاہور کے دوسرے دن ۲۵۔ اگست

سنہ ۱۹۰۰ء کو ایک خط تحریر کیا گیا جس کی نقل بعینہٖ میں یہاں درج کرتا ہوں :-

"عالیجناب پیر صاحب! بعد ما وجب۔ التماس آنکہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے حافظ محمد الدین صاحب تاجر کتب لاہور نے تمام پہلے اشتہاروں کے برخلاف ایک اشتہار بدیں مضمون شائع کیا تھا کہ آپ ہمارے امام مقدس مجدد وقت مسیح معہود و مہدی مسعود خاتم الاولیاء حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے ساتھ ان کی تمام شرائط کو منظور کر کے ان سے مباحثہ کرنے کیلئے لاہور تشریف لائیں گے۔ جناب کل شام سے لاہور میں تشریف فرما ہیں اور ہم اس وقت تک اس انتظار میں تھے کہ جناب کے دستخط خاص سے کوئی تحریر مطبوعہ یا قلمی ہمارے پاس پہنچے جس میں جناب نے صریح لفظوں میں حضرت اقدس جناب مخدومنا مرزا صاحب کے اشتہار مرقومہ ۲۰۔ جولائی سنہ ۱۹۰۰ء کے مطابق مباحثہ تفسیر نویسی کرنے کیلئے آمادگی ظاہر کی ہو۔ کیونکہ بغیر اظہارِ ارادہ مطلق آپ کا یہاں تشریف لانا مفید نہیں۔ اور ہمارے پاس کوئی سند اس بات کے باور کر لینے کے لئے موجود نہیں کہ حافظ صاحب مذکور کا ساختہ پرداختہ جناب کو مثل کردۂ ذاتِ خود منظور و مقبول ہے۔ اور نہ ہی اُس میں صراحت سے لکھا ہے کہ ۲۰۔ جولائی سنہ ۱۹۰۰ء والے اشتہار کی پیش کردہ طرز مباحثہ کیلئے آپ طیار ہیں۔ اس لئے ان کی تحریر قابلِ التفات نہیں سمجھی گئی۔ اور اس لئے اس وقت تک انتظار کرنے کے بعد آخر ہم خاکساروں نے اس بات کو مناسب سمجھا ہے کہ جناب کی خدمت میں ادب سے گزارش کریں کہ اگر درحقیقت جناب دین اسلام پر رحم کر کے اس بڑے فتنہ کو مٹانے کے لئے ہی لاہور میں تشریف لائے ہیں تو فی الفور اپنے دستخط خاص سے اس مضمون کی ایک تحریر شائع کر دیں کہ ہم مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے ساتھ ان کے ۲۰۔ جولائی سنہ ۱۹۰۰ء والے اشتہار کے مطابق بلا کم و کاست شرائط سے مباحثہ تفسیر نویسی کرنے کیلئے طیار ہیں۔ ایسی تحریر پر کم از کم لاہور کے چار مشہور رئیسوں اور مولویوں کے شہادتاً دستخط کرا دیں اور اس میں کوئی پیچیدہ عبارت یا ذومعنی الفاظ تحریر نہ فرما دیں۔ صاف اور کھلے لفظوں میں لکھیں کہ اس طرز کے مطابق جس کو ۲۰۔ جولائی سنہ ۱۹۰۰ء کے اشتہار میں مرزا صاحب نے شائع کر دیا ہے ان کے ساتھ مباحثہ تفسیر کرنے کو طیار ہیں۔ ہم یہ عرض بادب کرتے ہیں کہ للہ آپ اس فیصلہ کیلئے آمادہ ہوں اور کسی طرح گریز کا خیال نہ فرما دیں۔ اور ہم آپ کو ہزار بار خدا کی قسم دیکر عرض کرتے ہیں کہ اس بڑے تنازعہ کے مٹانے کیلئے اس پیش کردہ مباحثہ تفسیر نویسی کو نباہیں تا کہ حق و باطل میں فیصلہ ہو کر اصلاح و امن پیدا ہو۔ کیونکہ اگر آپ نے اس سے

بس وپیش کیا یا پیچیدہ طور پر جواب دیا یا سکوت اختیار کیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ آپ کی نیت میں منشائے احقاق حق نہیں آپ صرف مخلوق کو دھوکا دینا اور اسلام میں فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں ہم یقین کرتے ہیں کہ فی الواقعہ آپ کو حق سے اُنس اور محبت ہے تو ضرور اس پر غور کریں گے۔ اس عریضہ کا جواب موصول ہونے پر مع جواب ہم اس کو شائع کر دیں گے۔ والسلام علےٰ من اتبع الھدےٰ

مؤرخہ ۲۵۔ اگست ۱۹۰۰ء۔ الملتمس خاکسار

معراج الدین عمر — حکیم فضل الٰہی

سکرٹری انجمن فرقانیہ لاہور — پریذیڈنٹ انجمن فرقانیہ لاہور

پیر گولڑوی صاحب کا سکوت عن الحق

مذکورہ بالا خط کو لیکر میاں عبدالرحیم صاحب داروغہ مارکیٹ (جو مرزا صاحب کے مرید نہ تھے) بمعہ دو اور آدمیوں کے پیر صاحب کی خدمت میں نماز ظہر کے وقت پہنچے۔ خط کے جواب میں پیر صاحب نے فرمایا کہ ہم اس کا جواب عصر کے بعد دیں گے۔ مگر جب پانچ بجے وقت مقررہ پر داروغہ صاحب گئے تو وہاں پہلے سے یہ انتظام کر لیا گیا تھا کہ داروغہ صاحب کو باہر سے ہی واپس کر دیا جائے تاکہ نہ وہ پیر صاحب کے سامنے ہوں اور نہ پیر صاحب کو جواب دینا پڑے۔ چنانچہ داروغہ صاحب کو پیر صاحب کے مریدوں نے باہر سے ہی جواب دیدیا کہ پیر صاحب اس خط کا جواب نہیں دیتے۔ جب پیر صاحب کا سکوت توڑنے میں اس طرح کامیابی نہ ہوئی تو دوسرے دن ۲۶۔ اگست ۱۹۰۰ء کو پیر صاحب کے نام ایک اور خط رجسٹری کروا کے بذریعہ ڈاک بھیجا گیا جس میں ان کو اس خط کا حوالہ دیکر ان کے بعد نماز عصر جواب دینے کے وعدہ کی طرف توجہ دلائی گئی اور وعدہ ایفا کرنے کیلئے درخواست کی گئی۔ اس خط کو طبع کرا کے بذریعہ رجسٹری پیر صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا تھا مگر افسوس کہ پیر صاحب کچھ ایسے ڈرے ہوئے تھے کہ انہوں نے رجسٹری لینے سے ہی انکار کر دیا۔ جب پیر صاحب نے خاموشی میں ہی اپنا بھلا سمجھا۔ اور دوسری طرف انکے مریدوں نے یہ جھوٹ مشہور کر دیا کہ پیر صاحب نے مرزا قادیانی کی تمام شرائط کو منظور کر کے اور ایک اشتہار شائع کر کے ان کو پہنچا دیا ہے بلکہ اس کے متعلق کئی ایک تاریں بھی ان کو دی ہیں مگر مرزا قادیانی نہ آتا ہے نہ جواب دیتا ہے۔ تب لاہور کی جماعت نے ۲۷۔ اگست ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار اس مضمون کا دیا کہ اب تک نہ تو پیر صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی شرائط منظور کی ہیں اور نہ کوئی تار حضرت مرزا صاحب کو دی ہے اور نہ کوئی اشتہار اپنی منظوری کا ان تک پہنچایا ہے۔ یہ جو کچھ اُڑایا جا رہا ہے بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔ اس اشتہار کا عنوان تھا "پیر مہر علی شاہ صاحب سے للہ ایک شہادت کا مطالبہ" اس میں ان سے مطالبہ کیا تھا کہ:-

"اگر پیر مہر علی شاہ صاحب چار معزز سمجھدار ہندو رئیسوں کے جلسہ میں تین دن کے اندر حلف اُٹھا کر اس بات کو ثابت کر دیں کہ پیر صاحب نے ۲۵ تاریخ کو مضمون مذکورہ بالا حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں تاریں روانہ کی تھیں اور اسی طرح اس بات کو خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر ثابت کر دیں اور اپنا اصل مشتہرہ اشتہار دکھا دیں کہ جس میں انہوں نے خود حضرت اقدس مسیح موعود مرزا صاحب کو لکھا ہو کہ آپ کے ساتھ مباحثہ تفسیر القرآن تمام شرائط مندرجہ اشتہار ۲۰۔ جولائی سنہ ۱۹۰۰ء کے مطابق کرنے کو منظور کرتا ہوں۔ اور اقرار کرتا ہوں کہ بصورت مغلوبیت مَیں آپ کی بیعت کر لوں گا۔ ...... تو ہم پیر صاحب کو اکاون روپے بطور نذر پیشکش کریں گے۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو خلقت ان کی راستبازی سمجھ لے"۔

لیکن پیر صاحب نے اس کا بھی جواب تک نہ دیا۔ اور پبلک کو جس طرح اُن کے مرید دھوکے میں ڈال رہے تھے اُسی میں اپنی خیر سمجھی۔ اس اثنا میں حضرت اقدس کا وہ اشتہار جو ۲۵۔ اگست کو آپ نے تحریر فرمایا تھا لاہور پہنچ گیا جسے فوراً شائع کر دیا گیا۔ اس میں حضرت اقدس نے اپنے ۲۰۔ جولائی سنہ ۱۹۰۰ء والے اشتہار کی شرائط کو دُہرا کر تحریر فرمایا تھا کہ یہ طریق فیصلہ مطابق قرآن کریم تھا۔ اور پیر صاحب کے لئے بھی بہت بہتر تھا۔

"کیونکہ اس طرح وہ اہل علم بھی سمجھے جاتے اور اُن کے مرید اُنہیں قطب اور صاحب ولایت بھی ماننے لگتے۔ مگر افسوس کہ انہوں نے منظور نہیں کیا اور چونکہ کھلے کھلے انکار میں ان کی علمیت اور قطبیت پر داغ لگتا تھا اس لئے ایک چالبازی کی راہ اختیار کر کے یہ حجت پیش کر دی کہ آپ کے شرائط منظور ہیں مگر اوّل قرآن و حدیث کے رُو سے تمہارے عقائد کی نسبت بحث ہونی چاہئے۔ پھر اگر مولوی محمد حسین بٹالوی اور اُن کے ساتھ دو اور آدمیوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ تم اس بحث میں حق پر نہیں ہو تو تمہیں میری بیعت کرنی پڑے گی۔ پھر اسکے بعد تفسیر لکھنے کا بھی مقابلہ کر لینا۔ اب ناظرین خود سوچ لیں کہ کیا اُنہوں نے اس طرز کے جواب میں میری دعوت کو قبول کیا یا رد کیا۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کس قسم کا ٹھٹھا اور ہنسی ہے کہ ایسے عقائد کی بحثوں میں جن میں اُن کو خود معلوم ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی سب سے اوّل مخالف شخص ہے اُسی کی رائے پر فیصلہ چھوڑتے ہیں۔ حالانکہ خوب جانتے ہیں کہ اس کا مجھے سچا قرار دینا گویا اپنی قدیم مخالفت کو چھوڑنا ہے۔ ہاں اعجازی مقابلہ پر اگر اُس کی قسم پر مدار رکھا جاتا تو یہ صورت اور تھی۔ کیونکہ ایسے وقت میں جبکہ خدا تعالیٰ ایک معجزہ کے طور پر ایک فریق کی تائید کرتا تو محمد حسین کیا بلکہ صدہا انسان بے اختیار

بول اُٹھتے کہ خدا نے اپنے روح القدس سے اس شخص کی مدد کی۔ کیونکہ اسقدر انکشاف حق کے وقت کسی کی مجال نہیں جو جھوٹی قسم کھا سکے۔ ورنہ منقولی مباحثات میں تو عادتاً ایک کودن طبع اپنے تئیں سچ پر سمجھتا ہے اور قسم بھی کھالیتا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے تحریر فرمایا کہ دعاوی پر تقریری مباحثہ سے احتراز کی وجہ وہ عہد ہے جو میں انجام آتھم میں کر چکا ہوں۔ اُسے ایسے لوگوں کے لئے توڑنا کیونکر ممکن ہے جو بات بات میں گالیاں دیتے اور گندے بھرے خطوط لکھتے رہتے ہیں۔ اس کا علاج یہ ہو سکتا ہے کہ میں اپنے دعاوی پر ایک کتاب تحفہ گولڑویہ لکھ رہا ہوں جو عنقریب شائع ہوگی۔ جب وہ کتاب پبلک میں آئے گی اور پیر صاحب موصوف اُس کا جواب لکھیں گے تو لوگوں کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے دلائل کیا ہیں اور اُن کا جواب کیا ہے۔

گولڑویوں کی اشتعال انگیزی مگر اس اشتہار کے نکلنے پر بھی پیر گولڑوی صاحب کی مہر سکوت نہ ٹوٹی اور آتھم کی طرح باوجود لوگوں کے اُکسانے اور بہت کچھ زور لگانے کے ان کو ہرگز جرأت نہ ہوئی کہ تفسیر نویسی میں مقابلہ کے لئے سامنے آویں البتہ ان کے مریدوں نے لاہور شہر میں اشتعال انگیزی کرنے میں بہت کامیابی حاصل کی۔ یہاں تک کہ حضرت مرزا صاحب پر طعن و تشنیع اور گالیوں کا ایک طوفان بے تمیزی برپا ہو گیا۔ اور آپ کے مریدوں پر زمین تنگ کر دی گئی۔ پیر صاحب لاہور کیا پہنچے کہ پیر صاحب کے ہم عقیدہ لوگ یک بارہی درندوں کی طرح وحشی ہو گئے۔ اور یہ ناممکن ہو گیا کہ حضرت مرزا صاحب کا کوئی مرید بغیر فحش گالیاں سننے کے بازاروں سے گزر سکے۔ پیر صاحب کے مرید اُچھل اُچھل کر کود کود کر گالیاں دیتے اور اسے نہایت اچھا کام سمجھتے۔ کوچہ و بازار میں تو یہ حال تھا ہی مگر نوبت بایں جا رسید کہ مسجدوں میں کھڑے ہو کر بلکہ ممبروں پر چڑھ چڑھ کر گندی گالیوں کے اشعار پڑھے گئے اور پیر گولڑوی وہاں عمدا بن کر بیٹھے رہے اور کسی کو خیال نہ آیا کہ خانۂ خدا کس کام کیلئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کے مرید جہاں کوئی اشتہار لگاتے اُسے پھاڑنے اور اُتارنے کی کوشش کی جاتی کیونکہ جانتے تھے کہ اس طرح صداقت کا اثر لوگوں پر ہوگا۔ جابجا گلی کوچوں میں جھوٹے اتہام باندھ باندھ کر وعظ کئے گئے۔ جعفر زٹلی نے اپنے جھوٹے الہام شائع کئے۔ اور جب پیر گولڑوی صاحب کو بتلایا گیا کہ زٹلی نے مرزا صاحب کا مذاق اڑانے کیلئے یہ اپنے جھوٹے الہام شائع کئے ہیں تو پیر صاحب نے بڑے شوق سے ان اشتہارات کو سُنا اور ان زٹلیات کو سُن کر خوب ہنسی اُڑائی گئی اور تعریف کی گئی کہ زٹلی نے کیسی نئی اور مزیدار بات ایجاد کی ہے۔ خود حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں گندی گالیوں سے بھرے ہوئے خطوط لکھے گئے جن میں ایسی فحش گالیاں تھیں جن سے چوہڑے چماروں کو بھی شرم آجائے مسجدوں میں وعظ کیا گیا کہ مرزا صاحب واجب القتل ہیں۔ اور تبرے بازی کے طریق پر خوب گالیاں دی گئیں اور لعن طعن کئے گئے

حضرت مرزا صاحب کے مرید جس مسجد میں بہ امامت مولوی غلام حسین صاحب جو اس مسجد کے متولی تھے نماز پڑھا کرتے تھے، ہاں گولڑوی زبردستی گھس آئے اور خوب شور و غوغا مچایا اور اس مسجد کے اردگرد کے رہنے والوں کو اشتعال دلا کر حضرت اقدس کے خدام کو اُس مسجد میں آنے سے روکنا چاہا۔ غرضکہ کہاں تک گنوایا جائے ان لوگوں کی سخت دلی اور حق دشمنی کے قصے سن کر اور ان کا طور و طریق دیکھ کر رُوح پر لرزہ پڑتا تھا کہ ان کو خدا کا کیوں خوف نہیں۔ اور کیا یہ مومنوں اور متقیوں کا طریق ہے جو ان لوگوں نے اختیار کیا ہوا ہے یا حق کے مکذبوں اور منکروں کا مسلک؟

اس کے بالمقابل حضرت مرزا صاحب کا اپنے مریدوں کو یہ ارشاد تھا کہ اعرض عن الجاھلین جاہلوں شرارت کرنیوالوں کی باتیں سُن کر خاموش رہو اور ان سے اعراض کرو۔ اور صبر سے کام لو۔ کسی کو گالی کے بدلہ میں گالی نہ دو۔ اور جو تمہارے حق میں بد بولے اس کے حق میں تم بد نہ بولو۔ تا ایسا نہ ہو کہ خلقت کی لعن طعن سننے کے علاوہ تم خدا کو بھی ناراض کر بیٹھو۔ تحمل اور بردباری اور صبر کے ساتھ ان دنوں کو گزاردو اور جو آرام اور آہستگی کے ساتھ سمجھنا چاہے اُسے سمجھاؤ اور اُسوۂ صحابہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔ انجام کار صادق ہی کامیاب ہوتے ہیں اور حق کے مقابل میں باطل بھاگ جاتا ہے۔

پیر گولڑوی صاحب پر آخری اتمام حجت

جب اشتعال انگیزی اور افترا پردازی حد سے گزر گئی اور پیر گولڑہ صاحب اپنی آنکھوں سے اپنے مریدوں کا یہ گندہ رویہ دیکھا کئے اور بجائے روکنے کے دل میں اُن کی اس مغالطہ انگیزی اور دھوکا دہی کو سراہتے اور خوش ہوتے رہے کہ اسی میں باطل کا بھلا تھا۔ تو حضرت اقدس مرزا صاحب نے آخری اتمام حجت کے طور پر ۲۸۔ اگست سنہ ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کو پہلے تو اسی مقابلہ تفسیر نویسی کے لئے دعوت دی تھی اور اس کی شرائط کو دوبارہ تفصیل سے تحریر فرمایا تھا لیکن آخری اتمام حجّت کے طور پر یہ بھی لکھ دیا کہ اگر پیر صاحب موصوف تفسیر میں مقابلہ کرنے سے عاجز ہوں جیسا کہ یہی امر سچ ہے تو چلو ایک اور طریق فیصلہ کا یہ ہے جو نہایت سہل ہے:۔

"اور وہ طرز مباحثہ کی بھی نہیں جس کے ترک کے لئے میرا وعدہ ہے اور وہ طریق یہ ہے کہ ...... مجھے اجازت دی جائے کہ مجمع عام میں ..... تین گھنٹے تک اپنے دعوے اور اس کے دلائل کو پبلک کے سامنے بیان کروں۔ پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف کوئی خطاب نہ ہوگا۔ اور جب میں تقریر ختم کر چکوں تو پھر مہر علی شاہ صاحب اٹھیں اور وہ بھی تین گھنٹے تک پبلک کو مخاطب کر کے یہ ثبوت دیں کہ حقیقت میں قرآن اور حدیث سے یہی ثابت ہے کہ آسمان سے مسیح آئے گا پھر

اس کے بعد لوگ ان دونو تقریروں کا خود موازنہ اور مقابلہ کرلیں گے"۔

آپ نے اس اشتہار میں یہ شرط بھی لگائی کہ چونکہ پیر صاحب کے ساتھ سرحدی اور آشفتہ مزاج لوگوں کی ایک جماعت ہے جو ہر وقت فساد پر آمادہ رہتے ہیں اور نیز اُن کے مریدوں نے لاہور میں سخت اشتعال پیدا کر دیا ہے اور میرے واجب القتل ہونے کے فتوے دیئے گئے ہیں اور قرآن کریم کا حکم ہے کہ لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ اس لئے ضروری ہے کہ لاہور شہر میں مسلمان رؤسا مثلاً نواب غلام محبوب سبحانی اور نواب فتح علی خاں اور ڈپٹی برکت علی خاں صاحبان حفظ امن کی ذمہ واری لے لیں تو مَیں لاہور آجاتا ہوں۔ مَیں اپنے مریدوں کی طرف سے خود حفظ امن کی ذمہ واری لیتا ہوں بلکہ اس کیلئے مبلغ دو ہزار روپے بطور ضمانت۔ ان ہر سہ رئیسوں کے پاس جمع کرا دونگا۔ اور ان رئیسوں سے بھی اپیل کی کہ حق و باطل کے فیصلہ کیلئے انہیں غیرت اسلامی سے کام لیکر یہ کام ضرور کرنا چاہئے۔ اور اپنے روبرو اس مقابلہ کو اخیر تک پہنچا کر عنداللہ ماجور ہونا چاہئے۔ آخر مسلمانوں میں اس قسم کا تفرقہ کوئی خوبی تو نہیں۔

پیر گولڑوی صاحب کا فرار

حضرت اقدس مرزا صاحب کی طرف سے یہ اشتہار ۲۸۔ اگست ۱۹۰۰ء کو شائع ہوا۔ چونکہ مشہور تھا کہ پیر گولڑوی صاحب کا ارادہ جمعہ تک لاہور میں ٹھیرنے کا ہے اس لئے یہ اشتہار لاہور میں قادیان سے دستی آیا تاکہ جمعہ کے دن پیر صاحب کی خدمت میں یہ اشتہار پیش کر دیا جائے۔ اِدھر مصیبت یہ درپیش ہوئی کہ لاہور کے تعلیم یافتہ لوگوں نے پیر صاحب سے درخواست کی کہ وہ نماز جمعہ بادشاہی مسجد میں پڑھیں اور وہاں پبلک میں تقریر فرما دیں تاکہ ان کے علم و فضل سے لاہور کے لوگوں کو بھی مستفیض ہونے کا موقع ملے۔ یہ سُن کر پیر صاحب کے تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اُنہیں تعلیم یافتہ طبقہ میں تقریر کرنے کی جرأت کہاں تھی۔ مریدوں کے مجمع میں اُلٹی سیدھی باتیں کرکے اور اشتعال انگیزی سے کام لیکر شور و غل مچوا دینا اور بات ہے۔ اور فہمیدہ لوگوں کے درمیان کوئی معقول تقریر کرنا امر دیگر ہے۔ پہلے تو بہت ٹال مٹول کئے لیکن جب لوگوں کا اصرار زیادہ بڑھا تو انہیں اپنی علمیت اور قابلیت کی پردہ دری سے بچنے کی کوئی اور تدبیر نہ سوجھی سوائے اس کے کہ لاہور سے فوراً بستر گول کر جائیں۔ چنانچہ جمعہ سے پہلے ہی ایک دن سُننے میں آیا کہ پیر صاحب موصوف لاہور سے گولڑہ کی طرف رحلت فرما گئے۔ البتہ مریدوں کو چلتے ہوئے یہ وصیت کر گئے کہ مرزا صاحب اور ان کی جماعت کی کتابیں اور اشتہارات نہ پڑھیں۔ ناچار حضرت مرزا صاحب کا ۲۸۔ اگست ۱۹۰۰ء والا اشتہار تین عدد بذریعہ رجسٹری پیر صاحب کی خدمت میں گولڑہ بھیجا گیا اور ساتھ ہی جماعت لاہور کی طرف سے ایک خط بھی لکھا گیا

جس میں اُن کی آمدورفت کا سیکنڈ کلاس کا کرایہ اور اُن کے دو خادموں کی آمدورفت کا انٹرمیڈیٹ کلاس کا کرایہ اُن کی خدمت میں نذر کرنے کا بھی وعدہ کیا گیا۔ لیکن پیر گولڑوی صاحب نے اسی میں اپنی نجات سمجھی کہ جواب ہی نہ دیا جائے۔ مریدوں نے جو کچھ پبلک میں غلط فہمی پھیلا دی تھی اُسی پر نازاں اور فرحاں ہو کر چُپ کرکے بیٹھ رہے۔

اعجاز المسیح کی تصنیف

کتاب اعجاز المسیح کی تصنیف کے وجوہات

جب پیر گولڑہ صاحب کچھ نہ بولے تو سید محمد احسن صاحب امروہی نے ایک کتاب شمس بازغہ شمس الہدایہ کے جواب میں لکھی جس میں پیر صاحب کی کتاب کے پرخچے اڑا دیئے۔ لیکن پیر گولڑوی صاحب کے مریدین نہایت بےحیائی سے یہی جھوٹ اُڑاتے گئے کہ پیر صاحب تو مرزا قادیانی کی تمام شرائط منظور کرکے اُن سے تفسیر نویسی کے مقابلہ کیلئے لاہور گئے تھے لیکن مرزا کسی کونے میں گھس گیا اور سامنے نہ آیا حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ پیر صاحب کی تو بالمقابل تفسیر نویسی سے جان جاتی تھی۔ اُس سے جان بچانے کیلئے ہی تو انہوں نے یہ ڈھونگ کھڑا کیا تھا کہ پہلے مرزا صاحب سے ان کے دعاوی پر بحث ہو اور پھر جب مولوی محمد حسین بٹالوی اور ان کے ہم خیال مولوی پیر صاحب کے حق میں فیصلہ دیں تب مرزا صاحب پیر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کریں اور اپنے عقائد اور دعاوی سے توبہ کریں تب انہیں اجازت دی جائے گی کہ اب تفسیر نویسی میں مقابلہ کرلو۔ سمجھ نہیں آتا کہ جب حضرت مرزا صاحب نے اپنے دعاوی سے توبہ کرلی اور پیر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرکے اُن کے مرید بن گئے تو اس کے بعد مرید کا اپنے ہی پیر سے تفسیر نویسی میں مقابلہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور اس کی ضرورت کہاں باقی رہی؟ غرضیکہ جب پیر گولڑوی صاحب کے مریدین اپنی افترا بازیوں اور کذب بیانیوں سے باز نہ آئے تو حضرت اقدس نے ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار پیر مہر علی شاہ گولڑوی کو خطاب کرتے ہوئے شائع فرمایا جس میں اس مقابلہ تفسیر نویسی کے متعلق تمام صحیح صحیح واقعات کا ذکر فرما کے اور پیر صاحب کے فرار کو طشت از بام کرکے اخیر میں آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"آج میرے دل میں ایک تجویز خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی جس کو میں اتمام حجت کے لئے پیش کرتا ہوں۔ اور یقین ہے کہ پیر مہر علی صاحب کی حقیقت اس سے کھل جائے گی۔ کیونکہ تمام دنیا اندھی نہیں ہے۔ انہی میں وہ لوگ ہیں جو کچھ انصاف رکھتے ہیں۔

اور وہ تدبیر یہ ہے کہ آج میں ان متواتر اشتہارات کا جو پیر مہر علی شاہ صاحب کی تائید میں نکل رہے ہیں یہ جواب دیتا ہوں۔ کہ اگر درحقیقت پیر مہر علی شاہ صاحب علم معارف قرآن اور عربی کی ادب اور فصاحت اور بلاغت میں یگانۂ روزگار ہیں تو یقین ہے کہ اب تک وہ طاقتیں ان میں موجود ہونگی کیونکہ لاہور آنے پر ابھی کچھ بہت زمانہ نہیں گزرا۔ اس لئے میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ میں اسی جگہ بجائے خود سورۂ فاتحہ کی عربی فصیح میں تفسیر لکھ کر اس سے اپنے دعوے کو ثابت کروں اور اس کے متعلق معارف اور حقائق سورۂ ممدوحہ کے بھی بیان کروں۔ اور حضرت پیر صاحب میرے مخالف آسمان سے آنے والے مسیح اور خونی مہدی کا ثبوت اس سے ثابت کریں اور جس طرح چاہیں سورۂ فاتحہ سے استنباط کر کے میرے مخالف عربی فصیح و بلیغ میں براہین قاطعہ اور معارف ساطعہ تحریر فرمادیں۔ یہ دونو کتابیں دسمبر ۱۹۰۰ء کی پندرہ تاریخ سے ستّر دن تک چھپ کر شائع ہو جانی چاہئیں۔ تب اہل علم لوگ خود مقابلہ اور موازنہ کرلیں گے۔ اور اگر اہل علم میں سے تین کس جو ادیب اور اہل زبان ہوں اور فریقین سے کچھ تعلق نہ رکھتے ہوں قسم کھا کر کہدیں کہ پیر صاحب کی کتاب کیا بلاغت اور فصاحت کے رو سے۔ اور کیا معارف قرآنی کے رُو سے فائق ہے۔ تو میں عہد صحیح شرعی کرتا ہوں کہ پانسو روپیہ نقد بلا توقف پیر صاحب کی نذر کروں گا۔ اور اس صورت میں اس کوفت کا بھی تدارک ہو جائے گا جو پیر صاحب سے تعلق رکھنے والے ہر روز بیان کر کے روتے ہیں کہ ناحق پیر صاحب کو لاہور آنے کی تکلیف دی گئی۔ اور یہ تجویز پیر صاحب کے لئے بھی سراسر بہتر ہے کیونکہ پیر صاحب کو شاید معلوم ہو یا نہ ہو کہ عقلمند لوگ ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ پیر صاحب کو علم قرآن میں کچھ دخل ہے یا وہ عربی فصیح بلیغ کی ایک سطر بھی لکھ سکتے ہیں۔ بلکہ ہمیں ان کے خاص دوستوں سے یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بہت خیر ہوئی کہ پیر صاحب کو بالمقابل تفسیر عربی لکھنے کا اتفاق پیش نہیں آیا ورنہ ان کے تمام دوست ان کے طفیل سے شاہت الوجوہ سے ضرور حصّہ لیتے۔ سو اس میں کچھ شک نہیں کہ ان کے بعض دوست جن کے دلوں میں یہ خیالات ہیں جب پیر صاحب کی عربی تفسیر مزین بہ بلاغت و فصاحت دیکھ لیں گے تو ان کے پوشیدہ شبہات جو وہ پیر صاحب کی نسبت رکھتے ہیں جاتے رہیں گے۔ اور یہ امر موجب رجوع خلائق ہوگا جو اس زمانہ کے ایسے پیر صاحبوں کا عین مدعا ہوا کرتا ہے۔ اور اگر پیر صاحب مغلوب ہوئے تو تسلی رکھیں کہ ہم ان سے کچھ نہیں مانگتے۔ اور نہ ان کو بیعت کرنے کیلئے مجبور کرتے ہیں۔ صرف ہمیں یہ منظور ہے

کہ پیر صاحب کے پوشیدہ جوہر اور قرآن دانی کے کمالات جس کے بھروسہ پر انہوں نے میری رد میں کتاب تالیف کی لوگوں پر ظاہر ہو جاویں۔ اور شاید زلیخا کی طرح اُن کے منہ سے بھی الآن حصحص الحق نکل آئے۔ اور ان کے نادان دوست اخبار نویسوں کو بھی پتہ لگ جائے کہ پیر صاحب کس سرمایہ کے آدمی ہیں۔ مگر پیر صاحب دلگیر نہ ہوں۔ ہم ان کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ بے شک اپنی مدد کیلئے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی اور محمد حسین بھیں وغیرہ کو بلا لیں۔ بلکہ اختیار رکھتے ہیں کہ کچھ طمع دیکر دو چار عرب کے ادیب بھی طلب کر لیں۔ فریقین کی تفسیر چار جزو سے کم نہیں ہونی چاہئے۔ اور اگر میعاد مجوزہ تک یعنی ۱۵۔ دسمبر ۱۹۰۰ء سے ۲۵۔ فروری ۱۹۰۱ء تک جو ستر دن ہیں فریقین میں سے کوئی فریق تفسیر سورۂ فاتحہ چھاپ کر شائع نہ کرے اور یہ دن گزر جائیں تو وہ جھوٹا سمجھا جائے گا۔ اور اس کے کاذب ہونے کے لئے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں رہے گی۔"

اعجاز المسیح کی اشاعت اس اشتہار کے مطابق حضرت اقدس مرزا صاحب نے ۲۰۔ فروری ۱۹۰۱ء کو اپنی مشہور معرکۃ الآرا تصنیف اعجاز المسیح شائع فرمائی جس میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر ایسی فصیح و بلیغ عربی میں شائع فرمائی ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سورۂ فاتحہ کے معارف اور حقائق ایسے عجیب و غریب بیان فرمائے ہیں کہ روح وجد کر اُٹھتی ہے اور ہر ایک فطرت سلیمہ بے اختیار پکار اُٹھتی ہے کہ یہ تفسیر روح القدس کی تائید سے لکھی گئی ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اسمائے صفاتیہ الرحمٰن اور الرحیم سے جس خوبصورتی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں نام احمدؐ اور محمدؐ کو استنباط کیا ہے۔ اور ان دونوں ناموں کو مذکورہ بالا دونوں صفات الٰہیہ کا پرتو ثابت کیا ہے۔ اُسے پڑھ کر انسان کے دل و دماغ سے صلّ علیٰ محمدؐ کا شور بلند ہوتا ہے اور پتہ لگتا ہے کہ مفسر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان کی کس قدر اعلیٰ درجہ کی معرفت حاصل ہے۔ مَیں اپنے الفاظ میں نہایت اجمال اور اختصار کے ساتھ چند سطروں میں اس نکتہ کو بیان کر دیتا ہوں مفصل بحث اصل کتاب میں پڑھیں۔ بطور مشتے نمونہ از خروارے یوں سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی جو حسن اور احسان میں کامل ہے رحمان صفت کا تقاضہ ہے کہ اپنے بندہ پر بغیر اس کے کسی عمل کے وہ بے انتہا رحم اور عنائتیں فرماتا اور اس طرح اپنے حسن اور احسان کا اس بندہ پر اظہار فرماتا ہے تو پھر یہ بھی انسانی فطرت کا تقاضہ ہے کہ ایسے صاحب حسن و احسان سے ایک صاحب بصیرت شکر گزار بندہ کو محبت پیدا ہو۔ پھر جس جس طرح ان عنایات اور حسن و احسان کے فیوض کا اس بندہ پر بیش از پیش نزول ہوتا ہے ویسے ویسے اس بندہ

کی محبت بھی ذات باری سے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جس چیز کی محبت جس قدر زیادہ بڑھتی ہے اسی قدر اس کی تعریف اور حمد میں بندہ رطب اللسان ہوتا ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت اور حمد کے اس مقام پر بدرجہ کمال پہنچا وہ احمدؐ کہلایا جس کے معنے ہیں بار بار اور بہت حمد کرنے والا۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص جناب الٰہی کی جس قدر زیادہ حمد کریگا اور اس کی حمد کی دنیا میں تبلیغ کریگا اتنا ہی الرحیم صفت کے ماتحت جو اعمال پر نتائج مترتب کرتی ہے وہ جناب الٰہی کی نگاہ میں محبوب ہوتا چلا جائیگا اور جو جناب الٰہی کی نگاہ میں جسقدر زیادہ محبوب ہوگا اتنا ہی وہ قابل تعریف اور قابل حمد ہوگا پس جس شخص نے اپنی حمد کی وجہ سے جناب الٰہی کی محبوبیت کے مقام کو اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ تک حاصل کیا وہ اتنا ہی زیادہ قابل حمد ٹھیرا اور محمدؐ کہلایا جس کے معنے ہیں بہت حمد کیا گیا۔ پس احمد نام اللہ تعالیٰ کا محب بننے کے کمال کو ظاہر کرتا ہے اور محمدؐ نام اللہ تعالیٰ کا محبوب بننے میں کمال کو ظاہر کرتا ہے: پس ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو دو نام احمدؐ اور محمدؐ ہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی صفات الرحمٰن اور الرحیم کے مظہر ہیں اور اُن نتائج عالیہ کو ظاہر کرتے ہیں جو انسان کے ان صفات الٰہیہ سے استمداد کرنے پر ظاہر ہوتے ہیں اور جن میں سب سے زیادہ کمال حاصل کرنیوالے کیلئے احمدؐ اور محمدؐ سے زیادہ پُرمعنی نام اور متصوّر نہیں ہوسکتے۔ اور یہ اس وجہ سے تھا کہ محبت الٰہیہ کے دونو پہلو یعنی اللہ تعالیٰ کے محب اور محبوب بننے میں آپ اس انتہائی نقطۂ کمال پر پہنچ گئے جو بشر کے لئے ممکن تھا۔ گویا قرآن کریم کے شروع میں ہی صفات الرحمٰن اور الرحیم نے اشارہ کر دیا کہ ان صفات کا فیض کامل اگر دیکھنا ہو تو اس انسان کامل کو دیکھ لو جس کا نام احمدؐ و محمدؐ ہے۔ اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ آل محمّدٍ وبارک وسلّم انک حمیدٌ مجیدٌ۔ اسی طرح سورہ فاتحہ کی تفسیر آپ نے فرمائی ہے اور معارف و حقائق کے دریا بہائے ہیں۔ اور آپ نے ثابت کیا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم میں جس منعم علیہم گروہ کے انعامات کو حاصل کرنے کیلئے یہ دعا سکھائی ہے اگر ان انعامات کے وارث اس اُمت میں نہ پیدا ہوں تو پھر یہ دعا بیکار ٹھیرتی ہے۔ پس ان انعامات کے وارث ہمیشہ اس اُمّت میں ہوئے۔ اور اس زمانہ میں میں اس کا وارث ہوں۔ غرضکہ ساری تفسیر قابل دید ہے اور عربی زبان میں ہے جس کا ترجمہ بین السطور فارسی زبان میں بھی موجود ہے۔ کیا بلحاظ عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کے اور کیا بلحاظ معارف حقائق کے یہ ایک بیش بہا کتاب ہے اور درحقیقت ایک اعجاز کا حکم رکھتی ہے +

ایک عزت کے خطاب والی پیشگوئی کا پورا ہونا

آپ نے اس کتاب کی اشاعت سے بہت پہلے ۲۲۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو ایک اشتہار دیا تھا جس میں اپنا ایک الہام بطور پیشگوئی شائع فرمایا تھا جو حسب ذیل تھا:۔

"ایک عزت کا خطاب۔ ایک عزت کا خطاب۔ ولک خطاب العزۃ ایک بڑا نشان اسکے ساتھ ہوگا"

جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ایک ایسا نشان ظاہر ہونے والا ہے جس سے آپ کی جناب الٰہی میں عزت کا مقام ظاہر ہوگا سو وہ یہی تفسیر سورۃ الفاتحہ تھی۔ کیونکہ یہ قرآن کریم کا فتویٰ ہے کہ لا یمسّہٗ الا المطہّرون کہ خدا کی اس کتاب کے حقائق و معارف کا علم نہیں رکھتے مگر وہی جو پاک کئے گئے ہیں۔ پس آپ کا ایسے اعلیٰ درجہ کے قرآنی حقائق و معارف کا بیان کرنا پھر اتنی قلیل میعاد میں۔ آپ کے تقویٰ و طہارت کے اس عالی مقام پر دلالت کرتا ہے جو جناب الٰہی کی نظر میں ایک عزت کا مقام ہے اور جس کی وجہ سے آپ عزت کے خطاب کے مستحق تھے۔ اور دیکھ لو پیر مہر علی شاہ گولڑوی اپنے تمام مددگاروں مولوی غازی وغیرہ سمیت اپنے گھر میں بیٹھ کر دنیا بھر کی تفسیروں اور مولویوں اور عربی زبان کے ادیبوں کے موجود ہوتے ہوئے بالمقابل تفسیر لکھنے سے عاجز رہا۔ اور نہ صرف یہ کہ یہ ستّر دن کی میعاد جو حضرت مرزا صاحب کے اشتہار کے بموجب ۲۵۔ فروری ۱۹۰۱ء کو ختم ہوتی تھی گزر گئی بلکہ پیر گولڑوی صاحب کی تمام عمر گزر گئی مگر سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کی دو سطریں لکھنی بھی نصیب نہ ہوئیں۔ جب تک کسی شخص کو خدا کے دربار میں عزت نہ ہو اور تقویٰ و طہارت سے حصہ نہ ہو اس طرح مقابلہ کے میدان میں خدا کے کلام کی تفسیر لکھنے کی توفیق نہیں ملتی۔

حضرت مرزا صاحب نے کس قدر خلاف واقعات کے اندر یہ تفسیر لکھی

اس تفسیر لکھنے میں حضرت اقدس مرزا صاحب کا اعجاز اور بھی ظاہر ہوتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کس قدر خلاف واقعات کی موجودگی میں آپ نے یہ تفسیر لکھی۔ آپ نے ستّر دن کی میعاد تو شائع فرما دی جو ۲۵۔ فروری ۱۹۰۱ء کو ختم ہوتی تھی۔ لیکن اس اثنا میں آپ بیمار ہو گئے اور ایسے سخت بیمار ہو گئے کہ اگر خدا کے وعدوں پر ایمان نہ ہوتا تو زیست کی کوئی امید باقی نہ رہ گئی تھی۔ میں اس موقعہ پر مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کے ایک مطبوعہ خط میں سے کچھ اقتباس بقدر ضرورت نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ لکھتے ہیں:۔

"پیر گولڑوی کے مقابل تفسیر لکھنے کی میعاد (۷۰) دن ٹھیری تھی۔ اس بڑی ہی تھوڑی میعاد میں سے بھی جو اصلاً اور حقیقتاً سورۃ فاتحہ کی عربی فصیح میں غیر مسبوق حقائق کے ساتھ تفسیر لکھنے کے لئے نہایت غیر مکتفی تھی۔ پورے تیس دن حضرت حجۃ اللہ علیہ السلام (حضرت مرزا صاحب۔ ناقل) نے یوں منا کر دیئے کہ اس اثنا میں آپ کے دست و قلم میں خالص منافرت رہی۔ ایک نقطہ تک تو نہ لکھا اور نہ اُس غیر مامور کو جگہ سے ہلا دینے والے کلام کی نازک فرمداری کی طرف کچھ توجہ ہی کی۔ پورے ایک مہینہ کے بعد جب لکھنے کا ارادہ کیا معًا بروالطراف اور ضعف کے اس قدر متواتر دورے پڑنے شروع

ہوئے کہ بسا اوقات دل کی امید زندگی کے چراغ کو شمع سحری کی طرح ٹمٹما تا دیکھ کر یاس کے تاریک کونے میں سرنگون بیٹھ جاتی تھی۔ مَیں نے دس سال میں اس قدر اتصال اور ہجوم ان ہولناک امراض کا نہیں دیکھا تھا۔ صحت کا یہ حال اور وعدہ اس قدر مضبوط۔ منجانب اللہ ہونے۔ موید من اللہ ہونے کا ایک نشان اور معیار۔ اور ایک چلّہ باقی۔ کوئی معمولی آدمی ہو اور عزّت و ذلّت کا معاملہ ہو تو ایک سوچنے والا سوچ سکتا ہے کہ اس کے دل اور جان پر کیا گزر سکتی ہے۔ یہاں سارے جہان سے ٹکر لگی ہوئی ہے۔"

پھر ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"حضرت مامور علیہ السلام دن رات میں کئی مرتبہ موت تک پہنچ جاتے اور بیسیوں دفعہ لکھتے لکھتے تین تین چار چار لحاف اوڑھ کر لیٹ جاتے اور ہاتھ پیر مردہ بیجان کی طرح ٹھنڈے ہو جاتے۔"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"کل جمعہ کے دن ۲۲۔ فروری کو یہاں قابل دید نظارہ تھا جبکہ قدس کے میدانوں میں جولان کرنے والا اشہب قلم آپ کا منزل مقصود پر بعافیت و خیریت پہنچ کر آرام سے کھڑا ہوگیا۔ رات کو حضرت مامور علیہ السلام (حضرت مرزا صاحب۔ ناقل) آدھی رات سے زیادہ تک اور پھر اس افراتفری میں جمے ہوئے اور نکالے ہوئے پروف دیکھتے رہے مطبع کے کارکن رات بھر کام کرتے رہے۔ اور آج ۲۳۔ (۲۳۔ فروری سنہ ۱۹۰۱ء۔ ناقل) کی صبح کو اعجاز المسیح پورے دوسو صفحوں میں مکمل ہوکر ڈاک کے ذریعہ مختلف مقامات میں بھیجا گیا۔ ظہر کی نماز کے وقت جب آپ مسجد میں تشریف لائے آپ کا درخشاں چہرہ جس پر کامیابی اور نصرت حق اور محبوبیت ڈھیروں پھول برسا رہی تھی عشاق کیلئے ایک نورانی مشعل تھا جس کی روشنی میں وہ براہ راست وجہ اللہ کو دیکھتے تھے۔ ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی جب انہوں نے دیکھا کہ خدا تعالیٰ کی وحی کس شان اور قوت سے پوری ہوئی جو اس سے ڈیڑھ ماہ پہلے تمام بلاد میں شائع کی گئی تھی کہ "دشمنوں کی فتح ہوگئی۔ خدا کی فتح بعد میں آوے گی"۔ وہ فتح جو عوام نے مہر علی شاہ کی طرف منسوب کی وہ بازاری شور سے زیادہ نہ تھی۔ مگر خدا کی نصرت جو اعجاز المسیح کی شکل میں ظاہر ہوئی علمی معجزہ اور دائمی فتح ہے جس کے حروف زمانہ کے صفحوں پر سدا چمکتے رہیں گے۔"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"غرض غیور خدا تعالیٰ نے کچھ دیر صبر کیا تاکہ بندوں کی دانش اور ایمان کو آزمائے۔ اور جب دیکھ لیا کہ سیاہ دل بیدادگر باز نہیں آتے اور ہنوز مہر علی شاہ کو آسمان پر چڑھا رہے ہیں تب اُس

کی غیرت نے جوش مارا اور اپنے بندہ کے دل میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر کی تحریر القا کی۔ اور یہ بڑی صاف اور فیصلہ کی راہ اور حق وصدق اور کذب کا معیار تھی۔ اور یہ کام پہلے کام سے آسان تر تھا اس لئے کہ گھر میں بیٹھ کر لکھنا اور کتابوں سے مدد لے سکنا اور دیگر شہدا کو اپنی تائید میں جمع کرنا اس میں ممکن و میسّر تھا لیکن اس میں وہی سرخرو ہوا جس کیلئے سرخروئی مقدر تھی۔ اور اعجاز المسیح نے صاف ثابت کر دیا کہ مہر علی شاہ اس میدان کے مرد نہ تھے۔ اور اس کی بانگ طبل تہی کی بانگ سے زیادہ نہ تھی۔ وہ اُس وقت جلسۂ عامہ میں بھی شرمسار ہی ہوتے جیسے اب اتنا وسیع اور حسب مراد موقعہ ملنے پر خائب وخاسر ہوئے ہیں۔ وہاں اُس وقت اکیلے شرمندہ ہوتے اب اپنے ناعاقبت اندیش حامیوں کی ایک جماعت کو ساتھ لے ڈوبے ہیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ ہوا کیا کہ اتنی تھوڑی یا کافی میعاد میں اعجاز المسیح تو نمودار ہو گیا اور مہر علی شاہ اور اسکے امثال ساکت اور مبہوت رہ گئے۔"

پھر لکھتے ہیں:۔

"سوچو اور غور کرو یہ ہوا کیا کہ اس مقابلہ میں تمام قلم ٹوٹ گئے اور بے شمار عالموں سے ایک ہی کو اور اسی کو جس کا خدا کی طرف سے مؤید و منصور ہونے کا دعویٰ تھا اس کے لکھنے اور پورا کرنے اور میعاد کے اندر شائع کرنے کی توفیق ملی۔ اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ ایسا ظالم نہیں اور اس کی سنت کبھی ایسی ثابت نہیں ہوئی کہ اس طرح ایک شخص میدان میں کھڑا ہو کر اپنی صداقت کا کوئی ثبوت اور معیار پیش کرے اور ہو وہ کاذب اور مفتری علی اللہ اور اس کے مقابل ہوں صادقین کاملین ملہمین علمائے کرام اور سجادہ نشینان عظام پھر وہ کامیاب ہو جائے اور اس کے منہ کی بات حرفاً حرفاً پوری ہو جائے۔ اور وہ بزرگ اور پاک جماعت مبہوت اور مخذول رہ جائے۔ اے دانشمند و سوچو۔ اے خدا کو ماننے والو۔ فکر کرو۔"

آپکا زبان عربی کا علم بھی ایک اعجازی نشان تھا

حضرت اقدس مرزا صاحب کی اس اعجازی تصنیف پر بحث کرتے ہوئے مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی اس بات کو بھی سامنے لاتے ہیں کہ حضرت اقدس رسمی طور پر علم عربی کے ماہر نہ تھے۔ آپ کا زبان عربی میں اسقدر فصیح و بلیغ کتابیں لکھنا بجائے خود ایک خارق عادت امر تھا اور یہ بھی ایک علم لدنی تھا جو جناب الٰہی کی طرف سے آپ کو اعجازی نشان کے طور پر ملا تھا۔ لکھتے ہیں:۔

"مَیں نے حضرت امام علیہ السلام کو اُمّی کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ گواہ اور آگاہ ہے کہ مَیں نے مبالغہ اور اطراء سے کام نہیں لیا..... حضرت حجۃ اللہ آیۃ اللہ (حضرت مرزا صاحب۔ ناقل) کو دیکھتا ہوں

اور برسوں سے دیکھتا ہوں کہ ہر رنگ میں ہر فن میں اور ہر حال میں اُمّیت آپ پر غالب ہے آپ کے قلب کی بناوٹ ایسی بنائی گئی ہے اور آپ کے پیش نما و مقاصد اور مطالع ایسے رکھے گئے ہیں کہ اس لازوال ذوالجلال قبلہ کے سوا اور طرف رُخ توجہ پھیر ہی نہیں سکتے۔ کبھی ایک ادیب کی طرح کسی ادب کی کتاب کا مطالعہ ہو کسی فن کی کتاب میں انہماک و استغراق ہو۔ یہ موقع کبھی آپ کے پیش آیا ہی نہیں۔ عربی میں تصانیف کے اختیار کرنے کا محرک خود مَیں ہی ہؤا۔ میری ہی رُوح میں خدا تعالیٰ نے پہلے یہ جوش ڈالا کہ یہ آسمانی نعمت عربی کے ظروف میں عربوں کے آگے بھی پیش کی جاوے۔ اس تحریک پر سب سے پہلے آپ نے تبلیغ لکھی جو آئینہ کمالات اسلام کے ساتھ شامل ہے۔ اس کیفیت کو میرا ہی دل خوب جانتا ہے جو اس پس و پیش اور تحیّر کے نقشہ سے مَیں نے سمجھی جو میری اس درخواست پر آپ پر طاری ہؤا۔ کس معصوم اور بے بناوٹ سادگی اور صفائی سے آپ نے فرمایا کہ بات تو اچھی ہے اور یہ کام بڑا نازک ہے میری بساط اور استعداد سے باہر ہے پھر کچھ سوچ کر فرمایا۔ اچھا مَیں پہلے اُردو میں مسودہ طیار کروں گا پھر میں اور آپ (یہ عاجز راقم) اور مولوی صاحب (مولوی نورالدین صاحب) مل ملا کر اس کا ترجمہ عربی میں کرینگے۔ تحریک تو ہو ہی چکی تھی۔ رات کو قادر حکیم عزّاسمہٗ کی طرف سے اس بارے میں وحی ہوئی کہ عربی میں لکھیں اور مغایہ بھی آپ کو تسلّی دی گئی کہ عربی زبان کے بہت سے حصّے پر آپ کو قبضہ مرحمت کیا گیا اور لکھنے کے وقت خود رُوح پاک آپ کی زبان اور قلم پر لغات عربی کو جاری کر دے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ سب سے پہلے کتاب تبلیغ جس کی تالیف کے سارے زمانہ میں مَیں ساتھ رہا۔ اور مجھے اس کے فارسی میں ترجمہ کرنے کا شرف حاصل ہؤا ایسی فصیح بلیغ نکلی کہ ایک فاضل ادیب عرب نے اسے پڑھ کر حضرت موعود کو لکھا کہ تبلیغ کو پڑھ کر میرے دل میں آیا کہ سر کے بل رقص کرتا ہؤا قادیان تک آؤں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اور اس کے مثیلوں نے اس سے پہلے بہت شور مچا رکھا تھا کہ وہ (حضرت موعود علیہ السلام) عربی کا ایک صیغہ نہیں جانتے اور صرف و نحو اور فلاں فلاں علم سے قطعًا واقف نہیں۔ اور فتوئے تکفیر سے تھوڑی دیر قبل سیالکوٹ میں ہماری مسجد کے اندر جناب حکیم حسام الدین صاحب کے مقابل تکرار کرتے ہوئے غیظ و غضب میں بھر کر یہ کہا کہ مرزا ایک اُردو خوان منشی ہے وہ عربی کیا جانتا ہے۔ اس کی تعریف اور مدح میں اتنا مبالغہ کیا جاتا ہے۔ مَیں اب جاتا ہوں اور اس کا بند و بست کرتا ہوں۔ اور ایک دم میں اس کے سارے سلسلہ کو الٹاتا ہوں۔ اسی دھمکی اور بخار کا سر جوش وہ تکفیر کا فتویٰ تھا جو اس کے تھوڑے دنوں بعد اس کے قلم سے نکلا۔

کاش یہ لوگ کبھی اس انانیت سے بھرے ہوئے بول کی نامرادی اور ذلت پر غور کرتے کہ اس کا بولنے والا کہاں سے کہاں پہنچا۔ اس کا قلم ٹوٹ گیا۔ اس کے تمام جوش ٹھنڈے پڑ گئے۔ اس کا اشاعت کا دفتر گاؤ خورد ہوگیا۔ وہ جو آسمانی علوم کی اشاعت اور تقلّب الی السماء کا مدعی تھا۔ وہ زمینی اور زمینی حطام پر سرنگوں ہوگیا...... درحقیقت ان مولویوں کی بات سچ تھی۔ اور ان کا یہ اعتراض اور انکار کہ آپ لسان عرب سے ماہر نہیں ان کی واقفیت اور علم پر مبنی تھا......

مگر افسوس اور صد ہزار افسوس کہ جب غیور اور حکیم خدا نے ان کی شکایت رفع کر دی اور احسن طور پر رفع کر دی اور حضرت مامور کو اس پاک زبان کے تبحر میں جن وانس پر سبقت اور فوق دیدیا۔ اس پر بھی انہوں نے اعراض اور استکبار کیا اور خدا تعالیٰ کے اس نشان سے کچھ بھی فائدہ نہ اٹھایا ...... خدا کا کتنا فضل ہے اور اس کی رحمت کا کھلا نشان ہے کہ سارے مولوی اور خود میں بھی ان کے ساتھ اس مرکز پر متفق تھا کہ درحقیقت آپ اُمی محض ہیں۔ اُن سب نے اور میں نے یکساں یہ نشان دیکھا کہ فصاحت و بلاغت عربی کا وہ معجزہ آپ کو دیا گیا کہ ہندوستان بھر کے ادبا و فضلا اس کے مقابلہ اور اس کی مثل لانے سے عاجز آگئے۔ مجھے اور میرے احباب کو خدائے کریم نے اس راہ سے ایمان اور عرفان میں روز افزوں قوت اور سکینت بخشی اور ان مولویوں کو طغیان اور حسد میں ترقی دی۔"

اشتہار در بارۂ اعجاز المسیح اس کتاب اعجاز المسیح کی اشاعت کے ساتھ ہی حضرت اقدس مرزا صاحب نے ۲۰۔ فروری ۱۹۰۱ء کو ایک اشتہار بھی شائع فرمایا جس میں اس کتاب اعجاز المسیح کو جو سورۃ الفاتحہ کی بےنظیر تفسیر پر مشتمل ہے اُس پیشگوئی کا مصداق قرار دیا جو آپ نے ۲۲۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو شائع فرمائی تھی۔ اور جس میں آپ نے ایک عزت کا خطاب والا الہام شائع فرمایا تھا۔ یعنی جس عزت کا وعدہ آپکے اس الہام میں دیا گیا تھا وہ اس تفسیر کے وجود سے پورا ہوا۔ جس نے واقعی ظاہر کر دیا کہ آپ کو جناب الٰہی کے دربار میں کس قدر عزت حاصل ہے کہ اس نے اپنے کلام کے معارف و حقائق پر اسقدر دسترس عطا فرمائی ہے۔

نمازوں کا جمع ہونا کتاب اعجاز المسیح کی تصنیف کے ایام میں چونکہ حضرت مرزا صاحب اکثر حصّہ ان دنوں کا بیمار رہے اور ساتھ ہی تصنیف کے کام میں بھی سخت انہماک تھا اس لئے ان نمازوں کو جو جمع ہو سکتی ہیں جمع کرنا پڑا۔ چنانچہ مسجد مبارک میں جہاں آپ نماز باجماعت پڑھا کرتے تھے چند مہینے ظہر اور عصر کی نمازیں جمع ہوتی رہیں۔ مولانا محمد احسن امروہی صاحب جو ایک بہت بڑے علامہ تھے اُن سے نہ رہا گیا اُنہوں نے ایک دن نواب محمد علی خاں صاحب سے کہا کہ قرآن کریم میں تو آتا ہے کہ ان الصلوٰۃ کانت

علی المومنین کتابًا موقوتًا کہ بیشک نماز مومنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض ہے اور حضرت اقدس لگاتار کچھ عرصہ سے ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر رہے ہیں اس سے میرے دل کو خلجان ہے۔ نواب صاحب نے دوسرے دن صبح سیر میں حضرت اقدس سے ذکر کیا کہ بعض لوگوں کو آپ کے لگاتار نمازیں جمع کرنے پر اعتراض ہے۔ آپ نے فرمایا ہم آجکل ایک ضروری کتاب اعجاز المسیح لکھ رہے ہیں جس کے ایک خاص تاریخ تک شائع ہو جانے کا ہم اعلان کر چکے ہیں اور مخالفین کے سامنے ہم اس کے متعلق تحدی کر چکے ہیں۔ چنانچہ شب و روز ہم اس جہاد میں مصروف ہیں۔ ہمیں اطمینان قلب حاصل نہیں اور فکر دامنگیر ہے کہ اعلان کے مطابق کتاب شائع ہو جائے اس لئے ہم مجبوراً نمازیں جمع کر لیتے ہیں۔ جب سیر سے واپس ہوئے تو نواب صاحب موصوف نے مولوی محمد احسن صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کی تسلّی ہو گئی؟ تو انہوں نے کہا نہیں۔ چنانچہ اسی روز انہوں نے ایک رقعہ مولانا نورالدین مرحوم کو اس کے متعلق لکھا انہوں نے جواب میں لکھ بھیجا کہ ؎

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید • کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

یہ مولانا محمد احسن صاحب کو اور بھی ناگوار ہوا۔ انہوں نے نواب محمد علی خاں صاحب سے کہا کہ میں نے مولانا کو قرآن کی آیت لکھ بھیجی تھی انہوں نے حافظ کا ایک شعر لکھ بھیجا جو قرآن کی آیت کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ نواب صاحب نے کہا کہ کل پھر میں حضرت صاحب سے ذکر کروں گا۔ دوسرے روز شام کو مسجد مبارک میں پھر نواب صاحب موصوف نے حسب وعدہ حضرت سے عرض کی کہ حضور نے جو جمع صلوٰۃ کے متعلق کل ارشاد فرمایا تھا اس سے معترض کی تشفی نہیں ہوئی۔ وہ کہتے ہیں قرآن مجید کی آیت صریح ہے۔ یہ ۳- دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء کا ذکر ہے۔ حضرت اقدس نے اس کے جواب میں ایک نہایت پُرجوش اور طویل تقریر فرمائی جس میں آپ نے فرمایا کہ ایک عرصہ سے جو مسلسل نماز جمع کی جاتی ہے تو یہ وجہ نہیں کہ کاہلی اور سستی سے ایسا کیا جاتا ہے۔ بعض غیر مقلد ذرا ابر ہوا یا کسی عدالت میں جانا ہوا تو نماز جمع کر لیتے ہیں اور بلا سفر اور بلا عذر بھی نمازیں جمع کر لینا جائز سمجھتے ہیں مگر ہمیں اس جھگڑے میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ میں طبعًا اور فطرتًا اس کو پسند کرتا ہوں کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جاوے۔ اس وقت جو ہم نمازیں جمع کرتے ہیں تو اصل بات یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی تفہیم اور القا کے بغیر ایسا نہیں کرتا۔ مجھ پر اس جمع بین الصلوٰتین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے تجمع لہ الصلوٰۃ کی بھی عظیم الشان پیشگوئی کی تھی جو اب پوری ہو رہی ہے۔ فتح باری۔ درمنثور اور تفسیر ابن کثیر میں یہ حدیث موجود ہے کہ تجمع لہ الصلوٰۃ کہ مسیح موعود کیلئے نمازیں جمع کی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پیشگوئی کے پورا کرنے کیلئے ایسے سامان جمع کر دیئے کہ ہمیں ایک جہاد میں لگا دیا جس کی وجہ سے اطمینان قلب نہ رہا اور نمازیں جمع کرنی پڑیں۔ اگرچہ میں اس زمانہ میں علیحدہ

نمازیں جمع کر کے پڑھ سکتا تھا مگر مَیں نے یہ چاہا کہ آنحضرت صلعم کی فرمودہ باتیں پوری ہوں۔ اسی طرح جس طرح حضرت عمرؓ نے سراقہ کے ہاتھ میں سونے کے کنگن پہنائے تھے۔ سراقہ کی کلائیاں بہت بدنما اور بالوں سے بھری تھیں۔ ایک دفعہ اُس نے خود اپنی ان کلائیوں کی نسبت کچھ تحقیر کے کلمے کہے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مَیں تو ان کلائیوں میں کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھتا ہوں جب حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ایران فتح ہوا تو کسریٰ کے سونے کے کنگن بھی مال غنیمت میں آئے۔ اُنہیں بیت المال میں داخل کرنے سے قبل حضرت عمرؓ نے سراقہ کی کلائیوں میں پہنائے۔ سراقہ نے اعتراض بھی کیا کہ مرد کو سونا پہننا جائز نہیں۔ مگر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کی پیشگوئی کو پورا کرنے کیلئے مَیں تھوڑے عرصہ کے لئے ضرور پہناؤں گا۔ چنانچہ محض رسول اللہ صلعم کی پیشگوئی کو پورا کرنے کیلئے تھوڑی دیر کیلئے وہ سونے کے کنگن سراقہ کی کلائیوں میں پہنائے گئے۔ اسی طرح مَیں نے آنحضرت صلعم کی پیشگوئی کو پورا کرنے کیلئے یہ ضروری سمجھا کہ میری خاطر کچھ عرصہ نمازیں جمع ہوں۔ غرضیکہ اس پیشگوئی اور اس کے پورا کرنے کیلئے نمازیں جمع کرنے اور اپنے صادق اور حَکَم ہونے پر آپ بہت دیر تک تقریر فرماتے گئے یہانتک کہ آپ کی آواز بلند ہوتی گئی اور آپ تقریر کے دوران میں جوش سے کھڑے ہو گئے اور تقریر کے آخری حصّہ میں کھڑے ہو کر بولتے رہے۔ آخر حضرت مولانا نورالدین صاحب اُٹھے اور آگے بڑھ کر سامنے آئے اور عرض کیا کہ مَیں اس وقت اسی طرح حاضر ہوا ہوں جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے ہی موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر اقرار کیا تھا کہ رضیت باللہ ربًّا و بمحمدٍ نبیًّا۔ آج مَیں بھی امام صادق مسیح موعود مہدی معہود کے سامنے حاضر ہو کر وہی اقرار کرتا ہوں کہ مجھے کبھی ذرا بھی شک اور وہم حضور کے متعلق نہیں گزرا۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ مَیں اس وقت آپ کے حضور اقرار کرتا ہوں کہ رضینا باللہ ربًّا وبک مسیحًا و مہدیًّا۔ اس کے بعد حضرت اقدس خاموش ہو گئے۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہی بیان کرتے تھے کہ اس تقریر کے بعد بھی میری طبیعت میں انقباض رہا۔ مَیں عشاء کی نماز کے بعد سونے کیلئے لیٹا تو دماغ میں یہی خیالات چکر لگا رہے تھے۔ خیال ہوا کہ کل مَیں خود حضرت اقدس سے تنہائی میں بات کروں گا۔ اس خیال میں ذرا نیند کی جھپکی سی آ گئی۔ عالم رویا میں ایک آواز سنی کہ "اے محمد احسن قرآن بھی تو کھول کے دیکھ" اس آواز کے ساتھ مَیں چونک اُٹھا۔ چراغ جلایا۔ قرآن کھولا تو وہی آیت صلوٰۃ موقوتہ کی سامنے تھی۔ اور پوری آیت یوں تھی۔ فاذا اطمأننتم فاقیموا الصلوٰۃ انّ الصلوٰۃ علی المؤمنین کتابًا موقوتًا کہ جب تمہیں طمانیت حاصل ہو جائے تو نماز کو قائم کرو اور نماز بہ پابندی اوقات مومنوں پر فرض ہے۔ اُسی وقت سارا انقباض جاتا رہا۔ اور سمجھ آ گئی کہ اسی لئے حضرت اقدس بار بار یہ فرماتے تھے کہ چونکہ آجکل ہمیں فکر دامنگیر ہے اور ہم ایک جہاد میں مصروف ہیں اور ہمیں طمانیت حاصل

نہیں اس لئے نمازیں جمع کر رہے ہیں۔ پس قرآن کریم کے رو سے بھی صلوٰۃ موقوتہ اسی وقت فرض ہوتی ہے جب طمانیت حاصل ہو۔ اس تفہیم کے ساتھ اس قدر انشراحِ صدر ہوا اور قلب خوشی اور مسرت سے اس درجہ لبریز ہوا کہ میں اُسی وقت دوڑا ہوا حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ سو گئے تھے اس خوشی میں آپ کو سوتے سے اُٹھایا اور سارا ماجرا عرض کیا۔ یہ سُن کر حضرت اقدس مسکرانے لگے۔ فرمایا اچھا یہ بات تھی (حضرت اقدس کو اس بات کا علم نہ تھا کہ معترض خود مولوی محمد احسن صاحب تھے) خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ ایسے واقعات سے صاف پتہ لگتا ہے کہ خود حضرت اقدس مرزا صاحب کے اقوال اور افعال کو اُن کے مریدین مخلصین کس قدر نکتہ چینی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور اگر ان کا کوئی قول یا فعل کسی مرید کے سمجھ میں نہ آتا یا اپنی سمجھ کے مطابق اس میں قرآن و سُنت سے ذرا بھی انحراف دیکھتا تو وہ اعتراض کرنے سے کبھی بھی نہ چوکتا۔ اور جب تک تشفی نہ ہو جاتی وہ اپنے اس اعتراض سے باز نہ آتا۔ ایک مرتبہ حضرت اقدس نے چائے کی پیالی بائیں ہاتھ میں پکڑی تو فوراً ایک شخص نے ٹوکا کہ یہ خلاف سُنت ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ بچپن میں میری دائیں کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی جو اگرچہ جڑ گئی مگر ابھی بھی کبھی کبھی اس میں درد ہوتا ہے اس لئے آج درد کی وجہ سے میں چائے کی پیالی دائیں ہاتھ سے پکڑ نہیں سکتا۔ غرضکہ آپ کی زندگی شب و روز ہزارہا نکتہ چین نظروں کے سامنے تھی جو آپکے ہر ایک قول اور فعل کو قرآن اور سنّت کے مطابق پرکھتی رہتی تھیں۔ پس ان حالات میں آپ کے مریدوں کا آپ کے اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا اور آپ کے راستباز ہونے پر یقین کامل رکھنا آپ کی صداقت پر دلیل واضح ہے۔ وہاں پیر پرستی کی خوش عقیدگی نہ تھی۔ جو لوگ اپنے گھر بار رشتہ دار عزیز دوست چھوڑ کر آئے تھے اور کافر کہلا کر آپ کے ساتھ ہوئے تھے وہ خوش عقیدگی اور تقلید کورانہ پر راضی نہ ہو سکتے تھے۔ کچھ ایسا ہی کرشمہ صداقت و عمل بالقرآن والسنت کا نظر آیا جس نے انہیں حضرت مرزا صاحب کا گردیدہ اور فریفتہ بنا دیا۔

حضرت اقدس نے اعجاز المسیح کے اشتہار مذکورہ بالا میں بھی اس امر کا ذکر فرمایا ہے کہ اعجاز المسیح کی تصنیف کے دوران میں آپ کیلئے نمازیں جمع ہونے سے آنحضرت صلعم کی وہ پیشگوئی پوری ہو گئی جس میں مسیح موعود کی خاطر نمازیں جمع ہونے کا ذکر ہے۔

کتاب الھدیٰ کی اشاعت
اور
ایڈیٹر "المنار" کو چیلنج

اشتہار المنار — کتاب اعجاز المسیح جب شائع ہوئی تو چونکہ یہ عربی میں تھی اس لئے حضرت مرزا صاحب نے مناسب سمجھا کہ اسے ہندوستان سے باہر بلاد عرب اور شام اور مصر وغیرہ میں بھی شائع کیا جائے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں یہ کتاب مصر کے مختلف علماء اور ایڈیٹران اخبار کے نام بھی بھیجی گئی۔ مصر میں مشہور اخبار المنار المناظر اور ہلال تھے جن میں سے ہلال عیسائی پرچہ تھا اور باقی دونو مسلمان اخبار تھے۔ چنانچہ ان اخباروں کے ایڈیٹروں کے نام بھی یہ کتاب اعجاز المسیح بھیجی گئی۔ ایڈیٹران المناظر اور ہلال نے تو اس کتاب کی زبان اور اس کی فصاحت و بلاغت کی بیحد تعریف کی۔ مگر ایڈیٹر المنار جو ایک ملّایانہ طبیعت کا آدمی تھا اسے پڑھ کر بہت بگڑا اور لکھ دیا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسی کتاب لکھ سکتے ہیں اور یہ کتاب تو اغلاط سے پُر ہے۔ مگر غلطی ایک بھی نہ لکھی کہ تا پتہ لگتا کہ وہ کون کون سی غلطیاں ہیں جو از روئے صرف و نحو یا علم ادب اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس نے سمجھا کہ چونکہ مَیں اہل زبان ہوں اس لئے میرا اتنا لکھ دینا ہی کافی ہوگا کہ اس کتاب میں غلطیاں ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ایسی عربی لکھ سکتے ہیں۔ ہندی لوگوں کو مجھ اہل زبان سے بازپرس کرنے کی جرأت ہی کہاں ہو سکتی ہے۔ اس کا اخبار جو ہندوستان میں پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے مؤید مولویوں کی نظر سے گزرا تو خوشی سے بغلیں بجانے لگے۔ اور یہ نہ کیا کہ اصل کتاب اعجاز المسیح کو پہلے خود تو دیکھ لیتے اور اس میں اپنے طور پر تلاش تو کر لیتے کہ کونسی غلطیاں عربی زبان کی اس میں ہیں۔ آخر یہ لوگ بھی تو مولوی کہلاتے تھے اور اپنی عربی دانی پر نازاں تھے مگر انہیں حق پرستی سے تو کوئی غرض ہی نہ تھی۔ تعصّب اور حسد نے اندھا کر رکھا تھا۔ اور پیر گولڑوی صاحب کی شکست نے کمر توڑ رکھی تھی۔ اخبار المنار کی اس تحریر کو راولپنڈی کے اخبار چودھویں صدی میں خوشی خوشی چھپوا کر بہت شور مچایا مگر ایڈیٹر المنار کو جلدی ہی یہ پتہ لگ گیا کہ یہ اس کی غلطی تھی جو اس نے سمجھ لیا تھا کہ چونکہ اس کی مادری زبان عربی ہے اس لئے اس سے بازپرس کرنے کی کوئی جرأت نہ کرسکے گا۔ حضرت مرزا صاحب نے فوراً ۱۸۔ نومبر سنہ ۱۹۰۱ء کو ایک اشتہار المنار کے عنوان سے شائع فرمایا اور اس میں ایڈیٹر المنار کی دھوکہ دہی کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ ہم ایڈیٹران المناظر و ہلال کی بلا مبالغہ تعریف پر ہی حصر نہیں رکھتے بلکہ عربی میں ایک اور رسالہ

لکھنے لگے ہیں جس کے بالمقابل عربی میں رسالہ لکھنے کیلئے ہم ایڈیٹر المنار کو چیلنج دیتے ہیں۔ اس کا یہ کہنا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا لکھ سکتے ہیں یہ تو کفار کی تقلید ہے جو کہا کرتے تھے کہ لو نشاء لقلنا مثل ھذا (کہ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ سکتے ہیں) اگر وہ بالمقابل ایسا لکھ سکتا ہے تو لکھتا کیوں نہیں۔ ضرور لکھے اور جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچاوے۔ اس کے بعد لکھا کہ چاہئے کہ وہ اپنے اہل زبان ہونے پر زیادہ نازاں نہ ہو مصر کی عربی تو کوئی فصیح عربی نہیں۔ اور اس بات کی تائید میں انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں سے ایک عربی دان محقق انگریز کا قول بھی نقل کیا کہ عرب کی تمام زبانوں میں سے بدترین وہ زبان ہے جو مصر میں رائج ہے ٭

الھدیٰ کی اشاعت اس کے بعد آپ نے کچھ عرصہ انتظار کیا لیکن ایڈیٹر المنار نے جب کوئی معذرت نہ کی تو آپ نے ۱۳۔ جون ۱۹۰۲ء کو رسالہ الھُدیٰ شائع فرمایا جو نہایت فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔ اور اس خیال سے کہ ہندوستان کے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں اور اس چیلنج کی اہمیت ان پر بھی ظاہر ہو سکے۔ عربی کے نیچے اُردو میں ترجمہ بھی لکھ دیا۔ اس کتاب میں آپ نے ایڈیٹر المنار سے بازپرس کی ہے کہ اگر وہ اپنے بیان میں صادق ہے تو وہ کتاب اعجاز المسیح کی غلطیاں بتاوے جن کا اس نے اپنے اخبار المنار میں دعویٰ کیا ہے اور اگر اپنی مادری زبان عربی پر ناز ہے تو جرأت کر کے سامنے آوے اور کتاب الھدیٰ کا جواب ویسی ہی فصیح و بلیغ عربی میں لکھ کر شائع کرے۔ اس کتاب میں آپ نے مسلمانوں کے علماء و مشائخ اور ایڈیٹران اخبار اور دیگر طبقوں کے حال زار پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالی ہے اور ان مصیبتوں کا علاج بھی تحریر فرمایا ہے جو امام وقت مجدد صدی چہاردہم کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے اور اپنے دعویٰ مجددیت پر دلائل بھی دیئے ہیں ٭

ایڈیٹر المنار کے فرار سے عربی زبان کے معجزہ کی تکمیل یہ کتاب خاص اہتمام سے ایڈیٹر المنار کو بھیجی گئی لیکن وہ سامنے نہ آیا۔ نہ اعجاز المسیح کی غلطیاں ہی اس نے لکھیں۔ اور نہ اس کتاب الھدیٰ کے جواب میں کوئی عربی کتاب ہی لکھی۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو جو عربی زبان کے علم کا معجزہ عطا فرمایا تھا اس کی تکمیل ہو گئی۔ اس سے قبل حضرت مرزا صاحب نے بالمقابل عربی تصانیف لکھنے کے لئے جو تمام علماء ہند و عرب و روم و شام و مصر و بغداد کو چیلنج دیئے تھے اُس میں گو خطاب عام تھا مگر علمائے ہند خاص طور پر مخاطب تھے۔ اب اس تصنیف الھدیٰ کے ذریعہ خطاب ایک ایسے شخص کو خاص طور پر کیا گیا جس کی مادری زبان عربی تھی اور جو ایک مشہور عربی اخبار کا ایڈیٹر اور شب و روز عربی تحریر و مضامین لکھنے کا عادی تھا۔ لیکن خدا کی شان ہے کہ خدا کے شیر کے مقابلہ میں اس کا ناطقہ بند ہو گیا اور اس کی قلم ٹوٹ گئی۔ اور وہ باوجود عربی زبان کا اتنا بڑا ادیب ہونے کے حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ میں خود اپنی مادری زبان

میں تصنیف کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ اسے تصرف الٰہی نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔ جہاں اس چیلنج نے حضرت مرزا صاحب کے زبان عربی میں علم لدنّی حاصل ہونے کے معجزہ پر مہر کر دی وہاں ان مولویوں پر بھی موت طاری کر دی جو المنار کی چند سطروں پر بغلیں بجا رہے تھے۔

تحفۂ گولڑویہ

وجہ تصنیف

حضرت مرزا صاحب نے تو پیر مہر علی شاہ گولڑوی کو ایک شیخ طریقت اور صاحب روحانیت سمجھ کر تفسیر نویسی میں اس لئے چیلنج دیا تھا کہ اہل حال کا مقابلہ اسی طرح مناسب اور موزون معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی تفہیم اور تفسیر کے ذریعہ فریقین کے تزکیۂ نفس اور طہارت اور مؤید من اللہ ہونے کا امتحان ہو جائے۔ لیکن جب وہ ادھر نہ آئے اور مولویانہ منطق بگھارنے میں ہی مصروف رہے۔ چنانچہ انکی کتاب شمس الہدایہ جو وہ حضرت اقدس کی تکذیب میں اس سے قبل لکھ چکے تھے اسی رنگ کی ایک کتاب ہے تو گو اس کتاب کا جواب مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی شمس بازغہ کے نام سے ایک کتاب لکھ کر دے چکے تھے لیکن حضرت مرزا صاحب نے مناسب سمجھا کہ ایک کتاب خود بھی پیر گولڑوی صاحب کے مقابل میں وفات مسیح اور اپنے دعوئ مسیح موعود کے متعلق شائع فرماویں جو ان کی ساری منطقیانہ بحثوں کا جواب ہو اور آپ کے دعاوی پر معقولی و منقولی دلائل پر مشتمل ہو۔ چنانچہ آپ نے اس مضمون کی ایک کتاب یکم ستمبر ۱۹۰۲ء کو شائع فرمائی جس کا نام آپ نے تحفۂ گولڑویہ رکھا۔ اس کتاب کے متعلق آپ نے پیر گولڑوی صاحب کو یہ چیلنج بھی دیا کہ اگر آپ اس کتاب کے دلائل کو توڑ دیں اور مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب جو ہمارے سخت معاند ہیں بٹالہ میں ایک مجمع کے سامنے خدا کی قسم کھا کر یہ کہہ دیں کہ یہ جوابات صحیح ہیں اور مرزا صاحب کے دلائل پیش کردہ کا قلع قمع کرتے ہیں تو مبلغ پچاس روپے انعام میں پیر صاحب موصوف کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اور اگر ان کی مرضی ہو تو میں یہ روپے پہلے سے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب ہی کے پاس جمع کرا دوں۔ لیکن اس کتاب کے بعد پیر صاحب پر ایک موت وارد ہو گئی۔ اعجاز المسیح کے جواب میں عربی تفسیر تو کیا لکھنی تھی اُس کے تو وہ اہل ہی نہ تھے مگر اس کتاب تحفۂ گولڑویہ کے منقولی و معقولی دلائل کے مقابلہ میں بھی اُن کی قلم ٹوٹ گئی اور کوئی تصنیف نہ کر سکے۔

کوٹھے والے پیر صاحب کی شہادت حقہ

اس کتاب تحفۂ گولڑویہ میں حضرت اقدس مرزا صاحب نے سرحد کے ایک بزرگ ولی اللہ کی شہادت بھی درج کی ہے۔ یہ بزرگ علاقہ یوسف زئی میں ایک موضع کوٹھہ میں رہتے تھے اور کوٹھے والے پیر کہلاتے تھے۔ اور ۱۲۹۴ھ میں وفات پا گئے۔ یہ ایسے مرد کامل تھے کہ مولوی عبداللہ غزنوی

جیسے بزرگ عالم اور ولی کامل بھی ان کی کفش برداری پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور مولوی غلام رسول صاحب قلعہ میاں سنگھ والے بھی انہی سے نسبت ارادی رکھتے تھے۔ مولوی حکیم محمد یحییٰ صاحب ساکن دیگراں نے سنا تھا کہ کوٹھہ والے پیر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مہدی آخرالزمان پیدا ہوگیا ہے مگر ظہور ابھی نہیں ہوا۔ اس امر کی تحقیقات کیلئے حکیم صاحب موصوف کوٹھہ تشریف لے گئے وہاں پیر صاحب کے ایک مخلص مرید حافظ نور محمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے بیان کیا کہ ایک دن حضرت کوٹھہ والے صاحب وضو کر رہے تھے اور میں روبرو بیٹھا تھا۔ فرمانے لگے کہ "ہم اب کسی اور کے زمانہ میں ہیں"۔ میں اس بات کو نہ سمجھا اور عرض کیا کہ کیوں۔ کیا حضرت اس قدر معمر ہوگئے ہیں کہ اب آپ کا زمانہ چلا گیا۔ ابھی آپ کے ہم عمر لوگ بہت تندرست ہیں۔ فرمانے لگے کہ "تو میری بات کو نہیں سمجھا۔ میرا مطلب تو کچھ اور ہے" پھر فرمانے لگے کہ "جو خدا کی طرف سے ایک بندہ تجدید دین کیلئے مبعوث ہوا کرتا ہے وہ پیدا ہوگیا ہے ہماری باری چلی گئی۔ میں اس لئے کہتا ہوں کہ ہم کسی غیر کے زمانہ میں ہیں"۔ پھر فرمانے لگے کہ "وہ ایسا ہوگا کہ مجھ کو تو کچھ تعلق مخلوق سے بھی ہے اس کو کسی کے ساتھ تعلق نہ ہوگا۔ اور اس پر اس قدر شدائد و مصائب آئیں گے جنکی نظیر زمانہ گذشتہ میں نہ ہوگی مگر اسکو کچھ پروا نہ ہوگی اور سب طرح کے تکالیف اور فساد اسوقت ہونگے اسکو پروا نہ ہوگی۔ زمین آسمان مل جائیں گے اور اُلٹ پلٹ ہو جائینگے اسکو پروا نہ ہوگی"۔ پھر میں نے عرض کیا کہ نام و نشان یا جگہ بتاؤ فرمانے لگے "نہیں بتاؤں گا"۔ ایک اور صاحب گلزار خاں نے جو موضع ٹوپی میں متصل کوٹھہ شریف رہتے تھے قسم کھا کر کہا کہ ایک دن حضرت کوٹھہ والے بزرگ عام مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور طبیعت اُس وقت بہت خوش و خورم تھی۔ فرمانے لگے کہ "میرے بعض آشنا مہدی آخرالزمان کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور اُس کی باتیں اپنے کانوں سے سُنیں گے"۔ جب گلزار خاں صاحب نے حکیم محمد یحییٰ صاحب کی زبانی سُنا کہ آپ کے مرشد کی پیشگوئی پوری ہوگئی اور مہدی موعود نے پنجاب میں ظہور فرمایا ہے تو وہ بہت روئے اور کہنے لگے کہ میں بہ وجہ ضعف بصارت کے وہاں تک پہنچ نہیں سکتا۔ میرا سلام ان تک پہنچانا اور دعا کرانا۔

ایسا ہی ایک خط مولوی حمید اللہ صاحب ملا سوات کی طرف سے حضرت اقدس مرزا صاحب کی خدمت میں پہنچا جس میں اُنہوں نے لکھا تھا کہ ایک روز ہمارے مرشد حضرت صاحب کوٹھہ والے فرماتے تھے کہ "مہدی موعود پیدا ہوگیا ہے۔ لیکن ابھی ظاہر نہیں ہوا۔ وہ پنجابی بولتا ہے"۔

ایک جرمن محقق کی رائے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا

اسی کتاب میں حضرت مرزا صاحب نے ایک جرمن محقق ڈی۔ ایف۔ اسٹراس کی کتاب اے نیو لایف آف جیزس میں سے حوالجات نقل کئے ہیں جس میں اُس نے

بعد تحقیق کے یہ لکھا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا بلکہ صلیب سے حالت بیہوشی میں زندہ اُتارا گیا اور بعد میں کسی اور ملک کو چلا گیا۔ ایک اور کتاب سوپرنیچرل ریلیجن میں بھی یہی تحریر ہے +

مسیحیوں کا اعتقاد کہ مسیح کی آمد ثانی کا یہی زمانہ ہے

پھر اسی کتاب میں آپ نے یورپ کے مسیحی محققین کی کتابوں کے حوالجات نقل کئے ہیں جن میں اُنہوں نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہی زمانہ مسیح کی آمد ثانی کا ہے چنانچہ ہز گلوریس ایپیرنگ اور دی کمنگ آف دی لارڈ دو تصانیف کا حوالہ دیا ہے جن میں لکھا ہے کہ مسیح کی دوبارہ آمد کا یہی زمانہ ہے +

مسیح کی آمد ثانی سے مراد اس کے مثیل کی آمد ہے

اس کے بعد آپ نے اسی کتاب میں عیسائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے انجیل سے ثابت کر کے دکھایا ہے کہ خود مسیح ابن مریم کی آمد کا انتظار کرنا بیہودہ ہے۔ انکی دوبارہ آمد اسی طرح مثیل کے رنگ میں مقدر تھی جس طرح ایلیا کی دوبارہ آمد یوحنا یعنی حضرت یحییٰ کے وجود میں ظاہر ہوئی۔ یہ خود جناب مسیح کا فیصلہ انجیل میں لکھا ہوا موجود ہے کہ انہوں نے یوحنا کو مثیل ایلیا قرار دیتے ہوئے ایلیا کی دوبارہ آمد کو یوحنا کے وجود میں پورا ہوتا ہوا بتلایا۔ وہ عیسائی ہی کیا ہوا جو جناب مسیح کی بتائی ہوئی ہدایت سے فائدہ نہ اٹھاوے۔ اس کے بعد آپ نے ثابت کر کے دکھایا ہے کہ وہ آنے والا میں ہوں اور میرے وجود میں مسیح کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی پوری ہو گئی +

اربعین کی اشاعت

پیر گولڑوی صاحب کا مذکورہ بالا واقعہ تو سنہ ۱۹۰۰ء کا ہے مگر میں اس جھگڑے کو اختتام پر پہنچانے کی خاطر تحفہ گولڑویہ کی تصنیف و اشاعت تک چلا گیا جو سنہ ۱۹۰۲ء میں ہوئی۔ اب پھر سنہ ۱۹۰۰ء کی طرف واپس آتا ہوں +

اربعین کی اشاعت

سال سنہ ۱۹۰۰ء میں حضرت مرزا صاحب نے مخالفین اور منکرین پر اتمام حجت کیلئے یہ ارادہ کیا کہ چالیس ۴۰ اشتہارات پندرہ پندرہ دن کے وقفہ سے بشرطیکہ کوئی روک نہ پیش آجائے شائع کئے جائیں۔ چونکہ چالیس اشتہارات نکالنے کا ارادہ تھا اس لئے ان اشتہارات کا نام آپ نے اربعین رکھا ان میں سے اربعین اوّل یعنی پہلا اشتہار تو واقعی ایک اشتہار کی شکل میں نکلا لیکن بعد میں تو یہ اشتہار حجم میں بڑھ کر رسالوں کی شکل میں نکلنا شروع ہوئے۔ درمیانی وقفہ بھی زیادہ ہوتا گیا۔ اور صرف چار رسالے نکلے تھے جو ایک خاصی ضخیم کتاب بن گئی۔ اس لئے آپ نے اتنے پر ہی اکتفا کیا اور دوسرے کاموں نے آپ کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی +

اربعین نمبر اوّل | اربعین نمبر اول ۲۳- جولائی سنہ ۱۹۰۰ء کو شائع ہؤا۔ اس میں حضرت اقدس مرزا صاحب نے اپنا دعویٰ ماموریت اور مسیح موعود ہونے کا پیش کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ میں اس لئے مامور ہوں کہ "محض فوق العادت نشانوں اور پاک تعلیم کے ذریعہ سے سچائی کو دنیا میں پھیلاؤں" پھر تمام دنیا کے اہل مذاہب کو مخاطب کرکے تحریر فرماتے ہیں :-

"دنیا میں کوئی میرا دشمن نہیں ہے۔ میں بنی نوع سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ جیسے والدۂ مہربان اپنے بچّوں سے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر۔ میں صرف ان باطل عقائد کا دشمن ہوں جن سے سچائی کا خون ہوتا ہے۔ انسان کی ہمدردی میرا فرض ہے اور جھوٹ اور شرک اور ظلم اور ہر ایک بدعملی اور ناانصافی اور بداخلاقی سے بیزاری میرا اصول"

اس مادہ پرست دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

"میری ہمدردی کے جوش کا اصل محرک یہ ہے کہ میں نے ایک سونے کی کان نکالی ہے۔ اور مجھے جواہرات کے معدن پر اطلاع ہوئی ہے اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہؤا اور بے بہا ہیرا اُس کان سے ملا ہے اور اس کی اس قدر قیمت ہے کہ اگر میں اپنے ان تمام بنی نوع بھائیوں میں وہ قیمت تقسیم کروں تو سب کے سب اُس شخص سے زیادہ دولتمند ہو جائیں گے جس کے پاس آج دنیا میں سب سے بڑھ کر سونا اور چاندی ہے۔ وہ ہیرا کیا ہے؟ سچّا خدا۔ اور اس کو حاصل کرنا یہ ہے کہ اس کو پہچاننا۔ اور سچّا ایمان اُس پر لانا اور سچّی محبت کے ساتھ اس سے تعلق پیدا کرنا اور سچی برکات اس سے پانا۔ پس اس قدر دولت پاکر سخت ظلم ہے کہ میں بنی نوع کو اس سے محروم رکھوں"

پھر ان نشانوں کا ذکر کرتے ہوئے جو خدا کی طرف سے آپ کو اس زمانہ میں دیئے گئے ہیں تحریر فرماتے ہیں :-

"اب کہاں ہیں وہ پادری صاحبان جو کہتے تھے کہ نعوذ باللہ حضرت سیدنا و سید الوریٰ محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے کوئی پیشگوئی یا اور کوئی امر خوارق عادت ظہور میں نہیں آیا۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ زمین پر وہ ایک ہی انسان کامل گزرا ہے جس کی پیشگوئیاں اور دعائیں قبول ہونا اور دوسرے خوارق ظہور میں آنا ایک ایسا امر ہے جو اب تک اس اُمّت کے سچے پیروؤں کے ذریعہ سے دریا کی طرح موجیں مار رہا ہے۔ بجز اسلام وہ مذہب کہاں اور کدھر ہے جو یہ خصلت اور طاقت اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور وہ لوگ کہاں اور کس ملک میں رہتے ہیں جو اسلامی برکات اور نشانوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگر انسان صرف ایسے مذہب کا پیرو ہو جس میں آسمانی رُوح کی کوئی ملاوٹ

نہیں تو وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے۔ مذہب وہی مذہب ہے جو زندہ مذہب ہو اور زندگی کی رُوح اپنے اندر رکھتا ہو اور زندہ خدا سے ملاتا ہو۔"

خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ وہ خصوصیت حضرت مرزا صاحب کی تھی جو نہ کسی عالم اور فلاسفر میں پائی جاتی ہے اور نہ کسی ولی اور مجدد میں۔ کون ہے جس نے تمام غیر مذاہب والوں کو اس طرح للکارا ہو۔ یہی وہ رنگ ہے جس سے حضرت مرزا صاحب کی عظمت اور شان نظر آتی ہے۔ آپ نے نہ صرف منقول اور معقول یعنی **قال** سے اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر کے دکھایا بلکہ حال سے بھی تمام دیگر اہل مذاہب پر حجت تمام کر دی۔ اور سورج کی طرح کھول کر ثابت کر دیا کہ اسلام کے سوا آج کوئی سچا اور زندہ مذہب دنیا میں باقی نہیں جو زندہ خدا تک پہنچا سکے۔

اربعین نمبر۲ اربعین نمبر۲ آپ نے ۲۷ ستمبر ۱۹۰۰ء کو شائع فرمایا۔ یہ بجائے اشتہار کے ایک خاصہ رسالہ ہے اس میں بھی آپ نے اپنے دعوے مسیح و مہدی کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اس رسالہ میں جو بات خصوصیت سے قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اس میں آپ نے اپنے وہ الہامات جمع کئے ہیں جن میں آپ کو خدا کی طرف سے بتایا گیا تھا کہ آپ مجدد اور مامور من اللہ ہیں اور مسیح ابن مریم مر چکا ہے اور آپ ہی مسیح موعود اور مہدی ہیں۔ پھر علما اور مشائخ کو مخاطب کر کے تحریر فرماتے ہیں :۔

"اس قسم کا تصفیہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب دلوں سے بکلی فساد دور کئے جائیں۔ اور درحقیقت آپ لوگوں کا ارادہ ہو جائے کہ خدا کی گواہی کے ساتھ فیصلہ کرلیں اور اس طریق میں یہ ضروری ہوگا کہ کم سے کم چالیس نامی مولوی جیسے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی اور مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی ثم امرتسری اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی ایک تحریری اقرار نامہ بہ ثبت شہادت پچاس معزز مسلمانان کے اخبار کے ذریعہ سے شائع کر دیں کہ اگر ایسا نشان جو درحقیقت فوق العادت ہو ظاہر ہو گیا تو ہم حضرت ذوالجلال سے ڈر کر مخالفت چھوڑ دیں گے اور بیعت میں داخل ہو جائیں گے۔ اور اگر یہ طریق آپ کو منظور نہ ہو اور یہ خیالات دامنگیر ہو جائیں کہ ایسا اقرار بیعت شائع کرنے میں ہماری کسر شان ہے اور یا اس قدر انکسار ہر ایک سے غیر ممکن ہے تو ایک اور سہل طریق ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی سہل طریق نہیں جس میں نہ آپ کی کوئی کسر شان ہے اور نہ کسی مباہلہ سے کسی خطرناک نتیجہ کا جان یا مال یا عزت کے متعلق کچھ اندیشہ ہے۔ اور وہ یہ کہ آپ لوگ محض خدا تعالیٰ سے خوف کر کے اور اس اُمت محمدیہ پر رحم فرما کر بٹالہ یا امرتسر یا لاہور

میں ایک جلسہ کریں اور اس جلسہ میں جہاں تک ممکن ہو اور جس قدر ہو سکے معزز علما اور دنیادار جمع ہوں اور میں بھی اپنی جماعت کے ساتھ حاضر ہو جاؤں۔ تب وہ سب یہ دعا کریں کہ یا الٰہی اگر اگر تو جانتا ہے کہ یہ شخص مفتری ہے اور تیری طرف سے نہیں ہے اور نہ مسیح موعود ہے اور نہ مہدی ہے تو اس فتنہ کو مسلمانوں میں سے دُور کر اور اس کے شر سے اسلام اور اہل اسلام کو بچا۔ جس طرح تو نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کو دنیا سے اٹھا کر مسلمانوں کو اُن کے شر سے بچا لیا۔ اور اگر یہ تیری طرف سے ہے اور ہماری ہی عقلوں اور فہموں کا قصور ہے تو اے قادر ہمیں سمجھ عطا فرما تا ہم ہلاک نہ ہو جائیں اور اس کی تائید میں کوئی ایسے امور اور نشان ظاہر فرما کہ ہماری طبیعتیں قبول کر جائیں کہ یہ تیری طرف سے ہے اور جب یہ تمام دعا ہو چکے تو میں اور میری جماعت بلند آواز سے آمین کہیں۔ اور پھر اس کے بعد میں دعا کروں گا اور اس وقت میرے ہاتھ میں وہ تمام الہامات ہوں گے جو ابھی لکھے گئے ہیں اور جو کسی قدر ذیل میں لکھے جائیں گے۔ غرض یہی رسالہ مطبوعہ جس میں تمام یہ الہامات ہیں ہاتھ میں ہوگا اور دعا کا یہ مضمون ہوگا کہ **یا الٰہی** اگر یہ الہامات جو اس رسالہ میں درج ہیں جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے جن کے رُو سے میں اپنے تئیں **مسیح موعود اور مہدی معہود** سمجھتا ہوں اور **حضرت مسیح کو فوت شدہ** قرار دیتا ہوں۔ تیرا کلام نہیں ہے اور میں تیرے نزدیک کاذب اور مفتری اور دجال ہوں جس نے اُمّت محمدیہ میں فتنہ ڈالا ہے اور تیرا غضب میرے پر ہے تو میں تیری جناب میں تضرع سے دعا کرتا ہوں کہ آج کی تاریخ سے ایک سال کے اندر زندوں میں سے میرا نام کاٹ ڈال۔ اور میرا تمام کاروبار درہم برہم کر دے اور دنیا میں سے میرا نشان مٹا ڈال اور اگر میں تیری طرف سے ہوں اور یہ الہامات جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہیں تیری طرف سے ہیں اور میں تیرے فضل کا مورد ہوں تو اے قادر کریم اسی آئندہ سال میں میری جماعت کو ایک فوق العادت ترقی دے اور فوق العادت برکات شامل حال فرما اور میری عمر میں برکت بخش اور آسمانی تائیدات نازل کر اور جب یہ دعا ہو چکے تو تمام مخالف جو حاضر ہوں آمین کہیں۔"

خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ طریق فیصلہ جو حضرت مرزا صاحب نے تمام علما اور مشائخ کے آگے پیش کیا تھا کس قدر آسان اور فیصلہ کن ہے۔ اگر کسی شخص کو خدا پر ایمان ہو اور اُسے زندہ حی و قیوم اور قادر متصرف بالارادہ خدا مانتا ہو اس کے لئے اس سے بہتر فیصلہ کن راہ اور کوئی ہو نہیں سکتی۔ اس میں کوئی مباہلہ بھی نہ تھا جس میں فریقین ایک دوسرے کے لئے خدا سے لعنت اور عذاب طلب کرتے ہیں بلکہ اس دعا میں تو عذاب فقط حضرت مرزا صاحب کیلئے ان کے کاذب ہونے کی صورت میں طلب کیا جانے کو تھا۔ مخالفین

کا تو دونوں صورت میں فائدہ تھا۔ اگر مرزا صاحب سچے تھے تو دعا یہ تھی کہ ان مخالفین پر حق کھل جائے اور اللہ تعالیٰ کسی نشان آسمانی کے ذریعہ اُن پر حقیقت کی وضاحت کردے۔ اور اگر مرزا صاحب جھوٹے تھے تو دعا تھی کہ مرزا صاحب ہلاک ہوں اور ان کا نام و نشان مٹ جائے۔ مقام غور ہے کہ اسمیں تو ہر صورت میں انہی مخالفین کا فائدہ تھا اس سے بڑھکر اور کیا فائدہ متصور ہو سکتا ہے کہ اگر حق مرزا صاحب کی طرف ہو تو ان مخالفین پر وہ کھل جاوے اور یہ اس سے مستفیض ہوں۔ اور اگر مرزا صاحب جھوٹے ہوں تو وہ ہلاک ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ ایک حق پرست اور اسلام سے فتنہ دور کرنے کے متمنی کے لئے اس سے بڑھ کر آسان فیصلہ کی راہ اور کوئی ہو نہ سکتی تھی۔ لیکن ان مخالف علماء اور مشائخ میں سے کوئی بھی اس فیصلہ کیلئے سامنے نہ آیا جس سے کیا صاف پتہ نہیں چلتا کہ یا تو ان مخالفین کو کسی زندہ خدا پر ایمان نہ تھا جو اپنے ارادہ سے حق اور باطل میں فیصلہ کر سکتا ہے۔ یا حضرت مرزا صاحب سے اس قدر عداوت اور ضد اور تعصب تھا کہ وہ حق و باطل کے فیصلہ کیلئے تیار نہ تھے بلکہ آپ کی عداوت میں ان لوگوں کو اسقدر لطف آتا تھا کہ وہ اُسے کسی حالت میں بھی چھوڑنا نہ چاہتے تھے۔

اربعین ۳ و ۴ اربعین ۳ اور اربعین ۴ یہ دو نو رسالے ۱۵۔ دسمبر ۱۹۰۰ء کو حضرت مرزا صاحب نے اکٹھے شائع فرمائے۔ ان دو نو رسالوں کا زمانہ تصنیف تین ماہ پر مشتمل ہے۔ اس لئے وقتاً فوقتاً جو اعتراض ہوتے رہے ان کا جواب بھی آپ ساتھ ساتھ انہی رسالوں میں دیتے گئے ہیں۔ ان رسالوں میں حضرت مرزا صاحب نے آیت قطع الوتین کو پیش کیا ہے۔ آپ نے قرآن کریم کی آیت ولو تقوّل علینا بعض الاقاویل۔ لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین فما منکم من احد عنه حاجزین سے جس کے معنے ہیں کہ اگر یہ پیغمبر یعنی محمد رسول اللہ صلعم ہماری طرف کوئی کلام منسوب کرتا جو ہم نے نہیں نازل فرمایا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑتے اور اس کی رگِ جان کو کاٹ ڈالتے اور کوئی تم میں سے اُس کو بچا نہ سکتا۔ پیش کر کے یہ استدلال فرمایا کہ آنحضرت صلعم کا دعویٰ وحی کرنے کے بعد تیئس سال تک زندہ رہنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ کوئی مدعیٔ وحی والہام و ماموریت خدا پر افترا کر کے ۲۳ سال کی مدت تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ دعویٰ وحی والہام کے ۲۳ سال کے بعد تو آنحضرت صلعم بھی وفات پا گئے۔ اور ہزار ہا دلائل و براہین سے یہ ایک حقیقت ثابت شدہ ہے کہ آپ صادق اور خدا کے رسول تھے۔ پس ۲۳ سال کے بعد آپ کا فوت ہونا آپ کی ہلاکت نہیں کہلا سکتی۔ لہٰذا کسی مدعیٔ الہام و ماموریت کا ۲۳ سال تک زندہ رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے اور مفتری علی اللہ نہیں ہے۔ مفتری علی اللہ ہوتا تو وہ ضرور ۲۳ سال سے قبل ہلاک ہو جاتا۔ کیونکہ مفتری کو

۲۳ سال کی مہلت نہیں مل سکتی ورنہ پھر آنحضرت صلعم کے ملہم من اللہ ہونے پر اس آیت سے استدلال نہ ہو سکیگا۔ اور خدا کی یہ دلیل بےمعنی ہو جائیگی۔ اس دلیل کے رُو سے حضرت مرزا صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ مجھے دعوئے الہام کرتے ہوئے ۲۳ سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔ اگر مَیں مفتری علی اللہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اب تک ہلاک ہو چکا ہوتا۔ یہ ایک نہایت صاف اور سیدھی بات تھی لیکن جب تعصب ہو تو کیسی ہی سچی بات کیوں نہ ہو انسان ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتا خواہ اس کی زد خود اسکے اپنے مسلمات پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ حافظ محمد یوسف ضلعدار نہر کا مَیں اس سے قبل بھی ذکر کر آیا ہوں۔ اُنہوں نے اس بات کی پروا نہ کرتے ہوئے کہ اس سے زد خود حضرت محمد مصطفٰے صلعم پر پڑے گی ایک مجمع میں یہ کہدیا بلکہ لکھ کر بھی دیدیا کہ مَیں تاریخ کی کتابوں سے ایسے کئی مدعیٔ الہام دکھا سکتا ہوں جو باوجود جھوٹ بولنے اور خدا پر افترا کرنے کے اپنے دعوئے الہام کے بعد ۲۳ سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے۔ اس پر حضرت مرزا صاحب نے اسی اربعین میں تحریر فرمایا کہ جب مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم اور مولوی سید آل حسن صاحب مرحوم نے اپنی کتاب ازالۂ اوہام اور استفسار میں پادری فنڈر کے سامنے یہی دلیل پیش کی تھی تو پادری فنڈر کو تو کوئی اس کا جواب نہ آیا تھا اور وہ تاریخ کا ماہر ہوتے ہوئے اور تمام کتب تاریخ کی ورق گردانی کرنیکے باوجود کوئی ایسا مفتری علی اللہ پیش نہ کر سکا جو افترا علی اللہ کرنے کے بعد ۲۳ سال تک زندہ رہا ہو۔ لیکن آج حافظ محمد یوسف صاحب مسلمانوں کے فرزند کہلا کر اس قرآنی دلیل کو توڑنے پر آمادہ ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے یہ بھی فرمایا جس کا ملخص یہ ہے کہ درحقیقت حافظ محمد یوسف کے اس ادعا میں میری مخالفت پوشیدہ ہے۔ چونکہ لو تقوّل والی دلیل سے میری صداقت کی تائید ہوتی ہے اس لئے یہ لوگ اس قرآنی استدلال سے انکار کرنے سے ذرا نہیں شرماتے خواہ اس کی زد آنحضرت صلعم پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو کیونکہ اگر ۲۳ سال تک ایک مفتری علی اللہ زندہ رہ سکتا ہے تو پھر آنحضرت صلعم کا دعوئے الہام و وحی کے بعد ۲۳ سال تک زندہ رہنا آپ کے صادق ہونے پر تو کوئی دلیل نہ رہا۔ اور خدا کا یہ فرمانا کہ یہ اگر مفتری علی اللہ ہوتا تو ہم اس کو ہلاک کر دیتے بیکار گیا۔ یہ دلیل تو تبھی مفید ہو سکتی ہے جب ایک مفتری افترا علی اللہ کرنے کے بعد ۲۳ سال تک زندہ نہ رہ سکتا ہو۔ تب تو کہہ سکتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلعم نعوذ باللہ مفتری ہوتے تو ۲۳ سال تک زندہ نہ رہتے اور خدا لو تقوّل علینا کے وعدہ کے مطابق ضرور ہلاک کر دیتا۔ پس جب آپ کا ۲۳ سال تک زندہ رہنا اس بات کا قطعی ثبوت ٹھیرا کہ آپ مفتری علی اللہ نہ تھے ورنہ اس سے پہلے ہلاک ہو جاتے۔ تو اس سے یہ قاعدہ پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ ۲۳ سال تک کسی مدعیٔ الہام کا زندہ رہنا اس بات پر دلیل واضح ہے کہ وہ مفتری علی اللہ نہیں۔ اس سے چونکہ مجھے فائدہ پہنچتا ہے اس لئے یہ لوگ اس دلیل کو توڑنے میں ہی اپنی نجات سمجھتے ہیں۔

انعامی اشتہار حضرت مرزا صاحب بات کو ادھورا نہیں چھوڑا کرتے تھے۔ انہوں نے اس معاملہ میں بھی حجت تمام کرنے کے لئے اس رسالہ میں پہلے تو اسی آیت قرآنی کے استدلال کو طرح طرح سے سچا اور درست ثابت کیا اور پھر حافظ محمد یوسف ضلعدار نہر اور اس کے ساتھ تمام ہندوستان و پنجاب کے علما اور مشائخ کو نام بہ نام ان الفاظ میں چیلنج دیا:۔

"اگر یہ بات صحیح ہے کہ کوئی شخص نبی یا رسول اور مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کر کے اور کھلے طور پر خدا کے نام پر کلمات لوگوں کو سنا کر پھر باوجود مفتری ہونے کے برابر تیئیس برس تک جو زمانہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے زندہ رہا ہے تو میں ایسی نظیر پیش کرنیوالے کو بعد اسکے جو مجھے میرے ثبوت کے موافق یا قرآن کے ثبوت کے موافق ثبوت دیدے پانسو روپیہ نقد دے دونگا اور اگر ایسے لوگ کئی ہوں تو ان کا اختیار ہوگا کہ وہ روپیہ باہم تقسیم کر لیں۔ اس اشتہار کے نکلنے کی تاریخ سے پندرہ روز تک ان کو مہلت ہے کہ دنیا میں تلاش کر کے ایسی نظیر پیش کریں۔"

پھر آپ نے بات کو اچھی طرح واضح کرنے کے لئے اس امر کو صاف کیا کہ اس آیت لو تقوّل علینا الخ میں کس قسم کے ملہم کا ذکر ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"شاید تمام اصرار حافظ محمد یوسف صاحب کا اور ان کا ہر مجلس میں بار بار یہ کہنا کہ ایک انسان تیئیس برس تک خدا تعالیٰ پر افترا کر کے ہلاک نہیں ہوتا، اس کا یہی باعث ہو کہ انہوں نے نعوذ باللہ چند افترا خدا تعالیٰ پر کئے ہوں اور کہا ہو کہ مجھے یہ خواب آئی یا مجھے یہ الہام ہؤا اور پھر اب تک ہلاک نہ ہوئے تو دل میں یہ سمجھ لیا کہ خدا تعالیٰ کا اپنے رسول کریم کی نسبت یہ فرمانا کہ اگر وہ ہم پر افترا کرتا تو ہم اس کی رگ جان کاٹ دیتے یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اور خیال کیا کہ ہماری رگ جان خدا نے کیوں نہ کاٹ دی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت **رسولوں اور نبیوں اور مامورین** کی نسبت ہے جو کروڑہا انسانوں کو اپنی طرف دعوت کرتے ہیں اور جن کے افترا سے دنیا تباہ ہوتی ہے۔ لیکن ایک ایسا شخص جو اپنے تئیں مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کر کے قوم کا مصلح قرار نہیں دیتا اور نہ نبوت اور رسالت کا مدعی بنتا ہے اور محض ہنسی کے طور پر یا لوگوں کو اپنا رسوخ جتلانے کے لئے دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے یہ خواب آئی یا الہام ہؤا۔ اور جھوٹ بولتا ہے یا اس میں جھوٹ ملاتا ہے وہ اس نجاست کے کیڑے کی طرح ہے جو نجاست میں ہی پیدا ہوتا ہے اور نجاست میں ہی مر جاتا ہے۔ ایسا خبیث اس لائق نہیں کہ خدا اس کو یہ عزت دے کہ تو نے اگر میرے پر افترا کیا تو میں تجھے ہلاک کر دوں گا۔ بلکہ وہ بوجہ اپنی نہایت درجہ کی ذلت کے قابل التفات نہیں۔ کوئی شخص اسکی پیروی

نہیں کرتا۔ کوئی اس کو نبی یا رسول یا مامور من اللہ نہیں سمجھتا۔ ماسوا اس کے یہ بھی ثابت کرنا چاہیئے کہ اس مفتریانہ عادت پر برابر تیئیس۲۳ برس گزر گئے۔"[1]

[1] میں ضروری سمجھتا ہوں کہ یہاں ان لوگوں کے اعتراض کا جواب بھی کسی قدر عرض کر دوں جو اپنی لاعلمی یا چالاکی کی وجہ سے بہاء اللہ کو پیش کر دیتے ہیں کہ اس نے ۲۳ سال سے زیادہ زمانہ پایا۔ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے جب اربعین اور تحفہ گولڑویہ در تحفہ ندوہ کتابوں میں تمام علمائے ہند کو چیلنج کیا تھا کہ اگر پندرہ روز کے اندر ایک ایسے نبی یا رسول یا مامور من اللہ ہونے کے مدعی کو پیش کرو جو کھلے طور پر خدا کے نام پر کلمات وحی و الہام لوگوں کو سنا کر پھر باوجود مفتری ہونے کے برابر تیئیس برس تک زندہ رہا ہو تو میں ایسی نظیر پیش کرنے والے کو پانسو روپے نقد انعام دوں گا۔ تو کسی نے بہاء اللہ کو پیش نہیں کیا۔ نہ پندرہ دن کے اندر اور نہ بعد میں حضرت صاحب کی تمام زندگی میں حالانکہ بہاء اللہ قریب ہی زمانہ میں گزر چکا تھا اور اسکی کوئی چھپی ڈھکی شخصیت بھی نہ تھی۔ مزہ یہ کہ مرزا محمود زرقانی بہائی مشنری لاہور میں موجود تھا۔ اسکے علاوہ اور بھی بہائی پنجاب میں موجود تھے مگر کسی نے اس معیار کیلئے بہاء اللہ کا نام پیش نہیں کیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ یہ امر ہر ایک دوست دشمن کے نزدیک مسلّم تھا کہ وہ نہ نبی اور رسول ہونے کا مدعی تھا اور نہ مامور من اللہ اور مجدد و ملہم ہونے کا۔ مرزا ابو الفضائل گلپیکانی ایک مشہور بہائی عالم نے ایسے لوگوں کے خیالات کی تردید کرتے ہوئے جو بہاء اللہ کا دعویٰ نبوت و رسالت کا سمجھتے تھے کتاب الفرائد صفحہ ۳۷۵ پر صاف طور پر لکھا ہے کہ "ادعاء ایشاں ادعاء نبوت باشد محض وہم وگمان جناب شیخ است" یعنی یہ خیال کہ بہاء اللہ کا دعویٰ نبوت کا تھا محض شیخ صاحب کا وہم وگمان ہے یعنی یہ خیال غلط ہے البتہ علی محمد باب ملہم اور مامور من اللہ ہونے کا مدعی تھا اور اُس نے اپنی کتاب البیان کو وحی الٰہی کی حیثیت سے پیش بھی کیا۔ سو وہ چھ سال نہیں گزرے جو قتل ہو گیا۔ لیکن بہاء اللہ نے اپنے مذہب کو ایک نئی شکل دیدی۔ اُس نے عقیدہ یہ قائم کیا کہ دور نبوت ختم ہے جس کے خاتم حضرت محمد مصطفٰے صلعم تھے۔ اس دور نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد دور الوہیت شروع ہے یعنی اب نبی اور رسول اور مامور و مجدد کی بعثت کا دور ختم ہو گیا۔ ارتقاء کے ماتحت اب زمانہ بہت ترقی کر گیا ہے۔ اب جو شخص آئیگا وہ انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ کی ندا بلند کرنے والا یعنی ملہم من اللہ نہ ہوگا بلکہ وہ خود مظہر الوہیت ہوگا جس کا آنا خدا کا آنا اور جس کا اپنا بولنا خدا کا بولنا ہوگا۔ گویا وہ خدا کا اوتار ہوگا۔ چنانچہ اسی بنا پر بہاء اللہ نے اپنے آپ کو مظہر الوہیت اور ان تمام وعدوں کا موعود بتایا جو قرآن کریم میں خود اللہ تعالیٰ کی آمد کی نسبت مذکور ہیں۔ . . . .

. . . . چنانچہ قرآن کریم میں جو نفخ صور اور ساعت کے قائم ہونے اور خدا کا اپنے جلال کے ساتھ نیکوں اور بدوں کی جزا کے لئے جلوہ افروز ہونے کا ذکر ہے ان سب آیات کا مصداق اُس نے اپنے آپ کو قرار دیا۔ مثلاً آیت واشرقت الارض بنور ربھا ووضع الکتاب وجایٔ بالنبیّین والشھداء وقضی بینھم بالحق وھم لا یظلمون ۔ ووفیت کل نفس ما عملت وھو اعلم بما یفعلون (الزمر) اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اُٹھیگی اور کتاب اور اعمال نامے رکھے جائیں گے اور نبی اور گواہ حاضر کئے جائیں گے۔ اور لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائیگا اور ان پر کسی طرح کا ظلم نہ ہوگا اور جس نے جیسے عمل کئے ہیں سب کو پورا پورا بدلا دیا جائیگا۔ اور وہ خدا اس سے خوب واقف ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ اس آیت کا مصداق بہاء اللہ نے اپنے آپ کو قرار دیا۔ اسی طرح آیت ان الساعۃ اٰتیۃ اکاد اخفیھا لتجزیٰ کل نفس بما تسعیٰ (طٰہٰ) بیشک ساعت یعنی قیامت آنے والی ہے اور ہم اس کے وقت کو پوشیدہ رکھنے کو ہیں تاکہ ہر شخص کو بدلہ دیں اس کا جو وہ کوشش کرتا ہے۔ اس کا مصداق بھی بہاء اللہ نے اپنے آپ کو قرار دیا۔ اسی قسم کی بیسیوں آیات ہیں جن میں خدا کے آنے اور حساب کتاب کرنے اور نیکوں کو نیک بدلہ اور بدوں کو سزا دینے کا ذکر ہے۔ اور جو قیامت کے متعلق سمجھی جاتی ہیں ان سب کا مصداق بہاء اللہ نے اپنے آپ کو قرار دیکر اپنا آنا خدا کا آنا بتایا۔ پس بہاء اللہ کے بارے میں الہام اور وحی کے دعوے اور اس میں (باقی برصفحہ ۷۷۷)

ایک وسوسہ کا ازالہ

اس کے بعد حضرت مرزا صاحب نے ایک وسوسہ کا بھی ازالہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"اس بارے میں میرے ایک دوست نے اپنی نیک نیتی سے یہ عذر پیش کیا تھا کہ آیت لو تقوّل علینا میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں اس سے یہ کیونکر سمجھا جائے کہ اگر کوئی دوسرا شخص

(بقیہ صہ ۷۷۶) افترا علی اللہ کے ارتکاب کا تو کوئی سوال ہی نہیں رہا۔ یہاں تو خود خدا بہاء اللہ کی شکل میں جلوہ افروز تھا۔ اسی لئے بہاء اللہ نے جو کچھ پیش کیا وہ برملا اپنا کلام پیش کیا اور اسے اپنا کلام قرار دیتے ہوئے خدا کا کلام کہا۔ کتاب اقدس کی نسبت جو بہاء اللہ کی طرف سے کتاب شریعت ہے بہاء اللہ نے کہیں نہیں لکھا کہ وہ خدا کی طرف سے بذریعہ وحی اس پر نازل ہوئی ہے بلکہ اس نے کتاب اقدس اور دیگر کتب کو خود لکھا اور اس اپنے لکھے ہوئے تصنیف کردہ کلام کو خدا کا کلام اس لئے قرار دیا کہ وہ اپنے آپ کو اس شان کا مظہر الوہیت بتلاتا تھا جس کا اپنا بولا ہوا کلام خدا کے کلام اور اپنا قلم خدا کے قلم کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ کتاب اقدس کو ہرگز وحی الٰہی سے نازل شدہ کلام قرار نہیں دیتا۔ وہ کتاب کے آخری صفحہ ۱۰۳ پر کتاب کو ختم کرتے ہوئے لکھتا ہے "کتابٌ انزله المظلوم فی السجن الاعظم .... والعزیز من شرب رحیق الوحی من ایادی الکرم" یعنی یہ کتاب اقدس وہ کتاب ہے جسے مظلوم (یعنی بہاء اللہ) نے نازل کیا بڑے قید خانہ میں ..... اور عزیز وہ ہے جس نے میرے کرم کے ہاتھوں سے وحی کی شراب پی جس سے معلوم ہوا کہ کتاب اقدس کا نازل کرنے والا وہ شخص ہے جو مظلوم ہے اور قید خانہ میں قید ہے یعنی بہاء اللہ خود۔ اور عزیز وہ ہے جو اس مظلوم کے ہاتھوں سے وحی کی شراب پیتا ہے۔ گویا بہاء اللہ کی اصطلاح میں وحی وہ کلام نہیں جو خدا کی طرف سے اس پر نازل ہوتا ہے بلکہ وحی وہ کلام ہے جو بہاء اللہ خود لکھتا ہے اور اس کی نشر و تبلیغ اس کلام کا نزول ہے قوم کی طرف۔ پھر اتنا ہی نہیں وہ علی محمد باب کی کتاب البیان کا نازل کرنیوالا بھی اپنے آپ کو ہی قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اُن بابیوں کی جو بہاء اللہ کے منکر تھے شکایت کرتے ہوئے اسی کتاب اقدس کے صفحہ ۵۹ پر لکھتا ہے۔ "یذکرون نقطة البیان ویفتون علیٰ مُرسله ویقرؤن الآیات وینکرون مُنزلها"۔ یعنی یہ بابی لوگ علی محمد باب کی کتاب البیان کو تو پڑھتے اور یاد رکھتے ہیں اور اس کے بھیجنے والے پر یعنی مجھ پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں اور البیان کی آیتوں کو پڑھتے ہیں اور اس کے نازل کرنیوالے کا یعنی میرا انکار کرتے ہیں۔ اب اس حوالہ کے بعد کتاب اقدس کا یہ حوالہ بھی پڑھو صفحہ ۷۷ پر لکھتا ہے "لا اله الا انا المهیمن القیوم قد ارسلنا الرسل وانزلنا الکتب"۔ کہ کوئی معبود نہیں سوائے میرے جو مہیمن اور قیوم ہے بیشک ہم نے رسول بھیجے اور ہم نے کتابیں اتاریں۔ گویا یہاں صریح دعویٰ خدائی ہے۔ اس جگہ یہ عذر پیش نہیں کیا جا سکتا کہ یہ خدا کی طرف سے حکایتًا بہاء اللہ بیان کر رہا ہے۔ کیونکہ میں ابھی دکھا آیا ہوں کہ کتاب اقدس اور کتاب بیان کا نازل کرنیوالا بہاء اللہ نے اپنے آپ کو بتایا ہے تو یہی جو مُنزل الکتاب ہے وہی خدائی اور مہیمن و قیوم ہونے کا مدعی ہے اور یہی وجہ تھی جو مولوی عبدالحق صاحب ودیارتھی بیان کرتے تھے کہ بمبئی میں بہائیوں نے اپنے عبادتگاہ میں یہ بورڈ پر لکھ کر لگایا ہوا تھا کہ لا اله الا بہا۔ یہ حوالے جو میں نے یہاں پیش کئے ہیں یہ تو فقط بطور نمونہ مُشتے از خروارے ہیں ورنہ ساری کتاب اقدس اور بہاء اللہ کی دیگر کتب اسی قسم کے دعووں سے بھری ہوئی ہیں۔ اور تمام بہائی لٹریچر میں بہاء اللہ کو ایسا مظہر الوہیت قرار دیا ہے کہ گویا وہ خود خدا ہے اور اس کا اپنا کلام خدا کے کلام کی حیثیت رکھتا ہے اور بہاء اللہ کو خدا کے مقام پر کھڑا ہونے کا تو اس قدر شوق نظر آتا ہے کہ اس کتاب میں جو مختلف (باقی بر صہ ۷۷۸)

افترا کرے تو وہ بھی ہلاک کیا جائے گا۔ مَیں نے اُس کا یہی جواب دیا تھا کہ خدا تعالیٰ کا یہ قول محل استدلال پر ہے اور منجملہ دلائل صدق نبوت کے یہ بھی ایک دلیل ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے قول کی تصدیق تبھی ہوتی ہے کہ جھوٹا دعویٰ کرنیوالا ہلاک ہو جائے۔ ورنہ یہ قول منکر پر کچھ حجت نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کیلئے بطور دلیل

(بقیہ ص۴۴۷) الواح ہیں ان میں سے ہر ایک لوح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے نئے ناموں سے شروع ہوتی ہے۔ مثلاً ایک جگہ یوں شروع کیا ہے کہ ھو الظاھر الناطق العلیم الحکیم" کہ وہ ظاہر ہے ناطق ہے علیم و حکیم ہے۔ روشن ہے کہ یہ خدا کی صفات ہیں۔ لیکن اب دوسری جگہ ایک اور لوح کا ابتدائی فقرہ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ بسمی المظلوم الظاھر فی السجن الاعظم (ص۴۳) کہ مدد مانگ میرے نام کے ساتھ جو مظلوم ہے اور الظاہر ہے اور بڑے قید خانہ میں قید ہے۔ گویا گزشتہ لوح میں جسے الظاہر کہا تھا اور جس کی دوسری صفات الناطق۔ العلیم۔ الحکیم بتائی تھیں اس کی نسبت اس لوح میں بتا دیا گیا کہ وہ الظاہر وہی مظلوم بہاء اللہ ہے جو قید خانہ میں قید ہے۔ گویا صریح لفظوں میں دعویٰ خدائی ہے۔ ویسے دانستہ آنکھوں کو بند کر لیا جائے اور عقل پر پردہ ڈال لیا جائے تو وہ جدا امر ہے۔ لیکن کتاب اقدس اور بہاء اللہ کی دیگر کتب کو دیکھ جاؤ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص اگر دیوانہ نہیں ہے تو صریح دعویٰ خدائی کر رہا ہے۔ بھلا اسی کتاب اقدس کے اس حوالہ کے کیا معنی کرو گے کہ "انہ فی السجن یذکر احبائہ" بیشک وہ خدا اس وقت جیل خانہ میں اپنے دوستوں کو یاد کر رہا ہے۔ پھر یہی بہاء اللہ کتاب ادعیہ میں ص۱۶۷ پر اپنے متعلق لکھتا ہے۔ "طوفوا و زوروا ربّ الانام فی ھذہ الایام" کہ انسانوں کے رب کی زیارت ان ایام میں کر لو اور اس کا طواف کرو۔ پھر مبین ص۳۲۰ پر لکھتا ہے کذلک یامرک الرحمٰن اذ کان بایدی الظالمین مسجوناً اس طرح حکم دیتا ہے تجھ کو رحمان جبکہ وہ ظالموں کے ہاتھ میں قید ہے۔ پھر اسی کتاب میں ص۲۹۷ پر لکھتا ہے:۔ "اتبعوا ربکم الرحمٰن انہ فی البلیۃ الکبریٰ یدعوا الناس بالحق" اپنے رب رحمان کی پیروی کرو بیشک وہ آجکل بڑی مصیبتوں میں گرفتار ہے لوگوں کو سچائی کے ساتھ بلاتا ہے۔ الغرض بہاء اللہ نے اپنے آپ کو جو حیثیت دی ہے وہ خود خدا کی ہے یا کم سے کم ایسے مظہر الوہیت کی ہے جس کا خود اپنا کلام خدا کا کلام کہے جانے کا مستحق ہے۔ چنانچہ وہ کتاب اقدس اور دیگر کتب کو جو اس نے علی الاعلان خود تصنیف کیں خدا کا کلام اس لئے قرار دیتا ہے کہ وہ خود خدا ہے یا خدا کا ایسا ظہور ہے جس کا کلام خدا کا کلام ہے۔ وہ اپنے آپ کو مکلّم من اللہ یعنی ایسا شخص جس سے خدا کلام کرے قرار نہیں دیتا بلکہ صریح الفاظ میں مکلّم الطور ہونے کا مدعی ہے یعنی وہ ذات باری ہونے کا مدعی ہے جو طُور پر حضرت موسیٰ سے کلام کرتی تھی چنانچہ اپنے مرید حسین کو ایک خط میں لکھتا ہے یا حسین اسمع ما تکلم بہ مکلّم الطور (کتاب اقدس ص۱۳۱) کہ اے حسین سُن جو طور پر کلام کرنیوالا تجھ سے کلام کرتا ہے۔ گویا طور پر جو خدا حضرت موسیٰ سے ہمکلام ہوتا تھا وہ آج بہاء اللہ کے رُوپ میں حسین سے کلام کر رہا ہے۔ پھر ایک اور جگہ اسی کتاب اقدس میں اپنے مرید نصیر کو ایک پرانی ملاقات یاد دلاتے ہوئے لکھتا ہے اُنظر ثم اذکر اذ تکلم معک مکلّم الطور و توجہ الیک وجہ الظھور (کتاب اقدس ص۱۱۰) ترجمہ۔ دیکھ پھر یاد کر جب تجھ سے کلام کرتا تھا طور پر کلام کرنیوالا اور خدا کا ظہور تیری طرف متوجہ تھا۔ یہاں مکلّم الطور اور وجہ الظھور یعنی طور پر کلام کرنیوالا اور خدا کا ظہور خود بہاء اللہ ہے۔ پھر ایک اور جگہ اس طرح اسی کتاب اقدس میں لکھتا ہے۔ یا ملاء الارض قد اتیٰ یوم النصر و ظہر مکلّم الطور بآیات عجز عنھا من فی السمٰوات والارضین (کتاب اقدس ص۱۰۰) اے زمین کے لوگو! بیشک خدا کی نصرت کا دن آ گیا اور طور پر کلام کرنیوالا ظاہر ہو گیا ایسے نشانات کے ساتھ جن سے وہ تمام لوگ جو آسمانوں اور زمین میں بستے ہیں عاجز آ گئے ہیں (سبحان اللہ کیا نشانات آسمانی ہیں اور کس قدر آسمان و زمین کی مخلوق ان کے سامنے عاجز آ گئی ہے کہ جیلخانہ میں پڑے پڑے ساری عمر بیت گئی اور آخر جلا وطنی میں مر گئے۔ مؤلف) باقی برص۴۴۹

ٹھہر سکتا ہے بلکہ وہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تئیس ۲۳ برس تک ہلاک نہ ہونا اس وجہ سے نہیں کہ وہ صادق ہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ خدا پر افترا کرنا ایسا گناہ نہیں ہے جس سے خدا اسی دنیا میں کسی کو ہلاک کرے کیونکہ اگر یہ کوئی گناہ ہوتا اور سنت اللہ اس طرح پر جاری ہوتی کہ مفتری کو اسی دنیا

(بقیہ صفحہ ۷۷۷) پس ان حالات میں آیت لو تقول علینا کا وعید بہاء اللہ کے بارے میں چسپاں کرنا سخت غلطی ہے۔ یہ آیت تو اس شخص کیلئے بطور معیار کے ہے جو خدا کی قدیم سنت اللہ کے ماتحت بشر اور رسول یا مامور ہونیکا مدعی ہو اور یہ کہتا ہو کہ مجھ پر خدا کا کلام بذریعہ وحی والہام نازل ہوتا ہے یعنی وہ مکلّم من اللہ ہونے کا مدعی ہو نہ کہ خود متکلم ہونے کا۔ اور مکلّم من اللہ کے لئے یہ سزا اس لئے ہے تاکہ خدا کی اس سنت کو کہ وہ ہمیشہ سے نوع انسان کی ہدایت کیلئے وحی وکتاب اور رسول و مامور بھیجتا رہا کوئی مفتری علی اللہ اپنے افترا سے مشتبہ نہ کردے۔ مگر وہ شخص اس وعید کے نیچے کیسے آسکتا ہے جو اس سنت اللہ کے ماتحت اپنے آپ کو پیش نہیں کرتا بلکہ وہ ایک نئی اختراع کے ساتھ دنیا کے سامنے آتا ہے وہ یہ کہ میں خود خدا ہوں یا خدا کا اس دنیا پر ایسا مظہر کامل اور قائم مقام ہوں کہ میرا اپنا کلام خدا کے کلام کی حیثیت رکھتا ہے وہ ہرگز یہ نہیں کہتا کہ مجھ پر خدا کا کلام بذریعہ وحی نازل ہوتا ہے بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ یہ میرا اپنا کلام ہے جو پیش کرتا ہوں مگر یہ خدا کا کلام اس لئے ہے کہ میں خود خدا کی حیثیت رکھتا ہوں۔ پس ایسا شخص مفتری علی اللہ نہیں کہلا سکتا اور نہ لو تقوّل والا معیار اس کے متعلق پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بارے میں تو بحث فقط اتنی باقی رہ جاتی ہے کہ آیا انسان خدا ہو سکتا ہے یا اس قسم کا مظہر الوہیت قرار دیا جاسکتا ہے کہ اس کے کلام کو خدا کا کلام کہا جاسکے۔ اور انسان کو خدا کہنا یا ایسا مظہر الوہیت قرار دینا کہ جس کے اپنے کلام کو خدا کا کلام کہا جائے ایسی لغو اور مضحکہ خیز بات ہے کہ جسے کوئی عقل سلیم قبول نہیں کر سکتی۔ اسی لئے ایسے مدعی کے متعلق دنیا میں خدا نے کوئی سزا مقرر نہیں کی۔ قیامت میں جہاں خدا کے منکروں اور نعوذ باللہ اسے گالیاں دینے والوں کا معاملہ پیش ہوگا وہاں ان خدائی کے مدعیوں کا بھی معاملہ پیش ہو رہیگا۔ خدا نے انسانی عقل کی اس قدر توہین کرنا پسند نہ کیا کہ اس قسم کے دعووں کے لئے دنیا میں ہی کوئی سزا مقرر کر دیتا۔ اور پھر تعجب ہوتا ہے کہ بہاء اللہ جیسے ناکام اور قدم قدم پر شکست خوردہ انسان کو خدا یا الوہیت کا مظہر اعظم قرار دیتے ہوئے عقل انسانی کو کہیں چلو بھر پانی کیوں نہیں ملتا جس میں وہ شرم سے ڈوب مرے۔

ایک دفعہ دہلی میں ایک بہائی مشنری محفوظ الحق علمی صاحب سے جب بہاء اللہ کے بارے میں میری گفتگو ہوئی تو انہوں نے یہی امر پیش کیا کہ دور نبوت ختم ہے اور دور الوہیت شروع ہے۔ پھر انہوں نے ان تمام آیات قرآنی کا جو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے جلوہ افروز ہونے کے متعلق ہیں بہاء اللہ کو مصداق گردانا۔ تو میں نے عرض کیا کہ "ہمیں تو بڑی مایوسی ہوئی۔ ہم تو ان آیات کو پڑھ پڑھ کر یہ سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ جب جلوہ افروز ہوں گے تو جیسا کہ قرآن کریم میں لکھا ہے اس وقت بدوں اور شریروں کو اپنے کئے کی سزا ملے گی اور مظلوموں کی دادرسی ہوگی۔ لیکن کس قدر نوع انسان کی بدقسمتی ہے کہ جب مدتوں کی آرزوؤں اور تمناؤں کے بعد وہ وقت آیا کہ بقول آپ کے خدا بہاء اللہ کی شکل میں جلوہ افروز ہوا تو اپنے پرستاروں کو نفع پہنچانے اور منکروں اور شریروں کو سزا دینے اور مظلوموں کی دادرسی کرنے کے بجائے خود انہی شریروں کے پنجہ میں پھنس گیا۔ اور ان شریروں نے آپ کے مفروضہ خدا بہاء اللہ کے ساتھ ایسی بری کی کہ اسے پکڑ کر جیلخانہ میں ٹھونس دیا۔ جہاں وہ بیچارہ تمام عمر پڑا سڑتا رہا۔ اور اپنے آپ کو مظلوم مظلوم کہکر فریاد کرتا رہا۔ اور آخر کار جلاوطن ہو کر مر گیا۔ معاذ اللہ کیا برا نقشہ خدا کا ہے۔ یہ کیسی عجیب جلوہ افروزی خدا کی ہے کہ آئے تو تھے مظلوموں اور دادخواہوں کی دادرسی کرنے کیلئے لیکن ظالموں کے ہاتھ سے وہ درگت بنی کہ توبہ ہی بھلی۔ اور اشرقت الارض بنور ربھا کے ماتحت دنیا بجائے نور سے روشن ہونے کے اسی طرح ظلمت میں پھنسی رہی۔ ہم تو خدائی جلوہ افروزی پر بڑی امیدیں لگائے بیٹھے تھے مگر سخت مایوسی ہوئی"۔ اس کا وہ کچھ جواب نہ دے سکے۔

(مؤلف)

میں سزا دینا چاہئے تو اس کیلئے نظیریں ہونی چاہئے تھیں۔ اور تم قبول کرتے ہو کہ اس کی کوئی نظیر نہیں بلکہ بہت سی ایسی نظیریں موجود ہیں کہ لوگوں نے ۲۳ برس تک بلکہ اس سے زیادہ خدا پر افترا کئے اور ہلاک نہ ہوئے تو اب بتلاؤ کہ اس اعتراض کا کیا جواب ہوگا۔"

اس کے بعد آپ نے توریت اور دوسری پہلی آسمانی کتابوں سے بھی یہ نکال کر دکھایا ہے کہ ان میں بھی مفتری علی اللہ کی سزا ہلاکت ہی لکھی ہوئی ہے۔

ضمیمہ اربعین ۳ و ۴

۲۹۔ دسمبر ۱۹۰۰ء کو حضرت مرزا صاحب نے اربعین ۳ و ۴ کا ایک ضمیمہ شائع کیا جس میں قوم کو درد دل سے ایک دعوت دی ہے۔ اس میں اپنے صادق اور مامور من اللہ ہونے پر دلائل دیتے ہوئے قوم کو نہایت درد دل سے مخاطب کر کے لکھتے ہیں:۔

"بہتر تھا کہ میرے مخالف اگر ان کو ماننے کی توفیق نہیں دی گئی تھی تو بارے کچھ مدت زبان بند رکھ کر اور کفّ لسان اختیار کر کے میرے انجام کو دیکھتے۔ اب جس قدر عوام نے بھی گالیاں دیں یہ سب گناہ مولویوں کی گردن پر ہے۔ افسوس یہ لوگ فراست سے بھی کام نہیں لیتے۔ میں ایک دائم المرض آدمی ہوں اور وہ دو زرد چادریں جن کے بارے میں حدیثوں میں ذکر ہے کہ ان دو چادروں میں مسیح نازل ہوگا وہ دو زرد چادریں میرے شامل حال ہیں جن کی تعبیر علم تعبیر الرؤیا کے رو سے دو بیماریاں ہیں۔ سو ایک چادر میرے اوپر کے حصہ میں ہے کہ ہمیشہ سر درد اور دوران سر اور کمی خواب اور تشنج دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے۔ اور دوسری چادر جو میرے نیچے کے حصۂ بدن میں ہے وہ بیماری ذیابیطس ہے کہ ایک مدت سے دامنگیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے۔ اور اس قدر کثرت پیشاب سے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں۔ بسا اوقات میرا یہ حال ہوتا ہے کہ نماز کیلئے جب زینہ چڑھ کر اوپر جاتا ہوں تو مجھے اپنی ظاہر حالت پر امید نہیں ہوتی کہ زینہ کی ایک سیڑھی سے دوسری سیڑھی پر پاؤں رکھنے تک میں زندہ رہوں گا۔ اب جس شخص کی زندگی کا یہ حال ہے کہ ہر روز موت کا سامنا اس کیلئے موجود ہوتا ہے اور ایسے مرضوں کے انجام کی نظیریں بھی موجود ہیں تو وہ ایسی خطرناک حالت کے ساتھ کیونکر افترا پر جرأت کر سکتا ہے ...... پھر جس زور سے ایسی حالت پُرخطر میں تبلیغ میں مشغول ہوں کیا کسی مفتری کا کام ہے؟"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"میں محض نصیحتاً للہ مخالف علما اور ان کے ہم خیال لوگوں کو کہتا ہوں کہ گالیاں دینا اور بدزبانی کرنا طریق شرافت نہیں ہے۔ اگر آپ لوگوں کی یہی طینت ہے تو خیر آپ کی مرضی۔ لیکن اگر مجھے آپ لوگ کاذب

کہتے ہیں تو آپ کو یہ بھی تو اختیار رہے کہ مساجد میں اکٹھے ہو کر یا الگ الگ میرے پر بددعائیں کریں اور رو رو کر میرا استیصال چاہیں۔ پھر اگر میں کاذب ہوں گا تو ضرور وہ دعائیں قبول ہو جائیں گی اور آپ لوگ ہمیشہ دعائیں کرتے بھی ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ اگر آپ اس قدر دعائیں کریں کہ زبانوں میں زخم پڑ جائیں اور اس قدر رو رو کر سجدوں میں گریں کہ ناک گھس جائیں اور آنسوؤں سے آنکھوں کے حلقے گل جائیں اور پلکیں جھڑ جائیں اور کثرت گریہ وزاری سے بینائی کم ہو جائے اور آخر دماغ خالی ہو کر مرگی پڑنے لگے یا مالیخولیا ہو جائے تب بھی وہ دعائیں سنی نہیں جائیں گی کیونکہ میں خدا سے آیا ہوں۔ جو شخص میرے پر بددعا کرے گا وہ بددعا اسی پر پڑے گی۔ جو شخص میری نسبت یہ کہتا ہے کہ اس پر لعنت ہو وہ لعنت اس کے دل پر پڑتی ہے مگر اس کو خبر نہیں"۔

غرضیکہ نہایت درد دل سے آپ نے قوم کو مخاطب کر کے اس طرف بلایا ہے کہ گالیاں دینا اور بدزبانی کرنا طریق شرافت نہیں۔ میرے دعوے کے متعلق ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ مومنانہ فراست سے کام لو۔ دعاؤں سے کام لو تا اللہ تعالیٰ تم پر حق کھول دے۔ اگر نہیں تو پھر زور لگا لو۔ میں چونکہ خدا کی طرف سے ہوں اس لئے میرا تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اپنا ہی کچھ بگاڑ دو گے۔

۱۹۰۱ء کی مردم شماری
اور
جماعت کا نام "مسلمان فرقہ احمدیہ" رکھا جانا

کسی جماعت کا ایک نام ہونا لازمی امر ہے

دنیا میں جب کوئی فرد یا جماعت وجود میں آتی ہے تو اس کا نام بھی ساتھ ہی وجود میں آجاتا ہے کون شخص ہے جو پیدا ہوا اور اس کا نام نہیں رکھا گیا۔ اگر وہ خود نام نہیں رکھیگا تو لوگ اس کا نام رکھ لیں گے۔ بات یہ ہے کہ کسی چیز کا نام اس کی ساری تعریف کے قائم مقام ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو ایسا ہوتا ہے کہ کتنی ہی کسی چیز کی تعریف کر کے مخاطب کو شناخت کرانے کی کوشش کی جائے وہ چیز اس کے ذہن میں نہیں آتی جیسا کہ اسی چیز کا نام لے دینے سے وہ فوراً ذہن میں آجاتی ہے۔ گھوڑے کا نام نہ لو اور مخاطب کو شناخت کروانے کیلئے بیشک اس کی ساری تعریف کئے جاؤ لیکن مخاطب بالکل ممکن ہے کہ سمجھ نہ سکے۔ مگر صرف گھوڑا کہہ دینے سے وہ فوراً سمجھ جائیگا کہ آپ کی کیا مراد ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی ساری تعریف کر جاؤ مگر مخاطب کو سمجھنے میں دقت ضرور رہے گی۔ ابوبکر نام لے دو مخاطب فوراً سب کچھ

سمجھ جائیگا۔ اسی طرح کنسرویٹیو اور لبرل انگلینڈ میں دو سیاسی جماعتیں ہیں۔ ان کی تعریف کئے جاؤ اور نام نہ لو مخاطب کو سمجھنے میں بڑی دقت ہوگی لیکن نام لے دو آپ ساری تعریف و تشریح سے بچ جائیں گے اور مخاطب سب کچھ سمجھ جائے گا۔ کانگرس اور مسلم لیگ کے نام لے دینے سے ساری کیفیت ذہن میں آ جائیگی ان جماعتوں کی تشریح کتنی لمبی چوڑی کیوں نہ کرو سمجھنے میں بڑی دشواری پیش آئے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کا جو مکہ سے مدینہ ہجرت کرکے آئے مہاجرین نام رکھا۔ اور اُن صحابہ کا جو مدینہ میں رہتے تھے اور دین کی مدد کرتے تھے انصار نام رکھا۔ تاکہ یہ نام لیتے ہی مخاطب فوراً انکی خصوصیات کو سمجھ جائے۔ اسکے یہ معنے نہیں کہ وہ مسلمان نہ تھے بلکہ بات اتنی تھی کہ مسلم قوم میں سے ایک جماعت کی بعض خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک نام رکھدیا گیا تاکہ تقریر و تحریر میں اگر اس جماعت کا ذکر آوے تو بار بار اس کی تعریف اور خصوصیات کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ پیش آوے اور فقط ایک مختصر نام لے دینے سے مخاطب سب کچھ سمجھ جائے۔ مثال کے طور پر کانگرس اور مسلم لیگ کو لیلو۔ یہ دو ہندوستانی جماعتوں کے نام ہیں۔ چونکہ ہر ایک جماعت اپنی کچھ کچھ خصوصیات رکھتی ہے اس لئے انکو دو نام دینے پڑے تاکہ تقریر و تحریر میں ان خصوصیات کو تفصیل کے ساتھ بار بار دُہرانا نہ پڑے جس وقت ضرورت ہو فقط اُن کا نام لے دینے سے مخاطب سب کچھ سمجھ جائے۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ ہندوستانی نہیں ہیں وہ شخص احمق ہوگا جو یہ کہے کہ یہ ہندوستانیوں کی اتحاد و وحدت کے خلاف ہے فقط ہندوستانی کہلانا چاہئے پس کانگرس اور مسلم لیگ کے نام مٹا دو۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جبتک ان دونو جماعتوں میں اپنی اپنی جگہ کچھ خصوصیات ہیں یہ نام نہیں مٹ سکتے۔ تم انہیں مٹاؤ گے تو لوگ مجبور ہو کر ان جماعتوں کو ان کی خصوصیات کے ساتھ شناخت کرنے کیلئے کچھ اور نام رکھ لیں گے۔ غرضکہ کوئی فرد ہو اس کی انفرادی خصوصیت اور کوئی جماعت ہو تو اسکی جماعتی خصوصیت اس کا نام رکھ کر چھوڑے گی۔ اگر وہ خود نہ رکھیگا تو لوگ رکھ لیں گے جنہوں نے حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی چاروں کو خلیفہ برحق مانا وہ اہل سنت والجماعت کہلانے لگے جنہوں نے فقط حضرت علی کو خلیفہ برحق مانا اور باقی کو نہ مانا وہ شیعہ کہلائے۔ جنہوں نے فقط حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو خلیفہ مانا باقی کو نہ مانا وہ خوارج کہلائے اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان نہ کہتے تھے بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ مسلمانوں میں اپنی اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے مختلف جماعتیں مختلف ناموں سے پکاری گئیں۔ اسی طرح حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی اہل سنت والجماعت کی مختلف شاخیں ہیں۔ مختلف ائمہ مجتہدین کی فقہ کی پیروی نے مختلف نام رکھوا دیئے۔ اسی طرح چشتی۔ قادری نقشبندی۔ سہروردی جماعتیں مختلف بزرگ صوفیا کے ساتھ تعلق جوڑنے کی وجہ سے مختلف ناموں سے پکاری گئیں۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ مسلمان نہ تھے بعض کا یہ کہنا کہ مسلمان کے سوا کوئی نام نہ رکھو یہ محض

تخیل پرستی ہے۔ ایسے لوگوں کو عملی دنیا کا تجربہ نہیں جب کوئی خصوصیت لیکر ایک جماعت اُٹھے گی تو وہ خود اگر اپنا کوئی نام نہ رکھیگی تو لوگ رکھ لیں گے۔ سر سید احمد خاں مرحوم نے کوئی جماعت نہیں بنائی۔ مگر جب اُن کے ہم خیال لوگوں کی ایک جماعت وجود میں آئی اور اُنہوں نے اپنا کوئی نام نہ رکھا تو لوگوں نے خود اُن کا نام رکھ لیا اور **نیچری** کے نام سے پکارنے لگے۔ جماعت غیر مقلدین نے پہلے اپنا کوئی نام نہ رکھا تھا لوگ وہابی وہابی کہنے لگ گئے آخر ہار کر اُنہوں نے **اہل حدیث** اپنا نام رکھ لیا۔ **مولوی عبداللہ چکڑالوی** کی جماعت جب ظہور میں آئی تو لوگوں نے نام **چکڑالوی** رکھ دیا۔ آخر اُنہوں نے کبھی اپنا نام **اہل قرآن** رکھا اور کبھی **اہل الذکر**۔ پھر اپنے آپ کو **اُمت مسلمہ** کہنے لگے۔ مگر دیکھو چونکہ **اُمت مسلمہ** تمام مسلمانوں کا نام تھا اس لئے اس نام سے یہ جماعت مشہور نہ ہوئی کیونکہ اس سے مخاطب کے ذہن میں اس جماعت کی خصوصیات کا تصور پوری طرح نہ آسکتا تھا۔ اس لئے سوائے **اہل قرآن** یا **چکڑالوی** کے اور کوئی نام مشہور نہ ہوا۔

جماعت کا نام رکھنے کی وجہ اسی طرح حضرت اقدس مرزا صاحب نے عرصہ تک اپنی جماعت کا کوئی نام نہ رکھا۔ لوگ مرزائی اور قادیانی کہنے لگ گئے کیونکہ بغیر نام کے اس جماعت کی خصوصیات کا مفہوم مخاطب کے ذہن میں آنہ سکتا تھا۔ آخر فروری ۱۹۰۱ء میں جو ملک ہندوستان کی مردم شماری ہونیوالی تھی اس کے متعلق دوستوں نے حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ مردم شماری کے رجسٹر میں ہر ایک مذہب کے ماتحت فرقوں کا خانہ بھی ہوتا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ پتہ لگ جاتا ہے کہ فلاں فرقہ یا جماعت میں کس قدر افراد شامل ہیں۔ پس اس موقعہ پر اگر اپنی جماعت کا کوئی نام ہو تو پتہ لگ سکتا ہے کہ کس قدر افراد ہماری جماعت میں شامل ہو چکے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ مَیں کسی فرقہ کا نام ایسا رکھنا جو آنحضرت صلعم کے نام کے سوا کسی غیر کی طرف منسوب ہو جائز نہیں سمجھتا بلکہ بدعت سمجھتا ہوں۔ اس لئے حنفی شافعی چشتی مالکی مرزائی قادیانی وغیرہ قسم کے نام رکھنے تو میری نگاہ میں درست نہیں۔ اپنی جماعت کا نام ایسا ہونا چاہیئے جو آنحضرت صلعم کی طرف ہی منسوب ہو نہ کہ کسی غیر کے۔ چنانچہ ان امور کو مدنظر رکھ کر آپ نے ۴۔ نومبر ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں اپنی جماعت کی خصوصیات کا ذکر کر کے گورنمنٹ سے یہ درخواست کی کہ میرا اور **میری جماعت** کا نام مردم شماری میں **مسلمان فرقہ احمدیہ** لکھا جائے۔ میں اس اشتہار میں سے بقدر ضرورت آپ کے اصل الفاظ بیان نقل کئے دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"اور وہ نام جو اس سلسلہ کے لئے موزون ہے جس کو ہم اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے پسند کرتے ہیں۔ وہ نام **مسلمان فرقہ احمدیہ** ہے اور جائز ہے کہ اس کو **احمدی مذہب کے مسلمان**

کے نام سے بھی پکاریں"

مسلمان پہلے احمدی بعد میں

مقام غور ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے خود اپنا اور اپنی جماعت کا نام فقط احمدی نہیں رکھا بلکہ **مسلمان فرقۂ احمدیہ** رکھا یعنی اپنا اور اپنی جماعت کا نام پہلے مسلمان رکھا پھر بعد میں جماعت کی بعض خصوصیات کو ظاہر کرنے کیلئے **فرقۂ احمدیہ** بھی کہا۔ یہاں یہ اعتراض کرنا کہ مسلمان نام چھوڑ کر احمدی نام رکھا کس قدر خطرناک غلط بیانی ہے۔ خود حضرت مرزا صاحب تمام عمر اور آپ کی جماعت کے لوگ سالہا سال سے اسی بات کیلئے تو جھگڑ رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں کلمہ گو ہیں ہمیں کافر کہنے کا کسی کو بھی حق نہیں تو مسلمان کا نام کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ حضرت مرزا صاحب کیسی صفائی سے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار اور اسی پر مرتے دم تک قائم رہنے پر اصرار کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

ما مسلمانیم از فضلِ خدا | مصطفٰے ما را امام و پیشوا
اندریں دیں آمدہ از مادریم | ہم بریں از دارِ دنیا بگذریم

دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین | دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلین
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں | خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں
سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے | جان و دل اس راہ پر قربان ہے
دیچکے دل اب تن خاکی رہا | ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فدا

احمدی نام رکھنے کی وجہ

احمدی نام رکھنے کی وجہ بھی سُن لو۔ چونکہ بعض لوگ یہ غلط بیانی کرتے ہیں کہ احمدی نام مرزا غلام احمد کی طرف منسوب کرکے رکھا گیا ہے اس لئے اس غلط بیانی کی تردید کیلئے مَیں خود حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی قلم کے لکھے ہوئے الفاظ پیش کرتا ہوں۔ اسی اشتہار مجریہ ۴۔ نومبر ۱۹۰۰ء میں آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"اور اس فرقہ کا نام مسلمان **فرقۂ احمدیہ** اس لئے رکھا گیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے۔ ایک **محمد صلی اللہ علیہ وسلم**۔ دوسرا **احمد صلی اللہ علیہ وسلم** اور اسم محمدؐ جلالی نام تھا۔ اور اس میں یہ مخفی پیشگوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دشمنوں کو تلوار کے ساتھ سزا دیں گے جنہوں نے تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کیا اور صدہا مسلمانوں کو قتل کیا۔ لیکن اسم احمدؐ جمالی نام تھا جس سے یہ مطلب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آشتی اور صلح پھیلائیں گے۔ سو خدا نے ان دو ناموں کی اس طرح پر تقسیم کی کہ اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی زندگی میں اسم احمدؐ کا ظہور

تھا۔ اور ہر طرح صبر اور شکیبائی کی تعلیم تھی۔ اور پھر مدینہ کی زندگی میں اسم محمدؐ کا ظہور ہوا اور مخالفوں کی سرکوبی خدا کی حکمت اور مصلحت نے ضروری سمجھی۔ لیکن یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ آخری زمانہ میں پھر اسم احمدؐ کا ظہور کرے گا اور ایسا شخص ظاہر ہو گا جس کے ذریعہ سے احمدی صفات یعنی جمالی صفات ظہور میں آئیں گی اور تمام لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پس اسی وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام **فرقہ احمدیہ** رکھا جائے۔"

مذکورہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے جو اپنا اور اپنی جماعت کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ رکھا تو اس لئے کہ آپ نے اپنے آپ کو اور اپنی جماعت کو آنحضرت صلعم کے جمالی نام احمدؐ کی طرف منسوب کیا کیونکہ آپ کا اور آپ کی جماعت کا طریق تبلیغ و دعوت نہایت نرمی اور صلح و آشتی کے طریق پر ہے جو آنحضرت صلعم کے اسم احمدؐ کی تجلی کا ظہور ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی ایسا زمانہ بھی آئے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم جلالی **محمدؐ** کی تجلی کا ظہور ہو۔ اُس وقت اس جماعت کا نام **فرقہ محمدیہ** موزون حال ہو گا۔ لیکن اس وقت چونکہ نرمی اور صلح کے ساتھ دعوت و تبلیغ طریق کار ہے اس لئے اسم **احمد** کی تجلی کے ظہور کے ماتحت جماعت کا نام **فرقہ احمدیہ** بالکل مناسب حال ہے[1] بعض لوگ خفا ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ احمدی کیوں نام رکھا جائے محمدی کیوں نہ کہا جائے جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہیں احمدؐ کے نام سے چڑ ہے۔ سو عرض ہے کہ ہم کو تو احمدؐ اور **محمدؐ** حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونو نام پیارے ہیں کہ کوئی مسلمان کا اپنی جماعت کو حضورؐ کے نام کی طرف منسوب کرنا بہت خوب ہے خواہ کسی نام کی طرف منسوب کرے ہاں آپ کے سوا کسی غیر کے نام کی طرف منسوب نہ کرے یعنی حنفی شافعی چشتی قادری وغیرہ نام نہ رکھے احمدی یا محمدی بیشک رکھے۔ البتہ نام ایسا رکھا جانا چاہئے جو جماعت کے حسب حال ہو۔ جب آنحضرت صلعم کے اسم جمالی **احمدؐ** کی تجلی کا ظہور ہو تو احمدی نام رکھ لو اور جب آپ کے اسم جلالی **محمدؐ** کی تجلی کا ظہور ہو تو محمدی نام رکھ لو۔ اس میں کوئی جھگڑا نہیں۔ مگر ان میں سے جو نام بھی رکھو وہ اس جماعت کے موزون حال ہو جس کا نام رکھا جا رہا ہے۔

حضرت مرزا صاحب خود احمدی مسلمان تھے

حضرت مرزا صاحب کے مذکورہ بالا اشتہار کو پڑھ لینے کے بعد پھر یہ کہنا کہ احمدی جماعت کا نام اس کے بانی مرزا غلام احمد کی طرف منسوب ہے پرلے درجہ کی افترا پردازی ہے

[1] ابھی حال ہی میں عیسائیوں کے مشہور رسالہ مسلم ورلڈ میں ایک مبصر زمانہ انگریز کا مضمون شائع ہوا ہے جس میں مسلمانان عالم کی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ "اب ابتدائی مکی حالت تمام عالم اسلام پر طاری ہے"۔ اصل انگریزی الفاظ یہ ہیں:۔

The early Meccan attitude has now become general in Islam

ان حالات میں احمدی نام کس قدر حسب حال ہے (مؤلف)

خود حضرت مرزا صاحب اس اشتہار میں نہ صرف اپنی جماعت کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ رکھتے ہیں بلکہ اپنے آپ کو بھی مسلمان فرقہ احمدیہ میں شامل کرتے ہیں۔ اگر جماعت کا نام احمدی آپ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے رکھا گیا تھا تو خود اپنے آپ کو **مسلمان فرقہ احمدیہ** کہنا کیا معنی رکھتا ہے۔ پس سچ یہی ہے جیسا کہ خود بانیٔ جماعت نے لکھا ہے کہ یہ نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم جمالی احمدؐ کی طرف منسوب ہے۔ مَیں یہاں حضرت اقدس کی ایک ڈائری بھی نقل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جس میں آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام احمدؐ یا محمدؐ کے سوا کسی اور آدمی کے نام کی طرف کسی جماعت کو منسوب کرنا بدعت قرار دیتے ہیں۔ وھو ہٰذا:- ڈائری ۲۲۔ جنوری ۱۹۰۱ء جو الحکم مجریہ ۳۱۔ جنوری ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی قابل غور ہے:-

"اس جماعت کا نام **احمدی** رکھا جانے پر کسی نے سُنایا کہ کوئی اعتراض کرتا تھا کہ یہ نیا نام ہے۔ اس پر کچھ گفتگو ہوئی۔ حضرت اقدس نے فرمایا:-

لوگوں نے جو اپنے نام حنفی شافعی وغیرہ رکھے ہیں یہ سب بدعت ہیں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ہی نام تھے۔ محمدؐ اور احمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم۔ **آنحضرت کا اسم اعظم محمدؐ ہے** صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا **اسم اعظم اللہ** ہے جو دیگر کل اسماء مثلاً حی۔ قیوم۔ رحمٰن۔ رحیم وغیرہ کا موصوف ہے حضرت رسول کریم کا نام **احمدؐ** وہ ہے جس کا ذکر حضرت مسیح نے کیا یاتی من بعدی اسمہٗ احمد من بعدی کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ **وہ نبی میرے بعد بلا فصل آئیگا** یعنی میرے اور اس کے درمیان اور کوئی نبی نہ ہوگا۔ حضرت موسیٰ نے یہ الفاظ نہیں کہے بلکہ انہوں نے محمد رسول اللہ والذین معہٗ اشداء علی الکفار الخ میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کی طرف اشارہ کیا ہے جب بہت سے مومنین کی معیت ہوئی جنہوں نے کفار کے ساتھ جنگ کئے۔ حضرت موسیٰ نے آنحضرتؐ کا نام **محمدؐ** بتلایا صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ حضرت موسیٰ خود بھی جلالی رنگ میں تھے اور حضرت عیسیٰ نے آپ کا نام **احمدؐ** بتلایا کیونکہ وہ خود بھی ہمیشہ جمالی رنگ میں تھے۔ اب چونکہ ہمارا سلسلہ بھی جمالی رنگ میں ہے اس واسطے اس کا نام احمدی ہؤا جس طرح جمعہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیدا ہونے کا دن تھا اور یہی متبرک دن تھا مگر پہلی اُمتوں نے غلطی کھائی۔ کسی نے شنبہ کے دن کو اختیار کیا اور کسی نے یک شنبہ کے دن کو۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل دن کو اختیار کیا۔ ایسا ہی اسلامی فرقوں نے غلطی کھائی کسی نے اپنے آپ کو **حنفی** کہا اور کسی نے **مالکی**۔ اور کسی نے **شیعہ** اور کسی نے **سنّی**۔ مگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ہی نام تھے محمدؐ اور احمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس مسلمانوں کے دو ہی فرقے ہو سکتے ہیں **محمدی یا احمدی۔ محمدی** اس وقت جب جلال کا اظہار ہو۔ **احمدی** اُس وقت جب جمال کا اظہار ہو"۔

ایک مرتبہ حضرت اقدس نے اس امر کی وجہ بتلاتے ہوئے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد کیوں استعمال کیا گیا احمد کیوں نہ استعمال کیا گیا۔ اور یہ جتلاتے ہوئے کہ محمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم اعظم اور جلالی نام ہے جیسے اللہ خدا تعالیٰ کا اسم اعظم اور جلالی نام ہے۔ فرمایا کہ:۔

"اللہ کے ساتھ محمد ہی ہونا چاہئے تھا کہ اللہ اسم اعظم اور جلالی نام ہے...... پس اسم اعظم کا ظہور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ ہی ہونا چاہئے تھا (جو آپ کا اسم اعظم اور جلالی نام ہے) جو شخص اب بھی ضد کرے وہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔" (الحکم ۱۰۔ فروری ۱۹۰۱ء)

پھر ایک مرتبہ یہ وجہ بتلاتے ہوئے کہ محمدؐ کیوں جلالی نام ہے اور احمد کیوں جمالی نام ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

محمدؐ کے معنے میں شان محبوبیت ہویدا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کبریائی اور جلال کو چاہتی ہے کیونکہ محمدؐ کے معنے ہیں تعریف کیا گیا۔ پس یہ معشوقانہ صفت ہے اور جلال اس کے لازم حال ہے۔ اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام میں شان عاشقیت کا ظہور نمایاں ہے کیونکہ اس کے معنے ہیں نہایت تعریف کرنے والا اور یہ عاشقانہ صفت ہے جو فروتنی عجز۔ صبر اور عفو اور درگذر کو چاہتی ہے جو جمالی صفات ہیں۔ الغرض محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام اپنے مفہوم میں جلال کی کیفیت رکھتا ہے کیونکہ جامع محامد ہونے کو جلال اور استغنا لازم ہے اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام اپنے اندر عاشقانہ وصف رکھنے کی وجہ سے جمالی رنگ کا بروز ہے۔" (الحکم ۲۳۔ اگست ۱۹۰۱ء)

انجمن اشاعت اسلام اور رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی بنیاد

ایک ضروری تجویز حضرت اقدس مرزا صاحب نے ۱۵۔ جنوری ۱۹۰۱ء کو ایک اشتہار "ایک ضروری تجویز" کے عنوان سے شائع فرمایا جس میں آپ نے ایک رسالہ زبان انگریزی میں شائع کرنے کی تجویز کا اعلان کیا جس کے ذریعہ وہ تمام سچائیاں اور پاک معارف اور دین اسلام کی حمایت میں پختہ دلائل اور انسانی روح کو اطمینان دینے والی باتیں جو آپ پر ظاہر ہوئیں اور ہو رہی تھیں انگریزی میں ترجمہ کر کے اور شائع کر کے ان سے ملک کے انگریزی خواں طبقہ اور یورپ کے حق کے طالبوں کو آشنا کیا جاوے اور انہیں نفع پہنچایا جاوے۔ چونکہ اس وقت کوئی انجمن موجود نہ تھی اور رسالہ کیلئے کوئی سرمایہ کا انتظام نہ تھا اس لئے آپ نے احباب کو دعوت دی کہ عید ضحیٰ کے موقعہ پر جہاں تک ممکن ہے دوست قادیان میں جمع ہو کر اس کے سرمایہ کیلئے کوئی انتظام کریں۔ اس رسالہ کو چلانے کے لئے خواہ بہت سے دوست مل کر ایک تجارتی کمپنی قائم کر لیں۔ خواہ خیرات

کے رنگ میں چندہ جمع کریں اور چلاویں۔ چنانچہ عید الضحیٰ کے دن قادیان میں احباب جمع ہوئے اور ۱۲۔ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء کو سب کے مشورہ سے یہ رائے قرار پائی کہ اس رسالہ کو کسی تجارتی کمپنی کے ذریعہ چلانا ٹھیک نہیں خیرات کے رنگ میں چندہ جمع کرکے چلایا جائے اور چندہ کی رقم اور رسالہ کا نظم و نسق ایک انجمن کے سپرد ہو جس کا نام **انجمن اشاعت اسلام** رکھا گیا۔ اور جس کے سرپرست حضرت اقدس مرزا صاحب۔ پریذیڈنٹ مولوی نورالدین صاحب۔ وائس پریذیڈنٹ مولوی عبدالکریم صاحب اور سکرٹری خواجہ کمال الدین صاحب اور اسسٹنٹ سکرٹری مولوی محمد علی صاحب قرار پائے۔ پھر دوسرے دن یکم اپریل سنہ ۱۹۰۱ء کو اس انجمن کا اجلاس ہوا جس میں اس رسالہ کا نام **ریویو آف ریلیجنز** (یعنی کل مذاہب دنیا پر ایک تحقیقی نظر) رکھا گیا اور اس کی اشاعت گاہ لاہور قرار دیا گیا۔ اور یہ بھی قرار پایا کہ اس کا دفتر لاہور میں رہے گا۔ اور اس کے ایڈیٹر مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب مقرر کئے گئے۔ یکم اپریل سنہ ۱۹۰۱ء سے مولوی محمد علی صاحب اس رسالہ کی ایڈیٹری پر مقرر تو ہو گئے مگر تجویز یہ قرار پائی کہ رسالہ یکم اکتوبر سنہ ۱۹۰۱ء سے شائع ہو۔ اس اثنا میں مولوی محمد علی صاحب رسالہ کیلئے متواتر مضامین تیار کرتے رہیں اور حضرت اقدس کے بعض مضامین کا جو آپ لکھ کر دیں ترجمہ کریں لیکن بعض وجوہات سے اس کی اشاعت میں تاخیر ہوگئی۔ ۲۴۔ نومبر سنہ ۱۹۰۱ء کو اس انجمن اشاعت اسلام کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کا اجلاس قادیان میں ہوا اور یہ قرار پایا کہ عہدہ داران بورڈ مقامی ہونے چاہئیں اس لئے سکرٹری مولوی محمد علی صاحب کو بنایا گیا۔ اور رسالہ کی اشاعت گاہ قادیان کو قرار دیا گیا۔ اور یہ قرار پایا کہ رسالہ انگریزی جنوری سنہ ۱۹۰۲ء سے ضرور جاری ہو جائے اور اگر اردو میگزین کیلئے تین سو خریداروں کی درخواست آجائے تو اس رسالہ کا اردو ایڈیشن بھی ساتھ ہی نکال دیا جائے۔

الصلح خیر

اشتہار الصلح خیر آج معترضین اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے مولویوں کی نسبت اپنے کلام میں درشتی کیوں اختیار کی۔ میں کہتا ہوں کہ ان مولویوں کے ہاتھوں سے تنگ آکر بعض جگہ مجبوراً ایسا کیا۔ خود قرآن کریم میں آتا ہے کہ لا یحب اللّٰہ الجہر بالسوء من القول الا من ظلم۔ کہ اللہ پسند نہیں کرتا کہ کلام میں کھلم کھلا درشتی اختیار کی جائے سوائے اس کے کہ جو مظلوم ہو یعنی جس کو ظلم سے لوگوں نے اپنی درشت کلامی اور دشنام دہی کا مورد بنا رکھا ہو وہ اگر جواب میں کچھ کہے تو معذور ہے۔ اب یہ ایک حقیقت ہے کہ شب و روز حضرت مرزا صاحب کو جس قدر گالیاں اخباروں میں اشتہاروں میں تحریروں میں اور تقریروں میں برملا کھلم کھلا دی جاتی تھیں وہ اس قدر تھیں کہ ایک دفتر بن سکتا ہے اور پرائیویٹ خطوط میں جو گالیوں

کے طومار لکھ لکھ کر آتے تھے سوالگ تھے اور لطف یہ کہ ان خطوط میں سے بہت سے بیرنگ آتے تھے کہ پیسہ بھی بھرو اور گالیاں بھی کھاؤ۔ بعد میں تو آپ نے بیرنگ خطوط اسی لئے لینے چھوڑ دیئے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے گالیوں کے خطوط جمع کرنے شروع کئے تو چند روز میں ایک بوری بھر گئی۔ آخر سب کو جلا دیا کہ گالیوں کے اس طومار کو کس طرح شمار کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر گندی سے گندی فحش گالی دینے سے بھی ان مولویوں کو عار نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں اس قسم کے مولویوں کو جواب دیتے وقت اگر قلم میں سختی اور تلخی آجاوے تو یہ ایک فطرتی امر ہے۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تلوار مارنے والوں کا جواب تلوار سے دینا پڑا یا نہیں؟ اور جب عرب کے فصحا نے اشعار میں آپ کی ہجو کرنی شروع کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حسان بن ثابت کو حکم دیا کہ ان کا جواب دو اور اس کیلئے مسجد نبوی میں منبر رکھا گیا۔ آخر جواب دینا ضروری سمجھا گیا تو ایسا کیا گیا۔ بات یہ ہے کہ یہ اضطراری حالت مکفرین و مکذبین اپنے ہاتھوں سے خدا کے ماموروں میں پیدا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ابتدا میں حضرت مرزا صاحب نے بہت نرمی سے کام لیا۔ نہایت عاجزانہ لہجہ میں خدا اور رسولؐ کو گواہ کر کر کے قسمیں کھا کھا کر صداقت کو پیش کیا۔ لیکن بالمقابل جب دشمنوں نے سوائے دشنام دہی اور سخت کلامی کے اور کوئی طریق ہی اختیار نہ کیا تو مجبوراً آپ کو بھی کسی قدر سختی سے کام لینا پڑا۔ لیکن جو کچھ بھی سختی کی وہ کرہاً طبیعت پر جبر کر کے کی۔ اور تنگ آکر جواب میں کی۔ ابتدا کبھی آپ کی طرف سے نہیں ہوئی۔ چنانچہ حقیقۃ الوحی تتمہ صفحہ ۱۲ پر آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"ایسا ہی تمام مخالفوں کی نسبت میرا یہی دستور رہا ہو۔ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی مخالف کی نسبت اس کی بدگوئی سے پہلے خود بدزبانی میں سبقت کی ہو۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے جب جرأت کے ساتھ زبان کھول کر میرا نام دجّال رکھا اور میرے پر فتویٰ کفر لکھوا کر صدہا پنجاب و ہندوستان کے مولویوں سے مجھے گالیاں دلوائیں اور مجھے یہود و نصاریٰ سے بدتر قرار دیا۔ اور میرا نام کذاب۔ مفسد۔ دجّال مفتری۔ ٹھگ۔ فاسق۔ فاجر۔ خائن رکھا۔ تب خدا نے میرے دل میں ڈالا کہ صحت نیت کے ساتھ ان تحریروں کی مدافعت کروں۔ میں نفسانی جوش سے کسی کا دشمن نہیں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ ہر ایک سے بھلائی کروں مگر جب کوئی حد سے بڑھ جائے تو میں کیا کروں۔ میرا انصاف خدا کے پاس ہے۔ ان سب مولوی لوگوں نے مجھے دکھ دیا اور ہر ایک بات میں ہنسی اور ٹھٹھا کا نشانہ بنایا۔"

غرضکہ آپ نے ابتدا کیا کرنی تھی۔ آپ نے تو بار بار کوشش کی کہ کسی طرح ان مولویوں کی درشت کلامیاں بند ہو جائیں تو آپ کو بھی بالمقابل سختی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے بڑی زور سے آپ نے ۵۔ مارچ ۱۹۰۱ء کو ایک اشتہار اصلح خیر کے عنوان سے شائع فرمایا اور تمام علما کی خدمت میں بھیجا جسے پڑھ کر پتہ لگتا ہے

کہ آپ کو تحریروں کے اندر کسی قدر درشتی برتنے سے خود نہایت تکلیف ہوتی تھی اور آپ دل سے چاہتے تھے کہ مولوی لوگ اگر دشنام دہی اور سخت کلامی سے باز آ جائیں تو ہمیں کسی قسم کی بھی سختی کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس اشتہار میں فرماتے ہیں:۔

"اے علماء قوم جو میرے مکذب اور مکفر ہیں یا میری نسبت متذبذب ہیں۔ آج پھر میرے دل میں خیال آیا کہ میں ایک مرتبہ پھر آپ صاحبوں کی خدمت میں مصالحت کیلئے درخواست کروں۔ مصالحت سے میری یہ مراد نہیں ہے کہ میں آپ صاحبوں کو اپنا ہم عقیدہ بنانے کیلئے مجبور کروں یا اپنے عقیدہ کی نسبت اس بصیرت کے مخالف کوئی کمی بیشی کروں جو خدا نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ بلکہ اس جگہ مصالحت سے صرف یہ مراد ہے کہ فریقین ایک پختہ عہد کریں کہ وہ اور تمام وہ لوگ جو اُن کے زیر اثر ہیں ہر ایک قسم کی سخت زبانی سے باز رہیں اور کسی تحریر یا تقریر یا اشارہ کنایہ سے فریق مخالف کی عزت پر حملہ نہ کریں۔ اور اگر دونو فریق میں سے کوئی صاحب اپنے فریق مخالف کی مجلس میں جائیں تو جیسا کہ شرط تہذیب اور شائستگی ہے فریق ثانی مدارات سے پیش آئیں۔"

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ ہماری جماعت میں سے کوئی شخص تحریر یا تقریر کے ذریعہ سے کوئی ایسا مضمون شائع نہیں کرے گا جس میں آپ صاحبوں میں سے کسی صاحب کی تحقیر اور توہین کا ارادہ کیا گیا ہو۔ اور اس انتظام پر اس وقت سے پورا عملدرآمد ہوگا جبکہ آپ صاحبوں کی طرف سے اسی مضمون کا ایک اشتہار نکلیگا کہ آئندہ آپ پورے عہد سے ذمہ وار ہو جائیں گے کہ آپ صاحبان اور نیز ایسے لوگ جو آپ کے زیر اثر ہیں یا زیر اثر سمجھے جا سکتے ہیں ہر ایک قسم کی بدزبانی اور ہجو اور سب وشتم سے مجتنب رہیں گے۔ اور اس نئے معاہدہ سے آئندہ اس بات کا تجربہ ہو جائیگا کہ کس فریق کی طرف سے زیادتی ہے۔ اس سے آپ صاحبوں کو ممانعت نہیں کہ تہذیب سے رد لکھیں اور نہ ہم اس طریق سے دستکش ہو سکتے ہیں۔ لیکن دونو فریق پر واجب ہوگا کہ ہر ایک قسم کی بدزبانی اور بدگوئی سے منہ بند کر لیں۔ مجھے بہت خوشی ہوگی جب آپ کی طرف سے یہ اشتہار پہنچے گا اور اسی تاریخ سے ان تمام امور پر ہماری طرف سے بھی عملدرآمد شروع ہوگا۔ بالفعل اس اندرونی تفرقہ کے مٹانے کیلئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں۔ آئندہ جس فریق کے ساتھ خدا ہوگا وہ خود غالب ہوتا جائے گا۔ دنیا میں سچائی اوّل چھوٹے سے تخم کی طرح آتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ ایک عظیم الشان درخت بن جاتا ہے جو پھل اور پھول لاتا ہے اور حق جوئی کے پرندے اس میں آرام کرتے ہیں۔"

اس اشتہار میں حضرت مرزا صاحب نے یہاں تک بھی لکھا کہ اگر زیادہ نہیں تو کم سے کم تین برس کیلئے ہی یہ مصالحت کرو لیکن مولوی تو تین گھنٹوں کیلئے بھی اپنی زبان بند کرنا نہ چاہتے تھے۔ تو یہ اشتہار صدا بصحرا نہ ثابت ہوتا تو اور کیا ہوتا۔ مولویوں کے خطبے اور اُن کی تقریریں اُن کی تحریریں اُن کے خطوط اُن کی پرائیویٹ گفتگوئیں حضرت مرزا صاحب کے بارے میں سب وشتم اور ہجو اور دشنام سے پُر ہوتی تھیں وہ اپنی ان کرتوتوں سے کیسے رُک سکتے تھے۔ بجائے مصالحت کرنے کے اُنہوں نے گالیوں کی بوچھاڑ اور تیز کردی +

مولویوں کی دشنام دہی کا نمونہ

مصیبت تو یہ ہے کہ مخالف علما آج حضرت مرزا صاحب کی تحریر سے تو کوئی فقرہ نکال کر پیش کر دیتے ہیں کہ یہ دیکھئے اس میں مرزا صاحب نے مولویوں کی توہین کی ہے لیکن اپنے مولویوں کی اس زمانہ کی تحریروں کو کوئی نہیں دیکھتا اور سُنتا جنہیں پڑھ کر غالب کا یہ شعر بے اختیار زبان پر جاری ہوجاتا ہے کہ ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اُن کی تقریروں کی گالیوں کا ریکارڈ تو اُن کے اعمالنامے میں درج ہوگا جو قیامت کو کھلے گا لیکن تحریروں کی گالیوں کے طومار سے دفتر بھرے ہوئے ہیں جو اگر کسی محقق کے سامنے آویں تو پتہ لگے کہ کتنا گند تھا جو یہ مولوی اچھالا کرتے تھے۔ ان دشنام دہندگان کے انبوہ کثیر میں سے مَیں صرف پانچ مولویوں کو پیش کرتا ہوں اور ان کی گالیوں کے دفتر بے پایاں میں سے تھوڑی سی گالیاں مشتے نمونہ از خروارے یہاں نقل کرتا ہوں۔ ناظرین پڑھیں اور حیرت سے سر دھنیں۔ سب سے پہلے شیخ محمد حسین بٹالوی کی صرف ایک سال کی گالیاں سُنیں:۔

(۱) **شیخ محمد حسین بٹالوی کی دشنام طرازیاں۔** اسلام کا چھپا دشمن۔ مسیلمہ ثانی۔ دجال زمانی۔ نجومی۔ رمل جوتشی۔ اٹکل باز۔ جفری۔ بھنگڑ۔ بھکڑ۔ اڑڑ پوپو۔ اس کا موت کو نشان ٹھیرانا حماقت سفاہت شیطانی ہے۔ مکار۔ جھوٹا۔ فریبی۔ ملعون۔ شوخ۔ گستاخ۔ مثیل الدجال۔ اعور الدجال۔ غدار۔ پُرفتنہ و مکار۔ کاذب کذاب۔ ذلیل و خوار۔ مردود بے ایمان۔ روسیاہ۔ مثیل مسیلمہ و اسود۔ رہبر ملاحدہ۔ عبد الدراہم والدنانیر۔ تمغات لعنت کا مستحق۔ مورد ہزار لعنت خدا و فرشتگان و مسلماناں۔ کذاب۔ ظالم۔ اٹک۔ مفتری علی اللہ جس کا الہام احتلام ہے۔ پکا کاذب۔ ملعون۔ کافر۔ فریبی۔ حیلہ ساز۔ اکذب۔ بے ایمان۔ بےحیا۔ دھوکا باز۔ حیلہ باز۔ بھنگیوں اور بازاری شہدوں کا سرگردہ۔ دہریہ۔ جہان کے احمقوں سے زیادہ۔ جس کا خدا معلم الملکوت شیطان۔ بازاری شہدوں۔ چوہڑوں۔ بہایم اور وحشیوں کی سیرت اختیار کرنیوالا۔ محرّف۔

یہودی۔ عیسائیوں کا بھائی۔ خسارت مآب۔ ڈاکو۔ خونریز۔ بے شرم۔ بے ایمان۔ مکار طرار جس کا مرشد شیطان علیہ اللعنۃ۔ مکرچال۔ فریب چال والا جس کی جماعت بدمعاش۔ بدکردار۔ جھوٹ بولنے والا۔ زانی شرابی۔ مال مردم خور۔ دغاباز مسلمانوں کو دام میں لاکر ان کا مال لوٹ کر کھا جانے والا۔ ایسے سوال وجواب میں یہ کہنا حرامزدگی کی نشانی ہے۔ اس کے پیرو خران بے تمیز۔ (اشاعۃ السنۃ جلد شانزدہم ۱۸۹۳ء)

یہ صرف ایک سال کی گندہ دہنی کا نمونہ ہے ان دشنام طرازیوں سے جلدوں کی جلدیں بھری پڑی ہیں۔

(۲) عبدالحق غزنوی کی دشنام طرازیاں۔ دجال۔ ملحد۔ کاذب۔ روسیاہ۔ بدکار۔ شیطان لعنتی بے ایمان ذلیل وخوار۔ خستہ وخراب۔ کافر شقی سرمدی ہے۔ لعنت کا طوق اس کے گلے کا ہار ہے۔ لعن طعن کا جُوت اس کے سر پر پڑا۔ بے جا تاویل کرنیوالا۔ مارے شرمندگی کے زہر کھا کے مرجاویگا۔ بکواس کرتا ہے۔ رسوا۔ ذلیل۔ شرمندہ ہوا۔ اللہ کی لعنت ہو۔ جھوٹے اشتہار شائع کرنیوالا۔ اس کی سب باتیں بکواس ہیں۔ (اشتہار ضرب النعال علیٰ وجہ الدجال) اس اشتہار کی سرخی کا ترجمہ ہے "دجال کے منہ پر جوتیوں کی مار"

(۳) سعداللہ نومسلم لدھیانوی کی گالیوں کا نمونہ۔ قادیانی۔ رافضی۔ بے پیر۔ دجال۔ یزید۔ اس کے مرید یزیدی۔ خانہ خراب۔ فتنہ گر۔ ظالم۔ تباہ کار۔ روسیاہ۔ بے شرم۔ احمق۔ خارجی۔ کاذب۔ بھانڈ۔ یاوہ گو غبی۔ لالچی۔ بدمعاش جھوٹا کافر مفتری۔ دجالی حمار۔ ملحد۔ اخنس۔ بکواسی۔ بدتہذیب اور دُون ہے۔ مشرکانہ خیال کا آدمی۔ اس کا گاؤں منحوس ہے۔ اس کی دجالیاں۔ مکاریاں۔ رمالیاں اظہرمن الشمس ہیں۔ اس کی کتابیں ایمان اور دین کا ازالہ کرنیوالی ہیں۔ (نظم حقانی مسمی بہ اسرار قادیانی ۲۳۔ شعبان ۱۳۲۳ھ)

یہ گالیاں صرف ایک اشتہار کی ہیں جو نسبتاً بہت مہذب تھا۔ ورنہ اس کے مختلف اشتہارات اور خطوط اس قدر فحش گالیوں سے پُر ہوتے تھے کہ نہ کسی شریف آدمی کی زبان یا قلم سے ایسی گالیاں نکل سکتی ہیں نہ کوئی شریف انسان سُننا برداشت کرسکتا ہے۔ اس لئے میں اُنہیں نظرانداز کرتا ہوں۔

اب ایک شیعہ عالم صاحب کی گندہ دہنی کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

(۴) محمد رضا الشیرازی الغروی شیعی کی گالیاں۔ مرزا کاذب ہے۔ مفتری۔ یاوہ گو۔ تباہ کار۔ مکار۔ بغی غبی۔ غوی۔ گمراہ۔ نادان۔ فضول ڈھکوسلے۔ بیہودہ سرا۔ کاذب۔ جھوٹا۔ دروغگو۔ بے شرم۔ ننگ خلائق کاذب۔ بانی ملت مبتدعہ۔ تلبیس کرنیوالا۔ داعی ملت بدعیہ۔ سرکش طبع۔ راندۂ درگاہ ازلی۔ گم کردہ صراط مستقیم۔ سوء فہم۔ بادیہ پیمائی کرنے والا۔ ژاژخایاں۔ چاہ ضلالت میں ڈوبا ہوا اور گمراہی کے

تنور میں پھنسا ہؤا۔ عُجب وتکبر میں گرفتار۔ مزخرفات موہومہ باطلہ کا کہنے والا۔ اس کی جماعت ضلالت وگمراہی میں ہے۔ اس کی مراسلت سراسر فضول ولچر ہے۔ مرزا مقہور شکستہ بال ہے۔ اس کی باتیں ہفوات وہزلیات ہیں وہ گمراہ غبیّ ہے۔ اس کی تحریرات میں خرافات ہیں۔ اس کے ذہن کے ترشحات گندیدہ ہیں۔ اس کا مدعا زُور اور طغیان ہے۔ شتم وفحش وبہتان لانیوالا۔ افترا وکذب کے دلائل پیش کرنیوالا۔ شناعت وفضیحت کے سوا اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ یہ کاذب دارالبوار میں جائے گا۔ ظلمت کفر وطغیان اس کی وجہ سے دنیا میں ہے (اشتہار بت شکن مطبوعہ قمر الہند)

(۵) اب مولوی ثناء اللہ امرتسری کی ہفوات ملاحظہ ہوں:۔

دجالِ اکبر۔ خنّاس۔ مرزا جی کے رُوحانی باپ سر سید احمد۔ حضرت اکدس۔ مرزا جی فن ابلہ فریبی میں چست وچالاک ہیں۔ قادیانی کاہن۔ قادیانی کاہن کے منہ پر تک کی سیاہی۔ قادیانی کاہن کی رُوسیاہی۔ حضرت گدھا علیہ السلام۔ مرزا بنا کے کیوں میری مٹی خراب کی۔ ؎ یکے قطاع نسل ویک امام بھنگیاں بینی مسیح ابن مریم بچہ چنگیز خاں بینی۔ مرزا کے الہامات ایک گوزشتر کی طرح ہوا میں اُڑ کر بدبو پھیلا چکے ہیں۔ خود غرض۔ نافرجام۔ بد۔ بدنام۔ منحوس ؎ لے لو وہ دُم دبا کے بھاگ گیا۔ ایک ہی چوٹ کھا کے بھاگ گیا۔ قادیانی کاہن وہ بھاگا ؎ کرشن جی کی تو ایک رندگی سے توبہ ہے۔ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنّت نہ گئی۔ مرزائی مشن کی بنیاد سراسر کذب۔ بہتان۔ دغا۔ فریب۔ جعلسازی۔ عیاری غرض تمام دنیا کی چالبازی پر مبنی ہے۔ قادیانی مشین میں الہام بافی۔ ع۔ حیف در دین نبی رخنہ گرے پیدا شد۔ تف ہے ایسی دروغگوئی پر اور حیف ہے ایسی بددیانتی پر۔ کرشن جی کی مخبوط الحواسی اور پریشانی۔ مرزا مرتد ہؤا۔ قادیانی کذاب۔ ؎ جفا جو سنگدل بے رحم کاذب۔ لقب جن کے ہیں اتنے وہ تمہیں ہو۔ کاذب۔ دجال۔ غدار۔ مرجوم۔ عدو دین۔ کافر بے ایمان۔ دوزخی۔ ملحد۔ دشمن ایمان ودین۔ غماز فی النار۔ کرشن جی کا بنا ہے مرگھٹ۔ بت فروش۔ دجالی رسالت۔ روسیاہ۔ رمّال۔ چالباز۔ مکّار۔ مکار مرزا کے پیر ومرشد سر سید احمد۔ پیر مغان۔ مفتری کاذب کی رسالت جہالت ضلالت۔ خاکش بدہن ؎ کار شیطاں میکند نامش ولی۔ گر ولی این ست لعنت بر ولی۔ حضرت اکذب۔ میں آپ کو مفسد ودجال جانتا ہوں۔ خواہ آپ تتے توے پر...... رکھ دیں۔ آپ کے دجّال کذاب مردود وغیرہ ہونے میں کیا شک ہے۔ آپ پکے کاذب اور دجال ہیں۔ خبطی گیدڑ۔ حسن بن صباح کی چال۔ دغاباز مفسد۔ بدکار۔ واہ رے دجال تیری بے حیائی۔ اے ظالم۔ کانے دجال۔ مسرف۔ کذاب۔ عیار۔ مرزا جی کی اینٹ البحر۔ مرزا جی کا حال میراثی کے مشابہ ہے۔ مرزا جی کا الہام ملا دو پیازہ کی میّت

کی طرح ہے جس کی ٹانگ نیچی کرنے سے سر اُونچا اور سر نیچا کرنے سے پاؤں اُوپر۔ ابوالشر۔ کذب مجسم بلکہ اکذب الناس۔ قلندر۔ ؎ مرزائے قادیانی فرعون بود ثانی۔ بدبخت بود ازلی با ایں ہمہ رعونت۔ زوجیئہ شیطانی فی نار جاودانی باشد۔ ادفعرو دوزخ میں گراہی۔ خائن۔ سارق۔ قارون ثانی۔ غلام احمد قادیانی۔ مسیلمہ ثانی۔ تمام الہامات پاخانہ میں ڈال دیئے۔ مرزا جھوٹ کا اسٹیمر۔ بڑا دنیادار عبدالدراہم والدینار۔ خر دجال۔ مردود۔ ایسا شریر تھا کہ جس گورنمنٹ کے زیر سایہ رہے اس کے بزرگوں کو دجال بنا کر مسلمانوں کو اُبھارا۔ اور تیس بھلے مانسوں میں سے تھا۔ مبتدع۔ محدث۔ تیس دجالوں میں سے تھا۔ رادھا سوامی۔ قادیانی ہنّوں کی امان۔ بیہودہ گو۔ لاف زن۔ مرزا کو سانپ ڈس گیا کہ عدائے برنخاست۔ بڑ ہانکتے ہو۔ مزخرفات آپ کا حصہ ہے۔ گھر میں قصیدہ لکھ کے حمار کے مصداق بن گئے۔ ع عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند ع بے حیا باش وہر چہ خواہی کن سے بنایا آخر کیوں جورو کا چرخہ۔ نکل دیکھیں تیری ہم شعر خوانی۔ اس دیوانہ کی ایک اور بڑ سنو۔ ع ہے روسیاہ مسیلمہ و اسود ع معین و بے حیا و شیطان ثانی بلی کو چھچھڑوں کا خواب۔ مشرک۔ گمراہ۔ سفید جھوٹ بولنے والا ہے۔ مرزائی بکواس گوز شتر ثابت ہوئی۔ اس مسیح کے رنگ دیکھئے کہ گرگٹ کو مانند کرتا ہے۔ بڑا کذاب۔ بڑا دجال۔ بڑا جھوٹا۔ بڑا بے حیا۔ بڑا غدار۔ بڑا ابلہ فریب۔ بڑا مکار۔ بڑا مفتری علی اللہ۔ غرض سب اوصاف قبیحہ میں بڑا ہے۔ کار شیطان میکند نامش ولی۔ مرزائی شان کو لفظ کاذب یا کذاب ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ ڈھیٹھ اور بے شرم بھی دنیا میں ہوتے ہیں۔ مگر ع سب پہ سبقت لے گئی ہے بے حیائی آپ کی۔ گیدڑ بن کر بھاگ جانا آپ کا قدیمی دستور ہے۔ دجال اکبر کا قطع وتین۔ ع مفضل و ظالم و دجال بودہ۔ دہریہ مفتری علی اللہ۔ حماقت و ضلالت کی بکواس۔ اضغاث احلام۔ بڑا خبطی۔ بڈھا خبطی۔ سر سید کے اکلوتے بیٹے ؎ تکبر عزازیل را خوار کرد۔ بزندان لعنت گرفتار کرد۔ وغیرہ وغیرہ +

حضرت مرزا صاحب نے جو کچھ مولویوں کے متعلق لکھا جواباً لکھا

مولوی ثناء اللہ امرتسری کے اخبار اہل حدیث اور مرقع قادیانی اُٹھا کر پڑھو۔ حضرت مرزا صاحب پر گالیوں اور بازاری گالیوں کی بوچھاڑ سے بھرا ہوا پاؤ گے۔ اس زمانہ کے پیسہ اخبار لاہور اور شحنۂ ہند میرٹھ اور دیگر ہمچو قسم اخباروں کو نکال کر دیکھو۔ حضرت مرزا صاحب پر سب و شتم کا ایک سیلاب اس میں تمہیں نظر پڑے گا۔ اس زمانہ کے امرتسر۔ لدھیانہ۔ دہلی وغیرہ مختلف شہروں کے علماء کے اشتہاروں اور رسالوں کی ذرا تحقیق کرو۔ حضرت مرزا صاحب پر کفر و الحاد کے فتووں۔ لعنتوں اور گالیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ پاؤ گے جو ان رسالوں اور اشتہاروں میں درج ہے۔ اس زمانہ کی وعظ و تلقین کی مجلسوں کی کیفیت کسی پُرانے آدمی سے سنو

کہ ان میں کس طرح گاگاگر اور اداکاریوں کے ساتھ حضرت مرزا صاحب کے متعلق ہجوگوئی اور ہرزہ سرائی سے کام لیا جاتا تھا۔ پھر ذرا عدالت کی مسلوں کو جا کر دیکھو کہ کس طرح ان مولویوں نے اسلام کے خطرناک دشمن پادریوں اور آریوں کے ساتھ مل کر حضرت مرزا صاحب کے خلاف سازشیں کیں اور جھوٹی گواہیاں دیں ہم سے آج شکایت کی جاتی ہے کہ مرزا صاحب نے علماء کرام کے متعلق درشت کلامی کیوں کی؟ میں کہتا ہوں کہ یہی تھے وہ علماء کرام یا صحیح الفاظ میں علماء سوء جنکی درشت کلامی سے اگر حضرت مرزا صاحب نے تنگ آ کر جواباً کبھی کچھ سختی سے کام لیا تو کیا یہ صحیح فطرت انسانی نہ تھی؟ بالکل بے غیرتی بھی تو اخلاق فاضلہ میں سے نہیں پھر بھی آپ نے ان بدزبانوں کو جواب ترکی بہ ترکی کبھی نہیں دیا۔ اور کوئی شریف آدمی دے کیسے سکتا ہے ہاں قلم میں بعض وقت کچھ تیزی ضرور آ گئی تو یہ بشریت تھی۔ گالیاں سن سن کے کلیجہ پک گیا۔ دل خون ہو گیا۔ تب آپ نے وہ باتیں لکھیں جو مبنی بر حقیقت تھیں۔ پھر بھی کسی پر ذاتی حملہ کبھی نہیں کیا۔ البتہ ان مولویوں کی عام حالت کو کسی قدر افشا ضرور کیا۔

آنحضرت صلعم کا فتویٰ

اور انہوں نے کیا افشا کرنا تھا خود حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آخری زمانہ کے علما کا اپنی زبان مبارک سے نقشہ کھینچ دیا ہوا ہے جو ایک عقلمند کیلئے غور کرنے کے واسطے کافی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں علماء ھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنة وفیھم تعود (رواہ البخاری فی شعب الایمان) کہ ان کے علماء سقف آسمانی کے نیچے بدترین خلائق ہوں گے انہی سے فتنہ پھوٹیگا اور انہی کی طرف لوٹ جائیگا۔ حضرت سرور کائنات صلعم کے دربار سے شر من تحت ادیم السماء یعنی آسمان کے نیچے بدترین مخلوق کا خطاب کیا کچھ کم ہے جو کسی اور سخت لفظ کی ضرورت ہو گی اتنا ہی نہیں اور سن لیجئے حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ تکون فی اُمتی فزعة فیصیر الناس الی علماء ھم فاذا ھم قردة وخنازیر (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۹۰) یعنی میری اُمت میں ایک گھبراہٹ پیدا ہو گی۔ اس گھبراہٹ کے وقت لوگ اپنے علما کی طرف جائیں گے تو اس وقت اُن کے علما بندر اور سؤر بنے ہوئے ہوں گے۔

دیکھ لیجئے جب حضرت مرزا صاحب کی بعثت پر ایک تنازعہ اور قوم میں گھبراہٹ پیدا ہوئی کہ حق کس طرف ہے تو لوگوں نے فطرتاً اپنے علماء کی طرف رجوع کیا مگر اُنہیں جس حالت میں پایا اسے اُوپر کی حدیث میں پڑھ لیجئے مجھے دُہرانے کی ضرورت نہیں۔

اشتہار الصلح خیر کا کچھ اثر نہ ہوا

لیکن حضرت مرزا صاحب نے اپنے اس شعر کے مطابق کہ "اے دل تو نیز خاطر اینان نگاہ دار۔ کاخر کنند دعوئ حب پیمبرم" اشتہار الصلح خیر نکال کر خواہش ظاہر کی کہ ہم آپس میں اس درشت کلامی کو بند کریں

اور ایک دوسرے سے ملاقات اور گفتگو میں اور تحریر و تقریر میں نرمی اور تہذیب سے پیش آئیں۔ زیادہ نہیں تو کم سے کم تین سال ہی اس پر عمل کر کے دیکھ لو۔ اس طرح ٹھنڈے دل سے غور کرنے سے حق واضح ہو جائیگا لیکن مولوی کب اس پر راضی ہو سکتے تھے وہ اسی شور و غوغا اور سب و شتم ہی سے تو حضرت مرزا صاحب کی آواز حق پرست کو دبانا چاہتے تھے۔ پس اسے کیسے چھوڑ سکتے تھے لیکن جو نور خدا کی طرف سے نازل ہو اُسے منہ کی پھونکوں سے بجھانا حماقت اور نادانی ہؤا کرتا ہے۔ اس تکفیر و سب و شتم نے آپ کے سلسلہ کے پودے کے لئے کھاد کا ہی کام دیا۔ اور یہ اللہ کا فضل تھا۔

سنہ ۱۹۰۱ء میں طاعون کا زور اور حضرت اقدس کے اشتہارات

سنہ ۱۹۰۱ء میں پنجاب اور ہندوستان میں طاعون کا زور تھا۔ بالخصوص پنجاب اس موذی مرض کا خاص طور پر نشانہ بنا ہؤا تھا۔ آپ کو چونکہ جناب الٰہی کی طرف سے بتایا گیا تھا کہ یہ مرض لوگوں کی شامت اعمال کی وجہ سے بطور عذاب پھیلا ہے اس لئے آپ بار بار لوگوں کو بذریعہ تحریر و تقریر توبہ و استغفار اور خدا سے سچی صلح کرنے کیلئے تاکید کرتے رہتے تھے۔

اشتہار بعنوان "طاعون" چنانچہ ۱۷ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء کو ایک اشتہار "طاعون" کے عنوان سے شائع فرمایا۔ جس میں تحریر فرماتے ہیں :-

"ناظرین کو یاد ہوگا کہ ۶ فروری سنہ ۱۸۹۸ء کو میں نے طاعون کے بارے میں ایک پیشگوئی شائع کی تھی اور اس میں لکھا تھا کہ مجھے یہ دکھلایا گیا ہے کہ اس ملک کے مختلف مقاموں میں سیاہ رنگ کے پودے لگائے گئے ہیں اور وہ طاعون کے پودے ہیں۔ اور میں نے اطلاع دی تھی کہ توبہ و استغفار سے وہ پودے دور ہو سکتے ہیں مگر بجائے توبہ اور استغفار کے وہ اشتہار بڑی ہنسی اور ٹھٹھے سے پڑھا گیا اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ پیشگوئی ان دنوں میں پوری ہو رہی ہے۔ خدا ملک کو اس آفت سے بچاوے ...... سو اے عزیزو اسی غرض سے پھر یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ سنبھل جاؤ اور خدا سے ڈرو۔ اور ایک پاک تبدیلی دکھلاؤ تا خدا تم پر رحم کرے۔ اور وہ بلا جو بہت نزدیک آگئی ہے خدا اسکو نابود کرے"

عربی اشتہار بعنوان "الطاعون" آپ نے پھر دوبارہ ۱۰ دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء کو ایک عربی اشتہار بعنوان "الطاعون" اسی مضمون کا مگر زیادہ بسط اور تفصیل کے ساتھ شائع فرمایا۔ اس میں فارسی اور اردو ترجمہ بھی ساتھ تھا۔ اور اس میں بھی توبہ و استغفار اور ایک پاک تبدیلی کیلئے نصیحت فرمائی تھی تا کہ یہ بلا دور ہو۔

جماعت میں اہل علم پیدا ہونے کی تڑپ
اور
اشتہار مفید الاخیار

حضرت اقدس مرزا صاحب کی یہ بڑی خواہش تھی کہ اپنی جماعت میں سے بہت سے لوگ ان علوم دینی کے وارث ہوں جو آپ خدا کی طرف سے لائے تھے اس کیلئے آپ نے ایک اشتہار ۹۔ستمبر ۱۹۰۱ء کو شائع فرمایا جس کا عنوان تھا "اشتہار مفید الاخیار"۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"چونکہ یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ ہماری اس جماعت میں کم سے کم ایک سو آدمی ایسا اہل فضل اور اہل کمال ہو کہ اس سلسلہ اور اس دعوے کے متعلق جو نشان اور دلائل اور براہین قویہ قطعیہ خدا تعالیٰ نے ظاہر فرمائے ہیں ان سب کا اس کو علم ہو اور مخالفین پر ہر ایک مجلس میں بوجہ احسن اتمام حجت کر سکے ..... اور نیز عیسائیوں اور آریوں کے وساوس شائع کردہ سے ہر ایک طالب حق کو نجات دے سکے اور دین اسلام کی حقیقت اکمل اور اتم طور پر ذہن نشین کر سکے۔ پس ان تمام امور کے لئے یہ قرار پایا ہے کہ اپنی جماعت کے تمام لائق اہل علم اور زیرک اور دانشمند لوگوں کو اس طرف توجہ دلائی جائے اور وہ ۲۴۔دسمبر ۱۹۰۱ء تک کتابوں کو دیکھ کر اس امتحان کے لئے طیار ہو جائیں۔ اور دسمبر آئندہ کی تعطیلوں پر قادیان میں پہنچکر امور متذکرہ بالا میں تحریری امتحان دیں اس جگہ اسی غرض کیلئے تعطیلات مذکورہ میں ایک جلسہ ہوگا اور مباحث مندرجہ کے متعلق سوالات دیئے جائیں گے ان سوالات میں دہ جماعت جو پاس نکلے گی ان کو ان خدمات کیلئے منتخب کیا جائے گا اور وہ اس لائق ہوں گے کہ ان میں سے بعض دعوت حق کے لئے مناسب مقامات میں بھیجے جائیں"۔

تصویر اور تصور شیخ پر ایک لطیف نکتہ

حضرت اقدس مرزا صاحب نے یورپ اور امریکہ میں اسلام کی حقیقت اور اپنے دعاوی کے متعلق ریویو آف ریلیجنز میں شائع کرنے کے لئے جو مضامین لکھے تو بعض احباب کی تحریک پر اُن ممالک میں اشاعت کیلئے اپنا فوٹو بھی کھنچوایا کہ مغربی ممالک میں دستور ہے کہ مدعی کی شکل یا فوٹو دیکھ کر اس کے صدق و کذب پر بہت کچھ رائے قائم کی جاتی ہے۔ چنانچہ مفتی محمد صادق صاحب نے جب آپ کا فوٹو امریکہ کی ایک نہایت

مبصر قیافہ شناس لیڈی کے پاس بھیجا اور یہ نہ بتلاتے ہوئے کہ فوٹو کس کا ہے اس سے دریافت کیا کہ تمہارے قیافہ کے ماتحت یہ فوٹو کس شخص کا ہو سکتا ہے۔ تو اس نے جواب میں لکھا کہ قیافہ سے تو مجھے یہ شکل بنی اسرائیل کے نبیوں سے مشابہ نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا قیافہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کی کیسی سچی تشریح ہے۔ پس اسی خاطر کہ اس طریق سے یورپین اور امریکن مبصرین پر کچھ نیک اثر پڑسکے محض اسلام اور حق کی اشاعت کے لئے آپ نے یہ فوٹو کھنچوایا تھا کوئی شوقیہ نہیں کھنچوایا۔ برخلاف اس کے ایک مرتبہ جب آپ کو پتہ لگا کہ کسی تاجر نے آپ کا فوٹو کارڈوں پر چھاپ کر تجارت شروع کر دی ہے تو آپ نے نہایت ناراضگی کا اظہار فرمایا لیکن مکذبین ومکفرین علماء کو ان نیک نیتیوں سے کیا غرض۔ انہیں تو اعتراض کرنا مقصود خاطر ہوا کرتا ہے۔ فوراً اعتراض کر دیا کہ جب تصویر کھنچوانا جائز نہیں تو کیوں فوٹو اتروایا گیا۔ بلکہ یہاں تک افترا پردازی سے کام لیا کہ یہ مشہور کیا کہ مریدوں کے تصور شیخ کی خاطر یہ تصویر اتروائی گئی ہے۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کے سامنے یہ اعتراض پیش ہوا تو آپ نے فرمایا:۔

"یہ تو دوسرے کی نیت پر حملہ ہے میں نے بہت مرتبہ بیان کیا ہے کہ تصویر سے ہماری غرض کیا تھی بات یہ ہے کہ چونکہ ہم کو بلاد یورپ خصوصاً لنڈن میں تبلیغ کرنی منظور تھی اور وہاں کے لوگ کسی دعوت یا تبلیغ کی طرف توجہ نہیں کرتے جب تک کہ داعی کے حالات سے واقف نہ ہوں اور اس کے لئے ان کے ہاں علم تصویر میں بڑی بھاری ترقی کی گئی ہے۔ وہ کسی شخص کی تصویر اور اس کے خط وخال کو دیکھ کر رائے قائم کر لیتے ہیں کہ اس میں راستبازی اور قوت قدسی کہاں تک ہے۔ اور ایسا ہی بہت سے امور کے متعلق انہیں اپنی رائے قائم کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ پس اصل غرض اور نیت ہماری اس سے یہ تھی جس کو ان لوگوں نے جو خواہ مخواہ ہر بات میں مخالفت کرنا چاہتے ہیں اس کو بُرے بُرے پیرایوں میں پیش کیا اور دنیا کو بہکایا۔ میں کہتا ہوں کہ ہماری نیت تو تصویر سے صرف اتنی ہی تھی۔ اگر یہ لوگ تصویر کو ہی بُرا سمجھتے ہیں تو پھر کوئی سکّہ اپنے پاس نہ رکھیں بلکہ بہتر ہے کہ آنکھیں بھی نکلوا دیں کیونکہ ان میں بھی اشیاء کا ایک انعکاس ہی ہوتا ہے۔ یہ نادان اتنا نہیں جانتے کہ افعال کی تہ میں نیت کا بھی دخل ہوتا ہے۔ الاعمال بالنّیات پڑھتے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ بھلا اگر کوئی شخص محض ریاکاری کے لئے نماز پڑھے تو اس کو یہ کوئی مستحسن امر قرار دیں گے؟ سب جانتے ہیں کہ ایسی نماز کا فائدہ کچھ نہیں بلکہ وبال جان ہے۔ تو کیا نماز بُری تھی؟ نہیں اس کے پڑھنے والے کی بُری نیت نے اس کے نتیجہ کو بُرا بنا دیا۔ اسی طرح پر تصویر ہے۔ ہماری نیت اور غرض تو اسلام کی دعوت میں مدد لینا تھا جو اہل یورپ کے مذاق پر ہو سکتی تھی لے اس کو تصور شیخ بنانا اور کچھ سے کچھ کہنا ہم پر افترا ہے۔ جو کچھ

حاشیہ لے برصفحہ ۲۹۹

خدا اور رسولؐ نے فرمایا ہے وہ حق ہے۔ اگر مشائخ کا قول خدا اور رسول کے فرمودہ کے موافق نہیں تو کالائے بدبریش خاوند۔ **تصورِ شیخ** کی بابت پوچھو تو اس کا کوئی پتہ نہیں۔ اصل یہ ہے کہ صالحین اور فانین فی اللہ کی محبت ایک عمدہ شے ہے لیکن حفظ مراتب ضروری ہے۔ ع گر حفظ مراتب نکنی زندیقی۔ پس خدا کو خدا کی جگہ اور رسولؐ کو رسولؐ کی جگہ سمجھو اور خدا کے کلام کو دستور العمل ٹھیراؤ۔ اس سے زیادہ چونکہ قرآن شریف میں اور کچھ نہیں کہ کونوا مع الصّادقین۔ پس صادقوں اور فانی فی اللہ کی صحبت تو ضروری ہے۔ مگر یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ تم اسے ہی سب کچھ سمجھو۔ قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ ان کنتم تحبّون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔ اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ مجھے خدا سمجھ لو بلکہ یہ فرمایا کہ اگر خدا کے محبوب بننا چاہتے ہو تو اس کی ایک ہی راہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی **اتباع** کرو اتباع کا حکم تو دیا ہے مگر تصورِ شیخ کا حکم قرآن میں نہیں پایا جاتا۔"

اس پر سائل نے عرض کیا کہ جو تصورِ شیخ کرتے ہیں وہ کہتے ہیں ہم شیخ کو خدا نہیں سمجھتے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا:۔

"مانا کہ وہ ایسا کہتے ہیں مگر بت پرستی تو شروع ہی تصور سے ہوتی ہے۔ بت پرست بھی بڑھتے بڑھتے ہی اس درجہ تک پہنچا ہے۔ پہلے تصور ہی ہوگا۔ پھر یہ سمجھ لیا کہ تصور قائم رکھنے کیلئے بہتر ہے تصویر ہی بنا لیں۔ اور پھر اس کو ترقی دیتے دیتے پتھر اور دھاتوں کے بت بنانے شروع کر دیئے اور ان کو تصویر کا قائم مقام بنا لیا۔ آخر یہاں تک ترقی کی کہ ان کی روحانیت کو اور وسیع کر کے ان کو خدا ہی مان لیا۔ اب نرے پتھر ہی رکھ لیتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ منتر کے ساتھ ان کو درست کر لیتے ہیں اور پرمیشر کا حلول ان پتھروں میں ہو جاتا ہے۔ اس منتر کا نام انہوں نے **اواہن** رکھا ہوا ہے......

غرض تصورِ شیخ کا مسئلہ ہندوؤں کی ایجاد اور ہندوؤں ہی سے لیا گیا ہے۔ چنانچہ قلب جاری ہونے کا مسئلہ بھی ہندوؤں ہی سے لیا گیا ہے...... ہم گواہی دیتے ہیں اور اپنے تجربہ کی بنا پہ گواہی دیتے ہیں کہ جب تک انسان اپنے اندر خدا تعالیٰ کی مرضی اور سنت نبوی کے موافق تبدیلی

ل؎ ایک اور تقریر میں حضرت اقدس نے فرمایا "تصویر کے متعلق یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا اس سے کوئی دینی خدمت مقصود ہے یا نہیں؟ اگر بیفائدہ تصویر رکھی ہوئی ہے اس سے کوئی دینی فائدہ مقصود نہیں تو یہ لغو ہے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ والذین ھم عن اللغو معرضون۔ لغو سے اعراض کرنا مومن کی شان ہے اس لئے اس سے بچنا چاہئے لیکن ہاں اگر کوئی دینی خدمت اس ذریعہ سے بھی ہو سکتی ہو تو منع نہیں ہے کیونکہ خدا تعالیٰ علوم کو ضائع کرنا نہیں چاہتا...... یاد رکھنا چاہئے کہ نفس تصویر کی حرمت نہیں۔ بلکہ اس کی حرمت اضافی ہے۔ جو لوگ لغو طور پر تصویریں رکھتے اور بناتے ہیں وہ حرام ہے...... ایک خونی کی تصویر اس غرض سے بنالیں کہ اس کے ذریعہ اسے شناخت کر کے گرفتار کر لیا جائے تو یہ جائز ہی نہیں بلکہ فرض ہوگا" (الحکم ۲۸۔ فروری ۱۹۰۲ء)

نہیں کرتا اور پاکیزگی کی راہ اختیار نہیں کرتا خواہ اس کے قلب سے ہی آواز آتی ہو۔ وہ زہر جو انسان کی رُوحانیت کو ہلاک کر دیتا ہے دُور نہیں ہو سکتا۔ رُوحانیت کے نشوونما اور زندگی کے لئے صرف ایک ہی ذریعہ خدا تعالیٰ نے رکھا ہے اور وہ اتباعِ رسولؐ ہے۔ جو لوگ قلب جاری ہونے کے شعبدے لئے پھرتے ہیں انہوں نے سنتِ نبوی کی سخت توہین کی ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی انسان دنیا میں گزرا ہے۔ پھر غارِ حرا میں بیٹھ کر وہ قلب جاری ہونے کی مشق کیا کرتے تھے یا فنا کا طریق آپ نے اختیار کیا ہوا تھا؟ پھر آپ کی ساری زندگی میں کہیں اس امر کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ آپ نے صحابہ کو یہ تعلیم دی ہو کہ تم قلب جاری کرنے کی مشق کرو۔ اور کوئی ان قلب جاری کرنے والوں میں سے پتہ نہیں دیتا اور کبھی نہیں کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی قلب جاری تھا؟ یہ تمام طریق جن کا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں انسانی اختراع اور خیالات ہیں جن کا نتیجہ کچھ بھی نہیں ہے۔ حبسِ دم کے متعلق سوال ہوا تو اس پر بھی آپ نے یہی فرمایا کہ "یہ بھی ہندو جوگیوں کا مسئلہ ہے اسلام میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں"

(الحکم ۲۴ و ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۰۱ء)

حرمت تصویر بازی اکتوبر ۱۹۰۵ء کا واقعہ ہے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں ذکر آیا کہ ایک شخص نے حضور کی تصویر ڈاک کے کارڈ پر چھپوائی ہے تاکہ لوگ ان کارڈوں کو خرید کر خطوط میں استعمال کریں۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔

"میرے نزدیک یہ درست نہیں۔ بدعات پھیلانے کا یہ پہلا قدم ہے۔ ہم نے جو تصویر فوٹو لینے کی اجازت دی تھی وہ اس واسطے تھی کہ یورپ امریکہ کے لوگ جو ہم سے بہت دور ہیں اور فوٹو سے قیافہ شناسی کا علم رکھتے ہیں اور اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں ان کے لئے ایک روحانی فائدہ کا موجب ہو کیونکہ جیسا کہ تصویر کی حرمت ہے اس قسم کی حرمت عموم نہیں رکھتی بلکہ بعض اوقات مجتہد اگر دیکھے کہ کوئی فائدہ ہے اور نقصان نہیں تو وہ حسبِ ضرورت اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ خاص اس یورپ کی ضرورت کے واسطے فوٹو کی اجازت دی گئی چنانچہ بعض خطوط یورپ و امریکہ سے آئے جن میں لکھا تھا کہ تصویر کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل وہی مسیح ہے۔ ایسا ہی امراض کی تشخیص کے واسطے بعض وقت تصویر سے بہت مدد مل سکتی ہے۔ شریعت میں ہر ایک امر جو ما ینفع الناس کے نیچے آئے اس کو دیر پا رکھا جاتا ہے لیکن یہ جو کارڈوں پر تصویریں بنتی ہیں ان کو خریدنا نہیں چاہئے۔ بت پرستی کی جڑ تصویر ہے۔ جب انسان کسی کا معتقد ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ تعظیم تصویر کی بھی کرتا ہے۔ ایسی باتوں سے بچنا چاہئے اور ان سے دُور رہنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ ہماری جماعت پر سر نکالتے ہی آفت پڑ جائے" (بدر ۲۶۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ"

وجہ اشاعت ۵۔ نومبر ۱۹۰۱ء کو حضرت اقدس مرزا صاحب نے ایک سہ ورقہ اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" کے عنوان سے شائع فرمایا۔ اس اشتہار کے شائع کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ کے ایک مرید سے کسی مخالف کے ساتھ بحث کرتے ہوئے یہ غلطی ہوئی کہ اس نے اس بات سے قطعی انکار کر دیا کہ حضرت مرزا صاحب کے الہامات میں نبی اور رسول کے الفاظ آ گئے ہیں حالانکہ ایسا انکار خلاف واقعہ تھا۔ اُسے چاہئے تھا کہ وہ اقرار کر لیتا کہ ہاں ایسے الفاظ تو موجود ہیں لیکن ساتھ ہی مخالف کے سامنے ان کی وہ تشریح و توضیح پیش کر دیتا جو خود حضرت مرزا صاحب صدہا مرتبہ اپنی کتابوں میں کر چکے تھے جن سے کہ ختم نبوت کی مہر نہیں ٹوٹتی اور اس کے بعد ایک طالب حق کیلئے کسی اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ اس اشتہار "غلطی کے ازالہ" کو اسی بات سے حضرت مرزا صاحب شروع کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں :-

"ہماری جماعت میں سے بعض صاحب جو ہمارے دعوے اور دلائل سے کم واقفیت رکھتے ہیں۔ جن کو نہ بغور کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا اور نہ وہ ایک معقول مدّت صحبت میں رہ کر اپنے معلومات کی تکمیل کر سکے وہ بعض حالات میں مخالفین کے کسی اعتراض پر ایسا جواب دیتے ہیں کہ جو سراسر واقعہ کے خلاف ہوتا ہے اس لئے باوجود اہل حق ہونے کے ان کو ندامت اٹھانی پڑتی ہے۔ چنانچہ چند روز ہوتے ہیں کہ ایک صاحب پر ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے وہ نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا جواب محض انکار کے الفاظ سے دیا گیا۔ حالانکہ ایسا جواب صحیح نہیں ہے حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے لفظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں۔ نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ۔ پھر کیونکر یہ جواب ہو سکتا ہے کہ ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں"۔

اس عبارت سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں :-

(۱) غلطی جس کا ازالہ آپ اس اشتہار کے ذریعہ فرمانے لگے ہیں وہ آپ کے کسی مرید کی غلطی تھی۔ آپ کی اپنی کوئی غلطی نہ تھی۔

(۲) اس کے غلطی کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے آپ کی کتابوں اور تحریروں کو جو شائع ہو چکی تھیں بغور نہیں پڑھا تھا۔ ورنہ اگر اس نے آپ کی وہ کتابیں پڑھی ہوتیں تو آپ کے دعوے اور دلائل سے کما حقہ واقف ہوتا اور وہ اس غلطی کا مرتکب نہ ہوتا۔

(۳) غلطی یہ تھی کہ آپ کے الہامات وغیرہ میں نبی اور رسول کے الفاظ موجود تھے اور اس نے ان کی موجودگی

سے انکار کر دیا۔

پہلی کتب اور تحریروں کا بغور مطالعہ

اب دیکھنا یہ ہے کہ پہلی کتب اور تحریریں جنہیں بغور مطالعہ کرنے کا حضرت اقدس حکم دیتے ہیں ان میں حضرت اقدس نے ان الفاظ نبی و رسول کا کوئی ذکر کیا ہے یا نہیں اور اگر کیا ہے تو ان کی کیا تشریح فرمائی ہے تا کہ آئندہ مُرید غلطی نہ کریں۔

مَیں یہاں چند مقامات سے حوالجات برائے مطالعہ و غور پیش کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

حوالہ نمبرا۔ "حال یہ ہے کہ اگرچہ عرصہ بیس سال سے متواتر اس عاجز کو الہام ہوا ہے۔ اکثر دفعہ ان میں رسول یا نبی کا لفظ آ گیا ہے...... لیکن وہ شخص غلطی کرتا ہے جو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نبوت اور رسالت سے مراد حقیقی نبوت اور رسالت ہے جس سے انسان خود صاحب شریعت کہلاتا ہے بلکہ رسول کے لفظ سے اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا اور نبی کے لفظ سے صرف اس قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ سے علم پا کر پیشگوئی کرنے والا یا معارف پوشیدہ بتانیوالا۔ سو چونکہ ایسے لفظوں سے جو محض استعارہ کے رنگ میں ہیں اسلام میں فتنہ پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے اس لئے اپنی جماعت کی معمولی بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہئیں اور دلی ایمان سے سمجھنا چاہئے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبییّن۔ اس آیت کا انکار کرنا یا استخفاف کی نظر سے دیکھنا درحقیقت اسلام سے علیحدہ ہونا ہے۔ جو شخص انکار میں حد سے گزرتا ہے جس طرح کہ وہ ایک خطرناک حالت میں ہے اسی طرح وہ جو شیعوں کی طرح اعتقاد میں حد سے گزرتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا ہے اور ہم محض دین اسلام کے خادم بن کر آئے ہیں اور دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ نہ اس لئے کہ اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین بناویں۔ ہمیشہ شیطان کی رہزنی سے اپنے تئیں بچانا چاہئے۔ اور اسلام سے محبت سچی رکھنی چاہئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو بھلانا نہیں چاہئے۔ ہم خادم دین اسلام ہیں اور یہی ہمارے ظہور کی علت غائی ہے۔ اور نبی اور رسول کے لفظ استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ہیں۔ رسالت لغت عرب میں بھیجے جانے کو کہتے ہیں۔ اور نبوت یہ ہے کہ خدا سے علم پا کر پوشیدہ حقائق اور معارف کو بیان کرنا سو اسی حد تک مفہوم کو ذہن میں رکھ کر دل میں اس کے معنے کے موافق اعتقاد کرنا مذموم نہیں ہے۔ مگر چونکہ اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی

سابق کی اُمت نہیں کہلاتے۔ اور براہ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ہوشیار رہنا چاہئے کہ اس جگہ بھی یہی معنی نہ سمجھ لیں۔ کیونکہ ہماری کتاب بجز قرآن کریم کے نہیں ہے اور کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے۔ اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔ سو دین کو بچوں کا کھیل نہیں بنانا چاہئے۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ ہمیں بجز خادم اسلام ہونے کے اور کوئی دعویٰ بالمقابل نہیں اور جو شخص ہماری طرف اس کے خلاف منسوب کرے وہ ہم پر افترا کرتا ہے۔ ہم اپنے نبی کریم صلعم کے ذریعہ فیض و برکات پاتے ہیں۔ اور قرآن کے ذریعہ سے ہمیں فیض معارف ملتا ہے۔ سو مناسب ہے کہ کوئی شخص اس ہدایت کے برخلاف کچھ بھی دل میں نہ رکھے ورنہ وہی خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کا جواب دہ ہوگا۔ اگر ہم اسلام کے خادم نہیں ہیں تو ہمارا سب کاروبار عبث اور مردود اور قابل مواخذہ ہے۔ زیادہ خیریت والسلام۔ مؤرخہ ۱۷۔ اگست ۱۸۹۹ء"

حضرت اقدس کے اس خط کے پڑھنے سے نتیجہ یہ نکلا کہ نبی اور رسول کے الفاظ تو آپ کے الہامات میں ضرور موجود ہیں مگر وہ شریعت کے اصطلاحی معنوں پر محمول نہیں ہیں فقط لغوی معنوں پر محمول ہیں یعنی نبی بمعنی خدا تعالیٰ سے علم پاکر پیشگوئی کرنے والا اور معارف پوشیدہ بتانے والا۔ اور رسول بمعنے بھیجا ہوا۔ اور شریعت کی اصطلاح میں نبی اور رسول وہ ہوا کرتے ہیں :-

(۱) جو شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت کو منسوخ کرتے ہیں۔

(۲) وہ نبی سابق کی اُمت نہیں کہلاتے۔

(۳) وہ براہ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔

چونکہ نبی اور رسول کی ان صفات خصوصی میں سے کوئی بھی حضرت مرزا صاحب میں موجود نہیں اس لئے آپ شریعت کی اصطلاح میں ہرگز نبی و رسول نہیں۔ فقط لغوی معنوں میں نبی و رسول ہیں۔ اس مفہوم سے زیادہ جو کوئی اعتقاد رکھتا ہے اُس نے آیت خاتم النبیین کو استخفاف کی نظر سے دیکھا اس لئے وہ اسلام سے علیحدہ ہوگیا وہ شیطان کی رہزنی کا شکار ہوگیا۔ اس نے دین کو بچوں کا کھیل بنا دیا۔ اُس نے حضرت مرزا صاحب کے سلسلہ کو خادم دین اسلام کی حیثیت سے نکال کر علیحدہ دین بنا دیا۔ وہ خود ان غلط کاریوں کے لئے خدا تعالیٰ کے نزدیک جوابدہ ہے۔ حضرت مرزا صاحب اس سے بری الذمہ ہیں +

حوالہ نمبر ۲۔ "بار بار کہتا ہوں کہ یہ الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے میرے الہام میں میری نسبت خدا تعالیٰ کی طرف سے بیشک ہیں۔ لیکن اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ اور جیسے یہ محمول نہیں ایسے ہی وہ

نبی کر کے پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کیلئے آیا ہے وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ یہ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ جس نے سمجھنا ہو سمجھ لے۔ میرے پر یہی کھولا گیا ہے کہ حقیقی نبوت کے دروازے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بکلی بند ہیں۔ اب نہ کوئی جدید نبی حقیقی معنوں کے رُو سے آسکتا ہے اور نہ کوئی قدیم نبی۔ مگر ہمارے ظالم مخالف ختم نبوت کے دروازوں کو پورے طور پر بند نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کے نزدیک مسیح اسرائیلی نبی کے واپس آنے کیلئے ابھی ایک کھڑکی کھلی ہے۔ پس جب قرآن کے بعد بھی ایک حقیقی نبی آگیا اور وحی نبوت کا سلسلہ شروع ہُوا تو کہو کہ ختم نبوت کیونکر اور کیا ہُوا۔ کیا نبی کی وحی وحی نبوت کہلائے گی یا کچھ اور؟" (سراج منیر صفحہ ۳)

اس حوالہ سے بھی وہی نتائج نکلے کہ:۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حقیقی معنوں کے رُو سے کوئی نبی نہیں آسکتا۔ نہ نیا نہ پرانا۔ یعنی لغوی اور مجازی معنوں کے رُو سے آسکتا ہے حقیقی معنوں کے رُو سے نہیں آسکتا۔

(۲) یہ وہ علم ہے جو خدا نے حضرت اقدس کو دیا تھا جس نے سمجھنا ہو سمجھ لے۔

(۳) حقیقی معنوں کے رُو سے اگر کوئی نبی آجائے تو اُس کی وحی وحیٔ نبوت ہوگی۔ اور قرآن شریف کے بعد ایسا نہیں ہو سکتا کہ وحی نبوت کا پھر سلسلہ شروع ہو جائے۔

(حوالہ نمبر ۳) کیا ایسا بدبخت مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت وَلٰکِن رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖن کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول اور نبی ہوں۔ صاحب انصاف طلب کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس میں عام مسلمانوں کو دھوکا لگ جانے کا احتمال ہے لیکن وہ مکالمات اور مخاطبات جو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے مجھ کو ملے ہیں جن میں یہ لفظ نبوت اور رسالت کا بکثرت آیا ہے ان کو میں بوجہ مامور ہونے کے مخفی نہیں رکھ سکتا لیکن بار بار کہتا ہوں کہ ان الہامات میں جو لفظ مرسل یا رسول یا نبی کا میری نسبت آیا ہے ...... وہ اپنے حقیقی معنوں پر مستعمل نہیں ہیں۔ اور اصل حقیقت جس کی میں علیٰ رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ کوئی پرانا نہ کوئی نیا۔ ومن قال بعد رسولنا وسیدنا انی نبی اور رسول علیٰ وجہ الحقیقۃ والافتراء وترک القرآن واحکام الشریعۃ الغراء ھو کافر

کذاب...... لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے بعض اوقات خدا تعالیٰ کے الہامات میں ایسے الفاظ استعارہ اور مجاز کے طور پر اس کے بعض اولیا کی نسبت استعمال ہو جاتے ہیں اور وہ حقیقت پر محمول نہیں ہوتے۔ سارا جھگڑا یہ ہے جس کو نادان متعصب اور طرف کھینچ کر لے گئے ہیں کہ آنے والے مسیح موعود کا نام جو صحیح مسلم وغیرہ میں زبان مقدس حضرت نبویؐ سے نبی اللہ نکلا ہے وہ انہی مجازی معنوں کے رُو سے ہے جو صوفیا کرام کی کتابوں میں مسلّم اور ایک معمولی محاورہ مکالمات الٰہیہ کا ہے ورنہ خاتم الانبیاء کے بعد نبی کیسا۔" (حاشیہ انجام آتھم صفحہ ۲۷ و ۲۸)

اس حوالہ سے مفصلہ ذیل نتائج نکلے:۔

(۱) نبی اور رسول کے الفاظ آپ کے الہامات میں حقیقی معنوں میں نہیں ہیں بلکہ مجاز اور استعارہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ویسے ہی جیسے صوفیا کرام کی کتابوں میں مکالمات الٰہیہ کے متعلق یہ معمولی محاورہ ہے۔

(۲) غیر حقیقی اور مجازی طور پر نبی اور رسول کے الفاظ استعمال کرنا مستلزم کفر نہیں لیکن حقیقی معنوں میں نبی اور رسول کے الفاظ کا استعمال آپ کے نزدیک مستلزم کفر ہے اور ایسا شخص قرآن شریف پر ایمان نہیں رکھتا۔ اور حقیقی معنوں میں ان الفاظ کا مدعی کافر اور کذاب ہے۔

(۳) عام بول چال میں الفاظ نبی و رسول کا استعمال غیر حقیقی اور مجازی معنوں میں بھی آپ کو پسند نہ تھا کیونکہ اس سے عام مسلمانوں کو دھوکا لگ جانے کا احتمال تھا۔ لیکن بوجہ مامور من اللہ ہونے کے آپ اپنے الہامات مخفی نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس لئے آپ کو اپنے الہامات تو لوگوں کو سنانے پڑے لیکن ساتھ ساتھ ان میں نبی و رسول کے الفاظ کی تشریح بھی کرنی پڑی کہ وہ محض مجاز اور استعارہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں نہ کہ حقیقی طور پر۔

حضرت اقدس مرزا صاحب کی پہلی کتب میں سے میں یہاں صرف تین حوالجات پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ ایسے حوالوں سے ساری کتابیں بھری پڑی ہیں۔ پس آپ کا مقصد اس اشتہار "غلطی کے ازالہ" سے مریدوں کو یہ ہدایت دینی منظور تھی کہ یہ نہ کہا کرو کہ آپ کے الہامات میں الفاظ نبی و رسول کے نہیں آئے کیونکہ یہ خلاف واقعہ ہے بلکہ "قولوا قولاً سدیداً" کے ماتحت بات سیدھی اور صاف کہو کہ الہامات میں نبی اور رسول کے الفاظ تو بے شک موجود ہیں مگر وہ حقیقت پر محمول نہیں ہیں بلکہ مجاز اور استعارہ کے طور پر اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ نبی کے معنے خدا سے خبر پا کر پیشگوئی کرنے والا یا معارف پوشیدہ بتانے والا۔ اور رسول سے مراد ہے بھیجا گیا۔ پس یہ ایک مجازی نبوت ہے جو ولایت کاملہ

کا دوسرا نام ہے اور جسے فنا فی الرسول ہو کر ایک اُمتی حاصل کرتا ہے۔

> "غلطی کے ازالہ" میں اس مجازی نبوت کے حصول کا طریق بتایا ہے

البتہ اس اشتہار غلطی کے ازالہ میں آپ نے اس بات پر زور دینے کے بعد کہ آپ کے الہامات میں جو الفاظ نبی و رسول کے آگئے ہیں وہ فقط لغوی معنوں کے رُو سے بولے گئے ہیں کیونکہ لغت میں نبوت کے معنے اظہار غیب کے ہیں۔ آپ نے اس اشتہار میں اس لغوی یا مجازی نبوت کے حصول کے طریق کو بھی کھول کر بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب ایک ولی کامل تمام مدارج سلوک طے کر کے صدیقیت کے مقام پر پہنچتا ہے جو فنا فی الرسول کا مقام ہے تو چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور خُلق اور رُوحانیت غرضکہ ہر ایک چیز سے حصّہ لیتا ہے جسے مثالی رنگ میں یوں کہنا چاہئیے کہ اُس کے رُوحانی وجود کے آئینہ صافی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود رُوحانی منعکس ہو جاتا ہے تو ایسا شخص صوفیا کی اصطلاح میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظل اور بروز کہلاتا ہے اور آسمان پر اس کا نام ظلّی اور بروزی طور پر محمد اور احمد رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ مہدی آنحضرت صلعم کا نام پائے گا اور آپ کی قبر میں دفن ہوگا۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ وہ فنا فی الرسول کے مقام پر بدرجۂ اتم و اکمل پہنچا ہؤا ہوگا۔ اور جیسا کہ قاعدہ ہے کہ جب کسی شیشہ میں کوئی وجود منعکس ہوتا ہے تو اس کی ہر ایک چیز اس عکس میں نظر آتی ہے۔ شکل لباس وغیرہ سب کچھ۔ اسی طرح جب کسی متبع کامل فانی فی الرسول شخص کے وجود صافی کے آئینہ میں محمدیت و احمدیت منعکس ہوتی ہے تو نبوت و رسالت کا وہ حصّہ جو منصب سے متعلق نہیں بلکہ نبوت کے انعام اور کمال سے متعلق ہے یعنی انعام اظہار علی الغیب بھی اس میں منعکس ہوتا ہے کیونکہ اظہار علی الغیب نبوت و رسالت کا وہ کمال اور انعام ہے جو محمد و احمد کے ساتھ جزو لاینفک کی طرح ہے وہ فیض رسانی کے وقت اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ پس جہاں ایک فانی فی الرسول کے وجود میں محمدیت و احمدیت منعکس ہوتی ہے وہاں نبوت و رسالت کا یہ انعام اور کمال بھی ساتھ ہی منعکس ہوتا ہے۔ پس جس طرح وہ شخص ظلی یا بروزی یا مجازی رنگ میں آسمان پر محمد و احمد نام پانے کا مستحق ٹھیرتا ہے۔ اسی طرح ظلی یا بروزی یا مجازی طور پر اسے نبی و رسول بھی کہدیا جاتا ہے۔ لیکن آئینہ میں کوئی چیز منعکس ہو تو وہ ایک سے دو نہیں بن جاتی۔ اسی طرح محمدیت و احمدیت ولی کامل میں منعکس ہو کر دو محمدؐ اور دو احمدؐ نہیں بنا دیتی اور نہ نبوت و رسالت منعکس ہو کر دو نبی اور دو رسول بنا دیتی ہے۔ وہ محمدؐ و احمدؐ کی اپنی نبوت و رسالت ہی ہوتی ہے جو ایک اُمتی متبع کامل کے وجود کے آئینہ میں منعکس نظر آتی ہے۔ اُمتی خود نہ حقیقت میں محمدؐ و احمدؐ ہے اور نہ حقیقت میں نبی و رسول۔ وہ فقط ایک اُمتی ہے۔ البتہ بوجہ کمال اتباع کے اس کے وجود کے آئینہ میں محمدیت و احمدیت بمعہ نبوت و رسالت کے اُس حصّہ کے جو انعام و کمال سے متعلق ہے یعنے

اظہار علی الغیب کے اس میں منعکس ہے۔ ایسے شخص کو جس طرح ہم مجازی طور پر محمد و احمد کہہ سکتے ہیں اسی طرح مجازی طور پر اسے نبی و رسول بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن نہ وہ حقیقی طور پر محمد و احمد ہے اور نہ حقیقی طور پر نبی رسول۔ نبوت و رسالت جو کچھ بھی ہے وہ محمد و احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ آپ کی نبوت و رسالت آپ سے الگ نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ جہاں محمدیت و احمدیت منعکس نہیں وہاں نبوت و رسالت بھی منعکس نہیں ہو سکتی گویا محمد و احمد صلعم کی نبوت و رسالت آپ کے پاس ہی رہتی ہے آپ کے غیر کے پاس نہیں جاتی۔ خود موردِ بروز حکم نفی وجود کا رکھتا ہے۔ اسے جو الہام الٰہی میں نبی و رسول کہا جاتا ہے تو دراصل اُسے نہیں کہا جاتا بلکہ محمدؐ و احمدؐ کو ہی کہا جاتا ہے جس کا انعکاس اس اُمتی کے وجود میں ہو رہا ہوتا ہے اس کا اپنا نفس درمیان میں نہیں ہوتا۔ پس فنافی الرسول کے اس مقام پر جب ایک ولی کامل کو ظل اور بروز کے طور پر محمدیت و احمدیت کی چادر اڑھائی جاتی ہے تو جائز ہوتا ہے کہ ظلّی اور بروزی یعنی مجازی طور پر اُسے نبی اور رسول بھی کہہ دیں۔ لیکن چونکہ حقیقت میں یہ ایک ولایت کاملہ ہوتی ہے جسے مجازی طور پر نبوت و رسالت کہا جاتا ہے اس لئے اس کی وحی کو وحی ولایت کہتے ہیں نہ کہ وحی نبوت۔

اقتباسات | اب مَیں اس اشتہار "غلطی کے ازالہ" میں سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ چونکہ بروز کا مسئلہ تصوّف سے تعلق رکھتا ہے اور نہایت دقیق مسئلہ ہے اس لئے مَیں نے مذکورہ بالا تشریح پہلے کر دی تاکہ حضرت اقدس کا مطلب سمجھنے میں ناظرین کو آسانی ہو۔ فرماتے ہیں:۔

حوالہ نمبر ۱۔ "بیشک اس طرح سے تو کوئی نبی نیا ہو یا پرانا نہیں آسکتا جس طرح سے آپ لوگ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو آخری زمانہ میں اُتارتے ہیں۔ اور پھر اس حالت میں ان کو نبی بھی مانتے ہیں۔ بلکہ چالیس برس تک سلسلہ وحی نبوّت کا جاری رہنا اور زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے بھی بڑھ جانا آپ لوگوں کا عقیدہ ہے۔ بیشک ایسا عقیدہ تو معصیت ہے اور آیت ولٰکن رسول اللّٰہ و خاتم النّبیّین اور حدیث لا نبی بعدی اس عقیدہ کے کذب صریح ہونے پر کامل شہادت ہے۔ لیکن ہم اس قسم کے عقائد کے سخت مخالف ہیں اور ہم اس بات پر سچا اور کامل ایمان رکھتے ہیں جو فرمایا کہ ولٰکن رسول اللّٰہ و خاتم النّبیین اور اس آیت میں ایک پیشگوئی ہے جس کی ہمارے مخالفوں کو خبر نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد پیشگوئیوں کے دروازے قیامت تک بند کر دیئے گئے۔ اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا یہودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان نبی کے لفظ کو اپنی نسبت ثابت کر سکے۔ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے یعنی فنافی الرسول کی پس

جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے۔ اس پر ظلّی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے۔"

حوالہ نمبر ۲۔ "بھلا اگر مجھے قبول نہیں کرتے تو یوں سمجھ لو کہ تمہاری حدیثوں میں لکھا ہے کہ مہدی موعود خَلق اور خُلق میں ہمرنگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا اور اس کا اسم آنجناب کے اسم سے مطابق ہوگا یعنی اس کا نام بھی محمدؐ اور احمدؐ ہوگا اور آپ کے اہل بیت میں سے ہوگا۔ اور بعض حدیثوں میں ہے کہ مجھ میں سے ہوگا۔ یہ عمیق اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ وہ رُوحانیت کے رُو سے اسی نبی میں سے نکلا ہُوا ہوگا اور اسی کی رُوح کا روپ ہوگا۔ اس پر نہایت قوی قرینہ یہ ہے کہ جن الفاظ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلق بیان کیا یہاں تک کہ دونو کے نام ایک کر دیئے۔ ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس موعود کو اپنا بروز بیان فرمانا چاہتے ہیں...... پس چونکہ نبوت بھی نبی میں ایک کمال ہے اس لئے ضروری ہے کہ تصویر بروزی میں وہ کمال بھی نمودار ہو۔ تمام نبی اس بات کو مانتے چلے آئے ہیں کہ وجود بروزی اپنے اصل کی پوری تصویر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ نام بھی ایک ہو جاتا ہے۔ پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ جس طرح بروزی طور پر محمدؐ اور احمدؐ نام رکھے جانے سے دو محمدؐ اور دو احمدؐ نہیں ہو گئے۔ اسی طرح بروزی طور پر نبی یا رسول کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خاتم النبیین کی مہر ٹوٹ گئی کیونکہ وجود بروزی کوئی الگ وجود نہیں۔ اس طرح پر تو محمدؐ کے نام کی نبوّت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم تک ہی محدود رہی...... لیکن اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئے تو بغیر خاتم النبیین کی مہر توڑنے کے کیونکر دنیا میں آسکتے ہیں۔ غرض خاتم النبیین کا لفظ ایک الٰہی مُہر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر لگ گئی ہے۔ اب ممکن نہیں کہ کبھی یہ مہر ٹوٹ جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آجائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا اظہار بھی کریں...... تو پھر جس حالت میں خدا تو فرمائے کہ تیرے (یعنی آنحضرت صلعم کے۔ ناقل) بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا اور پھر اپنے فرمودہ کے برخلاف عیسٰی کو بھیجدے تو پھر کس قدر یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلآزاری کا موجب ہوگا۔ غرض بروزی رنگ کی نبوّت سے ختم نبوت میں فرق نہیں آتا اور نہ مہر ٹوٹتی ہے لیکن کسی دوسرے نبی کے آنے سے اسلام کی بیخکنی ہو جاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی اس میں سخت اہانت ہے کہ عظیم الشان کام دجال کشی کا عیسٰی سے ہوا نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اور آیت کریمہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیّین نعوذ باللہ

اس سے جھوٹی ٹھیرتی ہے اور اس آیت میں ایک پیشگوئی مخفی ہے اور وہ یہ کہ اب نبوت پر قیامت تک مہر لگ گئی ہے اور بجز بروزی وجود کے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے کسی میں یہ طاقت نہیں جو کھلے کھلے طور پر نبیوں کی طرح خدا سے کوئی علم غیب پاوے۔ اور چونکہ وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا وہ میں ہوں۔ اس لئے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا کی گئی ...... اب بجز اس کھڑکی کے اور کوئی کھڑکی نبوت کے چشمہ سے پانی لینے کیلئے باقی نہیں۔"

آخر میں اس تمام اشتہار کا خلاصہ حضرت مرزا صاحب خود نکالتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

حوالہ نمبر ۳۔ "اب اس تمام تحریر سے مطلب میرا یہ ہے کہ جاہل مخالف میری نسبت الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے مجھے ایسا کوئی دعویٰ نہیں۔ اس طور سے جو وہ خیال کرتے ہیں نہ نبی ہوں نہ رسول ہوں۔ ہاں میں اس طور سے نبی اور رسول ہوں جس طور سے ابھی میں نے بیان کیا ہے۔ پس جو شخص میرے پر شرارت سے یہ الزام لگاتا ہے جو دعویٰ نبوت اور رسالت کا کرتے ہیں وہ جھوٹا اور ناپاک خیال ہے۔ مجھے بروزی صورت نے نبی اور رسول بنایا ہے۔ اور اسی بنا پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا مگر بروزی صورت میں۔ میرا نفس درمیان نہیں ہے بلکہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اسی لحاظ سے میرا نام محمد اور احمد ہوا۔ پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمدؐ کی چیز محمدؐ کے پاس رہی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔"

ان حوالجات سے مندرجہ ذیل نتائج صاف ظاہر ہیں:۔

(۱) آیت ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیّین کے ذریعہ محمد رسول اللہ صلعم کی نبوت پر الٰہی مہر لگ چکی ہے اب ممکن نہیں کہ قیامت تک کبھی یہ مہر ٹوٹ جائے۔ اور کوئی نبی نیا یا پرانا آپ کے بعد آسکے۔

(۲) حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دوبارہ آنے سے یا کسی نئے یا پرانے نبی کے آجانے سے ختم نبوّت کی مہر ٹوٹتی ہے اور یہ اُس خدائی وعدہ کے خلاف ہے جو آیت مذکورہ بالا میں خدا نے آنحضرت صلعم کے ساتھ کیا تھا کہ تیرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت اہانت اور نہایت درجہ کی دل آزاری متصور ہے۔

(۳) البتہ "اس آیت میں ایک پیشگوئی مخفی ہے اور وہ یہ کہ اب نبوّت پر قیامت تک مہر لگ گئی ہے اور بجز بروزی وجود کے جو خود آنحضرت صلعم کا وجود ہے کسی میں یہ طاقت نہیں جو کھلے کھلے طور پر نبیوں کی طرح خدا سے کوئی علم غیب پاوے۔"

. . . . گویا اب کوئی شخص نبی تو نہیں بن سکتا۔ مگر نبیوں کی طرح خدا سے علم غیب پا سکتا ہے۔ مگر وہ اس طرح کہ آنحضرت صلعم کا بروز بن کر۔ اسی کو بروزی نبوت کہتے ہیں چونکہ لغت میں بھی خدا سے علم غیب پانیوالے کو نبی کہتے ہیں اس لئے بروزی اور لغوی نبوت ایک ہی بات ہوگئی۔ صرف ایک طریق حصول کے اعتبار سے نام ہؤا اور دوسرا لغت کے اعتبار سے۔

(۴) آنحضرت صلعم کا بروز بننے کیلئے ضروری ہے کہ انسان فنا فی الرسول کے مقام کو حاصل کرے۔ جب ایک امتی فنا فی الرسول کے مقام کو حاصل کرے گا تو ظاہر ہے کہ بوجہ کمال اتباع سنت نبوی کے اس کے وجود روحانی کے آئینہ میں محمدیت و احمدیت منعکس ہوگی اور نبوت و رسالت کا وہ حصہ جو منصب نبوت نہیں بلکہ اس کے کمالات و انعامات میں سے ہے یعنی اظہار علی الغیب وہ بھی ساتھ ہی منعکس ہوگا۔ اسی کو بروزی نبوت کہتے ہیں۔

(۵) الہامات میں کسی بروز محمدی کو نبی و رسول جو کہہ دیا جاتا ہے تو اس سے وہ شخص نبی و رسول نہیں بن جاتا کیونکہ مورد بروز نفی وجود کے حکم میں ہوتا ہے۔ اصل مقصود اور مخاطب خود آنحضرت صلعم ہی ہوتے ہیں پس محمدؐ کی نبوت محمدؐ ہی کے پاس رہتی ہے کسی غیر کے پاس نہیں جاتی۔

(۶) پس کسی بروزی نبوت و رسالت کے مدعی کی نسبت یہ کہنا کہ یہ شخص نبوت و رسالت کا مدعی ہے۔ "جہالت" اور "شرارت" ہے اور ایسا الزام لگانے والا بقول حضرت مرزا صاحب "جھوٹا اور ناپاک خیال ہے۔"

(۷) بروزی نبوت و رسالت فقط فنا فی الرسول کا ایک مقام ہے جس میں ایک ولی کو اظہار علی الغیب حاصل ہوتا ہے اسی لئے بروزی نبوت پانیوالے کی وحی وحی نبوت نہیں ہوتی بلکہ وحی ولایت ہوتی ہے کیونکہ حقیقت میں وہ فقط ایک ولی ہوتا ہے نبی و رسول نہیں ہوتا۔

مولوی محمد احسن صاحب امروہی کی اشتہار غلطی کے ازالہ کی تشریح

جب یہ اشتہار غلطی کا ازالہ شائع ہؤا تو ایک نادان سطحی نظر رکھنے والے مخالف محمد یوسف امرتسری نے بروز کا مسئلہ نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ بدگمانی کی کہ اس اشتہار میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ پرانے تعلقات کی وجہ سے مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے محمد یوسف صاحب کو قادیان بلایا تھا۔ اس نے جواب میں لکھا کہ میں اب کیا آؤں تمہارے مرشد نے تو اس اشتہار غلطی کے ازالہ میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ خط مولوی محمد احسن صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ محمد یوسف صاحب بروز کے مسئلہ کو سمجھے نہیں۔ بروز میں دوئی نہیں ہوتی وہ تو اُمتی کے وجود کے آئینہ میں فیضان نبوت کا انعکاس ہوتا ہے۔ محمد یوسف صاحب اگر آئینہ

میں کبھی اپنی شکل دیکھتے ہوں اور ان کی بیوی صاحبہ وہاں آجائیں تو کیا وہ ان کے عکس کو آئینہ میں دیکھکر پردہ کرلیں گی کہ کوئی غیر محرم آگیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس فیضان نبوت کے انعکاس ہی کو جو ایک فنافی الرسول امتی میں ہوتا ہے بروزی نبوت کہتے ہیں اس کو نبوت کا دعوی کہنا صحیح نہیں۔ چنانچہ حضرت اقدس کے حکم سے مولوی محمد احسن صاحب نے محمد یوسف امرتسری کو ایک مبسوط خط لکھا جو ۲۴۔ نومبر ۱۹۰۱ء کے الحکم میں شائع ہوا۔ اس میں مولوی محمد احسن صاحب بعد ایک مفصل تمہید کے تحریر فرماتے ہیں:۔

"اے حضرت جس اشتہار کے حوالہ سے آپ فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب نے دعوئ نبوت کیا ہے۔ اُسی اشتہار میں حسب ذیل عبارتیں موجود ہیں جن میں صاف وصریح اس دعوے سے انکار بھی کیا ہے۔ افسوس ہے کہ آپ نے نہ دعوے کو سمجھا اور نہ انکار دعوے کو۔"

اس کے بعد مولانا سید محمد احسن صاحب نے اسی اشتہار "غلطی کے ازالہ" میں سے انیس ۱۹ حوالے نقل کئے ہیں جن میں نبوّت کے دعوے سے صریح طور پر انکار موجود ہے۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

"اے حافظ صاحب اگر آپ میں کچھ خوف خدا اور تقوی اللہ ہے تو آپ ایسے شخص کو جس کی عبارات اس قدر کثرت سے سہ ورقہ اشتہار میں انکار دعوئ نبوت مستقل کیلئے موجود ہیں کہہ سکتے ہیں کہ وہ مدعی نبوت مستقل کا ہے۔ یا کوئی عاقل بالغ کہہ سکتا ہے کہ اس فنافی الرسول نے اُس نبوّت اور رسالت کا دعوی کیا ہے جس کا انکار اجماع اُمت کر رہا ہے۔ آپ اور میں دونو لبِ گور بیٹھے ہوئے ہیں پھر کیونکر آپ کو ایسے الزام بیجا لگانے کی جرأت ہوئی ہے۔"

پھر آگے چل کر ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"پس وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کا بروز اپنے تئیں قرار دیتے ہیں جیسا کہ اصل شے کا عکس آئینہ میں ہوتا ہے۔"

پھر لکھتے ہیں:۔

"کیونکہ اگر ظلی طور پر برکات ختم نبوّت کے متبع اور مستعد با کمال مخلص کو بھی حاصل نہ ہوں تو پھر اصلاح اُمت اور تجدید دین متین کیونکر ہو سکتی ہے اور پھر حضرت خاتم النّبیین وسیّد المرسلین کا کونسا کمال باقی رہے گا۔ کیونکہ اس صورت میں تو تمام وہ دروازے فیوض ونعم الٰہیہ کے جو بنی اسرائیل پر کھلے ہوئے تھے وہ سب کے سب بند ہو گئے اور تمام برکات محمدیہ ختم ہو چکیں نعوذ باللہ منہ۔"

پھر آنحضرت صلعم کے فیضان نبوت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ کے فیوض رسالت اور برکاتِ ختم نبوت تو قیامت تک جاری رہیں گے اور مکمل افراد امت

جو آپ کی اولاد معنوی ہیں بحکم الابن سرّ لابیہ کے فیوض رسالت و برکات ختم نبوت سے جو جزئی نبوّت وظلّی رسالت ہے قیامت تک فیضیاب رہے گی۔"

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب میں دوسرے اقوال اکابر اُمت کے بیان کرتا ہوں جنہوں نے بروز محمدیہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اوّل تو ظلّی نبوت کے لئے خود حدیث موجود ہے کہ علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل جبکہ علمائے اُمت مانند انبیاء بنی اسرائیل کے ہوئے تو پھر مہدی اور مسیح موعود تو علماء اُمت سے بہت بڑے عالی مقام پر ہے...... جناب علی مرتضیٰ کو بھی مسیح کا بروز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی نے کہا کہ میں ہی آدم ہوں۔ میں ہی شیث ہوں۔ میں ہی نوح ہوں۔ میں ہی ابراہیم ہوں۔ میں ہی موسیٰ ہوں۔ میں ہی عیسیٰ ہوں میں ہی محمدؐ ہوں۔ اس جگہ پر ایک نکتہ قابل یاد رکھنے کے ہے کہ بایزید بسطامی نے یہ دعویٰ بروز کا خود کیا ہے مخبر صادق کی طرف سے خاص ان کی نسبت کوئی بشارت منقول نہیں ہے۔ لیکن یہاں پر خود آنحضرت صلعم نے اس مہدی موعود کا نام محمدؐ و احمدؐ رکھا ہے کہ یواطی اسمہ اسمی وغیرہ..... محی الدین بن العربی فتوحات میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ امام ابو محمد ابن حزم نے آپ سے معانقہ کیا پس ایک دوسرے میں غائب ہو گیا۔ اور سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرا نظر نہ آیا۔ یہ سب امور مذکورہ مولوی محمد حسین تقریظ براہین احمدیہ میں تصدیق کر چکے ہیں والفضل ما شھدت بہ الاعداء۔ اسی کا نام اتحاد ہے اور بروز کا مورد بھی ایسا ہی مجدد فنا فی الرسول ہو سکتا ہے۔"

اشتہار غلطی کے ازالہ میں کوئی دعویٰ نبوت کا نہیں

میں خود اشتہار غلطی کے ازالہ میں سے مختلف حوالجات نقل کر کے دکھا چکا ہوں کہ اس غلطی کے ازالہ میں حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس امر کا اعتراف بیشک کیا ہے کہ نبی اور رسول کے الفاظ آپ کے الہامات میں موجود ہیں لیکن حسب دستور سابق ساتھ ساتھ ہی تشریح بھی کر دی ہے کہ یہ الفاظ لغوی معنوں میں آپ کی نسبت بولے گئے ہیں۔ نبی بمعنے "غیب کی خبریں پانے والا" اور رسول بمعنے "بھیجا گیا"۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ مرتبہ فنا فی الرسول کا ہے اس مقام پر پہنچکر ایک متبع کامل میں محمد رسول اللہ صلعم کی محمدیت و احمدیت جہاں منعکس ہوتی ہے وہاں نبوت و رسالت کا وہ جزو بھی منعکس ہوتا ہے جو مشتمل بر مبشرات یعنی اظہار علی الغیب ہے چونکہ وہ نبوت و رسالت کیلئے بطور انعام اور کمال کے ہے اس لئے فیض رسانی کے وقت وہ محمدؐ و احمدؐ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ پس جہاں محمدیت

واحدیت منعکس ہوگی وہاں وہ بھی منعکس ہوگا۔ اسی نبوت محمدیہ کے انعکاس کی وجہ سے ایسے فانی فی الرسول شخص کو مجازی طور پر نبی و رسول کہہ دیتے ہیں۔ اور اسی کا نام ظلی یا بروزی نبوت ہوا کرتا ہے۔ گویا جب لغوی معنوں میں نبوّت کے لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے تو اُس سے اُس لفظ نبوت کی ماہیت بتانی مدنظر ہوتی ہے یعنی اظہار علی الغیب یا کثرتِ مکالمہ مخاطبہ جو نبوت تامہ کاملہ کا ایک جزو ہے۔ اور جب بروزی اور ظلّی نبوت کے الفاظ بولے جاتے ہیں تو اس سے اسی نبوّت کے حصول کا طریق بتلانا مقصود خاطر ہوتا ہے۔ اور وہ طریق ہے فنافی الرسول کے مقام کو حاصل کر کے اپنے رسول متبوع کا بروز بننا۔

بروز کا مسئلہ صوفیا میں مسلّم ہے | یہ بروز کا مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں بلکہ اولیاء عظام اور صوفیائے کرام میں مسلّم اور مشہور ہے میں مثال کے طور پر ایک حوالہ مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۴۸ جلد ۱ کا پیش کرتا ہوں۔ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

"وازیں مقام تابع بہ متبوع نہجے مشابہت میکند کہ اسم تبعیت از میان می خیزد و امتیاز تابع و متبوع زائل می گردد و چناں متوہم میشود کہ تابع در رنگ متبوع ہر چہ میگیرد از اصل میگیرد و گویا ہر دو از یک چشمہ آب می خورند و ہر دو آغوش یک کنار اند۔ و ہر دو در یک بستر اند و ہر دو در رنگ شیر و شکر اند۔ تابع کجا و متبوع کدام تبعیت کرا۔ در اتحاد نسبت تغائر گنجائش ندارد و عجب معاملہ ایست دریں مقام۔ ہر چند بامعان نظر مطالعہ می نماید نسبت تبعیت ہیچ ملحوظ و منظور نمی گردد و امتیاز تابعیت و متبوعیت اصلا مشہود نمی شود و ایں قدر ہست کہ خود را طفیلی می داند و وارث نبی خود می یابد"۔

ترجمہ: "اس مقام پر (یعنی مقام بروز پر۔ ناقل) تابع متبوع کے ساتھ اس طور پر مشابہت پیدا کرتا ہے کہ تبعیت کا نام درمیان سے اُٹھ جاتا ہے اور تابع اور متبوع کا امتیاز زائل ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تابع متبوع کے رنگ میں ہو کر اصل جگہ سے ہر چیز حاصل کر رہا ہے۔ گویا دونو ایک ہی چشمہ سے پیتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ہم آغوش ہیں اور ایک ہی بستر میں ہیں۔ اور شیر و شکر کے رنگ میں ہو جاتے ہیں۔ پھر تابع کہاں اور متبوع کون۔ اور تابعداری کس کی؟ اتحاد میں غیریت کو کوئی گنجائش نہیں۔ اس جگہ پر یہ عجیب معاملہ ہے کہ جس قدر امعان نظر سے دیکھا جائے تبعیت کی کوئی بات نظر نہیں آتی اور تابعیت اور متبوعیت ہرگز دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں البتہ اس قدر ضرور ہے کہ تابع اپنے آپ کو طفیلی جانتا ہے اور اپنے آپ کو اپنے نبی کا وارث پاتا ہے"۔

دیکھ لیجئے جو کچھ حضرت مجدد سرہندی صاحب لکھ رہے ہیں۔ حضرت اقدس مرزا صاحب نے تو اس سے بہت کم لکھا ہے۔ تاہم جب ایک شخص محمد یوسف امرتسری کو بروز کا مسئلہ سمجھ میں نہ آیا اور اسکو یہ غلط فہمی ہوئی

کہ شاید اس میں نبوت کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ تو اگرچہ کہ حضرت مرزا صاحب بطور خلاصہ صاف طور پر اسی اشتہار میں تحریر فرما چکے تھے کہ "جاہل مخالف میری نسبت الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے مجھے ایسا کوئی دعویٰ نہیں"۔ باایں ہمہ آپ نے مولوی محمد احسن صاحب امروہی کو حکم دیا کہ بروز کے مسئلہ کی تشریح کر کے ان کی غلط فہمی کو دور کر دو تو انہوں نے اُنیس ۱۹ حوالے جن میں دعویٰ نبوت سے انکار تھا اسی اشتہار میں سے نقل کر کے دکھائے اور اس مسئلہ بروز کو سمجھایا اور آپ کے منصب کو "جزئی نبوت اور ظلی رسالت" قرار دیا۔ اور یہ سب کچھ حضرت اقدس کے حکم اور مشورہ سے ہوا پس اس کے بعد کسی شخص کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ ناحق حضرت مرزا صاحب پر افترا پردازی کرے کہ آپ نے اشتہار "غلطی کے ازالہ" میں نبوّت کا دعویٰ کیا ہے۔

اس اشتہار "ایک غلطی کے ازالہ" سے اہل غلو کا غلط استدلال

دشمن نے جب اس اشتہار ایک غلطی کے ازالہ سے یہ غلط استدلال کیا کہ اس میں حضرت اقدس مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو حضرت صاحب نے مولانا محمد احسن صاحب امروہی کو حکم دے کر اس کی تردید فرمائی۔ لیکن آپ کی وفات کے چھ برس بعد بدقسمتی سے ان کے صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب نے اپنی بعض مصلحتوں کی بنا پر جب حضرت مرزا صاحب کو نبی بنانا چاہا اور اس معاملہ میں کہیں ان کا ہاتھ نہ پڑ سکا یعنی نبوت کا دعویٰ حضرت مرزا صاحب کی کسی تحریر سے اُن کے ہاتھ نہ آیا تو انہوں نے بھی دشمن کی طرح اسی "اشتہار غلطی کے ازالہ" کو پیش کر دیا۔ اس لئے حضرت اقدس کے اس حکم کی تعمیل جو آپ نے مولوی محمد احسن صاحب امروہی کو اس امر کی تردید کرنے کیلئے دیا تھا حضرت اقدس کے لاہوری خدام کو کرنی پڑی۔ اس میں سے بطور خلاصہ کچھ یہاں عرض کر دینا نامناسب نہ ہوگا۔ وھوہذا:۔

۱۹۱۵ء میں میاں محمود احمد صاحب نے اس اشتہار غلطی کے ازالہ کو پیش کر کے یہ دعا کیا کہ اس اشتہار سے قبل حضرت اقدس اپنے آپ کو بیشک مجدّد و محدّث سمجھتے تھے اور نبوت سے انکار کرتے تھے لیکن نومبر ۱۹۰۱ء میں آپ کو سمجھ آگئی اور آپ نے اپنی غلطی معلوم کر لی۔ اور اس اشتہار غلطی کے ازالہ کے ذریعہ نبوت کا دعویٰ بڑے زور سے کر دیا۔ میاں صاحب موصوف کا یہ ادّعا سراسر غلط تھا اور ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ میاں محمود احمد صاحب کے اس ادّعا اور فتنہ انگیز اعلان سے قبل حضرت اقدس مرزا صاحب کے کسی مرید کے وہم و گمان میں بھی کبھی یہ بات نہ آئی تھی کہ ۱۹۰۱ء میں حضرت اقدس نے اپنے دعوے میں کوئی تبدیلی کی تھی یا ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تحریروں میں اپنے دعوے کے متعلق آپ سے کچھ غلطی ہوتی رہی تھی۔ یا اس وقت سے پیشتر آپ لفظ نبی اور محدّث کے صحیح معنے نہ جانتے تھے اور غلطی سے نبی کی جگہ محدّث کا لفظ استعمال کرتے تھے

بلکہ خود میاں صاحب موصوف کے دماغ میں بھی یہ ۱۹۰۱ء والی تبدیلی دعویٰ کا خیال آہستہ آہستہ داخل ہوا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے جب ۱۹۱۵ء میں اس مسئلہ نبوت پر زور دینا شروع کیا تو سب سے پہلے اپنی کتاب القول الفصل میں صفحہ ۲۴ پر یوں لکھا:۔

"غرضیکہ مذکورہ بالا حوالہ سے صاف ثابت ہے کہ تریاق القلوب کی اشاعت تک (جو اگست ۱۸۹۹ء سے شروع ہوئی اور ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں ختم ہوئی) آپ کا عقیدہ یہی تھا کہ آپ کو حضرت مسیح پر جزوی فضیلت ہے اور آپ کو جو نبی کہا جاتا ہے تو یہ ایک قسم کی جزوی نبوت ہے اور ناقص نبوت ہے لیکن بعد میں...... آپ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا کہ آپ ہر ایک شان میں مسیح سے افضل ہیں۔ اور کسی جزوی نبوت کے پانیوالے نہیں بلکہ نبی ہیں۔ ہاں ایسے نبی جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے نبوت ملی۔ پس ۱۹۰۲ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجت پکڑنا بالکل جائز نہیں ہو سکتا۔"

لیکن جب ایک اصول از خود گھڑا جاتا ہے تو پھر عمل اکثر اس کے خلاف ہوتا ہے کیونکہ گھڑنیوالے کو خود بھی یاد نہیں رہتا کہ میں نے کیا اصول گھڑا تھا۔ یہی معاملہ یہاں ہوا۔ اسی کتاب القول الفصل میں جس میں جناب میاں محمود احمد صاحب نے خود یہ اصول قائم کیا تھا کہ اکتوبر ۱۹۰۲ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجت پکڑنا بالکل جائز نہیں۔ چار جگہ میاں صاحب موصوف حضرت اقدس کے ۱۹۰۲ء سے پہلے کے یعنی ۵۔ نومبر ۱۹۰۱ء کے ایک ٹریکٹ میں سے حوالجات تحریر فرما کے اُن سے حجت پکڑتے رہے اور ذرا یاد نہ رہا کہ میں اپنے قائم کردہ اصول کے خلاف کر رہا ہوں۔ اب خدا کا کرنا یوں ہوا کہ مولوی محمد علی صاحب نے اس کتاب کو پڑھ کر ان حوالجات کی طرف میاں صاحب کو توجہ دلائی کہ آپ نے ایک اصول قائم کر کے پھر خود کیوں اکتوبر ۱۹۰۲ء سے پہلے کے ٹریکٹ کے حوالجات سے حجت پکڑی تو میاں صاحب کو ہوش آگئی۔ اور ان حوالجات کو برقرار رکھنے کی خاطر ۱۹۰۱ء کے اشتہار "ایک غلطی کے ازالہ" کی طرف توجہ منعطف فرمائی۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر مولوی محمد علی صاحب اعتراض نہ اُٹھاتے تو آج میاں محمود احمد صاحب اور ان کے مریدین کا عقیدہ یہی ہوتا کہ حضرت مرزا صاحب نے ۱۹۰۲ء میں دعوے میں تبدیلی کی تھی اور ۱۹۰۲ء میں آپ کو لفظ نبی اور محدث کے معنے سمجھ میں آئے تھے۔ اور نومبر ۱۹۰۱ء کا اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" حضرت مرزا صاحب کی اُن تحریروں میں شامل ہوتا جن سے حجت پکڑنی غلط قرار دی جاتی ہے۔ لیکن مولوی محمد علی صاحب کے اعتراض نے سارا رنگ ہی پلٹ دیا اور تبدیلی دعویٰ کی تاریخ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۱ء پر جا پڑی چنانچہ میاں محمود احمد صاحب نے اپنی دوسری کتاب حقیقۃ النبوۃ میں اس تبدیلی دعویٰ کی تاریخ بدلکر دم لیا

اور یہ بات ٹھیک بھی ہے کہ میاں صاحب موصوف کو تاریخ بدلنے کا حق حاصل تھا۔ کیونکہ اپنی بنائی ہوئی چیز پر ہر انسان کو پورا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کے دعوے میں تبدیلی کی تاریخ سنہ ۱۹۰۲ء انہوں نے خود بنائی تھی اس لئے انہیں حق تھا کہ خود اُسے بدل کر سنہ ۱۹۰۱ء بنا دیں۔ مَیں پھر اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ حضرت اقدس پر دعوے کی تبدیلی کا الزام جناب میاں صاحب کی خالص من گھڑت ایجاد بندہ ہے۔ سارے احمدی لٹریچر میں خواہ کتابیں ہوں یا اشتہارات یا اخبار کوئی شخص ایک فقرہ بھی کہیں نہیں دکھا سکتا کہ میاں صاحب کی اس ایجاد متعلق تبدیلیٔ عقیدہ سے پیشتر کبھی کسی نے یہ لکھا ہو کہ حضرت صاحب نے سنہ ۱۹۰۲ء یا سنہ ۱۹۰۱ء میں اپنا دعویٰ تبدیل کر لیا تھا یا سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے آپ غلطی سے اپنے آپ کو نبی کے بجائے محدّث کہا کرتے تھے کیونکہ آپ لفظ نبی یا محدّث کے معنے نہ جانتے تھے پھر یہ کس قدر افسوسناک معاملہ ہے کہ باوجود اس بات کے کہ ساری جماعت میں سے ایک شخص کے ہر میں بھی کبھی یہ بات نہ آئی تھی کہ ان کے امام نے سنہ ۱۹۰۲ء یا سنہ ۱۹۰۱ء میں اپنا دعویٰ تبدیل کر لیا ہے جس سے انکار دعویٔ نبوت کے پہلے حوالے سب منسوخ ہو چکے ہیں۔ جب میاں محمود احمد صاحب نے یہ اعلان کیا کہ حضرت اقدس کی سنہ ۱۹۰۲ء سے پہلے کی تحریروں سے حجّت پکڑنا بالکل جائز نہیں تو اُن کے سارے مریدین نے پرلے درجہ کی کورانہ تقلید کرتے ہوئے تسلیم کر لیا کہ ہاں سنہ ۱۹۰۲ء سے پہلے کی تحریروں سے حجّت پکڑنا بالکل جائز نہیں۔ گو اسی کتاب میں خود بدولت میاں صاحب نے سنہ ۱۹۰۲ء سے پہلے کی تحریر سے بھی حجّت پکڑی تھی مگر کسی نے آنکھیں کھول کر نہ دیکھا۔ پھر جب اس پر مولوی محمد علی صاحب نے اعتراض کیا تو میاں صاحب موصوف نے دو ماہ بعد لکھ دیا کہ سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجّت پکڑنا جائز نہیں۔ معاً ساری جماعت کا ایمان اسی بات پر ہو گیا کہ سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجّت پکڑنا جائز نہیں حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۱۲۱ پر میاں صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۰۱ء میں آپ نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کی ہے۔ اور سنہ ۱۹۰۰ء ایک درمیانی عرصہ ہے جو دونو خیالات کے درمیان برزخ کے طور پر حد فاصل ہے۔ پس ...... یہ بات ثابت ہے کہ سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اب منسوخ ہیں۔ اور اُن سے حجّت پکڑنی غلط ہے[ا]"

چنانچہ میاں صاحب کی اس تحریر کی تاریخ سے سنہ ۱۹۰۲ء سے پہلے کی تحریریں منسوخ نہ رہیں بلکہ سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تحریریں منسوخ ہو گئیں

[ا] افسوس ہے کہ میاں صاحب نے حضرت مرزا صاحب کو نبی بنانے کی سعی میں یہ خیال نہ کیا کہ اگر یہ مانا جائے کہ سنہ ۱۹۰۱ء سے قبل حضرت مرزا صاحب اپنی نبوت کا انکار کرتے رہے حالانکہ آپ نبی تھے تو کیا پھر وہ اپنی نبوت کے سب سے پہلے کافر خود ہی نہ ہوئے۔ اور جب نبی کی نبوت کا انکار کفر ہے اور سب سے پہلے نبی خود مکلّف ہے کہ وہ اپنی نبوت پر ایمان لائے۔ تو کیا نعوذ باللہ سب سے پہلے کافر خود حضرت مرزا صاحب نہ بنے بلکہ وہ نعوذ باللہ سب سے بڑھ کر کافر ہوئے کیونکہ دوسروں کو کہنے والا تو انسان ہوتا ہے مگر نبی کو کہنے والا خود خدا ہوتا ہے (مؤلّف)

ستر احمدیوں کی حلفی شہادت کہ حضرت مرزا صاحب نے ۱۹۰۱ء میں دعویٰ تبدیل نہیں کیا

اس تبدیلیٔ عقیدہ کی بحث میں سب سے زبردست شہادت یہ ہے کہ آج جو میاں صاحب دنیا کو یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ۱۹۰۱ء میں حضرت اقدس کی تحریریں دربارۂ نبوت منسوخ ہوگئیں۔ حالانکہ اس وقت میاں صاحب موصوف کی عمر بارہ تیرہ سال کی تھی۔ تو کیا خود ۱۹۰۱ء میں بھی یہ بات کسی احمدی کے خیال میں آئی تھی یا آج میاں صاحب کی ہی یہ ایجاد بندہ ہے، اور ان کے مرید محض اس لئے مانتے چلے جا رہے ہیں کہ انکے پیر کا فرمودہ ہے۔ کیا کوئی حضرت مرزا صاحب کا مرید ایسا بھی ہے جس نے ۱۹۰۱ء میں "ایک غلطی کا ازالہ" شائع ہونے پر یہ سمجھا تھا کہ آج حضرت مرزا صاحب نبی بن گئے ہیں؟ کیا یہ سچ نہیں کہ اس اشتہار میں حضرت مرزا صاحب نے اپنی کسی غلطی کا ازالہ نہیں کیا تھا بلکہ دوسرے شخص کی غلطی کا ازالہ کیا تھا جس کو آپ نے اپنی پہلی کتابوں اور تحریروں سے ناواقف اور صحبت سے دُور رہنے والا قرار دیا ہے۔ کیا غلطی کے ازالہ میں پہلی کتابوں کے بیانات کی تصدیق کی ہے یا انہیں منسوخ قرار دیا ہے؟ کیا اس میں یہ لکھا ہے کہ پہلے مجھے لفظ نبی اور محدّث کے معنے سمجھ میں نہ آئے تھے اب آگئے ہیں؟ اب دیکھو کہ واقعات کی شہادت کیا ہے۔ ذیل میں ستر اصحابِ حضرت اقدس مرزا صاحب کی حلفی شہادت میں پیش کرتا ہوں جو میاں محمود احمد صاحب کی کتاب حقیقۃ النبوت کے شائع ہونے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ایک ٹریکٹ کی شکل میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی طرف سے شائع ہوئی تھی۔ یہ ستر اصحاب وہ لوگ ہیں جنہوں نے نومبر ۱۹۰۱ء سے پہلے حضرت اقدس مرزا صاحب کی بیعت کی تھی۔ ان بزرگوں نے یہ شہادت دی ہے کہ ہم نے ۱۹۰۱ء میں حضرت مرزا صاحب مسیح موعود کے دعوے میں قطعاً کوئی تبدیلی محسوس نہیں کی۔ نہ آپ کی سابقہ تحریروں کو جن میں انکار نبوت تھا کبھی منسوخ سمجھا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی شہادتیں ہیں مگر حجت تمام کرنے کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔ وہ حلفی شہادت حسب ذیل ہے:۔

"ہم دستخط کنندگان ذیل حلفی شہادت ادا کرتے ہیں کہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جب ۱۸۹۱ء میں یہ اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وفات پا جانا قرآن کریم سے ثابت ہے اور حدیثوں میں جس ابن مریم کے اُمت محمدیہ میں آنے کا ذکر ہے وہ مَیں ہوں۔ تو اسوقت آپ نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ ہاں بعض علماء نے لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالا۔ اور ان کو مدعیٔ نبوت قرار دیکر ان پر کفر کا فتویٰ لگایا جس کے بعد حضرت موصوف نے صاف طور پر کئی مرتبہ یہ اعلان کیا جیسا کہ آپ کی تحریروں سے ظاہر ہے کہ آپ کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرنا محض افترا ہے۔ اور آپ نبوت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم سمجھتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعد مدعی نبوت کو کاذب اور کافر یقین کرتے ہیں۔ اور آپ کے بعض الہامات میں جو مرسل یا رسول یا نبی آیا ہے یا حدیث میں آنیوالے مسیح کی نسبت جو لفظ نبی کا آیا ہے تو اس سے مراد فی الحقیقت نبی نہیں۔ بلکہ مجازی۔ جزوی۔ ظلی نبی ہے جیسے محدث کہا جاتا ہے۔ اور خاتم النّبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا نہ نیا نہ پرانا۔

"ہم یہ بھی حلفی شہادت ادا کرتے ہیں کہ ہم نے نومبر ۱۹۰۱ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی اور میاں محمود احمد صاحب سرگروہ احمدی فریق قادیان نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ ابتداء میں نبوت کا نہ تھا مگر نومبر ۱۹۰۱ء میں آپ نے اپنا دعویٰ تبدیل کر لیا اور نبوت کے مدعی بن گئے اور انکار نبوت کی دس گیارہ سال کی لگاتار تحریریں منسوخ ہیں۔ یہ محض غلط اور سراسر خلاف واقعات ہے۔ ہم اللہ جل شانہٗ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ کبھی ہمارے وہم و گمان میں یہ بات نہیں آئی کہ ۱۹۰۱ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنے دعوے میں تبدیلی کی۔ یا آپ کی سابقہ تحریریں جو انکار دعویٰ نبوت سے بھری پڑی ہیں منسوخ ہوگئیں۔ نہ ہم نے اپنے علم میں کبھی ایسے لفظ کسی ایک شخص کے بھی منہ سے سنے جب تک کہ میاں محمود احمد صاحب نے ان کا اعلان نہیں کیا۔ واللہ علیٰ ما نقول شہید۔

دستخط۔ (مولوی) سید محمد احسن امروہی (۲) (مولوی) محمد عبداللہ خاں پٹیالوی۔ (۳) (مولوی) محمد مبارک علی (سیالکوٹی) (۴) (مولوی) غلام حسن سب رجسٹرار پشاور (۵) (مولوی حکیم) مرزا خدابخش مصنف عسل مصفّٰے (۶) (مولوی) محمد علی (لاہور) (۷) (مولوی) محمد یحییٰ (دیبگراں) (۸) (مولوی) محمد یعقوب (دیبگراں) (۹) (شیخ) رحمت اللہ (تاجر لاہور) (۱۰) ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ (لاہور) (۱۱) شیخ ضیاء اللہ (سابق ہیڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم الاسلام (قادیان) (۱۲) (مولوی) محمد حسن قریشی قلعہ دار۔ (۱۳) (بابا) ہدایت اللہ (شاعر پنجابی لاہور) (۱۴) (میاں) نبی بخش (گورنمنٹ پنشنر لاہور) (۱۵) ڈاکٹر سید طفیل حسین (لاہور) (۱۶) مرزا جمال الدین خوشنویس (لاہور) (۱۷) شیخ دین محمد (لاہور) (۱۸) (ماسٹر فقیر اللہ (لاہور) (۱۹) ڈاکٹر نبی بخش (بھاٹی دروازہ۔ لاہور) (۲۰) حافظ فضل احمد (حال بدوملہی) (۲۱) حافظ غلام رسول (سوداگر وزیر آباد) (۲۲) چودھری غلام حسن (سابق اسٹیشن ماسٹر ساکن لویریوالہ) (۲۳) شیخ غلام حسین صدیقی احمدی (سیالکوٹ) (۲۴) شیخ محمد جان (تاجر وزیر آباد) (۲۵) شیخ عبدالرحمان (وزیر آباد) (۲۶) (مولوی) عزیز بخش بی۔اے ڈیرہ غازیخاں)

(۲۷) ولی محمد (ملخواں) (ڈیرہ غازیخاں)۔ (۲۸) (ماسٹر) غلام محمد بی۔ اے (ہیڈ ماسٹر راولپنڈی) (۲۹) حکیم سردار خاں (برادر حکیم شاہنواز مرحوم راولپنڈی)۔ (۳۰) (سیٹھ) احمد الدین (سابق میونسپل کمشنر جہلم)۔ (۳۱) شیخ قمر الدین (سوداگر چشمہ جہلم)۔ (۳۲) مستری عبدالستار (جہلم)۔ (۳۳) شیخ غلام محی الدین (اپیل نویس جہلم)۔ (۳۴) مولوی محمد ابراہیم (امام مسجد جہلم)۔ (۳۵) ڈاکٹر حیات محمد (دندان ساز راولپنڈی)۔ (۳۶) بابو اللہ بخش (آفیسر منشی جہلم)۔ (۳۷) بابو عبدالحق (کلرک دفتر نہر جہلم)۔ (۳۸) (مستری) عبدالستار (جہلم)۔ (۳۹) (مستری) یعقوب علی (جموں) (۴۰) ماسٹر محمد رمضان (جموں)۔ (۴۱) ملک شیر محمد خاں (بی۔ اے پرسنل اسسٹنٹ جموں) (۴۲) مفتی فضل احمد (جموں)۔ (۴۳) (مستری) شہاب الدین (جموں)۔ (۴۴) محمد شاہ (جموں) (۴۵) نواب خاں (اہلمد جموں)۔ (۴۶) سید مسعود شاہ (مدرس جموں)۔ (۴۷) (مستری) نظام الدین (جموں)۔ (۴۸) سید امیر علی شاہ (پنشنر سب انسپکٹر)۔ (۴۹) شیخ ہدایت اللہ (پشاور)۔ (۵۰) رمضان علی (پشاور)۔ (۵۱) میاں محمد کی (پشاور)۔ (۵۲) سید لعل شاہ برق (پشاور)۔ (۵۳) شیخ فضل کریم (پشاور)۔ (۵۴) (منشی) نواب خاں (سب انسپکٹر پولیس گوجرانوالہ) (۵۵) شیخ مولا بخش (سیالکوٹ) (۵۶) حکیم شمس الدین (سیالکوٹ)۔ (۵۷) میاں بڈھا (سیالکوٹ) (۵۸) الہ دین (سیالکوٹ)، شیخ محمد جان (سوداگر سیالکوٹ چھاؤنی)۔ (۶۰) بابو عطا محمد (اوورسیر سیالکوٹ)۔ (۶۱) مرزا حاکم بیگ (سیالکوٹ)۔ (۶۲) مستری محمد اکبر (ٹھیکیدار سیالکوٹ) (۶۳) مستری عبداللہ (سیالکوٹ)۔ (۶۴) محمد الدین (سیالکوٹ)۔ (۶۵) حاجی فضل الدین (سیالکوٹ) (۶۶) سید امجد علی (کورٹ انسپکٹر)۔ (۶۷) (ڈاکٹر) حسن علی۔ (۶۸) محمد سرفراز خاں (نمبردار بدوملہی) (۶۹) شیخ محمد نصیب (سابق ہیڈ کلرک قادیان)۔ (۷۰) عبدالحق (راولپنڈی)۔

اس ٹریکٹ کے نکلنے کے بعد ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میاں محمود احمد صاحب جو حضرت مرزا صاحب کی جماعت میں سے ۹۸ یا ۹۹ فیصدی اپنے ساتھ بتاتے تھے کم سے کم سات ہزار اصحاب حضرت مرزا صاحب کی حلفی شہادت پیش کرنے جو حلف اٹھا کر یہ شہادت دیتے کہ انہوں نے نومبر ۱۹۰۱ء میں غلطی کا ازالہ شائع ہونے پر یہ سمجھ لیا تھا کہ آج حضرت مرزا صاحب دعوئے نبوت کرتے ہیں اور آپ کی پہلی تحریریں دربارہ انکار نبوت منسوخ ہیں۔ سات ہزار نہ سہی تو سات سو۔ اس قدر بھی نہ سہی تو ستر ہی آدمیوں کی شہادت حلفی پیش کرتے جنہوں نے ۱۹۰۱ء سے پہلے کی بیعت کی ہوتی۔ اور جو نہایت صفائی سے یہ گواہی دیتے کہ ۱۹۰۱ء میں ایک غلطی کا ازالہ نکلنے پر ہم نے سمجھ لیا تھا کہ حضرت صاحب نے اپنا دعوے

تبدیل کر لیا ہے اور نبوت کے مدعی ہو گئے ہیں اور سابقہ تحریریں در بارۂ انکار نبوت منسوخ ہو گئی ہیں مگر اس اشتہار کو شائع ہوئے کئی سال گزر چکے ہیں اور بار بار اس امر کا مطالبہ کیا گیا لیکن آج تک ایک بھی ایسی شہادت پیش نہیں کی گئی بلکہ نہایت عجلت کے ساتھ میاں محمود احمد صاحب نے اخبار کے ذریعہ اپنے لوگوں کو قسم کھانے سے روک دیا۔ کیونکہ اس سے قلعی کھلتی تھی۔ پس اس عقیدہ کے بطلان پر یہ بیّن شہادت ہے کہ ایک آدمی بھی ایسا نہیں اُٹھا جس نے سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے حضرت اقدس مرزا صاحب کی بیعت کی ہو اور اُس نے حلفی شہادت دی ہو کہ سنہ ۱۹۰۱ء میں اس غلطی کے ازالہ والے اشتہار کے نکلنے کے وقت میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ آج حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ بدل لیا ہے اور نبوّت کے مدعی بن گئے ہیں۔

حضرت اقدس مرزا صاحب کا اپنا اقرار کہ سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی کتابیں منسوخ نہیں ہیں

اب میں حضرت اقدس مرزا صاحب کی سنہ ۱۹۰۱ء سے بعد کی تحریریں پیش کرتا ہوں جن میں آپ نے اسی دعوے کی تصدیق اور اعادہ فرمایا ہے جو سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی کتابوں میں موجود ہے۔ کتاب تریاق القلوب حضرت مرزا صاحب کی ان کتابوں میں سے ہے جس میں آپ نے نہایت صفائی سے نہ صرف انکار نبوت کیا ہے بلکہ اس میں یہ بھی صفائی سے بتایا ہے کہ آپ کے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس کتاب کے صفحہ ۱۳۰ پر آپ لکھتے ہیں کہ:۔

"ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجّال نہیں ہو سکتا۔"

اور اس کی مزید تشریح حاشیہ میں ایک نوٹ دیکر یوں کرتے ہیں:۔

"یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے کے انکار کرنیوالے کو کافر کہنا یہ صرف اُن نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جسقدر ملہم اور محدّث ہیں گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں اُن کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔"

اب یہ وہ کتاب ہے جس کے خاتمہ پر ۲۵۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء حضرت اقدس مرزا صاحب کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تاریخ موجود ہے۔ اور جس کے سرورق پر ۲۸۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء کی تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ اس میں صاف طور پر وہی دعویٰ موجود ہے جو آپ نے سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے۔ اس کتاب کی زد سے بچنے کے لئے میاں محمود احمد صاحب کے پاس کوئی راستہ نہ تھا سوائے اس کے کہ اس کتاب کو بھی

منسوخ قرار دیدیتے اور یہی انہوں نے کیا۔ اُنہوں نے یہ غل مچایا کہ اگرچہ یہ کتاب اکتوبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی مگر حضرت صاحب نے یہ عبارتیں ۱۹۰۱ء سے کبھی پہلے لکھی تھیں۔ لیکن تمام دنیا کے عقلمندوں کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ سوائے اس کے کہ مصنف کے مرنے کے بعد کوئی تحریر شائع ہو مصنف اسکی صحت کا ذمہ وار تاریخ اشاعت پر ہوتا ہے نہ مسودہ لکھنے کی تاریخ پر۔ اور جب اتنا بڑا اہم معاملہ تھا کہ آپ غیر نبی سے نبی بن گئے تھے۔ اور اپنے دعوے کا انکار کرنیوالوں کو ہی نہیں بلکہ ساری مسلمان دنیا کو کافر قرار دینے لگ گئے تھے جیسا کہ میاں محمود احمد صاحب کا ادعا ہے تو ایک ایسی کتاب کی اشاعت اگر کرتے بھی جو اس تبدیلیٔ دعوے سے پہلے کی لکھی ہوئی تھی۔ تو اُن عبارتوں کی ترمیم اور اصلاح کے بعد کرتے جن میں دعوئے نبوت کا انکار تھا یا اس کے ساتھ کوئی اعلان شائع کرتے کہ اس اثنا میں مجھے سمجھ آگئی ہے کہ میں نبی ہوں اور میرے منکر کافر ہیں اس لئے اس کتاب سے لوگ غلطی نہ کھائیں۔ کس قدر ظلم ہے کہ جس کتاب کو مصنف خود منسوخ قرار نہیں دیتا اور خود اپنی زندگی میں پبلک میں شائع کرتا ہے اسے منسوخ قرار دیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دروازۂ نبوت کھولا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے میاں صاحب موصوف کی اس ناجائز جرأت کا پردہ یوں فاش کیا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی کتاب حقیقۃ الوحی میں جو ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی خود حضرت اقدس مرزا صاحب کی قلم سے تریاق القلوب کتاب کی تصدیق کروا دی جس سے معلوم ہوا کہ وہ کتاب منسوخ نہیں۔ آپ اس کتاب میں نشان ۱۱۸ اس طرح تحریر فرماتے ہیں:-

"۱۱۸ نشان۔ ایک دفعہ میں گورداسپور میں ایک فوجداری مقدمہ کی وجہ سے (جو کرم الدین جہلمی نے میرے اوپر دائر کیا تھا) موجود تھا۔ الہام ہوا۔ یسئلونک عن شانک قل اللّٰہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون۔ یعنی تیری شان کے بارے میں پوچھیں گے کہ تیری کیا شان اور کیا مرتبہ ہے۔ کہہ وہ خدا ہے جس نے مجھے یہ مرتبہ بخشا ہے۔ پھر ان کو لہو و لعب میں چھوڑ دے۔ سو میں نے یہ الہام اپنی اس جماعت کو جو گورداسپور میں میرے ہمراہ تھی جو چالیس آدمی سے کم نہیں ہوں گے سنا دیا جن میں مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے اور خواجہ کمال الدین صاحب بی اے پلیڈر بھی تھے۔ پھر بعد اس کے جب ہم کچہری میں گئے تو فریق ثانی کے وکیل نے مجھ سے یہی سوال کیا کہ آپ کی شان اور آپکا مرتبہ ایسا ہے جیسا کہ تریاق القلوب کتاب میں لکھا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں خدا کے فضل سے یہی مرتبہ ہے۔ اسی نے یہ مرتبہ مجھے عطا کیا ہے۔ تب وہ الہام جو خدا کی طرف سے صبح کے وقت ہوا تھا قریباً عصر کے وقت پورا ہو گیا۔ اور ہماری تمام جماعت کے زیادت ایمان کا باعث ہوا۔"

یہ تھی وہ کتاب جسے جہاں تک حضرت مسیح موعود کی شان اور مرتبہ کا سوال ہے جناب میاں محمود احمد صاحب

نے ایک شوشۂ قلم سے منسوخ قرار دیدیا تھا حالانکہ یہ کتاب سنہ ۱۹۰۱ء کے بعد اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی تھی مقام غور ہے کہ حضرت اقدس کی اس تحریر سے کیا صاف ثابت نہیں کہ آپ نے سنہ ۱۹۰۴ء میں عدالت کے سامنے اپنے حلفی بیان میں اس کتاب کی تصدیق کی۔ اور پھر اس تصدیق کے علاوہ جب سنہ ۱۹۰۷ء میں آپ حقیقۃ الوحی لکھنے بیٹھتے ہیں تو پھر اسی کتاب کی تصدیق کرتے ہیں اور اس میں جو شان اور مرتبہ ہے اس کی تصدیق کرتے ہوئے تمام دنیا میں اُسے شائع فرماتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا شان اور مرتبہ ہے جو کتاب تریاق القلوب میں مذکور ہے اور جس کو الہام الٰہی صحیح قرار دیتا ہے۔ اس کیلئے تریاق القلوب کا وہ حوالہ پڑھو جو ابھی مَیں اُوپر نقل کر آیا ہوں اُسے پڑھنے سے مندرجہ ذیل نتائج صریح طور پر نکلتے ہیں:-

(۱) یہ کہ ملہم اور محدّث ہونے کی حیثیت رکھتے ہوئے گو کتنی ہی جناب الٰہی میں آپ اعلیٰ شان رکھتے ہوں مگر ہیں آپ غیر نبی۔

(۲) یہ کہ آپ کے دعوے کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔

اس بات کے جواب میں میاں محمود احمد صاحب کے حاشیہ نشینوں نے یہ بات پیش کی ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو یاد نہیں رہا ورنہ آپ سے عدالت میں جس کتاب کی نسبت سوال ہوا تھا وہ تحفہ گولڑویہ تھی نہ کہ تریاق القلوب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو خود حضرت مرزا صاحب کی اپنی تحریر میں جب یہ لکھا ہے کہ آپ سے عدالت میں تریاق القلوب کتاب کی نسبت سوال ہوا تو پھر ہمیں زید یا بکر کی باتوں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر ہم بالفرض محال یہ مان بھی لیں کہ عدالت میں آپ سے تحفہ گولڑویہ کی نسبت ہی سوال ہوا تھا تو پھر بھی تو بات وہیں کی وہیں رہی۔ وہ اس طرح کہ سنہ ۱۹۰۷ء میں حقیقۃ الوحی لکھتے وقت اگر آپ تریاق القلوب کو ایک منسوخ کتاب سمجھتے تو آپکے دماغ میں یہ خیال کس طرح آسکتا تھا کہ مَیں نے عدالت میں حلفی بیان دیتے وقت جو کہا تھا کہ میری وہی شان ہے جو اس کتاب میں لکھی ہوئی ہے تو وہ کتاب تریاق القلوب تھی۔ کیا اس سے صاف پتہ نہیں چلتا کہ حقیقۃ الوحی کے لکھنے کے زمانہ میں یعنی سنہ ۱۹۰۷ء میں آپ کے دماغ کے کسی کونہ میں بھی یہ بات نہ تھی کہ تریاق القلوب کوئی منسوخ کتاب ہے۔ اگر منسوخ سمجھتے تھے اور سنہ ۱۹۰۱ء میں دعویٰ تبدیل کر چکے تھے تو دعویٰ تبدیل کرنے کی وجہ سے کسی منسوخ شدہ کتاب کے متعلق حقیقۃ الوحی میں یہ بات لکھ نہیں سکتے تھے کہ ہاں میری ہی شان اور مرتبہ ہے جو اس کتاب میں مَیں نے لکھا ہے۔ کیا انہیں اتنا بڑا اہم واقعہ بھی یاد نہ رہا تھا۔ کہ مَیں سنہ ۱۹۰۱ء میں اپنا دعویٰ بدل چکا ہوں۔ مَیں پہلے نبوت کے مدعی پر لعنتیں بھیجا کرتا تھا اب خود نبوت کا مدعی بنا ہوا ہوں۔ تریاق القلوب میں تو مَیں نبوت کا مدعی نہ تھا اب مدعی بن چکا ہوں اس لئے یہ کیسے ممکن

ہو سکتا ہے کہ میری وہی شان اور مرتبہ ہو جو تریاق القلوب میں لکھا ہوا ہے صاف بات ہے کہ جو شخص کسی وقت اگر دعویٰ بدلے گا اور پہلے سے بالکل الٹ کر دیگا تو وہ اس بارے میں حد درجہ کا محتاط ہوگا کہ مبادا مَیں اپنی شان اور مرتبہ وہ نہ بتلادوں جو میرے تبدیلیٔ دعویٰ سے قبل کا تھا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ آج میاں محمود احمد صاحب سے یا ان کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مرید سے بھی ایسی غلطی نہیں ہو سکتی۔ کسی وقت اُن سے گفتگو کر کے دیکھ لو اور حضرت مرزا صاحب کے انکار نبوت کا کوئی حوالہ پیش کرو۔ وہ فوراً سوال کر دینگے کہ یہ حوالہ سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟ وہ لوگ خواب میں بھی ایسی غلطی نہیں کر سکتے کہ نبوت کے بارے میں وہ سنہ ۱۹۰۱ء سے قبل کے حوالہ کو پیش کر جائیں۔ بلکہ تعجب نہیں کہ قبر میں منکر نکیر سے بھی سوال کر بیٹھیں کہ تم مجھ سے کونسا عقیدہ پوچھتے ہو سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کا یا بعد کا۔ پس اندریں حالت کیا حضرت اقدس مرزا صاحب ہی نعوذ باللہ ایسے غیر محتاط انسان تھے کہ لکھتے وقت آگا پیچھا کچھ نہیں یاد رہتا تھا اور بلا سوچے سمجھے اناپ شناپ لکھتے چلے جاتے تھے۔ مجسٹریٹ کے سامنے جو بیان دیا تھا اس کے متعلق تو حافظہ غلطی کر سکتا ہے لیکن کیا اپنے دعوے کے متعلق بھی حافظہ غلطی کر سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو پھر حضرت مرزا صاحب کے دعاوی پر سے امان ہی اٹھ جاتا ہے۔ پہلے بارہ برس تک بقول میاں محمود احمد صاحب دعوے کی سمجھ نہیں آئی خدا خدا کر کے سنہ ۱۹۰۱ء میں سمجھ آئی تھی تو پھر حافظہ غلطی کرنے لگ گیا کہ سنہ ۱۹۰۶ء میں حقیقۃ الوحی لکھتے وقت سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی کتاب کا حوالہ دے گئے اور جو اس میں شان اور مرتبہ لکھا ہوا تھا اُسے صحیح بتادیا۔ دراصل یہ اتنی بڑی توہین حضرت مرزا صاحب کی ہے جس سے بڑھکر ممکن نہیں۔ بارہ برس تک اپنا دعویٰ ہی نہ سمجھنا۔ پھر دعویٰ ایسا بدلنا کہ جس چیز کے مدعی پر لعنتیں بھیجتے تھے اُسی چیز کے مدعی بن جانا۔ پھر آگے چل کر خود ہی ایسی تحریریں لکھ کر شائع کرنا جو اپنے بدلے ہوئے دعوے کے خلاف پڑتی ہوں کیا ان باتوں کو مان کر حضرت مرزا صاحب کی کوئی پوزیشن باقی رہ جاتی ہے؟ لیکن سچ یہ ہے کہ یہ سب غلط اور آپ پر افترا ہے۔

تحفہ گولڑویہ میں آپکا عقیدہ

مَیں دکھا آیا ہوں کہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء میں آپ نے تریاق القلوب شائع فرمائی جس میں آپ نے اپنے آپ کو رتبہ اور شان میں صاف طور پر ملہم اور محدَّث اور غیر نبی ظاہر فرمایا ہے پھر تریاق القلوب میں جو اپنی شان اور رتبہ تحریر فرمایا تھا اسی کی تصدیق اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں کی جو سنہ ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی جس سے صاف ثابت ہے کہ نہ آپ نے سنہ ۱۹۰۱ء میں کوئی دعویٰ بدلا اور نہ تریاق القلوب کوئی منسوخ شدہ کتاب ہے۔ لیکن چونکہ میاں محمود احمد صاحب کے حاشیہ نشین یہ کہتے ہیں کہ عدالت میں جس کتاب کی نسبت حضرت مرزا صاحب نے بیان دیا تھا وہ کتاب تحفہ گولڑویہ تھی اس لئے تحفہ گولڑویہ میں آپ نے نبوت کے بارے میں جو عقیدہ بیان کیا ہے اُسے بھی یہاں نقل

کر دینا میں ضروری سمجھتا ہوں تاکہ اہل غلو پر حجت تمام ہو جائے اور پتہ لگ جائے کہ اس میں بھی کہیں دعوے کی تبدیلی نظر نہیں آتی۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

قرآن شریف جیسا کہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم اور آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں صریح نبوت کو آنحضرت صلعم پر ختم کر چکا ہے اور صاف لفظوں میں فرما چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں جیسا کہ فرمایا ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ لیکن وہ لوگ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ دنیا میں واپس لاتے ہیں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ بدستور اپنی نبوت کے ساتھ دنیا میں آئیں گے اور برابر ۴۵ برس تک ان پر جبریل علیہ السلام وحی نبوت لیکر نازل ہوتا رہے گا۔ اب بتلاؤ کہ ان کے عقیدہ کے موافق ختم نبوت اور ختم وحی نبوت کہاں باقی رہا۔ بلکہ ماننا پڑا کہ خاتم الانبیا حضرت عیسیٰ ہیں" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۸۳)

"اگر حضرت مسیح سچ مچ زمین پر اتریں گے اور پینتالیس برس تک جبرئیل وحی نبوت لیکر اُن پر نازل ہوتا رہے گا تو کیا ایسے عقیدہ سے دین اسلام باقی رہ جائے گا۔ اور آنحضرت صلعم کی ختم نبوت اور قرآن کی ختم وحی نبوت پر کوئی داغ نہیں لگے گا" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۸۴)

تحفہ گولڑویہ کے ان حوالوں سے مندرجہ ذیل نتائج صاف ظاہر ہیں:۔

(۱) آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں قرآن شریف نبوت کو صریح طور پر آنحضرت صلعم پر ختم کر چکا۔

(۲) اس لئے اب اگر کوئی شخص آجائے جو مدعیٔ نبوت ہو اور جس پر وحیٔ نبوت نازل ہوتی ہو تو نہ آنحضرت صلعم کی ختم نبوت باقی رہتی ہے اور نہ قرآن شریف کی ختم وحی نبوت کا کچھ باقی رہتا ہے۔ پس ایسے عقیدہ سے دین اسلام کا کچھ بھی باقی نہیں رہ جاتا۔

(۳) لہٰذا حضرت مرزا صاحب جو اس اصول کو تحریر کر رہے ہیں نہ مدعیٔ نبوت ہو سکتے ہیں اور نہ وحی نبوت آپ پر نازل ہوتی تھی۔

یہی عقیدہ آپ نے سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے بھی تحریر فرمایا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"اُن پر واضح رہے ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت جو زیر سایہ نبوت محمدیہ اور بہ اتباع آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء اللہ کو ملتی ہے اس کے ہم قائل ہیں۔ اور اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگاوے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑتا ہے ..... غرض جبکہ نبوت کا دعویٰ اس طرف بھی نہیں صرف ولایت اور مجددیت کا دعویٰ ہے" (اشتہار اپریل ۱۸۹۷ء بجواب مولوی غلام دستگیر قصوری)

اس کے علاوہ چار حوالے ۱۹۰۱ء کے بعد کے میں اور پیش کر کے دکھاتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب کا اخیر وقت تک نبوت کے متعلق ایک ہی عقیدہ رہا۔ ۱۹۰۱ء میں دعوے کی تبدیلی کا الزام محض افترا اور بہتان ہے۔

(۱) مواہب الرحمان — کتاب مواہب الرحمن میں جو ۱۹۰۱ء کے بعد ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔ آپ عربی زبان میں نبذ من عقائدنا کے عنوان کے نیچے ذیل کی عبارت لکھتے ہیں جس میں آپ یہ بتلاتے ہیں کہ اس امت میں اولیا کو نبوت کے رنگ سے رنگین کیا جاتا ہے مگر وہ فی الحقیقت نبی نہیں ہوتے۔ کیونکہ قرآن نے شریعت کو کامل کر دیا ہے اور اس میں کمی یا بیشی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی اس لئے اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔ ظاہر ہے کہ تکمیل شریعت جیسا کہ دوسرے اولیا کے نبی ہونے سے مانع ہے ویسے ہی حضرت مرزا صاحب کے نبی ہونے سے بھی مانع ہے۔ پس یہ ۱۹۰۱ء کے بعد کی یقینی اور قطعی اور واضح شہادت ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کے قائل نہ تھے۔ فرماتے ہیں:۔

"انا مسلمون نؤمن بکتاب اللہ الفرقان ونؤمن بان سیدنا محمدًا نبیہ ورسولہ وانہ جاء بخیر الادیان۔ ونؤمن بانہ خاتم الانبیاء لا نبی بعدہ الا الذی رُبّی من فیضہ واظہرہ وعدہ۔ وللہ مکالمات ومخاطبات مع اولیائہ فی ہذہ الامۃ وانہم یعطون صبغۃ الانبیاء ولیسوا نبیین فی الحقیقۃ فان القرآن اکمل وطر الشریعۃ ولا یعطون الا فہم القرآن ولا یزیدون علیہ ولا ینقصون منہ ومن زاد او انقص فاولئک من الشیاطین الفجرۃ" (مواہب الرحمن صفحہ ۶۶ و ۶۷)

ترجمہ:۔ ہم مسلمان ہیں۔ خدا کی کتاب قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نبی اور رسول ہیں۔ اور ان کا دین سب دینوں سے افضل ہے۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ وہ خاتم الانبیا ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں مگر وہ شخص جس نے ان کے فیض سے پرورش پائی ہو اور ان کے وعدے کے موافق ظاہر ہوا ہو۔ اور خدا کلام اور خطاب کرتا ہے اس اُمت کے ولیوں کے ساتھ اور ان کو انبیا کا رنگ دیا جاتا ہے۔ اور وہ حقیقت میں نبی نہیں ہوتے کیونکہ قرآن کریم نے شریعت کی تمام حاجتوں کو مکمل کر دیا ہے۔ ان کو سوائے فہم قرآن شریف کے کچھ نہیں دیا جاتا۔ وہ نہ زیادہ کرتے ہیں اور نہ کم کر سکتے ہیں قرآن شریف میں سے کچھ۔ اور جو شخص قرآن شریف میں سے کچھ کم و بیش کرے وہ شیطان اور بدکاروں میں سے ہے۔"

(۲) حقیقۃ الوحی — حقیقۃ الوحی حضرت مرزا صاحب کی سب سے آخری کتابوں میں سے ہے جو ۱۹۰۷ء

میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے ساتھ ایک ضمیمہ بھی استفتا کے نام سے آپ نے شائع فرمایا تھا۔ اس میں نہایت صفائی سے انقطاع نبوّت ورسالت اپنا عقیدہ بیان کر کے بتایا ہے کہ آپ کے لئے جو الفاظ نبی یا رسول کے آپکے الہامات میں یا پیشگوئیوں میں آئے ہیں تو ان سے مراد محض مجاز ہے نہ کہ حقیقت۔ فرماتے ہیں:-

"والنّبوۃ قد انقطعت بعد نبیّنا صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ولا کتاب بعد الفرقان الذی ھو خیر الصّحف السّابقۃ ولا شریعۃ بعد الشریعۃ المحمدیّہ۔ بیدانی سمّیت نبیًّا علیٰ لسان خیر البریّہ وذٰلک امر ظلّی من برکات المتابعۃ وما اری فی نفسی خیرًا وجدت کلّما وجدت من ھٰذہ النّفس المقدّسۃ وما عنی اللّٰہ من نبوّتی الّا کثرۃ المکالمۃ والمخاطبۃ ولعنۃ اللّٰہ علیٰ من اراد فوق ذٰلک اوحسب نفسہ شیئًا اواخرج عنقہ من الربقۃ النّبویّۃ۔ وانّ رسولنا خاتم النّبیین وعلیہ انقطعت سلسلۃ المرسلین فلیس حق احدٍ ان یدعی النّبوۃ بعد رسولنا المصطفٰے علی الطریقۃ المستقلۃ وما بقی بعدہٗ الا کثرۃ المکالمۃ وھو بشرط الاتباع لا بغیر متابعۃ خیر البریّۃ وواللّٰہ ما حصل لی ھٰذا المقام الا من انوار اتباع الاشعۃ المصطفویّۃ وسُمّیت نبیًّا من اللّٰہ علیٰ طریق المجاز لا علیٰ وجہ الحقیقۃ (ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۴ تا ص ۶۵)

ترجمہ:- اور نبوت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر منقطع ہو چکی ہے۔ اور بعد قرآن شریف کے جو تمام کتب سابقہ سے افضل ہے کوئی کتاب نہیں۔ اور نہ شریعت محمدیہ کے بعد کوئی شریعت۔ ہاں حضرت خیر البریۃ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے میرا نام نبی رکھا گیا ہے اور یہ آپ کی متابعت کی برکت سے ایک ظلّی امر ہے اور مَیں اپنے نفس میں کوئی خوبی نہیں دیکھتا۔ اور جو کچھ مَیں نے پایا ہے آپ ہی کی قوت قدسی سے پایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک میری نبوت سے مراد سوائے کثرت مکالمہ ومخاطبہ کے اور کچھ نہیں۔ اور اُس پر خدا کی لعنت ہو جس نے اس سے زیادہ دعوے کیا یا اپنے نفس کو کچھ چیز سمجھا یا نبوّت محمدیہ کے جوئے کے تلے سے گردن ہٹالی۔ اور تحقیق ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں اور آپ پر رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ پس کسی کا حق نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل نبوت کا دعویٰ کرے اور آپ کے بعد کثرت مکالمہ مخاطبہ کے سوا اور کچھ باقی نہیں اور وہ بھی آپ کی متابعت سے۔ نہ کہ آپ کی متابعت کے بغیر۔ اور خدا کی قسم جو کچھ مَیں نے حاصل کیا ہے آپ کی اتباع کے انوار سے ہی حاصل کیا ہے اور اللہ کی طرف سے میرا نام

مجازی طور پر نبی رکھا گیا ہے نہ کہ حقیقت کے طور پر"

اس حوالہ سے صاف ثابت ہوُا کہ:۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر نبوت و رسالت کا سلسلہ منقطع ہے۔

(۲) مسیح موعود کی نسبت جو آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے نبی کا لفظ نکلا وہ ظلی طور پر ایک فیضان نبوّت ہے جس سے مراد کثرت مکالمہ مخاطبہ ہے۔

(۳) ظلی نبوت جس سے مراد کثرت مکالمہ مخاطبہ ہے وہ اصطلاح اسلام میں نبوت نہیں کہلاتی البتہ وہ نبوت تامہ کاملہ کا ایک جزو ہے۔ جیسا کہ اس حوالہ میں آپ فرماتے ہیں کہ ما بقی بعدہٗ الّا کثرۃ المکالمۃ۔ یعنی اس کے بعد سوائے کثرت مکالمہ کے کچھ باقی نہیں رہا۔ اب اگر کثرت مکالمہ مخاطبہ ہی نبوت ہو تو یہ کہنا کہ نبوت کے بعد کچھ باقی نہیں مگر کثرت مکالمہ مخاطبہ ایک بےمعنی بات ہوگی کیونکہ پھر اس کے معنے تو یہ ہوں گے کہ نبوّت کے بعد کچھ باقی نہیں رہا مگر نبوت جو ایک مہمل بات ہے۔

(۴) پس جو شخص اس جزوی نبوت یعنی کثرت مکالمہ مخاطبہ کو پاتا ہے اُس پر نبی کا لفظ جو بولا جاتا ہے تو وہ مجاز کے طور پر بولا جاتا ہے نہ کہ حقیقت کے طور پر۔

(۵) خاتم النبیّین کے بعد نبی کے لفظ سے کثرت مکالمہ مخاطبہ سے بڑھ کر کچھ اور مراد لینے والا خدا کی لعنت کا مورد ہے۔

۳ اسی کتاب حقیقۃ الوحی کا ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو۔ تتمہ حقیقۃ الوحی میں صفحہ ۶۷ و ۶۸ پر حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور یہ کہنا کہ نبوت کا دعویٰ کیا ہے کس قدر جہالت۔ کس قدر حماقت کس قدر حق سے خروج ہے۔ اے نادانو! میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی"

اس حوالہ سے کیا صاف طور پر یہ نتائج نہیں نکلتے؟:۔

(۱) نبوّت سے آپ کی مراد فقط کثرت مکالمہ مخاطبہ ہے۔ اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

(۲) مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کے سب اہل سنت مسلمان محققین قائل ہیں پس یہ محض نزاع لفظی ہوئی۔

(۳) اس قسم کی نبوت یعنی کثرت مکالمہ مخاطبہ پانے کا دعویٰ کرنیوالے کو مدعیٔ نبوت کہنا "جہالت" "حماقت"

اور حق سے خروج ہے"

۴ پھر اسی کتاب حقیقۃ الوحی میں سے حضرت مرزا صاحب کے قلم کا ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو:۔

"صرف اس خدا نے خبر دی جس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب نبیوں کے آخر میں بھیجا تا تمام قوموں کو آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع کرے" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۴۴)

ان تمام تحریروں کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی قوم ضد کو نہ چھوڑے اور اتنی کچھ وضاحت کے باوجود بھی حضرت مرزا صاحب کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرے تو حضرت اقدس مرزا صاحب کے ہی الفاظ میں میں یہ کہتا ہوں کہ اس شخص کا یہ فعل "کسقدر جہالت کس قدر حماقت اور کسقدر حق سے خروج ہے"

حضرت مرزا صاحب کا عقیدہ ختم نبوت کا آپ کی وحی پر مبنی تھا

میں آخر میں حضرت مرزا صاحب کی کتاب منن الرحمٰن کا ایک حوالہ نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ کتاب کچھ شک نہیں کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی لکھی ہے لیکن شائع آپ کی وفات کے بعد ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اس میں آپکا عقیدہ درج ہوا ہے آپکے مریدوں اور آپ کی جانشین صدر انجمن قادیان نے منسوخ نہیں سمجھا اور اُسے منسوخ سمجھا بھی نہیں جا سکتا کیونکہ جو عقیدہ اس میں درج ہے اُسے حضرت مرزا صاحب خدا کی وحی قرار دیتے ہیں۔ اور خدائی وحی کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ خدا کو بھی نبوت کے متعلق غلطی لگ گئی۔ حضرت مرزا صاحب صفحہ نمبر ۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اُوحی الیّ ان الدین ھو الاسلام وان الرسول ھو المصطفٰی السید الامام رسولٌ اُمیٌّ امین۔ فکما ان ربنا احدٌ یستحق العبادۃ وحدہٗ فکذٰلک رسولنا المطاع واحدٌ لا نبی بعدہٗ ولا شریک معہٗ وانّہٗ خاتم النبیین ٥۔

ترجمہ۔ اور میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بیشک سچا دین فقط اسلام ہی ہے اور بیشک رسول وہی مصطفٰے تمام دنیا کے لوگوں کا سردار ہے جو رسول ہے۔ اُمی ہے اور امین ہے۔ پس جس طرح ہمارا رب ایک ہے جو اکیلا عبادت کا مستحق ہے اسی طرح ہمارا رسول بھی جو ہمارا مطاع ہے ایک ہی ہے۔ اس کے بعد کوئی نبی نہیں نہ اس کے ساتھ کوئی شریک ہے اور بے شک وہ نبیوں کو ختم کرنے والا ہے"

وحدت خلقی پر ایک نکتۂ لطیف

۱۳۔ نومبر ۱۹۰۱ء کو سلسلۂ کلام روح سے شروع ہوا۔ اسی گفتگو کے سلسلہ میں فرمایا:۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک چیز میں خدا نے ایک برزخ رکھا ہوا ہے۔ نباتات اور حیوانات کے درمیان وہ نباتات جن میں حس و شعور ہے وہ برزخ ہیں۔ اسی طرح حیوانات اور انسان کے درمیان

وہ حیوانات برزخ ہیں جو بہت بڑا حصہ انسانی عقول کا رکھتے ہیں۔ اسی برزخ کے نہ سمجھنے سے بعض کو یہ دھوکا لگا ہے کہ انسان بندر سے ترقی کر کے انسان بنا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔
یہ تمام برزخ جو مخلوقات میں موجود ہیں وہ وحدت خلقی کی دلیل ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک دلیل ہیں اور افسوس ہے کہ نا واقف اور نا اہل اس سے کوئی لطف نہیں اٹھا سکتے۔
...... اسی طرح پر انسان اور خدا کے درمیان بھی ایک برزخ ہے اور وہ تجلّیات ہیں چنانچہ اس مقام اور مرتبہ کی طرف خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علو مرتبہ کا بیان ہے کیونکہ یہ مرتبہ اس انسان کامل کو مل سکتا ہے جو عبودیت اور الوہیت کی دونوں قوسوں کے درمیان ہو کر ایسا شدید اور قوی تعلق پکڑتا ہے گویا ان دونو کا عین ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو درمیان سے اٹھا کر ایک مصفا آئینہ کا حکم پیدا کر لیتا ہے اور اس تعلق کی دو جہتیں ہوتی ہیں۔ ایک جہت سے یعنی اوپر کی طرف سے وہ تمام انوار و فیوض الٰہیہ کو جذب کرتا ہے اور دوسری طرف سے وہ تمام فیوض بنی نوع کو حسب استعداد پہنچاتا ہے۔ پس ایک تعلق اس کا الوہیت سے ہوتا ہے اور دوسرا بنی نوع سے جیسا کہ اس آیت میں صاف معلوم ہوتا ہے یعنی پھر نزدیک ہوا یعنی اللہ تعالیٰ سے۔ پھر نیچے کی طرف اُترا یعنی مخلوق کی طرف (یعنی مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کیلئے نزول کیا) پس وہ ان تعلقات قرب کے مراتب تام کی وجہ سے دو قوسوں کے وتر کی طرح ہو گیا بلکہ قوس الوہیت و عبودیت کی طرف اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا چونکہ دنوّ قرب سے ابلغ تر ہے اس لئے خدا نے اس لفظ کو استعمال کیا۔ اور یہی نقطہ جو برزخ بین اللہ و بین الخلق ہے نفسی نقطہ سیّدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے لیتے اور بنی نوع کو پہنچاتے ہیں اس لئے آپ کا نام قاسم بھی ہے۔" (الحکم ۱۷۔ نومبر ۱۹۰۱ء)

مسٹر ڈکسن سیّاح انگلستان کا ورود قادیان میں

۱۷۔ نومبر ۱۹۰۱ء کو ایک انگریز مسٹر ڈی۔ ڈی۔ ڈکسن نامی جو عرب اور کربلا کی سیاحت کرتا ہوا ہندوستان آیا تھا قادیان میں وارد ہوا اور اچانک حضرت اقدس کی مجلس میں السلام علیکم کہہ کر آ موجود ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انگلستان کا رہنے والا ہے۔ سیاح ہے اور کسی خاص مذہب کا پابند نہیں۔ آزاد خیال ہے حضرت اقدس اس سے کچھ دیر گفتگو فرماتے رہے اور اُسے قادیان میں کچھ عرصہ ٹھہرنے کیلئے فرمایا۔ مگر وہ دوسرے ہی دن چلا جانا چاہتا تھا۔ آپ نے اس کے کھانے پینے کے سامان کے لئے

مسیح اللہ خانساماں کو متعین کیا اور گول کمرہ میں ٹھیرایا۔ مسٹر ڈکسن مولوی محمد علی صاحب کی رہبری میں اور چند احباب کے ساتھ مدرسہ کے مختلف کمروں میں گئے۔ اور پھر لائبریری میں جاکر ناٹووچ روسی کی کتاب "مسیح کی نامعلوم زندگی کے حالات" کو دیکھ کر اس کتاب کو پڑھنے کی خواہش ظاہر کی جو ان کو فی الفور نکال کر دی گئی۔ اس کے بعد گول کمرہ میں آن کر قیام کیا۔ مختلف اوقات میں مولوی محمد علی صاحب۔ مفتی محمد صادق صاحب اور دیگر احباب سے مختلف موضوع پر گفتگو ہوتی رہی خصوصیت کے ساتھ مسیح کی قبر کا کشمیر میں ہونا اور عربی زبان کا ام الالسنہ ہونا اور دوسرے مسلمانوں کی نسبت احمدی قوم کے خاص طور پر اخلاق اور روحانی ترقی میں ممتاز ہونے کا ذکر ہوتا رہا جس کا اس نے خود بھی اعتراف کیا اور یہ دیکھ کر اسے تعجب ہوا کہ کیونکہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں جہاں کسی قسم کی دلچسپی کا سامان نہیں ایک شخص ہر قسم کے اہل کمال اور زیرک انسان اپنے گرد جمع رکھتا ہے۔ جب وہ سنتا کہ ہر قسم کے عالم اور عربی۔ عبرانی فارسی۔ انگریزی ہر قسم کی زبان جاننے والے اور طرح طرح کے ماہر علوم یہاں ہیں تو اس کے دل پر ایک خاص اثر ہوتا۔ مسیح کی قبر کشمیر کے ذکر کے اثنا میں اس نے بتایا کہ کشمیر میں مَیں نے ایک سکّہ دیکھا ہے جس پر لکھا تھا کہ میں شہنشاہ اور نجات دہندہ ہوں۔ اور اس نے یہ بھی کہا کہ کشمیر کے ایک پنڈت نے مجھے کہا کہ میرے پاس سنسکرت زبان میں ایک کتاب ہے جس میں مسیح کے حالات لکھے ہوئے ہیں۔ مسٹر ڈکسن نے کشمیریوں کے بنی اسرائیل ہونے کے ذکر کے اثنا میں کہا کہ بدھوں کی زبان پالی ہے اور یہودیہ کو پالیسٹائن کہتے ہیں۔ عصر کی نماز کے بعد اس نے حضرت اقدس کے تین فوٹو لئے۔ دو فوٹو آپ کے احباب کے ساتھ لئے اور ایک فوٹو الگ لیا۔

۱۸۔ نومبر کو چونکہ مسٹر ڈکسن کے رخصت ہونے کا وقت تھا۔ اس لئے حضرت اقدس نے صبح کے ۸½ بجے اس سے ملاقات کی اور دیر تک اُسے تبلیغ فرماتے رہے۔

بشیر احمد۔ شریف احمدؔ اور مُبارکہ بیگم کی آمین

حضرت اقدس مرزا صاحب کے صاحبزادے بشیر احمد صاحب اور شریف احمد صاحب اور صاحبزادی مبارکہ بیگم صاحبہ کے ختم قرآن شریف پر۔ ۳۰۔ نومبر ۱۹۰۱ء کو آمین ہوئی۔ مساکین اور یتامیٰ کو کھانا کھلایا گیا۔ اور احباب کی دعوت کی گئی حضرت اقدس نے اس تقریب پر ایک نظم بھی مرتب کی۔ جس کے ہر بند کے آخر میں فسبحان الذی اخزی الاعادی آتا ہے۔

رسالہ ریویو آف ریلیجنز کا اجرا

زبان انگریزی و اُردو میں

اجرائے رسالہ — آخر مولوی محمد علی صاحب کو جس خاص مقصد کیلئے قادیان میں ٹھیرایا گیا تھا۔ اس کے پورا ہونے کا وقت آگیا یعنی جنوری ۱۹۰۲ء سے ایک انگریزی رسالہ ریویو آف ریلیجنز جس کے معنے ہیں "دنیا کے مذاہب پر ایک نظر" قادیان سے مولوی محمد علی صاحب کی ایڈیٹری میں شائع ہونے لگا۔ اور ساتھ ہی اس کا ترجمہ ایک اُردو رسالہ کی شکل میں بھی نکلنے لگا۔ اس رسالہ کا مقصد کوئی مالی منفعت نہ تھا بلکہ محض حفاظت و اشاعت اسلام مدنظر تھی۔ ہر مہینے کی ۲۰ تاریخ کو یہ رسالہ شائع ہوتا تھا۔ ابتدا میں تو اکثر حضرت اقدس مرزا صاحب کے مضامین ہوا کرتے تھے جن کا انگریزی ترجمہ مولانا محمد علی صاحب کر کے شائع کیا کرتے تھے۔ اور مولوی صاحب خود بھی کچھ مضامین لکھا کرتے تھے لیکن بعد میں مولوی محمد علی صاحب کے اپنے مضامین کی تعداد بڑھتی گئی۔ اور آگے چل کر تو قریباً سارا رسالہ ہی مولوی صاحب کی قلم سے نکلنے لگا اور بعض بڑے بڑے معرکۃ الآرا مضامین ان کی قلم سے اس میں شائع ہوئے جو مسلم اور غیر مسلم پبلک میں نہایت مقبول ہوئے۔ چنانچہ ابھی اس رسالہ کو جاری ہوئے سال بھی نہیں گزرا جو دنیا کے چاروں کونوں سے تعریف و تحسین کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ کونٹ ٹالسٹائے مشہور روسی مصنف اور مذہبی سرگروہ نے جو مذہباً عیسائی تھا ایک خط میں جو ۵۔جون ۱۹۰۳ء کا لکھا ہوا تھا تحریر کیا کہ "نمونے کے پرچے میں میں نے دو مضمونوں کو بہت ہی پسند کیا ہے۔ یعنی گناہ سے آزادی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ اور آئندہ زندگی۔ خصوصاً دوسرے مضمون کو۔ جو خیال ان مضامین میں ظاہر کیا گیا ہے وہ نہایت فاضلانہ اور نہایت صحیح ہے" یہ دونوں مضامین حضرت اقدس مرزا صاحب کے تھے اسی طرح فارقلیط پر جو حضرت اقدس کا مضمون ریویو آف ریلیجنز میں انگریزی میں شائع ہوا۔ اُسے شیخ عبداللہ کوئلیم نے جو انگلستان میں مسلمان انگریز اور کریسنٹ کے ایڈیٹر تھے اپنے رسالہ میں نقل کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

"فارقلیط کے مضمون پر جو مندرجہ ذیل اعلیٰ درجہ کا فاضلانہ مضمون ہم ایک میگزین بنام ریویو آف ریلیجنز سے نقل کرتے ہیں .... ہم امید کرتے ہیں کہ اس مضمون کو ہمارے ناظرین بڑی دلچسپی سے پڑھیں گے۔"

پھر اپنے پرچہ کریسنٹ مؤرخہ ۱۶۔ستمبر سنہ ۱۹۰۲ء میں لکھا کہ :۔

"ریویو آف ریلیجنز کا اگست کا پرچہ دلچسپ مضامین سے بھرا ہوا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے متعلق جو جاہل عیسائی الزام لگایا کرتے ہیں ان کی تردید میں ایک نہایت ہی فاضلانہ مضمون اس میں لکھا گیا ہے جس سے بہتر مضمون آج تک ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ اور ہم پورے زور کے ساتھ اس مضمون کی طرف اپنے ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں"

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اکابر نے اسی طرح پر اظہار آراء کیا جن کا یہاں نقل کرنا موجب طوالت ہے۔

بعض چیدہ مضامین رسالہ

جو اہم مضامین ابتداء میں شائع ہوئے ان میں سے بعض یہ ہیں :۔

"نیکی اور بدی کی کشمکش۔ جہاد اور ابتدائی اسلامی لڑائیاں۔ عیسائی مذہب۔ کفارہ۔ نجات کی اصل حقیقت۔ نجات اور لعنت۔ تثلیث اور توحید۔ صحابہ اور حواریوں کا مقابلہ۔ یسوع اور آنحضرت صلعم کی دعوت کا مقابلہ۔ مسیح اور شراب کا استعمال۔ شراب کی اجازت کا انجیلی اخلاقی تعلیم پر اثر۔ اسلام (یہ حضرت اقدس کا وہ لیکچر تھا جو سنہ ۱۸۹۶ء میں دھرم مہوتسو کے جلسہ پر پڑھا گیا تھا اور سب سے بالا رہا تھا) یسوع کی عصمت پر اعتراض۔ یسوع کی عملی غلطیاں یسوع کی تعلیم کی غلطیاں۔ انجیلی عفو کی حقیقت۔ عصمت انبیاء۔ نجات اور شفاعت کی حقیقی فلاسفی۔ عصمت اور شفاعت میں تعلق۔ قرآن شریف سے ثبوت کہ آنحضرت صلعم انسان کامل تھے۔ ضرورت شفاعت۔ ذنب اور جرم میں فرق۔ تناسخ۔ وحی کے منجانب اللہ ہونے کے نشان۔ قرآن شریف اور انجیل کی دعا کا مقابلہ۔ آریوں اور اسلام کی تعلیم کا مقابلہ۔ نیوگ۔ متعہ۔ طلاق کا موازنہ اور مقابلہ۔ قرآن کریم کی ضرورت۔ عیسائی اور آریہ اور اسلام میں سے کونسا مذہب حقیقی اور زندہ خدا کو پیش کرتا ہے۔ نماز کی حقیقت۔ دعا کی حقیقت اور برکات۔ روح القدس۔ وحی الٰہی کی ضرورت۔ اسلام اور اس ملک کے دوسرے مذاہب۔ وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح مخالفوں کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے بعض بڑے بیش قیمت اور نادر مضامین مولوی محمد علی صاحب کی قلم سے شائع ہوئے جو مبسوط اور مفصل اور معقول اور مدلل ہونے میں لاجواب تھے۔ مثلاً بہشت و دوزخ۔ پردہ۔ کثیر الازدواجی۔ غلامی۔ اسلامی جنگیں۔ مسئلہ وراثت اسلامی۔ سود۔ طلاق۔ جمع قرآن۔ حفاظت احادیث[1] وغیرہ وغیرہ۔

---

[1] جن دنوں ریویو آف ریلیجنز میں حفاظت احادیث پر مولوی محمد علی صاحب کا مضمون نکلا ہے تو اسے پڑھ کر میرا یہ خیال ہوا کہ اس قدر تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ تحقیقات کر کے جو یہ مضمون لکھا ہے تو اس میں حضرت (باقی بر صفحہ ۸۳۳)

اسی طرح پادری سیل نے جو کچھ اسلام کے خلاف لکھا تھا اس کی تردید اس قدر پُرزور دلائل اور پرشوکت سلسلہ مضامین کے ذریعہ کی گئی کہ تمام مسیحی دنیا میں تہلکہ مچ گیا۔

رسالہ کی انگریزی کی فصاحت و بلاغت کا اعتراف

مضامین کی خوبیوں کے علاوہ اس رسالہ کی انگریزی زبان کی فصاحت و بلاغت کا بھی انگریزی پڑھنے اور بولنے والی دنیا نے لوہا مانا۔ یہاں تک کہ بعض انگریزوں کو یہ دھوکا ہوگیا کہ اس رسالہ کا ایڈیٹر کوئی انگریز ہے جو مرزا قادیانی نے اپنے پاس چھپا رکھا ہے اور جو محمد علی کے فرضی نام سے اس رسالہ کی ایڈیٹری کرتا اور انگریزی زبان میں مضامین لکھتا ہے۔ چنانچہ اپریل ۱۹۰۲ء کے ایک انگریزی رسالہ "کلکتہ ریویو" کے ایڈیٹر نے جو ایک انگریز تھا اس رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی نسبت مخالفانہ رنگ میں یہ لکھا کہ:۔

"انگریزی محاورات کی شہادت سے خالص انگریزی محاورے جنکو کوئی اجنبی آدمی استعمال کر ہی نہیں سکتا۔ یہ اظہر من الشمس ہے کہ اس نئے رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ یورپین کی قلم سے نکلتا ہے جو انگریز ہے۔ اور یہ نقشہ جو اب ہمارے سامنے ہے بعینہٖ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے مددگار شامی عیسائی کی جس کو وہ جبرئیل کہتے تھے نقل ہے۔ اس یورپین کو جو پردے کی اوٹ میں چھپا ہوا کام کر رہا ہے ہم یہ نصیحت کرتے ہیں کہ پُرانے جبرئیل (یعنی اس کے اختراع کردہ شامی عیسائی) کے انجام کو خوب سوچ لو۔ اگر اس یورپین کی نیت نیک بھی ہو تب بھی وہ جھوٹے رستہ پر پڑا ہوا ہے۔ اور انجام کار یقیناً اس کو کوئی دکھ اور مصیبت پہنچے گی .... اس لئے ہماری نصیحت اس انگریز کو یہی ہے کہ ابھی وقت ہے اسے ہوشیار ہو جانا چاہئے"۔

(بقیہ صفحہ ۸۳۲) مولانا نورالدین صاحب یا مولانا محمد احسن صاحب امروہی سے مولوی محمد علی صاحب نے ضرور مدد لی ہوگی کیونکہ یہی دونو بزرگ اُس زمانہ میں علم حدیث کے آسمان کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ لیکن ایسا اتفاق ہوا کہ مسجد مبارک کے کوٹھے پر نماز مغرب سے پہلے میں اور مولوی محمد احسن صاحب امروہی بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں حضرت مولانا نورالدین صاحب تشریف لائے ہاتھ میں ریویو آف ریلیجنز تھا آتے ہی بعد سلام علیک کے مولوی محمد احسن صاحب سے پوچھا کہ آپ نے مضمون "حفاظت احادیث" پڑھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں پڑھا۔ اس پر مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ ہم اور آپ ہی لوگ ہی حدیث کا علم رکھتے ہیں۔ لیکن مولوی محمد علی صاحب نے اس شعبہ میں بھی اس کمال کی تحقیقات کی ہے کہ مجھے حیران کر دیا ہے مولوی محمد احسن صاحب نے بھی اس بات کی تصدیق کی۔ مجھے اُس وقت پتہ لگا کہ مولوی محمد علی صاحب کی اس تحقیقات میں ان دونو بزرگوں کا کوئی حصہ نہیں اور سب کچھ مولوی محمد علی صاحب کی اپنی ہی سعی و کوشش اور اپنا ہی علم ہے جس پر اتنے بڑے پایہ کے محدث حیران ہیں۔ (مؤلف)

اس کے جواب میں مولوی محمد علی صاحب نے لکھا کہ ایڈیٹر کلکتہ ریویو کی نصیحت کا شکریہ ہے۔ مگر یہ عیسائیوں کی بدقسمتی ہے جو وہ ہمیشہ سے راستبازوں پر اسی قسم کی بدظنی اور افتراپردازی کرتے چلے آئے ہیں اور ابھی تک باز نہیں آئے۔ ہمارے سید و آقا محمد رسول اللہ صلعم پر تو یہ بدظنی اور افتراپردازی کی کہ نعوذ باللہ آپ نے ایک شامی عیسائی چھپا رکھا ہے جو قرآن بنا کر دیتا ہے اور اس کا نام جبرئیل رکھا ہؤا ہے۔ اور آج ان کے غلام حضرت مرزا غلام احمد صاحب پر یہ افتراپردازی کر رہے ہیں کہ انہوں نے قادیان میں کوئی انگریز چھپا رکھا ہے جو انگریزی میں مضامین لکھ کر دیتا ہے اور نام محمد علی رکھا ہؤا ہے۔ چاہیئے کہ وہ یہاں آ کر دیکھ لے اور تسلی کرے اور جب اپنی غلطی معلوم ہو تو نہ صرف اس بدگمانی اور افتراپردازی سے توبہ کرے جو ہمارے متعلق ہے بلکہ اسی پر قیاس کر کے اس بدگمانی اور افتراپردازی سے بھی توبہ کرے جو آنحضرت صلعم کے متعلق اس نے اور اس کے ہم خیال عیسائیوں نے ناحق بلاوجہ کر رکھی ہے۔ اس قسم کی فرضی بدگمانیاں اور افتراپردازیاں محققین اور راستبازوں کا شیوہ نہیں ہؤا کرتا۔

رسالہ کا اثر الغرض ریویو آف ریلیجنز پہلا ماہوار رسالہ تھا جس نے اس زور شور اور فصاحت و بلاغت سے انگریزی زبان میں اسلام کو پیش کیا اور دلائل قاطع اور براہین ساطع سے اسلام کا غلبہ تمام ادیان پر ثابت کر کے دکھایا کہ مسلم اور غیر مسلم اہل علم اور صاحب فہم طبقہ حیرت سے انگشت بدنداں رہ گیا۔ سینکڑوں انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو جو پادریوں اور دہریوں کے زیر اثر تھے دوبارہ اسلام اور ایمان نصیب ہؤا۔ پادریوں کے گھروں میں ماتم پڑ گیا۔ کیونکہ جو مذہب سب سے زیادہ اس رسالہ کی آسمانی قلم[1] کا نشانہ تھا وہ عیسائی مذہب تھا۔ پادریوں نے بہت کچھ حرکات مذبوحی کیں مگر کچھ بنا نہ سکے۔ اور اب اسلام کا تمام ادیان پر غلبہ ایک حقیقت

---

[1] میں نے آسمانی قلم کا استعارہ اس لئے استعمال کیا کہ حضرت مولوی محمد علی صاحب کے بارے میں حضرت اقدس نے ایک رویا دیکھی تھی۔ ۱۰ نومبر ۱۹۰۶ء کو ایک رویا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "پھر میں نے دیکھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم آئے ہیں ان کے ساتھ میں نے مصافحہ کیا اور السلام علیکم کہا۔ مولوی صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر مجھے بطور تحفہ دی اور کہا کہ شپ جو پادریوں کا افسر ہے وہ بھی اسی سے کام چلاتا ہے۔ وہ چیز اس طرح سے ہے جیسا کہ خرگوش ہوتا ہے۔ بادامی رنگ۔ اسکے آگے ایک بڑی نالی لگی ہوئی ہے اور نالی کے آگے قلم لگا ہؤا ہے۔ اس نالی کے اندر ہوا بھر جاتی ہے جس سے وہ قلم بغیر محنت کے بآسانی چلنے لگتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے تو یہ قلم نہیں منگوایا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہوگا۔ میں نے کہا کہ اچھا میں مولوی صاحب کو دے دوں گا۔ اس کے بعد بیداری ہو گئی۔"

یہ رویا ظاہر کرتی ہے کہ رب کریم کی طرف سے حضرت اقدس مرزا صاحب کے فیضان سے مولانا محمد علی صاحب کو جو قلم عطا ہؤا ہے وہ ایک آسمانی تحفہ ہے جو نفخ روح کی وجہ سے اسلام کی تائید اور یورپ کی مسیحیت اور مادہ پرستی کی تردید میں نہایت آسانی سے چلتا ہے۔ چونکہ مہدی کی نسبت سلطان القلم کا خطاب آثار میں موجود ہے اس لئے اس میں کچھ شک باقی نہیں رہ جاتا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب مہدی معہود کا ورثہ علم اور قلم کا مولانا محمد علی صاحب کو ملا وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔ (مؤلف)

بن کر سامنے نظر آنے لگا۔ خود انگریزوں پر اس رسالہ کا اثر ایسا بیّن پڑا تھا کہ اس سلسلہ میں اگر دو دلچسپ واقعات کا ذکر کر دوں تو نامناسب نہ ہوگا۔ ایک تو یہ کہ ضلع سرگودھا پنجاب کے ایک زمیندار چودھری حاکم علی صاحب نے جو احمدی تھے انگریزی رسالہ ریویو آف ریلیجنز مسٹر میلکم ہیلی کے نام مفت جاری کروا دیا جو مہتمم آبادی ضلع سرگودھا تھے (یہی ہیلی صاحب بعد میں سر میلکم ہیلی کے نام سے گورنر پنجاب بنے اور بعد میں گورنر یو۔پی۔ بھی ہو گئے تھے) رسالہ کے جاری ہونے کے کچھ عرصہ کے بعد چودھری صاحب موصوف ہیلی صاحب سے ملے تو صاحب بہادر نے کہا کہ تم نے یہ رسالہ جاری کروا کے مجھے تکلیف میں ڈال دیا۔ چودھری صاحب نے پوچھا کہ وہ کیونکر۔ صاحب بہادر نے فرمایا کہ:۔

"جب میں اس کو پڑھتا ہوں تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے اور اس فکر میں مجھے راتوں نیند نہیں آتی"

اسی طرح کا دوسرا واقعہ فقیر افتخار الدین صاحب نائب مہتمم بندوبست راولپنڈی نے خاکسار مؤلف کو سنایا تھا کسی معزز انگریز افسر کے نام یہ رسالہ مفت آتا تھا۔ اس نے ایک دن فقیر صاحب سے کہا کہ آپ اس رسالہ کو کیا بند نہیں کروا سکتے؟ انہوں نے وجہ پوچھی تو کہا کہ:۔

"جب یہ رسالہ آتا ہے تو پڑھے بغیر رہا بھی نہیں جاتا۔ اور جب پڑھتا ہوں تو راتوں کی نیند اُڑ جاتی ہے اور میں ڈرتا رہتا ہوں کہ میں ایک دینِ حق نہ قبول کرنیکی وجہ سے خدا کا مجرم ہوں"

انگریزی ریویو آف ریلیجنز کے متعلق ایچ۔ اے۔ والٹر ایک بڑے مخالف انگریز کی رائے سنو وہ لکھتا ہے:۔

"مرزا غلام احمد کا ایک بہت قابل مرید مولوی محمد علی ایم۔ اے اس رسالہ ریویو آف ریلیجنز کا ایڈیٹر ہے۔ اور کبھی اس کا مددگار خواجہ کمال الدین بھی تھا...... یہ اخبار ریویو آف ریلیجنز اسم بامسمّٰی ہے کیونکہ اس میں جملہ مذاہبِ عالم سناتن دھرم۔ آریہ سماج۔ برہمو سماج اور تھیا سوفسٹ۔ سکھ۔ بدھ جینی۔ زرتشتی۔ بہائی۔ مسیحی سائنس اور مسیحی مذہب غرضیکہ سب پر بحثیں ہوتی رہتی ہیں اور اسلام اور اس کے تمام مختلف پرانے اور نئے فرقوں پر مثلاً شیعہ۔ اہل حدیث۔ خوارج۔ صوفیا اور موجودہ زمانہ کے فلسفیوں مثلاً سر سید احمد خاں اور سید امیر علی کے خیالات پر بحثیں اور تنقید ہوتی رہتی ہے"

مولوی انشاء اللہ ایڈیٹر اخبار وطن کی درخواست

اگرچہ یہ رسالہ عام اسلامی مضامین پر مشتمل ہوا کرتا تھا تاہم اس میں بعض ایسے مضامین بھی شائع ہوتے تھے جن میں حضرت اقدس مرزا صاحب کے دعوئے مسیحیت کا بھی ذکر ہوتا تھا۔ اور یہ بعض غیر از جماعت لوگوں کو گراں گزرتا تھا۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء کا آغاز تھا اور ابھی اس رسالہ کو نکلتے تین سال ہی گزرے تھے جو اس کی علمی اور مذہبی خدمات کو دیکھ کر مولوی انشاء اللہ خاں صاحب

ایڈیٹر وطن نے اپنے اخبار میں لکھا کہ "یہ رسالہ بڑے پایہ کا رسالہ ہے اس کی تحقیقات اسلام کے متعلق ایسی ہی فلسفیانہ اور عمیق ہوتی ہے جیسی کہ اس زمانہ میں درکار ہے"۔ اور خود ہی مولوی محمد علی صاحب کو تحریک کی کہ "اگر آپ سلسلۂ احمدیہ کا ذکر ریویو میں نہ کریں تو مَیں خود بھی مدد دوں گا اور اخبار کے ذریعہ اوروں سے بھی مدد دلاؤں گا۔ اور اسے کثیر تعداد میں غیر ممالک میں بھیجنے کے لئے ہم چندہ جمع کریں گے"۔ مولوی محمد علی صاحب کی غیرت نے اس بات کو گوارا نہ کیا اور صاف جواب دیدیا کہ اس سلسلہ کا تذکرہ خود اسلام کی حمایت ہے۔ اور مَیں کسی ایسے شخص سے جو سلسلہ سے بغض رکھتا ہے ایک پیسہ بھی نہیں لینا چاہتا۔ اس کے جواب میں ایڈیٹر وطن نے پھر اصرار کیا کہ ضرور کوئی تجویز مصالحت کی کی جائے۔ یہ خط وکتابت جاری تھی کہ اسی اثنا میں خواجہ کمال الدین صاحب قادیان آئے۔ انہیں اشاعت اسلام کی تجاویز سوچنے میں نہایت شغف تھا۔ انہوں نے یہ تجویز نکالی کہ ریویو آف ریلیجنز رسالہ کے دو حصے کر دیئے جائیں۔ ایک حصہ میں محض اسلام پر مضامین ہوں اور حضرت اقدس کے دعاوی کا ذکر نہ ہو۔ اور اسی پر غیر احمدیوں کا چندہ صرف کیا جائے۔ اور دوسرے حصہ میں حضرت اقدس کے دعاوی کا تذکرہ ہو۔ اور یہ حصہ بطور ضمیمہ کے رسالہ کے ساتھ شائع ہو۔ ان کا خیال یہ تھا کہ جس قدر اس رسالہ کی اشاعت ہندوستان میں اور ممالک غیر میں بڑھے گی اتنا ہی اسلام کی حقانیت زیادہ پھیلے گی اور لوگوں کو نفع پہنچے گا۔ خواجہ صاحب نے یہ تجویز حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔ اور عرض کیا کہ اس طرح ایک تو رسالہ کی اشاعت زیادہ تعداد میں ہوگی اور اس کی منفعت کا دائرہ بہت وسیع ہو جائیگا اور دوسرے لوگ رسالہ کو پڑھ کر ہمارے سلسلہ سے قریب تر ہو جائیں گے۔ ان کے دلوں میں رفتہ رفتہ تعصبات کم ہوتے جائیں گے۔ اور امید ہے کہ ہماری خدمات اسلامی دیکھ کر رفتہ رفتہ ہمارے سلسلہ میں شامل ہو جائیں۔ حضرت اقدس نے منظوری دیدی۔ اس باہمی سمجھوتے کے بعد مولوی انشاء اللہ خاں صاحب نے اپنے اخبار وطن میں اس رسالہ کی بہت تعریف لکھی اور تمام مسلمانوں کو اُبھارا کہ اس رسالہ کے خریدار بنیں اور بہت بڑی تعداد میں اسے یورپ اور امریکہ اور جاپان میں مفت اشاعت کے لئے بھجوائیں لیکن مولوی صاحب کے اس مضمون پر خریدار تو ایک دو ہی بنے۔ البتہ غیر احمدی مولویوں نے شور مچا دیا کہ مولوی انشاء اللہ ایڈیٹر وطن مرزائی ہو گیا ہے اور آپس میں مل ملا کر اس نے اور مرزائیوں نے روپیہ بٹورنے اور کھانے اڑانے کا ڈھونگ رچایا ہے۔ بعض نے یہاں تک مولوی انشاء اللہ صاحب کو لکھا کہ اگرچہ مرزا صاحب کا نام درمیان میں نہ ہوگا تاہم اس طرح ان کی تبلیغ خود بخود تمام ممالک غیر و ہندوستان میں ہو جائے گی اور مرزائیت کو اس میں نفع ہی نفع ہے۔ مولوی انشاء اللہ خاں صاحب

اس مخالفت کی تاب نہ لا سکے اور بہت گھبرائے اور اب اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ چنانچہ ایک خط انہوں نے مولوی محمد علی صاحب کو لکھا جس میں ان تمام مخالفتوں کا رونا رویا اور لکھا کہ سردست آپ ضمیمہ شائع نہ کریں۔ اور اخبار وطن میں بھی فقط دو سو خریداروں کے لئے تحریک کی۔ مخالفین کا یہ شور دیکھ کر اور مولوی انشاء اللہ صاحب کی یہ بزدلی محسوس کر کے مولوی محمد علی صاحب نے سوچا کہ یہ لوگ تو ذرا ذرا سی بات پر ہمارے مضامین پر بھی اعتراض کریں گے اس لئے معاملہ پہلے ہی اچھی طرح صاف ہو جانا چاہئے۔ اس واسطے انہوں نے ایک مفصل خط مولوی انشاء اللہ صاحب کو لکھا جس میں ظاہر کیا کہ اگرچہ ہمارے مضامین میں حضرت مرزا صاحب اور ان کے سلسلہ کا کوئی ذکر نہ ہوگا تاہم ہمارا طریق مباحثہ وہی ہوگا جو ہمارے دین اور ایمان کے مطابق ہوگا نہ کہ منافقانہ۔ اور علم کلام کا وہی طریق ہوگا جو حضرت مرزا صاحب کا تعلیم کردہ ہے۔ مثلاً یورپ کے عیسائیوں کے مقابلہ میں ہم وفات مسیح ہی پیش کریں گے نہ کہ حیات مسیح۔ مسیح کے معجزات کی نسبت وہی امر پیش کریں گے جو ہماری تحقیقات نے ہمیں بتلایا ہے۔ اسلام کو ہم زندہ مذہب مانتے ہیں۔ ہم زندہ خدا کو پیش کرتے ہیں اور اس کے فیوض اور برکات مکالمات و مخاطبات کو آج بھی ہم جاری سمجھتے ہیں۔ پس دنیا کے سامنے ہم کسی مردہ مذہب کو پیش کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ نیز آپ اپنی تحریک کو برسر کار لانے کیلئے کم سے کم ایک ہزار خریدار پیدا کریں تب ہم اس رسالہ کو آپ کی حسب منشا کر دینے کا نقصان اُٹھا سکتے ہیں اور نیز یہ کہ ضمیمہ ضرور نکالا جاوے گا۔" مولوی انشاء اللہ صاحب تو پہلے سے ہی بہانہ ڈھونڈھ رہے تھے کہ اپنی بات کو واپس لیں۔ اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ۔ انہوں نے اپنے اخبار میں فوراً پہلو بدل لیا۔ یا تو ریویو آف ریلیجنز اور اس کے ایڈیٹر کی اتنی تعریف ہو رہی تھی اور یا فوراً ایڈیٹر ریویو پر بیجا حملے شروع کر دیئے۔ قصہ مختصر یہ کہ اس طرح مولوی انشاء اللہ صاحب اپنا پنڈ چھڑا کر یاروں میں سرخرو ہو گئے۔ لیکن ریویو کو اس سے فائدہ پہنچ گیا وہ یہ کہ احمدی جماعت کو اس معاملہ میں سخت غیرت پیدا ہوئی۔ اُنہوں نے خود بہت سے نئے خریدار رسالہ کے پیدا کئے۔ خان محمد عجب خاں صاحب نے لکھا کہ جس قدر روپیہ وطن کی تحریک سے آپ کے پاس آیا ہے وہ سب میں ادا کر دوں گا۔ چنانچہ مولوی انشاء اللہ صاحب ایڈیٹر وطن کو جو ناحق بہت شور مچا رہے تھے کہ ہماری تحریک سے مرزائیوں نے روپیہ بٹور کر ہمیں دھتا بتا دی۔ اطلاع دیدی گئی کہ جسقدر خریدار آپ نے پیدا کئے ہیں اور جس قدر روپیہ آپ کے ذریعہ رسالہ کی مد میں آیا ہے وہ سب ہم واپس کرنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ وہ رقم جب دیکھی گئی تو صرف سات روپے آٹھ آنے نکلی جو عطائے تو بلقائے تو

بخشید م والا معاملہ کر دیا گیا۔ محمد ذو الفقار علی خاں صاحب نے میرٹھ سے لکھا کہ ایک شخص بطور ایجنٹ کے مقرر کیا جائے جو ہندوستان میں سفر کر کے ریویو کے واسطے تحریک کرے اور ایک صد روپیہ اس کے اخراجات کی مد میں مَیں دینے کے واسطے تیار ہوں۔ غرضکہ جماعت نے اس وقت بڑے جوش اور بڑی غیرت سے کام لیا اور خریداروں کی تعداد کو بہت بڑھایا +

حضرت اقدس کی طرف سے ریویو آف ریلیجنز کے متعلق جماعت کو ارشاد

ستمبر ۱۹۰۳ء میں حضرت اقدس مرزا صاحب نے رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی اشاعت کے لئے خود ایک اشتہار شائع فرمایا۔ چونکہ اس میں اس سلسلہ کی اصل غرض پر روشنی پڑتی ہے اس لئے ایک حصہ اس کا مَیں یہاں نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"چونکہ ہماری تمام جماعت کو معلوم ہوگا کہ اصل غرض خدا تعالیٰ کی میرے بھیجنے سے یہی ہے کہ جو جو غلطیاں اور گمراہیاں عیسائی مذہب نے پھیلائی ہیں اُن کو دور کر کے دنیا کے عام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے اور اس غرض مذکورہ بالا کو جس کو دوسرے لفظوں میں احادیث صحیحہ میں کسر صلیب کے نام سے یاد کیا گیا ہے پورا کیا جائے۔ اس لئے اور انہی اغراض کے پورا کرنے کیلئے رسالہ انگریزی جاری کیا گیا ہے جس کا شیوع یعنی شائع ہونا امریکہ اور یورپ کے اکثر حصوں میں بخوبی مفید ثابت ہو چکا ہے۔ اور بہت سے دلوں پر اثر ہونا شروع ہو گیا ہے بلکہ امید سے زیادہ اس رسالہ کی شہرت ہو چکی ہے۔ اور لوگ نہایت سرگرم شوق سے اس رسالہ کے منتظر پائے جاتے ہیں۔ لیکن اب تک اس رسالہ کے شائع کرنے کیلئے مستقل سرمایہ کا انتظام کافی نہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ رسالہ کم توجہی اس جماعت سے بند ہو گیا تو یہ واقعہ اس سلسلہ کے لئے ایک ماتم ہو گا۔ اس لئے مَیں پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی اعانت اور مالی امداد میں جہاں تک ان سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاویں۔ دنیا جائے گزشتنی و گزاشتنی ہے۔ اور جب انسان ایک ضروری وقت میں ایک نیک کام کے بجالانے میں پوری کوشش نہیں کرتا تو پھر وہ گیا ہوا وقت ہاتھ نہیں آتا اور خود مَیں دیکھتا ہوں کہ بہت سا حصہ عمر کا گزار چکا ہوں اور الہام الٰہی اور قیاس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ باقی ماندہ تھوڑا سا حصہ ہے پس جو کوئی میری موجودگی اور میری زندگی میں میری منشا کے مطابق میری اغراض میں مدد دے گا مَیں اُمید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت میں بھی میرے ساتھ ہو گا۔ اور جو شخص ایسی ضروری مہمات میں مال خرچ کرے گا۔ مَیں اُمید

نہیں رکھتا کہ اس مال کے خرچ سے اس کے مال میں کچھ کمی آجائے گی۔ بلکہ اس کے مال میں برکت ہوگی۔ پس چاہئے کہ خدا تعالیٰ پر توکل کر کے پورے اخلاص اور جوش اور ہمت سے کام لیں کہ یہی وقت خدمتگزاری کا ہے پھر بعد اس کے وہ وقت آتا ہے کہ ایک سونے کا پہاڑ بھی اس راہ میں خرچ کریں تو اس وقت کے ایک پیسہ کے برابر نہیں ہوگا...... یہ ظاہر ہے کہ تم دو چیز سے محبت نہیں کر سکتے اور تمہارے لئے ممکن نہیں کہ مال سے بھی محبت کرو اور خدا سے بھی صرف ایک سے محبت کر سکتے ہو۔ پس خوش قسمت وہ شخص ہے کہ خدا سے محبت کرے...... اور یہ مت خیال کرو کہ تم کوئی حصہ مال کا دیکر یا کسی اور رنگ سے کوئی خدمت بجالا کر خدا تعالیٰ اور اس کے فرستادہ پر کچھ احسان کرتے ہو۔ بلکہ یہ اس کا احسان ہے کہ تمہیں اس خدمت کے لئے بلاتا ہے اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر تم سب کے سب مجھے چھوڑ دو اور خدمت اور امداد سے پہلوتہی کرو تو وہ ایک قوم پیدا کر دیگا کہ اس کی خدمت بجالائے گی۔ تم یقیناً سمجھو کہ یہ کام آسمان سے ہے اور تمہاری خدمت صرف تمہاری بھلائی کے لئے ہے۔ پس ایسا نہ ہو کہ تم دل میں تکبر کرو اور یا یہ خیال کرو کہ خدمت مالی یا کسی قسم کی خدمت کرتے ہیں۔ میں بار بار تمہیں کہتا ہوں کہ خدا تمہاری خدمتوں کا ذرا محتاج نہیں۔ ہاں تم پر یہ اس کا فضل ہے کہ تم کو خدمت کا موقعہ دیتا ہے۔"

پھر آگے چل کر اسی اشتہار میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر اس رسالہ کی اعانت کیلئے اس جماعت میں دس ہزار خریدار اُردو یا انگریزی کا پیدا ہو جائے تو رسالہ خاطر خواہ چل نکلیگا اور میری دانست میں اگر بیعت کرنیوالے بیعت کی حقیقت پر قائم رہ کر اس بارے میں کوشش کریں تو اس قدر تعداد کچھ بہت نہیں۔"

چنانچہ حضرت اقدس کی اس تحریک پر جماعت نے بڑی فراخدلی سے لبیک کہی۔ اور بہت سے احباب نے دس دس اور پندرہ پندرہ خریداروں کی قیمت اپنی جیب سے ادا کر دی۔ اور بہت لوگوں نے اپنا نام خریداروں میں لکھایا۔ غرضیکہ یہ رسالہ بڑی آب و تاب سے شائع ہوتا رہا اور بڑے بڑے قیمتی مضامین اسلام پر اس میں شائع ہوتے رہے اور بڑی عظیم الشان خدمت اس کے ذریعہ دین کی ہوتی رہی۔ اسلام کے متعلق یورپ اور کل انگریزی خوان دنیا کا نقطۂ نظر بدلنے میں اس زمانہ میں سب سے پہلا ذریعہ یہی رسالہ تھا جب تک مولوی محمد علی صاحب اس کے ایڈیٹر رہے اس رسالہ کی آب و تاب میں فرق نہیں آیا بلکہ بڑی شان و شوکت سے شائع ہوتا رہا۔ حضرت اقدس کی وفات کے بعد مولوی نورالدین صاحب کے زمانہ میں جب مولوی محمد علی صاحب قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کیلئے وقف کر دیئے گئے تو یہ رسالہ

دوسرے ہاتھوں میں چلا گیا اور یہی وقت ہے جب سے اس رسالہ کے مضامین کا تنزل شروع ہوا۔ یہاں تک کہ اب میاں محمود احمد صاحب کے زمانہ میں وہ ایک معمولی حیثیت کا رسالہ بن کر رہ گیا جس میں سوائے میاں صاحب موصوف کی خلافت اور خیالات خصوصی کے پروپاگنڈے کے اسلام کے متعلق کام کی بات اب بہت کم ہوتی ہے جس کا سخت افسوس ہے +

لنگر خانہ کے انتظام کیلئے چندہ کی تحریک

چندہ ماہوار کے متعلق تاکید اللہ کے فضل سے جماعت روز بروز بڑھ رہی تھی اور مہمانوں کی کثرت بھی روز افزوں ترقی پر تھی اس لئے لازمی امر تھا کہ اخراجات بھی بڑھ جاتے۔ چنانچہ حضرت اقدس نے ۵۔ مارچ ۱۹۰۲ء کو لنگر خانہ کے انتظام اور دوسرے اخراجات کیلئے ایک اشتہار کے ذریعہ باقاعدہ چندہ کی زبردست تحریک کی اور یہ چاہا کہ جماعت منظم طور پر مالی جہاد میں حصہ لے۔ چنانچہ اس میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہ اشتہار کوئی معمولی تحریر نہیں بلکہ ان لوگوں کے ساتھ جو مرید کہلاتے ہیں یہ آخری فیصلہ کرتا ہوں مجھے خدا نے بتلایا ہے کہ میرا انہیں سے پیوند ہے یعنی وہی خدا کے دفتر میں میرے مرید ہیں جو اعانت اور نصرت میں مشغول ہیں ...... ہر ایک شخص جو مرید ہے اس کو چاہئے جو اپنے نفس پر کچھ ماہواری چندہ مقرر کر دے۔ خواہ ایک پیسہ ہو اور خواہ ایک دھیلہ۔ اور جو شخص کچھ بھی مقرر نہیں کرتا۔ اور نہ جسمانی طور پر اس سلسلہ کے لئے کچھ بھی مدد دے سکتا ہے وہ منافق ہے۔ اب اس کے بعد وہ سلسلہ میں رہ نہیں سکیگا۔ اس اشتہار کے شائع ہونے سے تین ماہ تک ہر ایک بیعت کرنیوالے کے جواب کا انتظار کیا جائیگا کہ وہ کیا کچھ ماہواری چندہ اس سلسلہ کی مدد کیلئے قبول کرتا ہے۔ اور اگر تین ماہ تک کسی کا جواب نہ آیا تو سلسلہ بیعت سے اس کا نام کاٹ دیا جائیگا اور مشتہر کر دیا جائے گا۔ اگر کسی نے ماہواری چندہ کا عہد کر کے تین ماہ تک چندہ کے بھیجنے سے لاپرواہی کی اس کا نام بھی کاٹ دیا جائے گا۔ اور اس کے بعد کوئی مغرور اور لاپرواہ جو انصار میں داخل نہیں اس سلسلہ میں ہرگز نہیں رہے گا۔"

دافع البلاء کی اشاعت

مارچ اور اپریل ۱۹۰۲ء میں پنجاب میں طاعون کا بڑا زور تھا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو مامور آتے ہیں ان کا دل شفقت علیٰ خلق اللہ سے بھرپور ہوتا ہے۔ آپ نے ان ایام میں ایک رسالہ تصنیف کیا جس کا

نام دافع البلاء و معیار اھل الاصطفاء رکھا۔ اس رسالہ کو آپ نے ۲۳۔ اپریل ۱۹۰۲ء کو شائع فرمایا۔ اس رسالہ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو وہ ہدایتیں دی جائیں جن سے یہ طاعون کی بلا دفع ہو۔ اس کے لئے آپ نے دو قسم کے علاج تجویز کئے:۔

(۱) ایک تو ظاہری علاج بتایا۔ اور وہ یہی تھا کہ گندگی اور نجاست سے پرہیز۔ اور مکانوں اور نالیوں کی صفائی۔ صاف اور سادہ غذا۔ تازہ ہوا۔ چوہوں کو مروانا۔ اور جب گاؤں میں طاعون سے چوہے مرنے لگیں تو مکان کو چھوڑ کر کھلی ہوا میں میدان میں جا ڈیرا لگانا۔ اور طاعون کا ٹیکہ کرانا وغیرہ وغیرہ۔

(۲) دوسرا علاج حقیقی بتایا۔ اور وہ اس طرح کہ مذکورہ بالا علاج ظاہری کچھ زیادہ تسلی بخش نہیں۔ یہ ایسا علاج نہیں کہ جس سے یہ طاعون دفع ہو سکے۔ ٹیکہ کی بھی اوّل تین ماہ کی میعاد بہت کم ہے۔ دوم بکلی وہ بھی طاعون سے محفوظ نہیں کرتا۔ ہاں ٹیکہ شدہ آدمی نسبتاً محفوظ ہو جاتا ہے۔ پس اصلی اور حقیقی علاج یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں اور شرارتوں سے توبہ کرکے خدا سے سچی صلح کرے اور اس نازک وقت میں جس شخص کو خدا نے مامور کرکے بھیجا ہے اس کی طرف رجوع کریں اور اس کی دعوت پر لبیک کہیں اور اس کے انکار اور استہزا سے باز آئیں۔ کہ طاعون کے باطنی اسباب میں لوگوں کی حق کی مخالفت اور حد سے بڑھی ہوئی شوخی و شرارت کو بھی دخل ہے۔ پھر چار سال قبل جو آپ نے پنجاب میں طاعون پھیلنے کی پیشگوئی کی تھی اس کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اُس وقت یہ الہام ہوا تھا کہ انّ اللہ لا یغیر ما بقوم حتّٰی یغیروا ما بانفسھم انّہ اوی القریۃ۔ کہ بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے نفسوں کی حالت کو نہ بدلیں۔ اور خدا نے اس قریہ یعنی قادیان کو بچا لیا۔ پھر آپ نے اوی کی تشریح کی کہ عربی زبان میں اس کے معنے ہیں کسی تباہی اور انتشار سے اپنی پناہ میں لے لینا۔ گویا انہ اوی القریہ سے یہ مراد ہے کہ قادیان میں ایسی طاعون نہیں پڑے گی جسے طاعون جارف (یعنی جھاڑو دینے والی) کہتے ہیں جس سے بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں اور گھر بے چراغ ہو جاتے ہیں اور لوگ بھاگتے پھرتے اور جا بجا مرتے پھرتے ہیں۔ پس اگر کوئی ایسی چند وارداتیں طاعون کی ہو بھی جائیں جو انسانی برداشت کے اندر ہوں تو وہ اس الہام کے منافی نہیں بلکہ مطابق ہے کیونکہ 'اوی' کا لفظ اس بات کا متقاضی ہے کہ کسی قدر عذاب کے بعد اللہ تعالیٰ اس قریہ کو اپنی پناہ میں لے لیگا۔ لیکن جو حالت اُس وقت پنجاب میں دیہات اور شہروں کی تھی کہ طاعون جھاڑو پھیر رہی تھی اور لوگوں کو سر چھپانے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ وہ حالت تباہی کی قادیان پر نہیں آئے گی کہ خدا نے اپنے مامور کی وجہ سے

اس بستی کو اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے دعاوی کو دلائل سے مزین فرما کے پیش کیا تاکہ جو حق کو قبول کرے وہ دلائل کے ساتھ قبول کرے۔

قادیان کے رہنے والوں کی حفاظت

حضرت اقدس کے مذکورہ بالا الہام کے مطابق قادیان میں کبھی طاعون جارف نہیں پڑی۔ اگر کبھی دو چار کیس طاعون کے ہو بھی گئے تو وہ بھی ایک محدود حلقہ میں ہوئے۔ مگر اس نے کبھی وبائی صورت اختیار نہیں کی اور احمدی محلے میں تو کبھی کوئی شاذ و نادر ہی کیس ہوا ہو گا حالانکہ قادیان کے اردگرد کے دیہات میں طاعون کی وبا سے ایک قیامت مچی ہوئی تھی۔ انہی ایّام میں حضرت اقدس کو ایک یہ بھی الہام ہوا تھا کہ اِنّی اُحافظ کلّ من فی الدّار الّا الّذین علوا باستکبار کہ بیشک میں حفاظت کرونگا ہر ایک کی جو اس گھر کے اندر ہے سوائے اس کے جو سرکشی اور تکبر اختیار کرے۔ اس الہام سے چونکہ یہ ظاہر ہوتا تھا کہ گو قادیان میں طاعون وبائی رنگ نہیں اختیار کرے گی مگر جناب الٰہی کی طرف سے طاعون سے حفاظت کا وعدہ اگر ہے تو صرف حضرت اقدس کے گھر کے اندر رہنے والے لوگوں کے متعلق ہے۔ باہر والوں کے متعلق نہیں۔ اس لئے حضرت اقدس نے بہت سے دوستوں کو اپنے گھر کے اندر رہنے کی دعوت دیدی۔ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی تو پہلے ہی بمعہ اپنی بی بی کے دار یعنی حضرت اقدس کے گھر کے اندر کوٹھے پر ایک کمرہ میں رہتے تھے۔ لیکن اب اور بھی لوگ حضرت کے مکان کے اندر آ کر رہ پڑے۔ مولوی نورالدین صاحب بمعہ اہل و عیال۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہی۔ مولوی محمد علی صاحب بمعہ اہل و عیال اور کئی دوسرے خاندان حضرت کے مکان میں صرف ایک ایک کمرہ میں رہکر گزارہ کرنے لگے۔ خاکسار مؤلف کو تعجب ہؤا کرتا تھا جب دیکھتا تھا کہ حضرت صاحب کے مکان کے اندر متعدد خاندان کس طرح تنگی سے گزارہ کر رہے تھے اور سب خوش تھے۔ عموماً یہی حال تھا کہ ہر ایک کے پاس ایک ایک کمرہ سے زیادہ نہ تھا۔ اور بعض کو تو بہت ہی چھوٹی کوٹھڑی ملی ہوئی تھی۔ مولوی نورالدین صاحب کا کمرہ اس قدر تنگ تھا کہ فقط دو چارپائیاں اس میں آسکتی تھیں اور جب دونوں چارپائیاں بچھ جاویں تو چلنے پھرنے کو جگہ نہیں رہتی تھی۔ چونکہ وہی ایک کوٹھڑی تھی جس میں چارپائی۔ اسباب۔ کھانا پکانا نہانا سبھی کچھ کرنا تھا اس لئے ایک چارپائی اونچی اور دوسری نیچی بنا رکھی تھی۔ صبح کو نیچی چارپائی اونچی چارپائی کے نیچے کھسکا دیتے تھے اور جگہ کھانا پکانے یا نہانے کی نکل آتی۔ رات کو چارپائی باہر گھسیٹ لی اور بستر لگا دیا۔ لیکن مذہب کا وہ نشہ تھا کہ کبھی کسی کو تکلیف محسوس ہی نہیں ہوئی۔ جس کو دیکھو خوش اور مسرور ہشاش بشاش۔ نہ گرمی تکلیف دیتی تھی نہ سردی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ لوگ بنگلوں اور محلوں میں رہتے ہیں۔ کبھی کسی کو تنگی کی شکایت نہیں ہوئی۔ قادیان کے چاروں طرف

طاعون کا زور تھا۔ وہاں جس شخص کو دیکھو وہ ہم و غم اور پریشانیوں کا مجسمہ نظر آتا تھا۔ لیکن قادیان میں احمدی یہ معلوم ہوتے تھے کہ اس طوفان میں ایک کشتی میں آرام سے سوار ہیں۔ نہ کوئی گھبراہٹ ہے نہ پریشانی۔ چاروں طرف خوشی ہی خوشی نظر آتی تھی۔ خوف اور حزن کا نشان بھی نہ تھا۔

دو عجیب باتیں

دو عجیب باتیں مجھے اس دار کے معاملہ میں نظر آئیں:۔

(۱) ایک تو یہ کہ جہاں اسقدر تنگ جگہوں میں ایک مکان کے اندر بہت سے مختلف خاندان رہیں گے وہاں بہت سی معاشرتی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بد نظری اور زنا جگہ کی تنگی کی وجہ سے آپس میں لڑائی اور فساد۔ ایک دوسرے کی پردہ دری اور غیبت و حسد۔ یہ معمولی باتیں ہیں جو ان حالات میں نظر آیا کرتی ہیں لیکن یہ کیا تماشہ تھا کہ وہاں جو لوگ بھی باہر سے دار کے اندر آ کر بسے تھے وہ غض بصر اور عصمت و عفت کا نمونہ تھے۔ کیا مجال جو کوئی کبھی کسی غیر محرم عورت کی طرف نظر اُٹھا کر بھی دیکھ جائے۔ نہ کوئی لڑائی تھی نہ فساد تھا۔ نہ غیبت تھی اور نہ پردہ دری۔ سب آپس میں بھائی بھائی کی طرح ایک کنبہ کے افراد کی طرح رہتے تھے۔ اور سب خوش۔

(۲) دوسری بات جو مجھے تعجب میں ڈالتی تھی وہ یہ تھی کہ جب ایک مکان میں اس قدر افراد آ کر رہیں گے تو لازمی بات ہے کہ اس مکان کی آب و ہوا خراب ہو جائے۔ اور طاعون کے زمانہ میں تو یہ امر بہت ہی خطرناک ہوتا ہے اور ایسی چپقلش کی جگہ میں طاعون کے پھوٹ پڑنے کا سخت اندیشہ ہوتا ہے۔ لیکن کبھی کسی کا سر بھی نہیں دُکھا۔ اس سلسلہ میں دو واقعے بہت دلچسپ ہیں جن کا ذکر کرنا مَیں یہاں مناسب سمجھتا ہوں:۔

مولوی محمد علی صاحب کی علالت

مَیں عرض کر چکا ہوں کہ دار کے اندر مولوی محمد علی صاحب بھی رہتے تھے ایک کمرہ انہیں بھی ملا ہوا تھا۔ قادیان کے ارد گرد طاعون کا بڑا زور تھا۔ اتفاق سے مولوی محمد علی صاحب کو سخت بخار چڑھا۔ انہیں خیال ہوا کہ اگرچہ میں دار کے اندر ہوں مگر اس الہام میں جو اہل الدار کی حفاظت کے متعلق ہے استثنا بھی ہے کہ "الا الذین علوا باستکبار" کہ سوائے اس کے جو تکبر و سرکشی کرے۔ سو کیا عجب ہے کہ مجھ میں کوئی کمزوری ہو اور اس کی وجہ سے مَیں طاعون میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ مولوی صاحب پر اس خیال نے یہاں تک غلبہ کیا کہ مفتی محمد صادق صاحب کو بلا کر وصیت لکھوانی شروع کر دی۔ حضرت اقدس کو خبر ہوئی تو آپ فوراً مولوی صاحب کے کمرہ میں تشریف لائے اور حال دریافت فرمایا۔ مولوی صاحب نے عرض کی کہ مجھے طاعون ہو گئی ہے دیکھئے کس قدر سخت بخار ہے۔ حضرت اقدس نے نہایت جذبہ کے ساتھ فرمایا کہ اگر آپ کو طاعون ہو گئی ہے تو پھر مَیں جھوٹا ہوں۔

اور میرا دعویٰ الہام غلط ہے[1]" یہ کہہ کر آپ نے جو نبض پر ہاتھ رکھا تو عجیب نمونہ قدرت الٰہی کا ظاہر ہوا کہ ہاتھ لگانے کے ساتھ ہی ایسا بدن سرد ہو گیا کہ تپ کا نام و نشان نہ تھا۔ خدا کے فضل سے ابھی مولوی محمد علی صاحب زندہ موجود ہیں اور وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ جس وقت حضرت اقدس تشریف لائے ہیں اس وقت انہیں سخت بخار تھا۔ اور اس جذبہ کے کلام کے بعد جو ہاتھ لگاتے ہیں تو بخار کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ اچھے بھلے اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ خود مفتی محمد صادق صاحب کا بیان ہے کہ میں نے اس سے قبل مولوی محمد علی صاحب کے جسم پر ہاتھ لگایا تھا تو وہ آگ کی طرح پھنک رہا تھا۔ ابھی چند منٹ ہی گذرے تھے جو حضرت صاحب تشریف لائے اُن کے ہاتھ لگاتے ہی نہ معلوم وہ بخار کدھر چلا گیا۔ یہ وہ عجائبات قدرت ہیں جن سے انسان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

میر اسحاق صاحب کی علالت حقیقۃ الوحی نشان ۱۳۳ میں حضرت اقدس نے ایک واقعہ لکھا ہے جس میں اپنی بعض رویا کا ذکر کیا ہے۔ دو رویا کا ذکر کرنے کے بعد تیسری رویا اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں اسسٹنٹ سرجن اس چوبارہ کے پاس باہر کی طرف چوکھٹ کے ساتھ لگ کر کھڑا ہے جس میں میں رہتا ہوں۔ تب کسی شخص نے مجھ کو کہا کہ عبدالحکیم خاں کو والدۂ اسحاق نے گھر کے اندر بلایا ہے (والدۂ اسحاق میر ناصر نواب صاحب کی بیوی ہیں اور اسحاق ان کا لڑکا ہے اور وہ سب ہمارے گھر میں ہی رہتے ہیں) تب میں نے یہ بات سن کر جواب دیا کہ میں عبدالحکیم خاں کو ہرگز اپنے گھر میں آنے نہ دوں گا اس میں ہماری بےعزتی ہے۔ تب وہ آنکھوں کے سامنے سے گم ہو گیا اندر داخل نہیں ہوا۔ یاد رہے کہ علم تعبیر میں معبّرین نے یہ لکھا ہے جس کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ اگر کسی کے گھر میں دشمن داخل ہو جائے تو اس گھر میں کوئی مصیبت یا موت آتی ہے۔ اور چونکہ آجکل عبدالحکیم سخت دشمن جانی اور ہمارے زوال کا دن رات منتظر ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے اُسی کو خواب میں دکھلایا کہ گویا وہ ہمارے گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے اور والدۂ اسحاق یعنی میر ناصر نواب صاحب کی بیوی اُس کو بلاتی ہیں اور بلانے کی تعبیر یہ لکھی ہے کہ ایسا شخص محض اپنی بعض دینی غفلتوں کی وجہ سے جن کا علم خدا تعالیٰ کو ہے مصیبت کو اپنے گھر بلاتا ہے یعنی اس کی موجودہ حالت اس بات کو چاہتی ہے کہ کوئی بلا نازل ہو..... پس اس خواب کے یہی معنے تھے کہ ان کی کسی لغزش نے دشمن کو گھر میں بلانا چاہا مگر شفاعت نے روک لیا۔ میں نے خواب میں عبدالحکیم خان کو گھر کے اندر داخل ہونے سے روک دیا یعنی وہ فضل خدا تعالیٰ کا جو میرے

[1] یہ الفاظ حضرت اقدس مرزا صاحب کے اپنے فرمودہ خود آپ کی قلم سے حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۳ میں لکھے ہوئے موجود ہیں۔ (مؤلف)

شامل حال ہے اس نے دشمن کو شماتت کے موقعہ سے باز رکھا...... جب دوسرے دن کی صبح ہوئی تو میر صاحب کے بیٹے اسحاق کو تیز تپ چڑھ گیا اور سخت گھبراہٹ شروع ہوگئی اور دونو طرف بُن ران میں گلٹیاں نکل آئیں اور یقین ہوگیا کہ طاعون ہے کیونکہ اس ضلع کے بعض مواضع میں طاعون پھوٹ پڑی ہے تب معلوم ہؤا کہ مذکورہ بالا خوابوں کی تعبیر یہی تھی اور دل میں سخت غم پیدا ہؤا۔ اور مَیں نے میر صاحب کے گھر کے لوگوں کو کہہ دیا کہ مَیں تو دعا کرتا ہوں۔ آپ توبہ و استغفار بہت کریں کیونکہ مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ نے دشمن کو اپنے گھر میں بلایا ہے اور یہ کسی لغزش کی طرف اشارہ ہے۔ اور اگرچہ مَیں جانتا تھا کہ موت فوت قدیم سے ایک قانون قدرت ہے لیکن یہ خیال آیا کہ اگر خدانخواستہ ہمارے گھر میں کوئی طاعون سے مر گیا تو ہماری تکذیب میں ایک شور قیامت برپا ہو جائے گا اور پھر گو مَیں ہزار نشان بھی پیش کروں تب بھی اس اعتراض کے مقابل پر کچھ بھی اُن کا اثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ مَیں صدہا مرتبہ لکھ چکا ہوں اور شائع کر چکا ہوں اور ہزارہا لوگوں میں بیان کر چکا ہوں کہ ہمارے گھر کے تمام لوگ طاعون کی موت سے بچے رہیں گے غرض اس وقت جو کچھ میرے دل کی حالت تھی مَیں بیان نہیں کر سکتا۔ مَیں فی الفور دعا میں مشغول ہوگیا اور بعد دعا کے عجب نظارۂ قدرت دیکھا کہ دو تین گھنٹہ میں خارق عادت کے طور پر اسحاق کا تپ اُتر گیا اور گلٹیوں کا نام و نشان نہ رہا اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور نہ صرف اس قدر بلکہ پھرنا چلنا کھیلنا دوڑنا شروع کر دیا گویا کبھی کوئی بیماری نہیں ہوئی تھی۔ یہی ہے احیائے موتٰی ؛؛

حضرت اقدس کی طاعون سے حفاظت

اگرچہ الہام انی احافظ کل من فی الدار آپ کو ہو چکا تھا مگر اس میں ایک استثنا الا الذین علوا باستکبار موجود تھا یعنی وہ شخص جو سرکشی اور تکبر کرے وہ دار کے اندر بھی حفاظت الٰہی کے اندر نہیں ہے۔ اور اسی استثنا کے ماتحت میر ناصر صاحب کی بیوی کی کسی کمزوری کی وجہ سے میر اسحاق صاحب کو طاعون ہوئی مگر حضرت اقدس کی دعا سے اللہ نے فضل کر دیا۔ اور وہ خطرہ خارق عادت طور پر بہت جلد جاتا رہا۔ اس استثنا کے مقابلہ میں جناب الٰہی نے حضرت اقدس کو الہام کیا تھا کہ انی احافظک خاصۃ کہ مَیں تیری حفاظت خاص طور پر کروں گا۔ گویا آپ کے ساتھ تو یہ حتمی وعدہ تھا کہ آپ کو طاعون نہ ہوگی۔ باقی دار کے اندر رہنے والوں کے لئے بھی اگرچہ حفاظت الٰہی کا وعدہ تھا مگر اس میں ایک استثنا ضرور تھا۔ اور وہ وہی تھا جس کا کہ اوپر ذکر ہو چکا ؛

حضرت اقدس کا ہر ایک سچا مرید دار کے اندر تھا

دار کے اندر جو مختلف خاندان آباد تھے اُن میں سے کئی ایک برابر حضرت اقدس کی وفات تک دار کے اندر ہی رہے۔ نہ حضرت کی شفقت نے اُن کا باہر رہنا گوارا کیا۔

اور نہ اُن لوگوں نے دار سے باہر نکلنے کو مناسب سمجھا۔ انہی تنگ کوٹھڑیوں میں رہتے اور اُسے جنت سمجھتے۔ حضرت کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ اگر اُن کا بس چلتا اور ایسا ممکن ہوتا تو ساری جماعت کو اپنے دار کے اندر بلا کر آباد کر لیتے۔ اسی خاطر آپ نے توسیع مکان کا ارادہ کیا اور اس کے لئے چندہ کے واسطے جماعت میں اعلان کیا جو علیحدہ اور کشتی نوح کے ساتھ بھی شائع کیا گیا۔ تاکہ احباب زیادہ سے زیادہ تعداد میں دار کے اندر رہ سکیں۔ چنانچہ اسی تحریک کے ماتحت نئے نمانخانہ کی چھت پر آپ نے مکان کا وہ حصہ بنوایا جو دار البرکات کہلاتا ہے۔ طاعون کی ہلاچلی میں آپ اپنے خدام کو اپنے دار کے اندر سکونت اختیار کرنے کی دعوت دینے سے تھکتے نہ تھے۔ خاکسار مؤلف ایک دفعہ معہ اہل و عیال لمبی چھٹی لیکر قادیان حاضر ہوا تو کچھ عرصہ نواب محمد علی خاں صاحب کے مکان پر مجھے ٹھیرایا۔ بعد میں دار کے اندر ایک کمرہ عنایت فرمایا جو خاصہ بڑا تھا۔ رخصت ختم ہونے پر جب میں واپس پنڈی گھیب اپنی ملازمت پر چلا گیا تو وہاں طاعون کا سخت زور تھا۔ میں دوبارہ چند روز کی چھٹی لیکر پھر قادیان حاضر ہوا تو حضرت سے طاعون کے زور کا ذکر کیا اور دعا کیلئے عرض کی۔ بڑی شفقت سے فرمایا کہ آپ معہ عیال ہمارے پاس چلے آئیں"۔ میں نے شکریہ کے ساتھ ملازمت کی وجہ سے اپنی مجبوری کا اظہار کیا تو پھر شفقت سے دعا کا وعدہ فرمایا۔ آخر اسی شفقت علیٰ خلق اللہ اور آپ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا جو آپ نے بعد میں یہ اعلان کیا کہ جو شخص بھی میری بتائی ہوئی تعلیم پر عامل ہے وہ کہیں بھی ہو میرے دار کے اندر ہے۔ چنانچہ اسی غرض سے آپ نے کتاب کشتی نوح لکھی۔ اور اس میں آپ نے اپنی تعلیم کو کھول کر اور واضح کر کے لکھا۔ وہ تعلیم کیا ہے۔ قرآن اور حدیث کا عجیب و غریب نچوڑ ہے۔

کشتی نوح

آسمانی ٹیکا ۱۹۰۲ء میں گورنمنٹ نے پنجاب میں طاعون کے ٹیکہ کے لئے بہت بڑے پیمانہ پر انتظام کیا اور بہت سے ڈاکٹر انگلستان سے اسی خاص غرض کیلئے منگوائے۔ اور خیال ہوا کہ یکدم تمام پنجاب کو طاعون کا ٹیکہ لگا دیا جائے تا لوگ اس ہلاک بیماری سے نجات پا جائیں۔ گو ٹیکہ کا اثر صرف تین یا چھ ماہ تک باقی رہتا تھا اور نیز یہ بھی کوئی یقینی امر نہ تھا کہ لوگ اس کے ذریعہ طاعون سے بکلی محفوظ ہو سکتے ہیں لیکن تاہم چونکہ ٹیکہ شدہ لوگوں میں طاعون کی واردات اور اموات غیر ٹیکہ شدہ لوگوں سے نسبتاً بہت کم تھی اس لئے اسے مفید جان کر ایک بہت بڑے پیمانہ پر یہ اسکیم اکتوبر ۱۹۰۲ء سے شروع کی گئی اور ہر ایک سرکاری ملازم اور گورنمنٹ کی وفادار رعایا کا یہ فرض قرار دیا گیا کہ وہ خود بھی ٹیکہ کروائے

اور دوسروں کو بھی ٹیکہ کروانے کیلئے تاکید کرے ۔ حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس پر ایک کتاب کشتی نوح تصنیف فرما کر ۵۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع فرمائی جس کے سرورق پر یہ فقرہ بھی تحریر فرمایا۔ "رسالہ آسمانی ٹیکا جو طاعون کے بارے میں اپنی جماعت کے لئے تیار کیا گیا" گویا گورنمنٹ پنجاب کے ٹیکہ طاعون کے مقابلہ میں جو زمینی ٹیکا تھا "یہ آسمانی ٹیکا" اپنی طرف سے پبلک کے آگے پیش کیا اور بڑے زور سے عین سرورق پر یہ دو شعر بھی شائع فرمائے کہ ؎

جہاں را دل ازیں طاعون دو نیم است | نہ ایں طاعوں کہ طوفانِ عظیم است
بیا بشتاب سوئے کشتئ ما | کہ ایں کشتی ازاں ربِ علیم است

رحمت کا نشان شروع کتاب میں ہی حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں :۔

"شکر کا مقام ہے کہ گورنمنٹ عالیہ انگریزی نے اپنی رعایا پر رحم کر کے دوبارہ طاعون سے بچانے کیلئے ٹیکہ کی تجویز کی اور بندگان خدا کی بہبودی کیلئے کئی لاکھ روپے کا بوجھ اپنے سر پر ڈال لیا۔ درحقیقت یہ وہ کام ہے جس کا شکرگزاری سے استقبال کرنا دانشمند رعایا کا فرض ہے ... . کچھ شک نہیں کہ اس وقت تک جو تدبیر اس عالم اسباب میں اس گورنمنٹ عالیہ کے ہاتھ آئی وہ بڑی سے بڑی اور اعلیٰ سے اعلیٰ یہ تدبیر ہے کہ ٹیکا کرایا جائے اس سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ تدبیر مفید پائی گئی ہے اور بہ پابندی رعایت اسباب تمام رعایا کا فرض ہے کہ اس پر کاربند ہو کر وہ غم جو گورنمنٹ کو ان کی جانوں کیلئے ہے اس سے اسکو سبکدوش کریں۔ لیکن ہم بڑے ادب سے اس محسن گورنمنٹ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر ہمارے لئے ایک آسمانی روک نہ ہوتی تو سب سے پہلے رعایا میں سے ہم ٹیکا کراتے۔ اور آسمانی روک یہ ہے کہ خدا نے چاہا ہے کہ اس زمانہ میں انسانوں کے لئے ایک آسمانی رحمت کا نشان دکھاوے سو اس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تو اور جو شخص تیرے گھر کی چاردیواری کے اندر ہوگا اور وہ جو کامل پیروی اور اطاعت اور سچے تقویٰ سے تجھ میں محو ہو جائیگا وہ سب طاعون سے بچائے جائیں گے۔ اور ان آخری دنوں میں خدا کا یہ نشان ہوگا تا کہ وہ قوموں میں فرق کر کے دکھلاوے لیکن وہ جو کامل طور پر پیروی نہیں کرتا وہ تجھ میں سے نہیں ہے۔ اس کیلئے مت دلگیر ہو یہ حکم الٰہی ہے جس کی وجہ سے ہمیں اپنے نفس کیلئے اور ان سب کیلئے جو ہمارے گھر کی چاردیواری میں رہتے ہیں ٹیکے کی کچھ ضرورت نہیں ...... اور اس نے مجھے مخاطب کر کے یہ بھی فرمایا کہ عموماً قادیان میں سخت بربادی افگن طاعون نہیں آئے گی جس سے لوگ کتوں کی طرح مریں اور مارے غم

اور سرگردانی کے دیوانے ہو جائیں اور عموماً تمام لوگ اس جماعت کے گو وہ کتنے ہی ہوں مخالفوں کی نسبت طاعون سے محفوظ رہیں گے مگر ایسے لوگ ان میں سے جو اپنے عہد پر پورے طور پر قائم نہیں یا ان کی نسبت اور کوئی وجہ مخفی ہو جو خدا کے علم میں ہو ان پر طاعون وارد ہو سکتی ہے۔ مگر انجام کار لوگ تعجب کی نظر سے اقرار کریں گے کہ نسبتاً و مقابلتاً خدا کی حمایت اس قوم کے ساتھ ہے اور اس نے خاص رحمت سے ان لوگوں کو بچایا ہے جس کی نظیر نہیں۔ اس بات پر بعض نادان چونک پڑیںگے اور بعض ہنسیں گے اور بعض مجھے دیوانہ قرار دیں گے اور بعض حیرت میں آئیں گے کہ کیا ایسا خدا موجود ہے جو بغیر رعایت اسباب کے بھی رحمت نازل کر سکتا ہے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ ہاں بلاشبہ ایسا قادر خدا موجود ہے اور اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو اس سے تعلق رکھنے والے زندہ ہی مر جاتے ...... اس کی قدرتیں بے انتہا ہیں مگر بقدر یقین لوگوں پر ظاہر ہوتی ہیں جن کو یقین اور محبّت اور اس کی طرف انقطاع عطا کیا گیا ہے اور نفسانی عادتوں سے باہر کئے گئے ہیں۔ انہیں کے لئے خارق عادت قدرتیں ظاہر ہوتی ہیں ......۔"

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

"خدا میرے گھر کے احاطہ کے اندر مخلص لوگوں کو جو خدا کے سامنے تکبر نہیں کرتے بلائے طاعون سے نجات دیگا اور نسبتاً و مقابلتاً اس سلسلہ پر اس کا خاص فضل رہیگا۔ گو کسی کی ایمانی قوت کے ضعف یا نقصانِ عمل یا اجل مقدر یا کسی اور وجہ سے جو خدا کے علم میں ہو کوئی شاذ و نادر کے طور پر اس جماعت میں بھی کیس ہو جائے۔ سو شاذ و نادر حکم معدوم کا رکھتا ہے۔ ہمیشہ مقابلہ کے وقت کثرت دیکھی جاتی ہے جیسا کہ گورنمنٹ نے خود تجربہ کر کے معلوم کر لیا ہے کہ ٹیکا طاعون کا لگوانے والے بہ نسبت دوسروں کے بہت ہی کم مرتے ہیں۔ پس جیسا کہ شاذ و نادر کی موت ٹیکے کی قدر کو کم نہیں کر سکتی۔ اسی طرح اس نشان میں اگر مقابلتاً بہت ہی کم درجہ پر قادیان میں طاعون کی وارداتیں ہوں یا شاذ و نادر کے طور پر اس جماعت میں سے کوئی شخص اس مرض سے گزر جائے تو اس نشان کا مرتبہ کم نہیں ہوگا۔ وہ الفاظ جو خدا کے پاک کلام سے ظاہر ہوتے ہیں ان کی پابندی سے یہ پیشگوئی لکھی گئی ہے عقلمند کا کام نہیں ہے کہ پہلے سے آسمانی باتوں پر ہنسی کرے۔ یہ خدا کا کلام ہے نہ منجم کی باتیں۔ یہ روشنی کی چشم سے ہے نہ تاریکی کی اٹکل سے۔ یہ اُس کا کلام ہے جس نے طاعون نازل کی اور جو اس کو دُور کر سکتا ہے۔"

پھر آگے چل کر آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اگر یہ سوال ہو کہ وہ تعلیم کیا ہے جس کی پوری پابندی طاعون کے حملہ سے بچا سکتی ہے تو میں بطور مختصر چند سطریں نیچے لکھ دیتا ہوں"

آپ کی تعلیم اس کے بعد آپ نے اپنی تعلیم پیش کی ہے جس کو اس طرح شروع کرتے ہیں :-

"واضح رہے کہ صرف زبان سے بیعت کا اقرار کرنا کچھ چیز نہیں جب تک دل کی عزیمت سے اس پر پورا پورا عمل نہ ہو۔ پس جو شخص میری تعلیم پر پورا پورا عمل کرتا ہے وہ اس میرے گھر میں داخل ہو جاتا ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ کے کلام میں یہ وعدہ ہے انّی احافظ کل من فی الدار یعنی ہر ایک جو تیرے گھر کی چار دیواری کے اندر ہے میں اس کو بچاؤں گا۔ اس جگہ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہیں جو میرے اس خاک و خشت کے گھر میں بود و باش رکھتے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ بھی جو میری پوری پیروی کرتے ہیں میرے رُوحانی گھر میں داخل ہیں"

اس کے بعد خدا کی توحید اور معرفت اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی معرفت اور اتباع کامل کے لئے جو پاکیزہ تعلیم لکھی ہے وہ گویا قرآن و سنّت کا نچوڑ ہے۔ اور ایک عطر ہے جسے کتاب کے شیشہ میں بھر دیا ہے۔ نا ممکن ہے کہ اس کا خلاصہ یہاں لکھا جا سکے۔ خود اصل کتاب قابل دید ہے۔

زمانہ کا زندہ رسول ایک حوالہ جو آپ کے عقیدہ دربارہ ختم نبوت پر خوب روشنی ڈالتا ہے اس قابل ہے کہ میں اسے یہاں نقل کر دوں۔ فرماتے ہیں :-

"نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو۔ اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہو گی۔ بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے۔ اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کیلئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے۔ مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کیلئے زندہ ہے اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخر کار اس کی رُوحانی فیض رسانی سے اس مسیح موعود کو دنیا میں بھیجا"

تعلق باللہ کی تاکید اس کتاب میں تقویٰ اور اخلاق فاضلہ کے حصول کیلئے جماعت کو بڑی تاکید فرمائی ہے

اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے پر زور دیتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں۔ کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے۔ اگرچہ جان دینے سے ملے۔ اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کریگا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ مَیں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دف سے مَیں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں۔ اور کس دوا سے مَیں علاج کروں تا سننے کیلئے لوگوں کے کان کھلیں۔ اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اُسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں۔ اور اگر تم جانتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا کہ تم دنیا کیلئے سخت غمگین ہو جاتے۔ ایک شخص جو ایک خزانہ اپنے پاس رکھتا ہے کیا وہ ایک پیسہ کے ضائع ہونے سے روتا ہے اور چیخیں مارتا ہے اور ہلاک ہونے لگتا ہے۔ پھر اگر تم کو اس خزانہ کی اطلاع ہوتی کہ خدا تمہارا ہر ایک حاجت کے وقت میں کام آنیوالا ہے تو تم دنیا کیلئے ایسے بیخود کیوں ہوتے۔ خدا ایک پیارا خزانہ ہے۔ اس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے۔ تم بغیر اس کے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں۔ غیر قوموں کی تقلید نہ کرو جو بکلی اسباب پر گر گئی ہیں۔ اور جیسے سانپ مٹی کھاتا ہے انہوں نے سفلی اسباب کی مٹی کھائی۔ اور جیسے گدھ اور کتے مردار کھاتے ہیں۔ انہوں نے مردار پر دانت مارے۔ وہ خدا سے بہت دُور جا پڑے۔ انسانوں کی پرستش کی اور خنزیر کھایا۔ اور شراب کو پانی کی طرح استعمال کیا۔ اور حد سے زیادہ اسباب پر گرنے سے اور خدا سے قوت نہ مانگنے سے وہ مر گئے اور آسمانی روح اُن میں سے ایسی نکل گئی جیسا کہ ایک گھونسلے سے کبوتر پرواز کر جاتا ہے۔ ان کے اندر دنیا پرستی کا جذام ہے جس نے ان کے تمام اندرونی اعضا کاٹ دیئے ہیں۔ پس تم اس جذام سے ڈرو۔ مَیں تمہیں حد اعتدال تک رعایت اسباب سے منع نہیں کرتا بلکہ اس سے منع کرتا ہوں کہ تم غیر قوموں کی طرح نرے اسباب کے بندے ہو جاؤ اور اُس خدا کو فراموش کر دو جو اسباب کو بھی وہی مہیا کرتا ہے۔ اگر تمہیں آنکھ ہو تو تمہیں نظر آ جائے کہ خدا ہی خدا ہے اور سب ہیچ ہے۔"

انجیل اور قرآنی دعاؤں کا مقابلہ اس کتاب میں آپ نے پانچوں نمازوں کے تعینِ اوقات کا فلسفہ اور انجیل کی مشہور دعا جس میں روز کی روٹی مانگی جاتی ہے اور قرآن کی مشہور دعا سورۃ الفاتحہ کا مقابلہ کیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس مقابلہ کو پڑھنے سے ہی قرآنی دعا کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آخر میں آپ یہ بتلاتے ہوئے کہ جس شخص کا منتہائے نظر فقط روٹی ہو اُسے جب روٹی مل جائے گی تو اُس کا مقصد حاصل ہو گیا۔ ایسے شخص کو خدا سے کیا غرض۔ تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ بھی یاد رہے کہ سورۃ فاتحہ کے عظیم الشان مقاصد میں سے یہ دعا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ اور جس طرح انجیل کی دعا میں روٹی مانگی گئی ہے اس دعا میں خدا تعالیٰ سے وہ تمام نعمتیں مانگی گئی ہیں جو پہلے رسولوں اور نبیوں کو دی گئی تھیں۔ یہ مقابلہ بھی قابلِ نظارہ ہے۔ اور جس طرح حضرت مسیح کی دعا قبول ہو کر عیسائیوں کو روٹی کا سامان بہت کچھ مل گیا ہے اسی طرح یہ قرآنی دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے قبول ہو کر اخیار و ابرار مسلمان بالخصوص ان کے کامل فرد انبیائے بنی اسرائیل کے وارث ٹھیرائے گئے۔ اور دراصل مسیح موعود کا اس اُمت میں سے پیدا ہونا یہ بھی اسی دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ گو مخفی طور پر بہت سے اخیار و ابرار نے انبیاء بنی اسرائیل کی مماثلت کا حصہ لیا ہے مگر اس اُمت کا مسیح موعود کھلے کھلے طور پر خدا کے حکم اور اذن سے اسرائیلی مسیح کے مقابل کھڑا کیا گیا تا موسوی اور محمدی سلسلہ کی مماثلت سمجھ آجائے۔"

آسمانی ٹیکہ کی کامیابی حضرت اقدس نے کشتی نوح میں جو دو امر بطور آسمانی ٹیکہ پیش کئے تھے اُن میں سے ایک تو آپ کے گھر کے اندر کی رہائش تھی یعنی خدا نے وعدہ فرمایا تھا کہ آپ کے گھر کے اندر مخلص لوگ طاعون سے محفوظ رہیں گے اور دوسرا امر یہ تھا کہ وہ لوگ جو آپ کی تعلیم پر عمل کریں گے وہ بھی بچائے جائیں گے۔ کیونکہ عملی طور پر وہ آپ کے روحانی گھر کے اندر ہی ہیں۔ ان دو امور کا ماحصل یہ تھا کہ آپ کی جماعت کے لوگ نسبتاً اور مقابلتاً طاعون سے اس درجہ محفوظ رہیں گے کہ یہ امر ان کے اور ان کے غیر میں بطور ایک امتیازی نشان کے ہو جائے گا۔ یہ آسمانی ٹیکہ ایسا خارق عادت طور پر کامیاب ثابت ہوا کہ حیرت ہو جاتی ہے۔ آپ کے گھر کے اندر تو خدا کا فضل رہا کسی کا سر بھی نہ دکھا۔ بلکہ میر اسحاق کی گلٹیوں اور تپ کا آپ کی دعا سے دور ہو جانا بجائے خود ایک خارق عادت نشان کے رنگ میں ظاہر ہوا۔ اور قادیان اور باہر کیا۔ تمام پنجاب و ہندوستان میں احمدی جماعت کے اندر طاعون کے کیس شاذ و نادر کے طور پر ہی ہوئے اور دیہات میں بالخصوص یہ فرق ایسا نمایاں نظر آیا کہ ہر کس و ناکس

کو حیرت ہو گئی کہ یہ کیا تماشہ ہے کہ احمدیوں کو اللہ تعالیٰ نے خارق عادت طور پر طاعون سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اس کا اثر اسقدر زبردست ہوا کہ لوگ بڑی کثرت کے ساتھ جماعت میں شامل ہونے لگ گئے جو لوگ قادیان پہنچ نہ سکتے تھے ان کی فہرستوں کی فہرستیں تحریری بیعت کی حضرت کی خدمت میں آنے لگیں اور گاؤں کے گاؤں احمدی ہو گئے۔ اور اس طرح حضرت کا وہ الہام "یا مسیح الخلق عدوانا" کہ اے خلقت کے مسیح ہمیں پناہ دیجئے۔ بڑی صفائی سے پورا ہوا۔ جہاں کثرت کے ساتھ لوگ بیعت کے خطوط لکھتے وہاں طاعون سے بچنے کے لئے دعا بھی کرواتے۔ اور خدا اپنے فضلوں کا صریح نشان یوں دکھاتا کہ وہ لوگ طاعون سے دوسروں کی نسبت بہت حد تک محفوظ ہو جاتے اور کبھی شاذ و نادر ہی اُن میں کوئی طاعون کا کیس ہوتا۔ غرضیکہ یہ آسمانی ٹیکہ بہت کامیاب رہا۔

زمینی ٹیکہ کی ناکامی اس کے بالمقابل زمینی ٹیکہ کی اسکیم ویسے ہی خارق عادت طور پر ناکام ہوئی اور وہ اس طرح کہ ابھی ٹیکہ کا کام شروع ہی ہوا تھا۔ ایک دو ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ گجرات کے ضلع میں ملکووال نام ایک گاؤں میں طاعون کے ٹیکہ سے ایک رات میں ۱۹ آدمی مر گئے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ٹیکے کے سیرم (Serum) یعنی عرق میں ٹیٹنس (Tetanus) کے جرم تھے۔ ٹیکہ سے اس قدر آدمی کے مر جانے نے خواہ اس کا سبب کچھ بھی ہو یکدم لوگوں کو ٹیکہ سے خائف اور متنفر کر دیا۔ اور تمام پنجاب میں پبلک نے ٹیکہ کرانے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ساری اسکیم فیل ہو گئی۔ اور وہ ڈاکٹر غریب جو انگلستان سے ٹیکہ کرنے آئے تھے ہندوستان سے بستر گول کر گئے۔ اور طاعون کا ٹیکہ مارے پنجاب سے چشم زدن میں نابود ہو گیا۔ حالانکہ طاعون اُسی طرح اپنے زوروں پر تھی۔ اس واقعہ سے قبل طاعون کا ٹیکہ لوگوں میں ہر دلعزیز اور مقبول ہوتا چلا جا رہا تھا۔ میں چونکہ اس زمانہ میں خود انسداد طاعون کے محکمہ میں ڈاکٹر تھا اس لئے اس امر کا ذاتی تجربہ رکھتا ہوں۔ سیالکوٹ اور گورداسپور کے ضلعوں میں میں نے ہزارہا کی تعداد میں لوگوں کو خود ٹیکہ کیا۔ اور اس کثرت سے لوگ ٹیکہ کراتے تھے کہ بعض اوقات ہجوم کی زیادتی کی وجہ سے پولیس کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ اور بعض دیہات کی تو باری بھی نہ آتی تھی۔ اور بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ مختلف زمیندار اپنے اپنے موضع کی طرف لیجانے کیلئے میرے گھوڑے کی لگام زبردستی کھینچتے اور مجھے نہایت زبردست کشمکش میں سے گزرنا پڑتا۔ چنانچہ اسی قبولیت کو دیکھ کر گورنمنٹ نے اتنے بڑے پیمانہ پر سارے پنجاب کو ٹیکہ کرنا چاہا تھا۔ لیکن خدا کی شان یا تو ٹیکہ کی یہ قبولیت اور یا کشتی نوح کے شائع ہونے کے بعد قدرت کی طرف سے ایک ایسی دھول پڑی کہ کایا ہی پلٹ ہو گئی۔ ٹیکے کے نام سے لوگوں کو وحشت ہونے لگی لوگ اس قدر خائف اور متنفر ہو گئے کہ گورنمنٹ کو بذریعہ تار

پنجاب کے ہر حصّہ میں کام بند کر دینا پڑا اور سارا کھیل آناً فاناً میں بگڑ کر رہ گیا۔ اور ایک آنکھیں رکھنے والے آدمی کو صاف نظر آ گیا کہ یہ خدا کی مشیت تھی کہ زمینی اور آسمانی ٹیکوں کے فرق کو نمایاں کر کے دکھایا جائے سو دکھا دیا۔ مامور کا زمانہ بھی ایام اللہ ہوتا ہے۔ ان ایام میں بعض دفعہ ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں جن سے اسباب کے پردے چاک ہو کر مسبّب حقیقی کا چہرہ صاف نظر آنے لگتا ہے +

دشمن کی موت سے خوش نہ ہونا چاہئے

حضرت اقدس کو لوگوں کے طاعون سے ہلاک ہونے سے بہت افسوس ہوتا تھا۔ اسی لئے آپ بار بار کتابوں اور رسالوں اور اشتہاروں کے ذریعہ لوگوں کو طاعون سے بچنے کے ذرائع کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے۔ ۵۔ اپریل ۱۹۰۳ء کا واقعہ ہے اس سال طاعون کا بڑا زور تھا بعض مخالفین کے طاعون سے ہلاک ہونے کی خبر آئی۔ اس پر فرمایا کہ "دشمن کی موت سے خوش نہیں ہونا چاہئے بلکہ عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ ہر ایک شخص کا خدا تعالیٰ سے الگ الگ حساب ہے۔ سو ہر ایک کو اپنے اعمال کی اصلاح اور جانچ پڑتال کرنی چاہئے۔ دوسروں کی موت تمہارے واسطے عبرت اور ٹھوکر سے بچنے کا باعث ہونی چاہئے۔ نہ یہ کہ تم ہنسی ٹھٹھے میں بسر کرو اور بھی خدا سے غافل ہو"

چراغ الدین جمونی اور اس کی ہلاکت

چراغ الدین کا دعویٰ رسالت

ایک شخص مسمی چراغ الدین ساکن جموں حضرت اقدس کے مریدوں میں داخل ہوا تھا۔ مگر اپریل ۱۹۰۲ء میں اس پر ایک عجیب خبط سوار ہوا۔ اس نے یہ دعویٰ کر دیا کہ میں عیسیٰ کا رسول ہوں۔ اور میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں میں صلح کراؤں اور قرآن اور انجیل کا باہمی تفرقہ دور کروں۔ اور اپنے مامور من اللہ ہونے کے ثبوت میں بڑے زور سے نشان نمائی کا بھی دعویٰ کر دیا اور اسی قسم بہت سی باتیں لکھ ماریں۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کو جب یہ علم ہوا اور آپ نے جناب باری میں توجہ کی تو اس کی نسبت آپ کو یہ الہام ہوا کہ نزل بہ جبیز۔ جبیز دراصل خشک اور بے مزہ روٹی کو کہتے ہیں جس میں کوئی حلاوت نہ ہو اور مشکل سے حلق سے اُتر سکے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس جگہ جبز سے مراد وہ حدیث النفس اور اضغاث احلام ہیں جن کے ساتھ آسمانی روشنی نہیں ہوتی ایسے خیالات خشک مجاہدات کا نتیجہ ہوتے ہیں یا تمنا اور آرزو کے وقت القاء شیطانی ہو جاتا ہے۔ پھر ایک رات جب چاند گرہن ہو رہا تھا حضرت کو الہام ہوا کہ "انی اذیب من یریب" میں فنا کر دوں گا میں غارت کر دوں گا۔ میں غضب نازل کروں گا" اگر اس نے یعنی چراغ الدین نے شک کیا اور اس پر یعنی مسیح موعود پر ایمان نہ لایا اور مامور من اللہ ہونے کے دعوے سے توبہ نہ کی۔ اس الہام کے بعد

آپ نے بذریعہ ایک اعلان کے چراغ الدین اور پبلک کو مطلع کر دیا کہ اس شخص کی رسالت بالکل غلط اور مقصد رسالت نہایت لغو ہے کیونکہ قرآن شریف نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ انجیل یا توریت سے صلح کریگا بلکہ وہ ان کتابوں کو محرّف مبدل اور ناقص قرار دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور چراغ الدین کو لکھا کہ اگر بہت جلد تم نے توبہ نامہ شائع نہ کیا تو میری مریدی سے اپنے آپ کو خارج سمجھو۔ اور اپنی نسبت پیشگوئی بھی سن لو۔ چنانچہ آپ نے پھر وہ سب الہامات لکھ دیئے جو آپ پر اس شخص کے بارے میں نازل ہوئے تھے۔ اور اس اعلان کو آپ نے اپنے رسالہ دافع البلاء کے ساتھ ۲۳۔ اپریل ۱۹۰۲ء کو شائع فرما دیا۔ نیز ازراہ ترحّم مولوی محمد احسن صاحب امروہی کو فرمایا کہ چراغ الدین کو بذریعۂ ایک دوستانہ خط کے سمجھائیں شاید اس طرح زیادہ اثر ہو۔ چنانچہ مولانا نے ایک مفصل خط اُسے لکھ کر بہت کچھ سمجھایا اور توبہ کیلئے تاکید کی۔

چراغ الدین کی توبہ اس پر ۲۷۔ اپریل ۱۹۰۲ء کو چراغ الدین جمونی نے اپنا توبہ نامہ لکھ کر بھیج دیا جس میں یہ لکھا کہ:۔

"چونکہ حضور امام الزمان اور خلیفۃ اللہ اور حَکَم ہیں اس لئے جناب کا فیصلہ اور حکم ہر ایک فرد بشر کو ماننا اور قبول کرنا فرض ہے لہٰذا مَیں بھی حضور کے فیصلہ کو جو کہ میرے دعوئے ماموریت کی نسبت صادر ہؤا ہے سچے دل سے منظور و قبول کرتا ہوں۔ اور مَیں نے اپنے اس دعوے کے متعلق ہمیشہ کے لئے یہ استعفا اور توبہ نامہ لکھ کر حضور میں ارسال کیا ہے اور اگر مرضی مبارک میں آوے تو شائع بھی کر دیں"۔

حضرت اقدس کو چراغ الدین کی اس توبہ سے نہایت خوشی ہوئی۔ فرمانے لگے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص فطرت کا بد اور مفتری نہ تھا بلکہ کسی القائے شیطانی یا اضغاث احلام کے رنگ میں حدیث نفس کا شکار ہو گیا تھا۔ سو الحمد للہ کہ اُسے سمجھ آ گئی اور جلد ہی تائب ہو گیا۔ یہ توبہ نامہ ۳۰۔ اپریل ۱۹۰۲ء کے الحکم میں شائع کر دیا گیا۔

چراغ الدین کا دوبارہ خروج لیکن افسوس ہے کہ چراغ الدین اپنی اس توبہ پر قائم نہ رہا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اس پر پھر یہی خبط سوار ہؤا۔ اور اب کے دفعہ اس نے اس قدر جوش سے دعویٰ ماموریت و رسالت کیا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی مخالفت میں ایک کتاب لکھ ماری جس کا نام اس نے منارۃ المسیح رکھا۔ اور اس میں نہایت تکبر سے یہ دعویٰ کیا کہ مَیں وہ روحانی منارہ بنانے آیا ہوں جس پر عیسیٰ ابن مریم کا نزول ہوگا اور مرزا غلام احمد نعوذ باللہ وہی دجال معہود ہے جس کے آنے کی خبر احادیث میں آئی ہے اور مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور حضرت عیسیٰ نے مجھے اپنا عصا دیا ہے تا اس عصا سے اس دجال کو قتل کروں۔ پھر جب منارۃ المسیح کی اشاعت پر ایک برس گزر گیا تو اُس نے حضرت اقدس کو دجال ثابت کرنے

کے لئے ایک اور کتاب لکھی۔ اور چونکہ اس کی شوخی اور تکبر اور افترا پردازی کی وجہ سے غضب الٰہی کا وقت قریب آگیا تھا اس لئے اس نے اس دوسری کتاب میں مباہلہ کی دعا لکھی اور جناب الٰہی میں دعا کرکے حضرت مرزا صاحب کی ہلاکت چاہی۔ اور حضرت مرزا صاحب کو ایک فتنہ قرار دے کر خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ تو اس فتنہ کو دنیا سے مٹا دے۔ یہ عجیب قدرت حق اور عبرت کا مقام ہے کہ جب مضمون مباہلہ اُس نے کاتب کے حوالے کیا تو وہ کاپیاں ابھی پتھر پر نہیں جمی تھیں کہ دو نو لڑکے اس کے جو صرف دو ہی تھے طاعون میں مبتلا ہو کر مر گئے۔ اور آخر ۸۔ اپریل ۱۹۰۶ء کو لڑکوں کی موت سے دو تین روز بعد طاعون میں مبتلا ہو کر خود بھی ہلاک ہو گیا۔ اور لوگوں پر ظاہر کر گیا کہ صادق کون ہے اور کاذب کون۔ جو لوگ اس وقت حاضر تھے ان کی زبانی سنا گیا کہ وہ اپنی موت کے قریب کہتا تھا کہ "اب خدا بھی میرا دشمن ہو گیا ہے"۔ وہ کتاب بعد میں چھپ گئی مگر لکھنے والا خود اس جہان سے گزر کر اپنی ناکامی اور کذب پر مہر لگا گیا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الالباب +

حضرت اقدس کی ایمانی قوت

الحکم ۱۰۔ جولائی ۱۹۰۲ء میں ایک ڈائری کا اقتباس شائع شدہ موجود ہے اس میں ایک نکتہ معرفت میں یہاں نقل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جس سے حضرت مرزا صاحب کی ایمانی قوت کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔ فرمایا:-

"ہم اپنے خدا تعالیٰ پر یہ قوی ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے صادق بندہ کو کبھی ضائع نہیں کرتا حضرت ابراہیم کی طرح اگر وہ آگ میں ڈالا جاوے تو وہ آگ اس کو جلا نہیں سکتی۔ ہمارا مذہب یہی ہے کہ ایک آگ نہیں۔ اگر ہزار آگ بھی ہو تو وہ جلا نہیں سکتی۔ صادق اس میں ڈالا جاوے تو ضرور بچ جاوے گا۔ ہم کو اگر اس کام کے مقابلہ میں جو خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے آگ میں ڈالا جاوے تو ہمارا یقین ہے کہ آگ جلا نہیں سکے گی۔ اور اگر شیروں کے پنجرہ میں ڈالا جاوے تو وہ کھا نہ سکیں گے۔ مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ ہمارا خدا وہ خدا نہیں جو اپنے صادق بندہ کی مدد نہ کر سکے بلکہ ہمارا خدا قادر خدا ہے جو اپنے بندوں اور اس کے غیروں میں مابہ الامتیاز رکھ دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر دعا بھی ایک فضول شے ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ مَیں خدا تعالیٰ کی نسبت بیان کرتا ہوں اس کی قوتیں اور طاقتیں اس سے بھی کروڑ در کروڑ درجے بڑھ کر ہیں جن کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اگر قریش مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر آگ میں ڈال دیتے تو وہ آگ ہرگز ہرگز آپ کو جلا نہیں سکتی تھی۔ اگر کوئی محض اس بنا پر کہ آگ اپنی تاثیر نہیں چھوڑتی انکار کرے تو وہ خبیث اور کافر ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے جب ان سب دشمنوں کو مخاطب کرکے یہ کہہ دیا کہ فکیدونی جمیعًا تم سب

مکر کرکے دیکھ لویں اس کو ضرور بچا لوں گا۔ پھر اگر کوئی یہ وہم بھی کرے کہ آگ میں ڈالتے تو معاذاللہ جل جاتے یہ کفر ہے۔ قرآن شریف سچا ہے اور خدا تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں۔ وہ کوئی بھی حیلہ اور فریب آپ کی جان لینے کے لئے کرتے اللہ تعالیٰ ضرور ان کے گزند سے محفوظ رکھتا جیسا کہ محفوظ رکھ کر دکھا دیا۔ خواہ وہ صلیب کا مکر کرتے خواہ آگ میں ڈالنے کا۔ غرض کوئی بھی کرتے آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے وعدے کے موافق صادق ثابت ہوتے جیسا کہ ہوئے جس طرف ہم اپنی جماعت کو کھینچنا چاہتے ہیں وہ یہی عظیم الشان مرحلہ خدا شناسی کا ہے۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ سب کچھ ہو جاوے گا۔

ہمارے اختیار میں ہو تو ہم فقیروں کی طرح گھر بہ گھر پھر کر خدا تعالیٰ کے سچے دین کی اشاعت کریں اور اس ہلاک کرنے والے شرک اور کفر سے جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے لوگوں کو بچا لیں۔ اگر خدا تعالیٰ ہمیں انگریزی زبان سکھا دے تو ہم خود پھر کر اور دورہ کرکے تبلیغ کریں اور اسی تبلیغ میں زندگی ختم کر دیں خواہ مارے ہی جاویں"

کتاب نزول المسیح کی تصنیف

یہ کتاب حضرت اقدس نے بعض مخالفین کے جواب میں تصنیف فرمانی شروع کی تھی بالخصوص پیسہ اخبار کے مفتریات اور لاہور کے شیعہ مجتہد علی حائری کی ہزلیات اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی کتاب سیف چشتیائی کا آپ نے اس میں جواب دیا ہے۔ اس کا زمانہ تصنیف جولائی اور اگست ۱۹۰۲ء ہے +

پیسہ اخبار کی مفتریات کا جواب حضرت اقدس نے اپنی کتاب دافع البلاء میں جو قادیان کے طاعون جارف سے محفوظ رہنے کی پیشگوئی کی تھی وہ اڈیٹر پیسہ اخبار کو جو سلسلہ احمدیہ کا سخت دشمن تھا بہت بُری لگی۔ وہ تو پہلے ہی شب و روز آپ کی تکذیب و تکفیر میں ساعی رہتا تھا۔ اب اس نے یہ التزام کیا کہ ادھر اُدھر سے دشمنوں سے سُن سنا کر اپنے اخبار میں ایسی خبریں چھاپنے لگا کہ فلاں فلاں آدمی قادیان میں طاعون سے مر گئے ہیں اور مرزا صاحب کی پیشگوئی غلط نکلی ہے۔ حالانکہ حضرت مرزا صاحب نے کبھی یہ پیشگوئی نہ کی تھی کہ قادیان میں کوئی کیس طاعون کا نہ ہوگا یا کوئی طاعون سے نہیں مرے گا۔ بلکہ پیشگوئی یہ تھی کہ قادیان میں طاعون جارف نہ ہوگی جس میں لوگ کثرت سے بیمار ہوتے اور مرتے ہیں۔ اور وہ قریہ کی تباہی اور ہلاکت کا موجب ہوتی ہے۔ اور چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ قادیان کے اردگرد کے دیہات میں ہر سال طاعون سے قیامت بپا ہوتی تھی مگر قادیان میں امن رہتا تھا۔ بالخصوص احمدی محلہ میں۔ اگر کبھی

کوئی ایک دو کیس قادیان میں طاعون کے ہو بھی جائیں تو وہ اس پیشگوئی کی صداقت کے منافی نہ ہو سکتے تھے۔ لیکن ایک مکذب کو اس سے کیا غرض اس کو تو تکذیب اور استہزا سے واسطہ ہوتا ہے۔ پیسہ اخبار نے یہ کمال کیا کہ اگر کوئی بخار یا سل سے بھی مرا تو اُسے طاعون لکھ دیا اور کئی ایک کیس تو یونہی فرضی لکھ دیئے جو اچھے بھلے زندہ موجود تھے انہیں لکھ دیا کہ طاعون سے مر گئے۔ اگرچہ اس کی تردید الحکم اخبار کے ذریعہ ہوتی رہتی تھی مگر حضرت اقدس نے اس کتاب میں خود بھی ان باتوں کی تردید کی۔ اور طاعون کے پنجاب میں پھیلنے اور احمدی جماعت کے طاعون سے نسبتاً محفوظ رہنے کی پیشگوئیوں کو پھر دُہرایا۔ اور قادیان کے متعلق اصل پیشگوئی کو پھر صاف کیا۔ اور پیسہ اخبار کے طاعون کے فرضی بیماروں کی خوب قلعی کھولی +

علی حائری کی تردید رسالہ دافع البلاء میں شیعوں کا رد کرتے ہوئے چونکہ آپ نے اپنے تئیں امام حسینؑ سے افضل لکھ دیا تھا۔ اس سے شیعوں میں بہت زبردست غم و غصہ کی لہر پھیل گئی تھی اور علی حائری لاہوری شیعہ مجتہد نے ایک رسالہ لکھا جس میں تمام نبیوں کی مصائب سے نجات اور نصرتِ الٰہی کو امام حسین علیہ السلام کے طفیل بتایا تھا۔ اور لکھا تھا کہ آدم کی توبہ اور تمام نبیوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتی رہیں جب تک کہ انہوں نے امام حسینؑ کا واسطہ نہیں ڈالا۔ حضرت نوح کا طوفان سے اور حضرت ابراہیم کا آگ سے اور حضرت موسیٰ کا فرعون سے اور حضرت عیسیٰ کا صلیب سے اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کا کفار کے حملوں سے بچنا سب حضرت امام حسینؑ کے صدقہ میں تھا۔ غرضکہ عجیب غالیانہ رنگ میں حضرت امام حسین کو تمام نبیوں سے افضل قرار دیا تھا جس کی تردید حضرت اقدس نے بڑے مدلل اور معقول طریق پر اس کتاب میں کی اور بتایا کہ کسی امام کو متقی اور مقرب الٰہی ماننے کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اُسے اس کے مرتبہ سے بڑھا چڑھا کر مانا جائے۔ غرضکہ ان کے دعویٰ بے دلیل کی نہایت مدلل طریق پر تردید کی +

سیف چشتیائی کا جواب اس کے بعد حضرت اقدس نے پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی کتاب سیف چشتیائی کا اس کتاب میں جواب دیا ہے جسے اس طرح شروع فرماتے ہیں:۔

"یہ کتاب (یعنی سیف چشتیائی) مجھ کو یکم جولائی ۱۹۰۲ء کو بذریعہ ڈاک ملی ہے جس کو پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے شاید اس غرض سے بھیجا ہے کہ تا وہ اس بات سے اطلاع دیں کہ انہوں نے میری کتاب اعجاز المسیح اور نیز شمس بازغہ کا جواب لکھ دیا ہے۔ اور اس کتاب کے پہنچنے سے پہلے ہی مجھ کو یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ اعجاز المسیح کے مقابل وہ ایک کتاب لکھ رہے ہیں...... لیکن افسوس کہ میرا خیال صحیح نہ نکلا۔ جب ان کی کتاب سیف چشتیائی مجھے ملی تو پہلے تو اس کتاب کو ہاتھ

میں لیکر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ اب ہم ان کی عربی تفسیر دیکھیں گے اور بمقابل اس کے ہماری تفسیر کی قدر و منزلت لوگوں پر اور بھی کھل جاوے گی۔ مگر جب کتاب کو دیکھا گیا اور اس کو اُردو زبان میں لکھا ہُوا پایا اور تفسیر کا نام و نشان نہ تھا۔ تب تو بے اختیار ان کی حالت پر رونا آیا۔ یہ کتاب اگرچہ اس لائق نہ تھی کہ ایک نظر بھی اس کو دیکھ سکیں کیونکہ مؤلف کتاب نے جیسا کہ اس کو چاہئے تھا بالمقابل عربی تفسیر لکھ کر اپنی معجزانہ طاقت کا کچھ ثبوت نہیں دیا اور جس فرض کو ادا کرنا تھا وہ اس قدر لمبی مدت میں بھی اس کو ادا نہ کر سکا بلکہ مقابلہ سے منہ پھیر کر اپنی درماندگی کی نسبت اپنے ہاتھ سے مُہر لگا دی اور آپ گواہی دیدی کہ درحقیقت اعجاز المسیح خدا کی طرف سے ایک نشان ہے جس کی نظیر پر وہ قادر نہ ہو سکا تاہم مَیں نے اس اُردو کتاب کو غور سے دیکھا تو معلوم ہُوا کہ بجز بیہودہ نکتہ چینیوں کے کوئی امر بھی اس میں قابل التفات نہیں۔"

گولڑوی صاحب کی بیہودہ نکتہ چینیاں

اس کے بعد حضرت اقدس نے پیر گولڑوی صاحب کی ان بیہودہ نکتہ چینیوں کو یکے بعد دیگرے لیکر اس کا جواب نہایت معقول و مدلل دیا ہے۔ لے دیکے دو باتیں پیر صاحب نے اپنی طرف سے بہت بڑی بنا کر پیش کی تھیں۔ ایک تو یہ کہ اعجاز المسیح کے دو تین فقروں کی نسبت ناحق طور پر یہ لکھ دیا کہ یہ مقامات حریری میں سے سرقہ ہے اور دوسرے یہ کہ مرزا صاحب کے الہامات چونکہ وحی نبوت نہیں ہیں اس لئے انہیں کیوں نہ ہم اضغاث احلام مانیں۔ بوجہ وحی نبوت نہ ہونے کے ان پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت صاحب نے نہایت اعلیٰ اور مسکت دلائل کے ساتھ ان دونو اعتراضات کا رد کیا ہے۔

سرقہ کا جواب

سرقہ کی نسبت جواب دیتے ہوئے توارد پر علم کا ایک دریا بہا دیا ہے۔ ایک جگہ پیر صاحب موصوف پر حجّت تمام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"کیا وجہ کہ باوجود اتنی مدت مدید گذرنے کے پیر مہر علی شاہ صاحب کتاب اعجاز المسیح کی مثل بنانے پر قادر نہ ہو سکے۔ اور نہایت کار یہ کام کیا کہ دو سو صفحہ کی کتاب میں سے جو چار ہزار سطر اور ساڑھے بارہ جز ہے ایسے دو چار فقرے پیش کر دیئے کہ وہ بعض امثلہ مشہورہ سے یا مقامات وغیرہ کے بعض فقرات سے توارد رکھتے ہیں یا مشابہ ہیں۔ بھلا بتاؤ کہ اس میں انہوں نے اپنا کمال کیا دکھلایا۔ ایک منصف انسان سمجھ سکتا ہے کہ جس شخص نے اتنی مدت تک موقعہ پا کر اپنے گوشہ خلوت میں دو چار ورق تک بھی اعجاز المسیح کا نمونہ پیش نہیں کیا تو وہ لاہور کے مقابلہ پر اگر اتفاق ہوتا تو کیا لکھ سکتا تھا۔ وہ پیر فرتوت جو اس قدر سہارے کے ساتھ بھی اُٹھ نہ سکا وہ

بے سہارے کیونکر اُٹھ سکتا...... کیا یہ دیانت کا طریق تھا کہ پیر مہر علی صاحب نے اپنے اشتہار میں لکھا کہ میں بالمقابل تفسیر عربی فصیح میں لکھنے کے لئے لاہور پہنچ گیا ہوں مگر میری طرف سے یہ شرط ہے کہ اول اختلافی عقائد میں زبانی گفتگو ہو۔ اور مولوی محمد حسین منصف ہوں پھر اگر منصف مذکور یہ بات کہہ دے کہ عقائد پیر مہر علی شاہ کے درست اور صحیح ہیں اور انہوں نے اپنے عقائد کا خوب ثبوت دیدیا ہے تو فریق مخالف یعنی مجھ پر لازم ہوگا کہ بلا توقف پیر مہر علی شاہ سے بیعت کروں۔ پھر بعد اس کے تفسیر نویسی کا بھی مقابلہ ہو جائے گا۔ اب دیکھو یہ کس قدر مکاری ہے جبکہ مولوی محمد حسین اور پیر مہر علی شاہ صاحب نزول مسیح اور صعود مسیح کے عقیدہ میں اتفاق رکھتے ہیں تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ مولوی محمد حسین کے منہ سے یہ نکلتا کہ مہر علی کے عقائد صحیح نہیں ہیں یا اس کے دلائل باطل ہیں جبکہ دونو کے عقائد ایک ہیں تو پھر وہ پیر مہر علی کی تکذیب کیونکر کر سکتا تھا ہاں بلاغت و فصاحت کے امور میں جس کو اہل اسلام و غیر اہل اسلام جانچ سکتے ہیں۔ کسی دشمن سے بھی دلیری نہیں ہو سکتی کہ ایسے فریق کو اعلیٰ درجہ کا سارٹیفکیٹ عطا کرے جس کی عبارت گندی اور بودی اور اغلاط نحوی صرفی سے بھری ہوئی ہو۔ سو کتاب اعجاز المسیح کی اشاعت سے پیر مہر علی صاحب کو دوبارہ موقعہ دیا گیا تھا کہ وہ اگر ممکن ہو تو اب بھی اپنی علمی لیاقت سے میری اس شان کو کالعدم کر دیں جس سے صدہا آدمی سلسلۂ بیعت میں داخل ہو رہے ہیں۔ مگر وہ بالکل اس گونگے کی طرح رہ گئے جس پر اشارہ سے بات کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ اور اگر کیا تو یہ کیا کہ دو چار فقرے دوسو صفحے کی کتاب میں سے پیش کر دیئے کہ یہ مقامات حریری وغیرہ کے چند فقرات کا سرقہ ہے۔ اور صرف ایک یا دو سہو کاتب کو صرفی نحوی غلطی قرار دے دیا اور اپنی جہالت سے بعض بلیغ اور صحیح ترکیبوں کو یوں ہی غیر فصیح اور غلط سمجھ لیا ہے۔ یہ ہیں گدی نشین اس ملک کے جنہوں نے خواہ مخواہ مولویت کا دم بھر کر ہمیشہ کے لئے ایک سیاہ داغ اپنے چہرہ پر لگا لیا۔"

بات بھی سچ ہے کہ جو شخص ہزارہا صفحات فصیح و بلیغ عربی کے لکھ سکتا ہے جن کے مقابلہ کیلئے عرب و عجم میں سے کسی عربی دان کو جرأت نہ ہوئی کہ اُٹھ کر ان کا جواب دے۔ اُسے دو تین فقرے کسی کتاب میں سے چُرانے کی ضرورت کیا ہے۔ یا تو کوئی ایسا شخص ہو کہ اِدھر اُدھر کے عربی فقرے چوری کر کے کتاب لکھے تب تو وہ سرقہ ٹھیک ہے لیکن ایک شخص جو اپنے دعوے پر اور نئے سے نئے مضامین پر ہزارہا صفحات فصیح و بلیغ عربی کے بے تکان لکھتا چلا جاتا ہے کس قدر مضحکہ خیز بات ہے کہ وہ دو یا تین

نقرے چوری کرنے کیلئے کسی پرانی عربی کتاب کی ورق گردانی کرے۔ سمجھ نہیں آتا کہ جو شخص عربی نویسی کیلئے تمام دنیا کو چیلنج دے وہ اپنے اس چیلنج پر خاک ڈالنے کیلئے خود ہی پھر کسی کتاب میں سے دو تین فقرے بھی چوری کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک قسم کا توارد ہوتا ہے جو بعض دفعہ بڑے بڑے فصحا و بلغا کے کلام میں بھی ہو جاتا ہے کہ دماغ ایک ہی طرح کا فقرہ بنا ڈالتا ہے۔ چنانچہ بڑی بڑی فصیح و بلیغ کتابوں میں بھی جن کی فصاحت مسلّم ہے اس قسم کا توارد نظر آجاتا ہے (حضرت اقدس نے اس کتاب میں بعض ایسی مثالیں بھی پیش کی ہیں) پس ان کو سرقہ کہہ دینا بالکل بے معنی اور پرلے درجہ کی بے انصافی ہے +

مرزا صاحب کے الہام یقینی نہیں ہیں اس کا جواب

اس اعتراض کے جواب میں کہ مرزا صاحب کے الہامات کو ہم کس طرح یقینی مان لیں کیونکہ وہ وحی نبوت نہیں۔ حضرت اقدس نے پہلے تو وہ طریق بتلائے ہیں جن سے آپ کو الہام ہوتے ہیں۔ پھر وہ نشانات بتلائے ہیں جو ایک منجانب اللہ الہام کے لئے امتیاز خصوصی کے طور پر ہوتے ہیں۔ اور پھر بتایا ہے کہ ولایت کاملہ پر پہنچکر وحی ولایت کو بھی یقین کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس مقام کے چند فقرے یہاں نقل کر دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"مگر ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ جس دل پر درحقیقت آفتاب وحی تجلّی فرماتا ہے اس کے ساتھ ظن اور شک کی تاریکی ہرگز نہیں رہتی۔ کیا خالص نور کے ساتھ ظلمت رہ سکتی ہے۔ پھر جس حالت میں کہ موسیٰ کی ماں کو بھی یقینی الہام ہؤا جس پر پورا یقین رکھ کر اس نے اپنے بچہ کو معرض ہلاکت میں ڈال دیا اور خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ جرم اقدام قتل مجرم نہ ہوئی۔ تو کیا یہ امت اسرائیل کے خاندان کی عورتوں سے بھی گئی گزری ہے۔ اور پھر اسی طرح مریم کو بھی یقینی الہام ہؤا جس پر بھروسہ کر کے اس نے قوم کی کچھ پروا نہیں کی۔ تو حیف ہے اس امت مخذول پر جو ان عورتوں سے بھی کمتر ہے۔ پس اس صورت میں یہ اُمت خیر الامم کا ہے کو ہوئی بلکہ شر الامم اور اجہل الامم ہوئی۔ اسی طرح خضر جو نبی نہیں تھا اور اس کو علم لدنّی دیا گیا تو کیا اگر اس کا الہام ظنّی تھا یقینی نہیں تھا تو کیوں اُس نے ناحق ایک بچہ کو قتل کر دیا اور اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ الہام کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو غسل دینا چاہیئے یقینی اور قطعی نہ تھا تو کیوں انہوں نے اس پر عمل کیا۔ پس اگر ایک شخص اپنی نابینائی سے میری وحی سے منکر ہے تاہم اگر وہ مسلمان کہلاتا ہے اور پوشیدہ دہریہ نہیں تو اس کے ایمان میں یہ بات داخل ہونی چاہیئے کہ یقینی قطعی مکالمہ الٰہیہ ہو سکتا ہے۔ اور جیسا کہ خدا تعالیٰ کی وحی یقینی پہلی اُمتوں میں اکثر مردوں اور عورتوں کو ہوتی رہی ہے اور وہ نبی بھی نہ تھے اس امت میں بھی اس یقینی اور قطعی وحی کا وجود ضروری ہے تا یہ اُمت بجائے افضل الامم ہونے کے اخقر الامم نہ ٹھیر جائے۔ سو خدا نے آخری زمانہ میں اکمل اور اتم طور پر یہ نمونہ دکھایا۔ انتہٰی اقتباسات

سے تعجب نہیں کرنا چاہیئے"۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے ۲۰۲ نشانات اور پیشگوئیاں درج فرمائی ہیں جن سے آپ کے الہامات کا منجانب اللہ ہونا روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتا ہے۔

دو نشانات جدیدہ

اس کتاب میں آپ نے پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور اس کے متعلقین کے معاملہ میں دو جدید نشانوں کا بھی ذکر فرمایا ہے:۔

نشان ۱۔ پیر مہر علی شاہ صاحب کا سرقہ بمعہ ثبوت

ایک نشان تو ان میں سے پیر مہر علی شاہ صاحب کے سرقہ کا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ حضرت اقدس ابھی یہ کتاب نزول المسیح تصنیف فرما رہے تھے جو موضع بھیں سے مولوی محمد حسن فیضی ساکن بھیں کے ایک دوست میاں شہاب الدین صاحب کا آپ کو ایک خط ملا جس میں اُنہوں نے تحریر کیا تھا کہ مَیں پیر مہر علی شاہ کی کتاب دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں اتفاقاً ایک آدمی مجھ کو ملا جس کے پاس کچھ کتابیں تھیں اور وہ مولوی محمد حسن کے گھر کا پتہ پوچھتا تھا۔ استفسار پر اُس نے بیان کیا کہ محمد حسن کی کتابیں پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے منگوائی تھیں وہ اب واپس دینے آیا ہوں مَیں نے وہ کتابیں جب دیکھیں تو ایک ان میں اعجاز المسیح تھی جس پر محمد حسن فیضی متوفی نے اپنے ہاتھ سے نوٹ لکھے ہوئے تھے۔ اور ایک کتاب شمس بازغہ تھی اور اس پر بھی محمد حسن مذکور کے نوٹ لکھے ہوئے تھے اور اتفاقاً اس وقت کتاب سیف چشتیائی میرے پاس موجود تھی۔ جب مَیں نے ان نوٹوں کا اس کتاب سے مقابلہ کیا تو جو کچھ محمد حسن فیضی نے لکھا تھا بلفظہٖ بغیر کسی تصرف کے پیر مہر علی شاہ نے بطور سرقہ اپنی کتاب میں اس کو نقل کر لیا تھا بلکہ بہ تبدیل الفاظ یوں کہنا چاہیئے کہ پیر مہر علی شاہ کی کتاب سیف چشتیائی وہی مسروقہ نوٹ ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ پس مجھ کو اس خیانت اور سرقہ سے سخت حیرت ہوئی کہ کس طرح پیر صاحب نے ان تمام نوٹوں کو اپنی طرف منسوب کر لیا۔ مَیں ہر ایک شخص کو جو پیر مہر علی کی اس خیانت کو دیکھنا چاہے اس کی یہ قابلِ شرم چوری دکھا سکتا ہوں۔ (اصل خط حضرت اقدس نے اس کتاب نزول المسیح میں نقل فرمایا ہے) حضرت اقدس نے اس معاملہ کو پوری طرح تحقیق کرنے کی غرض سے مولوی عبدالکریم صاحب سے میاں شہاب الدین صاحب کو لکھوایا کہ کیا وہ کتابیں اعجاز المسیح اور شمس بازغہ جن پر محمد حسن متوفی کے لکھے ہوئے نوٹ ہیں دیکھنے کیلئے مل سکتی ہیں۔ یا قیمتاً ہی مل جاویں تو ہم خرید لیں۔ اس پر اس نے دوسرا خط لکھا جس میں میاں شہاب الدین صاحب لکھتے ہیں:۔

"مَیں آنے سے کچھ انکار نہ کرتا لاکن کتابیں نہیں دیتے جن پر نوٹ ہیں یعنی شمس بازغہ اور اعجاز المسیح۔ سیف چشتیائی میں جتنی سخت زبانی ہے اکثر محمد حسن کی ہے۔ اسی وجہ سے اس کی موت کا بڑا تعجّ

ہؤا کہ تین دن ...... کی مانند آواز کرتا رہا اور اُس کے منہ سے کلمہ طیبہ ہرگز جاری نہ ہؤا. جو لوگ پاس تھے توبہ توبہ کرتے تھے. قریبیوں کے سوا سب لوگ اس وقت اُٹھائے گئے تھے. گویا اسکو سزا اس جگہ بھی مل گئی. قیامت میں جو ہوگا سو ہوگا. اب میرے خط لکھنے سے گولڑی خود اقراری ہے۔

چنانچہ یہ کارڈ گولڑی کے ہاتھ کا لکھا ہؤا ہے جو اس نے مولوی کرم الدین صاحب کو لکھا ہے. غرض گولڑی نے محمد حسن کے والد کو بہت تاکید کی ہے کہ ان کو کتابیں مت دکھاؤ یعنی اس راقم خاکسار کو۔ گولڑی کارڈ میں لکھتا ہے کہ محمد حسن کی اجازت سے لکھا گیا مگر یہ اعتراف راستبازی کے تقاضہ سے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ یہ بھید ہم پر کھل گیا اس لئے ناچار شرمندہ ہو کر اقراری ہؤا۔ دوسرے خط میں گولڑی کا کارڈ ہے جو اس نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر روانہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔"

در اصل بات یوں ہوئی تھی کہ میاں شہاب الدین صاحب نے مولوی محمد حسن متوفی کے خسر پورہ رسالے (مولوی کرم الدین صاحب ساکن بھیں) سے پیر گولڑی صاحب کے اس سرقہ کا ذکر کیا تھا تو انہوں نے بھی اسے تسلیم کیا اور پیر صاحب سے اس امر میں بازپرس کی۔ اس کے جواب میں اُنہوں نے یہ کارڈ بھیجا جس کا ذکر میاں شہاب الدین اپنے خط میں کر رہے ہیں۔ اس خط میں پیر گولڑوی صاحب نے یہ عذر کیا ہے کہ مولوی محمد حسن متوفی نے اپنی زندگی میں مجھے اجازت دیدی تھی کہ اپنے نام پر اس کتاب کو چھاپ دوں لیکن یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔ اگر متوفی کی طرف سے اجازت تھی تو کیوں پیر مہر علی شاہ صاحب نے اس کتاب میں اس اجازت کا ذکر نہیں کیا اور کیوں دعویٰ کر دیا کہ مَیں نے ہی اس کتاب کو تالیف کیا ہے۔ یہ تو ایک صریح بددیانتی کا طریق ہے کہ ایک شخص وفات یافتہ کی کل کتاب کو اپنی طرف منسوب کر لیا جائے اور اس کا نام تک نہ لیا جائے (حضرت اقدس نے پیر صاحب کے اصل کارڈ کی نقل بھی اس کتاب نزول المسیح میں درج کی ہے) اس کے بعد مولوی کرم الدین صاحب ساکن بھیں نے جن کا اُوپر ذکر آیا ہے ایک خط حضرت اقدس کی خدمت میں خود لکھا جو اسی کتاب نزول المسیح میں بتمامہٖ نقل شدہ موجود ہے۔ مَیں اس میں سے بیان ضروری اقتباس درج کرتا ہوں۔ مولوی کرم الدین صاحب لکھتے ہیں:۔

"مَیں ایک عرصہ سے آپ کی کتابیں دیکھا کرتا ہوں۔ مجھے آپ کے کلام سے تعشق ہے۔ میں نے کئی دفعہ عالم رویا میں بھی آپ کی نسبت اچھے واقعات دیکھے ہیں۔ اکثر آپ کے مخالفین سے بھی جھگڑا کرتا ہوں۔ اگرچہ مجھے ابھی تک جناب سے سلسلہ پیری مریدی نہیں ہے کیونکہ اس بارے میں میرے خیال میں بہت احتیاط درکار ہے۔ جب تک بالمشافہ اطمینان نہ کیا جاوے بیعت کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ لیکن تاہم مجھے جناب سے غائبانہ محبت ہے ...... کل میرے عزیز دوست

میاں شہاب الدین طالب علم کے ذریعہ سے مجھے ایک خط رجسٹری شدہ جناب مولوی عبدالکریم صاحب کی طرف سے ملا جس میں پیر صاحب گولڑی کی سیف چشتیائی کی نسبت ذکر تھا۔ میاں شہاب الدین کو خاکسار نے بھی اس امر کی اطلاع دی تھی کہ پیر صاحب کی کتاب میں اکثر حصّہ مولوی محمد حسن مرحوم کے ان نوٹوں کا ہے جو مرحوم نے کتاب اعجاز المسیح اور شمس بازغہ کے حواشی پر اپنے خیالات لکھے تھے وہ دونو کتابیں پیر صاحب نے مجھ سے منگوائی تھیں اور اب واپس آگئی ہیں۔ مقابلہ کرنے سے وہ نوٹ باصلہ درج کتاب پائے گئے۔ یہ ایک نہایت سارقانہ کارروائی ہے کہ ایک فوت شدہ شخص کے خیالات لکھ کر اپنی طرف منسوب کر لئے اور اس کا نام تک نہ لیا۔ اور طرفہ یہ کہ بعض وہ عیوب جو آپ کی کلام کی نسبت پکڑتے ہیں پیر صاحب کی کتاب میں خود اس کی نظیریں موجود ہیں۔ وہ دونو کتابیں چونکہ مولوی محمد حسن صاحب کے باپ کی تحویل میں ہیں اس واسطے جناب کی خدمت میں وہ کتابیں بھیجنا مشکل ہے۔ کیونکہ ان کا خیال آپ کے خلاف میں ہے۔ اور وہ کبھی بھی اس امر کی اجازت نہیں دے سکتے۔ ہاں یہ ہوسکیگا کہ ان نوٹوں کو بجنسہٖ نقل کر کے آپ کے پاس روانہ کیا جائے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی خاص آدمی جناب کی جماعت سے یہاں آکر خود دیکھ جائے۔ لیکن جلدی آنے پر دیکھا جاسکے گا۔ پیر صاحب کا ایک کارڈ جو مجھے پرسوں ہی پہنچا ہے باصلہا جناب کے ملاحظہ کے لئے روانہ کیا جاتا ہے جس میں اُنہوں نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مولوی محمد حسن کے نوٹ انہوں نے چرا کر سیف چشتیائی کی رونق بڑھائی ہے۔ لیکن ان سب باتوں کو میری طرف سے ظاہر فرمایا جانا خلاف مصلحت ہے۔ ہاں اگر میاں شہاب الدین کا نام ظاہر بھی کر دیا جائے تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا۔ کیونکہ مَیں نہیں چاہتا کہ پیر صاحب کی جماعت مجھ پر سخت ناراض ہو...... خاکسار محمد کرم الدین عفی عنہ از بھیں تحصیل چکوال مؤرخہ ۲۱ جولائی ۱۹۰۲ء"

مولوی کرم الدین صاحب کے اس خط کے آنے پر حکیم فضل الدین بھیروی صاحب نے جن کے سپرد قادیان کی کل کتب کی طباعت و اشاعت کا کام تھا۔ ایک خط مولوی کرم الدین صاحب کو لکھا کہ وہ کتابیں اعجاز المسیح اور شمس بازغہ جن پر مولوی محمد حسن کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے نوٹ ہیں ہمارے ہاتھ فروخت کردو تو بڑی مہربانی ہو۔ اس کے جواب میں ۲۳۔ اگست ۱۹۰۲ء کا لکھا ہوا خط مولوی کرم الدین صاحب کا بنام حکیم فضل الدین صاحب وصول ہوا اس میں مولوی کرم الدین صاحب لکھتے ہیں:-

"۲۱۔ جولائی کو لڑکا (یعنی مولوی محمد حسن متوفّٰی کا بیٹا۔ ناقل) گھر پہنچ گیا۔ اسی وقت سے کارِ معلوم کی نسبت اس سے کوشش شروع کی گئی۔ پہلے تو کتابیں دینے سے اس نے سخت انکار کیا اور کہا

کہ کتابیں جعفر زٹلی کی ہیں۔ اور وہ مولوی محمد حسن مرحوم کا خط شناخت کرتا ہے اور اس نے بتاکید مجھے کہا ہے کہ فوراً کتابیں لاہور زٹلی کے پاس پہنچا دوں۔ لیکن بہت سی حکمت عملیوں اور طمع دینے کے بعد اس کو تسلیم کرایا گیا۔ مبلغ چھ رُپے معاوضہ پر آخر راضی ہؤا۔ اور کتاب اعجاز المسیح کے نوٹوں کی نقل دوسرے نسخہ پر کرکے اصل کتاب جس پر مولوی مرحوم کے اپنی قلم کے نوٹ ہیں ہمدست حامل عریضہ ابلاغ خدمت ہے۔ کتاب وصول کرکے اس کی رسید حامل عریضہ کو مرحمت فرماویں۔ اور نیز اگر موجود ہوں تو چھ روپے بھی حامل کو دیدیجئے گا تا کہ لڑکے کو دیدیئے جائیں اور تا کہ دوسری کتاب شمس بازغہ کے حاصل کرنے میں دقت نہ ہو۔ کتاب شمس بازغہ کا جس وقت مجلد نسخہ آپ روانہ فرماویں گے فوراً اصل نسخہ جس پر نوٹ ہیں اسی طرح روانہ خدمت ہوگا۔ آپ بالکل تسلی فرماویں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہ ہوگی...... آپ شمس بازغہ کا نسخہ بہت جلدی منگا کر روانہ فرماویں کیونکہ لڑکا صرف ایک ماہ کی رخصت پر گھر آیا ہے اس عرصہ کے انقضا پر اس نے کتاب لاہور لے جانی ہے اور پھر کتاب کا ملنا متعذر ہو جاوے گا......"

غرضکہ دونو کتابیں یعنی اعجاز المسیح اور شمس بازغہ جن پر محمد حسن متوفی کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے نوٹ تھے بارہ رُپے دیکر محمد حسن کے بیٹے سے خرید لی گئیں اور وہ کتب حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچ گئیں اور پیر گولڑوی صاحب کے سرقہ کا ثبوت مکمل ہوگیا۔ کیونکہ سیف چشتیائی میں بلفظہا وہی نوٹ موجود تھے اور اپنی طرف سے کچھ نہ تھا۔ یہ ایسا نشان تھا کہ مومن کا دل عبرت سے پانی پانی ہو جاتا ہے مقام غور ہے یہ شخص لاہور میں تفسیر نویسی کے مقابلہ کو حیلے حوالے کرکے ٹال گیا۔ پھر جب حضرت اقدس نے اعجاز المسیح کے ذریعہ سورۂ فاتحہ کی عربی تفسیر لکھ کر بالمقابل اُسے عربی میں تفسیر لکھنے کو چیلنج کیا تو بھی ایک لفظ نہ لکھ سکا۔ کئی مہینہ کی کاوش کے بعد اس نے ایک کتاب سیف چشتیائی اُردو میں تصنیف کی اور اپنی طرف سے اس میں اعجاز المسیح پر کچھ نکتہ چینیاں کیں۔ لیکن آخر کار ثابت ہوگیا کہ وہ کتاب بھی بدقسمت محمد حسن متوفی کے نوٹوں کو چرا کر لکھی ہے اور یہ چوری ایسی صاف کھلی جیسا کہ کوئی چور عین نقب لگاتے وقت مال مسروقہ کے ساتھ پکڑا جائے۔ یہ ایسی کارروائی تھی کہ پیر مہر علی صاحب اور ان کے چیلے چانٹے اگر کچھ غیرت ہوتی تو شرم سے ڈوب مرتے۔ حضرت اقدس کا وہ الہام کہ اِنّی مُھینٌ من اراد اھانتک کہ جو تیری توہین کرنا چاہیگا میں اس کی توہین کروں گا کیسی صفائی سے یہاں بھی پورا ہؤا۔ پیر گولڑوی نے اعجاز المسیح میں حضرت اقدس کے دوچار عربی فقروں کی نسبت لکھا تھا کہ یہ سرقہ ہے حالانکہ وہ توارد تھا۔ کیونکہ جس شخص نے سینکڑوں صفحے اور ہزارہا فقرے فصیح و بلیغ عربی کے لکھ ڈالے اسے دوچار فقروں کے

سرقہ کی ضرورت کیا تھی لیکن خدا نے اس ارادہ اہانت پر پیر صاحب کو جس طرح پکڑا اور ان کے کامل و مکمل سرقہ کو جس طرح طشت از بام کیا وہ قابل صد عبرت ہے۔ یہ ایسا صریح اور بین نشان ظاہر ہوا کہ ایک عقلمند کا اس کی عظمت اور صداقت کے آگے سر جھک جاتا ہے۔

نشان نمبر ۲
مولوی محمد حسن فیضی ساکن بھین کی ہلاکت

دوسرا نشان یہ تھا کہ حضرت اقدس نے اعجاز المسیح کے ٹائیٹل پیج پر لکھا تھا من قام للجواب وتنمّر فسوف یریٰ انّہ تندّم وتذمّر۔ یعنی جو کوئی اس کے جواب کیلئے کھڑا ہوگا اور پلنگ خوئی یعنی درندگی دکھائے گا وہ ضرور ندامت اٹھائے گا اور ناکام و نامراد مر جائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مولوی محمد حسن فیضی ساکن بھین نے اعجاز المسیح کا جواب لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور اس پر نکتہ چینی کے طور پر نوٹ بھی لکھے تھے اور ان میں سخت الفاظی اور درندگی بھی دکھائی تھی تو کچھ دیر نہ لگی اور جلد ہی ناکام و نامراد دنیا سے اُٹھ گیا۔ اور نہایت عبرت ناک موت سے مرا۔

پیر گولڑی صاحب نے اعجاز المسیح کا جواب تو کیا لکھنا تھا فقط متوفّی محمد حسن کے نوٹوں کو لیکر کام چلایا تھا تو اس قدر ذلّت کی مار ماری گئی کہ اس سے بہتر تھا کہ وہ مرجاتے۔ اور اپنی زندگی ہی اپنے تقویٰ اور علم و فضل کی یہ پردہ دری نہ دیکھتے اور ان کی چوری اس طرح نہ پکڑی جاتی جیتے جی ذلت کی موت یہ اُس موت سے بڑھکر ہے جس سے محمد حسن متوفّی مرگیا۔

کتاب نزول المسیح کی اشاعت میں التوا

جیسا کہ مَیں اُوپر لکھ چکا ہوں یہ کتاب نزول المسیح جولائی اور اگست ۱۹۰۲ء میں زیر تصنیف تھی اور جیسے جیسے یہ کتاب لکھی جاتی تھی ساتھ ساتھ چھپتی بھی جاتی تھی۔ لیکن ایسا ہوا کہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۲ء کے اخبار الحکم میں میاں شہاب الدین اور مولوی کرم الدین ساکن بھیں کے مذکورہ بالا خطوط شیخ یعقوب علی تراب صاحب نے چھاپ دیئے جس پر مولوی کرم الدین جو پیر گولڑوی کے مریدوں سے بہت خائف تھا بگڑ گیا اور خفا ہو کر احمدیوں کو دھمکی دی کہ اب مَیں تمہیں سمجھ لوں گا۔ چنانچہ سراج الاخبار جہلم مؤرخہ ۶۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں ایک خط اور ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے سراج الاخبار میں ایک قصیدہ مولوی کرم الدین کے نام سے شائع ہوا جس میں مولوی کرم الدین نے یہ ظاہر کیا کہ یہ خطوط جعلی اور جھوٹے ہیں۔ اُس کے لکھے ہوئے نہیں ہیں اور یہ لکھا کہ مرزا غلام احمد کی ملہمیت کی آزمائش کے لئے مَیں نے اُنہیں دھوکا دیا تھا اور خلاف واقعہ خطوط لکھے اور لکھائے تھے۔ اور کہ یہ نوٹ کسی بچّے سے لکھوائے تھے اور جھوٹ موٹ محمد حسن فیضی کے بتائے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور حضرت اقدس کے خلاف اور بھی بہت کچھ بکواس کی۔ یہ خطوط بعد میں بہت بڑی اور طویل مقدمہ بازی کی تمہید ثابت ہوئے

اس لئے حضرت اقدس نے اس کتاب کی اشاعت کو جو سیف چشتیائی کا جواب تھا روک لیا۔ کیونکہ جب تک مذکورہ بالا خطوط کی صداقت کا جو اس کتاب میں درج تھے۔ عدالت سے فیصلہ نہ ہو لیتا اس کتاب کا شائع کرنا مناسب نہ تھا۔ علاوہ ازیں انہی ایام میں آپ شمس الہدایہ کے جواب میں کتاب تحفۂ گولڑویہ اپنی قلم سے لکھ کر یکم ستمبر ۱۹۰۲ء کو شائع فرما ہی چکے تھے اس لئے اس دوسری کتاب نزول المسیح کی جو سیف چشتیائی کے جواب میں تھی جلد اشاعت کی ضرورت بھی نہ تھی اس لئے مناسب یہی سمجھا گیا کہ اس کی اشاعت کو روک لیا جائے اور مقدمہ کے فیصلہ کا انتظار کیا جائے۔ لیکن بعد میں یہ کئی مقدمات بن گئے اور دو اڑھائی سال تک برابر چلتے رہے۔ جن کے دوران میں مولوی کرم الدین کے جھوٹ کی قلعی نہایت صفائی سے کھل گئی اور یہ خطوط اور اعجاز المسیح والے محمد حسن فیضی متوفی کے نوٹ اصلی ثابت ہوئے۔ لیکن اس اثنا میں حضرت اقدس ایک اور مبسوط تصنیف لکھنے میں مصروف ہو گئے جس کا نام آپ نے نصرۃ الحق رکھا اور جو بعد میں براہین احمدیہ حصہ پنجم کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہ کتاب ابھی زیر طبع تھی جو ڈاکٹر عبد الحکیم خاں پٹیالوی کے ارتداد کا فتنہ اُٹھا جس کے دفع کرنے کے واسطے آپ نے حقیقۃ الوحی ایک ضخیم کتاب لکھنی شروع کی جو ۶۰۰ صفحے کی کتاب ہے۔ اس کے ختم کرنے پر ارادہ تھا کہ کتاب نزول المسیح اور براہین احمدیہ حصہ پنجم کو مکمل کیا جائے جو انہی دنوں آپکا ایک مضمون آریوں کے جلسہ میں پڑھا گیا جس کے بالمقابل آریوں کی طرف سے آنحضرت صلعم کی شان میں ایک گالیوں سے بھرا ہوا لیکچر آپ کے خدام کی موجودگی میں سنایا گیا جس سے آپ کو بہت رنج ہوا۔ اس کے جواب میں آپنے ۳۵۰ صفحے کی ایک کتاب چشمۂ معرفت تصنیف فرمائی۔ اس کی اشاعت کو ابھی دو تین روز ہی گزرے تھے کہ پیغام صلح لکھنے پر آپ کی توجہ ہوئی۔ وہ ختم ہی کیا تھا کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے آپ کی طلبی کا پیغام آپہنچا اس لئے یہ کتاب نزول المسیح اسی طرح نامکمل حالت میں آپ کی وفات کے بعد ۲۵۔ اگست ۱۹۰۹ء کو شائع ہوئی۔ لیکن بجائے خود یہ ایک مکمل کتاب ہے۔ صرف جن نشانات کا اس میں لکھنے کا ارادہ تھا وہ سب لکھے نہیں جا سکے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ سب نشانات آپ کی دوسری کتاب حقیقۃ الوحی میں لکھے جا چکے اور جس عربی عبارت کا لکھنے کا اس میں وعدہ تھا جس کے مقابلہ کے لئے دوبارہ پیر گولڑوی اور لاہور کے شیعہ مجتہد علی حائری کو آپ دعوت دینا چاہتے تھے وہ دعوت آپ نے کتاب اعجاز احمدی لکھ کر پوری کردی۔ اور اسی وجہ سے اُس کا دوسرا نام آپنے ضمیمہ نزول المسیح رکھا۔ اعجاز احمدی میں آپ نے ایک زبردست فصیح و بلیغ عربی قصیدہ لکھ کر مولوی ثناء اللہ امرتسری اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور لاہور کے شیعہ مجتہد علی حائری وغیرہ کو اُس کا

جواب عربی میں لکھنے کیلئے چیلنج دیا تھا۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کا جواب لکھ نہ سکا۔ اور سب اپنا سا منہ لیکر رہ گئے۔ اعجاز احمدی کا ذکر آگے آتا ہے +

ڈاکٹر جان الیگزنڈر ڈوئی مدعیٔ نبوّت کی ہلاکت

ڈوئی کا دعویٰ نبوت سنہ ۱۹۰۲ء میں شکاگو میں جو صوبجات متحدہ امریکہ کا ایک مشہور شہر ہے۔ ایک عیسائی پادری ڈاکٹر جان الیگزنڈر ڈوئی نے جو اُس ملک میں اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت مشہور تھا یہ دعوے کیا کہ مَیں خدا کا نبی اور رسول ہوں۔ اور جس طرح مسیح کی آمد اول سے قبل یوحنا یعنی یحیی کے وجود میں ایلیا آیا تھا اسی طرح مسیح کی آمد ثانی سے قبل ......

...مَیں ایلیا بن کر خدا کی طرف سے آیا ہوں اور مجھے الہام کے ذریعہ خبر دی گئی ہے کہ پچیس برس کے اندر یسوع مسیح آسمان سے اُتر آئے گا۔ چنانچہ اُس نے ایک اخبار نکالا جس کا نام لیوز آف ہیلنگ (Leaves of Healing) رکھا اور اس کے ذریعہ دنیا میں اپنا خوب پروپاگنڈا کیا۔ چونکہ علم توجہ و ہپناٹزم بھی جانتا تھا اس لئے بعض اعصابی مریض اس کی توجہ اور عمل سے اچھے بھی ہو جاتے رہے۔ نتیجہ یہ کہ امریکہ میں ہزارہا اس کے مرید ہو گئے جن سے بیشمار دولت اس نے جمع کی اور اپنے مریدوں کا ایک شہر آباد کیا جس کا نام اس نے صیحون رکھا جہاں وہ نوابوں اور شہزادوں کی طرح رہنے لگا۔ اس عارضی کامیابی کے نشہ میں اس نے اپنے ۱۹ر دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء کے اخبار میں یہ اعلان کیا کہ "میرا کام یہ ہے کہ مَیں مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب سے لوگوں کو جمع کروں اور مسیحیوں کو اس شہر اور دوسرے شہروں میں آباد کر دوں - یہاں تک کہ وہ دن آجائے کہ مذہب محمدی دنیا سے مٹایا جائے۔ اے خدا ہمیں وہ وقت دکھلا۔" پھر یہ پروپاگنڈا کیا کہ "میری دعا سے تمام مسلمان ہلاک ہو جائیں گے اور اسلام نابود ہو جائے گا اور خانہ کعبہ ویران ہو جائے گا۔"

یہ شخص سخت مشرک تھا اور حضرت عیسیٰ کو درحقیقت خدا جانتا تھا۔ حضرت اقدس نے اس کے ان دعاوی کو سُن کر اس کا اخبار خریدنا شروع کیا۔ اور جب اُس نے اپنے دعویٰ نبوت میں اس قدر تحدی کرنی شروع کر دی کہ ایک دفعہ لکھ دیا کہ "اگر مَیں سچا نبی نہیں ہوں تو پھر روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو خدا کا نبی ہو۔" اور اسلام اور بانیٔ اسلام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار دشمنی میں وہ حد سے گزر گیا اور اس کی شوخی انتہا کو پہنچ گئی +

ڈوئی کو دعوت مباہلہ اور اسکی ہلاکت کی پیشگوئی تو حضرت اقدس نے ۸۔ اگست سنہ ۱۹۰۲ء کو اسے ایک کھلی چٹھی لکھی جس

میں آپ نے اس کو مباہلہ کیلئے چیلنج دیا۔ پہلے اس میں آپ نے یسوع مسیح کی موت اور ان کی کشمیر والی قبر کا بڑے روشن دلائل سے ثبوت دیا اور پھر لکھا:-

"غرض ڈوئی بار بار لکھتا ہے کہ عنقریب یہ سب لوگ ہلاک ہو جائیں گے بجز اس گروہ کے جو یسوع کی خدائی مانتا ہے اور ڈوئی کی رسالت۔ اس صورت میں یورپ اور امریکہ کے تمام عیسائیوں کو چاہیئے کہ بہت جلد ڈوئی کو مان لیں تا ہلاک نہ ہو جائیں اور جبکہ اُنہوں نے ایک نامعقول امر کو مان لیا ہے یعنی یسوع مسیح کی خدائی کو۔ تو چلو یہ دوسرا نامعقول امر بھی مان لو کہ اس خدا کا ڈوئی رسول ہے۔ رہے مسلمان سو ہم ڈوئی صاحب کی خدمت میں بادب عرض کرتے ہیں کہ اس مقدمہ میں کروڑوں مسلمانوں کے مارنے کی کیا حاجت ہے ایک سہل طریق ہے جس سے اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ آیا ڈوئی کا خدا سچا خدا ہے یا ہمارا خدا۔ وہ بات یہ ہے کہ ڈوئی صاحب تمام مسلمانوں کو بار بار موت کی پیشگوئی نہ سنا دیں بلکہ ان میں سے صرف مجھے اپنے ذہن کے آگے رکھ کر یہ دعا کر دیں کہ جو ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ پہلے مر جائے کیونکہ ڈوئی یسوع مسیح کو خدا جانتا ہے مگر مَیں اس کو ایک بندۂ عاجز مگر نبی جانتا ہوں۔ اب فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ دونوں میں سے سچا کون ہے چاہیئے کہ وہ اس دعا کو چھاپ دے اور کم سے کم ہزار آدمی کی اس پر گواہی لکھے اور جب وہ اخبار میں شائع ہو کر میرے پاس پہنچے گی تب مَیں بھی بجواب اس کے یہی دعا کروں گا اور انشاءاللہ ہزار آدمی کی گواہی لکھ دوں گا۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ ڈوئی کے اس مقابلہ سے تمام عیسائیوں کے لئے حق کی شناخت کے لئے ایک راہ نکل آئے گی۔ مَیں نے ایسی دعا کیلئے سبقت نہیں کی۔ بلکہ ڈوئی نے کی۔ اس سبقت کو دیکھ کر غیور خدا نے میرے اندر یہ جوش پیدا کیا۔ اور یاد رہے کہ میں اس ملک میں معمولی انسان نہیں ہوں۔ مَیں وہی مسیح موعود ہوں جس کا ڈوئی انتظار کر رہا ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ ڈوئی کہتا ہے کہ مسیح موعود پچیس برس کے اندر اندر پیدا ہو جائیگا اور مَیں بشارت دیتا ہوں کہ وہ مسیح پیدا ہو گیا۔ اور وہ مَیں ہی ہوں۔ صدہا نشان زمین سے اور آسمان سے میرے لئے ظاہر ہو چکے۔ ایک لاکھ کے قریب میرے ساتھ جماعت ہے جو زور سے ترقی کر رہی ہے۔ ڈوئی بیہودہ باتیں اپنے ثبوت میں لکھتا ہے کہ مَیں نے ہزارہا بیمار توجہ سے اچھے کئے ہیں۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ کیوں پھر اپنی لڑکی کو اچھا نہ کر سکا اور وہ مر گئی اور اب تک اس کے فراق میں روتا ہے اور کیونکر اپنے اس مرید کی عورت کو اچھا نہ کر سکا جو بچہ جن کر مر گئی اور اس کی بیماری پر بلایا گیا مگر وہ گزر گئی۔ یاد رہے کہ اس ملک کے صدہا عام لوگ اس قسم کے عمل کرتے ہیں اور سلب امراض میں بہتوں

کومشق ہوجاتی ہے اور کوئی ان کی بزرگی کا قائل نہیں ہوتا۔ پھر امریکہ کے سادہ لوحوں پر نہایت تعجب ہے کہ وہ کس خیال میں پھنس گئے۔ کیا ان کیلئے مسیح کو ناحق خدا بنانے کا بوجھ کافی نہ تھا کہ یہ دوسرا بوجھ بھی انہوں نے گلے ڈال لیا۔ اگر ڈوئی اپنے دعوے میں سچا ہے اور درحقیقت یسوع مسیح خدا ہے تو یہ فیصلہ ایک ہی آدمی کے مرنے سے ہوجائے گا۔ کیا حاجت ہے کہ تمام ملکوں کے مسلمانوں کو ہلاک کیا جائے۔ لیکن اگر اس نے اس نوٹس کا جواب نہ دیا اور یا اپنے لاف وگزاف کے مطابق دعا کردی اور پھر دنیا سے قبل میری وفات کے اُٹھایا گیا تو یہ تمام امریکہ کیلئے ایک نشان ہوگا مگر یہ شرط ہے کہ کسی کی موت انسانی ہاتھوں سے نہ ہو بلکہ کسی بیماری سے یا بجلی سے یا سانپ کے کاٹنے سے یا کسی درندہ کے پھاڑنے سے ہو اور ہم اس جواب کیلئے ڈوئی کو تین ماہ تک مہلت دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا سچوں کے ساتھ ہو۔ آمین۔"

پھر آگے چل کر اسی چٹھی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں ایک آدمی ہوں جو پیرانہ سالی تک پہنچ چکا ہوں۔ میری عمر غالباً چھیاسٹھ[1] سال سے بھی کچھ زیادہ ہے اور ذیابیطس اور اسہال کی بیماری بدن کے نیچے کے حصہ میں اور دوران سر اور کمی دوران خون کی بیماری بدن کے اوپر کے حصہ میں ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ میری زندگی میری صحت سے نہیں بلکہ میرے خدا کے حکم سے ہے۔ پس اگر ڈوئی کا مصنوعی خدا کچھ طاقت رکھتا ہے تو ضرور میرے مقابل اس کو اجازت دیگا۔ اگر تمام مسلمانوں کے ہلاک کرنے کے عوض میں صرف میرے ہلاک کرنے سے ہی کام ہوجائے تو ڈوئی کے ہاتھ میں ایک بڑا نشان آجائے گا۔ پھر لاکھوں انسان مریم کے بیٹے کو خدا مان لیں گے اور نیز ڈوئی کی رسالت کو بھی۔ اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر تمام دنیا کے مسلمانوں کی نفرت عیسائیوں کے خدا کی نسبت ترازو کے ایک پلہ میں رکھی جائے اور دوسرے پلہ میں میری نفرت رکھی جائے تو میری نفرت اور بیزاری عیسائیوں کے بناوٹی خدا کی نسبت تمام مسلمانوں کی نفرت سے وزن میں زیادہ نکلیگی۔"

گویا آپ نے ڈوئی کو ہر طرح برانگیختہ کیا کہ وہ آپ سے مباہلہ پر راضی ہوجائے۔ یہ بھی بتایا کہ میری عمر ۶۶ سال سے زیادہ ہے اور میں مختلف امراض کا شکار ہوں حالانکہ ڈوئی کی عمر ۵۰ یا ۵۷ سال سے زیادہ نہیں اور وہ خوب تنومند اور تندرست بھی ہے۔ پس ایسے بوڑھے آدمی سے جو مریض بھی ہے ایک نسبتاً جوان تندرست آدمی کو مباہلہ کرنے میں کیا تامل ہوسکتا ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ مسلمانوں میں مجھ سے

[1] یہ تخمینہ ہے درحقیقت اس وقت آپ کی عمر ۷۰ سال کی تھی جیسا کہ دوبارہ مباہلہ کی دعوت میں آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ (مؤلف)

بڑھ کر عیسائیت کے مشرکانہ عقائد کا کوئی دشمن نہیں۔ پس تمام مسلمانوں میں اگر کوئی بد دعا سے ہلاک کرنے کے قابل ہوسکتا ہے تو وہ میرے جیسا شخص ہی ہوسکتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی اس چٹھی میں بتایا جیسا کہ میں لکھ آیا ہوں کہ خواہ ڈوئی مباہلہ منظور کرے یا نہ کرے اور نوٹس کا جواب دے یا نہ دے تب بھی وہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی پیشگوئی کے مطابق آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہوگا اور اس کی موت کسی انسانی ہاتھ سے نہیں ہوگی۔ اور یہ تمام امریکہ کے لئے اسلام کی صداقت اور مسیحیت کے بطلان پر ایک روشن نشان ہوگا۔ حضرت اقدس نے یہ چٹھی مولوی محمد علی صاحب سے انگریزی میں ترجمہ کروا کے ڈاکٹر ڈوئی کے پاس امریکہ بھیجی۔ اور ستمبر ۱۹۰۲ء کے ریویو آف ریلیجنز میں بھی شائع کروایا اور اس رسالہ کو خاص طور پر امریکہ کے تمام مشہور اخباروں کے اڈیٹروں کے نام بھیجا۔ اور چونکہ ڈوئی کا فوٹو شائع ہو چکا تھا اسلئے آپ نے اپنا فوٹو بھی امریکہ میں شائع کروایا۔ غرضیکہ جہاں تک ممکن تھا مباہلہ کے اس چیلنج اور مباہلہ نہ کرنے کی صورت میں بھی آپ کی زندگی میں ہی ڈوئی کی ہلاکت کی پیشگوئی کو امریکہ و یورپ میں خوب نشر کیا تاکہ تبلیغ کا حق ادا ہو جائے۔ اور حجت تمام ہو جائے۔

اس چیلنج پر امریکہ کے اخباروں کی آرا

اس چیلنج کے جواب میں خود ڈوئی تو کچھ نہ بولا مگر امریکہ کے تمام مشہور اخباروں میں یہ پیشگوئی بہت اچھے ریمارکس کے ساتھ شائع ہوئی۔ اور یہ سوال امریکہ کی اخباری دنیا میں بڑی کثرت سے پوچھا گیا کہ "کیا ڈوئی اس مقابلہ میں نکلے گا؟" ۳۲ اخبار تو امریکہ سے قادیان بھی پہنچ گئے تھے جن میں اس دعوت مباہلہ اور پیشگوئی کا ذکر تھا۔ اور ان اخباروں میں سے کئی ایک میں حضرت اقدس کا فوٹو بھی شائع ہوا۔ سب اخباروں کی آرا نقل کرنا تو موجب طوالت ہوگا البتہ تین اخباروں کی رائے کا تھوڑا سا اقتباس بطور نمونہ یہاں درج کرتا ہوں:۔

(۱) لٹریری ڈائجسٹ نے جو نیویارک کا مشہور اخبار ہے ۲۰۔جون ۱۹۰۳ء کے پرچہ میں "ایک مجوزہ دعا کے مقابلہ میں دو حریف" کے عنوان کے تحت میں لکھا:۔

"مرزا غلام احمد صاحب ساکن قادیان (پنجاب ہندوستان) اپنی شائع شدہ تحریروں میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انہوں نے اس ملک کے ڈاکٹر ڈوئی کو ایک مقابلہ کیلئے بلایا ہے جس میں ہتھیار صرف دعا ہوگا۔ اور ہر ایک فریق خدا تعالیٰ سے یہ دعا کرے گا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے ہلاک ہو۔ ریویو آف ریلیجنز کے بیان کے مطابق اس چیلنج کا پیش کرنیوالا مسیح موعود ہے جو عین اس وقت پر دنیا کی اصلاح کیلئے بھیجا گیا ہے جو بائیبل کی پیشگوئیوں کے حساب کے رُو سے مسیح کی آمد کا وقت ہے اور اس کے پیرو ایک لاکھ آدمی ہیں جن کی تعداد بہت جلدی بڑھ رہی ہے۔ اس مسیح کی تعلیم یہ ہے کہ

یسوع مسیح محض ایک انسان تھا ایک نیک انسان۔ لیکن اس میں الوہیت کوئی نہ تھی۔"
اس کے بعد اس نے حضرت اقدس کے چیلنج کو نقل کیا ہے

(۲) اخبار برلنگٹن فری پریس نے ۲۷۔ جون ۱۹۰۳ء کے پرچہ میں "ایک دعا کے مقابلہ کی تجویز" کے عنوان کے نیچے لکھا:۔

"ملک کے مختلف حصوں میں یہ بحث بڑے زور شور سے ہو رہی ہے کہ قحط کے دُور کرنے میں دُعا مؤثر ہے یا نہیں؟ اور اس بحث میں دو فریق ہو گئے ہیں...... دعا کے اثر کے متعلق ایک طریق تحقیق ابھی پیش ہوا ہے جس کا آخری نتیجہ ایسا قطعی ہوگا کہ اس میں کسی بحث کی گنجائش نہیں ہوگی۔ ایلیاس ڈوئی شکاگو کے مفتری پیشوا کو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ایک چیلنج دیا ہے کہ وہ ایک ایسی دعا میں جس کا نتیجہ ایک فریق کے لئے موت ہوگا ان کا مقابلہ کرے...... بلحاظ رواج کے ڈوئی کو یہ حق حاصل ہونا چاہئے تھا کہ وہ مقابلہ کے لئے خود ہتھیار تجویز کرتا۔ لیکن مسیح موعود نے بڑی ہوشیاری سے ایک ایسا ہتھیار تجویز کر دیا ہے جس سے ڈوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اب اگر ڈوئی اس تجویز کو نہ مانے تو دوسرے الفاظ میں اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ اپنے معاملہ کو اس بڑے مقتدر حاکم کے ہاتھ میں نہیں دینا چاہتا جس کی طرف سے وہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ سچا ہے۔ برعکس اس کے اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ڈوئی کا فریق مقابل کوئی معمولی آدمی نہیں ہے...... ڈوئی نے ابھی تک کوئی اظہار رائے نہیں کیا۔ لیکن اگر وہ اس نئی قسم کے چیلنج کو منظور کرنے سے انکار کر دیگا تو اس کے مریدوں کی تعداد میں ضرور کمی آنی شروع ہو جاوے گی۔"

شکاگو کا اخبار شکاگو انٹر پریٹر نے ۲۸۔ جون ۱۹۰۳ء کے پرچہ میں "ڈوئی کو جو ایلیاس ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے دعا کے ایک مقابلہ میں بلایا گیا ہے جس کا نتیجہ موت ہوگا" کے عنوان کے نیچے لکھا:۔

"مرزا غلام احمد ایک مسلمان جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ جھوٹا کون ہے۔ ایلیاس ڈوئی کو چیلنج دیا گیا ہے کہ وہ دعا میں مقابلہ کرے۔ چیلنج کا دینے والا مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ مرزا صاحب اپنے چیلنج میں لکھتے ہیں کہ اے جھوٹے مدعی ادعا کو ہتھیار بنا کر میرے ساتھ مقابلہ کر۔ آؤ ہم دونو زمین پر جھک جائیں اور خدا سے دعا کریں کہ جو ہم دونو میں سے جھوٹا ہے وہ پہلے ہلاک ہو۔ ڈوئی نے چیلنج کو منظور نہیں کیا اور نہ ہی اب تک انکار کیا ہے۔ غالباً پارٹی کی خوشگوار ہوا میں وہ جواب تجویز کر رہا ہے۔ ممکن ہے کہ بحیثیت فریق ثانی چیلنج ہونے کے وہ شرائط میں کچھ تبدیلی چاہے۔ اس صورت میں اس کی درخواست یہ ہوگی کہ بجائے دعا کے گالیوں میں مقابلہ کیا جاوے اور جو

دوسرے کو زیادہ گالیاں دے سکے وہی فتحیاب سمجھا جاوے۔ شاید وہ چیلنج کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور مرزا غلام احمد کو کہے کہ پہلے تم ایسی شہرت حاصل کرلو۔ خواہ کچھ ہی ہو ڈوئی اس چیلنج کو یونہی رد نہیں کر سکتا۔ دعوے کے لحاظ سے خود مرزا صاحب کا دعویٰ ہلکا نہیں۔ ریویو آف ریلیجنز جس میں یہ چیلنج چھپا ہے کہتا ہے کہ مرزا صاحب وہ مسیح موعود ہیں جو دنیا کی اصلاح کیلئے عین اس وقت بھیجے گئے ہیں جو بائیبل کی پیشگوئیوں کے حساب کے رُو سے مسیح کے آنے کا وقت ہے۔ انکی جماعت ایک لاکھ تک پہنچ چکی ہے اور زور سے ترقی کر رہی ہے۔ اس مسیح کی تعلیم یہ ہے کہ مسیح سابق ایک انسان تھا الوہیت سے خالی مگر راستباز۔"

اس کے بعد اس نے حضرت اقدس کا وہ چیلنج نقل کیا۔ اور اخیر میں اس اخبار نے پُرزور الفاظ میں یوں لکھا کہ: "کیا ڈوئی اس مقابلہ کو منظور کرے گا۔ مرزا صاحب نے کونسا پہلو اپنی رعایت کا رکھا ہے کہ وہ نہ منظور کرے۔" ایسا ہی دوسرے اخباروں نے لکھا تھا۔ لیکن حضرت اقدس کے دعوت مباہلہ پر ایک سال گزر گیا مگر ڈوئی نے ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا۔ نہ قبول کیا اور نہ انکار کیا۔

دعوت مباہلہ کا اعادہ اور ڈوئی کی ہلاکت کی پیشگوئی

جب ایک سال گزر گیا اور ڈوئی نے کوئی جواب نہ دیا تو حضرت اقدس نے ۲۳ اگست ۱۹۰۳ء کو بذریعہ ایک انگریزی اشتہار کے پھر اسی دعوت مباہلہ کا اعادہ کیا جو گزشتہ سال ۱۹۰۲ء میں دے چکے تھے۔ اور لکھا کہ ڈوئی کی عمر تو صرف ۵۰ یا ۵۵ سال ہے۔ اور بالمقابل میری عمر قریب ۷۰ سال کے ہے۔ وہ بالکل صحت ور اور تنومند ہے اور مَیں مختلف امراض کا شکار ہوں۔ وہ ایک پُر فضا اور حفظان صحت کے مطابق بنے ہوئے نئے شہر میں رہتا ہے اور مَیں پنجاب کے ایک گاؤں میں رہتا ہوں جس صوبہ میں طاعون کا زور ہے لیکن تاہم مَیں نے ان تمام امور کو نظر انداز کر کے یہ دعوت مباہلہ دی ہے کیونکہ اس مباہلہ کا فیصلہ دنیوی اسباب کے ماتحت نہیں ہوگا۔ بلکہ خدا جو احکم الحاکمین ہے وہ اس کا فیصلہ کرے گا۔ اور پھر بطور پیشگوئی اس امر کو شائع فرمایا کہ اگر ڈوئی اس مقابلہ سے بھاگ گیا تب بھی وہ خدا کی سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ اور نیز اس کے شہر صیحون پر بھی بہت جلد آفت آنیوالی ہے۔

ڈوئی کا زبانی جواب

یہ اشتہار پھر امریکہ کے اخباروں میں جو نشر ہوا تو ڈوئی نے اپنے اخبار کے پرچہ میں جو ۲۶ ستمبر ۱۹۰۳ء کو شائع ہوا اور نیز دسمبر ۱۹۰۳ء کے پرچہ میں نہایت تکبر سے یہ لکھا کہ:-

"ہندوستان میں ایک بیوقوف محمدی مسیح ہے جو مجھے بار بار لکھتا ہے کہ یسوع مسیح کی قبر کشمیر میں ہے اور لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو اس کا جواب کیوں نہیں لکھتا اور کہ تو کیوں اس شخص کا جواب

نہیں دیتا۔ مگر کیا تم خیال کرتے ہو کہ مَیں ان مچھروں اور مکھیوں کا جواب دوں گا۔ اگر مَیں ان پر پاؤں رکھ دوں تو مَیں ان کو کچل کر مار ڈالوں"

ڈوئی کی ہلاکت

علیٰ ہذا القیاس یہ شخص شوخی میں روز بہ روز بڑھتا گیا یہاں تک کہ خدا کے عذاب میں پکڑا گیا اور حضرت اقدس کی زندگی میں ہی آپ کی پیشگوئی کے مطابق مارچ ۱۹۰۷ء میں ہلاک ہوگیا۔ ڈوئی چونکہ مدعیٔ نبوت تھا اور اپنی نبوت کا ایک مقصود و نیلہ سے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا بھی بتلاتا تھا۔ اس لئے حضرت اقدس کو بہت جوش تھا کہ یہ جھوٹا مدعی جلد خدا کرے عذاب میں پکڑا جائے اور ہلاک ہو کر اسلام کی صداقت پر نشان بن جائے۔ اور یہ سب کچھ آپ کی زندگی میں ہو۔ اسی لئے آپ خدا تعالیٰ سے دعا کرتے رہتے تھے کہ جلد صداقت کا بول بالا ہو اور جھوٹ ناپید ہو۔ چنانچہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۴ پر آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور مَیں ہمیشہ اس بارے میں خدا تعالیٰ سے دعا کرتا تھا اور کاذب کی موت چاہتا تھا چنانچہ کئی دفعہ خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی کہ تو غالب ہوگا اور دشمن ہلاک کیا جائے گا۔ اور پھر ڈوئی کے مرنے سے قریباً پندرہ دن پہلے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام کے ذریعہ سے مجھے میری فتح کی اطلاع بخشی جس کو مَیں اس رسالہ میں جس کا نام ہے "قادیان کے آریہ اور ہم" اس کے ٹائیٹل پیج کے پہلے ورق کے دوسرے صفحہ میں ڈوئی کی موت سے قریباً دو ہفتہ پہلے شائع کر چکا ہوں اور وہ یہ ہے۔

تازہ نشان کی پیشگوئی

خدا فرماتا ہے کہ مَیں ایک تازہ نشان ظاہر کروں گا جس میں فتح عظیم ہوگی وہ تمام دنیا کے لئے ایک نشان ہوگا (یعنی ظہور اس کا صرف ہندوستان تک محدود نہیں ہوگا) اور خدا کے ہاتھوں سے اور آسمان سے ہوگا۔ چاہیئے کہ ہر ایک آنکھ اس کی منتظر رہے کیونکہ خدا اس کو عنقریب ظاہر کرے گا تا وہ یہ گواہی دے کہ یہ عاجز جس کو تمام قومیں گالیاں دے رہی ہیں اس کی طرف سے ہے۔ مبارک وہ جو اس سے فائدہ اٹھاوے۔ المشتہر مرزا غلام احمد مسیح موعود مشتہرہ ۲۰۔ فروری ۱۹۰۷ء۔

اب ظاہر ہے کہ ایسا نشان (جو فتح عظیم کا موجب ہے) جو تمام دنیا ایشیا اور امریکہ یورپ اور ہندوستان کے لئے ایک کھلا کھلا نشان ہو سکتا ہے وہ یہی ڈوئی کے مرنے کا نشان ہے۔ کیونکہ اور نشان جو میری پیشگوئیوں سے ظاہر ہوئے ہیں وہ تو پنجاب اور ہندوستان تک ہی محدود تھے اور امریکہ اور یورپ کے کسی شخص کو ان کے ظہور کی خبر نہ تھی۔ لیکن یہ نشان پنجاب سے بصورت پیشگوئی ظاہر ہو کر امریکہ میں جا کر ایسے شخص کے حق میں پورا ہوا جس کو امریکہ اور یورپ

کا فرد فرد جانتا تھا۔ اور اس کے مرنے کے ساتھ ہی بذریعہ تاروں کے اس ملک کے انگریزی اخباروں کو خبر دی گئی۔ چنانچہ پایونیر نے جو الہ آباد سے نکلتا ہے پرچہ ۱۱۔ مارچ ۱۹۰۷ء میں اور سول اینڈ ملٹری گزٹ نے جو لاہور سے نکلتا ہے پرچہ ۱۲۔ مارچ ۱۹۰۷ء میں اس خبر کو شائع کیا ہے...... پس اس طرح پر قریباً تمام دنیا میں یہ خبر شائع کی گئی۔ اور خود یہ شخص اپنی دنیوی حیثیت کے رو سے ایسا تھا کہ عظیم الشان نوابوں اور شاہزادوں کی طرح مانا جاتا تھا۔ چنانچہ وب نے جو امریکہ میں مسلمان ہو گیا ہے میری طرف اس کے بارے میں ایک چٹھی لکھی تھی کہ ڈاکٹر ڈوئی اس ملک میں نہایت معززانہ اور شاہزادوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ اور باوجود اس عزت اور شہرت کے جو امریکہ اور یورپ میں اس کو حاصل تھی خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ ہوا کہ میرے مباہلہ کا مضمون اس کے مقابل پر امریکہ کے بڑے بڑے نامی اخباروں نے جو روزانہ ہیں شائع کر دیا اور تمام امریکہ اور یورپ میں مشہور کر دیا اور پھر اس عام اشاعت کے بعد جس ہلاکت اور تباہی کی اس کی نسبت پیشگوئی میں خبر دی گئی تھی وہ ایسی صفائی سے پوری ہوئی کہ جس سے بڑھ کر اکمل اور اتم طور پر ظہور میں آنا متصور نہیں ہو سکتا۔ اس کی زندگی کے ہر ایک پہلو پر آفت پڑی۔ اس کا خائن ہونا ثابت ہوا۔ اور وہ شراب کو اپنی تعلیم میں حرام قرار دیتا تھا مگر اس کا شراب خور ہونا ثابت ہو گیا۔ اور وہ اپنے آباد کردہ شہر صیحون سے بڑی حسرت کے ساتھ نکالا گیا جس کو اس نے کئی لاکھ روپیہ خرچ کر کے آباد کیا تھا۔ اور نیز سات کروڑ نقد روپیہ سے جو اس کے قبضہ میں تھا اس کو جواب دیدیا گیا اور اس کی بیوی اور اس کا بیٹا اس کے دشمن ہو گئے۔ اور اس کے باپ نے اشتہار دیا کہ وہ ولد الزنا ہے۔ پس اس طرح پر وہ قوم میں ولد الزنا ثابت ہوا۔ اور یہ دعویٰ کہ میں بیماروں کو معجزہ سے اچھا کرتا ہوں۔ یہ تمام لاف وگزاف اس کی محض جھوٹی ثابت ہوئی اور ہر ایک ذلت اس کو نصیب ہوئی۔ اور آخر کار اس پر فالج گرا۔ اور ایک تختہ کی طرح چند آدمی اس کو اٹھا کر لے جاتے رہے اور پھر بہت غموں کے باعث پاگل ہو گیا اور حواس بجا نہ رہے اور یہ دعویٰ اس کا کہ میری ابھی بڑی عمر ہے اور میں روز بروز جوان ہوتا جاتا ہوں اور لوگ بڈھے ہوتے جاتے ہیں محض فریب ثابت ہوا۔ آخر کار مارچ ۱۹۰۷ء کے پہلے ہفتہ میں ہی بڑی حسرت اور درد اور دکھ کے ساتھ مر گیا۔"

صیحون کی تباہی حضرت اقدس نے اوپر بیان کردہ حالات جو ڈوئی کے لکھے ہیں یہ سب امریکہ کے اخبارات

سے بنے تھے۔ انہی اخباروں میں بعد میں یہ بھی نکلا کہ ڈوئی کے آباد کردہ شہر صیحون کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ لوگ متنفر اور بیزار ہو کر اس شہر کو ہی چھوڑ کر چلے گئے اور وہ شہر ویران ہو گیا۔ مکانات گر گئے اور وہاں گھاس اُگ آئی۔ اور آپ کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ اس کے شہر صیحون پر بہت جلد آفت آنیوالی ہے۔

مسٹر پگٹ کا دعوئے خدائی اور اس کی تباہی کی پیشگوئی

مسٹر پگٹ کا دعویٰ خدائی اسی سال ۱۹۰۲ء میں ڈاکٹر ڈوئی کے دعوے کے بعد انگلستان میں لندن میں ایک پادری مسٹر پگٹ نے اپنے گرجے میں دعویٰ خدائی کیا یعنی یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی یسوع مسیح ہوں جو خدا ہے اور جس کی دوبارہ آمد کے سب منتظر تھے۔ اس کے حالات اور دعاوی کا جو علم ہوا تو قادیان سے مفتی محمد صادق صاحب نے مسٹر پگٹ کو ایک خط لکھا۔ اس کے جواب میں اس نے دو نوٹس ان کو بھیجدیئے وہ انہوں نے حضرت اقدس کو پڑھ کر سنائے۔ تو حضرت اقدس نے ان کی نامعقولیت پر تبصرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ معقول باتوں کی قدر ہوتی ہے اور وہ رہ جاتی ہیں لیکن جاہلانہ باتوں کی رونق دو تین سطروں میں ہی جاتی رہتی ہے۔ خیر پہلے جھوٹے مسیح کا قدم لندن میں رکھا گیا ہے۔ اب اس کے بعد سچے مسیح کی آواز لندن میں پہنچے گی۔

مسٹر پگٹ کو دعوت الی الحق دینے کا ارادہ آپ نے پگٹ کے متعلق جناب الٰہی میں دعا کی تو آپ کو ۲۰۔ نومبر ۱۹۰۲ء کی صبح کو دکھایا گیا کہ کسی نے آپ کو چار پانچ کتابیں دی ہیں جن پر لکھا ہوا ہے تسبیح تسبیح تسبیح۔ بعد اس کے الہام ہوا۔ اللہ شدید العقاب۔ انہم لا یحسنون۔ اس الہام کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے یہ کام اچھا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ پر افترا اور عمداً منصوبہ باندھا۔ اللہ شدید العقاب ظاہر کرتا ہے کہ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔ حقیقت میں یہ بڑی شوخی ہے کہ خدائی کا دعویٰ کیا جائے۔ پھر آپ نے ارادہ ظاہر کیا کہ پگٹ کو دعوت الی الحق دی جائے اور اس طرح پر دنیا کو سچائی کا منور چہرہ دکھایا جائے۔

پگٹ کے متعلق پیشگوئی چنانچہ آپ نے بذریعہ ایک انگریزی چٹھی اور اشتہار کے مسٹر پگٹ کو تنبیہ کی اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں اس کے متعلق عذاب شدید کی پیشگوئی کی اور اس کی اشاعت انگلستان کے اخباروں میں بڑی زور سے کی۔ چنانچہ ۱۴۔ فروری ۱۹۰۳ء کے اخبار سنڈے سرکل لندن نے پادری پگٹ کا ایک ہندوستانی حریف" کے عنوان کے نیچے حضرت اقدس کی اس پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

"ہندوستان کا مسیح پگٹ کے اس دعوے کو گستاخی اور کفر کا دعویٰ کہتا ہے اس کے بعد مرزا غلام احمد

کپکپا دینے والے لفظوں میں پگٹ کو اس کے دعوے پر تنبیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

"یہ امر خدا کی غیرت کو بھڑکانیوالا ہے کہ ایک شخص انسان ہو کر پھر خدا بنتا ہے اور زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اپنے تئیں قرار دیتا ہے اور اس طرح پر خدا کے مقدس نبیوں کی بیعزتی کا بھی موجب ہوتا ہے۔ اس لئے میرے سچے اور پاک اور کامل خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے کہ میں ایسے شخص کو آنیوالی سزا سے متنبہ کروں کہ اگر وہ اس گستاخی سے توبہ نہیں کرے گا تو ہمارے دیکھتے ہوئے اور ہماری زندگی میں ہی بہت قریب عرصہ تک ایک شدید عذاب کے ساتھ رخصت ہو جائے گا جو محض خدا کی طرف سے ہوگا نہ انسان کے ہاتھ سے۔ یہ عذاب کا وعدہ اس خدا کی طرف سے ہے جو زمین و آسمان کا خدا ہے۔ اس کی غیرت ایسا کرے گی تا آئندہ کوئی انسان ہو کر ایسے جھوٹے دعووں سے زمین کو ناپاک نہ کرے"۔

مسٹر پگٹ کا نابود ہو جانا مسٹر پگٹ نے جواب کچھ نہ دیا۔ لیکن وہ ڈوئی سے زیادہ عقلمند نکلا اُسے اپنے خدائی اور مسیحیت کے دعوے میں کچھ نفع نظر نہ آیا۔ اس لئے اس دعوے کو چھوڑ چھاڑ کر اپنی رنگ رلیوں میں مصروف ہو گیا اور اس دعوے سے باز آجانے کی وجہ سے موت کے عذاب سے بچ گیا۔ البتہ اس کی رسوائی اور ذلّت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ بات یہ تھی کہ اس نے ایک دارالمحبت بنایا تھا جہاں وہ بمعہ اپنے مریدوں اور مریدنیوں کے رہتا تھا۔ ایک مریدنی سے اس کا ناجائز طریق پر بیٹا بھی پیدا ہو گیا۔ غرض کہ خدائی تو دور رہی۔ وہ ایک شریف اور نیک انسان بھی ثابت نہ ہوا۔ اور وہ اسی عیش پرستی کی زندگی میں ہی گوشۂ گمنامی میں گم ہو کر رہ گیا۔ اور اس طرح صفحۂ ہستی سے نابود ہو گیا۔

حضرت اقدسؑ کے صاحبزادوں کی شادیاں

میاں بشیر احمد صاحب کا نکاح ۱۲۔ستمبر ۱۹۰۲ء کو حضرت اقدس کے دوسرے صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب کے نکاح کی مسنون رسم عمل میں آئی۔ حضرت مولانا غلام حسن صاحب پشاوری کی صاحبزادی سرور سلطان صاحبہ سے ان کا نکاح بعوض ایک ہزار روپیہ حق مہر ہوا۔ بعد از نماز عصر خطبۂ نکاح مولانا نور الدین صاحب نے پڑھا اور حاضرین کی تواضع خرمے اور چھاٹے سے کی گئی۔ رخصتانہ ابھی عمل میں نہیں آیا۔

میاں محمود احمد صاحب کا نکاح اور شادی میاں محمود احمد صاحب کا نکاح اور شادی ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کی صاحبزادی محمودہ بیگم صاحبہ سے ابتدائے اکتوبر ۱۹۰۲ء میں ہوئی۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب موصوف ان ایام میں رڑکی (یو۔پی) میں سرکاری ڈیوٹی پر متعین تھے اس لئے برات رڑکی گئی۔ حضرت

اقدس ساتھ تشریف نہیں لیگئے۔ ۵۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء بعد از نماز عصر برات واپس قادیان آگئی +

اخبار "البدر" کا اجرا

بابو محمد افضل صاحب مشرقی افریقہ میں یوگنڈا ریلوے میں ملازم تھے۔ حضرت اقدس کے مریدوں میں سے تھے۔ ان کے ذریعہ سلسلہ کی تبلیغ افریقہ میں خوب ہوئی۔ واپس پنجاب آئے تو قادیان میں سکونت اختیار کی اور یہاں ستمبر ۱۹۰۲ء سے ایک اخبار جاری کیا جس کا نام پہلے القادیان رکھا لیکن اکتوبر ۱۹۰۲ء میں یعنی اگلے ہی مہینہ اس کا نام بدل کر البدر کر دیا۔ اور اس نام سے یہ اخبار ۱۹۰۵ء تک جاری رہا۔ جبکہ بابو محمد افضل صاحب وفات پا گئے۔ اس اخبار میں بابو صاحب مرحوم حضرت اقدس کی ڈائری نہایت التزام سے دیا کرتے تھے +

تحفۂ غزنویہ کی اشاعت

غزنویوں کی مخالفانہ ذہنیت امرتسر میں مولوی عبداللہ غزنوی صاحب ایک بڑے باخدا اہل اللہ بزرگ تھے۔ جو افغانستان کے ملانوں کے ہاتھوں اپنے وطن غزنی سے جلاوطن ہو کر امرتسر میں آکر آباد ہو گئے تھے آپ نے ایک دفعہ ایک کشف میں دیکھا کہ قادیان میں ایک نور اُترا مگر میری اولاد اس سے محروم رہ گئی۔ اس کشف کا ذکر ہم اس سے قبل معیار الاخیار اور اربعین کی سرخیوں کے تحت میں کر آئے ہیں خدا کی باتیں بھی کیسی سچی ہوتی ہیں۔ ایسا ہی ہوا۔ مولوی عبداللہ غزنوی صاحب کی وفات کے بعد حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ مجددیت و مسیحیت کیا۔ اس دعوے کے مکذبین و منکرین کی صف اوّل میں ہمیں مولوی عبداللہ غزنوی صاحب کی اولاد نظر آتی ہے۔ کس قدر عبرت کا مقام ہے۔ مولوی عبداللہ غزنوی صاحب جیسا باخدا انسان ہو جنہیں خود حضرت اقدس مرزا صاحب نے ایک مرتبہ رؤیا میں حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی شکل میں دیکھا اور یہ بوجہ ان کے اتباع سنت اور مقام فنافی الرسول کے تھا۔ اور ان کی اولاد اس قدر حق کی دشمن ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ خواہ کتنا ہی صالح ہو۔ اولاد اپنے اعمال کی خود ذمہ دار ہے۔ باپ کی نیکی سے اولاد کو دنیا میں روٹی خواہ اچھی مل جائے مگر دین میں سے حصہ ملنا یہ خدا کے اپنے فضل اور اس اولاد کی اپنی نیکی اور اعمال پر ہی منحصر ہوتا ہے۔ باپ کی نیکی یہاں آڑے نہیں آتی۔ القصہ مولوی عبدالجبار غزنوی اور مولوی عبدالحق غزنوی وغیرہ کو شب و روز حضرت مرزا صاحب کی مخالفت سے کام تھا۔ اس سے قبل اسی خاندان میں حضرت مولانا

نورالدین مرحوم نے اپنی صاحبزادی کی شادی مولوی عبدالواحد غزنوی سے کردی تھی جن کی اولاد مولوی اسماعیل غزنوی وغیرہ ہیں۔ مولانا نورالدین صاحب کی صاحبزادی اگرچہ فوت ہوگئی تھی مگر آپ کے داماد مولوی عبدالواحد غزنوی کبھی کبھی مولانا نورالدین صاحب سے ملنے کیلئے اُن کے پاس آیا کرتے تھے ایک مرتبہ وہ قادیان میں جو حضرت مولانا سے ملنے آئے تو مولانا نے فرمایا کہ چل کر حضرت مرزا صاحب سے بھی مل لو۔ عبدالواحد غزنوی نے پہلے تو بہت انکار کیا مگر حضرت مولانا کے اصرار سے مجبور ہو کر حضرت اقدس سے ملنے چلے گئے۔ مگر جب حضرت اقدس تشریف لائے اور مسجد میں بیٹھ کر ان سے بات چیت کرنے لگے تو حالت یہ ہوئی کہ مولوی عبدالواحد غزنوی صاحب کسی بات کا جواب نہیں دیتے اور جلدی جلدی کچھ پڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ مولانا نورالدین صاحب حیران کہ یہ بات کیا ہے۔ جب صحبت ختم ہوئی تو مولوی نورالدین صاحب نے پوچھا کہ تم اس وقت کیا پڑھ رہے تھے تو معلوم ہوا کہ مولوی عبدالواحد غزنوی صاحب اس وقت جلدی جلدی سورۂ کہف کی پہلی دس آیتیں پڑھ رہے تھے۔ یعنی آنحضرت صلعم نے جو فرمایا تھا کہ جو شخص سورۂ کہف کی پہلی اور پچھلی دس آیتیں پڑھے گا وہ دجال کے اثر سے محفوظ رہے گا تو مولوی عبدالواحد غزنوی صاحب دجال یعنی نعوذ باللہ حضرت مرزا صاحب کے اثر سے بچنے کے لئے مارا مار سورۂ کہف کی پہلی دس آیتیں پڑھے چلے جا رہے تھے۔ حضرت مرزا صاحب نے جب سنا تو بہت ہنسے۔ مگر مولانا نورالدین صاحب دل میں بہت شرمندہ ہوئے۔ میں نے اس واقعہ کو اس لئے ذکر کیا کہ تا معلوم ہو کہ امرتسر کے ان غزنویوں کی حضرت مرزا صاحب کی مخالفت میں کیا ذہنیت ہوگئی تھی۔ دن رات سوائے حضرت اقدس کی مخالفت اور تکذیب اور دشنام دہی کے اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ بالخصوص ان میں سے مولوی عبدالحق غزنوی تو اشد مخالف اور مکذب تھا۔ چنانچہ اسی نے حضرت مرزا صاحب سے امرتسر کی عیدگاہ میں مباہلہ کیا تھا جس میں آپ نے اس کے لئے تو کوئی بددعا نہ کی تھی البتہ اپنے لئے بددعا ضرور کی تھی کہ اگر میں کاذب اور مفتری ہوں تو خدا مجھے ہلاک اور رسوا کرے اور اگر صادق ہوں تو خدا میری نصرت کرے اور میرے کام کو ترقی دے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد آپ کے کام اور آپ کی جماعت کو وہ ترقی دی کہ عبدالحق کے لئے سوائے جلنے اور کڑھنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اور میرے خیال میں اس کے لئے یہ عذاب کچھ کم نہ تھا۔ اس جلن اور غضب کا زبانی اور تحریری دشنام طرازیوں کے ذریعہ وقتاً فوقتاً اظہار ہوتا رہتا تھا۔

مولوی عبدالحق غزنوی کا اشتہار

اسی سلسلہ میں مولوی عبدالحق غزنوی نے ایک اشتہار نکالا جس میں حضرت مرزا صاحب کے خلاف بہت سی گندہ دہنی اور دشنام طرازی سے کام لیتے ہوئے آپ پر دو قسم

کے حملے کئے تھے۔ ایک تو حضرت مرزا صاحب کی بعض پیشگوئیوں پر اعتراض کئے تھے۔ اور جو کچھ منہ میں آیا واہی تباہی لکھ کر کوشش کی تھی کہ کسی طرح خدا کے ان چمکتے ہوئے نشانوں پر پردہ ڈالا جائے۔ اور دوسرے حضرت مرزا صاحب نے خدا سے الہام پاکر بذریعہ اشتہار علما اور مشائخ کے سامنے حق و باطل کے پرکھنے کے لئے جو یہ تجویز پیش کی تھی کہ بیماروں کی شفا کے ذریعہ سے استجابت دعا میں مقابلہ کر لیا جائے تا پتہ لگ جائے کہ کون خدا کا مقرب ہے اور کس کی دعائیں خدا سنتا ہے۔ اس امر کو مولوی عبدالحق نے ناقابل عمل قرار دیا تھا اور لکھا تھا کہ تمام پنجاب و ہندوستان کے علما کس طرح جمع ہو سکتے ہیں اور ان کے اخراجات کا کون متکفل ہو سکتا ہے۔

کتاب تحفہ غزنویہ کی اشاعت اس اشتہار کے جواب میں حضرت مرزا صاحب نے ایک کتاب تحفہ غزنویہ کے نام سے تصنیف فرما کر ۳۔ تاریخ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع فرمائی۔ جس میں آپ نے ہر ایک امر کا نہایت تشفی بخش جواب دیا۔ پیشگوئیوں وغیرہ پر جو اعتراضات تھے وہ وہی تھے جو بار بار ان مخالفوں کی طرف سے ہوا کرتے تھے اور آپ بار بار جواب دے چکے تھے۔ لیکن آپ نے اس کتاب میں پھر ان کے جوابات دیئے اور بڑی وضاحت سے معاملہ کو صاف کیا۔ اور اس شخص کے جھوٹ کو بڑی خوبصورتی سے طشت از بام کیا۔ اور اس امر کی نسبت کہ استجابت دعا کے مقابلہ کے لئے تمام ہندوستان و پنجاب کے علما کس طرح لاہور یا بٹالہ میں جمع ہو سکتے ہیں۔ تحریر فرمایا کہ جب تم مجھے دجال قرار دیتے ہو اور ہزارہا آدمیوں کو جو میری جماعت میں داخل ہو چکے ہیں۔ کافر اور مرتد بتاتے ہو۔ تو کیا علما کا فرض نہیں کہ اس فتنہ دجالیہ کو دور کرنے کیلئے ایک جگہ جمع ہوں اور ہزارہا مسلمان جو مرتد ہوتے چلے جا رہے ہیں انہیں اس فتنہ ارتداد سے بچائیں۔ آخر یہ قوم کا ہزارہا روپیہ جو شب و روز کھاتے ہیں کیا اس کے عوض میں اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ اس فتنہ ارتداد کے وقت میں حق و باطل کے فیصلہ کیلئے جمع ہو کر اپنی دعاؤں اور نفوس قدسیہ کے اثر سے اس باطل کو مٹا کر رکھ دیں۔ رات دن جہاد جہاد کرتے پھرتے ہیں۔ اس سے بڑھکر جہاد اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس دجالی فتنہ کو مٹایا جائے کیسی عجیب بات ہے کہ دجال انہیں استجابت دعا میں مقابلہ کیلئے بلا رہا ہو اور ان خدا کے پیاروں اور لاڈلوں کو اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ اس کے مقابلہ میں میدان میں آ دیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں چور ہے۔ ان کے ایمان میں کمزوری ہے۔ خود انہیں اپنی سچائی پر یقین نہیں۔ اور اگر ان کے پاس سفر خرچ نہیں تو اپنے شہر کے کسی رئیس سے یہ سارٹیفکیٹ لے آئیں کہ یہ شخص واقعی نادار ہے۔ میں دو سو کوس تک کا کرایہ اپنی جیب سے ادا کر دوں گا۔ غرضکہ اس کتاب نے ان مکذب اور مخالف غزنویوں اور ان کے ہم خیال مولویوں پر ہر طرح حجت تمام کر دی۔ لیکن ان کے

بزرگ جد امجد مولانا عبداللہ غزنوی صاحب کا کشف پورا ہو کر رہا۔ آخر یہ لوگ قادیان کے اس نور سے محروم ہی رہے۔ اس کتاب کے جواب میں دشنام دہی کے سوا اور کچھ نہ کر سکے اور نہ استجابت دعا میں مقابلہ کے لئے کسی کو سامنے آنے کی جرأت ہوئی۔ اپنا اندرونہ خوب سمجھتے تھے اور جو کچھ خدا سے تعلق تھا وہ بھی اچھی طرح جانتے تھے تو جرأت کیسے کرتے۔

تحفۃ الندّوہ کی اشاعت

ندوۃ العلما مولوی شبلی نعمانی مرحوم زمانۂ حال کے روشن خیال اور وسیع القلب علما میں سے تھے۔ انہوں نے ہندوستان کے مولویوں کے تعلیمی کورس کے نقائص کو محسوس کر کے یہ ارادہ کیا کہ ایک دینی مدرسہ کی جدید طرز پر بنا ڈالی جائے جس میں پرانے دقیانوسی طریقۂ تعلیم کو بدل کر جدید طریقہ پر طلبا کو مذہب کی تعلیم دی جائے جس سے ان کی تنگ خیالیاں دُور ہو کر روشن خیالی اور وسیع القلبی پیدا ہو اور ان کی نظر زمانۂ حال کے علوم پر بھی کسی حد تک حاوی ہو سکے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے لئے بعض اپنے ہم خیال علماء کو جمع کر کے ایک انجمن بنائی جس کا نام ندوۃ العلماء رکھا اور اس کی نگرانی میں ایک دینی مدرسہ لکھنؤ میں کھول دیا۔ اس کے واسطے پروپاگنڈہ کرنے اور چندہ جمع کرنے کی غرض سے ہندستان و پنجاب کے مختلف شہروں میں سالانہ جلسے بھی ہوتے رہے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں ندوۃ العلما کا جلسہ امرتسر میں ہؤا۔ حافظ محمد یوسف امرتسری جن کا ذکر میں اس سے قبل اربعین کے تذکرہ میں کر آیا ہوں ابھی تک اس امر پر مُصر تھے کہ کسی مامور من اللہ کا اپنے دعوئ الہام پر ۲۳ سال کی عمر پانا اس کی صداقت کی دلیل نہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے اربعین میں اچھی طرح واضح کر کے دکھا دیا تھا کہ اگر یہ بات صحیح نہیں کہ کوئی شخص نبی یا مامور من اللہ ہونے کا مدعی ہو کر پھر اس کے دعوئ الہام و وحی پر ۲۳ سال گزر جانا اس کی صداقت پر دلیل ہے تو پھر لو تقول علینا الخ کی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر جو ایک زبردست اور محکم دلیل ہے وہ ضائع ہو جاتی ہے۔

حافظ محمد یوسف امرتسری کا اشتہار مگر حافظ محمد یوسف صاحب کو اس خوشی میں کہ اس کی زد حضرت مرزا صاحب پر بھی پڑے گی آنحضرت صلعم کی صداقت کی اس روشن دلیل کو چھوڑ دینے میں کوئی تامّل نہ تھا۔ امرتسر میں ندوہ کے جلسہ سے قبل انہوں نے ایک اشتہار دیا جس میں لکھا کہ ان کے ایک دوست ابو اسحاق محمد دین نامی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام قطع الوتین ہے۔ جس میں انہوں نے ان مدعیان کاذب کے نام جو بعد دعوئ الہام ۲۳ سال تک زندہ رہے مع مدت دعوی تاریخی کتابوں کے حوالہ

سے درج کئے ہیں۔ چونکہ امرتسر میں ندوۃ العلماء کا جلسہ ۹۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء سے شروع ہے اور اس میں بہت سے مولوی بلوائے گئے ہیں۔ پس مرزا صاحب کو چاہئے کہ امرتسر آکر ان مولویوں سے بحث کر کے یہ فیصلہ کروالیں کہ آیا واقعی رسالہ قطع الوتین میں درج شدہ مدعیانِ کاذب کی عمر اور دعویٰ کی میعاد وغیرہ سب صحیح ہے یا نہیں۔ اور اگر مولویوں نے یہ فیصلہ دیدیا کہ یہ سب کچھ صحیح ہے تو پھر مرزا صاحب کو وہیں توبہ کرنی پڑے گی۔

تحفۃ الندوہ کی تصنیف

حضرت مرزا صاحب کو یہ اشتہار ۲۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو ملا۔ اور آپ نے ۶۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو یہ رسالہ تحفۃ الندوہ لکھ کر شائع فرما دیا جس میں آپ نے اول تو پھر اس آیت لو تقوّل علینا الخ پر جس کی اربعین میں آپ بڑی تشریح کر چکے تھے دوبارہ نہایت وضاحت سے روشنی ڈالی۔ اور بتایا کہ تم نہ صرف لو تقوّل علینا بعض الاقاویل الخ کی قرآنی دلیل کے منکر ہو رہے ہو بلکہ اس آیت کی مصدق دیگر آیات مثلاً وان یک کاذباً فعلیہ کذبہ (یعنی یہ اگر جھوٹا ہے تو جھوٹ کا وبال اس پر پڑے گا) اور وقد خاب من افتریٰ (یعنی جو خدا پر افترا کرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے) اور انّ الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون (بیشک جو لوگ اللہ پر افترا کرتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے) وغیرہ تمام ہمقسم آیات کا بھی انکار کر رہے ہو۔ کیا یہ سب آیتیں ایسی ہیں جن پر تمہارے خیال میں ایمان لانے کی ضرورت نہیں یا تمہارے عقیدہ میں یہ منسوخ ہو چکی ہیں۔ اگر یہ سچ ہے کہ مدعیان کاذب بھی بعد دعویٰ وحی والہام اور مامور منجانب اللہ ہونے کے ۲۳ سال کی لمبی عمر پاتے ہیں اور ایک جماعت بنا کر چھوڑ جاتے ہیں تو ان سب آیتوں کو کہاں لیجاؤ گے اور پھر صادق اور کاذب مدعیٔ الہام میں کیا فرق باقی رہ جائے گا۔ لیکن ان علماء سوء اور حق کے دشمنوں کو اس سے کیا غرض کہ صادق اور کاذب میں کوئی فرق باقی رہتا ہے یا نہیں۔ یہ نادان دوست اسی فرق کو مٹانے کے لئے دن رات کوششیں کر رہے تھے۔ حق کی دشمنی ہر ایک بات کو جو حق کے واسطے بطور دلیل کے کام آسکتی ہے مٹا ڈالنا چاہتی ہے۔ اس میں چاہے اپنے مسلّمہ پیشوا اور پیغمبر پر ہی کیوں نہ زد پڑتی ہو

اس کے بعد آپ نے اس رسالہ "قطع الوتین" کے ذکر کردہ جھوٹے مدعیان الہام و نبوت کی نسبت تحریر فرمایا کہ یہ سب کی سب بے سر و پا حکائتیں اور افسانے ہیں جو ایک ذرہ بھر بھی قابل اعتبار نہیں ہیں ان کے متعلق کوئی مصدقہ اور مستحکم تاریخی ثبوت ہمارے پاس نہیں کہ ان مفتری لوگوں نے اپنے دعوے پر اصرار کیا اور توبہ نہ کی اور باوجود توبہ نہ کرنیکے وہ لوگ اسی دعوے پر اصرار کرتے ہوئے ۲۳ سال تک زندہ رہے اور اسی پر مرے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو پھر ان کی بنائی ہوئی جماعتیں کہاں گئیں اور ان

کے الہامات جنہیں وہ برابر ۲۳ سال تک شائع کرتے رہے کس کتاب میں پائے جاتے ہیں اور کہاں جمع ہیں تاکہ ان کو دیکھا جائے کہ اُنہیں مدعی نے خدا کی قطعی اور یقینی وحی قرار بھی دیا تھا یا نہیں۔ یا یہ لوگوں کی فرضی باتیں ہیں۔ آخر ۲۳ سال کے الہامات کا ایک مجموعہ ہونا چاہئے۔ پھر وہ اگر لوگوں میں شائع ہؤا تھا تو دو چار جلدیں تو ان کی جماعت کے لوگوں کے پاس کہیں موجود ہونی چاہئیں۔ یہ کیا ہؤا کہ اتنے اتنے بڑے مجموعۂ الہامات کا دنیا میں کہیں پتہ نہیں اور نہ اُن کے مریدوں کا ہی کوئی ذکر کہیں نظر آتا ہے۔ کسی شخص نے نبی یا مامور الٰہی ہونے کا اگر کبھی کوئی دعویٰ کیا اور بعد میں وہ تائب ہوگیا تو وہ اس لو تقول الخ کی وعید کے نیچے نہیں آتا۔ دکھانا تو یہ چاہئے کہ ایک مدعی جو نبوت یا ماموٗ من اللہ ہونے کا مدعی تھا وہ برابر اپنے الہامات کو ۲۳ سال تک خدا کی قطعی اور یقینی وحی بتاتا اور شائع کرتا رہا اور درمیان میں تائب نہیں ہؤا بلکہ اسی پر برابر اصرار کرتا رہا اور پھر بھی ۲۳ سال کے اندر وہ ہلاک نہیں ہؤا۔ لیکن اس معاملہ میں حافظ محمد یوسف صاحب اگر کوشش کر کر کے مر بھی جاویں اور ہزار رسالے قطع الوتین کے بھی لکھوائیں تب بھی مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ وہ کسی نبوت یا ماموٗ من اللہ ہونے کے مدعی کو پیش نہیں کرسکتے۔ کیونکہ یہ خدا کی فرمودہ دلیل ہے جو قرآن میں مذکور ہے کہ لو تقوّل علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین کہ اگر یہ ہم پر کوئی کلمہ جھوٹ افترا کرے تو ہم اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑلیں اور اس کی رگِ جان کاٹ ڈالیں اور تم اسے بچا نہیں سکتے۔ اس وعید کے ہوتے ہوئے محمد رسول اللہ صلعم کا ۲۳ سال تک زندہ رہنا اور برابر اپنی وحی کو لوگوں کو سنانا اور شائع کرتے رہنا اگر صاف دلیل اس بات کی ہے کہ آپ صادق تھے اور کاذب نہ تھے تو پھر جو شخص بھی نبوّت یا مامور من اللہ ہونے کا مدعی ہوکر اپنے دعوئ الہام پر ۲۳ سال تک زندہ رہے گا وہ لازماً اپنے دعویٔ الہام میں مفتری علی اللہ نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں حضرت مرزا صاحب نے اپنے اس رسالہ میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ حافظ محمد یوسف امرتسری صاحب کا یہ کہنا درست نہیں کہ ندوۃ العلما میں جمع شدہ مولویوں سے اس کے متعلق فیصلہ کرایا جائے۔ کیونکہ مخالف سے فیصلہ کرانا کیا معنی؟ میرے لئے تو قرآن کریم اور واقعات صحیحہ کا فیصلہ کافی ہے۔ اس لئے مجھے امرتسر جانے کی ضرورت نہیں۔ اگر حافظ صاحب موصوف چاہیں تو ندوۃ العلما میں سے دو چار مولوی قادیان لیکر آجائیں۔ اگر وہ طالب حق بن کر آئیں گے تو میں زبانی ان کو تبلیغ کرنے کو تیار ہوں میں یہ رسالہ شائع کرتا ہوں اور ندوۃ العلما کے مولویوں کے پاس بھی بھیجتا ہوں اس سے ان کو تبلیغ بھی ہو جائیگی اور اگر ان میں کسی کو طلب حق ہے تو وہ قادیان آجائے میں ہر وقت

اپنے دعوے کے متعلق وضاحت کرنے کو تیار ہوں +

مسیح ابن مریم کی وفات کے متعلق ایک تازہ انکشاف

اسی کتاب کے آخر میں حضرت مرزا صاحب نے حضرت مسیح کی وفات پر ایک تازہ انکشاف کا اعلان بھی فرمایا اور وہ یہ تھا کہ بمقام یروشلیم پطرس حواری کی ایک دستخطی تحریر پرانی عبرانی زبان میں لکھی ہوئی ایک راہب کے کتب خانہ سے اس کے مرنے کے بعد دستیاب ہوئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب کے واقعہ سے تخمیناً پچاس برس بعد اس زمین پر فوت ہو گئے تھے اور وہ کاغذ ایک عیسائی کمپنی نے اڑھائی لاکھ روپیہ دیکر خرید لیا ہے۔ کیونکہ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ وہ پطرس ہی کی تحریر ہے۔ یہ بزرگ حواری اپنی اس تحریر میں لکھتا ہے کہ "میں ابن مریم کا خادم ہوں اور اب میں نوّے سال کی عمر میں یہ خط لکھتا ہوں جبکہ مریم کے بیٹے کو مرے ہوئے تین سال گزر چکے ہیں۔" خدا کی شان وہ راہب جس کے کتب خانہ سے یہ تحریر نکلی وہ رومن کیتھولک تھا اور نہ صرف حضرت عیسیٰ کو بلکہ ان کی والدہ حضرت مریم کو بھی خدا مانتا تھا۔ اُس نے یہ کاغذ پرانے تبرکات میں رکھا ہوا تھا۔ اور چونکہ وہ تحریر پرانی عبرانی زبان میں تھی اور طرز تحریر بھی پرانی تھی اس لئے وہ راہب اس کے مضمون سے محض ناآشنا تھا۔ یہ بھی ایک نشان تھا جو خدا کی طرف سے ظاہر ہوا +

ندوۃ العلما کو تبلیغ

اگرچہ حضرت اقدس کو ندوۃ العلما کے مولویوں سے کوئی توقع نہ تھی کہ وہ تحقیق حق کی طرف اقدام کریں گے لیکن تاہم حافظ محمد یوسف امرتسری اور کل مسلمانوں پر حجت تمام کرنے کی غرض سے ایک وفد بھی کتاب تحفۃ الندوہ کے ساتھ آپ نے امرتسر بھیجا۔ ندوہ کا جلسہ امرتسر میں ۹-۱۰-۱۱- اکتوبر ۱۹۰۲ء کو ہونیوالا تھا۔ آپ نے ۸- اکتوبر کو یعنی ایک دن قبل ہی یہ وفد بھیج تو دیا مگر ۱۰- اکتوبر کو فرمانے لگے کہ "ندوہ میں وفد اتمام حجت کی غرض سے ہم نے بھیجا ہے۔ ورنہ کچھ بہتری کی امید ہرگز نہیں کیونکہ ان کے اغراض عوام سے وابستہ ہیں۔" یہ وفد پانچ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہی مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی۔ مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب۔ مولوی عبداللہ صاحب کشمیری اور شیخ یعقوب علی تراب صاحب۔ حضرت اقدس نے اس وفد کا امیر مولانا محمد احسن صاحب کو بنایا۔ امرتسر جا کر یہ لوگ میاں حبیب اللہ صاحب مختار عدالت کے مکان پر ٹھیرے۔ وہاں پہنچتے ہی مولوی محمد احسن صاحب نے امر متنازعہ فیہ کے متعلق جس کیلئے کتاب تحفۃ الندوہ لکھی گئی تھی۔ دو خط رجسٹری کر کے ایک سکرٹری ندوۃ العلما کے نام اور دوسرا حافظ محمد یوسف امرتسری کے نام بھیج دیئے۔

سکرٹری ندوۃ العلما کو یہ لکھا کہ:-

"حافظ محمد یوسف نے بذریعہ ایک اشتہار ندوۃ العلما کے جلسہ پر ہمیں فیصلہ کیلئے مدعو کیا ہے۔ اور

ایسا ہی مولوی احمد حسن ایڈیٹر شحنۂ ہند میرٹھ نے بذریعہ خط کے ہمیں مدعو کیا ہے کہ ندوۃ العلما کے جلسہ پر آکر علماء ندوہ کے سامنے مسائل متنازعہ فیہ کا فیصلہ کیا جائے۔ مگر ندوہ کی طرف سے کوئی خاص چٹھی ہمیں اس امر کے متعلق نہیں ملی کہ انہوں نے حافظ محمد یوسف کے اشتہار کے موافق یا شحنۂ ہند کے ایڈیٹر کے خط کے مطابق اس معاملہ میں فیصلہ کرنے کا کوئی ریزولیوشن پاس کیا ہے یا نہیں؟ اور وہ اس کام کیلئے تیار ہے یا نہیں؟ اس لئے آپ کو اس ضروری رجسٹرڈ خط کے ذریعہ تکلیف دی جاتی ہے کہ آپ بواپسی ڈاک اطلاع دیں کہ ندوہ کے کون کونسے علما اس کام کیلئے منتخب کئے گئے ہیں یا ندوہ نے ان کو کوئی اجازت اس موقعہ پر ایسا فیصلہ کرنے کی نہیں دی۔ امید ہے کہ آپ اصل معاملات سے اطلاع دیں گے۔۔۔۔۔ خاکسار معہ ایک جماعت علما کے آج ۱ بجے امرتسر پہنچ گیا ہے اور ندوہ کے اجلاس کے اختتام تک یہاں قیام کرے گا۔ جواب آج ہی ملنا چاہئے"

دوسرے خط میں حافظ محمد یوسف صاحب کو یہ لکھا۔

"آپ کا ایک اشتہار بغرض فیصلہ بتقریب جلسہ ندوۃ العلما شائع ہؤا اور ہمیں ملا ہے۔ اس اشتہار کے موافق خاکسار معہ ایک جماعت علما کے اس موقعہ پر محض خدا تعالیٰ کے لئے ایک ضروری امر کے فیصلہ کے لئے یہاں امرتسر آگیا ہے۔ اس لئے یہ خط مختصراً بصیغۂ رجسٹری آپ کو بھیجا جاتا ہے کہ آپ بواپسی ڈاک اطلاع دیں کہ ندوۃ العلما کے کون کون سے عالم اس فیصلہ کیلئے آپ نے منتخب کئے ہیں۔ تاکہ ضروری شرائط کے تصفیہ کے بعد اصل مضمون کے متعلق فیصلہ ہو جائے۔ اور اپنے اشتہار کی صداقت کیلئے ندوۃ العلما کی اس چٹھی یا ریزولیوشن کی نقل بھی ارسال کریں جس کے رُو سے آپ نے اس جلسہ پر فیصلہ کیلئے ہمیں مدعو کیا ہے کیونکہ ندوہ کی اجازت اور منظوری کے بغیر ہمیں امید نہیں کہ آپ نے ایسا کیا ہو اور اسی لئے ندوۃ العلما کو ہم نے آپ کے اشتہار کے موافق اپنا مخاطب سمجھا ہے"

ندوۃ العلما کی خاموشی

لیکن افسوس ہے کہ نہ سکرٹری صاحب ندوۃ العلما نے اس کا کوئی جواب دیا اور نہ حافظ محمد یوسف امرتسری ہی کہیں نظر آئے۔ اُن پر تو جیسے موت طاری ہو گئی۔ کیونکہ انہوں نے ندوۃ العلما کے سکرٹری یا کسی اور معتمد علیہ رکن سے مشورہ کئے بغیر بطور خود ہی یہ اشتہار دیدیا تھا کہ مسئلہ قطع وتین کا امرتسر آکر ندوہ کے علماء سے فیصلہ کراؤ۔ جب تک ندوۃ العلما کا جلسہ امرتسر ہوتا رہا مولانا محمد احسن صاحب بمعہ اپنی جماعت کے امرتسر ٹھیرے رہے اور برابر روزانہ جلسہ کے پنڈال میں جاکر حضرت اقدس کی کتب تحفۃ الندوہ اور کشتی نوح اہل جلسہ میں کثرت سے تقسیم کرتے رہے اور اپنی طرف سے رسالہ دعوۃ الندوہ اور اشتہارات اعلان الرسل وغیرہ بھی جلسہ میں تقسیم کئے جن میں سلسلہ احمدیہ کی صداقت پر دلائل و براہین

دیگر اور علماء ندوہ کو دعوت الی الحق کر کے ان پر حجت تمام کی تھی۔ لیکن کسی نے قطع الوتین والے متنازعہ فیہ مسئلہ کے فیصلہ کیلئے جرأت نہ کی۔ اور حافظ محمد یوسف امرتسری تو خدا جانے کہاں غائب ہو گئے کہ کچھ پتہ ہی نہ چلا۔ آج جتنا مرضی چاہے لوگ جھوٹی شیخیاں مارتے پھریں اور اپنی اپنی جگہ لاف زنیوں سے کام لیں کہ ہم ایسے جھوٹے مدعی دکھا سکتے ہیں جو دعوئ نبوت یا ماموریت کر کے ۲۳ سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ اور اپنے دعوے پر قائم رہے۔ لیکن جب سارے ہندوستان کی چوٹی کے علما کا جلسہ امرتسر میں منعقد ہوا اور حضرت اقدس نے یہ چیلنج اُن کو ڈنکے کی چوٹ پر دیا کہ اگر کوئی عالم ایسا مدعی دکھا سکتا ہے تو اس وقت آجائے اور میرے سامنے پیش کرے اور ثابت کرے۔ تو کیوں سناٹا چھا گیا اور کیوں کوئی جرأت کر کے سامنے نہ آیا۔ حق تو یہ ہے کہ اس طرح آپ نے تمام علما اور مسلمانوں پر حجت تمام کر دی۔ چونکہ آپ کے دعوئ ملہم من اللہ ہونے پر ۲۳ سال گزر چکے تھے اس لئے آپ کے منجانب اللہ ہونے پر یہ ایک ایسی دلیل تھی جسے توڑنے کی کسی عالم کو جرأت نہ ہوئی۔ البتہ ندوہ کے جلسہ سے قبل امرت سر کے بعض مولویوں نے اراکین ندوۃ العلماء سے یہ خواہش ضرور ظاہر کی تھی کہ احمدی علماء سے حیات و ممات مسیح اور مرزا صاحب کے دعوے کے متعلق بحث کی جائے لیکن مولانا مسیح الزمان خاں صدر نے یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ بحث مباحثہ ندوۃ العلما کا اصول نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ندوۃ العلما بحیثیت ایک انجمن کے مقابلہ کیلئے نہ آئی تو ہندوستان کے علما کی تو ایک فوج ندوہ میں شمولیت کیلئے وہاں جمع تھی۔ احقاق حق اور ابطال باطل کیلئے کسی عالم کو یہ جرأت کیوں نہ ہوئی کہ وہ آکر دروغ گو را بخانہ اش باید رسید کے ماتحت ایک جھوٹے مدعی کو جھوٹا ثابت کر جاتا۔ اگر نعوذ باللہ حضرت اقدس کا وجود اسلام کیلئے ایک فتنہ تھا تو کیوں اس فتنہ کے مٹانے کیلئے ندوہ یا کسی عالم نے اقدام نہیں کیا۔ اور قطع الوتین تو ایک علمی اور تاریخی مسئلہ تھا۔ مولانا شبلی اور ان کے اعوان و انصار تو علم تاریخ کے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ اس مسئلہ میں ان کا ایک اشارہ بھی ایک بہت بڑی سند گردانی جاتی۔ لیکن تحفۃ الندوہ میں یہ مسئلہ اپنی تفصیل کے ساتھ ان کے سامنے پیش ہوتا ہے اور کوئی اس معاملہ میں چوں تک نہیں کرتا۔ آخر ایک حق امر پر زبان ہلانا کوئی گناہ نہ تھا بلکہ حق کو چھپانا گناہ ہوتا ہے۔ لیکن کسی جھوٹے نبوت یا ماموریت کے مدعی کے ۲۳ سال تک مہلت پانے کی کوئی معتبر مثال ہوتی تو کوئی کچھ کہتا۔ جب کوئی ایسی مثال ہی نہ ہو جو تاریخی اعتبار سے مستند ہو تو کسی نے بولنا کیا تھا۔ بات یہ ہے کہ مولوی شبلی صاحب کوئی ایسے لچر آدمی نہ تھے کہ محض قصہ کہانیوں کو بیکر شیخیاں بگھارتے پھرتے وہ ثقہ آدمی تھے اس لئے انہوں نے خاموشی ہی مناسب سمجھی۔ جلسہ میں ان کتب اور رسائل کی اشاعت کا اثر یہ ہوا کہ بعض فہمیدہ اور حق کے متجسس لوگ مثلاً مولوی شرافت اللہ خاں صاحب

شاہ جہان پوری قادیان آئے اور حضرت اقدس کی بیعت میں داخل ہو گئے +

تریاق القلوب

حضرت اقدس مرزا صاحب نے کتاب تریاق القلوب ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع فرمائی۔ اس کتاب کی ابتدا میں تو آپ کا وہ مشہور فارسی کا قصیدہ ہے جس میں آپنے ایسے مرد کامل کی جو خدا کی طرف سے اصلاح و تجدید کیلئے آتا ہے علامات بیان فرمائی ہیں اور اس شعر سے شروع کیا ہے کہ ؎

ہماں زنوعِ بشر کامل از خدا باشد + کہ بانشانِ نمایاں خدا نما باشد

اور ختم اس شعر پر کیا ہے ؎

ز آہِ زمرۂ ابدال باید ت ترسید + علی الخصوص اگر آہ میرزا باشد

آخری شعر میں ان مردان کامل کا نام ابدال رکھا ہے اور اپنے آپ کو بھی انہی میں شمار کیا ہے اور ابتدائی شعر میں جو اس مرد کامل کی خاص علامت یہ بتائی ہے کہ "بانشانِ نمایاں خدا نما باشد" کہ خدا کے ان مردان کامل کا جو مامورین و مجددین میں سے ہوتے ہیں یہ امتیاز خصوصی ہوتا ہے کہ ان کے ہاتھ پر آسمانی نشان ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کے مطابق آپنے اس کتاب میں یہ اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ اپنے اس بندۂ عاجز غلام احمد کے ہاتھ پر زندہ و کامل نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور اتباع کی وجہ سے صدہا آسمانی نشانات ظاہر فرما رہا ہے۔ علی الترتیب آپنے پہلے زندہ نبی کا نشان خصوصی بیان فرمایا ہے۔ پھر اپنے نشانات کا تذکرہ فرمایا ہے۔

زندہ نبی کا نشان خصوصی زندہ نبی کا نشان خصوصی اس کتاب کے صفحہ ۳۰ و ۳۱ پر کس خوبی سے تحریر فرماتے ہیں۔ وھوھذا

"ایک وہ زمانہ تھا کہ انجیل کے واعظ بازاروں اور گلیوں اور کوچوں میں نہایت دریدہ دہنی سے اور سراسر افترا سے ہمارے سیّد و مولیٰ خاتم الانبیا اور افضل الرسل والاصفیا اور سید المعصومین والاتقیا حضرت محبوب جناب احدیت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ قابل شرم جھوٹ بولا کرتے تھے کہ گویا آنجناب سے کوئی پیشگوئی یا معجزہ ظہور میں نہیں آیا۔ اور اب یہ زمانہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے علاوہ ان ہزارہا معجزات کے جو ہمارے سرور و مولیٰ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن شریف اور احادیث میں اس کثرت سے مذکور ہیں جو اعلیٰ درجہ کے تواتر پر ہیں۔ تازہ بتازہ صدہا نشان ایسے ظاہر فرمائے ہیں کہ کسی مخالف اور منکر کو ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ ہم نہایت نرمی اور انکسار سے ہر ایک عیسائی صاحب اور دوسرے مخالفوں کو کہتے رہے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ درحقیقت یہ بات سچ ہے کہ ہر ایک مذہب جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو کر اپنی سچائی پر

قائم ہوتا ہے اس کے لئے ضرور ہے کہ ہمیشہ اس میں ایسے انسان پیدا ہوتے رہیں کہ جو اپنے پیشوا اور ہادی اور رسول کے نائب ہو کر یہ ثابت کریں کہ وہ نبی اپنی روحانی برکات کے لحاظ سے زندہ ہے فوت نہیں ہؤا۔ کیونکہ ضرور ہے کہ وہ نبی جس کی پیروی کی جائے جس کو شفیع اور منجی سمجھا جائے وہ اپنے روحانی برکات کے لحاظ سے ہمیشہ زندہ ہو اور عزت اور رفعت اور جلال کے آسمان پر اپنے چمکتے ہوئے چہرہ کے ساتھ ایسا ابدی طور پر مقیم ہو اور خدائے ازلی ابدی حیّ قیوم ذوالاقتدار کے دائیں طرف بیٹھنا اُس کا ایسے پُرزور الٰہی نوروں سے ثابت ہو کہ اس سے کامل محبت رکھنا اور اس کی کامل پیروی کرنا لازمی طور پر اس نتیجہ کو پیدا کرتا ہو کہ پیروی کرنے والا رُوح القدس اور آسمانی برکات کا انعام پائے اور اپنے پیارے نبی کے نوروں سے نور حاصل کر کے اپنے زمانہ کی تاریکی کو دُور کرے اور مستعد لوگوں کو خدا کی ہستی پر وہ پختہ اور کامل اور درخشاں اور تاباں یقین بخشے جس سے گناہ کی تمام خواہشیں اور سفلی زندگی کے تمام جذبات جل جاتے ہیں۔ یہی ثبوت اس بات کا ہے کہ وہ نبی زندہ اور آسمان پر ہے۔ سو ہم اپنے خدائے پاک ذوالجلال کا کیا کیا شکر کریں کہ اس نے اپنے پیارے نبی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور پیروی کی توفیق دیکر اور پھر اس محبت اور پیروی کے روحانی فیضوں سے جو سچا تقویٰ اور سچے آسمانی نشان ہیں کامل حصّہ عطا فرما کر ہم پر ثابت کر دیا کہ وہ ہمارا پیارا برگزیدہ نبی فوت نہیں ہؤا بلکہ وہ بلند تر آسمان پر اپنے ملیک مقتدر کے دائیں طرف بزرگی اور جلال کے تخت پر بیٹھا ہے اللّٰھم صلّ علیہ وبارك وسلّم۔ ان اللہ وملٰئکتہ یصلّون علی النّبیّ یاایھا الذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیماً۔ اب ہمیں کوئی جواب دے کہ رُوئے زمین پر یہ زندگی کس نبی کیلئے بجز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ثابت ہے؟ کیا حضرت موسیٰ کیلئے؟ ہرگز نہیں۔ کیا حضرت داؤد کیلئے؟ ہرگز نہیں۔ کیا حضرت مسیح علیہ السلام کیلئے؟ ہرگز نہیں۔ کیا راجہ رامچندر یا راجہ کرشن کیلئے؟ ہرگز نہیں۔ کیا وید کے اُن رشیوں کیلئے جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اُن کے دلوں پر وید کا پرکاش ہؤا تھا؟ ہرگز نہیں جسمانی زندگی کا ذکر بے سود ہے۔ اور حقیقی اور روحانی اور فیض رساں زندگی وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی زندگی کے مشابہ ہو کر نور اور یقین کے کرشمے نازل کرتی ہو۔ ورنہ جسمانی وجود کے ساتھ ایک لمبی عمر پانا اگر فرض بھی کر لیں اور فرض کے طور پر مان بھی لیں کہ ایسی عمر کسی کو دی گئی ہے تو کچھ بھی جائے فخر نہیں۔ مصر کی بعض پرانی عمارتیں ہزارہا برس سے چلی آتی ہیں اور بابل کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں جن میں اُلّو بولتے ہیں۔ اور اس ملک میں اجودھیا اور بندرابن بھی پُرانے زمانہ کی آبادیاں ہیں۔ اور اٹلی اور یونان میں بھی ایسی قدیم عمارتیں

پائی جاتی ہیں تو کیا اس جسمانی طور پر لمبی عمر پانے سے یہ تمام چیزیں اُس جلال اور بزرگی سے حصّہ لے سکتی ہیں جو رُوحانی زندگی کی وجہ سے خدا کے مقدس لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اب اس بات کا فیصلہ ہوگیا ہے کہ اس رُوحانی زندگی کا ثبوت صرف ہمارے نبی علیہ السلام کی ذات بابرکات میں پایا جاتا ہے۔ خدا کی ہزاروں رحمتیں اس کے شامل حال رہیں۔ افسوس کہ عیسائیوں کو کبھی بھی یہ خیال نہیں آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رُوحانی زندگی ثابت کریں اور صرف اس لمبی عمر پر خوش نہ ہوں جس میں اینٹ اور پتھر بھی شریک ہوسکتے ہیں بے سود ہے وہ زندگی جو نفع رساں نہیں۔ اور لاحاصل ہے وہ بقا جس میں فیض نہیں۔ دنیا میں صرف دو زندگیاں قابل تعریف ہیں (۱) ایک وہ زندگی جو خود خدائے حی وقیوم مبدا فیض کی زندگی ہے (۲) دوسری وہ زندگی جو فیض بخش اور خدا نما ہو۔ سو آؤ ہم دکھاتے ہیں کہ وہ زندگی صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے جس پر ہر ایک زمانہ میں آسمان گواہی دیتا رہا ہے اور اب بھی دیتا ہے۔ اور یاد رکھو کہ جس میں فیاضانہ زندگی نہیں وہ مردہ ہے نہ زندہ۔ اور مَیں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کا نام لیکر جھوٹ بولنا سخت بدذاتی ہے کہ خدا نے مجھے میرے بزرگ واجب الاطاعت سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانی دائمی زندگی اور پورے جلال اور کمال کا یہ ثبوت دیا ہے کہ مَیں نے اس کی پیروی سے اور اس کی محبت سے آسمانی نشانوں کو اپنے اوپر اترتے ہوئے اور دل کو یقین کے نور سے پُر ہوتے ہوئے پایا۔ اور اس قدر نشان غیبی دیکھے کہ اُن کھلے کھلے نوروں کے ذریعہ سے مَیں نے اپنے خدا کو دیکھ لیا ہے۔ خدا کے عظیم الشان نشان بارش کی طرح میرے پر اُتر رہے ہیں اور غیب کی باتیں میرے پر کھل رہی ہیں۔ ہزارہا دعائیں اب تک قبول ہوچکی ہیں اور تین ہزار سے زیادہ نشان ظاہر ہوچکا ہے۔ ہزارہا معزز اور متقی اور نیک بخت آدمی اور ہر قوم کے لوگ میرے نشانوں کے گواہ ہیں اور تم خود گواہ ہو۔ اور مجھے اس خدا کی قسم ہے جس نے مجھے بھیجا ہے کہ اگر کوئی سخت دل عیسائی یا ہندو یا آریہ میرے ان گزشتہ نشانوں سے جو روز روشن کی طرح نمایاں ہیں انکار بھی کرے اور مسلمان ہونے کیلئے کوئی نشان چاہے اور اس بارے میں بغیر کسی بیہودہ حجت بازی کے جس میں بدنیتی کی بو پائی جائے سادہ طور پر یہ اقرار بذریعہ کسی اخبار کے شائع کردے کہ وہ کسی نشان کے دیکھنے سے گو کوئی نشان ہو لیکن انسانی طاقتوں سے باہر ہو اسلام کو قبول کریگا تو مَیں اُمید رکھتا ہوں کہ ابھی ایک سال پورا نہ ہوگا کہ وہ نشان کو دیکھ لے گا کیونکہ مَیں اُس زندگی میں سے نور لیتا ہوں جو میرے نبی متبوع کو ملی ہے۔ کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کرسکے۔ اب اگر عیسائیوں

ہیں کوئی طالب حق ہے یا ہندوؤں اور آریوں میں سے سچائی کا متلاشی ہے تو میدان میں نکلے اور اگر اپنے مذہب کو سچا سمجھتا ہے تو بالمقابل نشان دکھلانے کیلئے کھڑا ہو جائے۔ لیکن میں پیشگوئی کرتا ہوں کہ ہرگز ایسا نہ ہوگا بلکہ بدنیتی سے پیچ در پیچ شرطیں لگا کر بات کو ٹال دیں گے۔ کیونکہ ان کا مذہب مردہ ہے۔ اور کوئی ان کے لئے زندہ فیض رسان موجود نہیں جس سے وہ رُوحانی فیض پا سکیں اور نشانوں کے ساتھ چمکتی ہوئی زندگی حاصل کر سکیں۔ اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو! اور اے تمام وہ انسانی روحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو! میں پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے۔ اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ کی رُوحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی رُوحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے کہ اس کی پیروی اور محبت سے ہم رُوح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں"۔

نشانات آسمانی جو آپکے ہاتھ پر ظاہر ہوئے

غرضکہ آنحضرت صلعم کے زندہ نبی ہونے اور آپ کے فیض رُوحانی سے آپ کے متبعین کامل کے ہاتھوں پر آسمانی نشانات کے ظاہر ہونے اور اس امتیاز خصوصی میں مقابلہ کے لئے تمام مخالفین اسلام کو للکارنے کے بعد آپ نے قریبًا تین ہزار نشانات میں سے جو وقتًا فوقتًا آپکے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوئے اور جس کے گواہ صدہا شرفا اور معززین تھے۔ مشتے نمونہ از خروارے ﷺ نشان اس کتاب میں درج فرمائے ہیں جو قابل مطالعہ کے ہیں۔ ان نشانات کے بیان کے ضمن میں دو ایسے مسائل پر بھی روشنی پڑ گئی ہے جو نہایت ضروری ہیں اور جنہیں بیان کر دینا میں یہاں مناسب سمجھتا ہوں:۔

(۱) مسئلہ کفر و اسلام

حضرت مرزا صاحب کے نہ ماننے والے کافر ہیں یا مومن۔ اس مسئلہ پر چونکہ آجکل اکثر بحث مباحثہ رہتا ہے اس لئے میں تریاق القلوب کے صفحہ ۱۳۰ سے کچھ تھوڑی سی عبارت نقل کر دیتا ہوں۔ جس سے یہ مسئلہ بڑی وضاحت کے ساتھ حل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اینچ پینچ کرنا حق پرستی نہیں۔ اور اس کے خلاف کہنا نعوذ باللہ خود حضرت اقدس مرزا صاحب کو اسی صف میں لا کھڑا کرنا ہے جس میں آپ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کو کھڑا کیا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ایسا کہنا حضرت اقدس مرزا صاحب پر ایک بہتان عظیم ہوگا۔

اب سُنئے کہ مسٹر ڈوئی کی عدالت میں جس نوٹس پر مولوی محمد حسین بٹالوی اور حضرت اقدس

مرزا صاحب نے دستخط فرمائے تھے اس سے مولوی محمد حسین بٹالوی کو جو خفت اور ذلت پہنچی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت اقدس فرماتے ہیں :۔

"ہاں یہ سچ ہے کہ اس نوٹس پر مَیں نے بھی دستخط کئے ہیں مگر اس دستخط سے خدا اور منصفوں کے نزدیک میرے پر کچھ الزام نہیں آتا اور نہ ایسے دستخط میری ذلت کا موجب ٹھیرتے ہیں کیونکہ ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجّال نہیں ہو سکتا۔ ہاں ضال اور جادۂ صدق و صواب سے منحرف ضرور ہو گا۔ اور مَیں اس کا نام بے ایمان نہیں رکھتا۔ ہاں مَیں ایسے سب لوگوں کو ضال اور جادۂ صدق و صواب سے دور سمجھتا ہوں جو ان سچائیوں سے انکار کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے میرے پر کھولی ہیں۔ مَیں بلاشبہ ایسے ہر ایک آدمی کو ضلالت کی آلودگی سے مبتلا سمجھتا ہوں جو حق اور راستی سے منحرف ہے۔ لیکن مَیں کسی کلمہ گو کا نام کافر نہیں رکھتا جب تک وہ میری تکفیر اور تکذیب کر کے اپنے تئیں خود کافر نہ بنا لیوے۔ سو اس معاملہ میں ہمیشہ سے سبقت میرے مخالفوں کی طرف سے ہے کہ انہوں نے مجھ کو کافر کہا۔ میرے لئے فتویٰ طیار کیا۔ مَیں نے سبقت کر کے اُن کیلئے کوئی فتویٰ طیار نہیں کیا۔ اور اس بات کا وہ خود اقرار کر سکتے ہیں کہ اگر مَیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان ہوں تو مجھ کو کافر بنانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ اُن پر یہی ہے کہ وہ خود کافر ہیں۔ سو مَیں ان کو کافر نہیں کہتا۔ بلکہ وہ مجھ کو کافر کہہ کر خود فتویٰ نبوی کے نیچے آتے ہیں۔ سو اگر مسٹر ڈوئی صاحب کے روبرو مَیں نے اس بات کا اقرار کیا کہ مَیں اُن کو کافر نہیں کہوں گا۔ تو واقعی میرا یہی مذہب ہے کہ مَیں کسی مسلمان کو کافر نہیں جانتا۔"

پھر اس کے نیچے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے کے انکار کرنیوالے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدّث ہیں گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔ [1]

---

[1] اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں بھی جو ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی حضرت اقدس نے اپنا مذہب یہی ظاہر فرمایا ہے۔ چنانچہ ص ۱۲۰ پر تحریر فرماتے ہیں :۔

"پھر اس جھوٹ کو تو دیکھو کہ ہمارے ذمہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے بیس کروڑ مسلمان اور کلمہ گو کو کافر ٹھیرایا۔ حالانکہ ہماری طرف سے تکفیر میں کوئی سبقت نہیں ہوئی۔ خود ہی ان کے علماء نے ہم پر کفر کے فتوے لکھے اور تمام پنجاب اور ہندوستان میں شور ڈالا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور نادان لوگ (باقی بر صفحہ ۸۹۱)

(۲) کسی نبی یا مامور من اللہ کی طرف نسبت رُوحانی اولاد کی ہی ہُوا کرتی ہے نہ کہ جسمانی کی

کسی نبی یا مامور من اللہ کی اولاد کی عزت اس حد تک کرنی کہ غلو اور شرک تک نوبت پہنچ جائے اسلام میں جائز نہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ کسی بزرگ کی اولاد کو خواہ وہ کتنے ہی افعال شنیعہ کے مرتکب ہوں لوگ پھر بھی راہ راست اور جادۂ صدق وصواب پر سمجھتے اوران کی نالائقیوں اور بدچلنیوں سے اغماض کرتے ہوئے ان کی تقلید میں اپنی نجات سمجھتے ہیں۔ اس غلطی سے نکالنے کیلئے حضرت مرزا صاحب تریاق القلوب صفحہ ۹۹ پر آل محمد کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"سو اسی قرینہ سے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کوئی دنیوی رشتہ مراد نہیں ہے بلکہ آل سے مراد وہ لوگ ہیں جو فرزندوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مال کے وارث ٹھیرتے ہیں بلکہ ہر جگہ آل کے لفظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی مراد ہے نہ دنیوی رشتہ جو ایک سفلی اور فانی امر ہے جو موت کے ساتھ ہی کلا انساب بینھم کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ نبی کا نفس کبھی اس بات پر راضی نہیں ہو سکتا کہ آل کے لفظ سے محض اس کی

(بقیہ صفحہ ۸۹۰) ان فتووں سے ایسے ہم سے متنفر ہوگئے کہ ہم سے سیدھے منہ سے کوئی نرم بات کرنا بھی انکے نزدیک گناہ ہوگیا۔ کیا کوئی مولوی یا کوئی اور مخالف یا کوئی سجادہ نشین یہ ثبوت دے سکتا ہے کہ پہلے ہم نے ان لوگوں کو کافر ٹھیرایا تھا اگر کوئی ایسا کاغذ یا اشتہار یا رسالہ ہماری طرف سے ان لوگوں کے فتوائے کفر سے پہلے شائع ہوا ہے جس میں ہم نے مخالف مسلمانوں کو کافر ٹھیرایا ہو تو وہ پیش کریں ورنہ خود سوچ لیں کہ یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر تو ٹھیراویں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگادیں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھیرایا ہے۔ اس قدر خیانت اور جھوٹ اور خلاف واقعہ تہمت کس قدر دلآزار ہے ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے۔ اور پھر جبکہ ہمیں اپنے فتووں کے ذریعہ سے کافر ٹھیرا چکے اور آپ ہی اس بات کے قائل بھی ہوگئے کہ جو شخص مسلمان کو کافر کہے تو کفر الٹ کر اسی پر پڑتا ہے تو اس صورت میں کیا ہمارا حق نہ تھا کہ بموجب انہیں کے اقرار کے ہم ان کو کافر کہتے"

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت اقدس مسلمانوں کو کافر کہنے کو سخت برا سمجھتے تھے اور جو ان کی طرف اس بات کو منسوب کرے اُسے "خیانت اور جھوٹ اور خلاف واقعہ تہمت" کا مرتکب قرار دیتے تھے۔ آپ نے صرف مسلمان کو کافر کہنے والوں کو حدیث نبوی کے ماتحت کافر کہا جو فقط ایک تعزیری کفر ہے۔ اور جو آنحضرت صلعم کے دربار سے ایک مکفر کے لئے بطور سزا کے وارد ہوتا ہے یعنی مسلمان کو کافر کہنے والے پر بطور سزا کے کفر لوٹ کر پڑتا ہے۔ اور اس کے معنے بھی فقط اتنے ہیں کہ ایسے شخص کو اسلامی برادری سے خارج کردو اور اس سے مسلمانوں کا سا سلوک کرنا بند کردو یعنی اس کا مقاطعہ کردو جب تک کہ وہ اپنی اس افسوسناک حرکت سے باز نہ آئے۔ حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس تعزیری کفر کو بھی محض اس لئے پیش کیا تا کہ مکفر علماء سے مسلمانوں کی تکفیر کا مرض دور ہو جس سے تمام عالم اسلامی میں جماعت مسلمین کی وحدت وتنظیم میں افتراق وانشقاق رونما ہو رہا ہے۔ آج اگر مکفر مولویوں کو اس فتوے کے نیچے لاکر بائیکاٹ کردیا جائے تو اُن سے آناً فاناً میں یہ مرض دُور ہو جائے اور تمام عالم اسلامی میں وحدت واتفاق کا دَور دَورہ نظر آجائے۔ (مؤلف)

یہ غرض ہے کہ عام دنیاداروں کی طرح ایک سفلی اور فانی رشتہ کا لوگوں کو پیرو بنانا چاہئیے۔ ظاہر ہے کہ نبی کی نظر آسمان پر ہوتی ہے اور اس کا ساحتِ عزت اور مبلغ ہمت اس سے پاک ہے کہ وہ بار بار ایسے رشتوں کو پیش کرے جن کے ساتھ ایمان اور صداقت اور تقویٰ لازم ملزوم نہیں ہے اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماوے کہ یہ دنیوی رشتے اسی دنیا تک ختم ہو جاتے ہیں اور قیامت میں انساب نہیں رہیں گے۔ لیکن اس کا نبی ایک ادنیٰ سے رشتہ پر ہی زور دیتا ہے جو لڑکی کی اولاد ہے۔ حق تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاک اور عظیم الشان انبیاء جو جو کلمات منہ پر لاتے ہیں وہ اس قدر معارف اور حقائق اپنے اندر رکھتے ہیں کہ گویا زمین سے شروع ہو کر آسمان تک جا پہنچتے ہیں یا یوں کہو کہ آسمان سے زمین تک آفتاب کی شعاع کی طرح نازل ہوتے ہیں اور وہ تمام کلمات اس درخت کی طرح ہوتے ہیں جس کی جڑ نہایت مضبوط اور زمین کے پاتال تک پہنچی ہوئی ہو اور شاخیں آسمان میں داخل ہوں۔ لیکن نبی کے کلمات جب عوام کے محاورہ میں آتے ہیں تو عوام کالانعام اپنی محدود فہم اور کوتاہ عقل کی وجہ سے نہایت ذلیل معنوں میں ان کو لے آتے ہیں جو روحانیوں کے نزدیک قابل شرم ہوتے ہیں کیونکہ ان کی دنیوی عقلوں کو آسمان سے کچھ بھی علاقہ نہیں ہوتا اور وہ نہیں جانتے کہ روحانی روشنی کیا شے ہے اس لئے وہ جلد تر اپنی موٹی سمجھ کے موافق نبی کے اعلیٰ مقاصد اور بلند تر اشارات کو صرف دنیوی اور فانی رشتوں پر ہی ختم کر دیتے ہیں۔ اور وہ نہیں سمجھ سکتے کہ اس فانی اور ناپائیدار رشتہ کے وراء الوراء اور قسم کے رشتے بھی ہوتے ہیں اور ایسا ہی اور قسم کی آل ہوتی ہے جو مرنے کے بعد منقطع نہیں ہو سکتی اور نفی کا انساب بینھم کے نیچے نہیں آتی۔ نہ صرف اس قسم کی آل جو فدک جیسے نام کے باغ اور چند درختوں کے لئے لڑتے پھریں اور مشتعل ہو کر کبھی ابوبکرؓ کو برا کہیں اور کبھی عمرؓ کو بلکہ خدا کے پیاروں اور مقبولوں کیلئے روحانی آل کا لقب نہایت موزوں ہے۔ اور وہ روحانی آل اپنے روحانی نانا سے وہ روحانی وراثت پاتے ہیں جن پر کوئی دوسرا قبضہ نہیں کر سکتا۔ اور وہ ان باغوں کے وارث ٹھیرتے ہیں جن پر کوئی دوسرا قبضہ ناجائز کر ہی نہیں سکتا۔ پس یہ سفلی خیال بعض اسلامی فرقوں میں اس وقت آ گئے ہیں جبکہ ان کی روح مردہ ہو گئی اور ان کو روحانی طور پر آل ہونے کا کچھ بھی حصہ نہ ملا۔ اس لئے روحانی مال سے لاوارث ہونے کی وجہ سے ان کی عقلیں موٹی ہو گئیں۔ اور ان کے دل مکدر اور کوتہ بین ہو گئے۔ اس میں کس ایماندار کو کلام ہے کہ حضرت امام حسین اور امام حسن رضی اللہ عنہما خدا کے برگزیدہ اور صاحب کمال اور صاحب عفت اور عصمت اور ائمۃ الہدیٰ تھے اور وہ بلاشبہ

دونو معنوں کے رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آل تھے۔ لیکن کلام اس بات میں ہے کہ کیوں آل کی اعلیٰ قسم کو چھوڑا گیا ہے اور ادنیٰ پر فخر کیا جاتا ہے تعجب کہ وہ اعلیٰ قسم امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے آل ہونے کی یا اور کسی کے آل ہونے کی جس کے رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مال کے وارث ٹھیرتے ہیں اور بہشت کے سردار کہلاتے ہیں یہ لوگ اس کا تو کچھ ذکر ہی نہیں کرتے اور ایک فانی رشتہ کو بار بار پیش کیا جاتا ہے جس کے ساتھ روحانی وراثت لازم ملزوم نہیں۔ اور اگر یہ فانی رشتہ جو جسمانی تعلق سے پیدا ہوتا ہے ضروری طور پر خدا تعالیٰ کے نزدیک حقدار ہوتا تو سب سے پہلے قابیل کو یہ حق ملتا جو حضرت آدم علیہ السلام کا پہلوٹا بیٹا اور پیغمبر زادہ تھا۔ اور پھر اس کے بعد حضرت نوح آدم ثانی کے اس بیٹے کو حق ملتا جس نے خدا تعالیٰ کی طرف سے اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ کا لقب پایا۔ سو اہل معرفت اور حقیقت کا یہ مذہب ہے کہ اگر حضرت امام حسین اور امام حسن رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفلی رشتہ کے لحاظ سے آل نہ بھی ہوتے تب بھی بوجہ اس کے کہ وہ روحانی رشتہ کے لحاظ سے آسمان پر آل ٹھیر گئے تھے۔ وہ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مال کے وارث ہوتے جبکہ فانی جسم کا ایک رشتہ ہوتا ہے تو کیا رُوح کا کوئی بھی رشتہ نہیں ...... اب ایک عقلمند انسان سوچ سکتا ہے کہ کیا لازوال اور ابدی طور پر آل رسول ہونا جائے فخر ہے یا جسمانی طور پر آل رسول ہونا جو بغیر تقویٰ اور طہارت اور ایمان کے کچھ بھی چیز نہیں اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسر شان کرتے ہیں۔ بلکہ اس تحریر سے ہمارا مدعا یہ ہے کہ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی شان کے لایق صرف جسمانی طور پر آل رسول ہونا نہیں کیونکہ وہ بغیر روحانی تعلق کے ہیچ ہے اور حقیقی تعلق اُن ہی عزیزوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ جو روحانی طور پر اُن کی آل میں داخل ہیں۔ رسولوں کے معارف اور انوار رُوحانی رسولوں کے لئے بجائے اولاد ہیں جو ان کے پاک وجود سے پیدا ہوتے ہیں اور جو لوگ ان معارف اور انوار سے نئی زندگی حاصل کرتے ہیں اور ایک پیدائش جدید اُن انوار کے ذریعہ سے پاتے ہیں وہی ہیں جو روحانی طور پر آل محمد کہلاتے ہیں۔"

آل پر مذکورہ بالا بحث کو پڑھ کر جو نہایت اعلیٰ درجہ کی حکمت اور پاکیزہ اصول پر مبنی ہے پھر حضرت اقدس مرزا صاحب کی اولاد کے متعلق کسی پیشگوئی کو آپ کے سفلی رشتہ کی اولاد میں محدود اور مخصوص کرنا اور اس پر اصرار کرنا خود حضرت مرزا صاحب کے علم و حکمت اور رُوحانیت کی

ہتک ہے۔ اور ان تمام اعلیٰ اصول اور حکمت پر پانی پھیر دینے کے مترادف ہے جو آپ نے خود اپنی قلم سے یہاں تحریر فرمائے ہیں۔ کیا محمد رسول اللہ صلعم کی آل کے معنے کرتے ہوئے تو رُوحانی آل لئے جائیں گے اور حضرت مرزا صاحب کی آل کے معنے کرتے ہوئے جسمانی آل لئے جائیں گے۔ تلک اذًا قسمۃٌ ضیزیٰ۔ یہ تو بڑی نامنصفانہ تقسیم ہے۔ جو بات آقا کیلئے درست نہیں وہ غلام کیلئے کیوں درست ہو۔ فتدبروا یا اولی الالباب۔ پس سچی بات یہی ہے جو حضرت اقدس نے تحریر فرمائی ہے کہ خدا کے رسولوں اور ماموروں اور برگزیدوں کے آل وہی ہوتے ہیں جو روحانی طور پر آل کہلانے کے مستحق ہوں یعنی جو ان کے علم اور روحانیت کے وارث اور صحیح معنوں میں اُن کے متبع ہوں جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول اپنی ذریت کے متعلق ہے کہ فمن تبعنی فانّہ منّی کہ جو میری اتباع کرتا ہے وہ مجھ سے ہے۔ اصل چیز روحانی رشتہ ہے۔ جو ایک لازوال چیز ہے۔ بغیر رُوحانی تعلق کے جسمانی رشتہ کوئی چیز نہیں +

اعجاز احمدی

مباحثہ مُد منشی محمد یوسف صاحب نے جو موضع مُد ضلع امرتسر کے رہنے والے تھے۔ جب حضرت اقدس کی بیعت کی تو اُن کے گاؤں مُد میں مخالفت کا ایک طوفان بپا ہوگیا۔ وہ خود تو مردان ضلع پشاور میں اپیل نویس تھے اس لئے اس مخالفت کا اُن پر تو کچھ اثر نہ پڑا۔ لیکن جب اُن کے بھائی محمد یعقوب صاحب نے بھی بیعت کرلی جو وہیں گاؤں میں رہتے تھے تو شریر لوگوں کو موقعہ مل گیا کہ ان کو تنگ کریں۔ چنانچہ انہیں سخت تنگ کیا گیا یہاں تک کہ سقّہ دھوبی بھنگی سب کو بند کردیا۔ اُنہوں نے منشی محمد یوسف صاحب کو مردان اطلاع دی۔ انہوں نے مردان سے آکر ان مخالفوں کو سمجھایا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ مسائل متنازعہ فیہ میں مباحثہ ہوجاوے۔ منشی محمد یوسف صاحب تو خدا سے یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح انہیں تبلیغ ہو۔ انہوں نے مباحثہ منظور کرلیا۔ وہ قادیان آئے اور حضرت اقدس سے اپنی منشا کو عرض کیا۔ تو حضرت اقدس نے حسب معمول مخالف علما کے مکر وحیل سے انہیں مطلع کیا اور فرمایا کہ ایسے مباحثات سے فائدہ نہیں ہوتا۔ مگر منشی صاحب کے اصرار سے آپ نے منظور کرلیا کہ مولوی سید سرور شاہ صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب کشمیری وہاں چلے جائیں۔ چنانچہ یہ لوگ مُد پہنچ گئے بالمقابل مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری آئے اور مباحثہ ۲۹۔ اور ۳۰۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء کو ہوا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب مناظرات کے معاملہ میں بہت ہوشیار اور چالاک واقع ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے مناظرہ کی شرط یہ پیش کردی کہ تقریری ہوگا اور ۲۰۔ ۲۰ منٹ فریقین کو دیئے جائیں گے۔ مولوی سرور شاہ صاحب نے کہا کہ کسی

مضمون پر تشفی بخش گفتگو ایک گھنٹہ سے کم میں کیا ہو سکتی ہے۔ اس لئے مجیب کو کم سے کم ایک گھنٹہ ملنا چاہئے۔ مگر مولوی ثناء اللہ صاحب کو جیت اسی میں نظر آئی کہ ۲۰۔۲۰ منٹ ہی فریقین کو دیئے جائیں اور اس پر اتنا اصرار کیا کہ مولوی سرور شاہ صاحب نے مان لیا۔ آخر مباحثہ شروع ہؤا تو حیات و ممات مسیح اور نزول مسیح کے مسائل میں تو مولوی ثناء اللہ صاحب چل نہ سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ادھر سے گریز کر کے طریق یہ اختیار کیا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب پر حملے شروع کر دیئے اور آپ کی بعض پیشگوئیوں کو لیکر اُن کا خوب تمسخر اُڑایا اور اسقدر دشنام دہی اور گندہ دہنی سے کام لیا کہ احمدیوں کے دل خون ہو گئے لیکن انہوں نے صبر سے کام لیا۔ بالمقابل ثناء اللہ صاحب نے غیر احمدیوں کو اپنی اشتعال انگیز تقریر سے ایسا اُبھارا کہ احمدیوں کو اپنی جان سلامت لیکر واپس آنا دشوار ہو گیا۔ لوگوں میں اس قدر اشتعال پیدا ہؤا اور مولوی ثناء اللہ صاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اسقدر گالیوں اور طعن و تشنیع سے کام لیا کہ خیال ہوا کہ بلوہ ہو کر کوئی قتل نہ ہو جائے۔ اس لئے دو دن کے بعد مباحثہ بند کر دیا گیا۔ اور مولوی سرور شاہ صاحب بمعہ اپنے دوستوں کے ۲۔ نومبر ۱۹۰۲ء کو واپس قادیان آ گئے۔ اور حضرت اقدس کی خدمت میں سارا ماجرا عرض کیا۔ گالیاں اور طعن و تشنیع اور ہزلیات کو چھوڑ کر ثناء اللہ کی تین باتیں حضرت اقدس نے قابل جواب سمجھیں۔ جن کے لئے آپ نے ایک تصنیف کرنے کا ارادہ فرمایا۔

(۱) ایک بات تو یہ تھی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے کہا تھا کہ مرزا صاحب کی ساری پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں۔

(۲) دوسری بات مولوی ثناء اللہ نے یہ کہی تھی کہ میں مرزا صاحب سے مباہلہ کرنے کیلئے تیار ہوں۔

(۳) تیسری بات یہ کہ جب مولوی سرور شاہ صاحب نے اعجاز المسیح کو ایک معجزہ بتاتے ہوئے مولوی ثناء اللہ کو کہا کہ اگر حضرت مرزا صاحب کو جھوٹا سمجھتے ہو تو اعجاز المسیح کا جواب کیوں نہ لکھا۔ تو کہنے لگے کہ میں چاہوں تو بڑی آسانی سے اس کا جواب لکھ سکتا ہوں +

شہادت دینے کیلئے سفر بٹالہ

حضرت اقدس ۷۔ نومبر ۱۹۰۲ء کو نماز فجر کے بعد ایک شہادت دینے کیلئے بٹالہ تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ مولوی محمد علی صاحب اور مفتی محمد صادق صاحب اور چند اور احباب تھے۔ آپ رتھ پر سوار تھے۔ اور بعض دوست یکوں پر سوار تھے۔ بٹالہ ساڑھے نو بجے پہنچ گئے۔ وہاں منشی محمد یوسف صاحب اپیل نویس مردان سے جو مباحثہ مُد کے بانی مبانی تھے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "آپ ایک دینی جہاد کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کی جزا دے گا۔ میں نے ایڈیٹر الحکم کو کہہ دیا ہے کہ وہ سارا مباحثہ جو

مُد میں ہُوا ہے۔ چھاپ دیں۔ آپ کو اخبار کی کچھ زائد کاپیاں مل جائیں گی تاکہ آپ اپنے گاؤں اور دوستوں میں تقسیم کر سکیں"۔ اس کے بعد مختلف لوگ مسلم اور غیر مسلم ملنے کیلئے آتے رہے اور آپ کا تمام دن وعظ و تبلیغ میں صرف ہُوا۔ ۲ بجے کے بعد آپ بطور گواہ پیش ہوئے منشی نصیر الدین صاحب منصف جن کی عدالت میں گواہی تھی بہت احترام سے پیش آئے۔ مگر عدالت کے کمرہ میں لوگوں کا اس قدر ہجوم ہو گیا کہ منصف صاحب نے بمشکل کمرہ خالی کروا کے دروازہ بند کروا دیا۔ شہادت ختم ہونے کے بعد حضرت اقدس ایک جم غفیر کے ساتھ واپس فرودگاہ کو تشریف لائے اور شام کے ۶ بجے تک آپ قادیان واپس پہنچ گئے۔

کتاب اعجاز احمدی کی تصنیف

جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں مولوی ثناء اللہ صاحب کی ہزلیات اور دشنام دہی کو چھوڑ کر ان کی تین باتوں کا حضرت اقدس نے جواب دینا ضروری سمجھا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے آپ نے ایک کتاب اعجاز احمدی لکھنی شروع کر دی۔ جسے ۸۔ نومبر ۱۹۰۲ء کو شروع کر کے ۱۲۔ نومبر ۱۹۰۲ء تک ختم کر دیا۔ یعنی اس کی تصنیف میں صرف پانچ دن لگے۔ اور ۱۵۔ نومبر ۱۹۰۲ء کو یہ کتاب شائع ہو گئی۔ اصل کتاب ۷۰ صفحے کی ہے۔ جن میں سے ۳۸ صفحے اُردو کے ہیں اور باقی ۲۹ صفحوں میں ایک عربی قصیدہ ہے جو نہایت فصیح و بلیغ نظم پر مشتمل ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کو پیشگوئیوں کی پڑتال کیلئے دعوت

اُردو حصّہ تصنیف میں ایک تو مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس اعتراض کا کہ آپ کی سب پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں جواب دیا ہے۔ آپ نے اُن پیشگوئیوں پر اس کتاب میں بالخصوص بحث کی ہے جن پر مُد میں ثناء اللہ نے اعتراض کیا تھا۔ اور ان کی صداقت کو نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ اور اس کے بعد لکھا ہے:۔

"اور مولوی ثناء اللہ نے موضع مُد میں بحث کے وقت یہ بھی کہا تھا کہ سب پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں۔ اس لئے ہم ان کو مدعو کرتے ہیں اور خدا کی قسم دیتے ہیں کہ وہ اس تحقیق کیلئے قادیان میں آویں اور تمام **پیشگوئیوں کی پڑتال کریں** اور ہم قسم کھا کر وعدہ کرتے ہیں کہ ہر ایک پیشگوئی کی نسبت جو منہاج نبوت کی رو سے جھُوٹی ثابت ہو ایک ایک سو روپیہ ان کی نذر کریں گے ورنہ ایک خاص تمغۂ لعنت کا ان کے گلے میں رہیگا۔ اور ہم آمد و رفت کا خرچ بھی دینگے اور کل پیشگوئیوں کی پڑتال کرنی ہو گی تا آئندہ کوئی جھگڑا باقی نہ رہ جائے اور اسی شرط سے روپیہ ملے گا اور ثبوت ہمارے ذمہ ہو گا"

مولوی ثناء اللہ صاحب کی دوسری بات کا جواب یعنی مباہلہ کیلئے دعوت

پھر آپ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کی دوسری بات کا کہ وہ مباہلہ

کے لئے تیار ہیں یوں جواب دیا۔ فرماتے ہیں:۔

"پس اگر مولوی ثناء اللہ صاحب ایسے چیلنج کے لئے مستعد ہوں تو صرف تحریری خط کافی نہ ہوگا۔ بلکہ ان کو چاہئے کہ ایک چھپا ہؤا اشتہار اس مضمون کا شائع کریں کہ اس شخص کو (اور اس جگہ میرا نام بتصریح لکھیں) مَیں کذاب اور دجال اور کافر سمجھتا ہوں اور جو کچھ یہ شخص مسیح موعود ہونے اور صاحب الہام اور وحی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس دعوے کا مَیں جھوٹا ہونا یقین رکھتا ہوں۔ اور اے خدا مَیں تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ اگر یہ میرا عقیدہ صحیح نہیں ہے اور اگر یہ شخص فی الواقع مسیح موعود ہے اور فی الواقع عیسٰی علیہ السّلام فوت ہو گئے ہیں تو مجھے اس شخص کی موت سے پہلے موت دے اور اگر مَیں اس عقیدہ میں صادق ہوں اور یہ شخص درحقیقت دجال بے ایمان کافر مرتد ہے۔ اور حضرت مسیح آسمان پر زندہ موجود ہیں جو کسی نامعلوم وقت میں پھر آئیں گے تو اس شخص کو ہلاک کرتا فتنہ اور تفرقہ دور ہو۔ اور اسلام کو ایک دجّال اور مغوی اور مضل سے ضرر نہ پہنچے۔ آمین ثم آمین۔ پہلے اس سے اسی قسم کا مباہلہ کتاب فتح رحمانی کے صفحہ ۲۷ میں مولوی غلام دستگیر قصوری بھی کر چکے ہیں اور اس کے بعد تھوڑے دنوں میں ہی میری زندگی میں ہی قبر میں داخل ہو گئے اور میری سچائی کو اپنے مرنے سے ثابت کر گئے۔ مگر مولوی ثناء اللہ اگر چاہیں تو بذات خود آزمالیں۔ ان کو غلام دستگیر سے کیا کام کیونکہ وہ خود ہی اس کے لئے مستعدی بھی ظاہر کرتے ہیں۔ یہ چیلنج جو درحقیقت ایک مباہلہ کا مضمون ہے اس کو لفظ بہ لفظ جو نمونہ مذکورہ کے مطابق ہو لکھنا ہوگا جو اوپر مَیں نے لکھ دیا ہے۔ ایک لفظ کم یا زیادہ نہ کرنا ہوگا۔ اور اگر کوئی خاص تبدیلی منظور ہو تو پرائیویٹ خطوط کے ذریعہ سے اس کا تصفیہ کرنا ہوگا اور پھر ایسے اشتہار مباہلہ پر کم سے کم پچاس معزز آدمیوں کے دستخط ثبت ہونے چاہئیں اور کم سے کم اس مضمون کا سات سَو اشتہار ملک میں شائع ہونا چاہئے۔ اور بیسؔ اشتہار بذریعہ رجسٹری مجھے بھی بھیجدیں۔ مجھے کچھ ضرورت نہیں کہ مَیں انہیں مباہلہ کیلئے چیلنج کروں یا ان کے بالمقابل مباہلہ کروں۔ اُن کا اپنا مباہلہ جس کیلئے انہوں نے مستعدی ظاہر کی ہے میری صداقت کے لئے کافی ہے۔"

مولوی ثناء اللہ کی تیسری بات کا جواب عربی لکھنے میں مقابلہ کی دعوت

اس کے بعد مولوی ثناء اللہ صاحب کی تیسری بات کے جواب میں کہ اعجاز المسیح کوئی معجزہ نہیں۔ مَیں چاہوں تو ایسی کتاب عربی میں بنا سکتا ہوں، حضرت اقدس نے اس کتاب اعجاز احمدی میں ایک عربی قصیدہ تحریر فرمایا جو ۹۳ صفحوں پر

مشتمل ہے اور نیچے اس کا ترجمہ بھی لکھا ہے یہ عربی میں نہایت فصیح و بلیغ نظم ہے جس کی مثل لانے کیلئے آپ نے نہ صرف مولوی ثناء اللہ صاحب کو بلکہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اور مولوی اصغر علی صاحب روحی پروفیسر عربی اسلامیہ کالج لاہور۔ مولوی علی حائری صاحب شیعہ مجتہد لاہور۔ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب اور قاضی ظفر الدین صاحب پروفیسر اورینٹیل کالج لاہور کو بھی چیلنج کیا۔ پیر مہر علی صاحب کو عربی لکھنے کے لئے ایک دفعہ اور مقابلہ کی دعوت دینے کا آپ نے اپنی کتاب نزول المسیح میں ارادہ ظاہر فرمایا تھا۔ چونکہ اس کی اشاعت مقدمہ کرم دین کی وجہ سے رُک گئی تھی اور وہ کتاب تاحال مکمل نہ ہو سکی تھی۔ اس لئے اسی ارادہ کے ماتحت آپ نے پیر مہر علی شاہ صاحب کو بھی اس قصیدہ عربی کے بالمقابل عربی قصیدہ لکھنے کے لئے چیلنج دیدیا۔ اور یہی وجہ تھی جو آپ نے اس کتاب کا دوسرا نام ضمیمہ نزول المسیح بھی رکھا اس کتاب کے ساتھ آپ نے ایک اشتہار انعامی دس ہزار روپے کا شائع کیا۔ جس میں اس کتاب کی تصنیف کی وجہ جو ظاہر فرمائی ہے وہ آپ کی قلم سے ہی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:۔

"یہ اشتہار خدا تعالیٰ کے اس نشان کے اظہار کیلئے شائع کیا جاتا ہے جو اور نشانوں کی طرح ایک پیشگوئی کو پورا کرے گا یعنی یہ بھی وہ نشان ہے جس کی نسبت وعدہ تھا کہ وہ اخیر دسمبر ۱۹۰۲ء تک ظہور میں آجائے گا۔ اور اس کے ساتھ دس ہزار روپے کا اشتہار اس بات کیلئے بطور گواہ کے ہے کہ اپنے دعوے کی سچائی کے لئے کس زور سے اور کس قدر صرف مال سے مخالفین کو متنبہ کیا گیا ہے۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری نے موضع مدّ میں بآواز بلند کہا تھا کہ ہم کتاب اعجاز المسیح کو معجزہ نہیں کہہ سکتے اور میں اس طرح کی کتاب بنا سکتا ہوں۔ اور یہ سچ بھی ہے کہ اگر مخالف مقابلہ کر سکیں اور اسی مقررہ مدت میں اسی طرح کی کتاب بنا سکیں تو پھر وہ معجزہ کیسے ہؤا۔ اس صورت میں تو ہم صاف جھوٹے ہو گئے۔ لیکن جب ہمارے دوست مولوی سید محمد سرور صاحب و مولوی عبد اللہ صاحب ۸ نومبر ۱۹۰۲ء کو قادیان میں پہنچ گئے تو چند روز کے بعد مجھے خیال آیا کہ اگر اعجاز المسیح کی نظیر طلب کی جائے تو جیسا کہ ہمیشہ سے یہ مخالف لوگ حیلہ بہانہ سے کام لیتے ہیں اس میں بھی کہہ دیں گے کہ ہماری دانست میں کتاب اعجاز المسیح ستر دن میں طیار نہیں ہوئی...... بلکہ ستر مہینے میں بنائی گئی ہے تو اب یہ امر عوام کی نظر میں مشتبہ ہو جائے گا۔ اور میں چند روز اسی فکر میں تھا کہ کیا کروں۔ آخر ۶۔ نومبر ۱۹۰۲ء کی شام کو میرے دل میں ڈالا گیا کہ ایک قصیدہ مقام مدّ کے مباحثہ کے متعلق بناؤں کیونکہ بہرحال قصیدہ بنانے کا زمانہ یقینی اور قطعی ہے کیونکہ اس سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ۲۹۔ اور ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو بمقام مدّ بحث ہوئی تھی۔ اور پھر دوسری نومبر کو

ہمارے دوست قادیان پہنچے اور ۷۔ نومبر ۱۹۰۲ء کو مَیں ایک گواہی کے لئے منشی نصیر الدین صاحب منصف عدالت بٹالہ کی کچہری میں گیا۔ شاید ایک یا دو شعر راہ میں بنائے۔ مگر ۸۔ نومبر ۱۹۰۲ء کو قصیدہ پوری توجہ سے شروع کیا اور پانچ دن تک قصیدہ اور اردو مضمون ختم کر لیا۔ اس سے یہ امر شک وشبہ سے پاک ہو گیا کہ کتنی مدت میں قصیدہ بنایا گیا کیونکہ اس قصیدہ میں اور نیز اُردو مضمون میں واقعات اس بحث کے درج ہیں جو ۲۹۔ اور ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں بمقام مُدّ ہوئی تھی۔ پس اگر یہ قصیدہ اور اُردو مضمون اس قلیل مدت میں طیار نہیں ہوا۔ اور پہلے اس سے بنایا گیا تو پھر مجھے عالم الغیب ماننا چاہیئے جس نے تمام واقعات کی پہلے سے خبر دی۔ غرض یہ ایک عظیم الشان نشان ہے اور نہایت سہل طریق فیصلہ کا۔ اور یاد رہے کہ جیسا مَیں نے ابھی بیان کیا ہے کہ یہ تمام مدت قصیدہ پر ہی خرچ نہیں ہوئی بلکہ اس اُردو مضمون پر بھی خرچ ہوئی ہے جو اس قصیدہ کے ساتھ شامل ہے' اور وہ دونو بحیثیت مجموعی خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک نشان ہیں اور مقابلہ کے لئے اور دس ہزار روپیہ انعام پانے کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ جو شخص بالمقابل لکھے وہ ساتھ ہی اس اُردو کا بھی رد لکھے جو میری وجوہات کو توڑ سکے جس کی عبارت ہماری عبارت سے کم نہ ہو۔ اور اگر کوئی ان دونو میں سے کسی کو چھوڑے گا تو وہ اس شرط کا توڑنے والا ہو گا۔ میں اپنے مخالفوں پر کوئی ایسی مشقت نہیں ڈالتا جس مشقت سے مَیں نے حصّہ نہ لیا ہو۔ ظاہر ہے کہ اُردو عبارت بھی اسی واقعہ بحث کے متعلق ہے اور اس میں مولوی ثناء اللہ صاحب کے ان اعتراضات کا جواب ہے جو انہوں نے پیش کئے تھے۔ اس صورت میں کون شک کر سکتا ہے کہ وہ اُردو عبارت پہلے سے بنا رکھی تھی۔ پس میرا حق ہے کہ جس قدر خارق عادت وقت میں یہ اُردو عبارت اور قصیدہ تیار ہو گئے ہیں مَیں اسی وقت تک نظیر پیش کرنے کا ان لوگوں سے مطالبہ کروں کہ جو ان تحریرات کو ...... معجزہ قرار نہیں دیتے۔ اور مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر وہ اتنی مدت تک جو مَیں نے اُردو مضمون اور قصیدہ پر خرچ کی ہے اسی قدر مضمون اُردو جس میں میری ہر ایک بات کا جواب ہو کوئی بات نہ رہ جائے اور اسی قدر قصیدہ جو اسی تعداد کے اشعار میں واقعات کے بیان پر مشتمل ہو اور فصیح و بلیغ ہو اسی مدت مقررہ میں چھاپ کر شائع کر دیں تو اُن کو دس ہزار روپے نقد دوں گا۔ میری طرف سے یہ اقرار صحیح شرعی ہے جس میں ہرگز تخلف نہیں ہو گا۔ اور جس کا وہ بذریعہ عدالت بھی ایفا کرا سکتے ہیں۔ اور اگر اب مولوی ثناء اللہ اور دوسرے میرے مخالف پہلو تہی کریں اور بدستور مجھے کافر اور دجال کہتے رہیں تو یہ ان کا حق نہیں ہو گا کہ مغلوب اور لاجواب

ہو کر ایسی چالاکی ظاہر کریں۔ اور وہ پبلک کے نزدیک جھوٹے ٹھیریں گے۔ اور پھر میں یہ بھی اجازت دیتا ہوں کہ وہ سب مل کر اُردو مضمون کا جواب اور قصیدہ مشتملہ بر واقعات لکھ دیں میں کچھ عذر نہیں کروں گا۔ اگر اُنہوں نے قصیدہ اور جواب مضمون ملحقہ قصیدہ میعاد مقررہ میں چھاپکر شائع کردیا تو مَیں بیشک جھوٹا ٹھیروں گا۔ مگر چاہیئے کہ میرے قصیدہ کی طرح ہر ایک بیت کے نیچے اُردو ترجمہ لکھیں اور منجملہ شرائط کے اس کو بھی ایک شرط سمجھ لیں۔ اس مقابلہ سے تمام جھگڑے کا فیصلہ ہو جاوے گا۔ اور انشاء اللہ ۱۶۔ نومبر ۱۹۰۲ء کی صبح کو مَیں یہ رسالہ اعجاز احمدی مولوی ثناء اللہ کے پاس بھیجدوں گا جو مولوی سید محمد سرور صاحب لیکر جاویں گے اور اسی تاریخ یہ رسالہ ان تمام صاحبوں کی خدمت میں جو اس قصیدہ میں مخاطب ہیں بذریعہ رجسٹری روانہ کردوں گا بالآخر مَیں اس بات پر بھی راضی ہوگیا ہوں کہ ان تمام مخالفوں کو جواب مذکورہ بالا لکھنے اور شائع کرنے کیلئے پندرہ روز کی مہلت دوں۔"

اس کے بعد ڈاک کے پہنچنے اور پہنچانے کے دنوں کی بھی آپ نے رعایت دی ہے۔ اور سب ملا کر ۱۰۔ دسمبر ۱۹۰۲ء کو آخری تاریخ اس میعاد کی رکھی ہے جس میعاد میں مخالفوں کی طرف سے مطلوبہ جواب بصورت اُردو جواب مضمون اور عربی قصیدہ شائع ہو جانا چاہیئے۔ گویا اس کتاب اعجاز احمدی کی اشاعت ۱۵۔ نومبر ۱۹۰۲ء سے مخالفوں کو ۲۵ روز مل گئے۔ نیز آپ نے لکھا کہ:۔

"اگر میعاد مقررہ کے اندر مخالفوں کی طرف سے اس کا جواب مطلوبہ شائع ہو گیا تو گویا مَیں نیست و نابود ہو گیا اور جماعت کو چاہیئے کہ مجھے چھوڑ دے۔ اور اگر شائع نہ ہُوا تو پھر نہ صرف یہ کہ دس ہزار روپے سے مخالفین محروم رہ گئے۔ بلکہ دس لعنتیں بھی ان کے حصہ میں آئیں گی۔"

حضرت اقدس نے اپنے وعدہ کے مطابق ۱۶۔ نومبر ۱۹۰۲ء کی صبح کو مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب اور شیخ یعقوب علی تراب صاحب کو امرتسر مولوی ثناء اللہ کو کتاب اعجاز احمدی دینے کے لئے بھیجا۔ اور نیز تمام مخالفین کے نام جو اس کتاب میں مخاطب ہیں بذریعہ رجسٹری یہ کتاب بھیج دی گئی اور ویسے بھی اس کتاب کی اشاعت عام طور پر کی گئی۔

۱۷۔ نومبر کو صبح کی سیر کے وقت اعجاز احمدی کے متعلق کچھ تذکرہ ہُوا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ لوگ صرف یہی حیلہ کریں گے کہ ہم چاہیں تو جواب لکھ سکتے ہیں۔ ان کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جس نے مشتہر کیا کہ میری بکری شیر کو مارتی ہے۔ اور جب لوگوں نے اس کے اس کارنامہ کو دیکھنا چاہا تو کہدیا کہ "جب اس کا ارادہ ہو اس وقت مارتی ہے۔ اس وقت اس کا ارادہ نہیں۔" بس اسی قسم کے

حیلے حوالے کریں گے۔ اور ایسا ہی ہؤا +

مخالفین کا مقابلہ سے فرار

عربی قصیدہ اور اُردو جواب مضمون کا جواب کسی نے نہ لکھا۔ ۱۰۔ دسمبر ۱۹۰۲ء کی تاریخ آئی بھی اور گزر بھی گئی یعنی مقررہ میعاد ختم بھی ہو گئی۔ لیکن جواب نہ نکلنا تھا نہ نکلا۔ سب عربی دانوں کی قلمیں ٹوٹ گئیں +

قاضی ظفرالدین صاحب مرحوم کی ہلاکت

البتہ قاضی ظفرالدین صاحب نے جو ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے اور اورنٹیل کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر تھے اور ادب عربی کے رسالہ نسیم الصبا کے ایڈیٹر بھی تھے اور حضرت اقدس کے سخت دشمن تھے۔ حضرت اقدس کے عربی قصیدہ کا جواب لکھنا شروع کیا لیکن ابھی چند اشعار ہی لکھے تھے جو اچانک بیمار پڑ گئے اور مر گئے۔ اور اس طرح حضرت اقدس کی پیشگوئی ہر رنگ میں پوری ہو گئی کہ اس قصیدہ کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکے گا اور میعاد کے اندر کوئی بالمقابل جواب نہ شائع کر سکے گا۔ اور اگر کوئی اس کا جواب لکھنا چاہیگا تو خدا کوئی روک ڈال دیگا۔ پس قاضی ظفرالدین صاحب جو نہایت درجہ معاند اور متعصب اور عُجب و خود بینی کے مالک تھے۔ جب اس قصیدہ کا جواب لکھنے لگے تو ابھی چند ناتمام اشعار ہی لکھے تھے جو دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور میعاد کے اندر وہ چند ناتمام اشعار بھی شائع نہ ہوئے +

مولوی ثناء اللہ صاحب کا فرار

مولوی ثناء اللہ صاحب جو اس کتاب اعجاز احمدی کی تصنیف کے اصل موجب تھے۔ ایسی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہ تھے کہ وہ اپنے آپ کو کسی خطرہ میں ڈالتے۔ انہوں نے عربی لکھنے کی اپنی ساری شیخی بازی تہ کر کے رکھ دی اور عربی قصیدہ اور اُردو عبارت لکھنے کے مطالبہ کو صاف پی گئے۔ اور سُنی کو اَن سُنی کر گئے۔ دس ہزار روپے کا انعام بھی جاذب توجہ نہ ہؤا۔ البتہ جواب نہ لکھنے کی صورت میں دس لعنتوں کا جو تمغہ تھا وہ قبول کر لیا۔

رہ گیا مباہلہ۔ سو اس کی طرف وہ کیسے جرأت کر سکتے تھے۔ جھوٹ میں یہ جرأت کہاں ہو سکتی ہے کہ وہ حق کے ساتھ ٹکرائے۔ وہ ادھر ہرگز نہ آ سکتے تھے۔ اسٹیج پر چڑھ کر ڈینگیں مار لینا اور بات ہے اور واقعات میں کسی امر کو کر گزرنا جدا بات ہے۔

البتہ ان کو صرف ایک بات اپنے ڈھب کی نظر آئی۔ اور وہ یہ تھی کہ حضرت اقدس نے اپنی ساری پیشگوئیوں کی تحقیقات اور پڑتال کے لئے مولوی ثناء اللہ صاحب کو قادیان بلایا تھا۔ اور کسی پیشگوئی کے جھوٹا ثابت ہونے کی صورت میں سَو روپے انعام دینے کو بھی کہا تھا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب قادیان میں تمام پیشگوئیاں پڑتال کرنے کیلئے میرے

پاس ہرگز نہیں آئیں گے"۔ اور یہ کسی الہام کی بنا پر پیشگوئی نہ تھی۔ بلکہ اپنی خداداد فراست سے آپ جانتے تھے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب جیسے متعصب اور معاند منکر کو آپ کی پیشگوئیوں کے پڑتال سے کیا واسطہ۔ پڑتال کرنے کا مادہ فطرت میں ہوتا تو پہلے ہی انکار کیوں کرتے۔ اور تمسخر و استہزاء سے کیوں کام لیتے۔ یہ بھی حجت تمام کرنے کی غرض سے آپ کی طرف سے دعوت تھی۔ ورنہ مولوی ثناء اللہ صاحب ہوں اور پڑتال کریں! یہ جمع نقیضین ہو نہیں سکتا تھا۔ مناظرہ اور مباحثہ کیلئے دشمن کی شکل میں تو انسان ہر جگہ پہنچ سکتا ہے لیکن طالب حق بن کر پڑتال کرنے کیلئے آنا فطرت سلیم رکھنے والے کا ہی کام ہوا کرتا ہے نہ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب بہت ہوشیار آدمی تھے۔ سمجھ لیا کہ یہی ایک راہ ہے جس میں ان کی جان کو کوئی خطرہ نہیں کیونکہ اس میں کوئی خدائی فیصلہ درمیان میں نہیں جس کا باطل کو ڈر ہوا کرتا ہے اور یہی وہ راہ ہے جس میں آسانی سے حق کو باطل کے ساتھ ملتبس کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ پڑتال کے بہانہ مباحثہ کی طرح ڈالی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں کسی پیشگوئی پر اعتراض کرنا کیا مشکل ہوتا ہے۔ اور مرزا صاحب اپنی پیشگوئیوں کی لاکھ وضاحت کریں تو کیا ہوتا ہے۔ کسی جواب کی نسبت یہ کہہ دینا کہ میری اس سے تشفی نہیں ہوئی بہت ہی آسان امر ہے پس اندریں حالات مولوی ثناء اللہ صاحب نے یہی راہ اختیار کی اور قادیان اُٹھ دوڑے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کا قادیان میں ورود

چنانچہ مولوی ثناء اللہ صاحب کتاب اعجاز احمدی کے پُہنے دو مہینے بعد ۱۰۔جنوری ۱۹۰۳ء کو بغیر کسی اطلاع کے چپ چپاتے قادیان آدھمکے۔ اور جیسا کہ حضرت اقدس نے فرمایا تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب قادیان میں تمام پیشگوئیاں پڑتال کرنے کیلئے میرے پاس نہیں آئیں گے"۔ ویسا ہی ہوا۔ چاہئے تو یوں تھا کہ ایک طالب حق کی شکل میں حضرت اقدس سے وقت لیکر اُن کے پاس آتے اور ٹھنڈے دل سے پیشگوئیوں کی پڑتال کرتے۔ مگر کیا تو یہ کیا کہ ادھر تو حضرت اقدس جہلم کے مقدمہ کی تاریخ پر جانے کو تیار اور اُدھر مولوی ثناء اللہ صاحب بغیر کسی اطلاع کے قادیان آپہنچے اور سیدھے آریہ مندر کا رُخ کیا جو حضرت اقدس کی مخالفت کا اڈا تھا۔ ظاہر ہے کہ پڑتال کرنے کا یہ طریق نہیں ہوا کرتا کہ مخالف بن کر مخالفت کے مرکز میں بیٹھ کر دشمن کی طرح حملہ آور ہو۔ یہ تو مباحثہ و مناظرہ کا طریق ہوا کرتا ہے نہ کہ پڑتال کا۔ مگر بات حقیقت میں یہی تھی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کو پڑتال سے کوئی غرض نہ تھی وہ تو پیشگوئیوں پر اعتراض کرنے اور مباحثہ و مناظرہ کرنے آئے تھے۔ اُن کو پتہ تھا کہ حضرت مرزا صاحب انجام آتھم میں مباحثہ سے کنارہ کشی کا اعلان کر چکے ہیں۔ پس ضرور ہے کہ وہ مباحثہ سے انکار کر دیں اور اس طرح اپنی جھوٹی فتح کا نقارہ بجانے کا موقعہ

ٹل جائے گا۔ اور اگر مباحثہ کر بیٹھے تو میں پھر یہ شور مچا دوں گا کہ دیکھو مرزا صاحب کے اعلان فرضی ہوا
کرتے ہیں۔ مباحثہ سے کنارہ کشی کا اعلان کرکے پھر مباحثہ کو تیار ہو گئے۔ غرضیکہ اس طریق کو اختیار کرنے
میں انہیں فائدہ ہی فائدہ نظر آیا۔ پس آتے ہی مباحثہ و مناظرہ کی بنیاد ڈال دی۔ ١١ جنوری ١٩٠٢ء
کو اپنے آنے کی ایک رقعہ کے ذریعہ حضرت اقدس کو اطلاع دی جس میں کوئی سلام مسنونہ نہیں لکھا جو
ان کے قلب کی حالت پر کافی روشنی ڈالتا ہے اور لکھا کہ "میں اعجاز احمدی کی دعوت کے مطابق قادیان آگیا
ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ میری تفہیم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرینگے اور حسب وعدہ خود مجھے اجازت بخشیں گے
کہ میں مجمع میں آپ کی پیشگوئیوں کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کروں"۔ ذرا یہ چالاکی اور جھوٹ ملاحظہ ہو کہ "حسب وعدہ
خود مجھے اجازت بخشیں گے کہ میں مجمع میں آپ کی پیشگوئیوں کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کروں"۔ حضرت اقدس نے
کہیں وعدہ نہیں کیا تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب قادیان آکر آپ کی پیشگوئیوں کی نسبت مجمع میں اظہار خیالات کریں
انہیں اسکی کیا ضرورت تھی۔ اُنہوں نے تو یہ فرمایا تھا کہ قادیان میرے پاس آکر پیشگوئیوں کی پڑتال کرلو لیکن مولوی
ثناء اللہ صاحب نے مباحثہ اور مناظرہ کی بنیاد ڈالنے کیلئے نہایت چالاکی سے لکھدیا کہ حسب وعدہ مجھے اپنی پیشگوئیوں پر مجمع
میں اظہار خیالات کا موقعہ دو۔ حضرت اقدس کو مولوی ثناء اللہ صاحب کی گندہ دہنی اور استہزا کی خبر پہنچ چکی تھی اور
جس طرح باتوں ہی باتوں میں وہ طعن و تشنیع اور اشتعال انگیزی کرنیکے عادی تھے اس سے آپ بخوبی واقف
تھے۔ آپ سمجھتے تھے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا مطلب فقط یہ ہے کہ تمسخر و استہزا طعن و تشنیع کا اکھاڑہ
جو مُد میں جما تھا وہ یہاں قادیان میں بھی جم جائے اور نتیجہ اس کا تو تو میں میں کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ اور حق
پر اسی طرح پردہ پڑا رہے۔ اس لئے دوسرے دن ١١ جنوری ١٩٠٢ء کو حضرت اقدس نے جواب میں لکھا
کہ میں اپنی کتاب انجام آتھم میں اپنی قسم شائع کر چکا ہوں کہ گروہ مخالف سے آئندہ مباحثات نہیں کرونگا
کیونکہ اس سے بجز گندی گالیاں اور اوباشانہ کلمات سننے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوا۔ لیکن اب بھی کوئی
شخص طالب حق بنکر آوے تو اس کے شبہات دور کرنے کیلئے طیار ہوں۔ پس میں اپنی قسم کے مطابق
مباحثہ کا میدان تو بنانا نہیں چاہتا اگر آپ طالب حق بن کر پڑتال کرنا چاہتے ہیں اور شبہات دور کرنا
چاہتے ہیں تو اس کا آسان طریق جو ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کام کیلئے روزانہ تین گھنٹے دیئے جائینگے
کیونکہ ہمیں تصنیف و تالیف اور دیگر بہت سے ضروری دینی کام بھی ہیں۔ تاہم آپ کی خاطر ہم تین گھنٹے
روزانہ دینے کے لئے طیار ہیں۔ روزانہ ایک پیشگوئی پر آپ اعتراض کرتے چلیں اور اپنے اعتراض کو
آپ منہاج نبوت سے باہر نہ لیجائیں یعنی کوئی اعتراض ایسا نہیں کریں گے جس کی زد انبیاء کرام کی
پیشگوئیوں پر بھی پڑتی ہو۔ اور اپنے اعتراض کو مختصراً چند سطور میں لکھ کر ہمیں دیدیا کریں۔ آپ بولنے اور

تقریر کرنے کے مجاز نہ ہوں گے۔ ہم بآواز بلند اس اعتراض کو لوگوں کو سنا دیں گے اور اس کے بعد اس کا جواب دیں گے اور اس کی تشریح و توضیح کریں گے۔ ایک ایک گھنٹہ کے بعد آپ سے دریافت کیا جائے گا کہ آپ کی تسلّی ہوئی یا نہیں۔ اگر نہیں تو جو اعتراض یا وسوسہ آپ کے دل میں ہماری توضیح و تشریح پر پیدا ہُوا ہو گا اُسے آپ پھر تحریر کر کے ہمیں دیدیں۔ ہم اسے بآواز بلند لوگوں کو سنا دیں گے کہ اس پیشگوئی کی نسبت مولوی ثناء اللہ صاحب کے دل میں اب یہ وسوسہ پیدا ہُوا ہے۔ اور اس کا یہ جواب ہے۔ اس طرح تمام وساوس دور کر دیئے جاویں گے۔ آپ کو بولنے اور تقریر کرنے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ بالمقابل بولنے سے مباحثہ کا رنگ پیدا ہو گا۔ اور پڑتال اور تحقیقاتِ حق اسطرح نہیں ہو سکتی آپ نے تو شبہات دور کرانے ہیں تو شبہات دور کرنے کا احسن طریق یہی ہو سکتا ہے جو پیش کیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی لکھا کہ آپ کا اس طرح چپ چپاتے بغیر اطلاع کے آجانا اور دشمنانِ اسلام کے مقام پر ٹھیرنا ظاہر کرتا ہے کہ آپ کیا خیالات لیکر قادیان آئے ہیں۔ مولوی ثناء اللہ نے اس کے جواب میں یہ لکھا کہ میں چپ چپاتے اس لئے آگیا کہ اطلاع دیکر آنے کی آپ نے کوئی شرط نہیں کی تھی۔ اور ساتھ ہی یہ استہزا کیا کہ آپ کو آپ کے خدا نے کیوں نہ خبر دیدی۔ پھر لکھا کہ مجھے آپ بہت کم وقت دے رہے ہیں اور خود وقت تین گھنٹے لیتے ہیں۔ میری طرف سے یہ شرط ہے کہ مَیں اعتراض تین سطروں میں لکھوں گا۔ اور ساتھ ہی دس منٹ تقریر کروں گا۔ اور ہر گھنٹہ کے بعد تین سطریں لکھ کر پانچ سے دس منٹ تک تقریر کروں گا اور آپ کے جواب کی نسبت رائے ظاہر کروں گا۔ اور فریقین کے آدمی محدود ہوں۔ پچیس پچیس سے زیادہ نہ ہوں۔ اس خط کے جواب میں حضرت اقدس کے حکم سے مولانا سید محمد احسن صاحب نے جواب میں لکھا کہ آپ کے ابتدا میں اور ہر گھنٹہ کے بعد دس دس منٹ تقریر کرنے میں یقیناً مباحثہ کا رنگ پیدا ہو جائے گا۔ اور حضرت اقدس اللہ تعالیٰ سے عہد کر چکے ہیں جو انجام آتھم میں شائع شدہ موجود ہے کہ آیندہ ہرگز مباحثہ نہ کریں گے تو خلافِ معاہدۂ الٰہی کوئی مامور من اللہ کیونکر کسی فعل کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ طالب حق کیلئے جو طریق حضرت اقدس نے تجویز فرمایا ہے کیا وہ کافی نہیں؟ اور جلسہ محدود کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ہم تو چاہتے ہیں کہ سارا قادیان بلکہ دوسرے شہر کے لوگ بھی آجائیں تا حق سب پر واضح ہو جائے۔

مولوی محمد احسن صاحب کے اس خط پر مولوی ثناء اللہ نے ان شرائط پر تحقیق حق اور پڑتال منظور نہ کی اور واپس امرتسر چلے گئے۔ اور وہاں جا کر یاروں میں اپنی فتح کی بڑی ڈینگیں ماریں اور اخبار میں ایک مقالہ لکھ مارا جو اُن کی زبردستی تھی۔

تحقیق حق اور مباحثہ کا باریک فرق

دراصل مولوی ثناء اللہ صاحب جس امر پر آئے تھے وہ معاملہ اُن کے حسب مرضی نہ ہوا۔ وجہ یہ کہ اگر طلب حق نہ ہو تو کسی معترض کیلئے اعتراض کرنا بہت آسان ہوتا ہے انسان نبی پر، خدا پر جس پر چاہے اعتراض کردے۔ اور جتنے مرضی چاہے اعتراض کردے اور اعتراض کرنیوالا تو ایک جملہ میں اعتراض کر دیتا ہے لیکن جواب دینے والے کو بعض دفعہ کئی گھنٹے جواب دینے میں لگ جاتے ہیں۔ اور پھر اس جواب پر بطور جواب الجواب تنقید کیلئے بھی میدان بہت وسیع ہے۔ اسی لئے حضرت اقدس نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ ہر گھنٹہ کے بعد دو تین سطروں میں اپنا اعتراض لکھ کر دیدیا کریں۔ جواب دینا ہمارا کام ہے۔ تحقیقات حق کا تو یہی طریق ہے کہ انسان اپنے اعتراض اور وسوسہ کو پیش کر کے جواب لے۔ پھر اگر ایک گھنٹہ کی توضیح و تشریح پر بھی تسلی نہ ہو تو اس کو سن کر کچھ اور وساوس اور اعتراض پیدا ہوں تو انہیں پھر لکھ کر دیدے اور جواب لے۔ اگر پھر تسلی نہ ہو تو پھر اسی طرح لکھ کر دیدے اور جواب لے۔ لیکن مولوی ثناء اللہ صاحب پڑتال یعنی تحقیق حق کے لئے تو قادیان آئے ہی نہ تھے وہ تو مباحثہ اور مجادلہ کرنے آئے تھے۔ اس لئے بالمقابل بولنا چاہتے تھے۔ بولنے میں چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زبان اُسترہ کی طرح بہت تیز تھی جیسا کہ مرزا ارشد گورگانی مرحوم نے ایک دفعہ انجمن حمایت اسلام لاہور کے ایک سالانہ جلسہ پر مولوی ثناء اللہ صاحب کی زبان کے متعلق فی البدیہہ شعر کہا تھا کہ ؎

زباں تیز ان کی استرے سے بھی زیادہ ہے ٭ مجھے ڈر ہے کہ جڑ سے یہ اُڑا دیں نہ مسلمانی

اور یہ شعر ایسا حسب حال تھا کہ تمام جلسہ سے صدائے مرحبا بلند ہوئی تھی۔ پس حضرت اقدس سمجھتے تھے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب بولے تو انہوں نے اپنی عادت سے ہٹنا نہیں۔ طعن و تشنیع کے الفاظ ضرور بولیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر مجیب کے دل کو بُری لگی اور اس کا جواب ترکی بہ ترکی دیا گیا تو شکل بحث مباحثہ بلکہ مجادلہ کی بن جائے گی اور تحقیق حق رہ جائے گی۔ اور ان حالات میں اگر ایک دفعہ بول چال شروع ہو جائے تو پھر اسے روکنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے شرط یہ لگادی کہ تمہیں جو کچھ اعتراض کرنا ہے لکھ کر دیدو۔ آخر جب تحقیق حق منظور ہے تو اعتراض لکھ کر دیا تو کیا اور بول کر سنایا تو کیا۔ لیکن بول کر سنانے میں دس منٹ میں تو انسان ڈیڑھ سو طعن و تشنیع کے تیر مار سکتا ہے اور پچاسوں پھبتیاں جا سکتا ہے۔ اور بات کو کہیں سے کہیں پہنچا سکتا ہے۔ البتہ دو تین سطر کی تحریر میں اعتراض تو لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن طعن و تشنیع کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ آخر مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس بات پر اصرار کیوں تھا کہ انہیں بالمقابل کافی وقت بولنے کیلئے دیا جائے۔ حضرت اقدس نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو پیشگوئیوں کی پڑتال اور تحقیق حق

کیلئے دعوت دی تھی۔ پیشگوئیوں پر مباحثہ کیلئے تو نہیں بلایا تھا جو مباحثہ کی شرائط طے کی جاتیں۔ اور بالمقابل مولوی ثناء اللہ صاحب کو بولنے کیلئے کافی لمبا وقت دیا جاتا۔ تحقیق حق اور مباحثہ میں یہی تو فرق ہے کہ تحقیق کرنیوالا اعتراض پیش کرتا ہے اور جواب سُنتا ہے۔ اور مباحثہ میں مباحث جواب لیتا بھی ہے اور جواب دیتا بھی ہے۔ جس آدمی کو تحقیق حق منظور ہوتی ہے وہ تو بولتا کم ہے اور سنتا بہت ہے۔ اُس کا کام تو اپنے وسوسہ کو پیش کر دینا ہوتا ہے اور باقی وقت مجیب کے جواب کو غور سے سُننا ہوتا ہے اور اس بات کو جانچنا ہوتا ہے کہ آیا جواب تشفی بخش ہے یا نہیں۔ اگر اس جواب میں کوئی بات دل کو نہیں لگتی تو اس کا کام ہے کہ پھر مجیب کے سامنے اُسے پیش کرے اور اُس سے جواب لے۔ پس پڑتال یعنی تحقیق حق میں جواب دینا نہیں ہوا کرتا بلکہ جواب لینا ہوتا ہے۔ البتہ مباحثہ میں جواب لینا اور دینا دونو ہوتا ہے۔ حضرت اقدس مباحثہ کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ مباحثہ میں تحقیق حق نہیں ہوتی بلکہ ہر ایک فریق اپنی اپنی بات پر ضد کرتا اور اَڑتا ہے۔ اور ایک دوسرے کی بات کو رد کرنے کی کوشش کرتا ہے اور طعن و تشنیع سے کام لیتا ہے۔ دوسرے آپ خدا تعالیٰ سے عہد بھی کر چکے تھے اور قسم کھا چکے تھے کہ آپ آئندہ ان مولویوں سے مباحثہ نہیں کریں گے[1] اور اس عہد کو انجام آتھم میں شائع کر چکے تھے۔ اگر خلاف عہد کرتے تو خدا کے بھی گنہگار۔ اور پھر خود یہی مولوی جینے نہ دیتے۔

---

[1] عام طور پر علما اور عوام الناس میں حق و باطل کے فیصلہ کیلئے مباحثات و مناظرات کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اور اسی خیال کے ماتحت دعویٰ مسیحیت کے ابتدا میں حضرت اقدس مرزا صاحب علما کے چیلنج سے متاثر ہو کر انکے ساتھ مباحثات کرتے رہے بلکہ بعض حالات میں احقاق حق اور ابطال باطل کیلئے علما اور سجادہ نشینوں کو مباحثات کیلئے چیلنج بھی دیئے۔ لیکن تجربہ نے آپ کو جلد ہی معلوم کرا دیا کہ مباحثات سے فریق مخالف کو ضد پیدا ہو جاتی ہے اور ایک غلط بات پر ضد اور اصرار ترقی کر جاتا ہے اور اکثر حالات میں مجادلہ کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ اور پھر علماء سوء کا تو طریق ہی یہ ہوتا ہے کہ مباحثات میں عوام الناس کو غلط فہمیوں میں ڈال کر اشتعال انگیزی کرتے ہیں اور فتنہ و فساد پیدا کر دیتے ہیں اسلئے تبلیغ و دعوت کے کام میں اکثر حالات میں مباحثہ بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کو جلد ہی اپنا یہ طریق بدلنا پڑا اور ان مباحثات و مناظرات سے اس قدر بیزاری آپ کو پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ سے عہد کیا اور قسم کھائی کہ اب آئندہ مباحثے نہیں کریں گے اور اپنے اس عہد کو اپنی کتاب انجام آتھم میں شائع بھی کر دیا اور اس کے ساتھ ہی یہ تحریر فرمایا کہ:-

"امروز ہرچہ برما از تبلیغ فرض بود ادا کردیم ونفس خود را از گناہ ترک اجیب محفوظ داشتیم و وقت آمد کہ ما ازیں مباحثات ذوگرد انیم مگر آنچہ شبہ سائلاں رد کنند و قصد کردیم کہ بعد ازیں توضیحات علماء را مخاطب نہ کنیم اگرچہ دشنام دہند چنانچہ پیش ازیں ہمیں عادات نمودہ اند۔"

ترجمہ یعنی آج جو کچھ تبلیغ سے ہم پر فرض تھا وہ ہم نے ادا کر دیا اور اپنے آپ کو ترک اجیب کے گناہ سے محفوظ کر لیا۔ اور وقت آگیا ہے کہ ہم ان مباحثات سے کنارہ کشی کریں سوائے اسکے کہ سائلوں کے شبہات کو رد کیا جائے۔ اور ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ ان توضیحات کے بعد علما کو مخاطب نہ کریں گے۔ اگرچہ وہ گالیاں دیں جیسا کہ قبل ازیں یہی عادت انہوں نے دکھائی ہے (مؤلف)

کہ خدا سے عہد شکنی کرنے والا اور قسم کو توڑنے والا انسان خدا کا مامور کیسے ہو سکتا ہے۔ پس جب حضرت اقدس نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو اپنی پیشگوئیوں کے متعلق مباحثہ کیلئے نہیں بلایا تھا بلکہ پڑتال یعنی تحقیق حق کیلئے بلایا تھا تو مولوی ثناء اللہ صاحب کا مباحثہ کی طرح ڈالنا کیا معنی رکھتا تھا۔ کیا اس سے صاف نظر نہیں آتا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کو تحقیق حق منظور نہ تھا بلکہ مباحثہ اور مجادلہ کی صورت پیدا کر کے تمسخر و استہزاء اور تکذیب و تردید کا موقعہ پیدا کرنا مدنظر تھا جو خلاف معاہدہ تھا۔ حضرت صاحب نے اس مقصد کیلئے مولوی ثناء اللہ صاحب کو دعوت نہیں دی تھی۔ تحقیق حق کیلئے دی تھی سو اس کے لئے وہ تیار تھے۔ اور جو طریق آپ نے پیش کیا تھا وہی صحیح طریق تحقیق حق کا ہو سکتا ہے جس سے مباحثہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور میں تو کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اس واقعہ میں اپنے مامور کے ذریعہ اہل عالم کو تحقیق حق کرنے کا صحیح طریق سکھا دیا کہ جس سے بڑھ کر صحیح اور بہتر طریق ممکن نہیں۔ اور وہ یہی ہے کہ تحقیق حق کی صورت میں طالب حق کو چاہیئے کہ وہ صرف اعتراض پیش کرے اور جواب غور سے سُنے اگر پھر بھی تسلی نہ ہو تو پھر جو نیا وسوسہ یا اعتراض پیدا ہوا ہو وہ پیش کر دے اور جواب غور سے سُنے بالمقابل جواب دینے کی کوشش کرنے سے مباحثہ کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور پھر تحقیق حق باقی نہیں رہتی کیونکہ بحث میں اپنی بات پر ضد اور فریق ثانی کی بات کو رد کرنے کی کوشش اور ہارجیت کی ایک ایسی بازی لگ جاتی ہے کہ معترض کا کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

"فارقلیط" یعنی احمد کی پیشگوئی کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے

فارقلیط اور احمد میں تطبیق

۱۱۔ نومبر ۱۹۰۲ء کی شام کو حضرت اقدس کی خدمت میں مولوی محمد علی صاحب نے کسی شخص کا یہ اعتراض پیش کیا کہ انجیل میں فارقلیط کے آنے کی پیشگوئی ہے جس کے معنے ہیں حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ اور قرآن شریف میں مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد والی پیشگوئی جو مسیح علیہ السلام کی زبانی بیان کی گئی ہے وہ انجیل میں کہاں ہے؟ اس پر آپ نے جو تقریر فرمائی وہ الحکم ۱۷۔ نومبر ۱۹۰۲ء میں بھی شائع ہوئی تھی اور وہ تقریر مولوی محمد علی صاحب نے اپنی کتاب احمد مجتبیٰ میں بھی تحریر کی ہے۔ میں وہ تقریر یہاں درج کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"ہمارے لئے ضروری نہیں کہ ہم انجیل میں سے پیشگوئی نکالتے پھریں۔ وہ محرف مبدل ہو گئی ہے جو

حصّہ اس کا قرآن مجید کے خلاف نہیں اور قرآن نے اس کی تصدیق کی ہے وہ ہم مان لیں گے دوسری بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام فارقلیط ہے کیونکہ قرآن کا نام اللہ تعالیٰ نے فرقان رکھا ہے اور آپ صاحب القرآن ہیں اور فرقان اور فارق کے معنے فرق کرنیوالے کے ہیں اور اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم میں جو لفظ شیطان ہے وہ لیط کا ہم معنی ہے۔ اس طرح آپ کا نام فارقلیط بھی ہوگیا یعنی شیطنت کو دور کر دینے والا۔ اور احمد کے معنے ہیں بہت تعریف کرنیوالے کے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر خدا کی حمد کرنے والا اور کون ہوگا۔ پس اس سے بڑھ کر اور کون فارقلیط ہوسکتا ہے جو خدا کی توحید اور حمد کے ذریعہ سے ہر ایک قسم کی شیطنت کو دور کر دے۔ گویا فارقلیط بننے کے واسطے احمد ہونا ضروری ہے۔ **احمد** وہ ہے جو دنیا میں سے شیطان کا حصّہ نکال کر خدائے تعالیٰ کی عظمت اور جلال کو قائم کرنیوالا ہو یعنی فارقلیط کا منشا دوسرے الفاظ میں احمد ہے“

حضرت اقدس مرزا صاحب نے احمد کا مصداق حقیقی آنحضرت صلعم کو ہی قرار دیا ہے

میں نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی مذکورہ بالا تقریر جو آپ نے نومبر ۱۹۰۲ء میں فرمائی ہے اس لئے درج کی ہے تا میں دکھلاؤں کہ انجیل میں حضرت عیسیٰ نے اپنے بعد جو فارقلیط کے آنے کی پیشگوئی کی ہے اور قرآن شریف میں مبشرًا برسولٍ یأتی من بعدی اسمہ احمد کی آیت میں آنے والے فارقلیط کا نام جو احمد بتایا ہے اس کا مصداق حقیقی حضرت اقدس مرزا صاحب کے اعتقاد میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور اُن کا دلی ایمان تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے وہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ آپ کے بعض مخالفین اور نیز بعض غالی نادان معتقدین نے جو یہ امر حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کیا ہے کہ اس احمد والی پیشگوئی کا مصداق حقیقی آپ اپنے تئیں سمجھتے تھے۔ یہ سراسر ظلم اور افترا ہے جو حضرت مرزا صاحب پر روا رکھا گیا۔ آپ نے کبھی ایسا گستاخانہ کلمہ نہ اپنی قلم سے لکھا اور نہ زبان سے کہا کہ احمد والی پیشگوئی کا مصداق حقیقی میں ہوں۔ البتہ حضرت مرزا صاحب اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم احمد کا بروز اور ظل ضرور کہتے تھے کیونکہ آنحضرت صلعم کا اسم احمد جمالی نام ہے اور حضرت مرزا صاحب کی بعثت بھی جمالی رنگ کی تھی۔ اس لئے آپ کی بعثت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم احمد کی تجلّی کا ظہور تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ کی پیشگوئی کے مصداق حقیقی آپ تھے۔ اگرچہ مذکورہ بالا تقریر اس بات کو صاف کر دینے کے لئے کافی ہے کہ آپ حضرت عیسیٰ کی اس احمد والی پیشگوئی کا مصداق

حقیقی آنحضرت صلعم کو سمجھتے تھے تاہم مزید تشفی کے لئے مَیں تین چار اور حوالے حضرت مرزا صاحب کی قلم کے بیان نقل کئے دیتا ہوں تا دشمنوں اور نادان غالی دوستوں کی غلط بیانی کھل جائے۔

حضرت اقدس مرزا صاحب کی تحریر کے حوالے

(۱) آئینہ کمالات اسلام میں صفحہ ۴۲۶ پر حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔
"مسیح کی گواہی قرآن کریم میں اس طرح پر لکھی ہے کہ مبشراً برسولٍ یأتی من بعدی اسمہٗ احمد یعنی مَیں ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد یعنی میرے مرنے کے بعد آئے گا اور نام اس کا احمد ہوگا۔ پس اگر مسیح اب تک اس عالم جسمانی سے گزر نہیں گیا تو اس سے لازم آتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اب تک اس عالم میں تشریف فرما نہیں ہوئے کیونکہ نص اپنے کھلے کھلے الفاظ میں بتلا رہی ہے کہ جب مسیح اس عالم جسمانی سے رخصت ہو جائے گا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم جسمانی میں تشریف لائیں گے۔"

اس تحریر میں کس قدر صفائی سے آنحضرت صلعم کو اس پیشگوئی کا مصداق حقیقی قرار دیا ہے۔ آپ نے "نص اپنے کھلے کھلے الفاظ میں بتلا رہی ہے" لکھ کر اُسے قرآن کریم کی نص صریح قرار دیا ہے۔ اس کے بعد باتیں بنانا کس قدر ظلم ہے۔

(۲) پھر اربعین نمبر ۴ میں صفحہ ۱۳ پر بصراحت مبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد کا مصداقِ اصلی اور حقیقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھیراتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔
"تم سُن چکے ہو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام ہیں (۱) ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور یہ نام توریت میں لکھا گیا ہے جو ایک آتشی شریعت ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ محمد رسول اللہ والذین معہٗ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ..... ذٰلک مثلھم فی التوراۃ (۲) دوسرا نام احمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور یہ نام انجیل میں ہے جو ایک جمالی رنگ میں تعلیم الٰہی ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ومبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلال اور جمال دونو کے جامع تھے۔ مکہ کی زندگی جمالی رنگ میں تھی اور مدینہ کی زندگی جلالی رنگ میں۔ اور پھر یہ دونو صفتیں اُمت کیلئے اس طرح پر تقسیم کی گئیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جلالی رنگ کی زندگی عطا ہوئی اور جمالی رنگ کی زندگی کیلئے مسیح موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر ٹھیرایا ..... ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ بھی تھے اور مثیل عیسیٰ بھی ..... ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مکی اور مدنی زندگی میں یہ دونو نمونے جلال اور جمال کے ظاہر کر دیئے۔ اور پھر چاہا کہ آپ کے بعد آپ کی فیض یافتہ جماعت

بھی جو آپ کے رُوحانی وارث ہیں انہی دونوں نمونوں کو ظاہر کریں۔ سو آپ نے محمدی یعنی جلالی نمونہ دکھلانے کیلئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مقرر فرمایا۔ کیونکہ اس زمانہ میں اسلام کی مظلومیت کیلئے یہی علاج قرین مصلحت تھا۔ اور پھر جب وہ زمانہ جاتا رہا اور کوئی شخص زمین پر ایسا نہ رہا کہ مذہب کیلئے اسلام پر جبر کرے اس لئے خدا نے ..... اسم احمد کا نمونہ ظاہر کرنا چاہا یعنی جمالی رنگ دکھلانا چاہا سو اس نے قدیم وعدہ کے موافق اپنے مسیح موعود کو پیدا کیا جو عیسٰی کا اوتار اور احمدی رنگ میں ہو کر جمالی اخلاق کو ظاہر کرنے والا ہے اور خدا نے تمہیں اس عیسٰی احمد صفت کیلئے بطور اعضا کے بنایا“

کیا اس سے زیادہ فیصلہ کن الفاظ بکار ہیں؟ اور پھر بیاں کس صفائی سے اپنے آپ کو عیسٰی احمد صفت قرار دیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد بتلایا ہے اور پھر آپ صلعم کو مبشرؐ ابرسولٍ یاتی من بعدی اسمہٗ احمد کا مصداق واحد قرار دیا ہے۔

(۳) سالہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں درج کرنے کیلئے اپنی جماعت کا نام تجویز کر کے ۴۔ نومبر ۱۹۰۰ء کو جو اعلان شائع فرمایا تھا اس میں تحریر فرماتے ہیں :-

”اور وہ نام جو اس سلسلہ کیلئے موزون ہے جس کو ہم اپنے لئے اور اپنی جماعت کیلئے پسند کرتے ہیں وہ نام مسلمان فرقہ احمدیہ ہے۔ اور جائز ہے کہ اس کو احمدی مذہب کے مسلمان کے نام سے بھی پکاریں ...... اور اس فرقہ کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ اس لئے رکھا گیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے۔ ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسم محمد جلالی نام تھا۔ اور اس میں یہ مخفی پیشگوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دشمنوں کو تلوار کے ساتھ سزا دیں گے جنہوں نے تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کیا۔ اور صدہا مسلمانوں کو قتل کیا۔ لیکن اسم احمد جمالی نام تھا جس سے یہ مطلب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آشتی اور صلح پھیلائیں گے۔ سو خدا نے ان دو ناموں کی اس طرح پر تقسیم کی کہ اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی زندگی میں اسم احمد کا ظہور تھا۔ اور ہر طرح سے صبر اور شکیبائی کی تعلیم تھی۔ اور پھر مدینہ کی زندگی میں اسم محمد کا ظہور ہوا۔ اور مخالفوں کی سرکوبی خدا کی حکمت اور مصلحت نے ضروری سمجھی۔ لیکن یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ آخری زمانہ میں پھر اسم احمد ظہور کرے گا۔ اور ایسا شخص ظاہر ہوگا جس کے ذریعہ سے احمدی صفات یعنی جمالی صفات ظہور میں آئیں گی۔ اور تمام لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پس اس وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام فرقہ احمدیہ رکھا جاوے“

یہاں بھی محمدؐ اور احمدؐ دونو نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی بتلاتے ہیں اور اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے نام مسلمان فرقہ احمدیہ تجویز فرماتے ہیں۔ اور جیسا کہ قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کا نام مسلمین رکھتے ہوئے خود آنحضرت صلعم کو اوّل المسلمین قرار دیا تھا۔ اسی طرح حضرت اقدس مرزا صاحب نے اپنی جماعت کو آنحضرت صلعم کے اسم احمد کی طرف منسوب کرتے ہوئے جب مسلمان احمدی کے نام سے موسوم کیا۔ تو سب سے اوّل احمدی اپنے کو ٹھیرایا۔

(۴) حضرت اقدس کا مشہور الہام ہے کہ ؎

بر تر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے ٭ جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے

مقام غور ہے۔ یہ الہام ہے یعنی خدا کا کلام ہے جو حضرت مرزا صاحب پر نازل ہوا۔ اس میں احمد آنحضرت صلعم کا نام بتایا ہے اور مسیح موعود کو احمد کا غلام بتا کر آپ کے نام غلام احمد کی صحیح توجیہ کر دی ہے۔ اس کے بعد کسی اور قیل وقال کی ضرورت باقی نہیں رہتی ٭

حضرت اقدس مرزا صاحب حکم ربانی کا ریویو یعنی محاکمہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی و مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کے مباحثہ پر

مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی

مولوی عبداللہ صاحب چکڑالہ ضلع میانوالی کے رہنے والے تھے۔ پہلے سخت غالی اہل حدیث تھے۔ پھر جو بہکے تو حدیث کا سرے سے انکار کر دیا اور اسے نعوذ باللہ کوڑا کرکٹ سے تعبیر کرنے لگے اور نماز بھی قرآن سے نکالنے کی کوشش کی گو انہوں نے اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اتنی قسم قسم کی نمازیں قرآن میں سے نکالیں کہ شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا کی مثل صادق آگئی۔ ۲۰۔ نومبر ۱۹۰۲ء کا ذکر ہے کہ کسی نے حضرت اقدس کی خدمت میں مولوی عبداللہ چکڑالوی کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس نے نماز میں رد و بدل کر دی ہے اور التحیات اور درود شریف کو نکال دیا ہے اور بھی بہت سی تبدیلیاں کی ہیں۔ حضرت اقدس نے بہت افسوس کیا اور اس چکڑالوی فتنہ کو خطرناک قرار دیا۔ انہی ایام میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی میں جو اہل حدیث فرقہ کے چوٹی کے مولوی تھے اور مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی میں ایک مباحثہ ہوا تھا۔ حضرت اقدس نے ضروری سمجھا کہ ایک اشتہار کے ذریعہ اس مباحثہ پر ایک ریویو یعنی محاکمہ لکھا جاوے جس میں یہ

دکھایا جاوے کہ مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب ہر دو نے افراط اور تفریط کی راہ اختیار کر رکھی ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو صراط مستقیم پر رکھا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ نبی ہمیشہ دو چیزیں لیکر آتے ہیں کتابؐ اور سنتؐ۔ ایک خدا کا کلام ہوتا ہے اور دوسرے سنت یعنی اس پر عمل کر کے دکھا دیتے ہیں۔ دنیا کے کام بھی تو بغیر اس کے نہیں چل سکتے۔ دقیق مسائل جو استاد بتاتا ہے پھر اس کو حل کر کے بھی دکھا دیتا ہے۔ پس جیسے کلام اللہ یقینی ہے سنت بھی یقینی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس نے ہم کو صراط مستقیم پر کھڑا کر رکھا ہے۔ اہل حدیث نے افراط کی اور قرآن شریف پر حدیث کو قاضی ٹھیرایا اور قرآن کو اس کے سامنے مستغیث کی طرح کھڑا کر دیا۔ اور چکڑالوی نے تفریط کی کہ بالکل ہی حدیث کا انکار کر دیا۔ اس سے فتنہ کا اندیشہ ہے اس کی اصلاح ضروری ہے، ہم کو خدا نے حَکَم ٹھیرایا ہے اس لئے ہم ایک اشتہار کے ذریعہ اس غلطی کو ظاہر کریں گے ..... جس راہ پر خدا تعالیٰ نے ہم کو چلایا ہے اس پر اگر غور کی جاوے تو ایک لذت آتی ہے۔ قرآن شریف نے کیا ٹھیک فیصلہ فرمایا ہے۔ فبای حدیث بعدہٗ یومنون۔ اور دوسری جگہ فرمایا۔ فبای حدیث بعد اللّٰہ وایاتہ یومنون۔ یہ ایک قسم کی پیشگوئی ہے جو ان وہابیوں (فرقہ اہل حدیث) کے متعلق ہے۔ اور سنّت کی نفی کرنیوالوں کیلئے فرمایا۔ ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ

محاکمہ بر مباحثہ مولوی محمد حسین بٹالوی و مولوی عبداللہ چکڑالوی

۲۷۔ نومبر ۱۹۰۲ء کو آپ کا وہ معرکۃ الآراء محاکمہ ایک اشتہار کی صورت میں شائع ہؤا جو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کے مباحثہ پر تھا۔ اور وہ اُس صراط مستقیم اور اعلیٰ درجہ کے معتقدات کا ایک نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجدد وقت کے ذریعہ مسلمانوں کو دوبارہ عطا فرمایا۔ مَیں اس میں سے ابتدائی حصہ برائے افادۂ ناظرین یہاں نقل کرتا ہوں۔ سارا محاکمہ شائع شدہ موجود ہے۔ اور قابل دید ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"فریقین کی تحریرات سے معلوم ہؤا کہ مباحثہ مندرجہ عنوان کے پیش آنے کی وجہ یہ تھی کہ مولوی عبداللہ صاحب احادیث نبویہ کو محض ردّی کی طرح خیال کرتے ہیں اور ایسے الفاظ منہ پر لاتے ہیں جن کا ذکر کرنا بھی سوءِ ادب میں داخل ہے۔ اور مولوی محمد حسین صاحب نے ان کے مقابل پر یہ حجت پیش کی تھی کہ اگر احادیث ایسی ہی ردّی اور لغو اور ناقابل اعتبار ہیں تو اس سے اکثر حصّے عبادات اور مسائل فقہ کے باطل ہو جائیں گے کیونکہ احکام قرآنی کی تفاصیل کا پتہ حدیث کے ذریعہ سے ہی ملتا ہے ورنہ صرف اگر قرآن ہی کافی سمجھا جائے تو پھر محض قرآن کے رُو سے اس پر کیا دلیل ہے کہ فریضہ صبح کی دو رکعت اور مغرب کی تین رکعت اور باقی تین نمازیں چار چار رکعت ہیں۔ یہ اعتراض ایک زبردست پیرایہ میں ہے گو اپنے اندر ایک غلطی رکھتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس

اعتراض کا مولوی عبداللہ صاحب نے کوئی شافی جواب نہیں دیا۔ محض فضول باتیں ہیں جو لکھنے کے بھی لائق نہیں۔ ہاں اس اعتراض کا نتیجہ آخرکار یہ ہوا کہ مولوی عبداللہ صاحب کو ایک نئی نماز بنانی پڑی جس کا جمیع اسلام کے فرقوں میں نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ انہوں نے التحیات اور درود اور دیگر تمام ادعیہ ماثورہ جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں درمیان سے اُڑا دیں اور ان کی جگہ صرف قرآنی آیتیں رکھ دیں۔ ایسا ہی اور بہت کچھ نماز میں تبدیلی کی ہوگی۔ لیکن کیا یہ سچ ہے کہ حدیثیں ایسی ہی ردی اور لغو ہیں جیسا کہ مولوی عبداللہ صاحب نے سمجھا ہے۔ معاذ اللہ ہرگز نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ان ہر دو فریق میں سے ایک فریق نے افراط کی راہ اختیار کر رکھی ہے اور دوسرے نے تفریط کی۔ فریق اوّل یعنی مولوی محمد حسین صاحب اگرچہ اس بات میں سچ پر ہیں کہ احادیث نبویہ مرفوعہ متصلہ ایسی چیز نہیں ہیں کہ ان کو ردّی اور لغو سمجھا جائے۔ لیکن وہ حفظ مراتب کے قاعدہ کو فراموش کر کے احادیث کے مرتبہ کو اس بلند مینار پر چڑھاتے ہیں جس سے قرآن شریف کی ہتک لازم آتی ہے اور اس سے انکار کرنا پڑتا ہے اور کتاب اللہ کی مخالفت اور معارضت کی وہ کچھ بھی پروا نہیں کرتے اور حدیث کے قصّہ کو ان قصّوں پر ترجیح دیتے ہیں جو کتاب اللہ میں بتصریح موجود ہیں۔ اور حدیث کے بیان کو کلام اللہ کے بیان پر ہر ایک حالت میں مقدّم سمجھتے ہیں اور یہ صریح غلطی ہے اور جادۂ انصاف سے تجاوز ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ فبایّ حدیثٍ بعد اللہ وآیاتہٖ یؤمنون۔ یعنی خدا اور اس کی آیتوں کے بعد کس حدیث پر ایمان لائیں گے۔ اس جگہ حدیث کے لفظ کی تنکیر جو فائدہ عموم کا دیتی ہے صاف بتلا رہی ہے کہ جو حدیث قرآن کے معارض اور مخالف پڑے اور کوئی راہ تطبیق کی پیدا نہ ہو اس کو رد کر دو۔ اور اس لفظ حدیث میں ایک پیشگوئی بھی ہے جو بطور اشارۃ النص اس آیت سے مترشح ہے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ آیت ممدوحہ میں اس بات کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ ایک ایسا زمانہ بھی اس اُمت پر آنیوالا ہے کہ جب بعض افراد اس اُمت کے قرآن شریف کو چھوڑ کر ایسی حدیثوں پر بھی عمل کریں گے جن کے بیان کردہ قصّے قرآن شریف کے بیانات سے مخالف اور معارض ہوں گے۔ غرض یہ فرقہ اہل حدیث اس بات میں افراط کی راہ پر قدم مار رہا ہے کہ قرآنی شہادت پر حدیث کے بیان کو مقدم سمجھتے ہیں۔ اور اگر وہ انصاف اور خدا ترسی سے کام لیتے تو ایسی حدیثوں کی تطبیق قرآن شریف سے کر سکتے تھے۔ مگر وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ خدا کے قطعی اور یقینی کلام کو بطور متروک اور مہجور کے قرار دیدیں اور اس بات پر راضی نہ ہوئے کہ ایسی حدیثوں کو جن کے قصّے کتاب اللہ سے مخالف ہیں یا تو چھوڑ دیں

اور یا ان کی کتاب اللہ سے تطبیق کریں پس یہ وہ افراط کی راہ ہے جو مولوی محمد حسین نے اختیار کر رکھی ہے۔ اور ان کے مخالف مولوی عبد اللہ صاحب نے تفریط کی راہ پر قدم مارا ہے جو سرے سے احادیث سے انکار کر دیا ہے۔ اور احادیث سے انکار ایک طور سے قرآن شریف کا بھی انکار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ پس جبکہ خدا تعالیٰ کی محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے وابستہ ہے اور آنجناب کے عملی نمونوں کے دریافت کیلئے جن پر اتباع موقوف ہے حدیث بھی ایک ذریعہ ہے۔ پس جو شخص حدیث کو چھوڑتا ہے وہ طریق اتباع کو بھی چھوڑتا ہے۔ اور مولوی عبد اللہ صاحب کا یہ قول کہ تمام حدیثیں محض شکوک اور ظنوں کا ذخیرہ ہیں یہ قلت تدبر کی وجہ سے خیال پیدا ہؤا ہے۔ اور اس خیال کی اصل جڑ محدثین کی ایک غلط اور نامکمل تقسیم ہے جس نے بہت سے لوگوں کو دھوکا دیا ہے۔ کیونکہ وہ یوں تقسیم کرتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں ایک تو کتاب اللہ ہے اور دوسری حدیث۔ اور حدیث کتاب اللہ پر قاضی ہے۔ گویا احادیث ایک قاضی یا جج کی طرح سے کرسی پر بیٹھی ہیں اور قرآن اُن کے سامنے ایک مستغیث کی طرح کھڑا ہے اور حدیث کے حکم کے تابع ہے۔ ایسی تقریر سے بیشک ہر ایک دھوکا کھائیگا کہ جبکہ حدیثیں ۱۵۰ ڈیڑھ سو برس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جمع کی گئی ہیں۔ اور انسانی ہاتھوں کے مس سے وہ خالی نہیں ہیں اور با ایں ہمہ وہ احاد کا ذخیرہ اور ظنی ہیں اور ان میں قسم متواترات شاذ و نادر ہیں جو حکم معدوم کا رکھتی ہیں اور پھر بھی قرآن شریف پر قاضی بھی ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ تمام دین اسلام ظنیات کا ایک تودہ اور انبار ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ظن کوئی چیز نہیں ہے اور جو شخص محض ظن کو پنجہ مارتا ہے وہ مقام بلند حق سے بہت نیچے گرا ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الظن لا یغنی من الحق شیئًا یعنی ظن حق الیقین کے مقابلہ پر کچھ چیز نہیں۔ پس قرآن شریف تو یوں ہاتھ سے گیا کہ وہ بغیر قاضی صاحب کے فتووں کے واجب العمل نہیں اور متروک اور مہجور ہے۔ اور قاضی صاحب یعنی احادیث صرف ظن کے میلے کچیلے کپڑے زیب تن رکھتے ہیں جن سے احتمال کذب کسی طرح مرتفع نہیں کیونکہ ظن کی تعریف یہی ہے کہ وہ دروغ کے احتمال سے خالی نہیں ہوتا۔ پس اس صورت میں نہ تو قرآن ہمارے ہاتھ میں رہا اور نہ حدیث اس لائق کہ اُس پر بھروسہ ہو سکے۔ گویا دونو ہاتھ سے گئے یہ غلطی ہے جس نے اکثر لوگوں کو ہلاک کیا۔

اور صراط مستقیم جس کو ظاہر کرنے کے لئے میں نے اس مضمون کو لکھا ہے یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں اسلامی ہدایتوں پر قائم ہونے کیلئے تین چیزیں ہیں (۱) قرآن شریف جو کتاب اللہ ہے جس سے

بڑھ کر ہمارے ہاتھ میں کوئی کلام قطعی اور یقینی نہیں۔ وہ خدا کا کلام ہے۔ وہ شک اور ظن کی آلائشوں سے پاک ہے (۲) دوسری **سنّت**۔ اور اس جگہ ہم اہل حدیث کی اصطلاحات سے الگ ہو کر بات کرتے ہیں یعنی ہم حدیث اور سنت کو ایک چیز قرار نہیں دیتے جیسا کہ رسمی محدثین کا طریق ہے بلکہ **حدیث** الگ چیز ہے اور **سنّت** الگ چیز۔ سنت سے مراد ہماری صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی روش ہے جو اپنے اندر تواتر رکھتی ہے اور ابتدا سے قرآن کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی۔ اور ہمیشہ ساتھ ہی رہے گی۔ یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کا قول ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل۔ اور قدیم سے عادۃ اللہ یہی ہے کہ جب انبیا علیہم السلام خدا کا قول لوگوں کی ہدایت کے لئے لاتے ہیں تو اپنے فعل سے یعنی عملی طور پر اس قول کی تفسیر کر دیتے ہیں تا اس قول کا سمجھنا لوگوں پر مشتبہ نہ رہے اور اس قول پر آپ بھی عمل کرتے ہیں۔ اور دوسروں سے بھی عمل کراتے ہیں۔ (۳) تیسرا ذریعہ ہدایت کا **حدیث** ہے۔ اور حدیث سے مراد ہماری وہ آثار ہیں کہ جو قصوں کے رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً ڈیڑھ سو برس بعد مختلف راویوں کے ذریعوں سے جمع کئے گئے ہیں۔ پس سنت اور حدیث میں ما بہ الامتیاز یہ ہے کہ سنت ایک عملی طریق ہے جو اپنے ساتھ تواتر رکھتا ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے جاری کیا اور وہ یقینی مراتب میں قرآن شریف سے دوسرے درجہ پر ہے۔ اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کی اشاعت کیلئے مامور تھے ایسا ہی سنّت کی اقامت کے لئے بھی مامور تھے۔ پس جیسا کہ قرآن شریف یقینی ہے ایسا ہی سنّت معمولہ متواترہ بھی یقینی ہے یہ دونو خدمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے ہاتھ سے بجا لائے اور دونو کو اپنا فرض سمجھا۔ مثلاً جب نماز کیلئے حکم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے اس قول کو اپنے فعل سے کھول کر دکھلا دیا۔ اور عملی رنگ میں ظاہر کر دیا کہ فجر کی نماز کی یہ رکعات ہیں اور مغرب کی یہ اور باقی نمازوں کے لئے یہ رکعات ہیں۔ ایسا ہی حج کر کے دکھلایا۔ اور پھر اپنے ہاتھ سے ہزارہا صحابہ کو اس فعل کا پابند کر کے سلسلۂ **تعامل** بڑے زور سے قائم کر دیا پس عملی نمونہ جو اَب تک اُمت میں تعامل کے رنگ میں مشہود و محسوس ہے اسی کا نام سنّت ہے۔ لیکن حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے روبرو نہیں لکھوایا اور نہ اس کے جمع کرنے کیلئے کوئی اہتمام کیا۔ کچھ حدیثیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع کی تھیں۔ لیکن پھر تقوے کے خیال سے اُنہوں نے وہ سب حدیثیں جلا دیں کہ میرا سماع بلا واسطہ نہیں ہے۔ خدا جانے اصل حقیقت کیا ہے۔ پھر جب وہ دَور

صحابہ رضی اللہ عنہم کا گزر گیا تو بعض تبع تابعین کی طبیعت کو خدا نے اس طرف پھیر دیا کہ حدیثوں کو بھی جمع کر لینا چاہئے۔ تب حدیثیں جمع ہوئیں۔ اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ اکثر حدیثوں کے جمع کرنے والے بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ اُنہوں نے جہاں تک ان کی طاقت میں تھا حدیثوں کی تنقید کی اور ایسی حدیثوں سے بچنا چاہا جو ان کی رائے میں موضوعات میں سے تھیں اور ہر ایک مشتبہ الحال راوی کی حدیث نہیں لی۔ بہت محنت کی مگر تاہم چونکہ وہ ساری کارروائی بعد از وقت تھی اس لئے وہ سب ظن کے مرتبہ پر رہی۔ با ایں ہمہ سخت ناانصافی ہوگی کہ یہ کہا جائے کہ وہ سب حدیثیں لغو اور نکمی اور بے فائدہ اور جھوٹی ہیں۔ بلکہ ان حدیثوں کے لکھنے میں اس قدر احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور اس قدر تحقیق اور تنقید کی گئی ہے جو اس کی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں پائی جاتی۔ یہودیوں میں بھی حدیثیں ہیں اور حضرت مسیح کے مقابل پر بھی وہی فرقہ یہودیوں کا تھا جو عامل بالحدیث کہلاتا تھا لیکن ثابت نہیں کیا گیا کہ یہودیوں کے محدثین نے ایسی احتیاط سے وہ حدیثیں جمع کی تھیں جیسا کہ اسلام کے محدثین نے۔ تاہم غلطی ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ جب تک حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں اس وقت تک لوگ نمازوں کی رکعات سے بے خبر تھے یا حج کرنے کے طریق سے ناآشنا تھے۔ کیونکہ سلسلۂ تعامل نے جو سنّت کے ذریعہ سے ان میں پیدا ہوگیا تھا تمام حدود اور فرائض اسلام ان کو سکھلا دیئے تھے۔ اس لئے یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ان حدیثوں کا دنیا میں اگر وجود بھی نہ ہوتا جو مدت دراز کے بعد جمع کی گئیں تو اسلام کی اصلی تعلیم کا کچھ بھی حرج نہ تھا۔ کیونکہ قرآن اور سلسلۂ تعامل نے ان ضرورتوں کو پورا کر دیا تھا۔ تاہم حدیثوں نے اس نور کو زیادہ کیا۔ گویا اسلام نُورٌ علیٰ نُور ہوگیا۔ اور حدیثیں قرآن اور سنت کے لئے گواہ کی طرح کھڑی ہوگئیں اور اسلام کے بہت سے فرقے جو بعد میں پیدا ہوگئے ان میں سے سچے فرقہ کو احادیث صحیحہ سے بہت فائدہ پہنچا۔ پس مذہب اسلم یہی ہے کہ نہ تو اس زمانہ کے اہل حدیث کی طرح حدیثوں کی نسبت یہ اعتقاد رکھا جائے کہ قرآن پر وہ مقدم ہیں۔ اور نیز اگر ان کے قصّے صریح قرآن کے بیانات سے مخالف پڑیں تو ایسا نہ کریں کہ حدیثوں کے قصوں کو قرآن پر ترجیح دی جاوے اور قرآن کو چھوڑ دیا جائے۔ اور نہ حدیثوں کو مولوی عبداللہ چکڑالوی کے عقیدہ کی طرح محض لغو اور باطل ٹھیرایا جائے۔ بلکہ چاہئے کہ قرآن اور سنت کو حدیثوں پر قاضی سمجھا جائے۔ اور جو حدیث قرآن اور سنّت کے مخالف نہ ہو اس کو بسر و چشم قبول کیا جائے یہی صراطِ مستقیم ہے۔ مبارک وہ جو اس کے پابند ہوتے ہیں۔ نہایت بدقسمت اور نادان وہ شخص ہے جو بغیر لحاظ اس قاعدہ کے حدیثوں کا انکار کرتا ہے۔

ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنّت نہ ہو تو خواہ کیسی ہی ادنےٰ درجہ کی حدیث ہو اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اُس کو ترجیح دیں۔ اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سنّت میں اور نہ قرآن میں مل سکے۔ تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کریں۔ کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور اگر بعض موجودہ تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتویٰ نہ دے سکے۔ تو اس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خداداد اجتہاد سے کام لیں۔ لیکن ہوشیار رہیں کہ مولوی عبد اللہ چکڑالوی کی طرح بیوجہ احادیث سے انکار نہ کریں۔ ہاں جہاں قرآن اور سنّت سے کسی حدیث کو معارض پاویں تو اس حدیث کو چھوڑ دیں۔ یاد رکھیں کہ ہماری جماعت بہ نسبت عبد اللہ کے اہل حدیث سے اقرب ہے۔ اور عبد اللہ چکڑالوی کے بیہودہ خیالات سے ہمیں کچھ بھی مناسبت نہیں۔ ہر ایک جو ہماری جماعت میں ہے اُسے یہی چاہئے کہ وہ عبد اللہ چکڑالوی کے عقیدوں سے جو حدیثوں کی نسبت وہ رکھتا ہے بدل متنفر اور بیزار ہو۔ اور ایسے لوگوں کی صحبت سے حتی الوسع نفرت رکھیں کہ یہ دوسرے مخالفوں کی نسبت زیادہ برباد شدہ فرقہ ہے۔ اور چاہئے کہ نہ وہ مولوی محمد حسین کے گروہ کی طرح حدیث کے بارے میں افراط کی طرف جھکیں اور نہ عبد اللہ کی طرح تفریط کی طرف مائل ہوں بلکہ اس بارے میں وسط کا طریق اپنا مذہب سمجھ لیں۔ یعنی نہ تو ایسے طور سے بکلی حدیثوں کو اپنا قبلہ وکعبہ قرار دیدیں جن سے قرآن متروک اور مہجور کی طرح ہو جائے۔ اور نہ ایسے طور سے ان حدیثوں کو معطّل اور لغو قرار دیدیں جن سے احادیث نبویہ بکلّی ضائع ہو جائیں۔ ایسا ہی چاہئے کہ ختم نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ کریں اور نہ ختم نبوّت کے یہ معنے سمجھ لیں جس سے امّت پر مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ کا دروازہ بند ہو جائے۔ الخ"

مقدمہ و سفر جہلم اور کتاب مواہبُ الرحمانْ کی تصنیف

مَیں نزول المسیح کے عنوان کے تحت میں لکھ چکا ہوں کہ حضرت اقدس کی کتاب اعجاز المسیح اور مولوی محمد احسن صاحب کی کتاب شمس بازغہ پر مولوی محمد حسن فیضی ساکن موضع بھیں ضلع جہلم نے مخالفت میں نوٹ لکھے تھے جو اس کے مرنے کے بعد پیر مہر علی شاہ گولڑوی صاحب نے جمع کر کے اپنے نام سے چھاپ دیئے

اور کتاب کا نام سیف چشتیائی رکھا۔ اس کارروائی کے بعد جب کتابیں پیر صاحب نے واپس کیں تو لانیوالا آدمی مولوی محمد حسن فیضی کا مکان دریافت کرتا ہوا میاں شہاب الدین صاحب سے ملا۔ انہوں نے جو وہ کتابیں کھول کر دیکھیں تو اُن پر لکھے ہوئے نوٹ کتاب سیف چشتیائی سے ملتے جلتے پائے۔ سیف چشتیائی ان کے پاس تھی اُسے کھول کر دیکھا تو وہ ساری کی ساری وہی نوٹ تھے جو ان کتابوں پر لکھے ہوئے تھے اُنہوں نے بذریعۂ خط حضرت اقدس مرزا صاحب کو خبر دی۔ اس کے بعد مولوی کرم الدین ساکن بھیں نے بھی جو مولوی محمد حسن فیضی متوفیٰ کا خسر پورہ (سالا) تھا حضرت اقدس کو خط لکھ کر پیر گولڑوی کے اس سرقہ کا پتہ دیا۔ اور انہی مولوی کرم الدین صاحب کی معرفت ہی حکیم فضل دین صاحب نے ان کتابوں کا سودا کیا اور مولوی محمد حسن فیضی کے بیٹے سے ان کتابوں کو بارہ روپے میں خرید لیا۔ اس سرقہ کا ذکر حضرت صاحب نے اپنی کتاب نزول المسیح میں کیا اور جن لوگوں کے ذریعہ اس سرقہ کا پتہ لگا تھا ان کی شہادت اور ان کے خطوط بھی اس میں درج کئے۔ یہ کتاب ساتھ ساتھ چھپتی بھی جاتی تھی لیکن ابھی شائع نہ ہوئی تھی کہ شیخ یعقوب علی تراب صاحب ایڈیٹر الحکم نے سبقت کر کے وہ تمام خطوط اخبار الحکم میں چھاپ دیئے جنمیں مولوی کرم دین کے بھی خطوط تھے۔ مولوی کرم دین یہ نہ چاہتا تھا کہ اُس کا نام ظاہر ہو۔ کیونکہ اسکے رشتہ دار اور گاؤں کے لوگ سب پیر گولڑوی کے مرید تھے۔ حضرت اقدس نے فرمایا بھی کہ حق کی شہادت ادا کرنے میں بزدلی نہیں دکھانی چاہئیے لا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ اٰثم قلبہ واللہ بما تعملون علیم (البقرہ)۔ کہ شہادت نہ چھپاؤ اور جو شہادت کو چھپاتا ہے اُس کا دل گنہگار اور کھوٹا ہے اور اللہ جو تم عمل کرتے ہو جانتا ہے۔ لیکن با ایں ہمہ کرم دین میں اس قدر اخلاقی جرأت نہ تھی کہ وہ برملا حق کی شہادت دے سکتا۔ اسلئے جب اس کے خطوط الحکم اخبار کے ذریعہ پبلک میں آئے اور لوگوں نے اُس سے باز پُرس کی تو اُس نے مفر اس بات میں دیکھی کہ سراج الاخبار جہلم مؤرخہ ۶۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں چھپوا دیا کہ میں نے مرزا صاحب کی ملہمیت آزمانے کے لئے جھوٹے اور خلاف واقعہ خطوط لکھے اور لکھائے تھے اور ایک خام نویس طفل کے ہاتھ سے نوٹ لکھوا کر اس کو محمد حسن فیضی کے نوٹ ظاہر کئے تھے اور اس دھوکے کے ذریعہ بارہ روپے بھی ان سے وصول کئے اور پھر ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے سراج الاخبار میں ایک قصیدہ بھی اسی کے متعلق لکھ مارا جس میں یہ ظاہر کیا کہ مرزا صاحب کا سارا کام مکر و فریب اور جعلسازی کا ہے اور ہجو قسم بہت کچھ بکواس کی۔ اور زبانی بھی حضرت اقدس کے خدام کو دھمکی دی کہ "اب جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا میں کروں گا"۔ دوستوں نے حضرت کی خدمت میں یہ اطلاع دی تو فرمایا کہ کرم دین کو لکھ دو کہ تمہاری دھمکی تم پر پڑے گی جو دوسرے مولویوں پر پڑا ہے وہی تم پر پڑیگا۔ ہماری باتیں آسمانی ہیں ہم منصوبہ نہیں سوچتے۔ یہ نامردی ہے کہ تم نے نام تک نہیں لکھا۔"

مولوی کرم الدین کی گندہ زبانی اور ہرزہ سرائی سے پُر تحریروں پر جو سراج الاخبار میں چھپتی رہیں حضرت اقدس نے صبر سے کام لیا اور انتظار کیا کہ شاید مولوی کرم الدین اپنی تحریروں کی خود ہی تردید کردے۔ ورنہ اگر آپ چاہتے تو خود ازالہ حیثیت عرفی کی نالش کر سکتے تھے لیکن مولوی کرم الدین نے بجائے اس کے کہ تردید کرتا جہلم میں سنسار چند مجسٹریٹ درجہ اول کی عدالت میں حضرت اقدس اور شیخ یعقوب علی تراب صاحب اور حکیم فضل الدین صاحب کے خلاف زیر دفعہ ۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲ تعزیرات ہند ازالہ حیثیت عرفی کی نالش دائر کردی (تفصیل آگے آتی ہے) چنانچہ مقدمہ کی تاریخ پیشی ۱۷۔ جنوری ۱۹۰۳ء مقرر ہوئی +

کتاب مواہب الرحمن کی تصنیف کی وجہ

اللواء مصر سے ایک عربی اخبار نکلتا تھا نومبر ۱۹۰۲ء کے مہینے میں اس کے ایڈیٹر نے اپنے اخبار میں یہ چھاپا کہ ایک انگریزی پرچہ (یہ کشتی نوح کا انگریزی میں ترجمہ تھا جو رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں چھپا تھا) میں نکلا ہے کہ ہندوستان میں ایک شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ میں مسیح ہوں اور وہ نبوت کا بھی مدعی ہے اور کہتا ہے کہ طاعون کا ٹیکہ کرانا کچھ فائدہ نہیں اور یہ امر خلاف توکل ہے۔ حالانکہ توکل کے تو یہ معنے ہیں کہ خدا کی مخلوق میں جو اس کی سُنت جاری ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ پس یہ ترک اسباب درست نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ ۲۵۔ نومبر ۱۹۰۲ء کو حضرت اقدس کی خدمت میں یہ اخبار پیش ہُوا تو فرمایا کہ:-

"معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ مصر میں اعلان و اشاعت کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت اسی طرح ہوئی۔ مخالف بُرے بُرے پیرایوں میں شہرت دیتے تھے سعیدوں کا گروہ اُن سے نکل کر الگ ہو گیا۔ اس سے اُن کو خبر تو ہو گئی"

ایمان اور اسباب رعایت

فرمایا:- "اسباب پرستی بھی آجکل ایک خطرناک شرک کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ مومن کا جس قدر ایمان اللہ پر ہوتا ہے اسی قدر وہ اسباب کی نفی اپنے ایمان میں کرتا ہے۔ اور جب یہ ایمان کامل ہو جاتا ہے تو اس کی ایمانی نظر میں اسباب کا سلسلہ معدوم ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ اور توکل رہتا ہے۔ اس درجہ پر بعض امور اس قسم کے بھی پیش آتے ہیں کہ فی الحقیقت بلا توسط اسباب ظاہری اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو مدد دیتا ہے اور شفا دیتا ہے۔ مَیں نے اپنی ذات پر ان امور کو مشاہدہ کیا ہے۔ بعض امراض میں بدوں کسی دوا کے استعمال کے مجھے شفا دی ہے۔ اسباب پرست خواہ کچھ ہی کہے۔ مگر مَیں ایسے نشانوں کو بے قدری کی نگاہ سے دیکھوں یا انہیں ضائع کروں تو معصیت ہی نہیں کفر تک نوبت پہنچتی ہے۔ اسی طرح یہ طاعون سے محفوظ رہنے کا نشان جو دیا گیا ہے مَیں اس کا کیونکر انکار کردوں۔ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ بدوں ٹیکہ کے مجھے بچایا گیا ہے

یہ سچ ہے کہ ہر مرض کی دوا اس نے پیدا کی ہے مگر یہ تو نہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی مرض کو بدوں دوا کے شفا نہیں دیتا۔ یہ ترک ادب ہے۔ مَا مِنْ دَاءٍ اِلَّا لَہٗ دَوَاءٌ الگ چیز ہے اور وہ اپنے مقام پر ہے۔ اور یہ درجہ توکّل اور ایمان کا جو ہم رکھتے ہیں ایک اور مقام پر ہے۔ ع

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

ہم رعایت اسباب کرتے ہیں۔ اس حد تک جہاں تک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جب وہ براہ راست ایک امر فرماتا ہے تو ہم اس کو چھوڑ نہیں سکتے۔ پس رعایت اسباب کی...... ہم پر حرام نہیں اور نہ اسے ہم حرام سمجھتے ہیں۔ اپنی حفاظت ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کے وعدہ کے باوجود بھی اپنی حفاظت کے اسباب کو نہ چھوڑتے تھے اور کوئی نبی یا ولی ایسا نہیں ہو سکتا جو رعایت اسباب کو حرام قرار دیدے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ اپنی زندگی کا اصل سہارا اور تکیہ اللہ تعالیٰ کو قرار دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی آزمائش کرنا نہیں چاہتا یہ گستاخی ہے۔ ہم رعایت اسباب کرتے ہیں۔ لیکن ایمانی حالت میں نفی اسباب کرتے ہیں۔ اور یہ ایک باریک سرّ ہے جس کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہ قانون قدرت ہے کہ جوں جوں بندہ اپنے ایمان میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ اسی قدر وہ اس کے لئے اسباب کم کرتا جاتا ہے اور پھر غیب سے فضل کرتا ہے۔ دنیا میں مبتلا اور اسباب میں گرفتار لوگوں کو یہ بات کس طرح سمجھ میں آئے۔ مَیں یقین اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ مَیں نے دیکھا ہے کہ مجھے بدوں اسباب اُس نے شفا دی ہے۔ ایک بار میرے دانت میں درد ہوا۔ ایک شخص سے مَیں نے علاج پوچھا۔ اس نے کہا "علاجِ دندان اخراجِ دندان"۔ مَیں اسی خیال میں تھا کہ یکایک غنودگی ہوئی۔ اور اس کے بعد دانت میں درد نہیں ہوا۔ اور آج تک خدا کے فضل سے نہیں ہوا۔ اس وقت میری زبان پر جاری تھا۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ (الحکم ۳۰۔ نومبر ۱۹۰۲ء)

کتاب مواہب الرحمان کی تصنیف

حضرت اقدس نے اخبار اللواء کے جواب میں ایک کتاب مواہب الرحمن عربی زبان میں تصنیف فرمائی جس کے مابین السطور فارسی میں ترجمہ بھی تحریر کیا۔ اس کتاب میں ایمان اور رعایت اسباب پر بڑی زبردست بحث فرمائی ہے۔ جس کا خلاصہ آپ کی مذکورہ بالا تقریر میں موجود ہے۔ اس کتاب میں آپ نے بتایا کہ مَیں ہرگز ٹیکہ طاعون کا مخالف نہیں۔ مگر اپنے لئے اسکی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اور اس بارے میں مَیں جو کچھ کہتا اور کرتا ہوں حکم الٰہی کے ماتحت ایسا کرتا ہوں۔ پھر ایڈیٹر اللواء کو جو آپ کے عقائد اور دعوے کی نسبت غلط فہمی تھی اس کے رفع کرنے کے لئے آپ نے اپنے

عقائد کا بھی تذکرہ فرمایا۔ فرماتے ہیں:۔

"انّا مسلمون نؤمن بکتاب اللہ الفرقان۔ ونؤمن بانّ سیّدنا محمّدً انبیّہ ورسولہ وانّہ جاء بخیر الادیان۔ ونؤمن بانّہ خاتم الانبیاء لا نبی بعدہٗ الا الّذی رُبّی من فیضہ واظہرہ وعدہٗ وللہ مکالمات ومخاطبات مع اولیائہ فی ھذہ الامّۃ وانھم یعطون صبغۃ الانبیاء ولیسوا نبیّین فی الحقیقۃ فانّ القراٰن اکمل وطر الشریعۃ ولا یعطون الّا فھم القراٰن ولا یزیدان علیہ ولا ینقصون منہ ومن زاد اونقص فاولئک من الشیاطین الفجرۃ۔"

ترجمہ۔ ہم مسلمان ہیں کتاب اللہ قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ایمان لاتے ہیں کہ ہمارے سید ومولا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نبیؐ خدا اور رسول خدا ہیں اور آپ کا دین سب دینوں سے بہتر دین ہے۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ مگر یہ کہ آپ کے فیض سے پرورش یافتہ ہو اور آپکے وعدہ کے موافق ظاہر ہؤا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اس اُمت میں اپنے اولیاء سے مکالمہ ومخاطبہ کرتا ہے اور ان کو انبیاء کا رنگ دیا جاتا ہے مگر درحقیقت وہ انبیاء نہیں ہوتے کیونکہ قرآن نے شریعت کو کامل کرکے شریعت کی حاجت کو ختم کردیا اور ان لوگوں کو سوائے فہم قرآن کے اور کچھ نہیں دیا جاتا۔ اور وہ قرآن میں نہ کچھ زیادہ کرسکتے ہیں اور نہ کم کرسکتے ہیں۔ اور جو کوئی زیادہ یا کچھ کم کرے پس وہ شیطانوں اور بدکاروں میں سے ہے"

گویا آپ نے ایڈیٹر اللواء کے اس بہتان کو رد کردیا کہ آپ نعوذ باللہ مدعی نبوّت ہیں۔ آپ نے صاف لکھ دیا کہ اس اُمت میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء سے کلام کرتا ہے اور ان کو انبیاء کا رنگ دیا جاتا ہے مگر درحقیقت وہ انبیاء نہیں ہوتے۔

اس کے بعد اپنے دعوئے مسیح موعود پر روشنی ڈالی اور اسی سلسلہ میں اُن نشانوں کا بھی ذکر فرمایا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے تھے۔

پیشگوئی دربارۂ مقدمہ کرم الدین

اس کتاب کی تصنیف کے دوران میں چونکہ کرم الدین نے آپ پر مقدمہ ازالۂ حیثیت عرفی کا جہلم میں دائر کر رکھا تھا اس لئے اس کی نسبت بھی ایک پیشگوئی اسی کتاب میں شائع فرمادی۔ اور وہ یوں تھی کہ:۔

"ایک شخص لئیم کے معاملہ میں مجھے خدا نے خبر دی تھی کہ وہ مجھ پر ایک بہتان بزرگ لگائیگا۔ اور میری عزت کو نقصان پہنچانا چاہے گا۔ اور تین دفعہ مجھے رؤیا میں دکھایا گیا کہ اُس شخص نے تین آدمیوں

کو میری توہین کرنے اور مجھے رنج دینے کے لئے تیار کیا ہے۔ اور مَیں نے دیکھا کہ مَیں گرفتاروں کی شکل میں ایک عدالت میں حاضر کیا گیا ہوں۔ اور آخر کار اس شخص کے شر سے مجھے نجات مل گئی ہے۔ اور پھر بشارت دی گئی کہ خود اس کذّاب اور مُہین دشمن پر بلا کو لوٹایا جائے گا۔ پس مَیں نے ان تمام رؤیا اور الہامات کو ایک سال ہوئے اخبار الحکم میں شائع کرا دیا۔ اور اس پر ایک سال نہیں گزرا کہ مولوی کرم الدین کے ہاتھ پر خدا کی یہ تقدیر ظاہر ہوئی۔ اور یہی وہ شخص ہے جس نے میرے جلانے کیلئے آگ جلائی ہے۔ اور مجھے نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا ہے۔ پس خدا اپنے وعدہ اور بشارت کے مطابق بلا شک و شبہ مجھے اس شخص کے نقصان سے بچائے گا اور بالآخر مجھے غلبہ بخشے گا۔"

مواہب الرحمٰن کی اشاعت

چونکہ ۱۷۔ جنوری ۱۹۰۳ء تاریخ مقدمہ مقرر ہو چکی تھی۔ اور اس کے لئے آپ نے ۱۵۔ جنوری کو قادیان سے جہلم کی طرف روانہ ہونا تھا اس لئے آپ نے یہ چاہا کہ مقدمہ عدالت میں پیش ہونے سے قبل ہی یہ کتاب جس میں اس مقدمہ میں فتحیابی کی پیشگوئی تھی شائع ہو جائے۔ پس آپ نے شب و روز محنت کر کے اس کتاب کو ۱۴۔ جنوری ۱۹۰۳ء کو شائع فرما دیا۔ چونکہ دو تین رات آپ کو کتاب مواہب الرحمٰن کی تصنیف اور کاپیاں اور پروف پڑھنے کی خاطر بہت جاگنا پڑا اس لئے ۱۵ تاریخ کی صبح کو فرمایا کہ یہ بھی ایک جہاد تھا۔ رات کو انسان کو جاگنے کا اتفاق تو ہوا کرتا ہے۔ مگر کیا خوش وہ وقت ہے جو خدا کے کام میں گزرے۔ فرمایا کہ میرے اعضا تو تھک جاتے ہیں مگر دل نہیں تھکتا۔ وہ چاہتا ہے کہ کام کئے ہی جاؤ۔ فرمایا ایک صحابی مرتے وقت رونے لگے جب اُن سے پوچھا گیا کہ کیا موت کے خوف سے روتے ہو تو انہوں نے کہا کہ موت کا تو خوف نہیں۔ البتہ یہ افسوس ہے کہ یہ موقع جہاد کا نہیں۔ جب مَیں جہاد کیا کرتا تھا۔ اگر اس وقت یہ موقع ہوتا تو کیا اچھا ہوتا" اس روز یعنی ۱۵۔ جنوری ۱۹۰۳ء کو ظہر و عصر کی نماز جمع ہوئی اس کے بعد جہلم کو روانگی ہوئی۔ اور رات لاہور پہنچ کر میاں چراغ الدین صاحب کے مکان پر قیام فرمایا +

سفرِ جہلم

۱۶۔ جنوری ۱۹۰۳ء کی صبح کو لاہور سے جہلم روانہ ہوئے۔ رستہ میں حضرت اقدس کو الہام ہوا۔ اُرِیْکَ بَرَکَاتٍ مِنْ کُلِّ طَرَفٍ۔ یعنی مَیں ہر ایک پہلو سے تجھے برکتیں دکھلاؤں گا۔ اور یہ اسی وقت تمام جماعت کو سُنا دیا گیا۔ اس کا نظارہ پھر جو نظر آیا وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ گوجرانوالہ۔ وزیر آباد۔ گجرات لالہ موسیٰ۔ جہلم کے اسٹیشنوں پر اس قدر لوگ زیارت کے لئے اکٹھے ہوئے کہ جہاں تک نظر کام کرتی تھی انسانوں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا تھا۔ پلیٹ فارموں اور اسٹیشنوں کے اردگرد ہجوم سے کہیں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ پھر لطف یہ کہ مولویوں اور سجادہ نشینوں کی مخالفت کے باوجود اس سفر میں اللہ تعالیٰ

نے حضرت اقدس کی شخصیت میں اس قدر جذب پیدا کر دیا کہ باوجودیکہ یہ ہجوم احمدی نہ تھا لیکن تاہم لوگ حضرت کی زیارت کیلئے اس قدر بیتاب نظر آتے تھے کہ آپکے چہرہ مبارک کی محض ایک جھلک دیکھ لینے کے لئے سر پیر کا زور لگاتے اور ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ اور جب سامنے آتے تھے تو ادب اور احترام سے جھک جھک جاتے تھے۔ ان اسٹیشنوں پر جب پلیٹ فارم کے ٹکٹ ختم ہو گئے تو لوگ پھاٹک توڑ کر اندر گھس گئے اور ریلوے کے ملازموں کو انتظام کرنا مشکل ہو گیا۔ کہاں کا پلیٹ فارم کا ٹکٹ اور کیسا انتظام انسانوں کے اس سیلاب کے آگے سارا انتظام بہ گیا۔ لوگوں کا شوقِ زیارت کسی طرح کم ہی نہ ہوتا تھا۔ گاڑی کے آگے پیچھے لوگ اس طرح ہجوم کر کے ٹوٹے کہ گاڑی چلانی مشکل ہو گئی۔ چنانچہ ان اسٹیشنوں پر وقت مقررہ سے زیادہ دیر تک گاڑی ٹھہرانی پڑی ورنہ لوگ نیچے آ کر کٹ جاتے۔ ریلوے کے ملازمین نرمی سے گرمی سے جس طرح بھی ہوتا لوگوں کو ٹرین سے الگ کرنے کی کوشش کرتے لیکن وہ جذب مقناطیسی تھا کہ لوگ ٹرین سے چمٹے چلے جاتے بعض لوگ ٹرین کے ساتھ ساتھ کچھ دور تک بھاگتے چلے جاتے۔ گجرات کے اسٹیشن پر چودھری نواب خاں صاحب تحصیلدار گجرات نے چائے اور کھانے سے آپ کی اور آپ کے رفقا کی تواضع کی۔ جہلم کے اسٹیشن پر زائرین کے ہجوم کا یہ حال تھا کہ جہاں تک نظر جاتی تھی پلیٹ فارم اور اسٹیشن کا احاطہ، ریل کی سڑکیں اور اردگرد کے مقامات اور سڑکیں انسانوں سے پٹی پڑی تھیں تھالی پھینکو تو سروں پر ہی چلی جائے۔ حضرت صاحب کا کمرہ سیکنڈ کلاس کا ریزرو تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ جہلم میں گاڑی کاٹ کر الگ کر دی جاتی (جیسا کہ اس زمانہ میں دستور تھا) لیکن انجن کو گاڑی کاٹنے اور الگ کرنے کے لئے جگہ ہی نہ تھی۔ اور ان لوگوں میں مسلمان، ہندو، عیسائی، مرد، عورت، بوڑھے بچے ہر قسم کے لوگ شامل تھے۔ ایک انگریز اور اس کی میم فوٹو کا کیمرا ہاتھ میں لئے ہجوم میں دھکے کھاتے پھرتے تھے کہ کوئی موقعہ ملے تو حضرت اقدس کا فوٹو لے لیں مگر کوئی موقعہ نہ ملتا تھا۔ وہ بیچارے پچھلے کئی اسٹیشنوں سے فوٹو لینے کی کوشش کرتے چلے آ رہے تھے۔ حضرت اقدس مشکل سے اسٹیشن سے باہر نکل کر فٹن پر سوار ہوئے تو اب ہجوم کی وجہ سے سواری کا چلنا مشکل ہو گیا۔ راجہ غلام حیدر خاں صاحب جو ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک والے مقدمہ کے زمانہ میں گورداسپور میں ڈپٹی کمشنر کے مسلخواں تھے وہ ان دنوں تحصیلدار جہلم تھے وہ برابر حضرت اقدس کی فٹن کے ساتھ ساتھ ہجوم کے ریلے کو روکتے اور مناسب انتظام کرتے چلے جا رہے تھے۔ اور حالت یہ تھی کہ سڑکیں مکانوں کی چھتیں۔ درختوں کی شاخیں لوگوں سے اس طرح پٹی پڑی تھیں کہ کہیں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی اور حیرت ہوتی تھی کہ اسقدر مخلوق آ کہاں سے گئی۔ سواری چلنی مشکل تھی۔ آخر بصد مشکل سواری جائے قیام پر پہنچی۔ حضرت اقدس کے

قیام کیلئے سردار ہری سنگھ رئیس اعظم ضلع جہلم نے اپنی کوٹھی پیش کی تھی جو دریائے جہلم کے کنارے تھی۔ حضرت صاحب کوٹھی میں داخل بھی ہو گئے تب بھی خلقت اُسی طرح کھڑی تھی اور اندیشہ تھا کہ خلقت کے ہجوم سے مکانوں کی چھتیں نہ بیٹھ جائیں اور درختوں کی شاخیں نہ ٹوٹ جائیں۔ آخر راجہ غلام حیدر خاں صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ حضور کوٹھے پر چڑھ کر لوگوں کو اپنی زیارت کرا دیں تا لوگ اپنے اپنے گھروں کو جائیں۔ آپ نے منظور فرمالیا اور کوٹھے پر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک کرسی آپ کیلئے بچھادی گئی جس پر آپ بیٹھ گئے اور دیر تک مشتاقانِ زیارت کو موقعہ دیا کہ آپ کو دیکھ سکیں۔ آپ کی اور آپ کے رفقا کی مہمانی کا حق احمدیہ جماعت جہلم نے بڑی فراخ حوصلگی سے ادا کیا۔ قریباً تین روز کئی سو آدمی کو دونو وقت نہایت حُسن انتظام کے ساتھ کھانا کھلاتے رہے۔

مقدمہ جہلم دوسرے دن ۱۷۔ جنوری ۱۹۰۳ء کو مقدمہ عدالت میں پیش تھا۔ عدالت کے باہر ایک بہت بڑا درخت سایہ دار تھا۔ اس کے نیچے ایک کرسی پر آپ بیٹھ گئے۔ اور بھی احباب کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بہت سے فرش پر تھے۔ اور خلقت ہزارہا کی تعداد میں کھڑی ہوئی نہایت جوش اور خلوص کے ساتھ آپ کی زیارت میں منہمک تھی۔ اور کوئی وہاں سے ہلنے کا نام نہ لیتا تھا۔ مشہور و معروف صاحبزادہ عبد اللطیف شہید صاحب بھی ساتھ تھے۔ اور خان عجب خاں صاحب بھی موجود تھے۔ اس جذب اور تصرف رُوحانی کو دیکھ کر جو اس وقت عالم ظاہر میں بیّن نظر آرہا تھا خان عجب خاں صاحب کو رقت ہو گئی اور انہوں نے حضرت اقدس سے عرض کی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ مَیں آپ کے ہاتھ کو بوسہ دوں آپ نے ہاتھ آگے کر دیا عجب خاں صاحب نے اُسے بوسہ دیا۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے ایک نہایت پُر از معارف تقریر فرمائی۔ جب مقدمہ عدالت میں پیش ہوا اور آپ عدالت کے کمرہ میں داخل ہوئے تو لالہ سنسار چند مجسٹریٹ درجہ اول تعظیماً سرو قد کھڑا ہو گیا۔ ہجوم نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ عدالت کے کمرہ میں فرش پر۔ الماریوں پر۔ میزوں پر۔ خود مجسٹریٹ کے چبوترہ پر آدمی ہی آدمی ہو گئے۔ مقدمہ پیش ہُوا۔ مولوی کرم الدین کی طرف سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب۔ شیخ یعقوب علی تراب صاحب اور حکیم فضل دین صاحب بھیروی کے خلاف استغاثہ تھا۔ شیخ یعقوب علی تراب صاحب نے جو بحقیت کرکے اپنے اخبار الحکم میں مولوی کرم الدین صاحب کے خطوط شائع کر دیئے تھے۔ اور محمد حسن فیضی متوفی کی نسبت کچھ لکھا تھا مستغیث کا بیان تھا کہ اُس میں محمد حسن فیضی کے متعلق ہتک آمیز کلمات تھے جس سے مستغیث کو رنج پہنچا ہے۔ حضرت اقدس کے خلاف بھی یہی استغاثہ تھا کہ آپ نے اپنی کتاب نزول المسیح میں محمد حسن فیضی کی نسبت ہتک آمیز کلمات استعمال کئے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ کتاب نزول المسیح جیسے

تصنیف ہوتی جاتی تھی ویسے ویسے ساتھ ساتھ چھپتی بھی جاتی تھی۔ لیکن وہ ابھی تک نا تمام تھی اور شائع نہیں ہوئی تھی اور پبلک میں نہیں آئی تھی۔ مولوی کرم الدین نے کسی شخص کے ذریعہ چوری کروا کے اس کے مطبوعہ اوراق یا پروف استغاثہ میں شامل کر دیئے۔ اور حکیم فضل الدین صاحب کو اس لئے ملزم گردانا تھا کہ وہ مالک مطبع تھے۔ مستغیث نے استغاثہ کرنے کا حق یوں جتلایا کہ چونکہ میں متوفّٰی کا سالا ہوں اور اس کے لڑکوں کا متولّی ہوں اس لئے ان ہتک آمیز کلمات سے مجھے رنج پہنچا ہے اور میری ہتک ہوئی ہے۔ پس مجھے عدالت دیوانی میں استحقاق ملنا چاہئے کہ میں ملزمان سے ہرجانہ وصول کروں۔ حضرت اقدس کی طرف سے وکیل خواجہ کمال الدین صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب اور شیخ نور احمد صاحب اور میاں عزیز اللہ صاحب تھے۔ وکلا نے یہ سوال اُٹھایا کہ آیا قانون کے رُو سے مولوی کرم الدین کو متوفّٰی کا ایسا جائز وارث قرار دیا جا سکتا ہے جسے کسی شخص کے خلاف جس نے متوفی مذکور کی نسبت ہتک آمیز کلمات استعمال کئے ہوں۔ استغاثہ دائر کرنے کا حق حاصل ہو؟ اس پر بڑی بحث کے بعد مجسٹریٹ نے یہ فیصلہ دیا۔ کہ بموجودگی پسران و بیوہ و پدر متوفّٰی مولوی کرم الدین کو جو فقط رشتہ میں سالا لگتا ہے کوئی حق وراثت یا حصول خاص حرجانہ نسبت ہتک متوفی نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے اس کو کوئی منصب دائری استغاثہ ہذا کا نہیں ہے نیز فقط اتنا کہہ دینا کافی نہیں کہ ان ہتک آمیز کلمات سے مجھے رنج پہنچا ہے یہ محض ایک قیاسی اور وہمی بات ہے جب تک کہ اس کا کوئی ثبوت نہ ہو۔ پس اندریں حالات مستغیث کو دائری مقدمہ دیوانی نسبت حرجانہ کا کوئی حق نہیں ہو سکتا۔ غرضکہ مجسٹریٹ نے مقدمہ خارج کر دیا۔

پیشگوئی کا پورا ہونا

مقدمہ عدالت میں پیش ہونے سے قبل حضرت اقدس نے کتاب مواہب الرحمٰن لوگوں میں تقسیم کروا دی تھی جس میں یہ پیشگوئی تھی (جیسا کہ اوپر ذکر کر آیا ہوں)، کہ کرم الدین کے شر سے جو مقدمہ کی صورت میں ہوگا اللہ تعالیٰ مجھے محفوظ رکھے گا اور یہ بلا خود اس پر لوٹے گی۔ چنانچہ جس کسی نے بھی اس کتاب کو پڑھا اس نے اقرار کیا کہ پیشگوئی بڑی صفائی سے پوری ہوئی۔

کثرت بیعت

اس کے بعد حضرت اقدس فرودگاہ پر تشریف لائے۔ وعظ و تبلیغ کا سلسلہ تو ہر وقت جاری تھا۔ اور لوگ کثرت سے پنجاب کے مختلف حصوں سے زیارت کیلئے جہلم میں جمع تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دلوں پر وہ کشش پڑی کہ بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور تقریباً گیارہ ۱۱۰۰ سو آدمیوں نے بیعت کی۔ اسقدر لوگوں کا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرنا ناممکن تھا۔ اس لئے پگڑیاں پھینک پھینک کر اور ان کو پکڑ پکڑ کر بیعت ہوئی۔ اور دو ۲۰۰ سو عورتوں نے بیعت کی۔ لوگوں نے تحفے اور ہدایا بھی پیش کئے۔

جہلم سے واپسی

دوسرے دن ۱۸ جنوری ۱۹۰۳ء کو حضرت اقدس جہلم سے واپس ہوئے۔ اسٹیشن کی طرف

آپ پیدل ہی چل پڑے۔ سیٹھ احمد الدین صاحب قصاب نے جو بڑے مخلص احمدی تھے نیا مکان بنوایا تھا عرض کی کہ حضور اپنے قدوم میمنت لزوم سے میرے غریب خانہ کو برکت بخشیں۔ آپ نے منظور فرمایا اور اُن کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچکر کچھ دیر بیٹھے اور پھر پیدل ہی بازار میں سے ہوتے ہوئے اسٹیشن تشریف لائے۔ واپسی پر ریلوے اسٹیشنوں پر پھر وہی لوگوں کا ہجوم تھا۔ میں لاہور کے غیر احمدی اخبار پنجۂ فولاد میں سے ایک حوالہ یہاں نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ لکھا تھا:۔

"جہلم سے واپسی پر مرزا غلام احمد صاحب قادیانی وزیر آباد پہنچے باوجودیکہ اُنہوں نے شہر میں آنا تھا۔ اور نہ آنے کی کوئی اطلاع دی تھی۔ اور صرف اسٹیشن پر ہی چند منٹوں کا قیام تھا۔ پھر بھی ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر خلقت کا وہ ہجوم تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ اگر اسٹیشن ماسٹر صاحب جو نہایت خلیق اور ملنسار ہیں خاص طور پر اپنے حسن انتظام سے کام نہ لیتے تو کچھ شبہ نہیں کہ اکثر آدمیوں کے کچل جانے اور یقیناً کئی ایک کے کٹ جانے کا اندیشہ تھا۔ مرزا صاحب کے دیکھنے کے لئے ہندو اور مسلمان یکساں شوق سے موجود تھے۔"

رات لاہور رہ کر ۱۹۔ جنوری ۱۹۰۳ء کو آپ واپس قادیان پہنچ گئے +

مولوی کرم الدین کی نگرانی خارج ہوگئی

اس مقدمہ میں لالہ سنسار چند کے فیصلہ کے خلاف مولوی کرم دین نے سشن جج جہلم کی عدالت میں نگرانی کروائی جس کے لئے ۱۵۔ مئی ۱۹۰۳ء تاریخ مقرر ہوئی۔ تاریخ مقررہ پر شیخ یعقوب علی تراب صاحب اور حکیم فضل دین صاحب بمعہ خواجہ کمال الدین صاحب و دیگر وکلا جہلم گئے۔ فیصلہ سُنانے کے لئے ۲۹۔ مئی ۱۹۰۳ء تاریخ معین ہوئی۔ اس تاریخ کو سشن جج نے وہ نگرانی بھی خارج کر دی +

نسیم دعوت

وجہ تصنیف

حضرت اقدس نے کتاب نسیم دعوت ۲۸۔ فروری ۱۹۰۳ء کو شائع فرمائی۔ یہ کتاب آپ نے صرف تین ہفتوں میں تصنیف فرمائی تھی۔ اس کی وجہ تصنیف یہ ہے کہ حضرت اقدس کے ذریعہ قادیان سے جو دعوت و تبلیغ اسلام کا غلغلہ بلند ہوا۔ تو قادیان کے آریہ حسد سے جل مرے۔ اُنہوں نے بھی قادیان میں آریہ سماج کا ایک جلسہ کرنے کی ٹھان لی چنانچہ ۲۸۔ فروری اور یکم مارچ ۱۹۰۳ء کو قادیان کی آریہ سماج کا سالانہ جلسہ قرار پایا۔ خیر اس میں تو کوئی ہرج نہ تھا لیکن شرارت یہ کی کہ جلسہ سے قبل ۷۔ فروری ۱۹۰۳ء کو ایک نہایت گندہ اشتہار نکالا جس کا عنوان تھا "قادیانی پوپ کے چیلوں کے ایک ڈینگ کا جواب" اس میں ہمارے سید و مولیٰ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور حضرت اقدس مرزا صاحب کی

نسبت اور احمدی جماعت کے معززین کی نسبت اس قدر سخت الفاظ اور گالیاں استعمال کی تھیں کہ بظاہر تو یہی مناسب معلوم ہوتا تھا کہ ایسے گندہ دہنوں کو مخاطب نہ کیا جائے لیکن اشارۂ الٰہی کے ماتحت آپ کو اس کے متعلق قلم اُٹھانی پڑی اور کتاب نسیم دعوت تصنیف فرمائی۔ آپ نے اس کتاب کی ابتدا میں اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحت بھی فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحتاً کہتا ہوں کہ جو کچھ اس اشتہار کے لکھنے والوں اور ان کی جماعت نے محض دل دکھانے اور توہین کی نیت سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اعتراضات کے پیرایہ میں سخت الفاظ لکھے ہیں یا میری نسبت مال خور اور ٹھگ اور کاذب اور مکّار کے لفظ کو استعمال میں لائے ہیں اور مجھے لوگوں کا دغا بازی سے مال کھانیوالا قرار دیا ہے اور یا خود میری جماعت کی نسبت سور اور کتے اور مردار خور اور گدھے اور بندر وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور ملیچھ ان کا نام رکھا ہے ان تمام دکھ دینے والے الفاظ پر وہ صبر کریں اور میں اس جوش اور اشتعال طبع کو خوب جانتا ہوں کہ جو انسان کو اس حالت میں پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ نہ صرف اس کو گالیاں دی جاتی ہیں بلکہ اس کے رسولؐ اور پیشوا اور امام کو توہین اور تحقیر کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے اور سخت اور غضب پیدا کرنیوالے الفاظ سنائے جاتے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر تم ان گالیوں اور بدزبانیوں پر صبر نہ کرو تو پھر تم میں اور دوسرے لوگوں میں کیا فرق ہوگا۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ تمہارے ساتھ ہوئی اور پہلے کسی سے نہیں ہوئی۔ ہر ایک سچا سلسلہ جو دنیا میں قائم ہوا ضرور دنیا نے اُس سے دشمنی کی ہے۔ سو چونکہ تم سچائی کے وارث ہو ضرور ہے کہ تم سے بھی دشمنی کریں۔ سو خبردار رہو نفسانیت تم پر غالب نہ آوے۔ ہر ایک سختی کی برداشت کرو۔ ہر ایک گالی کا نرمی سے جواب دو تا آسمان پر تمہارے لئے اجر لکھا جاوے۔"

اس کتاب نسیم دعوت کا شاہکار یہ ہے کہ آریوں کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے آپ نے سچے مذہب کو پرکھنے کا جو معیار رقم فرمایا ہے وہ بے نظیر ہے اور اس پر لکھنے کی ضرورت یوں آپڑی کہ آریہ لوگ نومسلم آریوں پر بار بار یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے کیا انہوں نے چاروں وید پڑھ لئے تھے۔ اگر چاروں وید پڑھ لیتے اور اس کے بعد آریہ مت کا اسلام سے مقابلہ کرکے دیکھتے۔ تب پتہ لگتا کہ کونسا مذہب سچا ہے۔ اس پر حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں:۔

"سو واضح ہو کہ ہمارے نومسلم آریہ جہاں تک حق تحقیق کا ہے سب کچھ ادا کرکے مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ انہوں نے چاروں وید کب پڑھے ہیں۔ یہ اعتراض اس صورت

نہیں ہو سکتا تھا کہ جب اعتراض کرنیوالے اپنے وید خواں ہونے کا ثبوت دیتے۔ افسوس ہے کہ انہوں نے اعتراض کرتے وقت انصاف اور خدا ترسی سے کام نہیں لیا۔ بھلا اگر انہوں نے سچائی کی پابندی سے یہ اعتراض پیش کیا ہے تو ہمیں بتلا دیں کہ ان میں سے وہ تمام لوگ رام رام کرنے والے جو سناتن دھرم پر قائم تھے اور پھر چند سال سے وہ آریہ بنے۔ انہوں نے کس پنڈت سے وید پڑھا ہے۔ کیونکہ اگر مذہب کی تبدیلی کیلئے پہلے ویدوں کا پڑھ لینا ضروری شرط ہے تو اس شرط سے آریہ کیونکر باہر رہ سکتے ہیں۔"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"اور یہ باتیں میری بے تحقیق نہیں۔ بلکہ میں آریہ صاحبان کو ہزار روپیہ بطور انعام دینے کو طیار ہوں اگر وہ میرے پر ثابت کر دیں کہ جسقدر ان کی فہرست میں مرد و زن آریہ درج ہیں۔ یا یوں کہو کہ جس قدر آریہ سماجی کہلانیوالے۔ مرد ہوں یا عورات ہوں۔ برٹش انڈیا میں موجود ہیں۔ فیصدی ان میں سے پانچ ایسے پنڈت پائے جاتے ہیں جو چاروں وید سنسکرت میں جانتے ہیں اگر چاہیں تو میں کسی سرکاری بینک میں یہ روپیہ جمع کرا سکتا ہوں۔ اب بتلاؤ کہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ خود را نصیحت و دیگراں را فضیحت ....."

غرضکہ خوب لتاڑا ہے اور ان آریہ سماجیوں کا خوب پول کھولا ہے۔ پھر آپ نے "تبدیل مذہب کے لئے جس قدر علم درکار ہے اس کی سچی فلاسفی" کے عنوان سے اس بات کو واضح کیا ہے کہ تبدیل مذہب کے لئے کسقدر واقفیت ضروری ہے۔ کیا بقول آریہ سماج قادیان مثلاً ایک ہندو جب تبدیل مذہب کرنے لگے تو اوّل اس کو چاروں وید سنسکرت میں پڑھ لینے چاہئیں یا عقل اور انصاف کے رُو سے اس میں کوئی اور قاعدہ ہے۔ اس مضمون پر بحث کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

سچے مذہب کو پرکھنے کا معیار

"تبدیل مذہب کے لئے تمام جزئیات کی تفتیش کچھ ضروری نہیں بلکہ سچائی کی تلاش کرنیوالے کیلئے مذاہب موجودہ کا باہم مقابلہ کرنے کے وقت اور پھر ان میں سے سچا مذہب شناخت کرنے کیلئے صرف تین باتوں کا دیکھنا ضروری ہے۔

(۱) اوّل یہ کہ اس مذہب میں خدا کی نسبت کیا تعلیم ہے۔ یعنی اس کی توحید اور قدرت اور علم اور کمال اور عظمت اور سزا اور رحمت اور دیگر لوازم اور خواص الوہیت کی نسبت کیا بیان ہے۔ کیونکہ اگر کوئی مذہب خدا کو واحد لاشریک قرار نہیں دیتا اور آسمان کے اجرام یا زمین کے عناصر یا کسی انسان یا اور چیزوں کو خدا جانتا ہے یا خدا کے برابر ٹھیراتا ہے اور ایسی پرستشوں سے منع نہیں کرتا

یا خدا کی قدرت کو ناقص خیال کرتا ہے۔ اور جہاں تک امکان قدرت ہے وہاں تک قدرت کے سلسلہ کو نہیں پہنچاتا یا اس کے علم کو ناتمام جانتا ہے یا اس کی قدیم عظمت کے برخلاف کوئی تعلیم دیتا ہے۔ یا سزا اور رحمت کے قانون میں افراط یا تفریط کی راہ لیتا ہے یا اس کی رحمت عامہ جیسا کہ جسمانی طور پر محیط عالم ہے اس کے برخلاف کسی خاص قوم سے خدا کا خاص تعلق اور روحانی نعمت کے وسائل کو مخصوص رکھتا ہے یا الوہیت کے خواص میں سے کسی خاصہ کے برخلاف بیان کرتا ہے تو وہ مذہب خدا کی طرف سے نہیں ہے۔"

(۲) "دوسرے۔ طالب حق کیلئے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس مذہب میں جس کو وہ پسند کرے اس کے نفس کے بارے میں اور ایسا ہی عام طور پر انسانی چال چلن کے بارے میں کیا تعلیم ہے۔ کیا کوئی ایسی تعلیم تو نہیں کہ جو انسانی حقوق کے باہمی رشتہ کو توڑتی ہو یا انسان کو دیوثی کی طرف کھینچتی ہو یا دیوثی امور کو مستلزم ہو اور فطرتی حیا اور شرم کے مخالف ہو۔ اور نہ کوئی ایسی تعلیم ہو کہ جو خدا کے عام قانون قدرت کے مخالف پڑی ہو۔ اور نہ کوئی ایسی تعلیم ہو جس کی پابندی غیر ممکن یا منتج خطرات ہو اور نہ کوئی ضروری تعلیم جو مفاسد کے روکنے کے لئے اہم ہے ترک کی گئی ہو۔ اور نیز یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ کیا وہ تعلیم ایسے احکام سکھلاتی ہے یا نہیں کہ جو خدا کو عظیم الشان محسن قرار دے کر بندہ کا رشتہ محبت اس سے محکم کرتے ہوں اور تاریکی سے نور کی طرف لے جاتے ہوں اور غفلت سے حضور اور یادداشت کی طرف کھینچتے ہوں۔"

(۳) "تیسرے۔ طالب حق کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس مذہب کو پسند کرے جس کا خدا ایک فرضی خدا نہ ہو جو محض قصوں اور کہانیوں کے سہارے سے مانا گیا ہو۔ اور ایسا نہ ہو کہ صرف ایک مردہ سے مشابہت رکھتا ہو کیونکہ اگر ایک مذہب کا خدا صرف ایک مردہ سے مشابہ ہے جس کا قبول کرنا محض اپنی خوش عقیدگی کی وجہ سے ہے نہ صرف اس وجہ سے کہ اس نے اپنے تئیں آپ ظاہر کیا ہے۔ تو ایسے خدا کا ماننا گویا اس پر احسان کرنا ہے اور جس خدا کی طاقتیں کچھ محسوس نہ ہوں اور اپنے زندہ ہونے کے علامات وہ آپ ظاہر نہ کرے اس پر ایمان لانا بے فائدہ ہے۔ اور ایسا خدا انسانوں کو پاک زندگی بخش نہیں سکتا اور نہ شبہات کی تاریکی سے باہر نکال سکتا ہے۔ اور ایک مردہ پرمیشر سے ایک زندہ بیل بہتر ہے جس سے کاشتکاری کر سکتے ہیں۔ پس اگر ایک شخص بے ایمانی اور دنیا پرستی پر جھکا ہوا نہ ہو تو وہ زندہ خدا کو ڈھونڈے گا تا اس کا نفس پاک اور روشن ہو جائے۔ اور کسی ایسے مذہب پر راضی نہیں ہوگا جس میں زندہ خدا اپنا جلوۂ قدرت نہیں دکھلاتا اور اپنے جلال کی

بھری ہوئی آواز سے تسلی نہیں بخشتا۔

یہ تین ضروری امر ہیں جو تبدیل کرنے والے کیلئے قابل غور ہیں۔ پس اگر کوئی شخص کسی مذہب کو ان تین معیاروں کے رو سے دوسرے مذاہب پر فائق اور غالب پائے تو اس کا فرض ہوگا کہ ایسے مذہب کو اختیار کرے اور اسقدر تحقیق کیلئے نہ کسی بڑے پنڈت بننے کی حاجت ہے اور نہ کسی بڑے پادری بننے کی ضرورت ہے۔ الخ"

مقابلۂ مذاہب کے یہ تین معیار قائم کر کے پھر حضرت اقدس نے الگ الگ ہر ایک معیار پر آریہ سماج۔ عیسائی مذہب اور اسلام کو پرکھا ہے۔ اور نہایت تفصیل و بسط کے ساتھ دکھلایا ہے کہ صرف اسلام ہی ایک مذہب ہے جو ان معیار پر سچا اور کامل مذہب ٹھیرتا ہے۔ غرضیکہ اس شخص کے لئے جو مقابلۂ مذاہب کرنا چاہتا ہو اور طالب حق ہو۔ اس کتاب نسیم دعوت میں علم کا ایک خزانہ موجود ہے۔ حضرت اقدس نے اس کتاب میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ دیانند نے جس طرح ویدوں کی شرتیوں کی تاویل کی ہے وہ بالکل غلط ہے۔ پھر خود ان شرتیوں کی تاویل کر کے دکھائی ہے جس سے وہ ایک مجاز اور استعارہ کے رنگ میں اسلام کی تعلیم کے ماتحت آجاتی ہیں اور اس طرح کچھ پردہ پوشی ہو جاتی ہے۔

آریہ سماج قادیان کے جلسہ میں اعتراضات اور اس کا جواب

یہ کتاب ختم ہو کر چھپ چکی تھی جو آریہ سماج قادیان کے ۲۸۔ فروری ۱۹۰۳ء کے جلسہ میں کسی آریہ کے بیان کردہ تین اعتراضوں کا آپ کو پتہ لگا۔ اور وہ اعتراض یہ تھے کہ مسلمانوں کا خدا عرش پر بیٹھا ہوا ہے جس سے خدا محدود ثابت ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ شفاعت پر بھروسہ شرک ہے۔ تیسرے یہ کہ خدا کی کوئی آواز دنیا میں سنائی نہیں دیتی۔ حضرت اقدس نے اسی روز ان اعتراضات کا جواب لکھ کر ایک اشتہار کی صورت میں شائع فرمایا اور کتاب نسیم دعوت کے ساتھ ان جوابات کو بطور تتمہ ایزاد کر دیا۔

عرش جواب میں آپ نے عرش پر مفصل بحث فرمائی ہے اور ساتھ ہی اس اشتہار میں یہ بھی اعلان فرما دیا کہ:۔ "اگر کوئی آریہ قرآن شریف میں سے نکال دے کہ عرش کوئی جسمانی اور مخلوق چیز ہے تو میں اس کو قبل اس کے جو قادیان سے باہر جائے ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا۔ میں اس خدا کی قسم کھاتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتی کا کام ہے کہ میں قرآن شریف کی وہ آیت دکھاتے ہی ہزار روپیہ حوالہ کر دوں گا۔ ورنہ میں بہ ادب کہتا ہوں کہ ایسا شخص خود لعنت کا محل ہوگا جو خدا پہ جھوٹ بولتا ہے۔"

پھر استویٰ علی العرش کی تفسیر میں جو معارف و حقائق تحریر فرمائے ہیں وہ پڑھنے کے لائق ہیں۔ بتایا ہے کہ عرش کو چار اٹھانے والے خدا کی یہی چار صفات ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور مالکیت ہیں جو

سورۃ الفاتحہ میں مذکور ہیں۔ فرماتے ہیں:-

"استویٰ علی العرش کے یہی معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی یہ صفات جب دنیا کو پیدا کر کے ظہور میں آگئیں تو خدا تعالیٰ ان معنوں سے اپنے پوری وضع استقامت سے بیٹھ گیا کہ کوئی صفت صفات لازمۂ الوہیت سے باہر نہیں رہی۔ اور تمام صفات کی پورے طور پر تجلی ہو گئی جیسا کہ جب اپنے تخت پر بادشاہ بیٹھتا ہے تو تخت نشینی کے وقت اس کی ساری شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک طرف شاہی ضرورتوں کے لئے طرح طرح کے سامان طیار ہونے کا حکم ہوتا ہے اور وہ فی الفور ہو جاتے ہیں۔ اور یہی حقیقت ربوبیت عامہ میں ہے۔ دوسری طرف خسروانہ فیض سے بغیر کسی عمل کے حاضرین کو جود و سخاوت سے مالا مال کیا جاتا ہے۔ تیسری طرف جو لوگ خدمت کر رہے ہیں ان کو مناسب چیزوں سے اپنی خدمات کو انجام دینے کے لئے مدد دی جاتی ہے۔ چوتھی طرف جزا سزا کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کا ان ہر چہار صفتوں کو دنیا پر نافذ کرنا گویا تخت پر بیٹھنا ہے جس کا نام عرش ہے"

پھر آگے بڑی شرح و بسط فرمائی ہے جو قابل پڑھنے کے ہے۔

شفاعت شفاعت پر بحث کرتے ہوئے اس کی اصل حقیقت کو واضح فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ اسلام میں جو شفاعت بالاذن ہے وہ فقط دعا ہی کی ایک قسم ہے اس میں شرک کہاں سے آگیا۔ ساری بحث کتاب میں موجود ہے جو نہایت معقول ہے۔

خدا کی آواز خدا کی آواز کے دنیا میں نہ سنی جانے کے اعتراض پر کیسی مزہ کی تحریر لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

"تعجب ہے کہ باوجودیکہ پنڈت لیکھرام کی موت سے تمام آریہ صاحبوں نے ۶۔ مارچ کے دن خدا تعالیٰ کی آواز سن لی اور خدا نے دنیا میں اشتہار دے دیا کہ لیکھرام بوجہ اپنی بدزبانیوں کے چھ برس تک کسی کے ہاتھ سے مارا جائیگا۔ وہ آواز نہ صرف ہم نے سنی بلکہ ہمارے ذریعہ سے سب آریہ صاحبان نے سُنی مگر کیا اب بھی ثابت نہ ہوا کہ خدا کی آواز دنیا کو سنائی دیتی ہے۔ آپ صاحبوں میں سے پکے آریہ لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل ساکن قادیان بہت سی خدا کی آوازوں کے گواہ ہیں۔ اگر وہ انکار کریں گے اور قوم کو خدا پر مقدم رکھیں گے اور جھوٹ بولیں گے تو شاید کوئی اور آواز آسمانی سن لیں گے"

آریہ سماج قادیان کی ہرزہ سرائی آریہ سماج قادیان کا جلسہ ۲۸۔ فروری اور یکم مارچ ۱۹۰۳ء کو ہوا جس میں مشہور آریہ مناظر یوگندر پال اور پنڈت رام بھجدت پریزیڈنٹ آریہ پرتی ندی سماج لاہور نے سخت

اشتعال انگیز تقریریں کیں اور نہایت بدزبانی اور گندہ ذہنی سے کام لیا۔ ان کی تقریروں کے بعد جب کسی احمدی نے جواب دینا چاہا تو اُسے روک دیا کہ ہم آج کسی مرزائی سے بات نہیں کریں گے۔ بات کرنی ہے تو خود مرزا آکر بات کرے۔ غرضیکہ پولیس نے بڑی روک تھام کی اور احمدیوں نے بڑے صبر سے کام لیا ورنہ فساد ہو جانے کا احتمال تھا+

کتاب سناتن دھرم

کتاب کی تصنیف کی وجہ یکم مارچ ۱۹۰۳ء کو آریہ سماج قادیان کے جلسہ میں جب کتاب نسیم دعوت پہنچی تو پنڈت رام بھجدت صاحب نے جو آریہ پرتِھی ندھی آریہ سماج پنجاب کے پریذیڈنٹ تھے۔ کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے نیوگ پر حضرت اقدس مرزا صاحب کے اعتراض کو پڑھ کر فرمایا کہ اگر وہ مجھ سے اس بارے میں گفتگو کرتے تو جو کچھ نیوگ کرانے کے فائدے ہیں وہ سب مَیں اُن سے بیان کرتا۔ پنڈت صاحب کی اس بات پر حضرت اقدس کو تحریک ہوئی اور آپ نے ایک رسالہ "سناتن دھرم" نامی تصنیف فرما کے ۸۔ مارچ ۱۹۰۳ء کو شائع فرما دیا جس میں مسئلہ نیوگ کی گندگی کو واضح کر کے دکھلایا اور بتلایا کہ:۔

"سناتن دھرم والے ان کی چند باتوں کو الگ کر کے آریہ سماجیوں سے ہزار ہا درجہ بہتر ہیں وہ اپنے پرمیشر کی اس طرح بے حرمتی نہیں کرتے کہ ہم انادی اور غیر مخلوق ہونے کی وجہ سے اس کے برابر ہیں۔ وہ نیوگ کے قابل شرم مسئلہ کو نہیں مانتے۔ وہ اسلام پر بیہودہ اعتراض نہیں کرتے"۔

وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح اس کتاب میں سناتن دھرم والوں کی فضیلت آریہ سماج پر دکھائی ہے۔ پھر اس پر اظہار افسوس کیا ہے کہ:۔

"آریہ صاحبوں کے بارود طبع ممبروں نے جلسہ قادیان میں بغیر اس کے کہ دین کے کوچہ میں کچھ بھی دخل ہو نقالوں کی طرح اسلام کو گالیاں دیں۔ اگر اس میں ان کی نیت نیک ہوتی تو میری طرف لکھتے کہ اسلام پر ہمارا فلاں اعتراض ہے۔ سو اگرچہ مَیں ایسی مجلسوں میں حاضر نہیں ہو سکتا تھا تاہم مَیں ان کے شبہات کا نرمی اور روشن تقریر سے جواب دیکر ان کی تسلی کر دیتا۔ مگر اب وہ جیسے قادیان میں آئے تھے ویسے ہی واپس گئے اور شوخیوں اور بدزبانیوں کا انبار سر پر لے گئے"۔

دو بصیرت افروز واقعے

ولادت امۃ النصیر صاحبہ اور غاسق اللہ کا الہام ۲۷ اور ۲۸ جنوری ۱۹۰۳ء کی درمیانی شب کو رات کے ۱۲ بجے حضرت

اقدس کو الہام ہوا غاسق اللہ جس کے معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی تاریکی نازل کرنے والا ہے یعنی کوئی تکلیف اور مصیبت آنے والی ہے۔ چونکہ اس وقت آپ کی زوجۂ محترمہ کو وضع حمل کے آثار شروع ہو چکے تھے اور یہ الہام منذر تھا۔ اس لئے آپ اسی وقت مولانا محمد احسن امروہی صاحب کے کمرہ کی طرف تشریف لے گئے جو آپ کے مکان کا ہی ایک حصّہ تھا۔ اور دروازہ پر جا کر دستک دی۔ مولوی محمد احسن صاحب سوتے سے گھبرا کر اُٹھے۔ پوچھا کون"؟ جواب دیا "غلام احمد" (اللہ اللہ کیا انکسار ہے۔ کیا بشر مثلکم کا مظاہرہ ہے۔ کیا خُلق عظیم کی جھلک ہے۔ یہ نہیں کہا کہ مَیں ہوں مسیح موعود یا کوئی اور متکبرانہ طرز پر اپنے آپ کو شناخت کرواتے۔ نہیں۔ نہایت سادہ الفاظ میں ایک عاجز بشر کی طرح جواب دیا کہ مَیں ہوں غلام احمد) مولانا محمد احسن صاحب نے گھبرا کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ حضرت اقدس ہاتھ میں لالٹین لئے کھڑے ہیں۔ پوچھا حضرت خیر تو ہے۔ فرمایا۔ ہاں مجھے ابھی الہام ہوا ہے۔ غاسق اللہ۔ اور میری اہلیہ کو دردِ زہ ہو رہا ہے۔ اس سے قبل مَیں نے رؤیا میں دیکھا تھا کہ میری اہلیہ کہتی ہیں کہ اگر میرا انتقال ہو جائے تو آپ اپنے ہاتھ سے میری تجہیز و تکفین کریں۔ اور اب یہ منذر الہام ہوا ہے۔ اندیشہ ہے کہ مبادا اس میں زچہ یا بچہ کی جان کے نقصان کی طرف اشارہ ہو۔ پس مَیں اس بات کے لئے آیا تھا کہ آپ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس تقدیر کو ٹال دے مَیں بھی دعا کر رہا ہوں" مولانا محمد احسن صاحب حضرت اقدس کی اس منکسر المزاجی سے حیران رہ گئے کہ اللہ اللہ! ایک شخص جو مقربین الٰہی میں سے ہے۔ مجدد وقت ہے۔ امام الزمان ہے۔ مسیح موعود ہے۔ مہدی معہود ہے مستجاب الدعوات ہے۔ سب کچھ ہے مگر کیا فروتنی اور منکسر المزاجی ہے کہ آدھی رات کو اپنے ایک مرید کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور کہتا ہے کہ "مجھے اس وقت ایک منذر الہام ہوا ہے۔ مَیں بھی دعا کر رہا ہوں آپ بھی دعا کریں"۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ آپ کی منکسر المزاجی نے یہ خیال دل میں ڈالا کہ شاید مولوی صاحب کی ہی دعا خدا سُن لے یا ایک کی نسبت دو کی دعا کو زیادہ مقبولیت کی توقع ہے۔ آپ نے کیوں اپنی دعا کو کافی نہیں سمجھا۔ اسی لئے کہ نفس کے اندر کوئی کبر اور خود پسندی نہ تھی۔ آپ جناب الٰہی کے حضور میں اپنے آپ کو ایک بشر اور بہت عاجز انسان سمجھتے تھے۔ یہی تفسیر ہے بشر مثلکم کی۔ یہی وہ عبودیت کا انتہائی مقام ہے جو انسان کا معراج کمال ہوتا ہے کہ خدا کے آگے وہ سب سے زیادہ اپنے آپ کو گرا ہوا محسوس کرتا ہے اس کے نفس کے اندر اپنی بڑائی کا کوئی خیال نہیں ہوتا۔ بھلا ایک گدی نشین پیر جو خدا کا رُوپ بن کر بیٹھا ہوتا ہے کیا کبھی اس فعل کا مرتکب ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ایک مرید کے آگے دعا کی درخواست کرے؟ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس مقصد کے لئے آدھی رات کو اس کے دروازہ پر جا کر دستک دے؟ وہ اگر کسر نفسی کے

ماتحت بڑا تیر مارتا تو یہ کرتا کہ نوکر کو بھیج کر مرید کو بلوا بھیجتا نہ یہ کہ خود ہاتھ میں لالٹین لئے ہوئے مرید کے پاس جا کر درخواست دعا کرتا۔ اس کا کبر نفس ہرگز ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ یہ انہی لوگوں کا کام ہے جو اپنے نفس میں فنا کے مقام پر پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ اور پھر اپنے الہام پر کیسا زبردست ایمان ہے۔ اور اس کے اندار سے کیسے خائف ہیں۔ کیا ایک مفتری اپنے افترا کردہ الہام سے اسقدر خائف ہو سکتا ہے کہ وہ رات کو گھبرا کر اپنے مرید کا دروازہ جا کھٹکھٹائے اور کہے کہ خدا کے حضور دعا کرو کہ یہ تقدیر ٹل جائے۔ مَیں تو دعا کر ہی رہا ہوں تم بھی دعا کرو۔ شاید تمہاری ہی خدا سن لے۔ ایک صاحب ذوق انسان ان باتوں پر وجد کر اُٹھتا ہے۔ خیر نتیجہ یہ ہوُا کہ حضرت اقدس اور مولوی صاحب موصوف کی دعاؤں سے اللہ نے حضور کی زوجہ محترمہ کو تو بچا لیا مگر لڑکی جو پیدا ہوئی تھی وہ اس الہام غاسق اللہ کے مطابق چند ماہ کے اندر ہی فوت ہوگئی۔ معلوم ہوتا ہے غاسق میں جس تاریکی کا آنا مقدر تھا وہ اس طرح پوری ہو گئی ؂

نواب محمد علی خاں صاحب کے لڑکے کی شفا یابی

ایک اور اسی قسم کا بصیرت افروز واقعہ اکتوبر ۱۹۰۳ء میں ظہور میں آیا جو قابل ذکر ہے۔ نواب محمد علی خاں صاحب کا چھوٹا لڑکا عبدالرحیم تپ محرقہ سے سخت بیمار ہوگیا۔ نہایت تیز بخار لازم حال رہتا تھا اور کسی وقت اُترتا نہ تھا۔ اور اس پر حواس میں فتور اور سخت بیہوشی رہتی تھی۔ مولوی نورالدین صاحب فرماتے تھے کہ عبدالرحیم کے علاج میں غیر مترتب توجہ انہیں پیدا ہوئی اور ان کے علم نے پوری اور وسیع طاقت سے کام لیا۔ مگر ضعف اور عجز کا اعتراف کرکے بجز سپر انداز ہو جانے کے کوئی راہ نظر نہ آئی۔ حضرت اقدس کو ہر روز دعا کے لئے توجہ دلائی جاتی تھی اور آپ دعا کرتے بھی تھے۔ ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو حضرت اقدس کی خدمت میں بڑی بیتابی سے عرض کیا گیا کہ عبدالرحیم کی حالت خراب ہے اور بچنے کے آثار نظر نہیں آتے۔ رات کو حضرت اقدس نے نماز تہجد میں اس کے لئے خاص توجہ سے دعا کی۔ صبح کو آپ نے ذکر فرمایا کہ جب مَیں نے یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر یہ کھلا کہ تقدیر مبرم ہے اور ہلاکت مقدر۔ اس وقت مجھ پر حد سے زیادہ حزن طاری ہوُا اور میرے منہ سے نکل گیا کہ یا الٰہی اگر یہ دعا کا موقع نہیں تو مَیں شفاعت کرتا ہوں اس کا موقعہ تو ہے۔ اس پر معًا وحی نازل ہوئی یسبح لہ من فی السمٰوات ومن فی الارض ۔ من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہ۔ کہ تسبیح کرتے ہیں جو بھی آسمانوں میں ہیں اور جو بھی زمین میں ہیں۔ کون ہے جو اس کے حضور میں شفاعت کرے مگر اس کی اجازت کے ساتھ[1] اس جلالی وحی سے میرا بدن

[1] واضح ہو کہ دعا میں اور شفاعت میں ایک فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ دعا عام ہے۔ ہر ایک شخص کو خواہ وہ گنہگار ہی (باقی برصفحہ ۹۳۵)

کانپ اٹھا اور مجھ پر سخت خوف اور ہیبت وارد ہوئی کہ میں نے بلا اذن شفاعت کی ہے۔ ایک دو منٹ کے بعد پھر وحی ہوئی انک انت المجاز یعنی تجھے اجازت ہے۔" اسکے بعد بتدریج عبدالرحیم کی بیماری کم ہوتی گئی اور اسکی صحت درست ہوتی گئی

بیت الدعا کی تعمیر

حضرت اقدس کی عرصہ سے خواہش تھی کہ بیت الفکر کے ساتھ ہی ایک حجرہ ایسا تعمیر کیا جائے جو دعا کیلئے

(بقیہ صفحہ ۹۳۴) یا نیکوکار خدا کے سامنے اُسے اپنی عرض معروض کرنے کی عام اجازت ہے۔ کوئی روک نہیں۔ کوئی تخصیص نہیں لیکن شفاعت جو دعا ہی کی ایک قسم ہے بجائے خود ایک خصوصیت رکھتی ہے اور وہ یہ کہ اس میں شفاعت کرنیوالا اپنے وجود کو جناب الٰہی میں پیش کر کے سفارش کرتا ہے کہ میری خاطر اس شخص کو معاف کر دیا جائے یا اسے شفا دیدی جائے۔ گویا اس میں اپنی وجاہت اور قبولیت اور اپنا خاص تعلق جو اللہ تعالیٰ سے اس کو ہے اسے درمیان میں لا کر سفارش کی جاتی ہے۔ یہی وہ بات ہے جس کی وجہ سے اسلام میں شفاعت بلا اذن جائز نہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہ کہ کون ہے جو خدا کے حضور میں شفاعت کرے مگر اس کی اجازت کے ساتھ۔ شفاعت بغیر اذن کے اس لئے جائز نہیں کہ بندہ کی خواہ وہ کتنا ہی مقرب کیوں نہ ہو یہ مجال نہیں کہ وہ خدا کے سامنے اپنے وجود کو اس رنگ میں پیش کر کے سفارش کرے کہ میری خاطر فلاں شخص کو معاف کر دیا جائے یا فلاں کام کر دیا جائے۔ یہ خدا کی صفت غنی عن العالمین کے خلاف ہے۔ وہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ اس کو کسی کی پروا یا ضرورت نہیں۔ اور اپنے وجود کو پیش کرنیوالا اور اپنی خاطر کوئی کام کرانے والا گویا اپنے تعلق کی اہمیت کو خدا کے سامنے جتاتا ہے۔ حالانکہ خدا سے تعلق کی اہمیت اگر ہے تو بندہ کے لئے ہے نہ کہ خدا کے لئے۔ وہ صمد ہے یعنی سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس کے ساتھ تعلق کی بندہ کو ضرورت ہے نہ کہ خدا کو۔ پس شفاعت بغیر اذن کے اسلام میں جائز نہیں۔ شفاعت بالاذن یعنی اجازت کے ساتھ شفاعت فقط عفو کی ایک شکل اور بندہ کی عزت افزائی کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مصلحت اور حکمت اور عدل اور رحم کو مدنظر رکھتے ہوئے جب کسی بندہ کو معاف کرنے میں مضائقہ نہ سمجھے گا اور اس کا رحم اس امر کا متقاضی ہوگا کہ اس بندہ کو معاف کر دیا جائے تو جس مقرب بندہ سے اس بندہ کا روحانی جوڑ ہوگا اسے اجازت دی جائے گی کہ اگر تم اس کی سفارش کرو تو ہم تمہاری خاطر اس کو معاف کر دیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس طریق سے شفاعت درحقیقت عفو اور مغفرت الٰہی کی ایک شکل باقی رہ جاتی ہے۔ جس میں اپنے اس مقرب بندہ کی عزت افزائی مدنظر ہوتی ہے جس کی خاطر معافی دی جاتی ہے یا کسی رنگ میں بھی رحم کر دیا جاتا ہے۔ پس یہی وہ شفاعت ہے جو اسلام میں جائز ہے ولا غیر۔

پس حضرت مرزا صاحب کی زبان سے جو بیقراری کی حالت میں یہ الفاظ نکل گئے کہ اگر دعا کا وقت نہیں تو شفاعت ہی سہی۔ ان الفاظ پر فوراً تنبیہ کی گئی کہ یہ خلاف آداب ہے۔ پس حضرت اقدس کو سخت خوف طاری ہوا کہ یہ سوء ادب ہو گیا۔ اور آپکے استغفار کرنے پر الہام ہوا کہ اچھا تم کو اس وقت شفاعت کی اجازت دی جاتی ہے۔ گویا اجازت دیکر پھر اس شفاعت کو جائز ٹھیرایا گیا۔ اور ایک ایسی خطرناک حالت سے مریض کو نکالا گیا۔ جس میں موت مقدر ہو چکی تھی۔ گویا ایک مردہ زندہ کر دیا گیا۔ (مؤلف)

مخصوص ہو۔ اور جو اس قدر مختصر ہو کہ وہاں کوئی چارپائی بھی نہ بچھ سکے بلکہ صرف عبادت اور دعا کرنے کے کام آوے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۰۳ء میں وہ بیت الدعا تعمیر ہوگیا اور اس کے کل اخراجات شیخ رحمت اللہ صاحب مالک بمبئی ہوس لاہور نے اپنی جیب سے ادا کئے۔ (الحکم ۳۱۔ مارچ ۱۹۰۳ء)

حضرت فقیر صاحب میاں محمود کی کشفی شہادت

بلوچستان میں ایک علاقہ ہے جو بھاگ کہلاتا ہے۔ اس علاقہ میں ایک بزرگ صاحب کشف و کرامت اور ولی اللہ ہوا کرتے تھے جو فقیر صاحب میاں محمود کہلاتے تھے۔ سندھ اور بلوچستان کے لوگ دور دور سے اُن کی زیارت کیلئے آتے اور اُن سے فیض پاتے تھے۔ ایک دفعہ قاضی نظیر حسین صاحب تحصیلدار انچارج نیابت بھاگ بھی اُن سے ملنے چلے گئے۔ وہ اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں (یہ خط ۱۰۔ اگست ۱۹۰۳ء کے الحکم میں شائع شدہ موجود ہے)

"حال میں بتقریب دورہ ۱۵۔ جولائی ۱۹۰۳ء کو جب میں شہر فقیر صاحب سے چند میل کے فاصلہ پر ایک مقام میں پہنچا تو مجھے بتلایا گیا کہ جو ارادہ کیا جائے فقیر صاحب بزرگ کشف اس سے اطلاع پاکر خود بخود اُسے بتلا دیتے ہیں۔ فقیر صاحب کی ملاقات کا پیشتر سے اشتیاق تھا۔ مگر میں یہ سوچتا تھا کہ کس مدعا پر آپ کی ملاقات کی جائے۔ حضور پاک مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت پر تو میں پیشتر سے ہی علیٰ وجہ البصیرت ایمان لا چکا ہوں اور اب اُس میں کسی قسم کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی اور نہ ہے۔ اور اس خیال سے کہ اگر ایسے بزرگ اور صاحب کشف کی شہادت کشفی حضور ممدوح عم کی صداقت دعویٰ پر مل جائے تو منکرین پر حجت ہونے کے علاوہ کیا تعجب کہ بہتوں کے راہ راست پر آنے کا باعث ہو۔ میں نے دل میں ٹھانا کہ فقیر صاحب حضور مسیح موعود عم کے دعویٰ مسیحیت و مہدویت کی نسبت کشفی شہادت سے کیا بتلا سکتے ہیں اور اس پر اپنا کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس ارادہ کو بطور سوال دل میں ٹھانے ہوئے جب میں فقیر صاحب کے مہمانخانہ میں پہنچا تو میری آمد کی اطلاع پاکر بزرگ دستور ملکی مزاج پرسی کے لئے فقیر صاحب نے اپنے بیٹے صاحبزادہ عبدالغفور کو جو قریباً تیس ۳۰ سال کے ہوں گے بھیجدیا۔ بعد احوال مزاج پرسی میں نے خواہش کی کہ میں خود مکان کے اندر جاکر جہاں کہ فقیر صاحب تشریف رکھتے تھے فقیر صاحب سے شرف ملاقات حاصل کروں۔ لاکن فقیر صاحب نے کہلا بھیجا کہ آپ خود باہر آتے ہیں۔ چنانچہ ایک ساعت بعد آپ چارپائی پر لیٹے ہوئے جس کو چھ آدمیوں نے کندھے پر اُٹھایا ہوا تھا تشریف لائے۔ آپ کی عمر قریباً ایک سَو برس کے ہے۔ بباعث ضعف پیری و تقاضائے عمر آپ کے ہاتھ پاؤں رعشہ سے کانپتے تھے۔ ریش بالکل سفید اور چہرہ نورانی

تھا۔ حواس خمسہ بالکل درست اور بجا تھے۔ اور گفتگو معقولیت سے فرماتے تھے۔ مذہب میں اہل سنت والجماعت اور فرقۂ قادریہ کے پابند ہیں۔ اثنائے گفتگو میں جو بہت سے ملکی آدمیوں کے سامنے ہوئی آپ نے مجھ سے استفسار کیا کہ کیا آپ حضرت عیسیٰ (مرزا غلام احمد) کے مرید ہیں۔ جس کا جواب اثبات میں ملنے پر آپ نے اپنا وہ قصہ اور حالت برملا بیان فرمائی جس کو آپ کے صاحبزادہ عبدالغفور نے قلمبند کیا جو بہ لف اس کے خدمت میں بھیجتا ہوں۔ میاں نور احمد سلطان جن کا ذکر اس شہادت قلمبند شدہ میں ہے نہایت مشہور صاحب کشف ولی اللہ ہو گزرے ہیں اور چند سال سے وفات پا چکے ہیں۔ فقیر صاحب حضور مرزا صاحب کے حلیہ اور دیگر حالات متعلقہ کی نسبت ایک گھنٹہ تک جب تک کہ آپ تشریف فرما رہے ذکر اور استفسار فرماتے رہے۔ جوں جوں میں حضرت ممدوح کی زندگی کے پاک حالات بیان کرتا تھا آپ نہایت ہی مسرت سے سنتے اور خوش ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ روانہ ہونے کے وقت آپ نے اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ الحمدللہ کہ میں نے اس دارِ فانی کے چھوڑنے سے پہلے حضور مسیح موعود کا زمانہ پایا۔ خدا کرے کہ آپ کی زیارت بھی مجھے نصیب ہو۔ یہ کہہ کر اندر تشریف لے گئے۔ آپ نے گفتگو میں مجھے کچھ دریافت کرنے کا بہت کم موقعہ دیا۔ اور خود ہی حالات حضور مسیح موعود کی نسبت دریافت فرماتے رہے۔ جب تک بیٹھے رہے مطلق کوئی اور ذکر نہ ہوا۔ پاس ادب سے میں نے زیادہ جرأت نہ کی اور مشکل سے موقعہ پا کر عرض کیا کہ کیا یہ وہی مسیح ہے جس کے آنے کا وعدہ دیا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ "ہاں وہی ہے اور حضرت عیسیٰ سے مشترک بالصفات ہے۔"

اب میں فقیر صاحب کی شہادت جو اُن کے صاحبزادہ عبدالغفور صاحب نے قلمبند کی یہاں درج کرتا ہوں۔ صاحبزادہ عبدالغفور صاحب لکھتے ہیں:۔

"خدا عزّوجل را حاضر و ناظر دانستہ بغرض اظہار صداقت و بطور ادائے شہادت تحریر می نمایم کہ بموجودگی من امروز بالمشافہ قاضی نظیر حسین تحصیلدار صاحب فقیر صاحب میاں محمود احوال بیان نمودہ کہ چہارم سال مے شود کہ ایں جا در لسان عوام الناس قصہ مشہور شدہ کہ در پنجاب مرزا غلام احمد حضرت عیسیٰ پیدا شدہ۔ در ضمیر فقیر خیال افتادہ کہ الحمد للہ کہ خداوند تعالیٰ عجب انسان ظاہر کردہ۔ اما طاقتے نہ بود کہ از بارگاہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم در بابِ صحت ایں عرض شود۔ شبے بہ ایں خیال در خواب رفتہ کہ ناگاہ مرشدئی میاں

نور احمد سلطان در خواب آمده فرمود کہ ہمیں مرد تحقیق بسیار بابرکت است۔ حالا بہ تمام سندھ ثانی نہ دارد۔ واز شے دین زیادتی پذیرد۔ اقرار کنی نہ کہ انکار۔ بعدہ حضرت عیسیٰ مرزا غلام احمد را دیدم کہ دندانش متصل نہ بودند بلکہ اندک مفصل بودند۔ وریش او نورانی ودراز بود وکفش او پاشنہ نہ داشت۔ بعدہ از خواب بیدار شدم۔" تحریر تاریخ ۱۹۔ ماہ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ ہجری۔ الراقم عبد الغفور ابن فقیر محمود (عفا عنہما)"

اس تحریر پر قاضی نظیر حسین صاحب اپنی حلفیہ شہادت بھی تحریر فرماتے ہیں وہو ہٰذا۔

"مَیں خدائے بزرگ کی قسم کھا کر اظہار حق کی غرض سے تصدیق کرتا ہوں کہ فقیر صاحب میاں محمود نے یہ حالات مندرجہ بالا میرے روبرو بیان کئے اور اُن کے صاحبزادہ فقیر عبد الغفور صاحب نے اپنی قلم سے قلمبند کئے کیونکہ فقیر صاحب لکھنے سے معذور ہیں۔ ۱۵۔ جولائی ۱۹۰۳ء"

تذکرۃ الشہادتین

اور

صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب کی شہادت

تذکرۃ الشہادتین تذکرۃ الشہادتین ایک کتاب ہے جو حضرت اقدس مرزا صاحب نے اُردو زبان میں ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو شائع فرمائی اور اس کا فارسی ایڈیشن جولائی ۱۹۰۴ء میں شائع فرمایا کہ افغانستان اور ان ممالک میں جہاں فارسی زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے تبلیغ ہو سکے۔ اس کتاب میں صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب کی قادیان میں آمد اور ان کی کابل میں شہادت کے حالات درج ہیں۔ اور وہ دلائل درج ہیں جو آپ صاحبزادہ عبد اللطیف کے سامنے اپنے دعوے کی صداقت پر وقتاً فوقتاً فرماتے رہے۔

صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب خوست علاقہ حدود کابل میں ایک بہت بڑے رئیس اور بزرگ تھے جن کا نام صاحبزادہ عبد اللطیف تھا۔ یہ بزرگ بڑے عالم وفاضل اور صاحب الہام اور کشف وکرامت تھے تمام علاقہ میں ان کی بزرگی اور ولایت مسلمہ تھی۔ اور افغانستان میں ان کے ہزارہا مرید اور شاگرد تھے اتفاق سے حضرت اقدس مرزا صاحب کی کتب ان کو بھی پہنچ گئیں۔ چونکہ وہ بزرگ نہایت پاک باطن اور اہل علم اور اہل فراست اور خدا ترس اور تقویٰ شعار تھے۔ اس لئے اُن کے دل پر ان دلائل کا قوی اثر ہوا جو حضرت اقدس نے اپنے دعوے کے متعلق تحریر فرمائے تھے۔ اور انہیں حضرت اقدس کے

دعوے کی تصدیق میں ذرا بھی دقت پیش نہیں آئی۔ ان کی پاک کانشنس نے بلا توقف مان لیا کہ یہ شخص منجانب اللہ اور اس کا دعویٰ صحیح ہے[1] کتابوں کو پڑھتے پڑھتے ایسا محبت اور شوق کا جذبہ ان کے دل میں پیدا ہؤا کہ ان کے لئے بغیر ملاقات کے دور بیٹھے رہنا نہایت دشوار ہوگیا۔ آخر اس زبردست کشش اور محبت اور اخلاص کا نتیجہ یہ ہؤا کہ اُنہوں نے حج کا ارادہ کر لیا کہ اس طریق سے حج کو جاتے ہوئے قادیان میں حضرت اقدس سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ چنانچہ اُنہوں نے امیر کابل سے اس سفر کے لئے درخواست کی چونکہ وہ امیر کابل کی نظر میں ایک برگزیدہ عالم اور تمام علما کے سردار سمجھے جاتے تھے یہاں تک کہ امیر کی تاجپوشی کے وقت برکت کے لئے ان سے ہی تاج سر پر رکھوایا گیا تھا۔ اس لئے نہ صرف ان کو اجازت ہوئی بلکہ امداد کے طور پر کچھ روپیہ بھی دیا گیا۔ سو وہ اجازت حاصل کر کے قادیان میں پہنچے اور حضرت اقدس کی زیارت کے بعد ایسا عشق و محبت کا جذبہ ان پر طاری ہؤا کہ بس وہیں کے ہو رہے۔ یہاں تک کہ حج کا وقت بھی نکل گیا۔ کئی ماہ قادیان میں مقیم رہے۔ حضرت اقدس ان کی نسبت اپنی کتاب تذکرۃ الشہادتین میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جب مجھ سے ان کی ملاقات ہوئی تو قسم اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مَیں نے اُن کو اپنی پیروی اور اپنے دعوے کی تصدیق میں ایسا فنا شدہ پایا کہ جس سے بڑھ کر انسان کے لئے ممکن نہیں۔ اور جیسا کہ ایک شیشہ عطر سے بھرا ہؤا ہوتا ہے ایسا ہی میں نے اُن کو اپنی محبت سے بھرا ہؤا پایا۔ اور جیسا کہ ان کا چہرہ نورانی تھا ایسا ہی اُن کا دل مجھے نورانی معلوم ہوتا تھا۔ اس بزرگ مرحوم میں نہایت قابل رشک یہ صفت تھی کہ درحقیقت وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھتے تھے۔ اور وہ درحقیقت ان راستبازوں میں سے تھا جو خدا سے ڈر کر اپنے تقویٰ اور اطاعت الٰہی کو انتہا تک پہنچاتے ہیں۔ اور خدا کے خوش کرنے کے لئے اور اس کی رضا حاصل کرنے کیلئے اپنی جان اور عزت اور مال کو ایک ناکارہ خس و خاشاک کی طرح اپنے ہاتھ سے چھوڑ دینے کو طیار ہوتے ہیں۔ اس کی ایمانی قوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اگر مَیں اس کو ایک بڑے سے بڑے پہاڑ سے تشبیہ دوں تو مَیں ڈرتا ہوں کہ میری تشبیہ ناقص نہ ہو .... اور جب وہ

---

[1] خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کے ایک مرید نے مجھ سے ذکر کیا کہ حضرت اقدس کی کتب دیکھ کر صاحبزادہ عبداللطیف صاحب نے فرمایا کہ مجھ پر پہلے سے یہ کشفی طور پر واضح ہو چکا تھا کہ اس زمانہ میں کسی بڑے عالی پایہ مجدد کا ظہور ہونے والا ہے۔ اور مجھے ایسا وہم گزرتا تھا کہ شاید مَیں ہی نہ وہ شخص ہوں لیکن جب مَیں نے حضرت مرزا صاحب کی کتب پڑھیں تو معًا میرے قلب نے تصدیق کی کہ یہ وہی شخص ہے جس کے ظہور کی عالم روحانیات میں تیاریاں تھیں۔ پھر جب کتب کو زیادہ غور سے پڑھا تو حق بکلی روشن ہوگیا۔

میرے پاس پہنچا تو میں نے اُن سے دریافت کیا کہ کن دلائل سے آپ نے مجھے شناخت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے قرآن ہے جس نے آپ کی طرف میری رہبری کی۔ اور فرمایا کہ میں ایسی طبیعت کا آدمی تھا کہ پہلے سے فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ زمانہ جس میں ہم ہیں اس زمانہ کے اکثر مسلمان اسلامی روحانیت سے بہت دُور جا پڑے ہیں۔ وہ اپنی زبانوں سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے مگر اُن کے دل مومن نہیں۔ اور اُن کے اقوال اور افعال بدعت اور شرک اور انواع و اقسام کی معصیت سے پُر ہیں۔ ایسا ہی بیرونی حملے بھی انتہا تک پہنچ گئے ہیں۔ اور اکثر دل تاریک پردوں میں ایسے بے حس و حرکت ہیں کہ گویا مر گئے ہیں اور وہ دین اور تقویٰ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے جس کی تعلیم صحابہ رضی اللہ عنہم کو دی گئی اور وہ صدق اور یقین اور ایمان جو اس پاک جماعت کو ملا تھا بلاشبہ اب وہ بباعث کثرت غفلت کے مفقود ہے اور شاذ و نادر حکم معدوم کا رکھتا ہے۔ ایسا ہی دیکھ رہا تھا کہ اسلام ایک مردہ کی حالت میں ہو رہا ہے۔ اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ پردہ غیب سے کوئی منجانب اللہ مجدد دین پیدا ہو۔ بلکہ میں روز بروز اس اضطراب میں تھا کہ وقت تنگ ہوتا جاتا ہے۔ اُنہیں دنوں میں یہ آواز میرے کانوں تک پہنچی کہ ایک شخص نے قادیان ملک پنجاب میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور میں نے بڑی کوشش سے چند کتابیں آپ کی تالیف کردہ بہم پہنچائیں اور انصاف کی نظر سے ان پر غور کر کے پھر قرآن کریم پر اُن کو عرض کیا تو قرآن شریف کو ان کے ہر ایک بیان کا مصدق پایا۔ الخ،،

صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب کے بیان کے بعد حضرت اقدس نے وہ دلائل اس کتاب تذکرۃ الشہادتین میں درج کئے ہیں جو وقتاً فوقتاً آپ صاحبزادہ صاحب موصوف کے سامنے پیش کرتے رہے۔ یہاں نقل کرنے کا موقعہ نہیں۔ البتہ ان دلائل میں سے ایک دلیل میں مجھے بہت لذت آئی جسے میں یہاں نقل کر دینے میں ہرج نہیں سمجھتا۔ فرماتے ہیں:۔

”ما سوا اس کے قرآن شریف کے رُو سے یہ اُمت خیر الامم کہلاتی ہے۔ پس اس کی اس سے زیادہ بے عزتی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ یہودی بننے کے لئے تو یہ اُمت ہو مگر عیسیٰ باہر سے آوے۔ اگر یہ سچ ہے کہ کسی زمانہ میں اکثر علما اس امت کے یہودی بن جائیں گے یعنی یہود خصلت ہو جائیں گے تو پھر یہ بھی سچ ہے کہ ان یہود کے درست کرنے کیلئے عیسیٰ باہر سے نہیں آئے گا بلکہ جیسا کہ بعض افراد کا نام یہود رکھا گیا ہے۔ ایسا ہی اس کے مقابل پر ایک فرد کا نام عیسیٰ بھی رکھا جائیگا ؟؟

اس کے بعد آپ نے اپنے مسیح محمدی ہونے کے ثبوت میں سولہ[۱۶] مشابہتیں بتائی ہیں جو آپ میں اور

مسیح ابن مریم میں ہیں جن سے آپ کا مثیل مسیح ہونا اظہر من الشمس ہو جاتا ہے۔

صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی قادیان سے روانگی

صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کئی ماہ قادیان ٹھیرے رہے۔ اور حضرت اقدس مرزا صاحب کے فیضِ صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ اُن کے ایک رفیق احمد نور صاحب کا بیان ہے کہ انہیں قادیان میں بار بار یہ الہام ہؤا کہ "اس راہ میں اپنا سر دیدے اور دریغ نہ کر۔ کہ خدا نے کابل کی زمین کی بھلائی کے لئے یہی چاہا ہے"۔ ایک دفعہ فرمایا کہ مجھے الہام ہوتا ہے کہ آسمان شور کر رہا ہے۔ اور زمین اس شخص کی طرح کانپ رہی ہے جو تپ لرزہ میں گرفتار ہو۔ دنیا اس کو نہیں جانتی یہ امر ہونیوالا ہے"۔ آخرکار اشارۂ غیبی کے ماتحت اُنہوں نے قادیان سے چلنے کا ارادہ کیا۔ اور حضرت اقدس سے رخصت ہوئے۔ حضرت اقدس مشایعت کے طور پر قادیان سے باہر دور تک ان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ جب رخصت ہونے لگے تو صاحبزادہ عبداللطیف صاحب پر سخت رقت طاری ہوئی اور بے اختیار حضرت اقدس کے قدموں پر گر گئے۔ حضرت اقدس کبھی کسی کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ کوئی شخص آپ کے پیروں کو یا گھٹنوں کو تعظیماً ہاتھ لگاتے۔ ایک دفعہ ایک سرحدی نوجوان آپ کے قدموں پر جھکا تو آپ نے فوراً روک دیا اور فرمایا کہ "خدا کے فرستادے دنیا سے شرک مٹانے آتے ہیں نہ کہ اپنے آپ کو سجدہ کروانے"۔ جب صاحبزادہ عبداللطیف صاحب رقت سے بیقرار ہو کر آپ کے قدموں پر گرے تو ایک دفعہ آپ بھی بیقرار ہو گئے اور بمشکل سے اپنی طبیعت کو ضبط کیا اور پھر اُنہیں اُٹھنے کے لئے فرمایا۔ لیکن وہ بدستور اسی طرح پڑے رہے تو آپ نے فرمایا الامر فوق الادب۔ تو صاحبزادہ صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میری بیتابی اور بیقراری کی وجہ یہ ہے کہ میرے دل کو یقین ہے کہ اس زندگی میں مَیں پھر آپ کو نہیں دیکھوں گا۔ یہ آپ کا اب آخری دیدار ہے جو مَیں کر رہا ہوں"۔ غرضکہ با چشم گریاں وہ رخصت ہوئے۔ رستہ میں لاہور شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم کے پاس ٹھیرے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب فرماتے تھے کہ اُن کی اور اُن کے رفقا کی لاہور کے ایک بہت بڑے رئیس نے دعوت کی۔ ہم لوگ بھی مدعو تھے۔ جب کھانے کے لئے اُن کے مکان پر گئے تو انہوں نے ایک بڑے کمرہ میں ایک دسترخوان پر کھانا پہلے سے چُن دیا ہؤا تھا۔ ہم لوگ جب اس کمرہ میں داخل ہو کر دسترخوان پر بیٹھے تو یکایک صاحبزادہ عبداللطیف صاحب اُٹھ کر چل پڑے اور مُنہ سے کہتے جاتے تھے کہ گو۔ گو۔ گو۔ ہم لوگ گھبرا گئے۔ پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔ فرمانے لگے ہر رکابی میں بجائے کھانے کے پاخانہ رکھا ہؤا ہے۔ مَیں نہیں کھا سکتا۔ ہم نے عرض کیا کہ حضرت! وہاں تو پلاؤ۔ زردہ رکھا ہؤا ہے۔ فرمانے لگے۔ قطعاً نہیں۔ ہر رکابی میں پاخانہ پڑا ہؤا ہے۔ مَیں نہیں کھا سکتا۔ غرضکہ ہم سب

لوگ بغیر کھانا کھائے واپس چلے آئے۔ میزبان بہت متاثر ہوُا۔ اور بجائے خفا ہونے کے اُس نے اقرار کیا کہ وہ سُود لیا کرتا ہے۔ اور یہ ساری دعوت اُسی سودی روپے سے کی تھی۔ غرضیکہ ہم سب لوگ صاحبزادہ صاحب کی کشفی نظر کے حد سے زیادہ معتقد ہو گئے"۔ لاہور سے چل کر صاحبزادہ صاحب اپنے وطن خوست تشریف لے گئے۔ لیکن رستہ میں بار بار اپنے شاگردوں سے کہتے تھے کہ کابل کی زمین اپنی اصلاح کے لئے میرے خون کی محتاج ہے۔ اور یہ بات سچ تھی کیونکہ ایک لاکھ اشتہار بھی حضرت اقدس کے دعوے کے متعلق افغانستان میں تقسیم کئے جاتے تو وہ تبلیغ نہ ہوتی جو اُن کی شہادت سے ہوئی۔ اور آئندہ کیا نتائج ظاہر ہوں گے اس کا اللہ کو علم ہے۔ چونکہ آگے کے حالات حضرت اقدس نے خود قلمبند کئے ہیں اس لئے مَیں تذکرۃ الشہادتین سے ہی اقتباسات نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

شہادت مولوی صاحبزادہ عبداللطیف صاحب

حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں:-

"ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مولوی صاحب خوست علاقہ کابل سے قادیان میں آکر کئی مہینہ میرے پاس اور میری صحبت میں رہے۔ پھر بعد اس کے جب آسمان پر یہ امر قطعی فیصلہ پا چکا کہ وہ درجۂ شہادت پاویں تو اس کے لئے یہ تقریب پیدا ہوئی کہ وہ مجھ سے رخصت ہو کر اپنے وطن کی طرف واپس تشریف لے گئے۔ اب جیسا کہ معتبر ذرائع سے اور خاص دیکھنے والوں کی معرفت مجھے معلوم ہوُا ہے قضا و قدر سے یہ صورت پیش آئی کہ مولوی صاحب جب سرزمین علاقہ ریاست کابل کے نزدیک پہنچے تو علاقہ انگریزی میں ٹھیر کر برگیڈیر محمد حسین کوتوال کو جو اُن کا شاگرد تھا ایک خط لکھا کہ اگر آپ امیر صاحب سے میرے آنے کی اجازت حاصل کر کے مجھے اطلاع دیں تو امیر صاحب[1] کے پاس بمقام کابل میں حاضر ہو جاؤں۔ بلا اجازت اس لئے تشریف نہ لے گئے کہ وقت سفر امیر صاحب کو یہ اطلاع دی تھی کہ مَیں حج کو جاتا ہوں۔ مگر وہ ارادہ قادیان میں بہت دیر تک ٹھیرنے سے پُورا نہ ہو سکا۔ اور وقت ہاتھ سے جاتا رہا ...... سو انہوں نے مناسب سمجھا کہ برگیڈیر محمد حسین کو خط لکھا جائے تا وہ مناسب موقعہ پر اصل حقیقت مناسب لفظوں میں امیر کے گوش گزار کر دیں۔ اور اس خط میں یہ لکھا کہ اگرچہ مَیں حج کے لئے روانہ ہوُا تھا مگر مسیح موعود کی مجھے زیارت ہو گئی۔ اور چونکہ مسیح کے ملنے کے لئے اور اس کی اطاعت مقدم رکھنے کے لئے خدا و رسولؐ کا حکم ہے۔ اس مجبوری سے مجھے قادیان ٹھیرنا پڑا اور مَیں نے اپنی طرف سے یہ کام نہ کیا بلکہ قرآن اور حدیث کے رو سے اسی

[1] اس زمانہ میں بادشاہ افغانستان امیر کابل کہلاتا تھا۔ اور اُن دنوں حبیب اللہ خاں امیر کابل یعنی بادشاہ افغانستان تھا۔ (ناقل)

امر کو ضروری سمجھا۔ جب یہ خط برگیڈیر محمد حسین کوتوال کو پہنچا تو اُس نے وہ خط اپنے زانو کے نیچے رکھ لیا اور اس وقت پیش نہ کیا۔ مگر اُس کے نائب کو جو مخالف اور شریر آدمی تھا کسی طرح پتہ لگ گیا کہ یہ مولوی صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کا خط ہے اور وہ قادیان میں ٹھیرے رہے۔ تب اس نے وہ خط کسی تدبیر سے نکال لیا اور امیر صاحب کے آگے پیش کر دیا۔ امیر صاحب نے برگیڈیر محمد حسین کوتوال سے دریافت کیا کہ کیا یہ خط آپ کے نام آیا ہے۔ اس نے امیر کے موجودہ غیظ و غضب سے خوف کھا کر انکار کر دیا۔ پھر ایسا اتفاق ہوا کہ مولوی صاحب شہید نے کئی دن پہلے خط کے جواب کا انتظار کر کے ایک اور خط بذریعہ ڈاک محمد حسین کوتوال کو لکھا۔ وہ خط افسر ڈاک خانہ نے کھول لیا اور امیر صاحب کو پہنچا دیا۔ چونکہ قضاو قدر سے مولوی صاحب کی شہادت مقدر تھی اور آسمان پر وہ برگزیدہ بزمرۂ شہدا داخل ہو چکا تھا۔ اس لئے امیر صاحب نے اُن کے بلانے کے لئے حکمت عملی سے کام لیا اور اُن کی طرف خط لکھا کہ آپ بلاخطرہ چلے آؤ۔ اگر یہ دعوٰے سچّا ہوگا تو مَیں بھی مرید ہو جاؤں گا۔ بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ خط امیر صاحب نے ڈاک میں بھیجا تھا یا دستی روانہ کیا تھا۔ بہرحال اس خط کو دیکھ کر مولوی صاحب موصوف کابل کی طرف روانہ ہو گئے اور قضاو قدر نے نازل ہونا شروع کر دیا۔ راویوں نے بیان کیا ہے کہ جب شہید مرحوم کابل کے بازار سے گذرے تو گھوڑے پر سوار تھے اور اُن کے پیچھے آٹھ سرکاری سوار تھے۔ اور اُن کی تشریف آوری سے پہلے عام طور پر کابل میں مشہور تھا کہ امیر صاحب نے اخوندزادہ صاحب کو دھوکا دیکر بلایا ہے۔ اب بعد اس کے دیکھنے والوں کا یہ بیان ہے کہ جب اخوندزادہ صاحب مرحوم بازار سے گزرے تو ہم اور دوسرے بہت سے بازاری لوگ ساتھ چلے گئے۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ آٹھ سرکاری سوار خوست سے ہی ان کے ہمراہ کئے گئے تھے۔ کیونکہ ان کے خوست میں پہنچنے سے پہلے حکم سرکاری ان کے گرفتار کرنے کے لئے حاکم خوست کے نام آچکا تھا۔ غرض جب امیر صاحب کے روبرو پیش کئے گئے تو مخالفوں نے پہلے سے ہی ان کے مزاج کو بہت کچھ متغیر کر رکھا تھا۔ اس لئے وہ بہت ظالمانہ جوش سے پیش آئے اور حکم دیا کہ مجھے ان سے بُو آتی ہے ان کو فاصلہ پر کھڑا کرو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد حکم دیا کہ ان کو اس قلعہ میں جس میں خود امیر صاحب رہتے ہیں قید کر دو اور زنجیر غراغراب لگا دو۔ یہ زنجیر وزنی ایک من چوبیس سیر انگریزی کی ہوتی ہے۔ گردن سے کمر تک گھیر لیتی ہے اور اُس میں ہتھکڑی بھی شامل ہے۔ اور نیز حکم دیا کہ پاؤں میں بیڑی وزنی

آٹھ سیر انگریزی کی لگا دو۔ پھر اس کے بعد مولوی صاحب مرحوم چار[1] مہینہ قید میں رہے اور اس عرصہ میں کئی دفعہ ان کو امیر کی طرف سے فہمائش ہوئی کہ اگر تم اس خیال سے توبہ کرو۔ کہ قادیانی درحقیقت مسیح موعود ہے تو تمہیں رہائی دی جائے گی۔ مگر ہر ایک مرتبہ اُنہوں نے یہی جواب دیا کہ میں صاحب علم ہوں اور حق اور باطل کی شناخت کرنے کی خدا نے مجھے قوت عطا کی ہے۔ میں نے پُوری تحقیق سے معلوم کر لیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مسیح موعود ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میرے اس پہلو کے اختیار کرنے میں میری جان کی خیر نہیں ہے اور میرے اہل و عیال کی بربادی ہے۔ مگر میں اس وقت اپنے ایمان کو اپنی جان اور ہر ایک دنیوی راحت پر مقدم سمجھتا ہوں۔ شہید مرحوم نے نہ ایک دفعہ بلکہ قید ہونے کی حالت میں بارہا یہی جواب دیا۔ اور یہ قید انگریزی قید کی طرح نہیں تھی جس میں انسانی کمزوری کا کچھ کچھ لحاظ رکھا جاتا ہے بلکہ ایک سخت قید تھی جس کو انسان موت سے بدتر سمجھتا ہے۔ اس لئے لوگوں نے شہید موصوف کی اس استقامت اور استقلال کو نہایت تعجب سے دیکھا۔ اور درحقیقت تعجب کا مقام تھا کہ ایسا جلیل الشان شخص کہ جو کئی لاکھ رُپے کی ریاست کابل میں جاگیر رکھتا تھا۔ اور اپنے فضائل علمی اور تقوے کی وجہ سے گویا تمام سرزمین کابل کا پیشوا تھا۔ اور قریباً پچاس برس کی عمر تک تنعم اور آرام میں زندگی بسر کی تھی۔ اور بہت سا اہل و عیال اور عزیز اور فرزند رکھتا تھا۔ پھر یکدفعہ وہ ایسی سنگین قید میں ڈالا گیا جو موت سے بدتر تھی اور جس کے تصور سے بھی انسان کے بدن پر لرزہ پڑتا ہے۔ ایسا نازک اندام اور نعمتوں کا پروردہ انسان اور وہ اُس رُوح کے گداز کرنے والی قید میں صبر کر سکے۔ اور جان کو ایمان پر فدا کرے! بالخصوص جس حالت میں کہ امیر کابل کی طرف سے بار بار اُن کو پیغام پہنچتا تھا کہ اس قادیانی شخص کے تصدیق دعویٰ سے انکار کر دو تو تم ابھی عزت سے رہا کئے جاؤ گے۔ مگر اس قوی الایمان بزرگ نے اس بار بار کے وعدہ کی کچھ بھی پروا نہ کی۔ اور بار بار یہی جواب دیا کہ مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ میں ایمان پر دنیا کو مقدم رکھ لوں اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ جس کو میں نے خوب شناخت کر لیا اور ہر ایک طرح سے تسلی کر لی۔ اپنی موت کے خوف سے اس کا انکار کر دوں۔ یہ انکار تو مجھ سے نہیں ہوگا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ میں نے حق پا لیا ہے۔ اس لئے چند روزہ زندگی کے لئے مجھ سے یہ بے ایمانی نہیں ہوگی کہ اس

---

[1] حضرت اقدس نے اسی کتاب میں آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ "میاں احمد نور کہتے ہیں کہ مولوی صاحب موصوف ڈیڑھ ماہ تک قید میں رہے۔ اور پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ چار ماہ تک قید میں رہے۔ یہ اختلاف روایت ہے۔ اصل واقعہ میں سب متفق ہیں"

ثابت شدہ حق کو چھوڑ دوں۔ میں جان چھوڑنے کے لئے طیار ہوں اور فیصلہ کر چکا ہوں۔ مگر حق میرے ساتھ جائے گا۔ اس بزرگ کے بار بار کے یہ جواب ایسے تھے کہ سرزمین کابل کبھی اُن کو فراموش نہیں کرے گی۔ اور کابل کے لوگوں نے اپنی تمام عمر میں یہ نمونہ ایمانداری اور استقامت کا کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ اس جگہ یہ بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ کابل کے امیروں کا یہ طریق نہیں ہے کہ اس قدر بار بار وعدہ معافی دیکر ایک عقیدہ کے چھڑانے کے لئے توجہ دلائیں۔ لیکن مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم کی یہ خاص رعایت اس وجہ سے تھی کہ وہ ریاست کابل کا گویا ایک بازو تھا۔ اور ہزارہا انسان اس کے معتقد تھے۔ اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں وہ امیر کابل کی نظر میں اس قدر منتخب عالم فاضل تھا کہ تمام علما میں آفتاب کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ پس ممکن ہے کہ امیر کو بجائے خود یہ رنج بھی ہو کہ ایسا برگزیدہ انسان علمار کے اتفاق رائے سے ضرور قتل کیا جائے گا۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ آجکل ایک طور سے عنان حکومت کابل کی مولویوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور جس بات پر مولوی لوگ اتفاق کرلیں پھر ممکن نہیں کہ امیر اس کے برخلاف کچھ کرسکے۔ پس یہ امر قرین قیاس ہے کہ ایک طرف اس امیر کو مولویوں کا خوف تھا اور دوسری طرف شہید مرحوم کو بے گناہ دیکھتا تھا۔ پس یہی وجہ ہے کہ وہ قید کی تمام مدت میں یہی ہدایت کرتا رہا کہ آپ اس شخص قادیانی کو مسیح موعود مت مانیں اور اس عقیدہ سے توبہ کریں تب آپ عزت سے رہا کر دیئے جائیں گے۔ اور اسی نیت سے اس نے شہید مرحوم کو اس قلعہ میں قید کیا تھا جس قلعہ میں وہ آپ رہتا تھا تا متواتر فہمائش کا موقعہ ملتا رہے ...... جب چار مہینے قید کے گزر گئے تب امیر نے اپنے روبرو شہید مرحوم کو بلا کر پھر اپنی عام کچہری میں توبہ کیلئے فہمایش کی اور بڑے زور سے رغبت دی کہ اگر تم اب بھی قادیانی کی تصدیق اور اس کے اصولوں کی تصدیق سے میرے روبرو انکار کرو تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی اور تم عزت کے ساتھ چھوڑے جاؤ گے۔ شہید مرحوم نے جواب دیا یہ تو غیر ممکن ہے کہ میں سچائی سے توبہ کروں۔ اس دنیا کے حکام کا عذاب تو موت تک ختم ہو جاتا ہے لیکن میں اُس سے ڈرتا ہوں جس کا عذاب کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ ہاں چونکہ میں سچ پر ہوں اس لئے چاہتا ہوں کہ ان مولویوں سے جو میرے عقیدہ کے مخالف ہیں میری بحث کرائی جائے۔ اگر میں دلائل کے رُو سے جھوٹا نکلا تو مجھے سزا دی جائے ......

امیر نے اس بات کو پسند کیا اور مسجد شاہی میں خان مُلا خاں اور آٹھ مُفتی بحث کے لئے منتخب کئے گئے۔ اور ایک لاہوری ڈاکٹر جو پنجابی ہونے کی وجہ سے سخت مخالف تھا بطور ثالث کے

مقرر کر کے بھیجا گیا۔ بحث کے وقت مجمع کثیر تھا اور دیکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اُس بحث کے وقت موجود تھے۔ مباحثہ تحریری تھا۔ صرف تحریر ہوتی تھی۔ اور کوئی بات حاضرین کو سُنائی نہیں جاتی تھی۔ اس لئے اس مباحثہ کا کچھ حال معلوم نہیں ہؤا۔ سات بجے صبح سے تین بجے سہ پہر تک مباحثہ جاری رہا۔ پھر جب عصر کا آخری وقت ہؤا تو کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ اور آخر بحث میں شہید مرحوم سے یہ بھی پوچھا گیا کہ اگر مسیح موعود یہی قادیانی شخص ہے تو پھر تم عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا کہتے ہو۔ کیا وہ واپس دنیا میں آئیں گے یا نہیں۔ تو اُنہوں نے بڑی استقامت سے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اب وہ ہرگز واپس نہیں آئیں گے۔ قرآن کریم اُن کے مرنے اور واپس نہ آنے کا گواہ ہے۔ تب تو وہ لوگ ان مولویوں کی طرح جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی بات کو سُن کر اپنے کپڑے پھاڑ دیئے تھے گالیاں دینے لگے اور کہا اب اس شخص کے کفر میں کیا شک رہا۔ اور بڑی غضبناک حالت میں یہ کفر کا فتویٰ لکھا گیا۔ پھر بعد اس کے اخوندزادہ حضرت شہید مرحوم اسی طرح پابہ زنجیر ہونے کی حالت میں قید خانہ میں بھیجے گئے۔ اور اس جگہ یہ بات بیان کرنے سے رہ گئی ہے کہ جب شاہزادہ مرحوم کی ان بدقسمت مولویوں سے بحث ہو رہی تھی تب آٹھ آدمی برہنہ تلواریں لیکر شہید مرحوم کے سر پر کھڑے تھے۔ پھر بعد اس کے وہ فتویٰ کفر رات کے وقت امیر صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا اور یہ چالاکی کی گئی کہ مباحثہ کے کاغذات ان کی خدمت میں عمداً نہ بھیجے گئے۔ اور نہ عوام پر ان کا مضمون ظاہر کیا گیا۔ یہ صاف اس بات پر دلیل تھی کہ مخالف مولوی شہید مرحوم کے ثبوت پیش کردہ کا کوئی رد نہ کر سکے۔ مگر افسوس امیر پر کہ اس نے کفر کے فتوے پر ہی حکم لگا دیا۔ اور مباحثہ کے کاغذ طلب نہ کئے۔ حالانکہ اُس کو چاہئے تو یہ تھا کہ اس عادل حقیقی سے ڈر کر جس کی طرف عنقریب تمام دولت و حکومت کو چھوڑ کر واپس جائیگا خود مباحثہ کے وقت حاضر ہوتا۔ بالخصوص جبکہ وہ جانتا تھا کہ اس مباحثہ کا نتیجہ ایک معصوم بیگناہ کی جان ضائع کرنا ہے تو اس صورت میں مقتضا خدا ترسی کا یہی تھا کہ بہر حال اُفتاں و خیزاں اس مجلس میں جاتا اور نیز چاہیئے تھا کہ قبل ثبوت کسی جُرم کے اُس شہید مظلوم پر یہ سختی روا نہ رکھتا کہ ناحق ایک مدت تک قید کے عذاب میں اُن کو رکھتا۔ اور زنجیروں اور ہتھکڑیوں کے شکنجہ میں اس کو دبایا جاتا۔ اور آٹھ سپاہی برہنہ شمشیروں کے ساتھ اس کے سر پر کھڑے کئے جاتے اور اس طرح ایک عذاب اور رعب میں ڈال کر اس کو ثبوت دینے سے روکا جاتا۔ پھر اگر اُس نے ایسا نہ کیا تو عادلانہ حکم دینے کے لئے یہ تو اُس کا فرض تھا کہ کاغذات مباحثہ کے اپنے حضور

طلب کرتا۔ بلکہ پہلے سے یہ تاکید کر دیتا کہ کاغذات مباحثہ کے میرے پاس بھیج دینے چاہئیں......

بعد اس کے کہ فتویٰ کفر لگا کر شہید مرحوم قید خانہ میں بھیجا گیا۔ صبح روز شنبہ کو شہید موصوف کو سلام خانہ یعنی خاص مکان دربار امیر صاحب میں بلایا گیا۔ اس وقت بھی بڑا مجمع تھا۔ امیر صاحب جب ارک یعنی قلعہ سے نکلے تو راستہ میں شہید مرحوم ایک جگہ بیٹھے تھے اُن کے پاس ہو کر گزرے اور پوچھا کہ اخوندزادہ صاحب کیا فیصلہ ہؤا۔ شہید مرحوم کچھ نہ بولے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان لوگوں نے ظلم پر کمر باندھی ہے۔ مگر سپاہیوں میں سے کسی نے کہا کہ ملامت ہو گیا یعنی کفر کا فتویٰ لگ گیا۔ پھر امیر صاحب اپنے اجلاس پر آئے تو اجلاس میں بیٹھتے ہی پہلے اخوندزادہ صاحب مرحوم کو بلایا اور کہا کہ آپ پر کفر کا فتویٰ لگ گیا ہے۔ اب کہو کہ کیا توبہ کرو گے یا سزا پاؤ گے۔ تو انہوں نے صاف لفظوں میں انکار کیا اور کہا کہ مَیں حق سے توبہ نہیں کر سکتا۔ کیا مَیں جان کے خوف سے باطل کو مان لوں یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ تب امیر نے دوبارہ توبہ کیلئے کہا اور توبہ کی حالت میں بہت اُمید دلائی اور وعدۂ معافی دیا۔ مگر شہید موصوف نے بڑے زور سے انکار کیا۔ اور کہا کہ مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ مَیں سچائی سے توبہ کروں ......

شہید مرحوم ہر ایک فہمائش کا زور سے انکار کرتا تھا اور وہ اپنے لئے فیصلہ کر چکا تھا کہ ضرور ہے کہ مَیں اس راہ میں جان دوں۔ تب اس نے یہ بھی کہا کہ مَیں بعد قتل چھ روز تک پھر زندہ ہو جاؤں گا۔ یہ راقم کہتا ہے کہ یہ قول وحی الٰہی کی بنا پر ہو گا جو اُس وقت ہوئی ہو گی۔ کیونکہ اُس وقت شہید مرحوم منقطعین میں داخل ہو چکا تھا اور فرشتے اس سے مصافحہ کرتے تھے۔ تب فرشتوں سے یہ خبر پا کر ایسا اُس نے کہا اور اس قول کے یہ معنے تھے کہ وہ زندگی جو اولیا اور ابدال کو دی جاتی ہے چھ روز تک مجھے مل جائے گی۔ اور قبل اس کے جو خدا کا دن آوے یعنی ساتواں دن مَیں زندہ ہو جاؤں گا۔ اور یاد رہے کہ اولیاء اللہ اور وہ خاص لوگ جو خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں وہ چند دنوں کے بعد پھر زندہ کئے جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء یعنی تم اُن کو مردے مت خیال کرو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں وہ تو زندے ہیں۔ پس شہید مرحوم کا اسی مقام کی طرف اشارہ تھا۔ اور مَیں نے ایک کشفی نظر میں دیکھا کہ ایک درخت سرو کی ایک بڑی لمبی شاخ جو نہایت خوبصورت اور سرسبز تھی ہمارے باغ میں سے کاٹی گئی ہے۔ اور وہ ایک شخص کے ہاتھ میں ہے تو کسی نے کہا کہ اس شاخ کو اس زمین میں جو میرے مکان کے قریب ہے

اُس بیری کے پاس لگادو جو اس سے پہلے کاٹی گئی تھی۔ اور پھر دوبارہ اُگ گی۔ اور ساتھ ہی مجھے یہ وحی الٰہی ہوئی کہ کابل سے کاٹا گیا اور سیدھا ہماری طرف آیا۔ اس کی مَیں نے یہ تعبیر کی کہ تخم کی طرح شہید مرحوم کا خون زمین پر پڑا ہے اور وہ بہت بارور ہوکر ہماری جماعت کو بڑھا دیگا۔ اس طرف مَیں نے یہ خواب دیکھی اور اس طرف شہید مرحوم نے کہا کہ چھ روز تک مَیں زندہ کیا جاؤنگا میری خواب اور شہید مرحوم کے اس قول کا مآل ایک ہی ہے۔ شہید مرحوم نے مرکر میری جماعت کو ایک نمونہ دیا ہے اور درحقیقت میری جماعت ایک بڑے نمونہ کی محتاج تھی.......

جب شہید مرحوم نے ہر ایک مرتبہ توبہ کرنے کی فہمائش پر توبہ کرنے سے انکار کیا تو امیر نے اُن سے مایوس ہوکر اپنے ہاتھ سے ایک لمبا چوڑا کاغذ لکھا اور اس میں مولویوں کا فتویٰ درج کیا اور اور اس میں یہ لکھا کہ ایسے کافر کی سنگسار کرنا سزا ہے۔ تب وہ فتویٰ اخوندزادہ مرحوم کے گلے میں لٹکا دیا گیا اور پھر امیر نے حکم دیا کہ شہید مرحوم کے ناک میں چھید کرکے اس میں رسی ڈال دی جائے اور اُس رسّی سے شہید مرحوم کو کھینچ کر مقتل یعنی سنگسار کرنے کی جگہ تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ اس ظالم امیر کے حکم سے ایسا ہی کیا گیا۔ اور ناک کو چھید کر سخت عذاب کے ساتھ اس میں رسی ڈالی گئی۔ تب اس رسی کے ذریعہ سے شہید مرحوم کو نہایت ٹھٹھے ہنسی اور گالیوں اور لعنت کے ساتھ مقتل تک لے گئے۔ اور امیر اپنے تمام مصاحبوں کے ساتھ اور مع قاضیوں مفتیوں اور دیگر اہلکارو ں کے یہ دردناک نظارہ دیکھتا ہوا مقتل تک پہنچا۔ اور شہر کی ہزارہا مخلوق جن کا شمار کرنا مشکل ہے اس تماشہ کے دیکھنے کے لئے گئی۔ جب مقتل پر پہنچے تو شاہزادہ مرحوم کو کمر تک زمین میں گاڑ دیا اور پھر اس حالت میں جبکہ وہ کمر تک زمین میں گاڑ دیئے گئے تھے۔ امیر اُن کے پاس گیا اور کہا کہ اگر تو قادیانی سے جو مسیح موعود کا دعویٰ کرتا ہے انکار کرے تو اب بھی مَیں تجھے بچا لیتا ہوں۔ اب تیرا آخری وقت ہے۔ اور یہ آخری موقعہ ہے جو تجھے دیا جاتا ہے۔ اور اپنی جان اور اپنے عیال پر رحم کر۔ تب شہید مرحوم نے جواب دیا کہ نعوذ باللہ سچائی سے کیونکر انکار ہوسکتا ہے اور جان کیا حقیقت ہے اور عیال و اطفال کیا چیز ہیں جن کے لئے مَیں ایمان کو چھوڑ دوں۔ مجھ سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا اور مَیں حق کے لئے مروں گا۔ تب قاضیوں اور مفتیوں نے شور مچایا کہ کافر ہے کافر ہے اس کو جلد سنگسار کرو۔ اُس وقت امیر اور اس کا بھائی نصراللہ خاں اور قاضی اور عبدالاحد کمیدان یہ لوگ سوار تھے اور باقی تمام لوگ پیادہ تھے۔ جب ایسی نازک حالت میں شہید مرحوم نے بار بار کہہ دیا کہ مَیں ایمان کو جان پر مقدم رکھتا ہوں۔ تب امیر نے قاضی

کو حکم دیا کہ پہلا پتھر تم چلاؤ کہ تم نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ قاضی نے کہا کہ آپ بادشاہِ وقت ہیں۔ آپ چلاویں۔ تب امیر نے جواب دیا کہ شریعت کے تم ہی بادشاہ ہو اور تمہارا ہی فتویٰ ہے اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔ تب قاضی نے گھوڑے سے اُتر کر ایک پتھر چلایا جس پتھر سے شہید مرحوم کو زخم کاری لگا۔ اور گردن جُھک گئی۔ پھر بعد اس کے بدقسمت امیر نے اپنے ہاتھ سے پتھر چلایا پھر کیا تھا اس کی پیروی سے ہزاروں پتھر اس شہید پر پڑنے لگے۔ اور کوئی حاضرین میں سے ایسا نہ تھا جس نے اس شہید مرحوم کی طرف پتھر نہ پھینکا ہو۔ یہاں تک کہ کثرت پتھروں سے شہید مرحوم کے سر پر ایک کوٹھا پتھروں کا جمع ہو گیا۔ پھر امیر نے واپس ہونے کے وقت کہا کہ یہ شخص کہتا تھا کہ مَیں چھ روز تک زندہ ہو جاؤں گا۔ اس پر چھ روز تک پہرہ رہنا چاہئے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ظلم یعنی سنگسار کرنا ۱۴ جولائی (۱۹۰۳ء) کو وقوع میں آیا۔ اس بیان میں اکثر حصہ ان لوگوں کا ہے جو اس سلسلہ کے مخالف تھے۔ جنہوں نے یہ بھی اقرار کیا کہ ہم نے بھی پتھر مارے تھے۔ اور بعض ایسے آدمی بھی اس بیان میں داخل ہیں کہ شہید مرحوم کے پوشیدہ شاگرد تھے......

شاہزادہ عبد اللطیف کے لئے جو شہادت مقدر تھی وہ ہو چکی۔ اب ظالم کا پاداش باقی ہے[۱]

[۱] خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ ظالم کو پاداش تو ایسی ملی جو موجب صد عبرت ہے۔ امیر حبیب اللہ خاں جس نے سنگسار کروایا تھا اپنے بھائی کی سازش سے قتل ہوا۔ پھر نصر اللہ خاں جس کا صاحبزادہ عبد اللطیف مرحوم کے قتل میں سب سے زیادہ ہاتھ تھا خود قید خانہ میں ڈالا گیا اور آخر کار وہیں قتل کیا گیا۔ پنجابی ڈاکٹر عبد الغنی جو مباحثہ میں ثالث تھا اور جس کی مخالفت اور شرارت نے اس واقعہ میں بہت بڑا کام کیا تھا۔ اس کی گورنمنٹ کابل کے خلاف باغیانہ سازش کا راز افشا ہوا اور وہ قید خانہ میں ڈالا گیا جہاں وہ ایک عرصہ تک طرح طرح کی اذیتیں سہتا رہا۔ اور آخر کار کسی طرح بھاگ کر جان بچائی اور بحال تباہ ہندوستان واپس آیا۔ پتھر چلانیوالے قاضیوں اور ملانوں پر جو تباہی اور ہلاکت انقلاب افغانستان کے زمانہ میں آئی وہ سخت عبرتناک ہے۔ لیکن اتنا ہی نہیں۔ حضرت اقدس مرزا صاحب نے اسی کتاب تذکرۃ الشہادتین میں تحریر فرمایا تھا کہ:۔

"اور کابل کی زمین دیکھ لے گی کہ یہ خون کیسے کیسے پھل لائے گا۔ یہ خون کبھی ضائع نہیں جائیگا۔ پہلے اس سے غریب عبد الرحمٰن میری جماعت کا ظلم سے مارا گیا اور خدا چپ رہا مگر اس خون پر اب وہ چپ نہیں رہیگا۔ اور بڑے بڑے نتائج ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ سنا گیا ہے کہ جب شہید مرحوم کو ہزاروں پتھروں سے قتل کیا گیا تو انہیں دنوں میں سخت ہیضہ کابل میں پھوٹ پڑا اور بڑے بڑے ریاست کے نامی اس کا شکار ہو گئے۔ اور بعض امیر کے رشتہ دار اور عزیز بھی اس جہان سے رخصت ہوئے۔ مگر ابھی کیا ہے۔ یہ خون بڑی بے رحمی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور آسمان کے نیچے ایسے خون کی اس زمانہ میں نظیر نہیں ملے گی۔ ہائے اس نادان امیر نے کیا کیا کہ ایسے معصوم شخص کو کمال بیدردی سے قتل کر کے اپنے تئیں تباہ کر لیا۔ اے کابل کی زمین تو گواہ رہ کہ تیرے پر سخت جرم کا ارتکاب کیا گیا۔ اے بدقسمت زمین تو خدا کی نظر سے گر گئی کہ تو اس ظلم عظیم کی جگہ ہے۔" (بقیہ حاشیہ دیکھو برصفحہ ۹۵۰)

"....... اے عبد اللطیف تیرے پر ہزاروں رحمتیں کہ تو نے میری زندگی میں ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا۔ اور جو لوگ میری جماعت میں سے میری موت کے بعد رہیں گے میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کام کریں گے۔"

بقیہ حالات صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب

حضرت اقدس بقیہ حالات صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب کے اس کتاب کے آخر میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں :-

"میاں احمد نور جو حضرت صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب کے خاص شاگرد ہیں آج ۸۔ نومبر ۱۹۰۳ء کو مع عیال خوست سے قادیان میں پہنچے۔ ان کا بیان ہے کہ مولوی صاحب کی لاش برابر چالیس دن تک ان پتھروں میں پڑی رہی جن میں وہ سنگسار کئے گئے تھے۔ بعد اس کے مَیں نے چند دوستوں کے ساتھ مل کر رات کے وقت ان کی نعش مبارک نکالی اور ہم پوشیدہ طور پر شہر میں لائے۔ اور اندیشہ تھا کہ امیر اور اس کے ملازم کچھ مزاحمت کریں گے مگر شہر میں وبائے ہیضہ اس قدر پڑ چکا تھا کہ ہر ایک شخص اپنی بلا میں گرفتار تھا۔ اس لئے ہم اطمینان سے مولوی صاحب مرحوم کا قبرستان میں جنازہ لے گئے۔ اور جنازہ پڑھ کر وہاں دفن کر دیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ مولوی صاحب جب پتھروں میں سے نکالے گئے تو کستوری کی طرح اُن کے بدن سے خوشبو آتی تھی اس سے لوگ بہت متاثر ہوئے۔

اس واقعہ سے پہلے جب کابل کے علماء امیر کے حکم سے مولوی صاحب کے ساتھ بحث کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے مولوی صاحب نے ان کو فرمایا کہ تمہارے دو خدا ہیں کیونکہ تم امیر سے ایسا ڈرتے ہو جیسا کہ خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔ مگر میرا ایک خدا ہے اس لئے مَیں امیر سے نہیں ڈرتا۔ اور جب گھر میں تھے اور ابھی گرفتار نہیں ہوئے تھے اور نہ اس واقعہ کی کچھ خبر تھی اپنے دونوں ہاتھوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ اے میرے ہاتھو! کیا تم ہتھکڑیوں کی برداشت کر لو گے۔ اپنے گھر

پس کابل کی زمین پر اس جرم کے پاداش میں جو عذاب اور تباہی آئی وہ نہایت ہولناک تھی۔ بچہ سقہ کے ہاتھوں کس طرح امیر حبیب اللہ خاں مقتول کا خاندان تباہ اور ہلاک ہؤا اور ان کی ناموس برباد ہوئی کہ سُن کر صدمہ ہوتا ہے۔ امان اللہ خاں اور اس کی بیوی اور اس کے اعزاء و اقرباء افغانستان سے بھاگ کر جلاوطن ہو گئے اور سلطنت ہی اس خاندان میں سے نکل کر دوسرے خاندان میں منتقل ہو گئی۔ اور کابل کے شہر اور علاقہ پر جو ہلاکت اور عذاب مسلط ہؤا وہ نہیں ٹلا جب تک کہ حضرت اقدس کے اس الہام "ریاست کابل میں قریب پچاسی ہزار آدمی مریں گے" کے مطابق قریباً پچاسی ہزار آدمی موت کی گھاٹ نہیں اُتر لئے۔ بچہ سقہ گویا ایک عذاب کے فرشتہ کی طرح کابل کی سرزمین پر آیا اور بیسومونکہ سود النعذاب کے ماتحت اپنا کام کر کے چلا گیا۔ (مؤلف)

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۱۲۹)

کے لوگوں کو اُنہوں نے نصیحت کی کہ مَیں جاتا ہوں۔ اور دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم دوسری راہ اختیار کرو جس ایمان اور عقیدہ پر مَیں ہوں چاہئے کہ وہی تمہارا ایمان اور عقیدہ ہو۔ اور گرفتاری کے بعد راہ میں چلتے وقت کہا کہ مَیں اس مجمع کا نوشاہ ہوں۔ بحث کے وقت علما نے پوچھا کہ تو اس قادیانی شخص کے حق میں کیا کہتا ہے جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ "ہم نے اُس شخص کو دیکھا ہے اور اس کے امور میں بہت غور کی ہے۔ اس کی مانند زمین پر کوئی موجود نہیں اور بے شک اور بلاشبہ وہ **مسیح موعود** ہے۔ اور وہ **مُردوں کو زندہ کر رہا ہے**"۔ تب ملانوں نے شور کر کے کہا کہ وہ کافر اور تو بھی کافر ہے۔ اور اُن کو امیر کی طرف سے بحالت نہ توبہ کرنے کے سنگسار کرنے کی دھمکی دی گئی۔ اور اُنہوں نے سمجھ لیا کہ اب مَیں مروں گا۔ تب یہ آیت پڑھی ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔ یعنی اے خدا ہمارے دل کو لغزش سے بچا اور بعد اس کے جو تو نے ہدایت دی ہمیں پھسلنے سے محفوظ رکھ اور اپنے پاس سے ہمیں رحمت عنایت کر کیونکہ ہر ایک رحمت تو ہی بخشتا ہے۔ پھر جب ان کو سنگسار کرنے لگے تو یہ آیت پڑھی۔ انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ یعنی اے میرے خدا تو دنیا اور آخرت میں میرا متولّی ہے مجھے اسلام پر وفات دے اور اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملا دے۔ پھر بعد اس کے پتھر چلائے گئے اور حضرت مرحوم کو شہید کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور صبح ہوتے ہی کابل میں ہیضہ پھوٹ پڑا اور نصر اللہ خاں حقیقی بھائی امیر حبیب اللہ خاں کا جو اصل سبب اس خونریزی کا تھا اس کے گھر میں ہیضہ پھوٹا اور اس کی بیوی اور بچہ فوت ہو گیا۔ اور چار سو کے قریب ہر روز آدمی مرتا تھا۔ اور شہادت کی رات آسمان سرخ ہو گیا"۔

ان کی شہادت کے بعد ان کے لڑکوں نے بھی استقامت کا نمونہ دکھایا اور اپنے والد مرحوم کے مسلک سے ذرا نہیں ہٹے۔ اس لئے امیر صاحب نے اُنہیں گرفتار کر کے ترکستان کی طرف بھجوا دیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد اُنہیں چھوڑ دیا گیا مگر خوست سے جلا وطن کر دیا گیا۔ پانچ لڑکوں میں سے دو لڑکے تو قادیان چلے آئے اور باقی تین لڑکے اور اعزا و اقربا علاقہ بنوں میں سکونت پذیر ہو گئے۔

میاں عبد الرحمٰن کی شہادت حضرت اقدس نے میاں عبد الرحمٰن مرحوم کی شہادت کا بھی اس کتاب تذکرۃ الشہادتین میں ذکر فرمایا ہے۔ یہ صاحب مولوی صاحبزادہ عبد اللطیف مرحوم کے شاگرد تھے۔

صاحبزادہ صاحب کی شہادت سے تخمیناً دو برس پہلے ان کے ایما اور ہدایت سے میاں عبدالرحمٰن ان کے شاگرد رشید قادیان میں دو یا تین دفعہ آئے تھے اور ہر ایک مرتبہ کئی کئی مہینے تک رہے۔ اور حضرت اقدس کی صحبت اور تعلیم اور دلائل کے سننے سے ان کا ایمان شہدا کا رنگ پکڑ گیا۔ اور آخری دفعہ جب کابل واپس گئے تو مخالف مولویوں کے کفر کے فتووں کا شکار ہو گئے۔ اُس وقت امیر عبدالرحمٰن خاں پادشاہ کابل تھا اس کے حکم سے اس مظلوم کو اس کی گردن میں کپڑا ڈال کر اور دم بند کر کے شہید کر دیا گیا۔

شاتان تذبحان کا الہام پورا ہوا

اس کے بعد تذکرۃ الشہادتین میں حضرت اقدس نے اپنے ان الہامات کا نہایت بسط سے ذکر فرمایا ہے جو براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۰ و ۵۱۱ پر تحریر ہیں جن میں ایک ٹکڑا الہام کا یہ تھا کہ وان لم یعصمک الناس یعصمک اللّٰہ من عندہٖ ...... شاتان تذبحان وکل من علیھا فان الخ یعنی اگرچہ لوگ تجھے قتل ہونے سے نہ بچائیں لیکن خدا تجھے بچائے گا..... اور دو بکریاں ذبح کی جائیں گی اور ہر ایک جو زمین پر ہے آخر فنا ہوگا۔ یعنی مَیں تجھے تو ضرور قتل سے بچاؤں گا۔ مگر تیری جماعت میں سے دو بکریاں ذبح کی جائیں گی۔ یہ خدا تعالیٰ کی کتابوں میں محاورہ ہے کہ بیگناہ اور معصوم کو بکرے یا بکری سے تشبیہ دی جاتی ہے اور کبھی گائے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ پس صاحبزادہ عبداللطیف مرحوم اور میاں عبدالرحمان مرحوم کی شہادت سے حضرت اقدس کی یہ پیشگوئی بڑی صفائی سے پوری ہوئی۔

عربی حصّہ تذکرۃ الشہادتین "علامات المقربین"

تذکرۃ الشہادتین کا آخری حصّہ حضرت اقدس نے عربی میں تحریر فرمایا ہے۔ جس کے آخری جزو کا نام آپ نے علامات المقربین رکھا ہے۔ اس میں آپ نے مقربین الٰہی کی علامات بالتفصیل بیان فرمائی ہیں اور نہایت اعلیٰ درجہ کے حقائق و معارف تحریر فرمائے ہیں۔

"ایک ضروری امر اپنی توجہ کیلئے"

اسی کتاب کے آخر میں آپ نے ایک اشتہار بھی شامل فرما دیا ہے جو ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو علیحدہ بھی شائع ہوا تھا جس میں مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کی امداد کی طرف جماعت کو توجّہ دلائی ہے۔

مذہب اسلام اور سلسلہ احمدیہ کی ترقی کی پیشگوئی

اسی کتاب میں آپ نے مذہب اسلام اور اپنی جماعت کی نسبت ایک پیشگوئی فرمائی ہے جو قابل مطالعہ ہے اور وہ یہ ہے:-

"خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا۔ اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کی فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا۔ اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ قیامت

آجائے گی..... اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہ ہوگی کہ عیسیٰ کے انتظار کرنیوالے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہوکر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ مَیں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا۔ اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے"۔

آریہ سماج کی موت کی پیشگوئی

اسی کتاب میں بالمقابل آریہ سماج کے متعلق بھی ایک پیشگوئی ہے جو قابل مطالعہ ہے اور وہ یہ ہے:-

"اور یہ خیال مت کرو کہ آریہ یعنی ہندو دیا نندی مذہب والے کچھ چیز ہیں۔ وہ صرف اس زنبور کی طرح ہیں جن میں بجز نیش زنی کے اور کچھ نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ توحید کیا چیز ہے اور روحانیت سے سراسر بے نصیب ہیں۔ عیب چینی کرنا اور خدا کے پاک رسولوں کو گالیاں دینا ان کا کام ہے اور بڑا کمال ان کا یہی ہے کہ شیطانی وساوس سے اعتراضات کے ذخیرے جمع کر رہے ہیں۔ اور تقویٰ اور طہارت کی روح اُن میں نہیں۔ یاد رکھو کہ بغیر روحانیت کے کوئی مذہب چل نہیں سکتا اور مذہب بغیر رُوحانیت کے کچھ بھی چیز نہیں۔ جس مذہب میں روحانیت نہیں اور جس مذہب میں خدا کے ساتھ مکالمہ کا تعلق نہیں اور صدق و صفا کی رُوح نہیں اور آسمانی کشش اس کے ساتھ نہیں۔ اور فوق العادت تبدیلی کا نمونہ اس کے پاس نہیں وہ مذہب مردہ ہے اُس سے مت ڈرو۔ ابھی تم میں سے لاکھوں اور کروڑوں انسان زندہ ہوں گے کہ اس مذہب کو نابود ہوتے دیکھ لو گے۔ کیونکہ یہ مذہب آریہ کا زمین سے ہے نہ کہ آسمان سے۔ اور زمین کی باتیں پیش کرتا ہے نہ کہ آسمان کی"۔

سیرۃ الابدال کی اشاعت

سیرۃ الابدال

حضرت اقدس مرزا صاحب نے ۱۳ دسمبر ۱۹۰۳ء کو ایک چھوٹی سی تصنیف شائع فرمائی جو درحقیقت علامات المقربین کا ہی تسلسل ہے۔ اس کتاب کا نام سیرۃ الابدال ہے۔ یہ کتاب نہایت فصیح عربی زبان میں ہے۔ اور اس میں اُن اولیاء اللہ مقربین الٰہی کی علامات تحریر فرمائی ہیں جو ایک حدیث کی بنا پر اور تصوّف کی اصطلاح میں ابدال کہلاتے ہیں۔ آپ نے اپنے آپ کو بھی انہی ابدال کے زمرہ میں رکھا ہے جیسا کہ تریاق القلوب میں اپنے فارسی کے قصیدہ میں بھی آپ فرماتے ہیں۔

ے زآں زمرۂ ابدال بایدت ترسید + علی الخصوص اگر آں میسر ترا باشد

اس کتاب میں ابدال کی علامتیں آپ نے نہایت مدلّل طریق پر وضاحت سے بیان فرمائی ہیں جن کو پڑھ لینے کے بعد ایک محقق کو خدا کے مقرب ابدال کی شناخت کرنے میں کوئی دقّت نہیں ہوتی اور جس معیار پر حضرت اقدس نہایت صفائی سے پُورے اُترتے ہیں +

مولوی کرم الدّین سے مقدمات گورداسپور میں

مَیں پہلے بھی مقدمہ جہلم کے عنوان کے ذیل میں ذکر کر چکا ہوں کہ مولوی کرم الدین نے ماہ جولائی واگست ۱۹۰۲ء میں بذریعہ خطوط حضرت اقدس اور حکیم فضل الدین صاحب کو اطلاع دی کہ جو کتاب سیف چشتیائی پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے آپ کی کتاب اعجاز المسیح کے رد میں لکھی ہے اس میں پیر مذکور نے سارقانہ کارروائی کی ہے۔ اور اس کے بہنوئی مسمّی مولوی محمد حسن فیضی متوفی کے نوٹوں کو چرا کر اپنی کتاب میں وہ نوٹ اپنے نام پر درج کئے ہیں۔ اس کے ثبوت میں مولوی کرم الدین نے وہ کارڈ بھی حضرت اقدس کو بھیجدیا جو پیر مہر علی شاہ نے مولوی مذکور کے نام گولڑہ سے بھیجا تھا اور جس میں پیر مذکور نے محمد حسن کے نوٹوں کو اپنی کتاب میں درج کرنے کا اعتراف کیا تھا چنانچہ بعد خط وکتابت کے حکیم فضل الدین صاحب خود موضع بھین گئے اور مولوی محمد حسن فیضی کے بیٹے سے وہ دو نو کتابیں اعجاز المسیح اور شمس بازغہ بارہ روپے میں خرید کر لے آئے جن میں مولوی محمد حسن متوفی نے نوٹ لکھے ہوئے تھے۔ اور جن کی حرف بحرف نقل پیر گولڑوی نے اپنی کتاب سیف چشتیائی میں کرکے اُنہیں اپنے نام سے چھپوایا تھا حضرت اقدس ان دنوں کتاب نزول المسیح تصنیف فرما رہے تھے جو ساتھ کے ساتھ چھپتی بھی جا رہی تھی۔ حضرت اقدس نے وہ خطوط اس کتاب میں درج کر دیئے۔ نیز شیخ یعقوب علی تراب صاحب نے اپنے اخبار الحکم میں ان خطوط کی بنیاد پر ایک مضمون بمعہ نقل ان خطوط کے لکھ مارا۔ مولوی کرم الدین یہ نہ چاہتا تھا کہ اس کی اس کارروائی کا کسی اور کو پتہ لگے وہ اپنے خطوط کو اس طرح اخبار میں شائع شدہ دیکھ کر بہت برافروختہ ہوا۔ اور نیز دوسرے لوگوں نے بھی اُسے تنگ کیا اس لئے وہ ان خطوط کے لکھنے سے ہی انکاری ہوگیا۔ چنانچہ سراج الاخبار جہلم مؤرخہ ۶۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں ایک مضمون اور ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے سراج الاخبار میں ایک قصیدہ مولوی کرم الدین کے نام سے شائع ہؤا جس میں مولوی کرم الدین نے یہ ظاہر کیا کہ یہ خطوط جعلی اور جھوٹے ہیں۔ اور اس میں یہ بھی لکھا کہ مرزا غلام احمد کی ملہمیت کی آزمائش کے لئے مَیں نے اُسے دھوکا دیا تھا اور خلاف واقعہ خطوط لکھے اور لکھائے تھے اور ایک خام نویس لڑکے کے ہاتھ سے

نوٹ لکھا کر اُن کو محمد حسن فیضی کے نوٹ ظاہر کئے تھے۔ پھر اس دھوکے کے ذریعہ اُن سے چھ روپے فی کتاب بھی حاصل کر لئے۔ اور پھر اتنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان مضامین میں حضرت مرزا صاحب کو اپنے دعوے میں کذاب اور مفتری بھی کہا اور آپ کے سارے کام کو مکر و فریب بتلایا۔ حضرت اقدس نے ان تمام باتوں پر صبر کیا اور سمجھا کہ الحکم میں اس کا راز افشا ہو جانے کی وجہ سے اسے غصہ ہے۔ شاید غصہ فرو ہو جانے پر یہ پشیمان ہو لیکن اُس نے بجائے نادم ہونے کے تین ماہ بعد سنسار چند مجسٹریٹ درجہ اوّل جہلم کی عدالت میں ازالہ حیثیت عرفی کا استغاثہ اس بنا پر دائر کر دیا کہ شیخ یعقوب علی تراب ایڈیٹر الحکم اور مرزا غلام احمد صاحب نے اپنی تحریروں میں مولوی محمد حسن فیضی متوفی کی نسبت ایسے دلآزار کلمات استعمال کئے ہیں جن سے مجھے رنج پہنچا ہے۔ شیخ یعقوب علی صاحب کے خلاف تو ان کا اخبار عدالت میں پیش کر دیا اور حضرت صاحب کے خلاف انکی نا تمام کتاب نزول المسیح کے اوراق یا پروف پیش کر دیئے جو ابھی شائع نہ کئے گئے تھے۔ اسی مقدمہ کے لئے حضرت اقدس کو جہلم تشریف لیجانا پڑا تھا۔ مقدمہ پہلی ہی پیشی میں اس بنا پر خارج ہو گیا کہ بیٹوں اور بیوی کی موجودگی میں متوفی کی طرف سے ازالہ حیثیت عرفی کی نالش دائر کرنے کا سالے کو کوئی حق نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ مولوی کرم الدین نے اس کی نگرانی سشن جج کے پاس کرائی جو خارج ہو گئی۔

مولوی کرم الدین کے خلاف بالمقابل تین استغاثے

مولوی کرم الدین کے مضامین جو سراج الاخبار جہلم میں ۶۔ اکتوبر اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو نکلے۔ انہوں نے حضرت اقدس کی پوزیشن کو خراب کر دیا اس کے بیان کے مطابق حضرت اقدس کی حیثیت پبلک کی نگاہ میں نعوذ باللہ جعلساز اور فریبی اور قوم کو دھوکا دینے والے کی بن گئی۔ اور ظاہر ہے کہ اس بیجا حملہ سے ہزارہا آدمیوں کے ایمان اور روحانیت کا خون ہوتا تھا۔ اس لئے اپنی پوزیشن کو صاف کرنے کیلئے حضرت اقدس نے ضروری سمجھا کہ بذریعہ عدالت یہ فیصلہ کرایا جائے کہ آیا یہ نوٹ جو محمد حسن فیضی متوفی نے کتاب اعجاز المسیح اور شمس بازغہ پر لکھے تھے یہ اس کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں یا نہیں جن کو سرقہ کر کے پیر گولڑوی نے اپنی کتاب سیف چشتیائی بنائی ہے۔ اور آیا یہ خطوط جو مولوی کرم الدین اس بارے میں قادیان لکھتا رہا وہ اصلی ہیں یا جعلی۔ کیونکہ اس نے یہ بھی سراج الاخبار میں چھپوایا تھا کہ قادیان والوں سے میری کوئی خط و کتابت ہی نہیں ہے۔ چنانچہ ۱۴۔ نومبر ۱۹۰۲ء کو لالہ گنگارام صاحب مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور کی عدالت میں مولوی کرم الدین کے خلاف تین استغاثے دائر کر دیئے گئے۔

(۱) ایک تو استغاثہ حکیم فضل الدین صاحب کی طرف سے مولوی کرم الدین کے خلاف دغا کا تھا کہ اگر اس کا یہ بیان صحیح ہے جو اس نے سراج الاخبار میں چھپوایا ہے تو اس نے ہمیں دغا دی ہے۔

(۲) دوسرا استغاثہ بھی حکیم فضل الدین صاحب کی طرف سے جو مالک مطبع تھے نزول المسیح کے اوراق کے سرقہ کا تھا کیونکہ جو کتاب ابھی شائع نہیں کی گئی تھی اس کو مولوی کرم الدین کا کسی طریق سے حاصل کر کے عدالت میں پیش کرنا صریح طور پر سرقہ ہے۔

(۳) تیسرا استغاثہ شیخ یعقوب علی تراب صاحب ایڈیٹر الحکم کی طرف سے ازالہ حیثیت عرفی کا تھا کیونکہ مولوی کرم دین نے شیخ یعقوب علی تراب صاحب کے خلاف سراج الاخبار جہلم میں بہت کچھ باتیں ایسی لکھی تھیں جو انکی حیثیت عرفی کا ازالہ کرتی تھیں اس استغاثہ میں مولوی کرم دین کے ساتھ فقیر محمد ایڈیٹر سراج الاخبار جہلم بھی ملزم تھا۔

مولوی کرم الدین کا استغاثہ حضرت اقدس مرزا صاحب اور حکیم فضل الدین کے خلاف

جب حضرت اقدس کے خلاف مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی کا سنسار چند کی عدالت میں خارج ہوگیا تو مولوی کرم الدین نے ایک اور استغاثہ اپنی ازالۂ حیثیت عرفی کا حضرت اقدس مرزا صاحب اور حکیم فضل الدین صاحب کے خلاف جہلم میں دائر کر دیا۔ اور اس استغاثہ کی بنا حضرت اقدس کی کتاب مواہب الرحمٰن تھی۔ چونکہ اُس میں آپ نے مولوی کرم الدین کے مقدمہ کی نسبت پیشگوئی تحریر فرماتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ ایک شخص لئیم کے بارے میں خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ مجھ پر ایک بہتان بزرگ لگائے گا اور میری عزت کو نقصان پہنچانا چاہے گا...... اور مَیں نے دیکھا کہ مَیں گرفتاروں کی شکل میں ایک عدالت میں حاضر کیا گیا ہوں اور آخر کار اس شخص کے شر سے مجھے نجات مل گئی ہے۔ اور پھر بشارت دی گئی کہ خود اس کذاب اور مہین دشمن پر بلا کو لوٹایا جائے گا۔ چونکہ عربی زبان میں کذاب کے معنے جھوٹے کے ہیں اور بہت جھوٹے کے بھی ہیں اور لئیم کے معنے عام طور پر کمینہ کے ہیں۔ لیکن کبھی ولد الزنا کے معنے میں بھی یہ لفظ مجازاً استعمال ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر کرم الدین نے اپنے استغاثہ میں بڑا زور اس بات پر دیا کہ کذاب اور لئیم لکھ کر مرزا صاحب نے مجھے بہت جھوٹا اور ولد الزنا کہا ہے۔ اور بہتان لگانے والا قرار دیا ہے۔ اس سے میری ازالہ حیثیت عرفی ہوئی ہے۔ حکیم فضل الدین صاحب کے خلاف الزام یہ تھا کہ کتاب مواہب الرحمٰن ان کے مطبع میں چھپی تھی۔ غرضیکہ ہر دو طرف سے مقدمات شروع ہو گئے۔

درخواستہائے انتقال مقدمہ مولوی کرم الدین نے حضرت اقدس اور حکیم فضل الدین کے خلاف استغاثہ جہلم میں دائر کیا۔ اور شیخ یعقوب علی تراب صاحب اور حکیم فضل الدین صاحب نے مولوی کرم الدین کے

خلاف گورداسپور میں استغاثے دائر کئے۔ مولوی کرم الدین نے چیف کورٹ پنجاب (ان ایام میں پنجاب کا ہائیکورٹ چیفکورٹ کہلاتا تھا) میں مقدمات کے انتقال کی درخواست دی۔ یعنی گورداسپور کے مقدمات جہلم منتقل ہو جائیں۔ مطلب یہ کہ اس طرح فریق ثانی کے اخراجات اور تکالیف میں خوب اضافہ ہو جائے گا۔ اس کی اس حرکت پر بالمقابل شیخ یعقوب علی تراب صاحب اور حکیم فضل الدین صاحب نے بھی درخواست چیفکورٹ میں دیدی کہ جہلم کا مقدمہ گورداسپور منتقل ہو جائے۔ کرم الدین کی درخواست کو چیفکورٹ نے رد کر دیا اور شیخ یعقوب علی وغیرہ کی درخواست کو منظور کر لیا۔ اور یہ حکم دیا کہ مقدمۂ جہلم کو گورداسپور منتقل کر دیا جائے۔ اور یہ سب مقدمات ایک ہی جگہ ہوں کیونکہ یہ سارے مقدمات آپس میں تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ ۱۵ مئی ۱۹۰۳ء ان کی تاریخ گورداسپور میں پڑی۔ اب میں مختلف مقدمات کو قارئین کرام کی آسانی کیلئے الگ الگ لے لیتا ہوں گو یہ سب مقدمات ایک ہی وقت میں چلتے رہے۔ اس اثنا میں چونکہ لالہ گنگارام صاحب مجسٹریٹ تبدیل ہو گئے تھے اسلئے لالہ چندو لعل صاحب کی عدالت میں جو سخت متعصب آریہ تھے یہ مقدمات پیش ہوئے *

مقدمہ ۱ استغاثہ دغا برخلاف مولوی کرم الدین

دغا کا مقدمہ حکیم فضل الدین صاحب کی طرف سے کرم الدین کے خلاف ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء کو دائر ہوا تھا لیکن مولوی کرم الدین کی چیفکورٹ میں درخواست برائے انتقال مقدمہ کی وجہ سے ملتوی ہو کر ۱۵ مئی ۱۹۰۳ء کو اس کی اصل کارروائی شروع ہوئی چونکہ اس مقدمہ میں یہ معاملہ صاف ہوتا تھا کہ اعجاز المسیح اور شمس بازغہ پر نوٹ محمد حسن فیضی متوفی کے ہیں یا نہیں؟ اور اس خط کی تصدیق ہوتی تھی جو پیر گولڑوی صاحب نے مولوی کرم الدین کو لکھا تھا جس میں اُنہوں نے اعتراف کیا تھا کہ میں نے انہی نوٹوں کو اپنی کتاب سیف چشتیائی میں نقل کیا ہے! اس لئے پیر گولڑوی صاحب کو شہادت کے لئے ۲۲۔ جون ۱۹۰۳ء کو عدالت میں طلب کیا گیا۔ لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ عدالت میں پیش ہوئے تو سارا پول کھل جائے گا اور ان کا سرقہ طشت از بام ہو جائے گا۔ اس لئے قرآن کریم کے صریح حکم (لا تکتموا الشھادۃ یعنی شہادت کو نہ چھپاؤ) کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بیمار بن کر اور ایک ڈاکٹری سارٹیفکیٹ پیش کر کے اپنی جان چھڑائی اور عدالت میں حاضر نہ ہوئے۔ اور بعد میں بھی جب جب تاریخ پڑی اور ان کو شہادت کیلئے بلایا گیا وہ ہمیشہ ڈاکٹری سرٹیفکیٹ پیش کر کے اپنی جان چھڑاتے رہے اور شہادت دینے سے گریز کرتے رہے۔ اور اس طرح قرآن کریم کے فتوے من یکتمھا فانّہ اٰثمٌ قلبہ (کہ جو شہادت کو چھپاتا ہے پس اس کا دل گنہگار ہے) کے نیچے آ گئے۔ اس کے بالمقابل جب اس مقدمہ میں فرد جرم

مولوی کرم الدین پر لگ گیا اور اس نے اپنی صفائی میں حضرت اقدس مرزا صاحب کو بطور گواہ طلب کرایا تو آپ فوراً گورداسپور چل پڑے اور تاریخ مقررہ ۱۸۔ اگست ۱۹۰۳ء پر حاضر عدالت ہو گئے۔ دغا کے الزام سے بچنے کے لئے کرم الدین نے یہ چالاکی کی کہ وہ اس بات سے ہی انکاری ہو گیا کہ سراج الاخبار والے مضامین اس کے لکھے ہوئے ہیں۔ باایں ہمہ مقدمہ نہایت صاف تھا لیکن لالہ چندولعل صاحب جو کٹر آریہ تھے اور حضرت اقدس سے دلی تعصب رکھتے تھے ان مقدمات کو برابر آٹھ ماہ تک لٹکاتے اور لمبا کرتے چلے گئے تاکہ آپ کو تکلیف ہو۔ اس اثنا میں بعض امور جانب داری کے اُن سے ایسے سرزد ہوئے کہ مجبور ہو کر ۱۴۔ جنوری ۱۹۰۴ء کو خواجہ کمال الدین صاحب نے جو حضرت اقدس اور حکیم فضل الدین صاحب و شیخ یعقوب علی صاحب کے وکیل تھے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس ایک درخواست مقدمات کو کسی دوسری عدالت میں منتقل کر دینے کے لئے دیدی۔ اور اسی تاریخ کو لالہ چندولعل صاحب کی خدمت میں بھی درخواست مقدمات کے التوا کیلئے دیدی۔ اُنہوں نے جھٹ پٹ اس دغا کے مقدمہ کا تو فیصلہ اسی وقت سنا دیا اور باقی مقدمات کی تاریخ ۱۴۔ فروری ۱۹۰۴ء ڈال دی۔ آٹھ مہینے کی لمبی مدّت کے بعد ۱۴۔ جنوری کو جو فیصلہ اس دغا کے مقدمہ میں مجسٹریٹ صاحب نے دیا وہ یہ تھا کہ جو خطوط مولوی کرم الدین نے حضرت مرزا صاحب اور قادیان کے احمدیوں کو لکھے تھے وہ اُسی کے لکھے ہوئے ہیں۔ اور سراج الاخبار میں مضامین بھی اسی کے لکھے ہوئے ہیں۔ اس لئے گو اُس نے بعد میں سراج الاخبار میں جو کچھ لکھا وہ جھوٹ تھا کہ یہ خطوط جعلی ہیں اور عدالت میں بھی جھوٹا بیان دیا کہ سراج الاخبار والے مضامین اس کے نہیں ہیں۔ لیکن تاہم اس نے حکیم فضل الدین کو دغا کوئی نہیں دی اس لئے دغا کا مقدمہ خارج ہے

پیر مہر علی شاہ صاحب کا سرقہ ثابت ہو گیا

اس مقدمہ میں جو بظاہر خارج ہو گیا عدالت نے یہ فیصلہ ضرور دے دیا کہ مولوی کرم الدین اور میاں شہاب الدین کے وہ خطوط جن میں اُنہوں نے لکھا تھا کہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے محمد حسن فیضی کے نوٹ سرقہ کر کے اپنی کتاب سیف چشتیائی بنائی ہے۔ اور پیر گولڑوی کا وہ خط جس میں اس نے اعتراف کیا ہے کہ مَیں نے سیف چشتیائی میں محمد حسن فیضی کے نوٹ نقل کئے ہیں سب اصلی ہیں۔ پس اس طرح حضرت اقدس کا دامن جعلسازی سے پاک اور پیر گولڑوی کا دامن سرقہ کے گناہ سے آلودہ ثابت ہو گیا۔ وھو المقصود

پیر صاحب کے اس سرقہ کے ثابت ہو جانے کے بعد اب دوسرے مقدمہ کی کیفیت سنئے:۔

مقدمہ ۲ سرقہ کتاب نزول المسیح

دوسرا مقدمہ کتاب نزول المسیح کے سرقہ کا تھا جو مولوی کرم الدین کے خلاف

حکیم فضل الدین صاحب نے دائر کر رکھا تھا۔ اور جو اسی کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ مقدمہ صاف تھا۔ کتاب نزول المسیح قبل اس کی اشاعت کے مصنف اور مالک مطبع کے خلاف مرضی حاصل کرنا اور اس کو استغاثہ میں شامل کرنا صریح طور پر سرقہ تھا۔ لیکن مجسٹریٹ لالہ چندو لعل صاحب نے جو بڑی دلیری سے خلاف چل رہے تھے اس مقدمہ کو بھی دس ½ مہینے کے بعد ۱۶۔ مارچ ۱۹۰۴ء کو خارج کر دیا۔

مقدمات ۳ و ۴ اب صرف دو مقدمے رہ گئے ایک تو مقدمہ ۳ جس میں شیخ یعقوب علی تراب صاحب نے مولوی کرم الدین اور فقیر محمد ایڈیٹر سراج الاخبار کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا استغاثہ کر رکھا تھا اور مقدمہ ۴ جس میں مولوی کرم الدین نے حضرت اقدس مرزا صاحب اور حکیم فضل الدین صاحب کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا استغاثہ کر رکھا تھا۔ چونکہ مقدمہ ۴ ہی ان تمام مقدمات میں سے سب سے اہم تھا اس لئے میں اسی کا ذکر ذرا تفصیل سے کرتا ہوں۔ مقدمہ ۳ بھی ضمناً اس میں آجاوے گا۔

مخالفوں کی ایذادہی حضرت اقدس کے خلاف جو مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی کرم الدین کی طرف سے دائر تھا اس میں فقط چند لفظوں کی بحث تھی۔ بڑا زور مولوی کرم الدین کا مواہب الرحمٰن کے تین الفاظ بہتان۔ کذاب اور لئیم پر تھا۔ کرم الدین نے جو کچھ سراج الاخبار میں خطوط کی نسبت صریح جھوٹ بولا تھا اسے عدالت نے بھی تسلیم کیا کہ وہ جھوٹ تھا۔ پھر سراج الاخبار کے مضامین کی نسبت بھی عدالت میں صریح جھوٹ بولا کہ یہ میرے لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ حالانکہ عدالت نے تسلیم کیا کہ یہ اُسی کے لکھے ہوئے ہیں تو ایسی صورت میں اس کے کذاب ہونے میں شک کیا باقی رہ جاتا ہے اور جو اس قدر جھوٹ اور بہتان سے کام لے اس سے بڑھ کر لئیم یعنی کمینہ کون ہو سکتا ہے۔ بات تو بہت آسان اور صاف تھی اور مقدمہ میں کوئی جان نہ تھی لیکن جب خود مجسٹریٹ صاحبان متعصب آریہ ہوں اور مذہبی تعصبات کی بنا پر دکھ دینا اور نقصان پہنچانا ان کے مقصود خاطر ہو تو سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ مقدمہ کو لمبا لٹکائیں اور ملزم کو بار بار عدالت میں گھسیٹیں[1]۔ چنانچہ یہ مقدمہ پونے دو برس کی لمبی مدت تک چلتا رہا۔ بہت عرصہ بعد ایک دفعہ ڈپٹی کمشنر گورداسپور

---

[1] ان سودیشی ہندوستانی آریہ مجسٹریٹوں کے مقابلہ میں بدیشی مسٹر ڈگلس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کو رکھو جس نے پادری ہنری مارٹن کلارک کے مقدمہ میں کس دلیری اور انصاف سے حضرت اقدس کے خلاف قتل عمد کے مقدمہ کا آناً فاناً فیصلہ کر دیا۔ اور مذہبی تعصبات کو عدالت کے اندر راہ نہ دیا۔ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا (مؤلف)

جو انگریز تھا اپنی عدالت کو جاتے ہوئے احاطہ کچہری میں اُدھر سے گزرا جہاں حضرت اقدس بمعہ اپنے احباب کے بیٹھے ہوئے تھے تو یہ معلوم کر کے اسے سخت تعجب ہوا کہ ابھی تک یہ مقدمہ چل رہا ہے کہنے لگا میرے پاس یہ مقدمہ ہوتا تو مَیں ایک دن میں فیصلہ کر دیتا۔ اسی طرح مسٹر ہنری سیشن جج امرتسر کی عدالت میں جب اس مقدمہ کی اپیل ہوئی تو اس نے مقدمہ کی مسل دیکھ کر سخت افسوس کا اظہار کیا کہ ایسے لغو مقدمہ کو مجسٹریٹ نے اس قدر لمبا کیوں کیا؟ اور کہا کہ اگر یہ مقدمہ میرے پاس آتا تو میں ایک دن میں اسے خارج کر دیتا۔

ان آریہ مجسٹریٹوں کے ساتھ بعض مسلمان مجسٹریٹ اور بہت سی مسلمان پبلک بھی جو حضرت اقدس کی مخالف تھی شامل تھی اور ہر طرح مولوی کرم الدین کی امداد کی جا رہی تھی۔ لاہور کا پیسہ اخبار وغیرہ شب و روز مولوی کرم الدین کی تائید میں اور حضرت مرزا صاحب کے خلاف مضامین لکھتا اور مولوی کرم الدین کی امداد کے لئے چندہ کی تحریک کرتا۔

حضرت اقدس کا طمانیت قلب

لطف یہ کہ اِدھر مخالفت کا یہ حال۔ اُدھر حضرت اقدس کے طمانیت قلب میں ذرا بھی تو فرق نہیں آیا۔ وہی احباب سے ملاقات۔ وعظ و نصائح جاری۔ خدمت دین کے کاموں میں شغف۔ پتہ بھی نہیں لگتا تھا کہ آپ پر کوئی فوجداری مقدمہ دائر ہے۔ خواجہ کمال الدین صاحب گورداسپور سے قادیان آتے اور حضرت اقدس کی خدمت میں حکّام کی مخالفت اور لوگوں کی شرارت کا ذکر کر کے جب کچھ مایوسی کا اظہار کرتے کہ اس مقدمہ میں بظاہر بچنے کی کوئی صورت نہیں نظر آتی تو حضرت اقدس ہنس کر فرماتے کہ ”خواجہ صاحب! کوئی خانہ خدا کے لئے بھی خالی چھوڑ دو۔ اگر سب اسباب ہمارے موافق ہوں تو لوگ کہہ سکتے ہیں کہ اسباب موافق تھے اور اُن کے مرید بڑے قانون دان تھے اس لئے مقدمہ فتح ہو گیا۔ لطف تو جب ہی ہے کہ اسباب سب خلاف ہوں اور خدا اپنی جناب سے فضل کرے تو وہ امر ازدیاد ایمان کا باعث ہوتا ہے۔“ غرضکہ خواجہ صاحب روتے ہوئے آتے اور ہنستے ہوئے واپس جاتے۔

مقدمہ کے انجام کے متعلق پیشگوئی

۲۹۔جون ۱۹۰۳ء کو آپ نے انجام مقدمات کی نسبت پیشگوئی کے عنوان سے ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”رات کے وقت جو ۲۸۔جون ۱۹۰۳ء کے دن کے بعد رات تھی ..... میرے خیال پر یہ کشش غالب ہوئی کہ یہ مقدمات جو کرم الدین کی طرف سے میرے پر ہیں اُن کا انجام کیا ہوگا۔ سو اس غلبۂ کشش کے وقت میری حالت وحی الٰہی کی طرف منتقل کی گئی اور خدا کا یہ کلام میرے پر نازل ہوا

ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون - فیہ آیات للسائلین - اس کے معنے مجھے یہ سمجھائے گئے کہ دونو فریقوں میں سے خدا اس فریق کے ساتھ ہوگا اس کو فتح اور نصرت نصیب کرے گا جو پرہیزگار ہے یعنی جھوٹ نہیں بولتا ظلم نہیں کرتا۔ تہمت نہیں لگاتا۔ اور دغا اور فریب اور خیانت سے ناحق خدا کے بندوں کو نہیں ستاتا اور ہر ایک بدی سے بچتا اور راستبازی اور انصاف کو اختیار کرتا ہے۔ اور خدا سے ڈر کر اس کے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور خیرخواہی اور نیکی کے ساتھ پیش آتا ہے اور بنی نوع کا وہ سچا خیرخواہ ہے - اس میں درندگی اور ظلم اور بدی کا جوش نہیں بلکہ عام طور پر ہر ایک کے ساتھ وہ نیکی کرنے کیلئے طیار ہے۔ سو انجام یہ ہے کہ ان کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ تب وہ لوگ جو پوچھا کرتے ہیں جو ان دونو گروہوں میں سے حق پر کون ہے ان کیلئے یہ ایک نشان بلکہ کئی نشان ظاہر ہوں گے۔"

پھر اس مقدمہ کے متعلق آپ کو یہ بھی الہام ہوا کہ یوم الاثنین و فتح الحنین یعنی اس مقدمہ میں حنین کی فتح کی مانند ہوگا کہ جس طرح جنگ حنین میں آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ کو پہلے بظاہر شکست ہوئی تھی اور پھر وہ سنبھلے اور دشمن کو پامال کیا۔ ایسا ہی اس مقدمہ میں ہوگا۔ اسی طرح آپ کو یہ بھی الہام ہوا کہ ساکرمک بعد توھینک کہ تیری توہین کے بعد تیرا اکرام کروں گا۔ ان دونو الہامات سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس مقدمہ میں پہلے آپ کے خلاف فیصلہ ہوگا لیکن بعد میں آپ کو فتح نصیب ہوگی۔ آخر اس الہام نے معاملہ کو بالکل ہی صاف کر دیا کہ "عدالت عالیہ نے اسے بری کیا ہے" کہ عدالت ماتحت میں سزا ہوگی مگر عدالت عالیہ میں آپ کی بریت ہوگی۔ غرضکہ ادھر خدا کی طرف سے بشارتیں ہو رہی تھیں۔ اُدھر مخالفتوں کے بادل روز بروز گھرتے چلے جا رہے تھے۔

درخواست انتقال نامنظور

مجسٹریٹ چندولعل سے صریح طور پر دوران مقدمہ میں ایسے امور سرزد ہوئے تھے جن سے اس کے تعصب اور جنبہ داری کا راز طشت از بام ہوگیا تھا۔ اسی وجہ سے ۱۴۔ جنوری ۱۹۰۴ء کو خواجہ کمال الدین صاحب نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس کسی اور مجسٹریٹ کی عدالت میں مقدمہ انتقال کرنے کے لئے درخواست دی تھی جسے ۱۲۔ فروری ۱۹۰۴ء کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مسترد کر دیا۔ تب خواجہ صاحب نے چیفکورٹ میں انتقال مقدمہ کیلئے درخواست دی جس کے لئے ۲۲۔ فروری ۱۹۰۴ء تاریخ مقرر ہوئی۔

حضرت اقدس کی علالت

لیکن لالہ چندولعل صاحب کی عدالت میں ۱۶۔ فروری ۱۹۰۴ء تاریخ مقرر

تھی اور مجسٹریٹ صاحب کی نیت یہ تھی کہ حضرت اقدس کو پکڑ کر حوالات میں دے دیں۔ اس معاملہ میں مولوی سرور شاہ صاحب کا بیان سیرۃ المہدی حصہ اوّل سے نقل کرتا ہوں۔ خطوط وحدانی میں میرا کلام ہے۔ مولوی سرور شاہ صاحب کا بیان ہے کہ:۔

"حضرت اقدس قادیان آئے ہوئے تھے۔ حضور نے تاریخ سے دو روز پہلے مجھے گورداسپور بھیجا کہ مَیں جا کر وہاں بعض حوالے نکال کر تیار رکھوں۔ کیونکہ اگلی پیشی میں حوالے پیش ہونے تھے۔ میرے ساتھ شیخ حامد علی اور عبدالرحیم نائی باورچی کو بھی حضور نے گورداسپور بھیجا۔ جب ہم گورداسپور مکان پر آئے تو نیچے سے ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خاں صاحب مرحوم (یہ بہت مخلص انسان تھے اور جھجھر ضلع رہتک کے رہنے والے تھے۔ بشارت احمد) کو آواز دی کہ وہ نیچے آ دیں اور دروازہ کھولیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اس وقت مکان میں اُوپر ٹھیرے ہوئے تھے۔ ہمارے آواز دینے پر ڈاکٹر صاحب نے بیتاب ہو کر رونا اور چلانا شروع کر دیا۔ ہم نے کئی آوازیں دیں اور وہ اسی طرح روتے رہے۔ آخر تھوڑی دیر بعد وہ آنسو پونچھتے ہوئے نیچے آئے۔ ہم نے سبب پوچھا تو اُنہوں نے کہا کہ میرے پاس محمد حسین منشی آیا تھا (منشی محمد حسین صاحب ڈسٹرکٹ جج کے مسلخواں تھے۔ پُرجوش اہل حدیث اور مسلمانوں کے خیرخواہ تھے۔ گو احمدیت کے مخالف تھے بشارت احمد) ...... اُس نے مجھے کہا کہ آجکل یہاں آریوں کا جلسہ ہوا ہے۔ بعض آریے اپنے دوستوں کو بھی جلسہ میں لے گئے تھے۔ چنانچہ اسی طرح مَیں بھی وہاں چلا گیا۔ جلسہ کی عام کارروائی کے بعد اُنہوں نے اعلان کیا کہ اب جلسہ کی کارروائی ہو چکی ہے۔ اب لوگ چلے جاویں کچھ ہم نے پرائیویٹ باتیں کرنی ہیں۔ چنانچہ جب سب غیر لوگ اُٹھ گئے مَیں بھی جانے لگا مگر میرے آریہ دوست نے کہا کہ اکٹھے چلیں گے۔ آپ ایک طرف ہو کر بیٹھ جاویں یا باہر انتظار کریں۔ چنانچہ مَیں وہاں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر ان آریوں میں سے ایک شخص اُٹھا اور مجسٹریٹ (یعنی چندولعل مجسٹریٹ) کو مرزا صاحب کا نام لیکر کہنے لگا کہ یہ شخص ہمارا سخت دشمن اور ہمارے لیڈر لیکھرام کا قاتل ہے۔ اب وہ آپ کے ہاتھ میں شکار ہے اور ساری قوم کی نظر آپ کی طرف ہے اگر آپ نے اس شکار کو ہاتھ سے جانے دیا تو آپ قوم کے دشمن ہوں گے۔ اور اسی قسم کی جوش دلانے والی باتیں کیں۔ اس پر مجسٹریٹ نے جواب دیا کہ میرا تو پہلے سے خیال ہے کہ ہو سکے تو نہ صرف مرزا کو بلکہ اس مقدمہ میں جتنے بھی اس کے ساتھی اور گواہ ہیں سب کو جہنم میں پہنچا دوں۔ مگر کیا کیا جاوے کہ مقدمہ ایسی ہوشیاری سے چلایا جا رہا ہے کہ کوئی ہاتھ ڈالنے کی جگہ نہیں ملتی۔

لیکن اب میں عہد کرتا ہوں کہ خواہ کچھ ہو اس پہلی پیشی میں ہی عدالتی کارروائی عمل میں لے آؤں گا..... محمد حسین مجھ سے کہتا تھا کہ آپ یہ نہیں سمجھے ہوں گے کہ عدالتی کارروائی سے کیا مراد ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مجسٹریٹ کو یہ اختیار رہتا ہے کہ شروع یا دوران مقدمہ میں جب چاہے ملزم کو بغیر ضمانت قبول کئے گرفتار کر کے حوالات میں دیدے۔ محمد حسین نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کے سلسلہ کا سخت مخالف ہوں۔ مگر مجھ میں یہ بات ہے کہ میں کسی معزز خاندان کو ذلیل و برباد ہوتے خصوصاً ہندوؤں کے ہاتھ سے ذلیل ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ اور میں جانتا ہوں کہ مرزا صاحب کا خاندان ضلع میں سب سے زیادہ معزز ہے۔ پس میں نے آپ کو یہ خبر پہنچا دی ہے کہ آپ اس کا کوئی انتظام کر لیں اور میرے خیال میں دو تجویزیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ چیفکورٹ لاہور میں یہاں سے مقدمہ تبدیل کرانے کی کوشش کی جاوے۔ اور دوسرے یہ کہ خواہ کسی طرح ہو مگر مرزا صاحب اس آئندہ پیشی میں حاضر عدالت نہ ہوں اور ڈاکٹری سارٹیفکیٹ پیش کر دیں۔ مولوی صاحب نے بیان کیا کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ واقعہ بیان کیا تو ہم سب بھی سخت خوفزدہ ہو گئے۔ اور فیصلہ کیا کہ اسی وقت کوئی آدمی روانہ کر دیا جاوے جو حضرت صاحب کو یہ واقعات سنا دے۔ رات ہو چکی تھی ہم نے یکہ تلاش کیا۔ اور گو کئی یکے موجود تھے مگر مخالفت کا اتنا جوش تھا کہ کوئی یکہ نہ ملتا تھا۔ ہم نے چار گنے کرایہ دینا کیا مگر کوئی یکہ والا راضی نہ ہوا۔ آخر ہم نے شیخ حامد علی اور عبدالرحیم باورچی اور ایک تیسرے شخص کو قادیان پیدل روانہ کیا۔ وہ صبح کی نماز کے وقت قادیان پہنچے اور حضرت صاحب سے مختصراً عرض کیا۔ حضور نے بے پروائی سے فرمایا۔ خیر ہم بٹالہ چلتے ہیں۔ خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب لاہور سے واپس آتے ہوئے وہاں ہم کو ملیں گے۔ اُن سے ذکر کرینگے اور وہاں پتہ لگ جائے گا کہ تبدیل مقدمہ کے متعلق ان کی کوشش کا کیا نتیجہ ہوا ہے۔ چنانچہ اسی دن حضور بٹالہ آ گئے۔ گاڑی میں مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب بھی مل گئے انہوں نے خبر دی کہ تبدیل مقدمہ کی کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ پھر حضرت صاحب گورداسپور چلے آئے اور رستہ میں خواجہ صاحب اور مولوی صاحب کو اس واقعہ کی کوئی اطلاع نہیں دی۔ جب آپ گورداسپور مکان پر پہنچے تو حسب عادت الگ کمرے میں چارپائی پر جا لیٹے مگر اس وقت ہمارے بدن کے رونگٹے کھڑے تھے کہ اب کیا ہو گا۔ حضور نے تھوڑی دیر کے بعد مجھے بلایا۔ میں گیا۔ اس وقت حضرت صاحب نے اپنے دونو ہاتھوں کے پنجے ملا کر اپنے

سر کے نیچے دیئے ہوئے تھے۔ اور چت لیٹے ہوئے تھے۔ میرے جانے پر ایک پہلو پر ہو کر کہنی کے
بل اپنی ہتھیلی پر سر کا سہارا دیکر لیٹ گئے۔ اور مجھ سے فرمایا کہ میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے
کہ وہ سارا واقعہ سنوں کہ کیا ہے۔ اس وقت کمرے میں کوئی اور آدمی نہیں تھا۔ صرف دروازے
پر میاں شادی خاں کھڑے تھے۔ میں نے سارا قصہ سنایا...... حضور خاموشی سے سنتے رہے
جب میں شکار کے لفظ پر پہنچا تو یک لخت حضرت صاحب اُٹھ کر بیٹھ گئے اور آپ کی آنکھیں
چمک اُٹھیں اور چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا "میں اس کا شکار ہوں! میں شکار نہیں ہوں
میں شیر ہوں۔ اور شیر بھی خدا کا شیر۔ وہ بھلا خدا کے شیر پر ہاتھ ڈال سکتا ہے؟ ایسا کرکے تو
دیکھے" یہ الفاظ کہتے ہوئے آپ کی آواز اتنی بلند ہو گئی کہ کمرے کے باہر بھی سب لوگ چونک
اُٹھے اور حیرت کے ساتھ ادھر متوجہ ہو گئے۔ مگر کمرے کے اندر کوئی نہیں آیا۔ حضور نے کئی دفعہ
"خدا کے شیر" کے الفاظ دُہرائے اور اس وقت آپ کی آنکھیں جو ہمیشہ جُھکی ہوئی اور نیم بند
رہتی تھیں واقعی شیر کی آنکھوں کی طرح کُھل کر شعلہ کی طرح چمکتی تھیں۔ اور چہرہ اتنا سرخ تھا
کہ دیکھا نہیں جاتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا میں کیا کروں میں نے تو خدا کے سامنے پیش کیا ہے
کہ میں تیرے دین کی خاطر اپنے ہاتھ اور پاؤں میں لوہا پہننے کے لئے تیار ہوں۔ مگر وہ کہتا
ہے کہ نہیں تجھے ذلّت سے بچاؤں گا اور عزت کے ساتھ بری کروں گا۔ پھر آپ محبت الٰہی
پر تقریر فرمانے لگے اور قریباً نصف گھنٹہ تک جوش کے ساتھ بولتے رہے۔ لیکن پھر یک لخت
بولتے بولتے آپ کو اُبکائی آئی اور ساتھ ہی قے ہوئی جو خالص خون کی تھی جس میں کچھ خون جما
ہوا تھا اور کچھ بہنے والا تھا۔ حضرت نے قے سے سر اُٹھا کر رومال سے اپنا منہ پونچھا اور
آنکھیں بھی پُونچھیں جو قے کی وجہ سے پانی لے آئی تھیں۔ مگر آپ کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ
قے میں کیا نکلا ہے۔ کیونکہ آپ نے یک لخت جھک کر قے کی اور پھر سر اُٹھا لیا۔ مگر میں اُس
کے دیکھنے کے لئے جُھکا تو حضور نے فرمایا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا حضور قے میں خون نکلا
ہے۔ تب حضور نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب اور دوسرے
لوگ بھی کمرے میں آگئے۔ اور ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ ڈاکٹر انگریز تھا اور سول سرجن گورداسپور
تھا (بشارت احمد) وہ آیا اور قے دیکھ کر خواجہ صاحب کے ساتھ انگریزی میں باتیں کرتا
رہا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اس بڑھاپے کی عمر میں اس طرح خون کی قے آنا خطرناک ہے۔
پھر اس نے کہا کہ یہ آرام کیوں نہیں کرتے؟ خواجہ صاحب نے کہا کہ آرام کس طرح کریں مجسٹریٹ

صاحب قریب قریب کی پیشیاں ڈال کر تنگ کرتے ہیں حالانکہ معمولی مقدمہ ہے جو یونہی طے ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا اس وقت آرام ضروری ہے۔ مَیں سرٹیفکیٹ لکھ دیتا ہوں۔ کتنے عرصہ کیلئے سرٹیفکیٹ چاہیئے؟ پھر خود ہی کہنے لگا میرے خیال میں دو مہینے آرام کرنا چاہئیے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ فی الحال ایک مہینہ کافی ہوگا۔ اس نے فوراً ایک مہینہ کیلئے سرٹیفکیٹ لکھ دیا اور لکھا کہ اس عرصہ میں مَیں ان کو کچہری میں پیش ہونے کے قابل نہیں سمجھتا۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے واپسی کا حکم دیا۔ مگر ہم سب ڈرتے تھے کہ اب کہیں کوئی نیا مقدمہ نہ شروع ہو جائے کیونکہ دوسرے دن پیشی تھی اور حضور گورداسپور آکر بغیر عدالت کی اجازت کے واپس جا رہے تھے۔ مگر حضرت صاحب کے چہرہ پر بالکل اطمینان تھا۔ چنانچہ ہم سب قادیان چلے آئے۔"

۱۶۔ فروری کو مجسٹریٹ چندولال صاحب حضرت اقدس کی عدم موجودگی پر بہت بڑبڑائے مگر سول سرجن کا سرٹیفکیٹ پیش کیا گیا تھا اس لئے مجبور ہو گئے۔ چیفکورٹ میں مقدمہ کے انتقال کیلئے جو درخواست دی گئی تھی وہ ۲۲۔ فروری ۱۹۰۴ء کو نامنظور ہو گئی اور ۲۳۔ فروری کو مقدمہ پھر چندولال کی عدالت میں پیش ہؤا اس دن حضرت اقدس کی طرف سے مسٹر اوگارمن صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور اور خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب بطور وکیل پیش ہوئے +

فرد جرم کا لگنا

۲۴۔ فروری کو مسٹر اوگارمن نے حضرت اقدس کی طرف سے ایک درخواست مع تحریری بیان کے عدالت میں پیش کی کہ یہ شامل مسل کی جاوے۔ اس روز وہ شامل مسل نہ ہوئی۔ لیکن کئی تاریخیں پڑنے اور بڑی بحث مباحثہ کے بعد وہ شامل مسل ہو گئی۔ ۹۔ مارچ کو خواجہ صاحب نے ۴ گھنٹہ تک تقریر کی کہ یہ مقدمہ ہمارے خلاف چل نہیں سکتا۔ لیکن ۱۰۔ مارچ کو رائے چندولال صاحب نے کرم الدین والے مقدمہ میں حضرت اقدس اور حکیم فضل الدین صاحب پر فرد جرم لگا ہی دیا۔ اور اس کے بالمقابل شیخ یعقوب علی صاحب والے مقدمہ میں مولوی کرم الدین اور فقیر محمد ایڈیٹر سراج الاخبار پر بھی فرد جرم لگا دیا۔ اس کے بعد تاریخ ۱۴۔ مارچ مقرر ہوئی کیونکہ ۱۳۔ مارچ کو حضرت اقدس کے میڈیکل سرٹیفکیٹ کی میعاد ختم ہوتی تھی۔ لیکن حضرت اقدس کی طبیعت ابھی تک بہت کمزور اور علیل تھی۔ جس روز سے خون کی قے آئی تھی اُس کے بعد ابھی تک طبیعت سنبھلی نہ تھی۔ اس لئے سول سرجن گورداسپور کو جو انگریز تھا ۱۲۔ مارچ کو قادیان بلا کر دکھایا گیا۔ اُس نے دیکھ کر پھر یہی کہا کہ ابھی آرام کی ضرورت ہے۔ وہ پہلی بار ہی کہتا تھا کہ کم سے کم دو ماہ آرام کرنا چاہئے

لیکن خواجہ صاحب کے کہنے سے اُس نے ایک ماہ کا سرٹیفکیٹ دیا تھا۔ اب اس نے حضرت اقدس کی حالت دیکھ کر ایک اور سرٹیفکیٹ لکھ دیا کہ ابھی تک آپ بہت کمزور ہیں اور ایک ماہ تک عدالت میں حاضری کے ناقابل ہیں۔ جب ۱۴۔ مارچ کو یہ سرٹیفکیٹ پیش ہؤا تو لالہ چندولال صاحب بہت بگڑے اور ۱۵۔ مارچ کی تاریخ دی جس میں سول سرجن کو حاضر عدالت ہو کر حلفی شہادت دینے کیلئے طلب کیا گیا۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے عدالت کو توجہ دلائی کہ شہادت ایکٹ کے ماتحت اس کی ضرورت نہیں۔ اور اس کے علاوہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی عدالت میں حاضر ہونے سے بچنے کے لئے بار بار ڈاکٹری سرٹیفکیٹ بھیجتا رہا اور عدالت نے کبھی یہ تجویز نہیں کیا کہ ڈاکٹر خود آ کر حلفی شہادت دے تو پھر یہاں اس کی کیا ضرورت آپڑی۔ لیکن چندولال صاحب نے نہ مانا۔ اور ۱۵۔ مارچ ۱۹۰۴ء کو سول سرجن نے عدالت میں حاضر ہو کر حلفی بیان دیا کہ مرزا صاحب واقعی بیمار ہیں اور عدالت میں حاضری کے ناقابل ہیں۔ مجسٹریٹ صاحب نے اُس پر بہت جرح کی۔ مگر کچھ نہ بنا اور ۱۔ اپریل کی تاریخ پڑ گئی۔

لالہ چندولال صاحب کا تنزل

اب قدرت خداوندی کا ظہور ہؤا۔ ایک طرف چندولال صاحب مجسٹریٹ اس بات پر تُلے ہوئے تھے کہ جس روز بھی حضرت اقدس عدالت میں تشریف لائے اُسی روز پکڑ کر حوالات میں دے دوں گا۔ اور دوسری طرف قدرت اپنا کام کر رہی تھی۔ پہلے دن خون کی قے نے آکر اس کا سارا ارادہ خاک میں ملا دیا۔ حضرت اقدس کی بڑھاپے کی عمر تھی۔ اعصاب کمزور تھے خون کا دباؤ زیادہ تھا۔ نہایت جوش سے جو تقریر کرتے رہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شریان پھٹ گئی یا خدا جانے کیا ہؤا۔ خون کی قے آگئی جس پر دو ماہ تک ڈاکٹر نے آپ کو عدالت میں حاضری کے ناقابل بتایا۔ لیکن چونکہ چیف کورٹ نے انتقال مقدمہ کی درخواست کو مسترد کر دیا تھا۔ اس لئے رائے چندولال صاحب مطمئن تھے کہ آخر کہاں تک عدالت میں نہ آئیں گے جس روز بھی آئے اسی روز ہتھکڑیاں لگوا دوں گا۔ اور یہ وہ زمانہ تھا جب کسی شریف آدمی کو ہتھکڑیاں لگجانا سخت ذلت سمجھا جاتا تھا۔ ۱۱۔ اپریل ۱۹۰۴ء تاریخ مقدمہ پڑ چکی تھی۔ اور اُس روز حضرت اقدس کو عدالت میں حاضر ہونا لابد تھا۔ اب ایسا ہؤا کہ گورداسپور جیل میں ایک مجرم کو پھانسی لگنی تھی۔ قاعدہ ہوتا ہے کہ ڈپٹی کمشنر ایک مجسٹریٹ کی ڈیوٹی لگا دیتا ہے جو اپنے سامنے پھانسی لگواتا ہے۔ اس دفعہ لالہ چندولال صاحب کی ڈیوٹی لگی۔ اُنہوں نے ڈپٹی کمشنر کو لکھا کہ مَیں بہت رقیق القلب ہوں کسی مجرم کو پھانسی لگتے دیکھ نہیں سکتا اس لئے مجھے معاف رکھا جائے۔

ڈپٹی کمشنر نے لکھا کہ تم فوجداری کے مجسٹریٹ ہو تم نے سینکڑوں مجرموں کو قید کا حکم سنانا ہے اور اگر سشن جج ہو گئے تو مجرموں کو پھانسی کا حکم بھی سنانا ہے تمہارا قلب ایسا نرم نہیں ہونا چاہیئے۔ اس پر لالہ جی نے پھر اصرار کیا کہ مَیں پھانسی لگتا آدمی دیکھ ہی نہیں سکتا۔ ڈپٹی کمشنر نے کسی دوسرے مجسٹریٹ کی ڈیوٹی لگا دی لیکن ساتھ ہی گورنمنٹ میں رپورٹ کر دی کہ یہ شخص یعنی چندولال اس قابل نہیں کہ اسے فوجداری اختیارات دیئے جائیں۔ ایسا نرم دل یا دوسرے لفظوں میں بزدل آدمی اس قابل نہیں کہ فوجداری کے مقدمات اس سے فیصل کرائے جائیں اس نے مجرموں کو کیا سزا دینی ہے۔ اور عدالت کیا خاک کرنی ہے۔ چنانچہ اس کی رپورٹ پر قبل اس کے کہ ۱۱۔ اپریل ۱۹۰۴ء آئے رائے چندولال صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری سے تنزل ہو کر منصف بنا دیئے گئے۔ اور ملتان تبدیل کر دیئے گئے۔ گویا ہمیشہ کیلئے بھیڑیئے کے ناخن توڑ دیئے گئے۔ اور حضرت اقدس کا الہام بڑی صفائی سے پورا ہؤا کہ انی مھین من اراد اھانتک۔ کہ جو تیری تذلیل کا ارادہ کریگا مَیں اُسے ذلیل کروں گا۔

> لالہ آتما رام صاحب مجسٹریٹ کی پیشی میں مقدمہ

رائے چندولال صاحب کی جگہ لالہ آتما رام صاحب مجسٹریٹ درجہ اوّل نے گورداسپور میں آکران مقدمات کا چارج لیا۔ ۱۱۔ اپریل ۱۹۰۴ء کو پیشی ہوئی۔ خواجہ صاحب نے استغاثہ کے گواہوں کو مکرر جرح کیلئے طلب کرایا۔ اسی طرح مولوی کرم الدین نے بھی چنانچہ ۹۔ مئی ۱۹۰۴ء تاریخ پڑ گئی۔ اس تاریخ پر حضرت اقدس بھی قادیان سے تشریف لے آئے۔ یہ مجسٹریٹ صاحب بھی کٹر آریہ تھے۔ لیکن چندولال سے زیادہ عقلمند تھے۔ انہوں نے اُس کی طرح جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہا۔ ایذادہی اور نقصان رسانی کے طریق جو اختیار کئے بتدریج کئے۔ اس سے قبل حضرت اقدس جس عدالت میں بھی پیش ہوتے رہے ہمیشہ مجسٹریٹ کرسی دیتے رہے۔ لیکن اس نے آپ کو کرسی نہ دی حالانکہ آپ بوجہ علالت کے سخت کمزور ہو رہے تھے بعض دفعہ باوجود سخت پیاس کے پانی تک پینے کی اجازت نہ دی حالانکہ گرمی کے دن تھے اور تاریخیں جلد جلد ڈالنی شروع کیں اور مقدمہ کو خوب لمبا لٹکایا تاکہ تکلیف ہو۔

> حضرت اقدس کا قیام گورداسپور

چونکہ تاریخیں جلد جلد پڑتی تھیں اور مقدمہ کو مجسٹریٹ لمبا کر رہا تھا اس لئے بار بار قادیان سے گورداسپور آنے جانے میں ناحق کی تکلیف اور بہت مالی نقصان ہوتا تھا بلکہ ایک مرتبہ آپ کی جان اور مال دونوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ درپیش ہو گیا تھا۔ وہ اس طرح کہ ۷۔ جولائی ۱۹۰۴ء کو حضرت اقدس بمعہ مولوی محمد حسن امروہی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب رتھ پر

سوار تھے اور قادیان سے بٹالہ آرہے تھے۔ باقی لوگ یکّوں پر سوار تھے۔ مولوی محمد علی صاحب اور شیخ یعقوب علی صاحب اور میاں معراج الدین صاحب پیدل تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ کسی وجہ سے یکّے وغیرہ سب پیچھے رہ گئے اور رتھ اکیلی رہ گئی۔ رات کا وقت تھا۔ آسمان ابر آلود تھا اور چاروں طرف سخت اندھیرا تھا۔ جب رتھ وڈالہ سے بٹالہ کی طرف آگے بڑھا تو چند ڈاکو گنڈاسوں اور چھویوں (لمبے دستے کی کلہاڑیوں) سے مسلح ہو کر رستے میں آگئے اور حضرت صاحب کی رتھ کو گھیر لیا۔ اور پھر وہ آپس میں تکرار کرنے لگ گئے۔ ہر شخص دوسرے سے کہتا تھا کہ تو آگے ہو کر حملہ کر مگر کوئی آگے نہ آتا تھا اور اسی تکرار میں کچھ وقت گزر گیا۔ اتنے میں مولوی محمد علی صاحب نے جو بمعہ اپنے رفقا کے پیچھے رہ گئے تھے ڈاکوؤں کو دیکھ لیا۔ تینوں آدمی لپکے اور ڈاکوؤں کو للکارا۔ چور کے پاؤں کہاں ہوتے ہیں۔ ان کو اپنی طرف آتا دیکھ کر ڈاکو بھاگ گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق حضرت اقدس کو بچا لیا۔ خواجہ صاحب بیان کرتے تھے کہ "جس وقت ڈاکو حملہ کرکے آئے تھے میں نے دیکھا کہ حضرت اقدس کی پیشانی سے ایک خاص قسم کی شعاع نکلتی تھی جس سے آپ کا چہرہ مبارک چمک اٹھتا تھا" عجب نہیں کہ ڈاکو اسی لئے مرعوب ہو گئے ہوں جس سے اُن کو حملہ کرنے کی جرأت نہیں پڑتی تھی۔ الغرض قادیان سے گورداسپور آئے دن آنا جانا بہت تکلیف دہ تھا۔ اس لئے آپ نے ۱۳۔ اگست ۱۹۰۴ء سے ایک مکان کرایہ پر لیکر بمعہ اہل و عیال گورداسپور میں سکونت اختیار کرلی ۔

شہادتوں پر مکرر جرح اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی عجیب غریب شہادت

حضرت اقدس کے خلاف جو مقدمہ مولوی کرم الدین نے کر رکھا تھا۔ اُس میں زیادہ تر بحث کذّاب اور لئیم کے لفظوں پر ہوا کرتی تھی۔ بڑی بڑی لغتوں اور عربی علم ادب کی کتابوں کی ورق گردانی ہوا کرتی تھی اور شہادت میں بڑے بڑے علماء اور صاحبانِ فہم سے ان لفظوں کے معنی کے متعلق استفسار ہوتا تھا۔ بہت سے مولویوں کے علم اور دیانت داری کا پول ان بحثوں میں کھلا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب بھی مولوی کرم الدین کی طرف سے گواہ تھے۔ اُنہوں نے مولوی کرم الدین کو ایک متقی انسان ثابت کرنے کے لئے بڑا زور مارا۔ چونکہ مولوی کرم الدین کا جھوٹ بولنا عدالت تک تسلیم کر چکی تھی اس لئے مولوی ثناء اللہ صاحب نے انوکھی منطق یہ چھانٹی کہ متقی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جھوٹ نہ بولے۔ اور اپنی تائید میں سند کے طور پر سورۃ بقرہ کی پہلی آیات کو پیش کیا جہاں ایمانیات کا ذکر ہے اور اعمال کی تفصیل موجود نہیں۔ وہاں تو فقط اتنا بتلانا مقصود ہے کہ ایک متقی کے لئے کن کن باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اعمال کی وہاں کوئی تفصیل نہیں۔ علاوہ ازیں اس بات کو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص قرآن پر ایمان لائیگا اور اسکو خدا کا

کلام یقین کرے گا اور جزا و سزا کے دن پر یقین رکھے گا وہ خدا کے حکم سے انحراف کیسے کر سکتا ہے اور جھوٹ کیسے بول سکتا ہے۔ مگر مولوی صاحب موصوف کی ظاہر الفاظ پرستی نے ان کی علمیت کا پردہ چاک کر دیا۔ اُنہوں نے محض مولوی کرم الدین کی تائید کیلئے یہ کہہ دیا کہ جھوٹ بولنے کے باوجود بھی انسان متقی ہی کہلائے گا کیونکہ یہاں ان آیات میں جھوٹ نہ بولنے کا صریح حکم کوئی نہیں۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے جرح میں پوچھا کہ پھر یہاں چوری کرنا۔ زنا کرنا۔ شراب پینا کسی کا بھی بالتفصیل ذکر نہیں تو کیا ان افعال کے ارتکاب کے باوجود بھی انسان متقی کہلائے گا؟ مولوی صاحب نے کہدیا کہ ہاں۔ اس پر عدالت میں ایک فرمائشی قہقہہ لگا اور مولوی صاحب خفیف ہو کر رہ گئے۔ مگر مولوی ہی کیا جو اپنی ضد پر نہ قائم رہے +

فریقین میں مصالحت کی کوشش اسی اثنا میں بعض درد دل رکھنے والے لوگوں نے فریقین میں صلح کرانے کی بھی کوشش کی۔ راجہ غلام حیدر خاں صاحب تحصیلدار پنڈ دادنخاں حضرت اقدس کی طرف سے شہادت دینے کیلئے گورداسپور آئے ہوئے تھے۔ اُن سے اور خواجہ صاحب سے ڈپٹی کمشنر نے بہت برہم ہو کر کہا کہ فریقین آپس میں کیوں صلح صفائی نہیں کر لیتے۔ ورنہ تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ راجہ صاحب موصوف اور خواجہ صاحب کچہری سے واپس آئے تو حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر تخلیہ کی درخواست کی۔ خاکسار مؤلف بھی اُس روز گورداسپور میں حضرت اقدس کی خدمت میں موجود تھا۔ ہم لوگ تخلیہ کر دینے کے لئے اُٹھ کر باہر چلے گئے۔ خواجہ صاحب نے سارا معاملہ عرض کیا تو حضرت اقدس نے جواب میں ایسی زور زور سے تقریر شروع کی کہ ہم لوگ کیا باہر سڑک کے لوگ بھی سنتے ہونگے آپ کی عادت کسی بات کو خفیہ رکھنے کی نہ تھی۔ جو معاملہ ہوتا تھا صاف صاف لوگوں کے سامنے لے آتے تھے۔ خیر ہم لوگ واپس اندر لوٹ آئے۔ حضرت صاحب فرما رہے تھے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام پر اقدام زنا کا الزام لگا تو انہوں نے پسند نہ کیا کہ اس وقت تک جیلخانہ سے باہر نکلیں جب تک کہ ان کے الزام کی پوری پوری تحقیقات نہ ہو جائے اور اُن کا دامن الزام سے پاک نہ ثابت ہو جائے۔ کیونکہ جو لوگ کسی قوم کے مقتدا ہوتے ہیں اُن کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ پبلک کی نگاہوں میں اُن کا دامن ہر قسم کے الزام سے پاک ہو۔ پس مَیں بھی ایک جماعت کا مقتدا ہوں۔ مَیں نہیں راضی ہو سکتا جب تک کہ میرا دامن اس الزام سے پاک نہ ثابت ہو جائے جو کرم الدین نے مجھ پر لگایا ہے۔ اور سارا معاملہ پوری طرح تحقیق نہ ہو جائے۔ مجسٹریٹ اور ڈپٹی کمشنر مجھے عدالت میں کھینچ کھینچ کر تھک سکتے ہیں مگر مَیں نہیں تھکوں گا۔ یا پھر معاملہ اس طرح سلجھ سکتا ہے کہ مولوی کرم الدین اور

ہیں یہ راضی نامہ لکھ کر عدالت میں داخل کر دیں کہ ہم اپنا مقدمہ دنیوی عدالت سے نکال کر خدا کی عدالت میں پیش کرتے ہیں پھر خدا آپ فیصلہ کرے گا کہ ہم میں سے کون راستی پر گامزن تھا اور کون جھوٹا اور بہتان لگانے والا تھا۔"

اس واقعہ کے بعد شیخ خدا بخش صاحب ڈسٹرکٹ جج بھی بیچ میں پڑ گئے اور راضی نامہ کی شرائط طے ہوتی رہیں لیکن مولوی کرم الدین کسی شرط پر بھی راضی نہ ہوا۔ مَیں اُس اشتہار کے ایک حصّہ کو یہاں نقل کر دیتا ہوں جو حضرت اقدس نے ۱۴۔ جون ۱۹۰۴ء کو "ایک واقعہ کا اظہار۔ برائے خدا اسے ضرور پڑھو" کے عنوان کے ساتھ شائع فرمایا۔ اس سے مصالحت کے متعلق تمام معاملات واضح ہو جائیں گے۔ فرماتے ہیں:۔

"اگر مولوی کرم الدین بجائے ان بیجا تہمتوں اور الزاموں کے جو اُس نے اپنے مضمون مندرجہ سراج الاخبار میں میرے پر لگائے اور خلاف واقعہ واقعات مجھ پر چسپاں کر کے مجھے جعلساز اور دھوکا باز ٹھیرایا۔ میرے پر تلوار چلا کر کوئی عضو میرا کاٹ دیتا تو مجھے اُس خدا کی قسم ہے جو میرے دل کو دیکھتا ہے کہ مَیں پھر بھی اسے معاف کر دیتا۔ اور کسی کے کہنے کی مجھے حاجت نہ ہوتی کہ مَیں اس سے صلح کر لوں اور اس کا گناہ بخش دوں۔ لیکن اے ناظرین! جو لوگ مصلح قوم بن کر خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں وہی ان مشکلات کو جانتے ہیں کہ ایسے بیجا الزام جو پبلک پر بُرا اثر ڈالنے والے ہیں وہ ان کے نزدیک تصفیہ کے لائق ہوتے ہیں۔ اور جب تک وہ الزام ان کے سر پر سے پبلک کی نظر میں معدوم نہ ہولیں تب تک وہ اس بات کو پسند نہیں کر سکتے کہ ایک گول مول مصالحت کر کے وہ داغ ہمیشہ کے لئے اپنے سر پر رکھیں۔ یوسفؑ جو ایک نبی تھا اُس پر ایک جھوٹا الزام اقدام زنا کا لگا کر اس کو قید کیا گیا اور پھر مدت کے بعد معافی دی گئی تو اس نے اس معافی کو قبول نہ کیا حالانکہ نائب السلطنت کا عہدہ بھی ملتا تھا بلکہ صاف کہا کہ جب تک زنا کی تہمت سے میری بریت نہ ہو مَیں زندان سے باہر قدم رکھنا نہیں چاہتا۔ اسی طرح اگر ایک دنیا دار پر بھی ایک جھوٹا الزام دغا یا خیانت مجرمانہ کا لگایا جاوے تو گول مول مصالحت پر راضی نہیں ہوتا۔ لیکن بعض خیر خواہان قوم نے اس بات پر زور دیا کہ فریقین میں مصالحت ہو جائے۔ یہاں تک کہ اس ضلع اور قسمت کے بعض نیک دل اور دُور اندیش اعلیٰ افسران اور حکام نے بھی اپنی رضامندی اس پر ظاہر کی کہ مَیں اس مستغیث سے صلح کر لوں...... اس موقعہ پر منشی غلام حیدر خاں صاحب تحصیلدار پنڈدادنخاں نے بھی جو

بطور شہادت اس مقدمہ میں تشریف لائے تھے مصالحت کے لئے کوشش کی۔ ان تمام بزرگوں کی ترغیب اور دلی خواہش نے مجھے اس غور و فکر میں ڈالا کہ اب صلح کیونکر ہو۔ آخر مَیں نے یہ جواب دیا کہ اگر مستغیث یعنی مولوی کرم الدین خدا تعالیٰ سے ڈر کر عدالت میں یہ اقرار کر دے کہ خطوط محولہ مقدمہ اور مضمون سراج الاخبار مؤرخہ ۶۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء و ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء اسی کے ہیں اور ہماری جعلسازی نہیں تو پھر مَیں اس سے صلح کر لونگا کیونکہ پبلک کے سامنے میری بریت کے لئے یہ اقرار کافی ہوگا اور مجھ سے الزام جعلسازی کا دُور ہو جائیگا لیکن مولوی کرم الدین نے اس کو نہ مانا۔ پھر صلح کے لئے یہ دوسری تجویز سوچی گئی کہ مولوی کرم الدین اور میری طرف سے دو پرچے علیحدہ علیحدہ لکھے جاویں۔ میری طرف سے پرچہ میں یہ ذکر ہو کہ مَیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں نے الفاظ کذاب۔ بہتان۔ لئیم مولوی کرم الدین کے متعلق یہ یقین کر کے لکھے تھے کہ خطوط محولہ مقدمات اور مضامین مندرجہ سراج الاخبار ۶ و ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء مولوی کرم الدین کے ہیں۔ اور مَیں دعا کرتا ہوں کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہو۔ اسی طرح کرم الدین یہ تحریری بیان پیش کرے کہ مَیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ خطوط[1] محولہ مقدمات جو میری طرف سے ظاہر کئے گئے اور مضمون سراج الاخبار ۶ و ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء جو میرے نام پر اخبار میں شائع ہوئے ہیں میرے نہیں ہیں۔ اور مَیں دعا کرتا ہوں کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہو۔"

"یہ ہر دو مسودے منشی غلام حیدر خاں صاحب نے اپنی قلم سے لکھے اور ان مسودوں کو جناب شیخ خدابخش صاحب ڈسٹرکٹ جج کے پاس میرے وکیل خواجہ کمال الدین صاحب کے ہمراہ لے گئے۔ کیونکہ شیخ صاحب موصوف نے ہمدردیٔ قوم کے لحاظ سے بہت سا اپنا قیمتی وقت اس مصالحت کی انجام دہی میں خرچ کیا۔ اور کوشش بلیغ فرمائی۔ مصالحت کرانے والوں نے مسودہ مجوزہ کو پسند فرما کر کہا کہ یہ مسودہ اب کسی طرح قابل اعتراض نہیں۔ البتہ اس میں لفظ لعنت ثقیل ہے اس کو کسی طرح بدل دیا جائے۔ راقم نے اس پر بھی رضامندی ظاہر کی۔ اور بجائے لفظ لعنت کے مسودہ کی صورت حسب ذیل کر دی کہ میں اس مقدمہ کو انصاف کے لئے خدا تعالیٰ کی عدالت میں سپرد کرتا ہوں۔ لیکن جب یہ مسودہ مولوی کرم الدین کے پاس

[1] یاد رہے کہ کرم الدین نے عدالت میں آ کر اپنے حلفیہ بیان میں انکار کیا کہ نہ خطوط اس نے بھیجے ہیں اور نہ سراج الاخبار ۶۔ اکتوبر اور ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں اس نے وہ مضمون لکھے جو اس کے نام پر شائع ہوئے۔ منہ

پیش کیا گیا تو اس نے منظور نہ کیا اور یہ عذر پیش کیا کہ مَیں قسم نہیں کھاتا۔ حالانکہ عدالت میں بھی بیان اس کا حلفیہ ہو چکا تھا۔ اور جب اس کے حلفیہ بیان کی مصدّقہ نقل دکھلا کر اُس کو کہا گیا کہ تم نے جب عدالت میں روبروئے رائے چندو لال صاحب مجسٹریٹ حلفیہ بیان باقرار صالح دیا کہ نہ مَیں نے یہ خطوط لکھے ہیں اور نہ سراج الاخبار کے مضامین میرے ہیں۔ تو پھر وہی حلفیہ بیان اب دینا ہے۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ وہ ایک مجبوری تھی والّا بلاضرورت اشد قسم کھانا جائز نہیں[1]۔ اس لئے مَیں قسم نہیں کھاتا۔ آخر یہ تجویز ہوا کہ بجائے خدا کی قسم کے اقرار صالح لکھا جاوے۔ اس تجویز پر ذیل کا مسودہ تجویز کیا گیا۔ کیونکہ پہلا بیان مولوی صاحب مذکور کا باقرار صالح تھا:۔

"مَیں اقرار صالح سے سچ سچ اپنے ایمان سے خدا تعالیٰ کے حضور میں بیان کرتا ہوں کہ خطوط متعلقہ مقدمہ جن سے میں نے انکار کیا ہے اور مضمون سراج الاخبار ۶۔ اکتوبر اور ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء جس سے مَیں انکاری ہوں۔ درحقیقت وہ خطوط اور وہ مضامین ہرگز میرے نہیں ہیں۔ اگر مَیں اپنے اس بیان میں جھوٹا ہوں تو انصاف کے لئے اپنے اس معاملہ کو خدا کی عدالت کے سپرد کرتا ہوں"

اس مسوّدہ پر یہ اعتراض مولوی مذکور نے کیا کہ الفاظ "خدا کے حضور میں" وغیرہ بھی قسم ہے۔ صرف لفظ باقرار صالح رکھا جاوے۔ اور معاملہ کی تشریح نہ کی جائے۔ آخر کار بہت بحث کے بعد جو اخیری مسوّدہ بتاریخ ۱۱۔ ماہ جون پیش کیا گیا وہ حسب ذیل لکھا جاتا ہے:۔

"میں کرم الدین باقرار صالح بیان کرتا ہوں کہ خطوط جو میرے نام سے مرزا غلام احمد صاحب اور حکیم فضل الدین صاحب کو پہنچے ہیں اور مضامین جو ۶۔ اکتوبر اور ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو میرے نام پر سراج الاخبار میں شائع ہوئے وہ میرے نہیں۔ اور اگر میرا یہ بیان خلاف واقعہ ہے تو مَیں بغرض انصاف اس معاملہ کو خدا تعالیٰ کی عدالت میں سپرد کرتا ہوں"

اس کے مقابل راقم نے مضمون ذیل منظور کیا:۔

---

[1] یہ امر بالکل غلط ہے کہ اسلام میں قسم کھانا منع ہے۔ تمام نیک انسان مسلمانوں میں سے ضرورتوں کے وقت قسم کھاتے آئے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ضرورتوں کے وقت قسم کھائی۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بارہا قسمیں کھائیں ...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں مجرموں کو قسمیں دلائی گئیں۔ قسموں کا قرآن شریف میں ذکر ہے۔ شریعت اسلام میں جب کسی اور ثبوت کا دروازہ بند ہو یا پیچیدہ ہو تو قسم پر مدار رکھا جاتا ہے۔ الخ۔ منہ

"میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں نے جو الفاظ کرم الدین کے متعلق کذاب۔ بہتان ولئیم کے لکھے ہیں وہ یہ یقین کر کے لکھے ہیں کہ خطوط محولہ اشتہارات کا لکھنے والا اور اخبار سراج الاخبار مورخہ ۶۔ اکتوبر و ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کا لکھنے والا مولوی کرم الدین ہے۔ اور مَیں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ جھوٹے پر لعنت ڈالے"۔

جب یہ مسودے حسب اجازت صاحب مجسٹریٹ مولوی کرم الدین کو دکھلائے گئے تو اس نے کہا کہ الفاظ خطوط اور اخبار وغیرہ کا ذکر نہ کیا جائے اور ایسا ہی خدا کی عدالت میں انصاف کے لئے سپردگی بھی نکال دی جاوے اور کوئی تصریح نہ کی جائے۔ جس کی وجہ وہ یہ بتاتا تھا کہ میرے برخلاف پیشگوئیاں کی جائیں گی۔ سو اس کے متعلق بھی شرط مان لی گئی تھی تاکہ مصالحت ہو جاوے۔ لیکن وہ کسی پہلو پر نہ آیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ مصالحت میں قطعی مایوسی ہو کر مقدمہ عدالت میں شروع ہو گیا۔ مجھے اس اشتہار کو جس میں صرف سادے اور سچے واقعات لکھے گئے ہیں اشاعت کرنے کی یہ ضرورت پیدا ہوئی کہ تاکہ ان نیک دل اور نیک نیت عالی حکام کو واقعات سے اطلاع ہو جاوے جنہوں نے نہایت ہمدردی اور شفقت سے جو اُن کو میرے خاندان سے ہے مجھے من وجہٖ کہلا بھیجا کہ مَیں مصالحت کر لوں۔ نیز ان پر روشن ہو جاوے کہ کون فریق ہم میں سے مصالحت سے کنارہ کش ہے۔ مجھ پر الزام خطوط کی جعلسازی کا اور دیگر ناجائز الزامات سراج الاخبار میں لگائے گئے جس کے دفعیہ کے لئے مَیں نے کوئی چارہ جوئی عدالت میں نہیں کی۔ بلکہ دفعیہ میں اسی بات پر اکتفا کیا کہ کتاب میں لکھ دیا کہ میری آبروریزی کرنے والا مجھ پر بہتان باندھتا ہے اور میرا توہین کنندہ کذاب ہے۔ اور اس کے یہ فعل کمینوں کے ہیں جس پر مَیں عدالت میں کھینچا گیا۔ مَیں نے حکام اور اپنے بزرگان قوم کی ہمدردی کی قدر کر کے یہی پسند کیا کہ ان الزامات جعلسازی وغیرہ کی بریت اگر عدالت سے نہ ہو سکے تو پھر خدا کی عدالت سے کراؤں۔ اور معاملہ کو طے کروں۔ البتہ گول مول مصالحت پر مَیں راضی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بذریعہ اشتہار ہذا مَیں پھر اپنی رضامندی ظاہر کرتا ہوں کہ اگر فریق ثانی مذکورہ بالا بیان عدالت میں دینے کو طیار ہے تو بالمقابل مَیں اسی قسم کا بیان دینے کو تیار ہوں۔ اور اسی دن ہر دو مقدمات داخل دفتر ہو سکتے ہیں۔ مَیں نے اپنے بیان کو ازاد تا سخت سے سخت اپنے لئے تجویز کیا ہے۔ یہ اشتہار اس لئے بھی شائع کیا گیا ہے کہ واقعات متعلقہ مصالحت جو ہوئے ہیں ان کے متعلق کوئی غلط بیانی نہ ہو"۔ المشتہر مرزا غلام احمد۔ ۱۴۔ جون ۱۹۰۴ء

ناظرین نے ملاحظہ فرمایا کہ اس مصالحت کی شرائط کو مولوی کرم الدین نے اسی لئے منظور نہیں گیا کہ حضرت اقدس اس مقدمہ کو بذریعہ قسم یا صاف لفظوں میں دنیا کی عدالت سے نکال کر خدا کی عدالت میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جھوٹا آدمی خدا کی عدالت میں کس طرح پیش ہونے کی جرأت کر سکتا ہے۔ دنیا کی عدالتوں میں تو چالاکیاں چل جاتی ہیں۔ بے انصافیوں کا ہو جانا ممکن ہے لیکن خدا کی عدالت تو ان نقائص سے بالاتر ہے۔ وہاں تو جھوٹا بچ نہیں سکتا یہی وجہ تھی جو مولوی کرم الدین اس طرف نہ آتا تھا اور طرح طرح کے حیلے اور عذرات تراشتا تھا۔ اور آخر اسی وجہ سے مصالحت نہ ہوئی اور مقدمہ چلتا رہا +

فرد جرم بحال رہا

۲۔ اگست ۱۹۰۴ء کو مولوی کرم الدین کے مقدمہ میں جو حضرت اقدس کے خلاف تھا شہادت استغاثہ ختم ہونے پر خواجہ کمال الدین صاحب نے عدالت کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ عدالت کو شہادت استغاثہ پر غور کر لینا چاہئے۔ کیونکہ ملزم کو بری کرنے کے لئے کافی مصالحہ اس میں موجود ہے۔ اور اگر بعد غور بادی النظر میں کوئی جرم پایا جاتا ہو تو ہم شہادت صفائی پیش کرنے کو بھی تیار ہیں۔ لیکن چونکہ ہماری حالت بہت نازک ہے اس لئے کہ ہماری مخالفت میں جھوٹ بولنا گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ پس اگر ہم اپنی جماعت کے گواہ پیش کریں گے تو اُن کے مرید ہونے کی وجہ سے شہادت کو کمزور کہا جاوے گا۔ اور غیر از جماعت لوگوں سے ہمیں اُمید نہیں کہ وہ اظہار حق کی جرأت کریں۔ اس لئے ہم مجبور ہوں گے کہ بعض اعلیٰ عہدہ داروں کو شہادت میں پیش کریں جن میں انگریز بھی ہوں گے جن پر کسی قسم کی طرفداری اور دھڑے بندی کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ان کثیر مصارف اور وقت کے لحاظ سے جو ایسی شہادتوں کے لئے درکار ہے نظر کر کے آپ اگر غور کر لیں تو بہت جلد فیصلہ ہو جاتا ہے۔ لیکن لالہ آتمارام صاحب نے ایک نہ سنی۔ اور رائے چند ولال صاحب نے جو حضرت اقدس اور حکیم فضل الدین صاحب پر فرد جرم لگایا تھا اسے بحال رکھا۔

گواہان صفائی میں جن لوگوں کو بلوایا گیا وہ ۴۲ عدد تھے۔ اور ان میں پیر مہر علی شاہ گولڑوی بھی تھے۔ لیکن مجسٹریٹ صاحب نے ان میں سے صرف ۱۰ گواہ رہنے دیئے۔ اور پیر گولڑوی صاحب کو بالخصوص نکال دیا۔ اس پر حکیم فضل الدین صاحب نے ایک درخواست دی کہ ہم ایک گواہ اور چھوڑنے کو تیار ہیں لیکن پیر گولڑوی صاحب کو بلانا ازبس ضروری ہے۔ کیونکہ انکے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے کارڈ کی تصدیق ہونی ضروری ہے۔ لیکن جب عدالت کی نیت بخیر نہ ہو تو کوئی کیا کر سکتا ہے لالہ آتمارام صاحب نے پیر گولڑوی صاحب کو بلانا منظور نہ کیا حالانکہ سب سے ضروری گواہ وہی تھے۔

مقدمہ کا فیصلہ شہادت صفائی ختم ہونے کے بعد مقدمہ کے فیصلہ کی تاریخ یکم اکتوبر ۱۹۰۴ء پڑی۔ خدا کی قدرت لالہ آتما رام نے اِدھر تو حضرت اقدس کو مقدمات میں تنگ کرنا شروع کیا اُدھر اُس کا جوان بیٹا بیمار ہو گیا۔ جس طرح حضرت مسیح ابن مریم کا مقدمہ جب پلاطوس کی عدالت میں پیش تھا تو اُس کی بیوی کو خواب آیا تھا کہ اس راستباز کے خون سے ہاتھ آلودہ نہ کرنا۔ اور بیوی کے اس خواب سے متاثر ہو کر پلاطوس نے برسرِ عدالت پانی منگا کر ہاتھ دھوئے تھے اور کہا تھا کہ میں اس شخص میں کوئی جرم نہیں پاتا۔ تب یہودیوں نے چلّا کر اُسے کہا کہ اِسے صلیب دے۔ تب اُس نے کہا اس خونِ ناحق کا وبال کس پر؟ تو یہودیوں نے کہا کہ ہم پر اور ہماری اولاد پر۔ پس پلاطوس تو بچ گیا اور یہودی پکڑے گئے۔ اسی طرح لالہ آتما رام کی بیوی کو بھی خواب آیا کہ اس راستباز کو اگر تیرا شوہر سزا دے گا تو تم پر وبال آئے گا۔ اس نے یہ خواب لالہ جی کو سُنا دیا لیکن لالہ جی کا دل پلاطوس سے زیادہ سخت تھا۔ اس لئے پروا نہ کی۔ وہ پہلے سے ہی آپ کو قید کرنے کی نیت کئے بیٹھا تھا کیونکہ اُس نے صاف برسرِ عدالت کہہ دیا تھا کہ مرزا صاحب کو جرمانہ کرنا تو درحقیقت اُن کے مریدوں پر جرمانہ ہو گا کیونکہ وہ لوگ اپنی جیب سے ادا کریں گے۔ گویا آپ کو سزا اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہ قید کی ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن فیصلہ کے وقت اتنی جرأت تو نہ ہوئی کہ آپ کو فقط قید کی سزا دیدیتا لیکن یہ منصوبہ ضرور کیا کہ سزا تو جرمانہ کی دی لیکن پولیس کو یہ اشارہ کر دیا کہ جب تک جرمانہ ادا نہ ہو مرزا صاحب کو ہتھکڑی مار کر جیل خانہ میں لے جاؤ۔ حضرت اقدس کو بذریعہ کشف اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا تھا کہ اگر آتما رام اپنی شرارت سے باز نہ آیا تو اپنی اولاد کے ماتم میں مبتلا کیا جاوے گا۔ چنانچہ یہ کشف آپ نے اپنی جماعت کو سنا دیا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اُس نے جب حضرت اقدس کو سزا دی تو پہلے تو اس کا وہ جوان لڑکا جو بیمار تھا مر گیا اور بیس پچیس روز کے عرصہ میں اس کا دوسرا لڑکا بھی مر گیا۔ آخر اس کی بیوی نے جل کر اُسے ملامت کی کہ "میرے باوجود روکنے کے تو باز نہ آیا۔ آخر کئے کا پھل پایا۔ تو نے تو گھر کو اُجاڑ کر چھوڑنا ہے"! خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ کسی مجسٹریٹ کا واقعات پیش کردہ کی بنا پر حق اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا خدا کے نزدیک قابلِ مواخذہ نہیں ہو سکتا لیکن جب مجسٹریٹ ابتدا سے ہی تعصب اور اسلام دشمنی کی وجہ سے خدا کے ایک برگزیدہ کی ایذا دہی اور سزا دینے پر تُلا ہوا ہو اور جان جان کر تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا ہو تو وہ خدا کی پکڑ سے کیسے بچ سکتا ہے۔ خواہ وہ پکڑ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ چنانچہ فیصلہ کے دن بھی وہ مجسٹریٹ اپنی نیش زنی سے باز نہیں آیا۔ اُس زمانہ میں ایک شریف اور معزز آدمی کو ایک منٹ کیلئے بھی ہتھکڑی لگا دینا سخت

ذلت سمجھا جاتا تھا۔ اور حضرت اقدس مرزا صاحب کا خاندان تمام ضلع میں سب سے زیادہ شریف اور معزز گنا جاتا تھا۔ اور آپ جس طرح اسلام کا غلبہ تمام دیگر ادیان پر دکھا رہے تھے اس سے آریوں کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ پس منصوبہ یہ کیا گیا کہ آپ کو ذلیل کیا جائے اور وہ اس طرح کہ حضرت اقدس کو جرمانہ کا حکم سناتے ہی کہا جائے کہ جرمانہ فوراً عدالت میں داخل کرو اور جب تک جرمانہ کی رقم آپ داخل نہ کریں آپ کو ہتھکڑی لگا کر جیل خانہ بھیجدیا جائے۔ اور حکم بھی ایسے وقت میں سنایا جائے جب عدالت برخاست ہو رہی ہو تا کہ دوسرے دن سے قبل جرمانہ داخل خزانہ نہ ہو سکے۔ اس طرح ایک روز تو جیل خانہ میں کاٹیں۔ آجکل ملزم کے ساتھ تو یہ عادت برتی جاتی ہے کہ مجرم کو ادائے جرمانہ کیلئے مہلت دی جاتی ہے لیکن اس زمانہ میں مجسٹریٹ کے اختیارات بہت وسیع تھے۔ اُسے اختیار تھا کہ چاہے تو ادائیگی جرمانہ تک مجرم کو مہلت دے یا قید رکھے مجسٹریٹ صاحب نے یکم اکتوبر کو فیصلہ نہیں سنایا۔ اور فیصلہ سنانے کی تاریخ ۸۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء ڈال دی۔ ۸۔ تاریخ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو مجسٹریٹ نے فیصلہ سنایا۔ شیخ یعقوب علی تراب کے مقدمہ میں جو مولوی کرم الدین اور فقیر محمد ایڈیٹر سراج الاخبار کے خلاف تھا ملزمان کو کہا گیا کہ تمہارا جرم ثابت ہے اور تمہارے عذرات غلط۔ کرم الدین کو ۵۰ روپیہ جرمانہ کیا گیا۔ بصورت عدم ادائے جرمانہ دو ماہ قید محض۔ اور فقیر محمد کو ۴۰ روپے جرمانہ کیا گیا۔ اور بصورت عدم ادائے جرمانہ ڈیڑھ ماہ قید محض۔

اس کے بعد حضرت اقدس اور حکیم فضل الدین صاحب کو عدالت میں بلایا گیا۔ اور عدالت میں پہرہ لگا دیا گیا اور سپاہیوں کو کہہ دیا گیا کہ سوائے مرزا صاحب اور حکیم فضل الدین صاحب کے کوئی دوسرا شخص عدالت کے کمرہ میں نہ آوے۔ اور ایک سپاہی ہتھکڑیاں لیکر عدالت کے کمرہ میں کھڑا کر دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ جرمانہ کا حکم سناتے ہی اگر فوراً جرمانہ ادا نہ ہو تو دونوں صاحبوں کو فوراً ہتھکڑی لگا کر جیل پہنچا دیا جائے۔ حضرت اقدس ان تمام منصوبوں سے بے خبر نہایت بے پروائی سے کمرۂ عدالت میں داخل ہو گئے۔ اور ساتھ ہی حکیم صاحب بھی۔ خواجہ صاحب حوائج ضروریہ کے لئے گئے ہوئے تھے۔ وہ واپس جو آئے تو دیکھا کہ حضرت اقدس عدالت کے کمرہ میں اکیلے داخل ہو رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مجسٹریٹ نے فیصلہ سنانے کیلئے بلایا ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ کوئی اور آدمی کمرہ میں نہ آوے۔ ان کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ خیر نہیں۔ بھاگ کر عدالت کے کمرہ کے دروازہ پر پہنچے۔ اندر گھسنے لگے تو دو سپاہیوں نے دروازہ پر دونو طرف سے آگے بڑھ کر روکا۔ انہوں نے کہا کہ میں کیسے اندر نہ جاؤں۔ میں ملزمان کا وکیل ہوں۔ اور ساتھ ہی بغیر کسی جواب کے

انتظار کے دونو ہاتھ پھیلا کر دونو سپاہیوں کو دروازہ کے باہر دھکیل دیا۔ ماشاء اللہ تنومند آدمی تھے سپاہی پھر نہ بولے۔ کمرہ کے اندر گئے تو مجسٹریٹ فیصلہ سُنا رہا تھا۔ حضرت اقدس پر پانچ سو روپیہ جرمانہ اور حکیم فضل الدین صاحب پر دو۲۰۰سو جرمانہ کیا گیا اور بصورت عدم ادائیگی جرمانہ چھ چھ ماہ قید محض۔ گو یا کل جمع سات سو روپے جرمانہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عجائبات بھی بعض دفعہ انسان کو حیران کر دیتی ہیں۔ کمرۂ عدالت میں داخل ہونے سے قبل خواجہ صاحب کی جیب میں ٹھیک سات سو روپے ہی موجود تھے۔ بعض احباب کا بیان ہے کہ کسی پرانے مؤکل نے خواجہ صاحب کو اُسی روز سات۷۰۰سو روپے ان کی بقایا فیس کے ان کے عدالت میں داخل ہونے سے عین قبل دیئے۔ اور نوٹوں کی شکل میں دیئے۔ آپ نے جلدی میں وہ نوٹ جیب میں ڈال لئے۔ اور کمرۂ عدالت میں گھس گئے۔ وہاں جو سات۷۰۰سو روپے جرمانہ سُنا تو اُنہوں نے فوراً وہ سات۷۰۰سو روپے کے نوٹ جیب میں سے نکال کر عدالت کی میز پر رکھ دیئے۔ مجسٹریٹ ہکا بکا رہ گیا۔ اُس کا سارا منصوبہ حضرت اقدس کو قید کرنے کا خاک میں مل گیا۔ بہت تلملایا اور چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ لیکن نوٹوں کو دیکھ کر پھر چہرہ پر رونق آگئی۔ اُس زمانہ میں نوٹوں پر لاہور، کلکتہ، کراچی، مدراس وغیرہ لکھا ہوتا تھا۔ اور پنجاب میں عام طور پر وہی نوٹ بازار میں لئے جاتے تھے جن پر لاہور یا کلکتہ لکھا ہوتا تھا۔ باقی نوٹ دوکاندار قبول نہ کرتے تھے خواجہ صاحب نے جو نوٹ عدالت کے آگے پیش کئے تھے اُن پر "مدراس، کراچی" لکھا ہوا تھا۔ فوراً مجسٹریٹ صاحب بولے کہ یہ نوٹ مدراس کراچی کے ہیں یہاں قابل قبول نہیں۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ آپ لکھ دیں کہ سات سو روپے کے نوٹ پیش کئے گئے تھے مگر چونکہ وہ مدراس کراچی کے تھے اس لئے عدالت نے قبول نہیں کیا۔ اس پر وہ عاجز آگیا۔ کیونکہ گو بازار میں دوکاندار مدراس کراچی کے نوٹ نہ لیں لیکن گورنمنٹ اپنے نوٹ برٹش انڈیا کے حدود کے اندر لینے سے انکار نہیں کر سکتی۔ چار و ناچار اُس نے نوٹ قبول کر لئے اور بصد حسرت و یاس حضرت اقدس اور حکیم صاحب کو جانے کی اجازت دیدی۔

قادیان کو واپسی حضرت اقدس فیصلہ کے نقول لینے اور سامان سنبھالنے میں دو دن اور گورداسپور ٹھہرے۔ اس کے بعد ۱۱۔ اکتوبر کو واپس قادیان تشریف لے آئے۔

غیر مناسب نہ ہوگا اگر میں کچھ ریمارکس خواجہ کمال الدین صاحب کی نسبت یہاں بیان کر دوں:۔

خواجہ کمال الدین صاحب کی خدمات اور قربانیاں خواجہ کمال الدین صاحب حضرت اقدس مرزا صاحب کے بڑے مخلص اور ساتھ ہی بہت محبوب مرید تھے۔ اُنہوں نے بڑی بڑی خدمتیں اور قربانیاں

کیں۔ بالخصوص اس مقدمہ گورداسپور میں تو انہوں نے کمال کر دیا۔ اس زمانہ میں خواجہ صاحب پشاور میں وکالت کرتے تھے۔ جب یہ مقدمہ شروع ہوا اور اس کی پیشیاں لمبی ہوتی چلی گئیں تو آپ اپنی چلتی ہوئی وکالت اور سینکڑوں روپے کی پریکٹس پر لات مار کر گورداسپور آن بیٹھے۔ اور شب و روز اس مقدمہ کی پیروی میں منہمک ہو گئے۔ مولوی محمد علی صاحب بھی چونکہ پلیڈر تھے اس لئے وہ بھی برابر خواجہ صاحب کے ساتھ ساتھ مقدمہ کی پیروی کرتے رہے۔ لیکن سینیر وکیل خواجہ صاحب ہی تھے۔ مسٹر اوگارمن بیرسٹرایٹ لا لاہور دو چار پیشیوں میں آیا۔ اس کے بعد اسے بلانا غیر ضروری سمجھا گیا۔ خواجہ صاحب نے جیسی جیسی زبردست تقریریں عدالت میں کی ہیں وہ محیر العقول تھیں اور اگر مجسٹریٹ کی نیت میں خلل نہ ہوتا تو مقدمہ کبھی کا حضرت اقدس کے حق میں فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ ایک دفعہ تحریری بحث لکھ کر شامل مسل کرنی تھی اور تاریخوں کا درمیانی وقفہ بہت کم تھا اور خواجہ صاحب بڑی مبسوط بحث قلمبند کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لئے ۲۵۔ اگست ۱۹۰۴ء کو صبح ۸ بجے سے لکھنا شروع کیا تو ۲۶۔ اگست ۱۹۰۴ء ۱۰ بجے صبح تک برابر ۲۶ گھنٹے لکھتے رہے۔ صرف نمازوں اور حوائج ضروریہ کے لئے تو درمیان میں اُٹھے لیکن پلک تک نہیں جھپکائی۔ اس قدر محنت حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ خواجہ صاحب کے اہل و عیال پشاور میں تھے۔ وکالت کی آمدنی بند ہو گئی تو اُن کا بُرا حال ہوا۔ زیور تک بک گئے۔ قرضدار ہو گئے لیکن خواجہ صاحب کو اس مقدمہ میں وہ انہماک تھا کہ پروا تک نہیں کی۔ اور حضرت اقدس کے سامنے کبھی ذکر نہیں کیا کہ میرے اہل و عیال کی یہ حالت زار ہے۔ آخر ایک مرتبہ جب اہل و عیال کی نوبت فاقوں تک پہنچ گئی تو تاریخوں کے درمیانی وقفہ میں حضرت اقدس سے اجازت لیکر پشاور گئے۔ مولوی عبدالکریم صاحب کو بھی پشاور دیکھنے کا بہت شوق تھا وہ بھی ساتھ چلے گئے۔ خواجہ صاحب نے پشاور پہنچ کر بیوی کے تین سو روپے کے طلائی کڑے فروخت کر کے ان کے گذارہ کا انتظام کیا۔ اس حالت کا مولوی عبدالکریم صاحب کو بھی علم ہو گیا۔ انہوں نے واپس گورداسپور آ کر حضرت صاحب سے ساری کیفیت عرض کر دی حضرت صاحب کو یہ واقعہ سُن کر بہت رنج ہوا اور آپ نے فرمایا کہ ہم انشاء اللہ دعا کریں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحب نے اندرون خانہ سے تین سو (۳۰۰) روپے میاں محمود احمد صاحب کے ہاتھ مولوی عبدالکریم صاحب کو بھجوائے کہ یہ روپیہ خواجہ صاحب کیلئے ہے ان کو دیدیں۔ مولوی صاحب نے میاں صاحب کو ان کے پاس بھیجدیا۔ خواجہ صاحب کو جب یہ روپیہ ملا تو وہ اُسے لیکر فوراً مولوی صاحب کے پاس آئے کہ یہ کیسا روپیہ ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مَیں نے تمہاری حالت حضرت صاحب

کی خدمت میں عرض کر دی تھی اور اب حضرت صاحب نے یہ روپیہ بھجوایا ہے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ "مولوی صاحب آپ نے یہ غضب کر دیا جو حضرت صاحب کو خبر کر دی۔ مَیں جو کچھ کر رہا ہوں خدا کیلئے کر رہا ہوں۔ مَیں یہ روپیہ نہیں لے سکتا"۔ مولوی صاحب نے کہا کہ "اگر حضرت صاحب سے عرض نہ کیا جاتا تو اور کس سے کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کے نیچے اس وقت دنیا میں ہمارے لئے حضور ہی ہیں تم خاموش ہو کر روپیہ لیلو اور خدا کا شکر کرو یہ روپیہ بہت بابرکت ہے۔ اور حضرت صاحب نے تمہارے واسطے دعا کا بھی وعدہ فرمایا ہے"۔ چنانچہ وہ روپیہ خواجہ صاحب نے رکھ لیا۔ خواجہ صاحب کا بیان ہے کہ پھر اس کے بعد گورداسپور میں ہی میرے پاس مقدمات آنے لگ گئے۔ اور مَیں نے اس قدر جلد حضرت صاحب کی دعا کا اثر دیکھا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ رزق کی طرف سے ذرا اطمینان ہوا تو خواجہ صاحب کی لڑکی پشاور میں بیمار ہو گئی۔ وہاں سے خط پر خط آتے رہے کہ لڑکی بہت بیمار ہے جلد آؤ۔ انہوں نے لکھا کہ بہترین ڈاکٹر کو دکھاؤ اور علاج کرو لیکن مَیں ان حالات میں آ نہیں سکتا۔ پھر تار آئی کہ حالت بہت خطرناک ہے۔ انہوں نے تار دی کہ علاج کرو۔ اور حضرت صاحب کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کر دی۔ پھر تار آئی کہ لڑکی فوت ہو گئی جلد آؤ۔ انہوں نے تار دی کہ دفن کر دو۔ مَیں حضرت کا مقدمہ چھوڑ کر نہیں آ سکتا۔ ایسی قربانیاں آخر اثر رکھتی ہیں۔ حضرت اقدس ان قربانیوں کو دیکھ رہے تھے۔ اور نہ معلوم خواجہ صاحب کے لئے کتنی دعائیں کی ہوں گی جو ایک روز خواجہ صاحب کو بلا کر کہا کہ آپ کے متعلق مجھے الہام ہوا ہے "حُسنِ بیان"۔ پس آپ کو حُسنِ بیان کا انعام جناب الٰہی کی طرف سے دیا جائے گا۔ اور وہ حسن بیان عدالت میں مقدمات کے ذیل میں ہی نہ ہوگا بلکہ ایسا حسن بیان ہوگا کہ وہ ایک نشان ہوگا۔ ایک عالم سنے گا اور حیران ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا جنہوں نے خواجہ صاحب کی مذہبی تقریریں بڑے بڑے مجمعوں میں سُنی ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کی تقریریں کس قدر معقول اور مدلل ہوتی تھیں۔ اور ان کا طرز بیان کس قدر دلکش اور پیارا تھا۔ ایک دفعہ وہ تقریر شروع کر دیتے تو مجمع پر جادو ہو جاتا۔ سامعین میں سے کوئی ہل نہ سکتا۔ اُنہیں مخاطب کر کے مَیں تو کہا کرتا تھا کہ ع

کسی کی آنکھ میں جادو تیری زبان میں ہے

پھر کیا اُردو میں۔ کیا انگریزی میں۔ کیا ہندوستان میں کیا یورپ میں۔ جہاں بھی تقریر کرتے لوگوں کو مسحور کر لیتے۔ بڑے بڑے انگریزوں دہریوں اور فلسفیوں کی مجلسوں میں تقریریں کرتے اور ان سے اپنا لوہا منوا لیتے۔ بڑی بڑی فاضل اور قابل انگریز لیڈیاں اُن کی تقریریں سُن سُن کر جھومتی

اور سر دُھنتی تھیں ؎

سیشن جج میں اپیل منظور ہو جاتی ہے

جو کچھ آتما رام نے فیصلہ دیا تھا اس کی اپیل مسٹر ہیری سیشن جج امرتسر کے پاس کی گئی۔ ۲۶۔ نومبر ۱۹۰۴ء کو پیشی کے لئے مقرر ہوئی۔ وجوہات اپیل پر غور کر کے سیشن جج نے ۷۔ جنوری ۱۹۰۵ء تاریخ مقرر کر کے فریق ثانی کے نام نوٹس جاری کر دیا۔ اب وقت آ گیا کہ سآکرمک بعد توہینک والا الہام پورا ہو۔ (کہ تیری توہین کے بعد تیرا اکرام کروں گا) اور "فتح حنین" کی طرح پہلے بظاہر شکست کے بعد اللہ تعالیٰ فتح اور کامیابی عطا فرماوے۔ مسٹر ہیری ایک پادری منش انگریز تھا اور پادری سب حضرت اقدس کے سخت دشمن تھے لیکن کچھ ایسا تصرف الٰہی ہوا کہ اُس نے نہایت انصاف کے ساتھ حضرت اقدس اور حکیم فضل الدین صاحب کو بری قرار دیا اور جرمانہ واپس کر دیا۔ ۷۔ جنوری ۱۹۰۵ء کو اپنے فیصلہ میں یہاں تک لکھ دیا کہ اگر کرم الدین کے خلاف اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ لکھے جاتے تو وہ اس کا مستحق تھا۔ سراج الاخبار جہلم کے ۶۔ و ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء والے مضامین کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:۔

"آرٹیکلوں کی بابت یہ کہہ دینا کافی ہے کہ اُن سے ایک دانستہ منصوبہ۔ چال بازی اور خلاف بیانی اور جعلسازی کا اظہار ہوتا ہے۔ جن پر بے حیائی کے ساتھ ایک پبلک اخبار کی سطروں میں دنیا کے سامنے فخر کیا گیا ہے۔ ہم نہیں خیال کر سکتے کہ ان آرٹیکلوں کا نویسندہ عدالتوں سے کسی قسم کی مدد حاصل کرنے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ ان اشخاص نے جن کا ان تحریروں میں مضحکہ اڑایا گیا ہے۔ رنج اور غصہ میں الفاظ لئیم (کمینہ) یا بہتان یا کذاب (بڑا دروغگو) استعمال کئے ہیں۔ ہم اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کس طرح صاحب مجسٹریٹ نے یہ قرار دینے کے بعد کہ مستغیث نے ہی یہ آرٹیکل لکھے اور فی الواقعہ اسی بنا پر اس پر ایک اور مقدمہ میں اثبات جرم قائم کیا۔ آرٹیکلوں کی طرز تحریر پر غور نہیں کیا جن سے بہت ادنیٰ درجہ کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں۔ خواہ ملزمان اس وقت باقاعدہ طور پر آرٹیکلوں کا جواب دے رہے تھے یا نہ دے رہے تھے۔ تاہم حیثیت مستغیث کا موازنہ کرنے میں آرٹیکلوں کو نظر انداز کرنا ناممکن ہے۔ اور ہمارے خیال میں ان ہتک آمیز الفاظ کا استعمال یہاں تک درست تھا کہ اگر الفاظ مذکور کسی قدر اس سے بڑھ کر بھی ہوتے تب بھی ہم مستغیث کی مدد نہ کرتے۔"

پھر آگے چل کر لکھا ہے کہ:۔

"ہمارے خیال میں اخیر پر اس میں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ یہ قرار دیا جاوے کہ ملزمان نے

نیک نیتی سے کارروائی کی"

پھر آخر میں لکھا:-

"بہت ہی افسوس ہے کہ ایسے مقدمہ میں جو کارروائی کے ابتدائی مرحلہ پر ہی خارج کیا جانا چاہئے تھا اس قدر وقت ضائع کیا گیا ہے۔ لہذا ہر دو ملزمان مرزا غلام احمد اور حکیم فضل الدین بری کئے جاتے ہیں اور ان کا جرمانہ واپس دیا جاوے گا"

غرضکہ الہام "عدالت عالیہ سے بریت" والا حرف بحرف پورا ہوا۔ اور ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ہم محسنون کے الہام کے ماتحت حضرت اقدس کا متقی اور محسن ہونا روز روشن کی طرح ثابت ہوگیا۔ اور مواہب الرحمان کی پیشگوئی کے مطابق وہ بلا جو کرم الدین نے حضرت اقدس پر ڈالنی چاہی تھی خود اُس پر پڑی۔ یعنی ایک تو سشن جج نے اس کی حیثیت عرفی ہی گرا کر بہت ادنیٰ درجہ کی قرار دیدی گویا وہ ہمیشہ کے لئے ایک کذاب اور کمینہ بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ کا مستحق قرار پا گیا۔ دوسرے اُس کی سزا جو عدالت ماتحت میں ہوئی تھی وہ عدالت اپیل میں بھی بحال رہی۔

سفر لاہور اور لیکچر لاہور

سفر لاہور لاہور کی جماعت نے حضرت اقدس مرزا صاحب سے کئی مرتبہ عرض کیا کہ ایک مرتبہ حضور لاہور تشریف لاویں تاکہ تبلیغ کا حق ادا ہو جائے۔ حضرت اقدس نے وعدہ فرمالیا مقدمہ کرم الدین کی وجہ سے آپ گورداسپور میں بمعہ اہل وعیال مقیم تھے۔ ۱۸۔ اگست ۱۹۰۴ء کی پیشی کے بعد ۵۔ ستمبر کی تاریخ پڑی تو آپ نے خیال فرمایا کہ درمیانی وقفہ کافی ہے لاہور ہو آئیں۔ چنانچہ احباب لاہور کو اطلاع دیدی گئی اور آپ بمعہ اہل وعیال ۲۰۔ اگست ۱۹۰۴ء کو لاہور تشریف لے آئے۔ مولانا نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی۔ مولوی محمد علی صاحب اور نواب محمد علی خاں صاحب بھی ہمراہ تھے۔ امرتسر کے اسٹیشن پر احمدی جماعت اور ایک کثیر گروہ دوسرے معززین کا حضرت کی زیارت اور ملاقات سے مشرف ہونے کے لئے موجود تھا۔ لاہور میں اسٹیشن کا کل پلیٹ فارم آدمیوں سے اس طرح پُر تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ ہندو۔ مسلمان۔ سکھ۔ انگریز غرضکہ ہر قسم کے لوگ موجود تھے۔ آپ کے قیام کیلئے معراج الدین عمر صاحب کا ایوان تجویز ہوا جو دہلی دروازہ کے باہر تھا۔ لیکن چونکہ یہ کل مہمانوں کے لئے کافی نہ تھا اس لئے میاں چراغ الدین صاحب کا ایوان مبارک منزل بھی مہمانداری کیلئے استعمال میں لایا گیا۔

مختلف تقاریر

دوسرے دن ۲۱۔ اگست کو حضرت اقدس ظہر کے وقت باہر تشریف لائے اور نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد احباب کے اصرار پر ایک کرسی پر رونق افروز ہوئے۔ میاں فیروز الدین صاحب نے آگے بڑھکر نیاز حاصل کیا۔ حضرت اقدس نے چند نصائح فرماتے ہوئے ایک تقریر ارشاد فرمائی جو معارف وحقائق کا ایک دریا تھا اور اخباروں میں شائع شدہ موجود ہے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں شب وروز طالبان حق کی آمد ورفت کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ اور وعظ ونصائح اور معارف وحقائق کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ بیعت بھی کثرت سے ہو رہی تھی۔ اسی سلسلہ میں ۲۸۔ اگست ۱۹۰۴ء کو صبح سات بجے قریباً ڈیڑھ ہزار آدمی کے مجمع کے سامنے آپ نے ایک تقریر فرمائی جس میں توبہ اور ایمان اور نزولِ بلا کی فلاسفی پر ایسے معارف وحقائق بیان کئے کہ لوگوں کی رُوح وجد کر اُٹھی۔

۲۔ستمبر ۱۹۰۴ء کو جمعہ تھا۔ نماز جمعہ حضرت مولانا نور الدین صاحب نے پڑھائی اور خطبہ میں سورۂ کوثر کی ایسی لطیف تفسیر فرمائی کہ اہل فہم عش عش کر اُٹھے۔ نماز جمعہ کے بعد احباب کے اصرار سے حضرت اقدس نے پھر ایک نہایت لطیف تقریر فرمائی جو باعث ازدیادِ ایمان وعلم ہوئی۔

لیکچر لاہور

۳۔ستمبر ۱۹۰۴ء کو آپ کا مشہور ومعروف لیکچر "اسلام اور اس ملک کے دوسرے مذاہب" لاہور کی پبلک کو پڑھ کر سنایا گیا۔ کئی روز پہلے سے اس کا اشتہار تمام لاہور میں چسپاں کر دیا گیا تھا۔ اور ہر مذہب وملت کے اصحاب کو مدعو کیا گیا تھا۔ مشتہرین میں خواجہ کمال الدین صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب و ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔ اور میاں معراج الدین عمر صاحب وغیرہ تھے۔ لیکچر کا وقت صبح ساڑھے چھ بجے مقرر تھا۔ اور جگہ وہ منڈوہ تھا جو حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے مزار کے عقب میں واقع ہے۔ ۳۔ستمبر کو منڈوہ میں اس کثرت سے مخلوق جمع ہوئی کہ آدمیوں کا ایک جنگل معلوم ہوتا تھا۔ اور اگرچہ مخالف مولویوں کے جابجا اڈے جمے ہوئے تھے جن میں وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر مسلمانوں کو اس جلسہ میں جانے سے روک رہے تھے۔ بلکہ ایک مولوی تو ٹاہلی (شیشم) کے درخت پر چڑھ کر گلا پھاڑ رہا تھا کہ اس جلسہ میں کوئی مسلمان نہ جائے ورنہ نکاح ٹوٹ جائیں گے۔ (خدا کی شان۔ وہ مولوی بعد میں لاہور میں "مولوی ٹاہلی" کے نام سے ہی مشہور ہو گیا) لیکن وہ جذب اور کشش تھی کہ خلقت دریا کے بہاؤ کی طرح اس جلسہ کی طرف ہی چلی جا رہی تھی جلسہ میں ہر مذہب وملت کے لوگ۔ ہندو۔ آریہ۔ سکھ۔ برہمو سماج۔ دیو سماج۔ مسلمان وغیرہ بکثرت موجود تھے۔ البتہ عیسائیوں کی تعداد کم تھی۔ پہرہ کا انتظام بہت عمدہ تھا۔

ورنہ اس انبوہ کثیر میں تو لوگوں کے کچل جانے یا دم گھٹ کر مر جانے کا خطرہ تھا۔ لیکچر لکھا ہُوا تھا جسے مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے پڑھ کر سنایا۔ مولوی صاحب موصوف کا پڑھنا ایک خاص شان رکھتا تھا۔ اُن کی کڑاکے دار آواز۔ زبان کی طلاقت سب کچھ مل ملا کر پڑھنے میں ایک خاص اثر پیدا کر دیتی تھی۔ اس لیکچر کے دو حصّے تھے۔ پہلے حصّہ میں تو اسلام اور اس ملک کے دوسرے مذاہب پر ریویو تھا۔ اور حسب معمول نہایت مدلل اور معقول تھا۔ اس کو شروع ہی اس بات سے کیا تھا کہ خدا پر ایمان کمزور ہو جانے یا نہ رہنے نے دنیا کو صراط مستقیم سے پرے ہٹا دیا ہے۔ اور گناہوں میں مبتلا کر دیا ہے پس سب سے زیادہ ضرورت خدا پر ایمان پیدا کرنے کی ہے۔ پھر اسلام کے واحد زندہ مذہب ہونے کو پیش کیا تھا جس میں زندہ خدا کے نشانات ہمیشہ ظہور پکڑتے رہتے ہیں۔ غرضکہ لیکچر قابل دید ہے اور چھپا ہُوا موجود ہے۔ دوسرے حصّۂ لیکچر میں آپ نے اپنا دعویٰ پیش کیا تھا اور اُس پر دلائل دیئے تھے۔ لیکچر بہت مؤثر تھا۔ لیکن پبلک نے اصرار کیا کہ حضرت مرزا صاحب خود بھی اپنی زبان سے کچھ فرمائیں۔ اس پر حضرت اقدس کھڑے ہوئے مگر لوگوں نے بولنا شروع کر دیا تھا اس لئے اس قدر شور تھا کہ کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ یہ رنگ دیکھ کر مولوی عبدالکریم صاحب کھڑے ہوئے اور قرآن کریم پڑھنا شروع کر دیا اور سورۃ الحشر کا آخری رکوع پڑھا۔ قرآن کریم پڑھنے میں آپ کی آواز نہایت خوبصورت اور سریلی اور بلند اور مؤثر ہوتی تھی اسلئے آپ کی قرآن خوانی نے پبلک کو مسحور کر لیا۔ اور ایسی خاموشی طاری ہوگئی کہ ایک پن کے گرنے کی آواز بھی سنی جا سکتی تھی۔ اس کے بعد فوراً ہی حضرت اقدس نے تقریر شروع کر دی اور سب سے پہلے سامعین کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے ایسے طمانیت قلبی اور خاموشی کے ساتھ لیکچر کو سُنا۔ اور پھر لوگوں کو توجہ دلائی کہ جو لیکچر سنایا گیا ہے اس پر غور کریں اور پھر مختلف مذاہب کے لوگوں کی خدمت میں درخواست کی کہ مذہبی اختلاف کو آپس کی عداوت اور ایذا رسانی کی وجہ نہ بنائیں۔ خدا کے اخلاق تو وسیع ہیں کوئی اُسے ہزاروں گالیاں دے وہ اس پر پتھر نہیں برسا دیتا۔ پس اسی طرح سچے مذہب والا تنگ ظرف نہیں ہو سکتا۔ تنگ ظرف خواہ ہندو ہو یا مسلمان یا عیسائی وہ دوسرے بزرگوں کو بھی بدنام کرتا ہے۔ مَیں اس سے منع نہیں کرتا کہ اختلاف مذہب بیان نہ کرو۔ بیشک نیک نیتی سے اختلاف بیان کرو۔ مگر اس میں تعصب اور کینہ کا رنگ نہ ہو۔"

غرضکہ لاہور کی پبلک بہت اچھا اثر اپنے قلوب پر لیکر گئی۔ اور مخالف مولویوں اور دشمنان اسلام کے گھروں میں ماتم بپا ہو گیا۔

واپسی گورداسپور

۴۔ ستمبر ۱۹۰۴ء کو آپ واپس گورداسپور تشریف لے گئے۔

سفر سیالکوٹ و لیکچر سیالکوٹ

سیالکوٹ جانیکی تمہید

قیام لاہور کے زمانہ میں ہی احباب سیالکوٹ نے حضرت اقدس سے وعدہ لے لیا تھا کہ آپ سیالکوٹ ضرور تشریف لائیں۔ وہ شہر جہاں آپ ابتدائی عمر میں چار برس تشریف رکھتے رہے حق رکھتا ہے کہ آپ وہاں پھر رونق افروز ہوں۔ مقدمہ کرم الدین کے ختم ہو جانے کے بعد آپ نے سیالکوٹ تشریف لے جانے کا عزم مصمم کر لیا اور احباب سیالکوٹ کو اطلاع دیدی کہ ہم ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو جمعرات کے روز انشاء اللہ تعالیٰ قادیان سے سیالکوٹ روانہ ہوں گے۔

مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹ میں

مولوی عبدالکریم صاحب لاہور سے ہی سیالکوٹ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں سے حضرت اقدس کے طلب کرنے پر گورداسپور تشریف لے آئے۔ مگر بعض ضرورتوں کی وجہ سے پھر سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر بہت بیمار ہو گئے خدا نے فضل ہی کیا تو بچ گئے۔ مولوی صاحب موصوف کا وطن سیالکوٹ تھا اس لئے اپنی شفایابی کے بعد انہوں نے اپنے وطن کی خدمت اس طرح کی کہ دو زبردست لیکچر تبلیغ حق کے لئے وہاں دیئے جس سے سوئی ہوئی پبلک جاگ اُٹھی۔ اور موافقت اور مخالفت کا سلسلہ بڑے زور شور سے شروع ہو گیا کہ اتنے میں حضرت اقدس کی آمد کا غلغلہ سیالکوٹ میں ہوا۔

عزم سیالکوٹ

حضرت اقدس بمعہ مولانا نور الدین صاحب اور مولانا محمد احسن صاحب امروہی و دیگر احباب قادیان سے ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو صبح ۸ بجے روانہ ہونے کو تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب پہلے سے سیالکوٹ میں موجود تھے۔ حضرت اقدس جس گاڑی میں سیالکوٹ پہنچنے والے تھے وہ وہاں رات کو پہنچتی تھی۔ آپ کے اس پروگرام کا پتہ سیالکوٹ کے دوستوں کو لگا تو انہوں نے عریضہ لکھ بھیجا کہ حضور اگر ایسی گاڑی لیں جو دن کے وقت سیالکوٹ پہنچتی ہو تو بہت خوب ہوگا۔ مطلب یہ تھا کہ ایک تو رات کو انتظام کرنا مشکل ہوتا ہے دوسرے دن کو جلوس کا نظارہ قابل دید اور بہت اثر انداز ہوا کرتا ہے۔ لیکن حضرت اقدس چونکہ ریا و نمود دنیوی جاہ و حشم اور استقبال کی شان و شوکت اور نمائش سے سخت متنفر تھے۔ اس لئے آپ نے جو ارادہ فرما لیا تھا اُسی پر قائم رہے۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ جب ایک عزم کر لیتے تھے تو خدا پر توکل کر کے اُس پر پوری طرح استقلال دکھاتے تھے۔ اس استقلال کی ایک اور مثال کا بیان ذکر کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا۔

استقلال کا ایک نمونہ مقدمہ کرم الدین کے دوران میں جب آپ گورداسپور میں مستقل طور پر رہنے کیلئے معہ اہل وعیال تشریف لیجانیوالے تھے اور چلنے کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی تو برسات کا موسم تھا اور حالت یہ تھی کہ برسات کے ایام میں شدید بارش ہو جانے پر قادیان کے ارد گرد اس قدر پانی کھڑا ہو جاتا تھا کہ قادیان کی حیثیت ایک جزیرہ کی بن جاتی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا کہ شدید بارش ہوئی اور پانی کی کثرت سے رستے بالکل بند ہو گئے۔ یکہ اور گاڑیاں چل نہ سکتی تھیں۔ شیخ یعقوب علی صاحب کو تاریخ مقدمہ پر پہنچنا تھا اس لئے پیادہ پا پانی میں سے گزرتے ہوئے بہزار خرابی بٹالہ پہنچے اور وہاں سے بذریعہ ریل گورداسپور آئے۔ اور وہاں جاکر مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب سے راستہ کی تکالیف کا ذکر کیا تو وہ بہت گھبرائے۔ اور پھر طرہ یہ ہؤا کہ وہ مکان جس کا انتظام کیا گیا تھا عین وقت پر اُسی روز اس کے ملنے سے مایوسی ہو گئی۔ ان حالات میں سخت گھبراہٹ ہوئی کہ اب کیا ہو گا۔ مکان کا انتظام نہیں۔ راستہ ٹھیک نہیں اور مستورات اور بچوں کا ساتھ ہے۔ حضرت اقدس کو سخت تکلیف ہو گی۔ بعد مشورہ یہ رائے ہوئی کہ دو آدمی اسی وقت بھیجے جاویں جو حضرت کو اس سفر سے روک دیں۔ اس وقت مولوی محمد علی صاحب کی فراست اور ایمان نے دوستوں کو بڑا ہی مزہ دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ "بھیجنے کو تو آدمی بھیجدو۔ ساری مشکلات عرض کردو۔ مگر یہ **قوم** (مامورمن اللہ) اپنے ارادوں سے باز نہیں رہا کرتی۔ کیونکہ ان کا استقلال بھی کرامت ہوتا ہے۔" آخر وہی ہؤا۔ حضرت اقدس عزم کر چکے تھے۔ آدمیوں کے کہنے کی بھی کچھ پروا نہیں کی۔ اور اللہ پر توکل کر کے چل پڑے اور ساری تکالیف اور مشکلات پر فتح پاتے ہوئے گورداسپور پہنچ گئے۔ خدا نے پھر مکان کا بھی انتظام کر دیا۔

سفر سیالکوٹ الغرض آپ ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء صبح کے ۴ بجے قادیان سے روانہ ہو پڑے۔ آپ کے ساتھ آپ کے اہل وعیال بھی تھے۔ بٹالہ اسٹیشن سے ایک سیکنڈ کلاس اور ایک تھرڈ کلاس گاڑی ریزرو کروائی گئی۔ بٹالہ سے روانہ ہو کر امرتسر پہنچے تو وہاں کی جماعت نے پہلے سے کھانے کی دعوت حضرت سے منظور کروائی ہوئی تھی۔ وہ کھانا لیکر آئے۔ مگر مخلوق کا یہ حال کہ کھانا تو دور رہا جماعت کے دوستوں کو مصافحہ کرنا تک مشکل ہو گیا۔ ہندو۔ مسلمان۔ احمدی۔ غیر احمدی چاروں طرف سے ٹوٹ کر گرے۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ مَیں کسی طرح زیارت کر لوں۔ مسافر اپنا سفر بھی بھول گئے۔ اور بجائے گاڑیوں میں سوار ہونے کے حضرت کو تکتے رہ گئے۔ جب تک گاڑی وہاں رہی ایک میلہ سا لگا رہا۔ بعض لوگوں نے وہاں بیعت بھی کی اور امرتسر کی جماعت نے کھانا نہایت فراخدلی اور فیاضی سے حضرت اقدس اور آپ کے رفقا کو گاڑی میں ہی کھلایا۔ اس کے بعد لاہور کے اسٹیشن پر اسقدر

اژدحام تھا کہ پیسہ اخبار کے ایڈیٹر کو بھی باوجود سخت معاند اور مخالف ہونے کے اس امر کا اعتراف کرنا پڑا۔ وزیر آباد کے اسٹیشن پر دو نو گاڑیوں کو کاٹ کر سیالکوٹ کی ٹرین میں لگانا تھا۔ مگر انبوہ خلایق کا یہ حال تھا اور وہ کشش تھی کہ انجن گاڑیوں کو کاٹ کرلے چلا تو لوگ گاڑی کے ساتھ بھاگ پڑے اور خطرہ ہوگیا کہ کہیں نیچے آکر کٹ نہ جائیں۔ ہندو مسلمان غرضکہ ہر فرقہ اور ہر طبقہ کا انسان موجود تھا۔ وزیر آباد کے دوستوں نے سوڈا اور لیمونیڈ کی بوتلوں سے تواضع کی +

ورود سیالکوٹ

سیالکوٹ اگرچہ غروب آفتاب کے بعد گاڑی پہنچی مگر انبوہ خلائق کا وہ نظارہ تھا جسے کوئی قلم نہیں بیان کرسکتی۔ بوڑھے۔ بچے۔ جوان۔ امیر غریب ہندو مسلمان۔ سکھ۔ موافق مخالف غرضیکہ ہر طبقہ اور ہر خیال کا آدمی اس کثرت سے موجود تھا کہ اسٹیشن پر تل دھرنے کو جگہ نظر نہیں آتی تھی۔ گاڑیاں کاٹ کر اس پلیٹ فارم پر لگادی گئیں جو احاطہ اسٹیشن میں سرائے مہاراجہ جموں وکشمیر کے متصل لب سڑک واقع تھا۔ جماعت سیالکوٹ نے اس پلیٹ فارم پر روشنی کا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ پولیس اور مقامی حکام کا انتظام بہت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ جب حضرت اقدس بمعہ احباب گاڑیوں پر سوار ہوگئے تو یہ شاندار جلوس بمعہ پولیس اور مقامی حکام کے شہر کی طرف روانہ ہوا۔ اُس زمانہ میں بجلی اور گیس کے ہنڈوں کی ایجاد تو ابھی رائج نہ ہوئی تھی اس لئے روشنی کے لئے گاڑیوں کے آگے آگے مہتابیاں چھوڑتے جاتے تھے۔ اور گاڑیوں کے ساتھ ساتھ ہزارہا مخلوق تھی جو بھاگی چلی جارہی تھی۔ اس قدر خلقت کا انبوہ تھا کہ یوں کہنا بجا ہوگا کہ گاڑیاں انسانوں سے پٹی ہوئی سڑک پر سے جارہی تھیں۔ اور اگر انتظام اعلیٰ درجہ کا نہ ہوتا تو کچھ شک نہیں کہ سینکڑوں آدمی اس بھیڑ میں کچل کر مرجاتے۔ حضرت اقدس کی گاڑی کے ساتھ ساتھ آغا محمد باقر خاں صاحب مرحوم آنریری مجسٹریٹ سیالکوٹ نہایت تن دہی کے ساتھ انتظام کرتے اور لوگوں کو حضرت کی گاڑی پر ٹوٹ کر آگرنے سے روکتے چلے جارہے تھے۔ راستہ میں ہر در و دیوار اور ہر سقف و مکان پر آدمی ہی آدمی موجود تھے۔ اور یہ عجیب بات تھی کہ بعض لوگ زیارت کے لئے باوصفیکہ مخالف تھے یہ کہتے سُنے گئے کہ "ہم تو مرید ہیں ہمیں نہ ہٹاؤ"۔ راستہ میں جو لوگ بازاروں اور چھتوں پر تھے اُنہوں نے ٹھیک اُس وقت جب حضور شہر میں داخل ہوئے چراغان کردی اور مہتابیاں چھوڑیں۔ مطلب یہ تھا کہ اس طرح زیارت کا موقعہ اچھی طرح مل سکے۔ یہ تصرف الٰہی کس قدر حیرت انگیز ہے کہ وہ شخص جسکی مخالفت میں پیر جماعت علی شاہ کے سارے چیلے چانٹے اور پچاسوں مولوی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے اسی کے استقبال پر شہر چراغان کر رہا ہے اور آتشبازیاں چھوڑ رہا ہے +

فرودگاہ | حضرت اقدس کو معہ اہل و عیال حکیم حسام الدین صاحب کے مکان پر ٹھیرایا گیا اور متصل کے کئی مکان خالی کروا کے وہاں آپ کے احباب کے ٹھیرنے کا انتظام کیا گیا۔

مہمان نوازی | جماعت سیالکوٹ نے مہمانداری کا حق نہایت اعلیٰ پیمانہ پر اور بڑے فیاضانہ رنگ میں ادا کیا۔ سیالکوٹ کے دوستوں نے مہمانوں کے لئے اپنے گھر خالی کر دیئے۔ ان کی خاطرداری کے لئے ہر ضروری سامان آرام و آسائش کا پہلے سے مہیا کر رکھا تھا۔ ہر کمرہ میں روشنی اور پانی کا سامان پوری طرح مہیا تھا۔ بیماروں کے لئے پرہیزی کھانا الگ تیار ہوتا تھا۔ شہر میں عطاروں کی دوکانیں مخصوص کر دی گئیں جہاں سے مریض مہمان ہر وقت جو دوا چاہیں مفت لے سکتے تھے۔ قادیان کے بزرگوں اور مریضوں کو کھانا ان کی فرودگاہ پر پہنچا دیا جاتا تھا۔ اور باقی احباب جو گوجرانوالہ۔ لاہور سیالکوٹ۔ جہلم و گجرات کے ضلعوں اور مختلف مقامات سے جمع ہوئے تھے ان کو ایک وسیع صحن میں ایک ہی جگہ کھانا کھلایا جاتا تھا۔ مہمانوں کی کثرت آناً فاناً بڑھ رہی تھی۔ اور ہر ٹرین ایک معقول تعداد مہمانوں کی لا رہی تھی۔ لیکن جماعت سیالکوٹ نہایت خندہ پیشانی سے اُن کا خیر مقدم کر رہی تھی۔

جمعہ کے بعد تقریر | دوسرے دن ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو جمعہ تھا۔ نماز جمعہ حکیم حسام الدین والی مسجد میں ہی ادا کی گئی۔ نماز جمعہ مولوی عبدالکریم صاحب نے پڑھائی۔ اور سورۃ جمعہ پر خطبہ پڑھا۔ نماز جمعہ کے بعد بہت لوگوں نے بیعت کی۔ بیعت کے بعد حضرت نے اُن لوگوں کو مخاطب کر کے ایک تقریر کی جو اس طرح شروع ہوتی ہے:۔

"یہ بیعت تخم ریزی ہے اعمال صالحہ کی۔ اسی طرح جیسے کوئی باغبان درخت لگاتا ہے یا کسی چیز کا بیج بوتا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص درخت لگا کر یا بیج بو کر وہیں اس کو ختم کر دے اور آئندہ آبپاشی اور حفاظت نہ کرے تو وہ تخم بھی ضائع ہو جاوے گا۔ اسی طرح انسان کے ساتھ شیطان لگا رہتا ہے پس اگر انسان نیک عمل کر کے اس کے محفوظ رکھنے کی کوشش نہ کرے تو وہ عمل ضائع ہو جاتا ہے.....جس طرح وہ دانہ تخم ریزی کا بدوں کوشش اور آبپاشی کے بے برکت رہتا بلکہ خود بھی فنا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اس اقرار کو ہر روز یاد نہ کرو گے اور دعائیں نہ مانگو گے کہ خدایا ہماری مدد کر تو فضل الٰہی وارد نہیں ہوگا۔ اور بغیر امداد الٰہی کے تبدیلی ناممکن ہے۔ الخ"

غرضکہ عجیب و غریب پُر از معارف و حقائق تقریر ہے۔ جو الحکم ۱۰۔۱۷۔ نومبر ۱۹۰۴ء میں طبع شدہ موجود ہے۔ اور اس قابل ہے کہ اسے انسان حرز جان بنا کر اپنے پاس رکھے۔

حضرت اقدس کی ناسازیٔ طبع ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو دیر تک لوگوں میں بیٹھے رہنے اور تقریر کرنے کی وجہ سے حضرت اقدس کی طبیعت دوران سر وغیرہ سے ناساز ہوگئی اس لئے ۲۹۔ اور ۳۰۔ اکتوبر کو حضرت باہر تشریف نہ لا سکے۔ مہمانوں کی دمبدم کثرت ہو رہی تھی اور ہر ٹرین سے آمد کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ اس لئے حضرت اقدس کو یہ خیال ہؤا کہ مبادا حد سے زیادہ مہمانوں کا جمع ہو جانا جماعت سیالکوٹ کے لئے ابتلا کا نہ موجب ہو جائے اس لئے آپ نے ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو واپسی کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ واپسی کی خبر کا جماعت سیالکوٹ کے کانوں تک پہنچنا تھا کہ وہ بدحواس ہو گئے۔ پاس ادب سے کچھ کہنے کی جرأت بھی نہ کر سکتے تھے۔ آخر حکیم حسام الدین صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں بڑی زور سے اس ارادہ کے التوا کی درخواست کی اور اپنے ذخائر خوردنی اور سامان دعوت کی فراہمی اور کثرت کا ذکر کیا۔ حضرت اقدس کو حکیم صاحب موصوف کی خاطر بہت ہی عزیز تھی۔ دوسرے آپ کے جلدی لوٹنے کی وجہ یہی تھی کہ آپ کے خیال میں جماعت سیالکوٹ کو اس قدر کثیر مہانداری کی وجہ سے تکلیف ہو رہی تھی لیکن جب خود جماعت اس امر کی خواہاں نظر آئی کہ آپ کچھ دن اور وہاں تشریف رکھیں تو آپ نے تاریخ روانگی ملتوی فرما کر ۳۔ نومبر ۱۹۰۴ء کر دی ٭

لیکچر سیالکوٹ کی تیاری اب یہ تجویز ہوئی کہ حضرت اقدس کا تبلیغ اسلام کے متعلق ایک پبلک لیکچر ہو چنانچہ ۲۔ نومبر ۱۹۰۴ء لیکچر کی تاریخ مقرر ہوئی۔ چونکہ برابر دو روز سے حضرت اقدس کی طبیعت ناساز تھی۔ اور آپ کی خدمت میں جو یہ عرض کیا گیا کہ ۲۔ نومبر کو ہونیوالا لیکچر حضور تحریر فرماویں تو اس لیکچر کی تصنیف میں بھی مصروفیت تھی اس لئے ۳۱۔ اکتوبر کو بھی آپ باہر تشریف نہ لا سکے اور ادھر لوگوں کا شوقِ زیارت بڑھتا گیا۔ جب بیتابی حد سے گزر گئی تو ۳۱۔ اکتوبر کو بعد دوپہر عرض کیا گیا کہ حضور صرف ایک دو منٹ کیلئے دریچہ میں بیٹھ جاویں تو لوگ گلی میں کھڑے ہو کر زیارت کریں اس تجویز کو حضرت نے منظور فرمایا۔ ۴ بجے کے قریب آپ دریچہ میں تشریف لائے۔ اُس وقت کوچہ آدمیوں سے پٹا پڑا تھا جس میں ہندو، مسلمان۔ بوڑھے۔ جوان سب قسم کے لوگ موجود تھے اس کوچہ سے لیکر بازار تک اور مسجد اور مکانوں کی چھتوں پر آدمی ہی آدمی تھے۔ اس قدر انبوہ تھا کہ اگر تھالی پھینکی جاتی تو سروں پر ہی چلی جاتی۔ حضرت اقدس اس انبوہ اور اژدحام کو دیکھ کر گھبرائے کہ مبادا کوئی بوڑھا یا کمزور آدمی نیچے آکر نہ کچلا جاوے۔ کیونکہ اس وقت ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھکر دیکھنا چاہتا تھا اس لئے آپ ایک ہی منٹ میں اس خیال سے کہ کوئی ضعیف وناتوان کچلا جائے گا اٹھ گئے اور لوگ حسرت دیدار اچھی طرح پوری بھی نہ کر سکے۔

آپ نے ۳۱۔ اکتوبر کو دوپہر سے لیکچر لکھنا شروع کیا۔ اور یکم نومبر کو لیکچر چھپ بھی گیا۔ گویا ایک دن میں لیکچر لکھا گیا۔ لیکچر کا موضوع اسلام تھا۔ اور اس کا اعلان شہر میں بڑی کثرت سے کیا گیا۔ ۲۔ نومبر ۱۹۰۴ء بروز بدھ صبح ۷ بجے مہاراجہ جموں کی سرائے میں لیکچر پڑھا جانا تھا۔ اس اعلان کے مشتہرین حکیم میر حسام الدین صاحب۔ چودھری محمد سلطان صاحب۔ آغا محمد باقر خاں صاحب وغیرہ تھے۔ مہاراجہ جموں کی سرائے کے صحن میں دریوں اور شامیانہ کا انتظام کیا گیا۔ اور ایک مختصر سا اسٹیج بھی بنا لیا گیا اور کرسیوں کا بھی انتظام کر لیا گیا +

مخالفوں کی سرگرمیاں چونکہ مولوی عبدالکریم صاحب پہلے سے سیالکوٹ آئے ہوئے تھے اور پبلک میں دو لیکچر بھی دے چکے تھے۔ اُن سے جہاں لوگوں کو حق کی طرف توجہ کرنے کی تحریک ہوئی تھی وہاں مخالفوں کی مخالفت بھی بیدار ہو گئی تھی۔ اور یہ مخالفت اس قدر تیزی سے بڑھی کہ امرت سر۔ لاہور وغیرہ مقامات سے دریدہ دہن مولویوں اور چیدہ چیدہ ہرزہ گو دشمنوں کو سیالکوٹ بلوا کر اکٹھا کیا گیا اور بالمقابل مخالفت کا اکھاڑہ بڑے زور سے جما دیا گیا۔ چونکہ ۲۔ نومبر ۱۹۰۴ء کو حضرت اقدس کے لیکچر کا وقت صبح ۷ بجے رکھا گیا تھا اس لئے مخالف مولویوں نے اپنے لیکچروں کا وقت صبح ۶½ بجے رکھا۔ اور شہر کے مختلف حصوں میں لیکچروں کے اڈے جما دیئے تاکہ لوگ اس میں مشغول ہو جائیں۔ اور مرزا صاحب کے لیکچر میں شامل نہ ہو سکیں۔ چنانچہ مسجد کلاں (۱)۔ دو دروازہ (۲)۔ اڈہ آغا محمد شہباز خاں مرحوم (۳)۔ متصل دروازہ سرائے مہاراجہ جموں و کشمیر (۴)۔ مکان مستری عبداللہ ترکھان متصل سرائے مہاراجہ جموں (۵)۔ ان تمام مقامات میں صبح ۶½ بجے بیک وقت مختلف علماء لیکچر دینے کھڑے ہو گئے۔ مہاراجہ جموں کی سرائے میں حضرت اقدس کا لیکچر تھا۔ اس کے دروازہ کے عین سامنے مخالفت کا اکھاڑہ جمانے والے خود بنفس نفیس پیر جماعت علی شاہ صاحب اور اُن کے مرید خاص حافظ ظفر علی صاحب تھے۔ اور ان لیکچروں میں سوائے حضرت اقدس کے خلاف ہرزہ سرائی اور بہتانات اور افترا پردازیوں کے کچھ بھی نہ تھا۔ اور یہ فتویٰ دیا جا رہا تھا کہ جو اس لیکچر میں جائیگا اُس کا نکاح ٹوٹ جائیگا +

لیکچر گاہ کو روانگی حضرت اقدس ابھی مکان سے اترے نہ تھے کہ ایک شخص میاں نیاز علی نام نے آپ سے درخواست کی کہ ان کے گھر پر چند لمحوں کے لئے تشریف لے چلیں تاکہ آپ کے بابرکت قدموں سے وہ بھی مشرف ہو جائے۔ چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے اور دو تین منٹ اس کے گھر پر ٹھیر کر واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد بسواری گاڑی آپ لیکچر گاہ کو تشریف لے چلے۔ آپکے ساتھ مولوی عبدالکریم صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ پندرہ سولہ گاڑیوں کا جلوس تھا۔ اور دونو طرف خلقت کا

لا انتہا ہجوم تھا۔ سردار محمد یوسف خاں صاحب سٹی مجسٹریٹ انتظام کرتے ہوئے ساتھ ساتھ تشریف لیجا رہے تھے۔ لوگوں کا ہجوم قیاس سے بھی باہر تھا۔ دونو طرف گاڑی کے ساتھ ساتھ کثیر تعداد میں لوگ بھاگ رہے تھے۔ راستہ میں مخالفوں کے اڈوں اور مجمعوں پر سے جو جلوس گزرا تو وہاں سے گالیوں اور سب و شتم اور تبرے بازی کا غلغلہ بلند ہوا۔ اور پیہم یہی آواز آرہی تھی کہ "خبردار کوئی سرائے میں نہ جاوے"۔ مگر اس آواز کے باوجود لوگوں پر اس کا کچھ بھی اثر نہ تھا اور بے تابانہ ہزارہا کی تعداد میں مخلوق سرائے کی طرف کھنچی چلی جارہی تھی۔ چلانے والوں کی گلے کی رگیں پھول پھول گئیں۔ مگر سوائے اس کے کہ اس سے لیکچر کا اعلان بہت اچھی طرح ہوگیا انہیں اور کچھ فائدہ نہ ہوا۔

لیکچر گاہ لیکچر گاہ میں سامعین میں ہر عمر ہر مذہب اور ہر مذاق کے لوگ موجود تھے جن کی تعداد ہزارہا تک پہنچی ہوئی تھی۔ شہر کا کل فہمیدہ اور معزز طبقہ وہاں موجود تھا۔ سیالکوٹ کے منصف مزاج غیر مسلم لوگوں کی یہ رائے تھی کہ سیالکوٹ میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی ہر مذہب ملت کے لوگوں کا ایسا مخلوط اور اتنا عظیم الشان مجمع کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اور سیالکوٹ کے معززین اور ذی علم طبقہ میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو وہاں موجود نہ ہو۔ لوگ کرسیوں اور فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسٹیج پر حضرت اقدس اور مولوی عبدالکریم صاحب اور بعض اکابر سلسلہ اور بعض عمائد شہر رونق افروز تھے جن میں میاں فضل حسین صاحب بیرسٹر بھی تھے۔ جو بعد میں سر فضل حسین[۱] کے نام سے مشہور ہوئے۔ مولوی حکیم نورالدین صاحب جلسہ کے صدر قرار پائے اور جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ صدر موصوف نے اٹھ کر افتتاحی تقریر کی اور حضرت اقدس کا تعارف کراتے ہوئے مولوی عبدالکریم صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ آپ حضرت مرزا صاحب کا لیکچر جو لکھا ہوا ہے پڑھ کر سناویں۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے پہلے تبرکاً سورۃ حشر کا آخری رکوع پڑھا اور حسب معمول اپنی مسحور کن خوش آوازی سے لوگوں کو مست کر دیا۔ اس کے بعد لیکچر شروع کیا اگرچہ ناسازیٔ طبع کی وجہ سے مولوی صاحب موصوف کمزور ہو رہے تھے لیکن خدا نے مدد کی اور اپنی اسی کڑاکے دار آواز اور طلاقت لسانی سے لیکچر پڑھنا شروع کیا جو آپ کا معمول تھا۔ لوگ ہمہ تن گوش ہو کر پورے سکوت اور امن کے ساتھ لیکچر سنتے رہے۔ بلکہ سامنے کے سامعین پر دھوپ بھی

---

[۱] ۱۹۰۴ء میں جب حضرت اقدس سیالکوٹ تشریف لیگئے ہیں تو سر فضل حسین بیرسٹر مرحوم اُن دنوں وہاں پریکٹس کرتے تھے ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کا بیان ہے کہ ایک دن میاں فضل حسین صاحب مرحوم حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں بھی اُن کے ساتھ تھا۔ میاں صاحب نے حضرت مرزا صاحب سے دریافت کیا کہ آپ اُن مسلمانوں کو جو آپ کی جماعت میں شامل نہیں ہیں کیا کافر سمجھتے ہیں؟ حضرت مرزا صاحب نے اس کا جواب انکار میں دیا۔ (مؤلف)

آگئی حالانکہ گرمی کا موسم تھا لیکن کسی کو محسوس ہی نہ ہؤا +

لیکچر اسلام | لیکچر کیا تھا معارف و حقائق اور علم و حکمت کا ایک سمندر تھا۔ شروع اس طرح ہوتا ہے:۔

"دنیا کے مذاہب پر اگر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ بجز اسلام ہر ایک مذہب اپنے اندر کوئی نہ کوئی غلطی رکھتا ہے۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ درحقیقت وہ تمام مذاہب ابتدا سے جھوٹے ہیں بلکہ اس لئے کہ اسلام کے ظہور کے بعد خدا نے ان مذاہب کی تائید چھوڑ دی۔ اور وہ ایسے باغ کی طرح ہو گئے جس کا کوئی باغبان نہیں اور جس کی آبپاشی اور صفائی کے لئے کوئی انتظام نہیں۔ اس لئے رفتہ رفتہ ان میں خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ تمام پھل دار درخت خشک ہو گئے۔ اور ان کی جگہ کانٹے اور خراب بوٹیاں پھیل گئیں۔ اور روحانیت جو مذہب کی جڑھ ہوتی ہے وہ بالکل جاتی رہی اور صرف خشک الفاظ ہاتھ میں رہ گئے۔ مگر خدا نے اسلام کے ساتھ ایسا نہ کیا۔ اور چونکہ وہ چاہتا تھا کہ یہ باغ ہمیشہ سرسبز رہے اس لئے اس نے ہر ایک صدی پر اس باغ کی نئے سرے سے آبپاشی کی اور اس کو خشک ہونے سے بچایا۔ اگرچہ ہر صدی کے سر پر جب کبھی کوئی بندۂ خدا اصلاح کیلئے قائم ہؤا۔ جاہل لوگ اُس کا مقابلہ کرتے رہے اور ان کو سخت ناگوار گزرا کہ کسی ایسی غلطی کی اصلاح ہو جو انکی رسم اور عادت میں داخل ہو چکی ہے۔ لیکن خدا تعالےٰ نے اپنی سنت کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ اس آخری زمانہ میں جو ہدایت اور ضلالت کی آخری جنگ ہے خدا نے چودھویں صدی اور الف آخر کے سر پر مسلمانوں کو غفلت میں پاکر پھر اپنے عہد کو یاد کیا اور دین اسلام کی تجدید فرمائی۔ مگر دوسرے دینوں کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ تجدید کبھی نصیب نہیں ہوئی اس لئے وہ سب مذہب مر گئے اُن میں روحانیت باقی نہ رہی۔ اور بہت سی غلطیاں اُن میں ایسی جم گئیں جیسے بہت مستعمل کپڑے پر جو کبھی دھویا نہ جائے میل جم جاتی ہے۔ اور ایسے انسانوں نے جن کو روحانیت سے کچھ بہرہ نہ تھا اور جن کے نفس امارہ سفلی زندگی کی آلائشوں سے پاک نہ تھے۔ اپنی نفسانی خواہشوں کے مطابق ان مذاہب کے اندر بیجا دخل دے کر ایسی صورت ان کی بگاڑ دی کہ اب وہ کچھ اور ہی چیز ہیں۔ مثلاً عیسائیت کے مذہب کو دیکھو کہ وہ ابتدا میں کیسے پاک اصول پر مبنی تھا اور جس تعلیم کو حضرت مسیح علیہ السلام نے پیش کیا تھا اگرچہ وہ تعلیم قرآنی کے مقابل پر ناقص تھی کیونکہ ابھی کامل تعلیم کا وقت نہیں آیا تھا اور کمزور استعدادیں ابھی اس لائق بھی نہ تھیں تاہم وہ تعلیم اپنے وقت کے مناسب حال نہایت عمدہ تعلیم تھی۔ وہ اسی خدا کی

طرف رہنمائی کرتی تھی جس کی طرف توریت نے رہنمائی کی۔ لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد مسیحیوں کا خدا ایک اور خدا ہو گیا جس کا توریت کی تعلیم میں کچھ بھی ذکر نہیں اور نہ بنی اسرائیل کو اس کی کچھ بھی خبر ہے۔ اس نئے خدا پر ایمان لانے سے تمام سلسلہ توریت کا اُلٹ گیا۔ اور گناہوں سے حقیقی نجات اور پاکیزگی حاصل کرنے کیلئے جو ہدایتیں توریت میں تھیں وہ سب درہم برہم ہو گئیں۔ اور تمام مدار گناہوں سے پاک ہونے کا اس اقرار پر آ گیا کہ حضرت مسیح نے دنیا کو نجات دینے کیلئے خود صلیب قبول کی اور وہ خدا ہی تھے۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ توریت کے اور کئی ابدی احکام توڑ دیئے گئے۔ اور عیسائی مذہب میں ایک ایسی تبدیلی واقع ہوئی کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام خود بھی دوبارہ تشریف لے آویں تو وہ اس مذہب کو شناخت نہ کر سکیں نہایت حیرت کا مقام ہے کہ جن لوگوں کو توریت کی پابندی کی سخت تاکید تھی اُنہوں نے یکلخت توریت کے احکام کو چھوڑ دیا۔ مثلاً انجیل میں کہیں حکم نہیں کہ توریت میں تو سؤر حرام ہے اور مَیں تم پر حلال کرتا ہوں۔ اور توریت میں تو ختنہ کی تاکید ہے اور مَیں ختنہ کا حکم منسوخ کرتا ہوں۔ پھر کب جائز تھا کہ جو باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منہ سے نہیں نکلیں وہ مذہب کے اندر داخل کر دی جائیں۔ لیکن چونکہ ضرور تھا کہ خدا ایک عالمگیر مذہب یعنی **اسلام** دنیا میں قائم کرے۔ اس لئے عیسائیت کا بگڑنا اسلام کے ظہور کے لئے بطور ایک علامت کے تھا۔ یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ اسلام کے ظہور سے پہلے ہندو مذہب بھی بگڑ چکا تھا۔ اور تمام ہندوستان میں عام طور پر بت پرستی رائج ہو چکی تھی۔ اور اُسی بگاڑ کے یہ آثار باقیہ ہیں کہ وہ خدا جو اپنی صفات کے استعمال میں کسی مادہ کا محتاج نہیں اب آریہ صاحبوں کی نظر میں وہ پیدائش مخلوقات میں ضرور مادہ کا محتاج ہے۔ اس فاسد عقیدہ سے ان کو ایک دوسرا فاسد عقیدہ بھی جو شرک سے بھرا ہوا ہے قبول کرنا پڑا یعنی یہ کہ تمام ذراتِ عالم اور تمام ارواح قدیم اور انادی ہیں۔ مگر افسوس کہ اگر وہ ایک نظر غائر خدا کی صفات پر ڈالتے تو ایسا کبھی نہ کہہ سکتے۔ کیونکہ اگر خدا پیدا کرنے کی صفت میں جو اس کی ذات میں قدیم سے ہے انسان کی طرح کسی مادہ کا محتاج ہے تو کیا وجہ کہ وہ اپنی صفت شنوائی اور بینائی وغیرہ میں انسان کی طرح کسی مادہ کا محتاج نہیں۔ انسان بغیر توسط ہوا کے کچھ سُن نہیں سکتا اور بغیر توسط روشنی کے کچھ دیکھ نہیں سکتا۔ پس کیا پرمیشر بھی ایسی کمزوری اپنے اندر رکھتا ہے اور وہ بھی سننے اور دیکھنے کے لئے ہوا اور روشنی کا محتاج ہے۔ پس اگر وہ ہوا اور روشنی کا

محتاج نہیں تو یقیناً سمجھو کہ وہ صفت پیدا کرنے میں بھی کسی مادہ کا محتاج نہیں ۔ یہ منطق سراسر جھوٹ ہے کہ خدا اپنی صفات کے اظہار میں کسی مادہ کا محتاج ہے ۔ انسانی صفات کا خدا پر قیاس کرنا کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی ۔ اور انسانی کمزوریوں کو خدا پر چسپان کرنا بڑی غلطی ہے ۔ انسان کی ہستی محدود اور خدا کی ہستی غیر محدود ہے ۔ پس وہ اپنی ہستی کی قوت سے ایک اور ہستی پیدا کر لیتا ہے یہی تو خدائی ہے اور وہ اپنی کسی صفت میں مادہ کا محتاج نہیں ہے ورنہ وہ خدا نہ ہوا ۔ کیا اس کے کاموں میں کوئی روک ہو سکتی ہے؟ ...... غرض یہ تمام بگاڑ کہ ان مذاہب میں پیدا ہو گئے جن میں سے بعض ذکر کے بھی قابل نہیں اور جو وہ انسانی پاکیزگی کے بھی مخالف ہیں ۔ یہ تمام علامتیں ضرورت اسلام کیلئے تھیں ۔ ایک عقلمند کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اسلام سے کچھ دن پہلے تمام مذاہب بگڑ چکے تھے اور روحانیت کو کھو چکے تھے پس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اظہار سچائی کے لئے ایک مجدد اعظم تھے جو گم گشتہ سچائی کو دوبارہ دنیا میں لائے ۔ اس فخر میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی بھی نبی شریک نہیں کہ آپ نے تمام دنیا کو ایک تاریکی میں پایا اور پھر آپ کے ظہور سے وہ تاریکی نور سے بدل گئی ۔ جس قوم میں آپ ظاہر ہوئے آپ فوت نہ ہوئے جب تک کہ اس تمام قوم نے شرک کا چولہ اتار کر توحید کا جامہ نہ پہن لیا ۔ اور نہ صرف اس قدر بلکہ وہ لوگ اعلیٰ مراتب ایمان کو پہنچ گئے اور وہ کام صدق اور وفا اور یقین کے اُن سے ظاہر ہوئے کہ جس کی نظیر دنیا کے کسی حصہ میں پائی نہیں جاتی ۔ یہ کامیابی اور اس قدر کامیابی کسی نبی کو بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نصیب نہیں ہوئی ۔

یہی ایک بڑی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ہے کہ آپ ایک ایسے زمانہ میں مبعوث اور تشریف فرما ہوئے جبکہ زمانہ نہایت درجہ کی ظلمت میں پڑا ہوا تھا ۔ اور طبعاً ایک عظیم الشان مصلح کا خواستگار تھا ۔ اور پھر آپ نے ایسے وقت میں دنیا سے انتقال فرمایا جبکہ لاکھوں انسان شرک اور بت پرستی کو چھوڑ کر توحید اور راہ راست اختیار کر چکے تھے اور درحقیقت یہ کامل اصلاح آپ ہی سے مخصوص تھی کہ آپ نے ایک قوم وحشی سیرت اور بہائم خصلت کو انسانی عادات سکھلائے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ بہائم کو انسان بنایا اور پھر انسانوں سے تعلیم یافتہ انسان بنایا اور پھر تعلیم یافتہ انسانوں سے باخدا انسان بنایا ۔ اور روحانیت کی کیفیت اُن میں پھونک دی اور سچے خدا کے ساتھ اُن کا تعلق پیدا کر دیا ۔ وہ خدا کی راہ میں بکریوں کی طرح ذبح کئے گئے اور چیونٹیوں کی طرح پیروں میں کچلے گئے مگر ایمان کو ہاتھ سے

نہ دیا۔ بلکہ ہر ایک مصیبت میں آگے قدم بڑھایا۔ پس بلاشبہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رُوحانیت قائم کرنے کے لحاظ سے آدم ثانی تھے۔ بلکہ حقیقی آدم وہی تھے جن کے ذریعہ اور طفیل سے تمام انسانی فضائل کمال کو پہنچے۔ اور تمام نیک قوتیں اپنے اپنے کام میں لگ گئیں۔ اور کوئی شاخ فطرت انسانی کی بے بارو بر نہ رہی۔ اور ختم نبوت آپ پر نہ صرف زمانہ کی تاخّر کی وجہ سے ہوا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ تمام کمالات نبوّت آپ پر ختم ہو گئے اور چونکہ آپ صفات الٰہیہ کے مظہراتم تھے اس لئے آپ کی شریعت صفات جلالیہ وجمالیہ دونوں کی حامل تھی اور آپ کے دو نام محمدؐ اور احمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اسی غرض سے ہیں"

یہ مَیں نے ابتدائی حصّہ تھوڑا سا نقل کر دیا ہے تاکہ ناظرین اندازہ لگا سکیں کہ سارا لیکچر کس شان کا تھا۔

مثیل کرشن ہونیکا دعویٰ اس لیکچر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آپ نے اپنے دعاوی کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی اعلان فرمایا کہ مَیں مثیل کرشن ہوں۔ فرماتے ہیں :-

"اور جیسا کہ خدا نے مجھے مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود کر کے بھیجا ہے۔ ایسا ہی میں ہندوؤں کے لئے بطور اوتار کے ہوں۔ اور مَیں عرصہ بیس برس سے یا کچھ زیادہ برسوں سے اس بات کو شہرت دے رہا ہوں کہ مَیں ان گناہوں کے دُور کرنے کے لئے جن سے زمین پُر ہو گئی ہے جیسا کہ مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہوں۔ ایسا ہی راجہ کرشن کے رنگ میں بھی ہوں جو ہندو مذہب کے اوتاروں میں سے ایک بڑا اوتار تھا۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ رُوحانی حقیقت کے رُو سے مَیں وہی ہوں۔ یہ میرے خیال اور قیاس سے نہیں ہے بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا خدا ہے اُس نے یہ میرے پر ظاہر کیا ہے اور نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ مجھے بتلایا ہے کہ تو ہندوؤں کیلئے کرشن اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ جاہل مسلمان اس کو سُن کر فی الفور یہ کہیں گے کہ ایک کافر کا نام لینے پر کھلے کفر کو صریح طور پر قبول کیا ہے۔ لیکن یہ خدا کی وحی ہے جس کے اظہار کے بغیر مَیں رہ نہیں سکتا۔ اور آج یہ پہلا دن ہے کہ ایسے بڑے مجمع میں اس بات کو مَیں پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ جو لوگ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں وہ کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ اب واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی۔ اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا۔ جس پر خدا کی طرف سے رُوح القدس اُترتا تھا۔ وہ خدا کی طرف سے فتحمند اور با اقبال تھا۔ جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔ وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا۔

جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا وہ خدا کی محبت سے پُر تھا۔ اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا۔ خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اس کا بروز یعنی اوتار پیدا کرے۔ سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پُورا ہؤا۔[1] مجھے منجملہ اور الہاموں کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہؤا تھا کہ ہے کرشن رُودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔ سو مَیں کرشن سے محبت کرتا ہوں کیونکہ مَیں اس کا مظہر ہوں"۔

[1] خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ لالہ سربدیال بھیرہ میں ایک بہت بڑے قابل وکیل تھے اور نہایت فہمیدہ آدمی تھے۔ مجھے ایک روز کہنے لگے کہ مرزا غلام احمد صاحب صحیح معنوں میں ہندوستان کے نجات دہندہ تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہندوستان کے لوگوں نے ان کی قدر نہ کی اور ان کی فرمانبرداری نہ کی ورنہ ہندوستان کا غلامی سے آزاد ہونا یقینی تھا مَیں نے پوچھا کہ وہ کس طرح؟ کہنے لگے کہ "ہندوستان میں سیاسی اختلافات اور مناقشات کی بنیاد نہ رنگ ہے نہ نسل و قوم ہے نہ وطنیت ہے۔ محض مذہب ہے۔ اس ملک کے باشندوں پر مذہب کا اثر اتنا غالب ہے کہ ساری سیاست اسی ایک محور پر گھوم رہی ہے۔ ایک ہندو راجپوت اور ایک مسلمان راجپوت نسل اور قومیت اور وطنیت کے اعتبار سے ایک ہیں مگر سیاسی طور پر ایک دوسرے کے دشمن ہیں کیونکہ مذہب مختلف ہے۔ پس ہندوستان کا سارا سیاسی جھگڑا اختلاف مذاہب کی وجہ سے ہے۔ اور مزہ یہ کہ ان میں سے ہر ایک مذہب ایک ایسے موعود کا منتظر ہے جس کے آنے سے اس مذہب کا غلبہ تمام دوسرے ادیان پر ہو جائے گا۔ ہندو کرشن کے اوتار کے منتظر ہیں جسے نہہ کلنک اوتار بھی کہتے ہیں۔ عیسائی مسیح کی آمد کے منتظر ہیں مسلمان مہدی کی آمد کے منتظر ہیں۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ ہر ایک مذہب کے پیرو اُس وقت کے منتظر ہیں جب اُن کا موعود آوے اور وہ دوسرے تمام مذاہب کے پیرووں کے گلے گھونٹ دیں یا اپنے میں شامل کرلیں۔ یہ تخیل ہی ان قوموں کو آپس میں لڑوانے کیلئے کافی ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے ان تینوں مذاہب کے موعودوں کو ایک شخصیت میں جمع کر کے دراصل ان تینوں قوموں کو ایک نقطہ پر جمع کرنا چاہا تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ مَیں عیسائیوں کے لئے مسیح ہوں۔ مسلمانوں کے لئے مسیح و مہدی ہوں۔ ہندوؤں کے لئے کرشن ہوں۔ اور پھر لطف یہ کہ وہ اس کے ساتھ دلائل بھی نہایت معقول رکھتے تھے۔ بہرحال اگر یہ تینوں قومیں اُنہیں اپنا امام یا لیڈر مان لیتیں تو یہ آئے دن کا خرخشہ اور مناقشہ سب مٹ جاتا۔ مختلف مذاہب کے موعودوں کی الگ الگ شخصیت باعث تفرقہ ہے اور ان موعودوں کا شخص واحد میں ظہور باعث اتفاق و اتحاد ہے۔ یہی صورت ہو سکتی تھی جس سے ہندوستان کی ان تینوں قوموں کا مذہبی تخیل بھی قائم رہتا اور آپس میں ایک نقطہ پر جمع ہو کر متحد بھی ہو جاتیں۔ پھر ہندوستان کا غیروں کی غلامی سے آزاد ہو جانا کیا مشکل تھا۔ لیکن افسوس کہ تینوں قوموں نے نہ اُن کی تعلیم پر کان دھرا اور نہ اپنے سیاسی مفاد پر ہی نظر کی۔ پھر لالہ سربدیال صاحب تعجب کے لہجہ میں کہنے لگے کہ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ مسلمانوں نے مرزا صاحب کی مخالفت کیوں کی۔ وہ عیسائیوں کے ہندوؤں کے مسلمانوں کے غرضکہ سب کے موعود بن کر پھر اعلان کرتے ہیں کہ مَیں محمد صاحب (صلعم) کا غلام ہوں اور جو کچھ بھی مجھے ملا ہے انکی وساطت سے ملا ہے اور انہی کا سارا فیض ہے۔ اسکے تو یہ معنے ہیں کہ ہندوؤں اور عیسائیوں کے اعلیٰ سے اعلیٰ پیشوایان مذہب بھی محمد صاحب (صلعم) سے نسبت غلامی ہی رکھتے ہیں۔ پس اس میں جیت تو مسلمانوں کی تھی اور دراصل غلبہ اسلام کا تھا۔ تو پھر مسلمانوں کا اتنی بڑی کامیابی کو ٹھکرانا کیا معنی؟" مَیں نے کہا "اپنی شامت اعمال اور محرومی۔ اور کیا معنی!"۔

دعویٔ مثیل کرشن کے اعلان کے بعد حضرت اقدس نے اس لیکچر میں آریوں اور ہندوؤں کو مخاطب کیا اور فرمایا کہ مَیں بحیثیت کرشن ہونے کے تمہیں یہ ہدایت دیتا ہوں کہ یہ عقیدہ غلط اور شرک سے بھرا ہوا ہے کہ مادہ اور رُوح خدا کے ساتھ ازلی اور ابدی ہیں اور خدا انہیں پیدا نہیں کر سکتا۔ اور تناسخ کا عقیدہ بھی اسی کی شاخ ہے اور غلط ہے۔ اور نیوگ کرانا نہایت گندہ اصول ہے جسے جس قدر جلد ممکن ہو چھوڑ دینا چاہئے۔ غرضیکہ ہندوؤں اور آریوں پر اتمام حجت کرنے اور اسلام کا غلبہ تمام ادیان باطلہ پر ثابت کرنے کے بعد یہ لیکچر ختم ہوتا ہے۔

جب لیکچر ختم ہؤا تو صدر یعنی مولانا نورالدین صاحب نے اُٹھ کر مختصر سی تقریر کی اور فرمایا کہ اس خیال سے کہ سامعین اس لیکچر پر مزید غور کر سکیں یہ لیکچر چھپا ہؤا موجود ہے اور پڑھنے کیلئے مل سکتا ہے۔ اس کے بعد جلسہ برخاست ہؤا لیکن لوگ کچھ ایسے جمے ہوئے اور اطمینان خاطر سے سن رہے تھے کہ وہ اُٹھنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ کچھ اور سنیں منتظم افسران نے نہایت عمدگی کے ساتھ راستہ کر کے حضرت اقدس کو گاڑی میں سوار کرایا۔ اور چونکہ سرائے کے دروازہ سے باہر پیر جماعت علی شاہ صاحب اور اُن کے چیلے چانٹے لوگوں کو سخت اشتعال دلا رہے تھے اس لئے حضرت کو ایک بند گاڑی میں سوار کرایا۔ جیسے ہی آپ کی گاڑی سرائے کے دروازہ سے باہر نکلی۔ وہ اکھاڑہ جو مخالفین نے باہر لگا رکھا تھا اس کی طرف متوجہ ہؤا اور سڑک کوٹنے کے لئے جو پتھروں کے ڈھیر سڑک کے کنارے لگے ہوئے تھے وہ اُٹھا کر اُن لوگوں نے ایسا جوڑ کر گاڑی کا نشانہ کیا کہ حضرت اقدس کی گاڑی پر پتھروں کا مینہ برس گیا۔ چونکہ دروازے اور کھڑکیاں بند تھیں اس لئے تختوں پر ہی پتھر لگے اور کسی کو چوٹ نہ لگی۔ آناً فاناً میں گاڑی نکل چلی گئی۔ رستہ میں پھر وہی لوگوں کا ہجوم اور شوقِ زیارت کے نظارے تھے۔ سرائے کے دروازہ پر مخالفوں کی یہ شرارت دیکھ کر ایک یورپین انسپکٹر پولیس نے جو جلسہ میں موجود اور لیکچر برابر سنتا رہا تھا ان مخالفین واعظین سے کہا کہ "ہم کو تعجب ہے تم لوگ اس شخص کی مخالفت کیوں کرتے ہو مخالفت تو ہم کو (یعنی عیسائیوں کو) یا ہندوؤں کو کرنی چاہئے تھی جن کے مذہب کی وہ تردید کر رہا ہے۔ اسلام کو تو وہ سچّا اور حقیقی مذہب ثابت کر رہا ہے۔ ستیا ناس تو ہمارے مذہب کا کر رہا ہے اور تم یونہی مخالفت کر رہے ہو"

بیعت کی کثرت

۴۔ نومبر کا دن چونکہ سیالکوٹ میں آپ کے قیام کا آخری دن تھا اس لئے بیعت کرنے والوں کی اُس روز بہت کثرت رہی۔ اور باوجود طبیعت کمزور ہونے کے آپ برابر بیعت لیتے رہے اور بیعت لینے کے بعد آپ نے ایک پُر از نصیحت تقریر فرمائی جس میں بیعت کے مقاصد پر خوب روشنی ڈالی؟

قادیان کو واپسی

۳- نومبر کو واپسی تھی صبح سے ہی پھر غیر معمولی تحریک سیالکوٹ کی سرزمین میں تھی پھر شہر کے در و دیوار کوچہ و بازار ہجوم خلائق سے بھرے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ اس کوچہ میں جہاں حضرت کا قیام تھا گزر مشکل ہو رہا تھا اور پولیس بھی آسانی کے ساتھ انتظام نہ رکھ سکتی تھی۔ جماعت سیالکوٹ نے صبح ۱۰ بجے تک کل مہمانوں کو کھانا کھلا کر فارغ کر دیا تھا۔ ۱۲ بجے کے قریب حضرت باہر تشریف لائے آپ سے پہلے مستورات کو میر ناصر نواب صاحب کے زیر حفاظت اسٹیشن پر پہنچا دیا گیا تھا۔ اسٹیشن پر آپ اسی پلیٹ فارم سے جہاں پر آپ اترے تھے ریزروڈ سیکنڈ کلاس گاڑی میں سوار ہوئے۔ پلیٹ فارم آپ کے خدام اور دیگر زائرین سے بھرا ہوا تھا۔ جب گاڑی چلی تو ادھر تو السلام علیکم اور خدا حافظ کے نعرے تھے اور پلیٹ فارم کے مقابل کے سمت میں مخالفین کا گروہ حضرت اقدس کی طرف منہ کر کے بالکل برہنہ ہو کر ناچ رہا تھا اور عجب عجب بیہودہ اور فحش حرکتیں کر رہا تھا۔ گویا زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ ہم پر شیاطین کا تسلط ہے۔ اور یہی وجہ تھی جو خدا نے ایک آسمانی مصلح بھیجا ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی باوجود سخت معاند ہونے کے اپنے پرچہ اہل حدیث میں لکھا کہ اس حرکت میں اسلامی اخلاق کو بالائے طاق رکھ دیا گیا۔

وزیر آباد کے اسٹیشن پر پادری اسکاٹ سے گفتگو

وزیر آباد اسٹیشن پر پھر وہی ہجوم اور کثرت زائرین تھی جو پہلے تھی۔ حافظ غلام رسول صاحب نے پھر لیمونیڈ اور سوڈا واٹر کی دعوت اپنے بھائیوں کو دی۔ اس مرتبہ ڈسکہ کا مشنری پادری اسکاٹ حضرت اقدس سے آکر ملا۔ اس کے ساتھ شیخ عبدالحق صاحب نومسلم بھی تھے جو عیسائی سے مسلمان ہوئے تھے۔ آتے ہی پادری صاحب نے یوں سلسلہ کلام شروع کیا کہ آپ نے ہمارا ایک لڑکا لے لیا (یہ عبدالحق نومسلم کی طرف اشارہ تھا) پھر دیر تک پادری صاحب سے گفتگو ہوتی رہی۔ جب وہ اپنی گفتگو میں عمدہ برآنہ ہو سکا تو اٹھ کر چلتا بنا۔ وزیر آباد میں ریل میں ہی بہت سے آدمیوں نے بیعت کی۔ واپسی پر مختلف اسٹیشنوں پر پھر اسی طرح ہجوم خلائق تھا جیسا کہ سیالکوٹ جاتے ہوئے نظر آیا تھا۔ لاہور میں ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی طرف سے حضرت اقدس اور آپ کے ہمراہیوں کو شام کا کھانا کھلایا گیا۔ رات بٹالہ میں حضرت شب باش ہوئے۔ آپ کے قیام کے لئے اسٹیشن کے متصل جو سرائے ہے اس میں انتظام کیا گیا تھا۔ صبح چائے اور کھانا جماعت بٹالہ نے پیش کیا۔ آخر ۱۲ بجے دن کے قریب ۴۔ نومبر ۱۹۰۴ء کو آپ واپس قادیان پہنچ گئے۔

البدر کا بدر میں تبدیل ہونا

مارچ ۱۹۰۵ء میں محمد افضل صاحب ایڈیٹر اخبار البدر بقضائے الٰہی فوت ہو گئے جس سے اخبار چند دنوں کے لئے بند ہو گیا۔ اس کے بعد ۱۶۔ مارچ کو حضرت اقدس نے اس امر پر اظہار خوشنودی فرمایا کہ اس کی ایڈیٹری مفتی محمد صادق صاحب نے سنبھال لی ہے اور اخبار پھر جاری ہو گیا ہے۔ آخر مولوی عبدالکریم صاحب کی ہدایت کے مطابق اس اخبار کا نام بجائے البدر کے بدر رکھا گیا۔ اس میں لطیفہ یہ تھا کہ البدر تو چودھویں کا چاند تھا جس کے ساتھ زوال شروع ہو جاتا ہے۔ اور بدر وہ مقام تھا جہاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت فرمائی تھی۔ چنانچہ ۲۰۔ اپریل ۱۹۰۵ء سے اس کا نام بدر ہو گیا۔ محمد افضل مرحوم تو اخبار البدر کے مالک اور ایڈیٹر دونو کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن اب بدر کے مالک میاں معراج الدین عمر صاحب لاہوری تھے اور ایڈیٹر مفتی محمد صادق صاحب تھے۔

زلزلۂ عظیم کا نشان پورا ہونا
اور
جنگ عظیم کی زبردست پیشگوئی تجلیات الٰہیہ کی تصنیف

۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کا دن اہل پنجاب کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ جب ایک شدید زلزلہ نے نماز فجر کے وقت قیامت کا نمونہ پیش نظر کر دیا۔

اس زلزلہ کی نسبت حضرت اقدس کی پیشگوئیاں

ویسے تو براہین احمدیہ میں بھی زلزلہ کی پیشگوئی مذکور تھی۔ مگر اس زلزلہ سے چار سال قبل حضرت اقدس نے میاں بشیر احمد و شریف احمد کی آمین میں اس شعر کے ذریعہ لوگوں کو اس طرف توجہ دلائی تھی کہ؎

کھڑی ہے سر پہ ایسی ایک ساعت ٭ کہ یاد آجائے گی جس سے قیامت

اس کے بعد اس زلزلہ سے گیارہ ماہ قبل آپ نے اپنا یہ الہام شائع فرمایا کہ "زلزلہ کا دھکا" "عفت الدیار محلھا ومقامھا" کہ زلزلہ کا دھکا لگے گا اور شہروں کے رہنے کے مستقل اور عارضی مکان مسمار ہو جائیں گے اور خاک میں مل جائیں گے۔ اسکے بعد آپنے ۲۷۔ فروری ۱۹۰۵ء

کو ایک اشتہار کے ذریعہ جس کا عنوان **الوصیت** تھا۔ پبلک کو خبردار کیا کہ وہ وقت اب بہت قریب آگیا ہے۔ چنانچہ اس اشتہار میں الہام عفت الدیار محلّھا ومقامھا کا جو اخبار الحکم مؤرخہ ۳۰۔مئی ۱۹۰۴ء اور البدر مؤرخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۴ء میں شائع فرما چکے تھے۔ حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب مَیں دیکھتا ہوں کہ وہ وقت بہت قریب آگیا ہے۔ مَیں نے اس وقت جو آدھی رات کے بعد چار بج چکے ہیں بطور کشف دیکھا ہے کہ دردناک موتوں سے عجیب طرح پر شورِ قیامت برپا ہے۔ میرے منہ پر یہ الہام الٰہی تھا کہ **موتا موتی لگ رہی ہے** کہ مَیں بیدار ہوگیا۔ اور اسی وقت جو ابھی کچھ حصہ رات کا باقی ہے مَیں نے یہ اشتہار لکھنا شروع کیا۔ دوستو اُٹھو اور ہوشیار ہو جاؤ کہ اس زمانہ کی نسل کے لئے نہایت مصیبت کا وقت آگیا ہے۔ اب دریا سے پار ہونے کے لئے بجز تقویٰ کے اور کوئی کشتی نہیں۔ مومن خوف کے وقت خدا کی طرف جھکتا ہے کہ بغیر اس کے کوئی امن نہیں۔ اب دُکھ اُٹھا کر اور سوز و گداز اختیار کرکے اپنا کفارہ آپ دو۔ اور راستی میں محو ہو کر اپنی قربانی آپ ادا کرو۔ اور تقویٰ کی راہ میں بڑے زور سے کام لیکر اپنا بوجھ آپ اُٹھاؤ کہ ہمارا خدا بڑا رحیم و کریم ہے کہ رونے والوں پر اُس کا غصّہ تھم جاتا ہے مگر وہی جو قبل از وقت روتے ہیں۔ نہ مُردوں کی لاشوں کو دیکھکر۔ وہ خوف کرنے والوں کے سر پر سے عذاب کی پیشگوئی ٹال سکتا ہے۔ جاہل کہتا ہے کہ یہ پیشگوئی کیوں ٹل گئی لیکن اگر خدا میں یہ عادت نہ ہوتی کہ دعا اور صدقہ اور خیرات اور گریہ اور بکا سے اُن بلاؤں کو دُور کر دیتا جن کا اُس نے ارادہ کیا ہے یا جن بلاؤں اور عذابوں کو نبیوں کی معرفت ظاہر کر چکا ہے تو دنیا کبھی کی ہلاک ہو جاتی۔ سو نیکی کرو۔ اور خدا کے رحم کے اُمیدوار ہو جاؤ۔"

قوم کی بے توجہی کا افسوس

غرضکہ اس اشتہار میں پبلک کو بہت درد دل سے نصیحت بلکہ وصیت کی ہے کہ خدا کی طرف دوڑو اور توبہ و استغفار کرو اور دعائیں کرو۔ لیکن اس پر معاند اخباروں اور مولویوں نے استہزا سے کام لیا اور اس درددل سے دی ہوئی خبر کی قدر نہ کی۔ آپ کو قوم کی اس بے توجہی اور بے پروائی سے جس قدر قلق ہوتا تھا وہ آپ کے مندرجہ ذیل درد بھرے ارشاد سے کسی قدر ظاہر ہو جائے گا۔ جو آپ نے اس سے قبل ایک اسی قسم کے موقعہ پر فرمایا تھا۔ فرماتے ہیں:۔

"افسوس ہے کہ آسمان گواہی دے رہا ہے اور تم نہیں سُنتے۔ اور زمین ضرورت ضرورت بیان کر رہی ہے اور تم نہیں دیکھتے۔ اے بدبخت قوم! اُٹھ اور دیکھ کہ اس مصیبت کے وقت جو اسلام

پیروں کے نیچے کچلا گیا اور مجرموں کی طرح بے عزت کیا گیا۔ وہ جھوٹوں میں شمار کیا گیا۔ وہ ناپاکوں میں لکھا گیا۔ تو کیا خدا کی غیرت ایسے وقت میں جوش نہ مارتی۔ اب سمجھ کہ آسمان جھکتا چلا آتا ہے اور وہ دن نزدیک ہیں کہ ہر ایک کان کو انا الموجود کی آواز آئے۔"

(الحکم ۲۴-۲-جنوری ۱۹۰۴ء)

زلزلۂ عظیم آخر خدا کی بات پوری ہوئی۔ ۴-اپریل ۱۹۰۵ء کو نماز فجر کے وقت وہ زلزلۂ عظیم آیا جس کی خبر حضرت اقدس پہلے سے دے رہے تھے۔ زلزلہ کی کیفیت کیا تھی اس کے لئے میں اُس وقت کے مشہور اخباروں میں سے چند اقتباسات مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتا ہوں:-

(۱) زمیندار۔ لاہور "۴-اپریل کا زلزلہ اس خوفناک منظر کی شہادت دے رہا ہے جو قرب قیامت کی آئندہ خوفناک نشانیوں کے ظاہر ہونے پر دنیا کو دیکھنا پڑے گا"

(۲) پیسہ اخبار۔ لاہور "۴-اپریل کو ایک شدید اور مہیب زلزلہ لاہور میں آیا...... جو لوگ قیامت کو ہزل اور ان یقینی واقعات کو لغو سمجھتے ہیں اُن کیلئے یہ زلزلہ مشتے نمونہ از خروارے تھا"

(۳) تہذیب النسواں۔ لاہور "تمام شہر ایک نمونۂ قیامت بن گیا۔ اور لاہور میں یہ دن رونے دھونے تجہیز و تکفین تعزیت و عیادت کا تھا۔ کوہ دھرم سالہ میں اس سے مکانات کی بربادی اور ہلاکت بہت ہی زیادہ ظہور میں آئی۔ وہاں بہت صاحب لوگ اور میمیں بھی ہلاک ہوئیں۔ اور تمام بازار برباد ہو کر بالکل تودۂ خاک بن گیا"

(۴) وکیل۔ امرت سر "۴-اپریل کے زلزلہ کی خبر نہایت اختصار کے ساتھ پچھلے پرچہ میں لکھ چکے ہیں...... لیکن جب وہ حالت عالم خیال میں پیش نظر آتی ہے واللہ ایک بدحواسی اور سہمنا کی سی چھا جاتی ہے۔ اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھیں اور کیا کریں...... ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ چند لمحہ کے اندر غضب الٰہی کا ایک پُرہیبت نمونہ نظر آنیوالا ہے...... خلقت اکثر اس غضبناک اور پُرجلال قہر الٰہی سے خوف کھا کر گھروں سے نکل بھاگی۔ زن و مرد۔ پیر و جوان۔ ہر ایک کے چہرہ پر سخت سراسیمگی۔ بدحواسی۔ مایوسی۔ اور تشویش پڑی برستی تھی...... بالجملہ یہ زلزلہ اس درجہ ہولناک اور مہیب تھا کہ اسے قیامت صغریٰ کہنا کچھ مبالغہ نہ ہوگا۔ بلکہ جس وقت وہ اپنی پوری شدت پر خدائے قہار کا جلال ظاہر کر رہا تھا اس وقت تو لوگوں کو عموماً یہی یقین آ گیا تھا کہ بس قیامت آ ہی گئی ہے...... قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی نہایت ہولناک گھڑی کے جو آثار بیان فرمائے ہیں ان کا معمولی خاکہ

کھینچ کر ہی اس زلزلہ نے خلق اللہ میں انتہا درجہ سراسیمگی اور افراتفری ڈال دی ......
فی الواقع اس میں ذرا شک نہیں کہ خدائے قادر یہ قہری نشانات محض ہم گنہگاروں کی بداعمالی اور غفلت شعاری سے ناراض ہو کر دکھلاتا ہے۔"

(۵) اخبار ویر بھارت :-

"وہ قیامت کا سماں ۔ وہ ہولناک نظارہ جب آنکھوں کے آگے آتا ہے تو جان ہوا ہو جاتی ہے۔ باپ نے بیٹا نہیں سنبھالا۔ عورت نے خاوند کی پروا نہیں کی۔"

اسی قسم کے تذکروں سے اس وقت کے تمام اخبارات انگریزی و اُردو کے بھرے ہوئے تھے۔ انہی دنوں میر طفیل حسین صاحب نے نادون ضلع کانگڑہ سے چودھری الہ داد صاحب کو قادیان ایک خط لکھا جو اخبار بدر میں شائع ہوا۔ اس میں اس زلزلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"کانگڑہ خاص جہاں تقریباً چھ ہزار کی آبادی تھی بالکل مسمار پڑا ہے۔ ایک مکان بھی کھڑا نظر نہیں آتا۔ صرف چھ سو آدمی کے قریب بچے ہیں۔ مدرسہ کے ستر لڑکوں میں سے صرف ۵ ، ۲ کے قریب بچے رہے۔ اُستاد صرف دو بچے۔ دھرم سالہ کا حال اس سے بھی زیادہ خستہ ہے۔ وہاں بھی متعدد اشخاص زندہ رہے۔ ایک گورکھیوں کی پلٹن پانچ سو جوانوں کی سب کی سب دب کر ہلاک ہو گئی۔ اور انگریز بھی اکثر مرے ہیں۔ سجان پور میں مولوی نذیرالدین صاحب احمدی بچ گئے مگر سارا شہر تباہ ہو گیا۔ عالیشان پختہ مکانوں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ پالم پور میں اب سوائے درختوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا..... لوگ کیا امیر کیا غریب باہر میدانوں میں پڑے ہیں۔ فاقے مر رہے ہیں۔ اس پر غضب یہ کہ بارش اوپر سے زور از زور برستی ہے اور گاہے گاہے اولے بھی۔ مُردوں کی عفونت اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ ناک نہیں دی جاتی۔ احمدی جماعت کے جتنے آدمی اس ضلع میں تھے خدا تعالیٰ کے نہایت فضل و کرم سے ان میں سے ایک بھی ہلاک نہیں ہوا۔ جو دب گئے تھے وہ بھی بال بال بچ گئے۔"

اسی طرح کئی خطوط شائع ہوئے جن میں سے بعض کا خلاصہ درج ذیل ہے :-

"کانگڑہ والی دیوی کا تو نام و نشان مٹ گیا اور جاتری لوگ بھی بہت زیادہ مرے ہیں۔ قلعہ کانگڑہ جو حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے کا تھا جڑ سے اُکھڑ کر دریا میں بہ گیا۔ اور بعض جگہ پتھر پر پتھر بھی تک نہ ملی۔ دھرم سالہ کا جیلخانہ بمعہ قیدیوں کے سارا کھڈ میں چلا گیا۔ اور اس کے سب لوگ فنا ہو گئے۔ قلعہ رہلو کے سب راجگان مر گئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ کسی تقریب پر

باہر سے اس مشہور و معروف خاندان کے اکثر افراد رہلو آئے ہوئے تھے کہ دفعتًہ زلزلہ آیا اور قلعہ کی چھت گری اور زن و مرد چالیس کے قریب چھت کے نیچے دب کر مر گئے۔ صرف ایک شخص اُن میں سے جو وضو کے لئے باہر نکلا تھا اور اُس کی لڑکی جو باپ کے پیچھے روتی ہوئی چلی آئی تھی دونو باپ بیٹی بچ گئے باقی سب مر گئے"۔

ایڈیٹر اخبار نور افشاں نے یہ رونا رویا کہ:۔

"زلزلہ میں پادریوں کے مکان گر گئے۔ پادری لوگ عورتوں بچوں سمیت دب کر خاک میں مل گئے اور اس تباہی سے عیسائیوں پر ایک سخت صدمہ نازل ہوا"

اخبار سول نے لکھا کہ:۔

"گرجا بھی سرنگوں ہو گیا اور مشنریوں کا مدرسہ بھی زیر و زبر ہو گیا۔ مشنری مسوں کو جو ورانڈہ میں بیٹھی تھیں اتنی توفیق نہ ملی کہ دو قدم چل کر میدان میں آجائیں"۔

"جوالا مکھی جو ہندوؤں کا مقدس مقام خیال کیا جاتا تھا تباہ ہو گیا ہے۔ مکانات کی تین چوتھائی بالکل مسمار ہو گئی ہے۔ باقی ایک چوتھائی مکانات ایسے ہیں جو بالکل پھٹ گئے ہیں۔ قابل رہائش نہیں۔ لوگ باہر مکھی داروں کی طرح میدان میں پڑے ہیں۔ جاتری بہت مرے ہیں.... کم از کم ڈیڑھ سو ہلاک ہوئے۔ مندر کا ایک حصہ جس میں لاٹوں والی دیوی رہتی ہے بالکل مسمار اور باقی حصہ پھٹ گیا ہے۔ مندر کی ڈیوڑھی بھی شکستہ ہو کر گر گئی ہے"۔

ایک صاحب نے کانگڑہ اور بھون کی تباہی کی نسبت لکھا ہے:۔

"ایک مکان بھی کھڑا نظر نہیں آتا۔ چھوٹے چھوٹے حجرے بھی گر گئے ہیں۔ کوئی بلندی نظر نہیں آتی۔ سب کچھ بالکل زمین سے ہموار ہو گیا ہے۔ کانگڑہ میں ایک گرجا تھا وہ بھی سربسجود ہوا۔ ایک بڑا عالیشان مندر تھا وہ ایسا منہ کے بل گرا کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ پجاریانِ مندر جن کی تعداد کئی سو تھی تقریبًا سب کے سب مر گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے صرف چودہ آدمی بچے ہیں۔ کانگڑہ میں ایک مشن ہائی اسکول تھا وہ بھی بالکل گر گیا ہے۔ اس کے تیرہ ۱۳ یا چودہ ۱۴ استادوں میں سے صرف دو بچے ہیں...... اردگرد کی تمام سڑکیں پھٹ گئی ہیں جن سڑکوں پر تانگے یکہ چلتا تھا اب وہاں سے آدمی بمشکل عبور کر سکتا ہے"۔ (بدر۔ ۴ مئی ۱۹۰۵ء)

غرضیکہ کہاں تک لکھا جائے۔ اُس زمانہ کے اخباروں کے فائل اُٹھا کر پڑھو تو مختلف لوگوں کے چشم دید حالات اور خطوط سے ایسے ایسے حالات پڑھنے میں آتے ہیں جن سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

لاہور میں ٹاؤن ہال کی چھت گر گئی اور شہر میں بہت سے مکانات گر گئے اور نقصانات کا تو کچھ شمار ہی نہیں کہ کس قدر مکانوں کو پہنچا۔ اور زلزلہ کے وقت مکانوں کے گرنے سے اس قدر گرد و غبار اُڑا کہ سانس لینا مشکل ہو گیا۔ اسی طرح شملہ میں سرکاری اور پرائیویٹ عمارتوں کا بڑا نقصان ہوا۔ غرضیکہ ان دنوں پنجاب ایک ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ ہر طرف سے نقصان اور ہلاکت کی خبریں چلی آرہی تھیں۔ سرکاری تخمینہ اموات کا پچیس ہزار تھا اور مالی نقصان کا کروڑ ہا روپے سے گزر کر اربوں تک پہنچ چکا تھا۔ اور جو اموات اور ہلاکت ضلع کانگڑہ اور کوہستانی علاقہ کے دیگر مواضعات میں ہوئی تھی اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں۔ پنجاب کے علاوہ صوبجات متحدہ (یو۔پی) کو بھی اس زلزلہ نے نقصان پہنچایا تھا مگر کم۔ اُس وقت کون جانتا تھا کہ بہار اور کوئٹہ بلوچستان کی باری بعد میں آنے کو ہے۔ حالانکہ حضرت اقدس کے الہاموں میں کئی زلزلوں کے آنے کی خبر تھی۔ مگر انسانی علم کی بے مائگی اسے باتیں سمجھ میں نہیں آتیں جب تک واقعات ہی نہ انہیں سامنے لے آویں ؀

اس زلزلہ میں حضرت اقدس کا طرزِ عمل

اُن دنوں میں حضرت اقدس ایک نئی کتاب نصرۃ الحق تصنیف فرما رہے تھے جو بعد میں براہین احمدیہ حصہ پنجم کے نام سے شائع ہوئی۔ ۴۔ اپریل ۱۹۰۵ء کو نماز فجر پڑھنے کے بعد اسی تصنیف کے لکھنے میں مشغول تھے اور اس میں اپنا یہ مشہور الہام لکھ رہے تھے کہ "دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُسے قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دیگا" کہ زور آور حملوں میں سے ایک حملہ ہوا یعنی زلزلہ آیا زلزلہ کے وقت تو کسی کی تاب کیا تھی کہ بھاگ کر کہیں جا سکے۔ ہر جھٹکے پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ مکان زمین سے لگا کہ لگا۔ درختوں کی شاخیں زمین سے لگ کر اوپر کو جاتی تھیں۔ انسان کی بے بسی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور قدرت کے زبردست ہاتھ کا وہ ایک نظارہ تھا جو بھلایا نہیں جا سکتا۔ حضرت اقدس تو دوسری منزل پر رہتے تھے اس لئے وہاں سے تو انسان کہیں بھاگ کر جا بھی نہیں سکتا تھا۔ مگر اللہ نے اپنا فضل رکھا۔ کوئی نقصان نہیں ہوا۔ زلزلہ ختم ہونے کے بعد آپ فوراً معہ اہل و عیال اور ضروری اسباب مکان سے باہر نکل گئے اور قادیان سے باہر متصل ہی جو آپ کا وسیع باغ تھا اُس میں جا ڈیرا لگایا۔ باغ کے وسط میں ایک چھوٹا سا مکان تھا اُس کے ساتھ دو خیمے اور گرد قناتیں لگا کر قیام پذیر ہو گئے۔ اور دوستوں کو بھی ارشاد فرمایا کہ سب وہیں باغ میں چلے آویں۔ چنانچہ بہت سے دوست کچھ چھولداریوں اور کچھ چھپروں میں اسی باغ میں جا کر سکونت پذیر ہو گئے۔ مولوی عبدالکریم صاحب۔ مولوی نورالدین صاحب۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہی

مولوی محمد علی صاحب اور بہت سے احباب باغ میں رہنے لگے۔ دفتر ریویو آف ریلیجنز۔ دفتر اخبار بدر سب باغ میں چلا گیا۔ مولانا نور الدین صاحب کا مطب اور درس قرآن سب وہیں باغ میں ہی شروع ہو گیا۔ آپ کا مع اپنے خدام کے باغ میں ٹھیرنا اس بنا پر تھا کہ اس زلزلہ کے بعد آپ کو ایک اور شدید زلزلہ کے متعلق الہام ہؤا تھا۔ اور آپ اجتہاداً یہ سمجھتے رہے کہ شاید وہ جلد ہی آنیوالا ہو۔ اس لئے احتیاطاً آپ اپریل۔ مئی اور جون کا مہینہ باہر باغ میں ہی ٹھیرے رہے۔ آپ کی ہمدردی کا دامن تو بہت وسیع تھا۔ جہاں اپنے لئے اور اپنے احباب قادیان کے متعلق آپ نے یہ احتیاط برتی وہاں تمام ملک کی خیر خواہی کے لئے یہ کیا کہ اس دوسرے زلزلہ کی آمد سے جہاں تک ممکن تھا ابنائے وطن کو برابر خبردار کرتے رہے۔

اشتہار "الدعوت" چنانچہ ۵۔ تاریخ اپریل ۱۹۰۵ء کو آپ نے ایک اشتہار الدعوت شائع فرمایا جس میں آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خدا کا غضب دنیا پر بھڑکا ہے اس لئے کہ دنیا خدا کو بھول گئی ہے اور طرح طرح کی معصیت میں مبتلا ہو گئی ہے۔ مجھے اس زمانہ میں خدا نے بھیجا ہے تا لوگوں کو سلامتی اور امن کی راہ کی طرف ہدایت دوں۔ پس میری طرف دوڑو تا ان مصائب اور بلاؤں سے جو آنے والی ہیں بچائے جاؤ۔ اس اشتہار میں نہایت معقول طریق سے آپ نے اپنی بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ آنیوالا موعود مَیں ہی ہوں۔ اب میرے بعد کس کا انتظار کرو گے؟

اشتہار "الانذار" اور ایک شدید زلزلہ کی پیشگوئی اس کے بعد ۸۔ تاریخ اپریل ۱۹۰۵ء کو آپ نے ایک اشتہار "الانذار" شائع فرمایا جس میں ایک شدید آنیوالے زلزلہ کی پیشگوئی کا اعلان فرمایا چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"آج رات تین بجے کے قریب خدا تعالیٰ کی پاک وحی مجھ پر نازل ہوئی جو ذیل میں لکھی جاتی ہے:۔

تازہ نشان۔ تازہ نشان کا دھکا۔ زلزلۃ الساعۃ۔ قوا انفسکم ان اللہ مع الابرار۔ دنیٰ منک الفضل۔ جاء الحق و زھق الباطل۔ ترجمہ مع شرح۔

یعنی خدا ایک تازہ نشان دکھائے گا۔ مخلوق کو اس نشان کا ایک دھکا لگے گا۔ وہ قیامت کا زلزلہ ہوگا مجھے علم نہیں دیا گیا کہ زلزلہ سے مراد زلزلہ ہے یا کوئی اور شدید آفت ہے جو دنیا پر آئے گی جس کو قیامت کہہ سکیں گے۔ اور مجھے علم نہیں دیا گیا کہ ایسا حادثہ کب آئے گا اور مجھے علم نہیں کہ وہ چند دن یا چند ہفتوں تک ظاہر ہوگا یا خدا تعالیٰ اس کو چند مہینوں یا چند سال کے بعد ظاہر فرمائے گا۔ بہرحال وہ حادثہ زلزلہ ہو یا کچھ اور۔ قریب

ہو یا بعید ہو پہلے سے بہت خطرناک ہے سخت خطرناک ہے۔ اگر ہمدردیٔ مخلوق مجھے مجبور نہ کرتی تو میں بیان نہ کرتا۔"

اس کے بعد ۴ - اپریل والے زلزلہ کے متعلق اپنی اس پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے جو آپ نے چند ماہ قبل الحکم اور البدر اخبار میں شائع فرمائی تھی تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر تم عربی دان نہیں ہو تو عربی دانوں سے پوچھ لو کہ اس وحی کے کیا معنے ہیں ؟ کہ عفت الدیار محلہا ومقامہا۔ اے عزیزو! اس کے یہی معنے ہیں کہ محلوں اور مقاموں کا نام ونشان نہیں رہے گا۔ طاعون تو صرف صاحب خانہ کو لیتی ہے مگر جس حادثہ کی اس وحی الٰہی میں خبر دی گئی تھی اس کے یہ معنے ہیں کہ نہ خانہ رہے گا نہ صاحب خانہ۔ سو خدا تعالیٰ کا فرمودہ جس طور سے اور جس صفائی سے پورا ہو گیا۔ آپ صاحبوں کو معلوم ہے۔ اس کی نسبت اشتہار الوصیت میں بھی خبر دی گئی تھی وہ تو جو ہوا سو ہوا۔ مگر اس کے بعد جو آنیوالا حادثہ ہے وہ بہت بڑھ کر ہے۔ خدا تعالیٰ لوگوں پر رحم کرے۔ ان کو تقویٰ اور نیک اعمال کا خیال آجاوے۔"

اس اشتہار کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جب خدا تعالیٰ اس وحی کے الفاظ میرے پر نازل کر چکا تو ایک روح کی آواز میرے کان میں پڑی جو کوئی ناپاک روح تھی اور میں نے اس کو یہ کہتے سُنا کہ میں سوتے سوتے جہنم میں پڑ گیا۔ انسان کا کیا حرج ہے کہ اگر وہ فسق وفجور کو چھوڑ دے۔ کونسا اس میں اس کا نقصان ہے اگر وہ مخلوق پرستی نہ کرے۔ آگ لگ چکی ہے اٹھو اور اس آگ کو اپنے آنسوؤں سے بجھاؤ۔" الخ

اس اشتہار کی حضرت نے بڑی اشاعت کی۔ یہاں تک کہ وائسرائے اور گورنر پنجاب تک کو انگریزی میں ترجمہ کرا کے بھیجا۔ ریویو آف ریلیجنز کے ذریعہ انگریزی میں ترجمہ ہو کر تمام عالم میں اس کی اشاعت ہوئی اور یہ پیشگوئی جس شان سے پوری ہونیوالی تھی اسی قابل تھی کہ تمام جہان میں اس کی اشاعت ہوتی۔

پیسہ اخبار کی دہریہ طبعی اور اس کی تردید

لاہور کے پیسہ اخبار کو حضرت اقدس سے سخت عداوت تھی۔ آپکے ان اشتہارات پر بھی اُس نے اپنی قدیم عادت سے کام لیا اور بہت تحقیر آمیز الفاظ میں لکھا کہ زلزلے آیا ہی کرتے ہیں اس کو خدا کا عذاب قرار دیکر لوگوں کو ڈرانا بالکل بے معنی بات ہے۔ درحقیقت اس تحریر میں اس نے دہریوں اور مادہ پرستوں کی تقلید کی جو قدرت کو ایک اندھی اور بے شعور (نعوذ باللہ) قدرت سمجھتے ہیں، اور اسی لئے ان زلزلوں کے آنے کو بھی یونہی بلا کسی مقصد کے خیال کرتے ہیں۔ ایک خدا پرست جو اس کارخانۂ قدرت کے پس پردہ صاحب شعور اور مدبر بالارادہ علیم وحکیم ہستی کو مانتا ہے

وہ تو کبھی ایسا گمان فاسد دل میں نہیں لاسکتا کہ یہ سارے کام یونہی اندھا دھند ہوتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں مختلف انبیا کا ذکر فرمایا ہے وہاں انہی مادہ پرستوں پر حجت تمام کرنے کے لئے ان آفات ارضی و سماوی اور زلازل کی پیشگوئیوں کا بھی ذکر فرمایا ہے جن کا اپنے اپنے زمانہ میں یہ نبی اعلان کرتے رہے اور اپنی قوموں کو عذاب کے آنے سے قبل ڈراتے اور خبردار کرتے رہے۔ اُن برگزیدگان الٰہی کے پاس کوئی آلہ کوئی ذریعہ ایسا نہ تھا جس سے وہ آنیوالی جنگوں یا آنیوالے زلزلوں یا سائیکلون یا طوفانِ آب کا قبل از وقت پتہ لگا سکتے سوائے خدا کی وحی کے جس سے وہ خبر پاتے اور دنیا کو سُناتے تھے۔ اور ایسی صفائی اور یقین اور تحدی سے سناتے کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔ اور ویسا ہی ظہور میں آتا رہا۔ اس کے علاوہ ان پیشگوئیوں میں ایک اور امر بھی ہوتا تھا جس سے صاحب ارادہ اور صاحب تمیز ہستی کی ایک اور جھلک نظر آتی ہے۔ اور وہ یہ کہ باوجود خدا کے ماموروں کے عجز اور ضعف اور انکے دشمنوں کے قوت اور اقتدار کے برملا اعلان کیا جاتا تھا کہ ان کی اتباع میں ہی امن اور سلامتی ہے اور اُن کی مخالفت میں ہلاکت اور تباہی اور پھر ویسا ہی وقوع میں آتا تھا۔ کیا اس سے صاف نظر نہیں آتا کہ قدرت کے یہ افعال اندھا دُھند نہیں بلکہ کوئی صاحب شعور مدبر بالارادہ ہستی پس پردہ کارساز اور کارپرداز ہے یہ اور بات ہے کہ ہمیں اُس کے مقاصد کا بعض دفعہ علم نہ ہو۔ اور ہو بھی کیسے سکتا ہے انسان کی محدود کھوپڑی محدود علم رکھتی ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے لامحدود علم کا کس طرح احاطہ کر سکتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ ولایحیطون بشیٔ مّن علمہٖ الّا بما شآء کہ اس کے علم کا لوگ کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر جتنا وہ علم دینا چاہے۔ پس نبیوں اور ماموروں کو جو علم دیا جاتا ہے وہ الّا بما شآء کے ماتحت ہی ہوتا ہے۔ کسی زلزلہ یا کسی آفت کے متعلّق جناب الٰہی کی طرف سے انہیں علم دیدیا جاتا ہے کہ وہ آنیوالا ہے اور فلاں وجہ سے آنیوالا ہے۔ اور اس سے بچنے کا فلاں طریق ہے۔ وہ بیچارے گھبرائے گھبرائے پھرتے ہیں اس لئے کہ وہ شفقت علیٰ خلق اللہ کے مجسمے ہوتے ہیں ان کے دل عامۃ الناس کی ہمدردی سے بھرپور ہوتے ہیں وہ لوگوں کو تقریر سے اور تحریر سے بار بار خبردار کرتے ہیں۔ اُن کی گھبراہٹ اور تشویش سچی ہوتی ہے کیونکہ اُن کی آنکھ وہ کچھ دیکھتی ہے جو اس محجوب دنیا کے لوگ نہیں دیکھتے *

اشتہار النداء من وحی السّماء یعنی ایک زلزلہ عظیمہ کی پیشگوئی بار دوم

پس یہی حال حضرت اقدس کا تھا جب سے ایک دوزظیم زلزلہ کے متعلق وحی ہوئی تھی خلق اللہ کی ہمدردی کی وجہ سے آپ کو سخت تشویش تھی ۸۔ تاریخ اپریل ۱۹۰۵ئہ کو الانذار کے نام سے اس پیشگوئی کا اعلان کر چکے تھے اور لوگوں کو خبردار

کر چکے تھے لیکن پھر ۱۲۔ اپریل ۱۹۰۵ء کو ایک اور لمبا چوڑا اشتہار شائع فرمایا جس کا عنوان تھا "الندا من وحی السما یعنی ایک زلزلۂ عظیمہ کی پیشگوئی بار دوم وحیٔ الٰہی سے" اس کی سُرخی کے اُوپر جو چار اشعار لکھے تھے اُن میں کا پہلا شعر آپ کی خلق اللہ کی ہمدردی اور تشویش پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

سونے والو جلد جاگو یہ نہ وقتِ خواب ہے ٭ جو خبر دی وحیٔ حق نے اُس سے دل بیتاب ہے

اس اشتہار کا ابتدائی فقرہ یہ ہے کہ :۔

"۹۔ اپریل ۱۹۰۵ء کو پھر خدا تعالیٰ نے مجھے ایک سخت زلزلہ کی خبر دی ہے جو نمونۂ قیامت اور ہوش رُبا ہوگا۔"

پھر تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"مجھے خدائے عزوجل نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ دو نو زلزلے تیری سچائی ظاہر کرنے کیلئے دو نشان ہیں...... اور یاد رہے کہ ان نشانوں کے بعد ابھی بس نہیں ہے۔ بلکہ کئی نشان ایک دوسرے کے بعد ظاہر ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ انسان کی آنکھ کھلے گی اور حیرت زدہ ہو کر کہے گا کہ کیا ہُوا چاہتا ہے۔ ہر ایک دن سخت اور پہلے سے بدتر آئے گا۔"

پھر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہ پیشگوئی دوسرے زلزلہ کی ۹۔ اپریل ۱۹۰۵ء کی وحی الٰہی کی بنا پر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خطرناک زلزلہ صرف ایک نہیں بلکہ غالباً اس کے بعد کئی اور زلزلے بھی ہیں۔"

اس کے بعد طرح طرح سے لوگوں پر حجت تمام کی ہے اور ڈرایا ہے اور پیسہ اخبار کی ایمانی حالت پر بھی افسوس کیا ہے۔ آخر میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"اب سنو اے عزیزو! کہ آج مَیں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ اب چاہو ٹھٹھا کرو۔ گالیاں دو۔ تہمتیں لگاؤ اور مفتری نام رکھو۔ اور چاہو تو قبول کرو۔ مَیں نے قبل از وقت بتا دیا۔ بد قسمتو! تم آنیوالے عذاب سے نہیں بھاگ سکتے۔ خدا برحق ہے اور اس کے وعدے برحق۔ والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔"

خدا کی شان آدم اور شیطان کی جنگ جو ابتدائے عالم سے تا ایندم چلی آرہی ہے وہ آپ کے وقت میں بھی بڑی زور سے جاری تھی۔ آپ تو بیتاب ہو ہو کر لوگوں کو آنیوالے زلزلہ سے ڈراتے اور نیکی اور تقویٰ کی طرف بلاتے اور آپ کے مخالفین اس کی مخالفت میں مضامین اور نظمیں شائع کرتے۔ ایڈیٹر

پیسہ اخبار - محمد بخش جعفر زٹلی وغیرہ ہیچمدان قسم لوگ اخباروں میں شور مچاتے اور لکھتے کہ کوئی زلزلہ نہیں آنیوالا - یہ یونہی ناحق کے ڈراوے ہیں +

اشتہار زلزلہ کی خبر بار سوم

جو خدا کی طرف سے مامور ہوتے ہیں انہیں لوگوں کی مخالفتوں اور بکواس کی کوئی پروا نہیں ہوتی - وہ خدا کے حکم کے ماتحت اپنا کام کئے جاتے ہیں - چنانچہ آپ نے ۲۹ - اپریل ۱۹۰۵ء کو پھر ایک اور اشتہار شائع فرمایا جس کا عنوان تھا "زلزلہ کی خبر بار سوم" اور جسے اس طرح شروع فرماتے ہیں:-

"آج ۲۹ - اپریل ۱۹۰۵ء کو پھر خدا تعالیٰ نے مجھے دوسری مرتبہ کے زلزلہ شدیدہ کی نسبت اطلاع دی ہے - سو مَیں محض ہمدردیٔ مخلوق کے لئے عام طور پر تمام دنیا کو اطلاع دیتا ہوں کہ یہ بات آسمان پر قرار پاچکی ہے کہ ایک شدید آفت سخت تباہی ڈالنے والی دنیا پر آوے گی جس کا نام خدا تعالیٰ نے بار بار زلزلہ رکھا ہے ...... یہ خدا تعالیٰ کی خبر اور اس کی خاص وحی ہے جو عالم الاسرار ہے - اس کے مقابل پر جو لوگ یہ شائع کر رہے ہیں کہ ایسا کوئی سخت زلزلہ آنے والا نہیں - وہ اگر منجم ہیں یا کسی اور علمی طریق سے اٹکلیں دوڑاتے ہیں وہ سب جھوٹے ہیں اور لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں - درحقیقت یہ سچ ہے اور بالکل سچ ہے"

غرضکہ اس اشتہار میں پھر بہت زور سے خبردار کیا ہے - گویا آپ نے تیسری مرتبہ اس پیشگوئی کو شائع کرکے اہل عالم پر حجت تمام کردی لیکن مخالفین اپنی کرتوتوں سے کب باز آنیوالے تھے - اُنہوں نے اب گورنمنٹ کو توجہ دلانی شروع کی کہ یہ شخص اس طرح ڈرا ڈرا کر پبلک کو ناحق خائف وہراسان کر رہا ہے اس لئے گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ اس کا انسداد کرے +

اشتہار "ضروری گزارش لائق توجہ گورنمنٹ"

اُن کی اس شرارت کے جواب میں آپ نے ایک اشتہار ۱۱ - مئی ۱۹۰۵ء کو شائع فرمایا جس کا عنوان تھا "ضروری گذارش لائق توجہ گورنمنٹ" اسمیں آپنے تحریر فرمایا:-

"یہ عجیب زمانہ ہے کہ ہمدردی کی بھی ناشکری کی جاتی ہے - بعض اخباروں والے خاصکر پیسہ اخبار لاہور اس بات سے بہت ناراض ہوئے ہیں کہ مَیں نے دوسرے زلزلہ کی خبر کیوں شائع کی ہے - حالانکہ اُن کو خوب معلوم ہے کہ جو کچھ مَیں نے شائع کیا ہے وہ بدنیتی سے نہیں ہے اور نہ کسی کو آزار دینا اور تشویش میں ڈالنا میرا مقصد ہے"

اس کے بعد آپ نے ۴ - اپریل ۱۹۰۵ء والے زلزلہ کے متعلق اپنی پیشگوئی کا ذکر کرکے افسوس کیا ہے کہ کیوں نہ اس پیشگوئی کو مَیں نے تمام ملک میں اچھی طرح شائع کیا - اس کے متعلق جو الہامات تھے وہ صرف

دو اُردو اخباروں الحکم اور البدر میں ہی شائع ہوتے رہے۔ گویا اس کی تشہیر میں ایک قسم کی مجھ سے فروگزاشت ہوگئی۔ اس لئے اب کے دفعہ تلافی مافات کے طور پر میں دوسرے زلزلہ کی پیشگوئی کو تمام دنیا میں اچھی طرح تشہیر کرنا چاہتا ہوں تاکہ بعد میں کوئی یہ کہنے والا نہ ہو کہ مجھے پہلے سے پتہ نہ ہؤا۔ چنانچہ اب کے دفعہ میں نے پایونیر ریویو آف ریلیجنز وغیرہ انگریزی اخباروں اور ملک کے دوسرے اخباروں میں اس پیشگوئی کو اچھی طرح مشتہر کر دیا ہے۔ اور خود وائسرائے ہند اور گورنر پنجاب تک کو اطلاع دیدی ہے پس جو کچھ میرا یہ فعل ہے محض عامہ خلائق کی نیک نیتی اور خیر خواہی پر مبنی ہے۔ نہ کہ لوگوں کو خائف اور ہراساں کرنے کے لئے جیسا کہ پیسہ اخبار کا بیان ہے اور نہ اس مقصد کیلئے ہے کہ لوگ ڈر کر میرے مرید بن جائیں۔ پھر آخر میں تحریر فرماتے ہیں :-

"میں بار بار اپنی اشتہارات میں لکھ چکا ہوں کہ اصلاح نفس اور توبہ سے اس جگہ میری یہ مراد نہیں ہے کہ کوئی ہندو یا عیسائی مسلمان ہو جائے یا میری بیعت اختیار کرے۔ بلکہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کسی کا مذہب غلطی پر ہے تو اس غلطی کی سزا کے لئے یہ دنیا عدالت گاہ نہیں ہے اس کے لئے عالم آخرت مقرر ہے اور جس قدر قوموں کو پہلے اس سے سزا ہوئی ہے۔ مثلاً آسمان سے پتھر برسے یا طوفان سے غرق کئے گئے یا زلزلہ نے اُن کو فنا کیا اُس کا یہ باعث نہیں تھا کہ وہ بت پرست تھے یا آتش پرست یا کسی اور مخلوق کے پرستار تھے۔ اگر وہ سادگی اور شرافت سے اپنی غلطیوں پر قائم ہوتے تو کوئی عذاب اُن پر نازل نہ ہوتا۔ لیکن اُنہوں نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی آنکھ کے سامنے سخت گناہ کئے اور نہایت درجہ شوخیاں دکھلائیں اور ان کی بدکاریوں سے زمین ناپاک ہوگئی۔ اس لئے اسی دنیا میں اُن پر عذاب نازل ہؤا۔ خدا کریم و رحیم ہے اور غضب میں دھیما ہے۔ اگر اس زمانہ کے لوگ اس سے ڈریں اور بدکاریوں اور ظلمتوں، اور طرح طرح کے بُرے کاموں پر ایسی جرأت نہ کریں کہ گویا خدا نہیں ہے تو پھر اُن پر کوئی عذاب نازل نہیں ہوگا۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے مایفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و اٰمنتم (پ۵۔ ۱۸) یعنی خدا تمہیں عذاب دیکر کیا کرے گا اگر تم شکرگزار بن جاؤ اور خدا پر ایمان لاؤ اور اس کی عظمت اور سزا کے دن سے ڈرو۔ اور ایسا ہی اس کے مقابل پر فرماتا ہے۔ قل مایعبأ بکم ربی لولا دعاءکم (پ۱۹۔ ۵) یعنی ان کو کہدے کہ اگر تم نیک چلن انسان نہ بن جاؤ اور اس کی یاد میں مشغول نہ رہو تو میرا خدا تمہاری زندگی کی پرواہ کیا رکھتا ہے۔ اور سچ ہے کہ جب انسان غافلانہ زندگی بسر کرے اور اس کے دل پر خدا کی عظمت کا کوئی رعب

نہ ہو اور بے قیدی اور دلیری کے ساتھ اس کے تمام اعمال ہوں تو ایسے انسان سے ایک بکری بہتر ہے جس کا دودھ پیا جاتا ہے اور گوشت کھایا جاتا ہے اور کھال بھی بہت سے کاموں میں آجاتی ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ جس قدر میں نے لکھا ہے وہ ان لوگوں کے لئے بس ہے جن کے دل ٹیڑھے نہیں ہیں اور جو جانتے ہیں کہ خدا ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ"

حضرت اقدس کے قیام باغ کی وجہ

دوسرے زلزلۂ عظیمہ کے متعلق جو حضرت اقدس کے اشتہارات نکل رہے تھے محض خلق اللہ کی ہمدردی اور بحیثیت ایک مامور الٰہی کے تھے۔ وہ خود اپنے ان الہامات پر اس قدر یقین رکھتے تھے کہ باوجود اس کے کہ ایک جاپانی ماہر علم طبقات الارض (جیالوجسٹ) پروفیسر اوموری یہ رائے دے گیا تھا کہ اب کئی سال تک پنجاب میں کسی شدید زلزلہ کے آنے کی توقع نہیں۔ اور اس کی یہ رائے اخباروں میں شائع ہو چکی تھی۔ اور باوجود اس کے کہ آپ کو خود بھی یہ علم نہ تھا کہ الہام میں جس آفت کو زلزلۂ قیامت کہا گیا ہے وہ زلزلہ ہے یا کوئی اور بڑی آفت ہے۔ جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں

"مجھے علم نہیں دیا گیا کہ زلزلہ سے مراد زلزلہ ہے یا کوئی اور شدید آفت ہے جو دنیا پر آئے گی جس کو قیامت کہہ سکیں گے" (الانذار)

لیکن تاہم چونکہ یہ پہلو موجود تھا کہ ممکن ہے کہ وہ زلزلہ ہی ہو۔ اس لئے آپ اپنے اہل و عیال اور خدام کو لئے ہوئے باغ میں پڑے رہے۔ اور ۱۰۔ جولائی ۱۹۰۵ء تک آپ مکانوں کو واپس تشریف نہیں لے گئے۔ برابر تین مہینے تک دھوپ کی تپش اور لُو کی لپیٹ اور آندھیوں کے طوفان سب کچھ برداشت کرتے رہے۔ خیمے کی چادریں یا چھپروں کے پھونس بھلا دھوپ کی تپش یا لُو کی گرمی سے انسان کو کیا بچا سکتے ہیں۔ باغوں میں بہار اور گرمی کے موسم میں اکثر سانپ نکلا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک بہت بڑا کالا سانپ بھی نکلا مگر مارا گیا۔ اردگرد سکھوں کے دیہات تھے جن میں جرائم پیشہ لوگوں کی کمی نہ تھی۔ ایک دفعہ ایک بہت قوی ہیکل سکھ بشن سنگھ نامی چوری کرنے کی نیت سے آیا بھی مگر پکڑا گیا۔ حضرت اقدس کی زوجہ محترمہ بھی ان دنوں بہت بیمار تھیں۔ غرض کہ ساری تکالیف سہیں لیکن جب تک مزید تفہیم کے ماتحت تسلی نہ ہوئی آپ مکان کو واپس تشریف نہیں لے گئے۔ اور جتنے دن باغ میں رہے باوجود سخت تکالیف کا سامنا ہونے کے آپ کے ہنستے ہوئے چہرہ میں کبھی فرق نہیں آیا۔ اور ساتھ ساتھ براہین احمدیہ حصہ پنجم کی تصنیف کا کام بھی برابر ہوتا رہا۔

ایک سیاح کے چشمدید حالات

انہی ایام میں ایک نوجوان ابو النصر دہلوی صاحب جو مولانا ابو الکلام آزاد صاحب کے بھائی تھے۔ قادیان تشریف لائے وہ جو اثر اپنے دل پر لیکر گئے تھے اُسے اُنہوں نے

اخبار وکیل امرتسر میں شائع فرمایا۔ جسے بدر ۲۵ مئی ۱۹۰۵ء نے بھی نقل کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں :-

"مَیں نے اور کیا دیکھا؟ قادیان دیکھا مرزا صاحب سے ملاقات کی۔ مہمان رہا۔ مرزا صاحب کے اخلاق اور توجہ کا مجھے شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ میرے منہ میں حرارت کی وجہ سے چھالے پڑ گئے تھے اور مَیں شور غذائیں کھا نہیں سکتا تھا۔ مرزا صاحب نے (جبکہ دفعتًا گھر سے باہر تشریف لے آئے تھے) دودھ اور پاؤ روٹی تجویز فرمائی۔ آج کل مرزا صاحب قادیان سے باہر ایک وسیع اور مناسب باغ میں (جو خود انہیں کی ملکیت ہے) قیام پذیر ہیں۔ بزرگان ملت بھی وہیں ہیں۔ قادیان کی آبادی تقریبًا ۳ ہزار آدمیوں کی ہے۔ مگر رونق اور چہل پہل بہت ہے۔ نواب صاحب مالیر کوٹلہ کی شاندار اور بلند عمارت تمام بستی میں صرف ایک ہی عمارت ہے۔ راستے کچے اور ناہموار ہیں۔ بالخصوص وہ سڑک جو بٹالہ سے قادیان تک آتی ہے اپنی نوعیت میں سب پر فوق لے گئی ہے ...... اکرام ضیف کی صفت خاص اشخاص تک محدود نہ تھی۔ چھوٹے سے لیکر بڑے تک ہر ایک نے بھائی کا سا سلوک کیا ...... مرزا صاحب کی صورت نہایت شاندار ہے جس کا اثر بہت قوی ہوتا ہے۔ آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک اور کیفیت ہے۔ اور باتوں میں ملائمت ہے۔ طبیعت منکسر مگر حکومت خیز۔ مزاج ٹھنڈا مگر دلوں کو گرما دینے والا۔ بردباری کی شان نے انکساری کی کیفیت میں اعتدال پیدا کر دیا ہے۔ گفتگو ہمیشہ اس نرمی سے کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا متبسم ہیں۔ رنگ گورا ہے۔ بالوں کو حنا کا رنگ دیتے ہیں۔ جسم مضبوط اور محنتی ہے۔ سر پر پنجابی وضع کی سفید پگڑی باندھتے ہیں۔ پاؤں میں جراب اور دیسی جوتی ہوتی ہے۔ عمر تقریبًا ۶۶ سال کی ہے۔ مرزا صاحب کے مریدوں میں مَیں نے بڑی عقیدت دیکھی اور انہیں بہت خوش اعتقاد پایا۔ میری موجودگی میں بہت سے معزز مہمان آئے ہوئے تھے جن کی ارادت بڑے پایہ کی تھی اور بے حد عقیدتمند تھے۔ مرزا صاحب کی وسیع الاخلاقی کا یہ ایک ادنیٰ نمونہ ہے کہ اثنائے قیام کی متواتر نوازشوں کے خاتمہ پر بایں الفاظ مجھے مشکور ہونے کا موقعہ دیا۔ "ہم آپ کو اس وعدہ پر اجازت دیتے ہیں کہ آپ پھر آئیں اور کم از کم دو ہفتے قیام کریں"۔ (اس وقت کا تبسم ناک چہرہ اب تک میری آنکھوں میں ہے) مَیں جس شوق کو لیکر گیا تھا ساتھ لایا۔ اور شاید وہی شوق مجھے دوبارہ لے جائے۔ واقعی قادیان نے اس جملہ کو اچھی طرح سمجھا ہے

"وحسّن خُلقك ولو مع الكفّار"

"پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی"
۲۸ - فروری ۱۹۰۶ء کا زلزلہ

۲۰ - دسمبر ۱۹۰۵ء کو آپ نے جب اپنی وصیت شائع فرمائی تو اس میں بھی اس زلزلہ والی پیشگوئی کا ذکر فرمایا اور اپنا تازہ الہام "پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی" پیش فرما کر اس الہام کی تشریح ان الفاظ میں کی کہ پھر خدا نے مجھے خبر دی ہو کہ بہار کے زمانہ میں ایک اور سخت زلزلہ آنیوالا ہے۔ اور بہار کے موسم کی تعیین آپ نے آخر جنوری سے آخر مئی تک فرمائی۔ چنانچہ اس کے مطابق عین وسط بہار میں پہلے تو ۱۶ - فروری ۱۹۰۶ء کو جنوبی امریکہ کے ممالک کولمبیا اور ایکویڈار میں نہایت سخت زلزلہ آیا جس سے بہت سے شہر تباہ ہو گئے اور سینکڑوں جانیں تلف ہوگئیں۔ اس کے بعد ۲۸ - فروری ۱۹۰۶ء کو رات کے ایک بجکر ۲۰ منٹ پر ایسا سخت زلزلہ آیا کہ انگریزی اخبارات سول وغیرہ کو اعتراف کرنا پڑا کہ یہ زلزلہ ۴ - اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کے برابر تھا۔ اب کے دفعہ زلزلہ کا مرکز چونکہ بجائے کانگڑہ کے شملہ کی پہاڑیاں تھیں۔ اس لئے مغربی اور وسطی پنجاب نقصان سے بچ گیا۔ ہاں مشرقی پنجاب میں اس سے نقصان ہؤا۔ چنانچہ رام پور شہر علاقہ شملہ کو بہت سے اور مقامات میں جانوں اور عمارتوں کا نقصان ہؤا۔ خود پیسہ اخبار نے چھاپا کہ موضع دودہ پور ضلع انبالہ تحصیل جگادھری کے سارے آدمی رات کو سوئے ہوئے مرگئے صرف تین آدمی بچے اور تیرہ ضلع سہارنپور میں رات کو ایک سوکھا کنواں پانی سے بھر گیا۔ اسی طرح اور بھی بہت سا نقصان ہؤا۔ چونکہ حضرت اقدس نے ایک زلزلۂ عظیمہ کی پیشگوئی کی ہوئی تھی اس لئے خود حضرت صاحب کو اور آپ کے جملہ خدام کو پہلے یہی خیال ہؤا کہ شاید یہی وہ زلزلہ تھا جس کی پیشگوئی اس شدومد سے کی گئی تھی اور جسے نمونۂ قیامت کہا گیا تھا۔ لیکن بعد میں الہام الٰہی نے اس غلط فہمی کو رفع فرما دیا اور بتلا دیا کہ یہ وہ زلزلۂ موعودہ نہیں ہے جسے قیامت کا نمونہ کہا گیا تھا۔ بلکہ وہ آئندہ کسی وقت آئے گا۔

اشتہار "زلزلہ کی پیشگوئی"

اس لئے آپ نے فوراً ۱۷ - مارچ ۱۹۰۶ء کو ایک اشتہار شائع فرمایا جس کا عنوان تھا "زلزلہ کی پیشگوئی"۔ اس کا ابتدائی حصہ مَیں یہاں نقل کر دیتا ہوں:-

"دوستو جاگو کہ اب پھر زلزلہ آنے کو ہے
پھر خدا قدرت کو اپنی جلد دکھلانے کو ہے

یہ جو ماہِ فروری میں تم نے دیکھا زلزلہ
تم یقیں سمجھو کہ یہ اک زجر سمجھانے کو ہے

آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اس کا علاج
آسماں اے غافلو! اب آگ برسانے کو ہے

اے عزیزو! آپ لوگوں نے اس زلزلہ کو دیکھا ہوگا جو ۲۸ فروری ۱۹۰۶ء کی رات کو ایک بجے کے بعد آیا تھا۔ یہ وہی زلزلہ تھا جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے اپنی وحی میں فرمایا تھا۔ پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ چنانچہ مَیں نے یہ پیشگوئی رسالہ الوصیت کے صفحہ ۳ و ۱۴ و ۱۵

میں اور نیز اپنے اشتہارات اور اخبار الحکم اور بدر میں شائع کر دی تھی سو الحمد للہ و المنت کہ اسی کے مطابق عین بہار کے ایام میں یہ زلزلہ آیا۔ لیکن آج یکم مارچ ۱۹۰۶ء کو صبح کے وقت پھر خدا نے یہ وحی میرے پر نازل کی جس کے یہ الفاظ ہیں "زلزلہ آنے کو ہے"۔ اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ وہ زلزلہ جو قیامت کا نمونہ ہے وہ ابھی آیا نہیں۔ بلکہ آنے کو ہے اور یہ زلزلہ اس کا پیش خیمہ ہے جو پیشگوئی کے مطابق پورا ہوا۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے رسالہ الوصیت کے صفحہ ۳ و ۴ میں قبل از وقت لکھا تھا۔ صرف ایک زلزلہ کی پیشگوئی نہیں بلکہ کئی زلزلوں کی نسبت خدا نے مجھے اطلاع دی تھی سو یہ وہ زلزلہ تھا جس کا موسم بہار میں آنا خدا تعالیٰ کی وحی کے مطابق ضروری تھا سو آ گیا...... اس لئے میں مکرر اطلاع دیتا ہوں اور متنبہ کرتا ہوں کہ جہاں تک میرا خیال ہے وہ دن دُور نہیں۔ توبہ کرو اور پاک اور کامل ایمان اپنے دلوں میں پیدا کرو الخ"

اس کے بعد آپ نے چشمہ مسیحی میں مذکورہ بالا نظم کو جس کے تین اشعار اوپر نقل کئے ہیں مکمل کیا۔ میں اس میں سے پانچ اشعار یہاں نقل کرتا ہوں جو قابل غور ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"کیوں نہ آویں زلزلے تقویٰ کی راہ گم ہو گئی
اِک مسلماں بھی مسلماں صرف کہلانے کو ہے

ہاتھ سے جاتا ہے دل دیں کی مصیبت دیکھ کر
پر خدا کا ہاتھ اب اس دل کو ٹھہرانے کو ہے

اس لئے اب غیرت اسکی کچھ تمہیں دکھلائے گی
ہر طرف یہ آفتِ جاں ہاتھ پھیلانے کو ہے

موت کی رہ سے ملیگی اب تو دیں کو کچھ مدد
ورنہ دیں اے دوستو اِک روز مر جانے کو ہے

یا تو اِک عالم تھا قرباں اُس پہ یا آئے یہ دن
ایک عبد العبد بھی اس دیں کو جھٹلانے کو ہے

زلزلہ کی پیشگوئی منظوم

اس کے بعد آپ نے ۲۱۔ مارچ ۱۹۰۶ء کے پیسہ اخبار میں جو ایک لاکھ کی تعداد میں شائع ہوا تھا قیمت دیکر ایک نظم چھپوائی جس میں اس زلزلہ کی پیشگوئی کو بڑے مؤثر الفاظ میں نظم فرمایا تھا۔ یہ نظم حقیقۃ الوحی میں بھی درج ہے جو ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں:۔

پھر چلے آتے ہیں یارو زلزلہ آنے کے دن
زلزلہ کیا اس جہاں سے کوچ کر جانے کے دن

تم تو ہو آرام میں پر اپنا قصہ کیا کہیں
پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے سخت گھبرانے کے دن

غیر کیا جانے کہ غیرت اُس کی کیا دکھلائیگی
خود بتائے گا انہیں وہ یار بتلانے کے دن

وہ چمک دکھلائیگا اپنے نشاں کی پنج بار[1]
یہ خدا کی بات ہے سمجھو گے سمجھانے کے دن

---

[1] فرماتے ہیں "خدا تعالیٰ کے اصل الفاظ جو مجھ پر نازل ہوئے ہیں یہ ہیں "چمک دکھلاؤں گا تم کو اس نشاں کی پنج بار" یعنی پانچ مرتبہ غیر معمولی طور پر زلزلہ آئے گا جو اپنی شدت میں نظیر نہیں رکھتا ہوگا"۔ منہ

اے میرے یارِ یگانہ اے میری جاں کی پناہ
کر وہ دن اپنے کرم سے دیں کے پھیلانیکے دن

پھر بہارِ دیں کو دکھلا اے میرے پیارے قدیر
کب تلک دیکھیں گے ہم لوگوں کے بہکانیکے دن

دن چڑھا ہے دشمنانِ دیں پہ ہم پر رات ہے
اے میرے سورج دکھا اس دیں کے چمکانیکے دن

دل گھٹا جاتا ہے ہر دم جاں بھی ہے زیر و زبر
اک نظر فرما کہ جلد آئیں تیرے آنے کے دن

چہرہ دکھلا کر مجھے کر دیجئے غم سے رہا
کب تلک لمبے چلے جائیں گے ترسانیکے دن

کچھ خبر لے تیرے کوچہ میں یہ کس کا شور ہے
کیا میرے دلدار تو آئے گا مر جانیکے دن

تیرے ہاتھوں سے میرے پیارے اگر کچھ ہو تو ہو
ورنہ دیں میّت ہے اور یہ دن ہیں دفنانیکے دن

اک نشاں دکھلا کہ اب دیں ہو گیا ہے بے نشاں
دل چلا ہے ہاتھ سے لا جلد ٹھیرانیکے دن

صبر کی طاقت جو تھی وہ اے پیارے اب نہیں
میرے دلبر اب دکھا اس دل کے بہلانیکے دن

کون روتا ہے کہ جس سے آسماں بھی رو پڑا
لرزہ آیا اس زمیں پر اس کے چلّانیکے دن

میرے دل کی آگ نے آخر دکھایا کچھ اثر
آ گئے ہیں اب زمیں پر آگ بھڑکانیکے دن.

دوستو اُس یار نے دیں کی مصیبت دیکھ لی
آئیں گے اس باغ کے اب جلد لہرانیکے دن

اک بڑی مدت سے دیں کو کفر تھا کھاتا رہا
اب یقیں سمجھو کہ آئے کفر کو کھانیکے دن

دن بہت ہیں سخت اور خوف و خطر درپیش ہے
پر یہی ہیں دوستو اس یار کو پانیکے دن

دیں کی نصرت کیلئے اک آسماں پر شور ہے
اب گیا وقتِ خزاں آئے ہیں پھل لانیکے دن

چھوڑ دو وہ راگ جس کو آسماں گاتا نہیں
اب تو ہیں اے دل کے اندھو دیں کے گن گانیکے دن

خدمتِ دیں کا تو کھو بیٹھے ہو بغض و کیں سے وقت
اب نہ جائیں ہاتھ سے لوگو یہ پچھتانیکے دن

ساری نظم قابلِ مطالعہ ہے عجیب پُر اثر اشعار ہیں جن سے نظر آتا ہے کہ حضرت اقدس کو اسلام کے غلبہ اور دین حق کی اشاعت کی کس قدر تڑپ تھی۔

تجلّیاتِ الٰہیہ مذکورہ بالا نظم کی اشاعت سے قبل ۱۵۔ مارچ ۱۹۰۶ء کو آپ نے ایک رسالہ تصنیف کرنا شروع کیا تھا جس کا نام آپ نے **تجلّیاتِ الٰہیہ** رکھا تھا۔ اس رسالہ میں خدا تعالیٰ کی اس پیشگوئی پر جس کے الفاظ یہ ہیں کہ "چمک دکھلاؤں گا تم کو اس نشاں کی پنج بار" آپ بسط سے لکھنا چاہتے تھے اس میں عذاب کی پیشگوئیوں کے فلسفہ پر بھی آپ نے بحث شروع کی تھی۔ مگر افسوس کہ بعض اور ضروری امور نے توجہ اپنی طرف جذب کر لی اور یہ رسالہ ۲۳ صفحے تک تصنیف ہو کر ناتمام رہ گیا۔ اور آپ کی وفات کے بعد اسی طرح ناتمام حالت میں شائع کر دیا گیا۔

عالمگیر جنگ عظیم میں آخر وہ زلزلہ کی پیشگوئی پوری ہوئی

حضرت اقدس نے اپنی کتاب براہین احمدیہ حصّہ پنجم میں جو ان دنوں زیر تصنیف تھی ایک نظم درج فرمائی ہے جس کے آخری اشعار میں اس موعود زلزلہ کا ایسا ٹھیک نقشہ کھینچکر رکھدیا ہے جس سے عالمگیر جنگ عظیم یورپ آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت خاص رُوح القدس کی تائید سے آپ کا قلم چلا ہے۔ یا کشفی رنگ میں وہ نقشہ نظروں کے سامنے سے گزرا ہے۔ ذرا اس موعودہ زلزلہ یا جنگ عظیم (کسی مصیبت عظمیٰ کو جس سے انقلاب عظیم وابستہ ہو زلزلہ کا نام دینا معمولی محاورہ کلام الٰہی کا ہے) کا نقشہ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں :-

اک نشاں ہے آنیوالا آج سے کچھ دن کے بعد — جس سے گردش کھائینگے دیہات و شہر و مرغزار
آئیگا قہرِ خدا سے خلق پر اک انقلاب — اک برہنہ سے نہ یہ ہوگا کہ تا باندھے ازار
یک بیک اک زلزلہ[1] سے سخت جنبش کھائینگے — کیا بشر اور کیا شجر اور کیا حجر اور کیا بحار
اک جھپک میں یہ زمیں ہو جائے گی زیر و زبر — نالیاں خوں کی چلیں گی جیسے آبِ رودبار
رات جو رکھتے تھے پوشاکیں برنگِ یاسمن — صبح کر دے گی انہیں مثلِ درختانِ چنار
ہوش اُڑ جائیں گے انساں کے پرندوں کے حواس — بھولیں گے نغموں کو اپنے سب کبوتر اور ہزار
ہر مسافر پر وہ ساعت سخت ہے اور وہ گھڑی — راہ کو بھولیں گے ہو کر مست و بیخود راہوار
خون سے مُردوں کے کوہستان کے آبِ رواں — سرخ ہو جائیں گے جیسے ہو شرابِ انجبار
مضمحل ہو جائینگے اس خوف سے سب جن و انس — زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار
اک نمونہ قہر کا ہوگا وہ ربانی نشاں — آسماں حملے کرے گا کھینچ کر اپنی کٹار
ہاں نہ کر جلدی سے انکار اے سفیہِ ناشناس — اس پہ ہے میری سچائی کا سبھی دارومدار
وحیِ حق کی بات ہے ہو کر رہے گی بے خطا — کچھ دنوں کر صبر ہو کر متقی اور بردبار
یہ گماں مت کر کہ یہ سب بدگمانی ہے معاف — قرض ہے واپس ملے گا تجھ کو یہ سارا اُدھار

آج کون شخص ہے جس نے جنگ عظیم یورپ کا زمانہ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک کا دیکھا ہو اور پھر وہ انکار کرے اور کہے کہ مندرجہ بالا اشعار میں جو نقشہ کھینچا گیا وہ جنگ عظیم یورپ کا ٹھیک ٹھیک نقشہ نہیں ہے؟

[1] خدا تعالیٰ کی وحی میں زلزلہ کا بار بار لفظ ہے اور فرمایا کہ ایسا زلزلہ ہوگا جو نمونۂ قیامت ہوگا بلکہ قیامت کا زلزلہ اس کو کہنا چاہیے جس کی طرف سورۃ اذا زلزلت الارض زلزالھا اشارہ کرتی ہے۔ لیکن مَیں ابھی تک اس زلزلہ کے لفظ کو قطعی یقین کے ساتھ ظاہر پر جما نہیں سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ معمولی زلزلہ نہ ہو بلکہ کوئی اور شدید آفت ہو جو قیامت کا نظارہ دکھلاوے جس کی نظیر کبھی اس زمانہ نے نہ دیکھی ہو اور جانوں اور عمارتوں پر سخت تباہی آوے۔ ہاں اگر ایسا فوق العادت نشان ظاہر نہ ہو اور لوگ کھلے طور پر اپنی اصلاح بھی نہ کریں تو اس صورت میں مَیں کاذب ٹھیروں گا۔" منہ (براہین احمدیہ حصّہ پنجم صفحہ ۱۲۰)

کس طرح یک بہ یک ایک جھپک میں یہ آگ تمام یورپ میں پھیل گئی۔ مسٹر ایسکوئتھ وزیر اعظم انگلستان اور دیگر بڑے بڑے مدبرین سلطنت ہاتھ پاؤں مارتے رہ گئے اور کچھ نہ بنا اور اس خدائی تقدیر کو نہ روک سکے پھر شہروں اور دیہات اور مرغزار پر جو گردش اور تباہی آئی ہے الامان الحفیظ۔ دل بول اُٹھے کہ یہ آسمان ہے جو کٹار کھینچکر زمین پر حملہ آور ہوا ہے۔ خشکی۔ تری۔ ہوا۔ غرضکہ کوئی جگہ نہ تھی جہاں انسان کا انسان نے گلا نہ کاٹا ہو۔ اور ایک دوسرے کی ہستی کو مٹانے کی کوشش نہ کی ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خون کی نالیاں جس طرح چلی ہیں دنیا کی تاریخ اُس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ پھر زیپلن اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ جو بمباریاں ہوئیں اُن سے شہروں میں امن سے بسنے والے لوگوں کی پوشاکیں جو رات کو رنگ یاسمن تھیں کس طرح صبح کو خون سے برنگ درختانِ چنار سُرخ ہو گئیں۔ پھر کس طرح آفت جان "جنگ" نے ہر طرف ہاتھ پھیلایا جس کی جھپیٹ سے نہ کوئی جن بچا نہ انس۔ یعنی نہ بڑا بچا اور نہ چھوٹا۔ نہ سرمایہ دار بچا اور نہ غریب مزدور۔ سب اپنی اپنی جگہ مضمحل ہو گئے۔ نہ گھر کے بسنے والوں کو چین تھا اور نہ مسافر راہ چلتوں کو امان تھا۔ آئے دن مسافروں کے جہاز غرق ہوتے اور گھر والوں میں ماتم وشیون بپا ہوتا۔ غرضکہ قیامت کی ہلاچلی مچی ہوئی تھی۔ پرندوں تک کو امن نہ تھا۔ بمباریوں اور گیس کے حملوں سے پرندوں تک کے حواس مارے گئے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں فنا ہو گئے۔ عجیب بات یہ کہ جیسا کہ حضرت صاحب نے لکھا تھا کہ "بھولیں گے نغموں کو اپنے سب کبوتر اور ہزار"۔ کبوتروں پر بھی سب سے بڑھکر آفت آئی کیونکہ کبوتروں سے جنگوں میں پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا۔ اسلئے چُن چُن کر کبوتروں کو مارا گیا۔ اسی طرح آپ نے فرمایا تھا کہ ؎

مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن و انس + زار بھی ہوگا تو ہوگا اُس گھڑی باحالِ زار

کس قدر قدرت خداوندی کا عجیب نظارہ ہے کہ دنیا کے بادشاہوں میں سب سے بڑا۔ حد درجہ کا با اقتدار اور کامل مختار اور دینی و دنیوی حیثیتوں سے سارے رُوس کا مقتدا زار رُوس سمجھا جاتا تھا۔ اور سب سے زیادہ جس کی حالت زار ہوئی وہ زار روس ہی تھا۔ وہ اور اس کا خاندان قید کیا گیا۔ ذلیل کیا گیا۔ اور آخر کار گولیوں سے اُڑا دیا گیا۔ اور ہمیشہ کے لئے زار کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ غرضکہ دوست دشمن مشرق و مغرب سب کو اعتراف ہے کہ یہ عالمگیر جنگ ایک نمونۂ قیامت تھی جس کی نظیر بلکہ اس کا عشر عشیر بھی دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اس قیامت صغریٰ نے دنیا میں ایسا حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا کہ ساری دنیا کی تاریخ کو اس نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک پری وار ایج۔ دوسرا پوسٹ وار ایج۔ یعنی ایک زمانہ "قبل از جنگ عظیم" اور دوسرا زمانہ "بعد از جنگ عظیم"۔

اسی طرح اس سے جغرافیہ کا سیاسی نقشہ ہی بدل گیا۔ تہذیب و تمدن نے پلٹا کھایا۔ مذہبی نقطۂ نظر بدل گیا۔ یورپ کی عیسائیت سے محبت رخصت ہوئی۔ اسلام کی عزت دلوں میں گھر کرنے لگی۔ اور ابھی کیا ہے۔ حضرت اقدس نے بذریعہ الہام فرمایا ہے کہ "وہ چمک دکھلائے گا اپنے نشاں کی پنج بار" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تو یہ ایک بار ہوئی ہے شاید ابھی ایسے ہی چار جھٹکے دنیا کو اور لگیں گے۔[1] اس وقت دنیا کے بدمست غافلوں کو ہوش آئیگا۔ اور مادہ پرستوں کے دلوں کے زنگ صاف ہونگے۔ اُس وقت دنیا خدا کی طرف دوڑیگی اور اپنی تمام قومی تباغض اور منافرت کا علاج اسلام کی اخوت و مساوات میں پائیگی اور حضرت اقدس کی درد دل سے نکلی ہوئی دعا انشاءاللہ پایۂ قبولیت کو پہنچیگی جو چشمۂ مسیحی مطبوعہ ۱۹۰۶ء میں ان فارسی اشعار میں آپنے آستانہ الٰہی پر گڑگڑا کر مانگی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"اے سر و جان و دل و ہر ذرّہ ام قربانِ تو
بر دلم بکشا ز رحمت ہر درِ عرفانِ تو

فلسفی کز عقل مے جوید ترا دیوانہ ہست
دُور تر ہست از خرد ہا آں رہِ پنہانِ تو

از حریمِ تو ازیناں ہیچ کس آگاہ نشد
ہر کہ آگاہ شُد شد از احسانِ بے پایانِ تو

عاشقانِ روئے خود را ہر دو عالم میدہی
ہر دو عالم ہیچ پیشِ دیدۂ غلمانِ تو

یک نظر فرما کہ تا کوتہ شود جنگ و جدال
خلق محتاج است سوئے جذبۂ برہانِ تو

یک نشاں بنما کہ تا نورت درخشد در جہاں
تا شود ہر منکرِ ملّت محامد خوانِ تو

گر زمیں زیر و زبر گردد ندارم ہیچ غم
غم ہمیں دارم کہ گم گردد رہِ رخشانِ تو

گفتگو و بحث در دیں دردِ سر بسیار ہست
قصہ کوتاہ کن بہ آیاتِ عظیم الشّانِ تو

از ازل جنبیدہ فطرت اغیار را
تا مگر آیند ترساں سوئے آں ایوانِ تو

چشمۂ رحمت رواں کن در لباسِ زلزلہ
تا بکے سوزد بغم ایں بندۂ گریانِ تو"

براہین احمدیہ حصہ پنجم کی تصنیف

براہین احمدیہ کی چار جلدیں لکھنے کے بعد عرصہ قریب ۲۳ سال کا گذر گیا مگر آپ کو اُسکے پانچویں حصہ کے لکھنے کی طرف توجہ نہیں ہوئی حالانکہ اس اثنا میں آپ اسّی کے قریب کتابیں تحریر فرما چکے تھے۔ آخر ۱۹۰۵ء کے آغاز میں آپ کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی کہ براہین احمدیہ کا پنجم حصہ بھی لکھا جائے چنانچہ معاً آپنے یہ تصنیف لکھنی شروع کردی اور

[1] چنانچہ ان پانچ موعود زلزلوں کے جھٹکوں میں سے ایک جھٹکا یقیناً یہ خطرناک جنگ یورپ بھی ہے جو آج ۱۹۴۰ء میں جاری ہے حضرت اقدس فرماتے ہیں وہ چمک دکھلائیگا اپنے نشاں کی پنج بار۔ یہ خدا کا قول ہے سمجھو گے سمجھائینگے دن ✦ میرے دل کی آگ نے آخر دکھایا کچھ اثر۔ آ گئے ہیں اس زمیں پر آگ بھڑکانیکے دن تم تو ہو آرام میں پر اپنا قصہ کیا کہیں۔ پھر تے ہیں آنکھوں کے آگے سخت گھبرانیکے دن ✦ دن بہت ہیں سخت اور خوف و خطر درپیش ہے۔ پر یہی ہیں دوستو اس یار کو پانیکے دن پھر حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۶ پر تحریر فرماتے ہیں: "اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں۔ اور اے جزائر کے رہنے والو کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ مَیں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔"

اس کا نام آپ نے براہین احمدیہ حصہ پنجم رکھا۔ اور نیز نصرت الحق بھی نام رکھا۔ قیام باغ کے زمانہ میں بھی آپ برابر اسے تحریر فرماتے رہے اور کئی ماہ یہی مشغلہ رہا۔ آپ اس کتاب کے مقاصد کے متعلق لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"پس اسلام کی سچائی ثابت کرنے کیلئے یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ وہ تعلیم کے رُو سے ہر ایک مذہب کو فتح کرنے والا ہے اور کامل تعلیم کے لحاظ سے کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ دوم۔ پھر دوسری قسم فتح کی جو اسلام میں پائی جاتی ہے جس میں کوئی مذہب اس کا شریک نہیں اور جو اس کی سچائی پر کامل طور پر مہر لگاتی ہے اس کی زندہ برکات اور معجزات ہیں جن سے دوسرے مذاہب بکلی محروم ہیں۔ یہ ایسے کامل نشان ہیں کہ ان کے ذریعہ سے نہ صرف اسلام دوسرے مذاہب پر فتح پاتا ہے بلکہ اپنی کامل روشنی دکھلا کر دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔"

پھر آگے چل کر بتاتے ہیں کہ آپ کا یہ ارادہ ہے کہ دوسری قسم کی فتح جو اسلام میں پائی جاتی ہے یعنی اس کی زندہ برکات اور معجزات وہ اس کتاب میں لکھے جائیں۔ اور ۲۳ سال کا لمبا حصہ جو اس کتاب کی تصنیف سے قبل گزر گیا اس کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ الہامات اور پیشگوئیاں جو براہین احمدیہ حصہ سوم و چہارم میں درج کی گئی تھیں وہ اتنے عرصہ میں پوری ہو کر نشانات سماوی کی حیثیت سے اب اس کتاب میں درج ہو سکیں گی۔

براہین احمدیہ حصہ پنجم

کتاب اس طرح شروع کی ہے:۔

"ہزار ہزار شکر اس خداوند کریم کا ہے کہ اُس نے ایسا مذہب ہمیں عطا فرمایا ہے جو خدا دانی اور خدا ترسی کا ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی نظیر کبھی اور کسی زمانہ میں نہیں پائی گئی۔ اور ہزارہا درود اس نبی معصوم پر جس کے وسیلہ سے ہم اس پاک مذہب میں داخل ہوئے۔ اور ہزارہا رحمتیں نبی کریمؐ کے اصحاب پر ہوں جنہوں نے اپنے خونوں سے اس باغ کی آبپاشی کی۔ اسلام ایک ایسا بابرکت اور خدا نما مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص سچے طور پر اس کی پابندی اختیار کرے اور ان تعلیموں اور ہدایتوں اور وصیتوں پر کاربند ہو جائے جو خدائے تعالیٰ کے پاک کلام قرآن شریف میں مندرج ہیں تو وہ اسی جہان میں خدا کو دیکھ لے گا۔ وہ خدا جو دنیا کی نظر سے ہزاروں پردوں میں ہے اس کی شناخت کے لئے بجز قرآنی تعلیم کے اور کوئی بھی ذریعہ نہیں"

معجزہ پر بحث

اس کتاب میں سب سے پہلے معجزہ کی اصل حقیقت اور ضرورت پر بحث فرمائی ہے اور یہ بحث قابل دید ہے کیونکہ نہایت معقول اور ہر ایک قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے۔ اسی ذیل میں حضرت عیسیٰ کے معجزات پر بھی آپ نے روشنی ڈالی ہے۔ اور ان کی اصل حقیقت کو واضح فرمایا ہے۔ معجزات کی بحث کے بعد اُن نشانوں کو بیان فرمایا ہے جو بذریعہ اُن پیشگوئیوں کے ظاہر

ہوئے جو آج سے پچیس برس پہلے براہین احمدیہ میں لکھ کر شائع کی گئی تھیں۔

اس کے بعد آپ نے ان تمام اعتراضات کا جواب دیا ہے جو آپ کی زلزلہ کی پیشگوئی پر کسی نے پیسہ اخبار میں کئے تھے۔ انہی اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے آپ نے قرآن کریم کی سورۃ المومنون کی ابتدائی آیتوں کی تفسیر فرمائی ہے۔ اور انسان کی ظاہری پیدائش کے مقابلہ میں جو نطفہ سے چھ مراتب میں تکمیل کو پہنچتی ہے انسان کی رُوحانی پیدائش اور نشو ونما اور تکمیل کے بھی چھ مراتب دکھائے ہیں۔ اور وہ معارف وحقائق تحریر فرمائے ہیں کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم کا ایک سمندر ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے ان اعتراضات کے جواب کے ضمن میں بحث وفات مسیح اور آپ کے دعوے پر بھی آگئی ہے اور وفات مسیح پر اور اپنے دعوے پر بڑی بڑی زبردست دلیلیں دی ہیں۔ اس کتاب میں ایک عربی قصیدہ بھی تحریر فرمایا ہے جس کے نیچے اُردو ترجمہ بھی دیا ہوا ہے۔

افسوس ہے کہ یہ کتاب ناتمام رہ گئی۔ حضرت اقدس یہ کتاب لکھ رہے تھے جو ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کے فتنہ نے آپ کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیا اور آپ نے اس فتنہ کے رد کے لئے حقیقۃ الوحی لکھنی شروع کردی۔ اس کے بعد آریوں نے جو نالائقی کی تھی جس کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا۔ اُس کے رد میں چشمۂ معرفت تحریر فرمائی اس کے بعد آپ کی وفات ہوگئی۔ غرضکہ اسی ناتمام حالت میں آپ کی وفات کے بعد ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو اس کتاب کو شائع کر دیا گیا ؂

حضرت اقدس کا خدمت اسلام کیلئے دردِ دل

۲۷۔ جولائی ۱۹۰۵ء کے اخبار بدر میں مفتی محمد صادق صاحب نے ایک پُر درد بات حضرت اقدس کی نقل کی ہے جس کو پڑھکر پتہ لگتا ہے کہ حضرت اقدس کے دل میں خدمت دین کیلئے کس قدر درد تھا۔ اور یہی درد آپ اپنی جماعت کے دلوں میں بھی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں:۔

"پرسوں مَیں نے ایک دوست کی نسبت عرض کیا کہ بعض ابتلاؤں کا اندیشہ زیادہ ہوگیا ہے اور غم وہم کے ان کے دل پر غالب آنے کا خوف ہے۔ فرمایا مَیں نے دعا تو بہت کی ہے اور التزاماً کرتا ہوں لیکن مجھے بھی یہ فکر رہتی ہے کہ ہر شخص دنیا کے ہم وغم میں گرفتار ہے۔ دین کے ہم وغم کا انہیں موقعہ کب ملے گا۔ اس زندگی میں مصائب کا آنا ضروری ہے۔ اور انسان کی زندگی کے محدود اوقات میں کوئی نہ کوئی وقت کسی حادثہ اور رنج کا نشانہ ہوتا ہے۔ اگر اسی طرح ایک شخص کی روح دنیا کے بگڑے ہوئے معاملات کی فکر میں پیچ وتاب کھاتی رہے تو وہ وقت جو معافی

اُسے کب میسر آئے گا جبکہ اس کا سارا ہم وغم دین ہوگا۔ وہ جماعت جس نے بیعت میں اقرار کیا ہے کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے وہ بھی اگر اسی دلدل میں دن رات پھنسے رہیں تو بتائیں وہ اس نازک عہد کے ایفا کی طرف کب توجہ فرمائیں گے۔ فرمایا میں تو حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ جب سے مجھے ہوش ہے میں دنیا کے ہم وغم میں کبھی مبتلا نہیں ہوا۔ فرمایا جب میری عمر غالباً پندرہ برس کی ہوگی۔ ایک کھتری سے میں نے کہا جو حضرت والد صاحب کے حضور میں بیٹھا ہوا اپنی تلخ کامیاں اور نامرادیاں بیان کرتا اور سخت کڑھ رہا تھا۔ میں نے کہا لوگ دنیا کے لئے کیوں اس قدر دکھ اٹھاتے اور اس کے ہم وغم میں گرفتار ہیں۔ اس نے کہا تم ابھی بچہ ہو۔ جب گھرستی ہوگے تب تمہیں ان باتوں کا پتہ لگے گا۔ فرمایا ایک عرصہ کے بعد جب غالباً میری عمر چالیس برس کے قریب ہوگی کسی تقریب سے پھر اس کھتری سے گفتگو کا اتفاق ہوا۔ میں نے کہا اب بتاؤ۔ اب تو میں گھرستی ہوں۔ اس نے کہا تم تو ویسے ہی ہو۔" فرمایا۔ ہر شخص اپنے دل میں جھانک کر دیکھے کہ دین و دنیا میں سے کس کا زیادہ غم اس کے دل پر غالب ہے۔ اگر ہر وقت دل کا رُخ دنیا کے امور کی طرف رہتا ہے تو اُسے بہت فکر کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ کلمات الٰہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ فرمایا۔ کاش لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آجاتی کہ جس شخص کا تمام ہم وغم دین کیلئے ہوتا ہے اس کے دنیا کے ہم وغم کا اللہ تعالیٰ متکفّل و متولّی ہو جاتا ہے۔ فرمایا۔ میں نے کبھی نہیں سُنا اور نہ کوئی کتاب گواہی دیتی ہے کہ کبھی کوئی نبی بھوکا مرا ہو۔ یا اس کی اولاد دروازوں پر بھیک مانگتی پھری ہو وہاں دنیا کے ملوک اور امرا اور اغنیا کا یہ بُرا حال اکثر سُنا گیا ہے کہ ان کی اولاد نے دربدر ٹکڑے مانگے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی سنت مستمرہ ہے کہ کبھی کوئی کامل مومن بستر زم سے خاکستر گرم پر نہیں بیٹھا اور نہ اس کی اولاد کو روز بد دیکھنا نصیب ہوا۔ اگر لوگ ان باتوں پر پختہ ایمان لے آئیں اور سچا اور پاک بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کرلیں تو ہر قسم کی رُوحانی خودکشی اور دلی جلن سے رہائی پا جائیں۔ فرمایا اکثر لوگوں کو اولاد کی آرزو بھی اسی خیال سے لگی رہتی ہے کہ کوئی ان کی مردار دنیا کا وارث پیدا ہو جائے نہیں جانتے کہ اگر وہ بدکار و نابکار نکلے تو ان کا کمایا ہوا روپیہ اور اندوختہ فسق و فجور میں ان کا معاون ہوگا۔ اور ان کی سیہ کاریوں کا ثواب ان کے نامۂ اعمال میں ثبت ہوتا رہے گا۔ فرمایا۔ اولاد کی آرزو کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام کا سا دل درکار ہے اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں اس کا ذکر کرنا اس لئے ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا

ولد صالح کے لئے مومنوں کے لئے اُسوہ ٹھیر جائے۔ فرمایا۔ زندگی ناقابل اعتبار ہے۔ فرصت بہت کم ہے۔ ہر ایک کو چاہئے کہ دین کی فکر میں لگ جائے۔ اس سے بہتر نسخہ عمر بڑھانے اور برکت کا نہیں"۔

مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات

مولوی عبدالکریم صاحب کی بیماری

مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کو ذیابیطس کا مرض تھا جس سے آپ کمزور ہوتے چلے جا رہے تھے۔ نظر بھی کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ قرآن کریم سے عشق تھا۔ ایک دفعہ مجھ (یعنی خاکسار مؤلف بشارت احمد) سے ذکر کیا کہ "چونکہ نظر کمزور ہوتی جا رہی ہے اس لئے میں قرآن کریم کو جہاں تک ممکن ہے حفظ کر رہا ہوں"۔ میں ذکر کر چکا ہوں کہ گزشتہ دفعہ مولوی صاحب موصوف جب سیالکوٹ تشریف لے گئے تو وہاں سخت بیمار ہو گئے تھے۔ اس وقت تو بچ گئے لیکن اب کے دفعہ اگست ۱۹۰۵ء میں اُن کی پشت پر دو توشانوں کی ہڈیوں کے درمیان میں کاربنکل نمودار ہوا۔ اتفاق سے حضرت اقدس کی صحبت میں رہنے کے لئے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ایک لمبی رخصت لیکر قادیان آئے ہوئے تھے۔ اور روزانہ مولوی نورالدین صاحب سے صحیح بخاری بھی پڑھتے تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے تعلقات برادرانہ اور بہت محبت کے تھے اُنہوں نے علاج شروع کیا۔ اس کاربنکل نے ایسی شدت پکڑی کہ اسے چھ مرتبہ بغیر کلوروفارم کے اور ساتویں دفعہ کلوروفارم دیکر چیرا دیا گیا۔ علاج میں کسی قسم کی کمی نہ تھی سعی میں کوئی کوتاہی نہ تھی لیکن چونکہ ذیابیطس کا بڑا زور تھا اس لئے زخم بھرتا نہ تھا۔ بلکہ کاربنکل اندر ہی اندر پھیلتا جا رہا تھا۔

دعاؤں کا اثر

آخری اپریشن جب کلوروفارم دیکر کیا گیا اور اس میں وقت بہت لگا تو زخم بہت بڑا بنا اور چونکہ مولوی صاحب بہت کمزور تھے اور کئی روز سے کچھ کھایا پیا نہ تھا اس لئے ایسا ہوا کہ اپریشن کے بعد کلوروفارم سے ہوش نہ آیا۔ اور ہاتھ پاؤں بالکل سرد ہو گئے۔ نبض بالکل کمزور ہو گئی بلکہ کسی کسی وقت ایک دو حرکتیں نبض کی بالکل ساقط ہو جاتی تھیں۔ غرضکہ حالت بہت نازک ہو گئی۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اور مولوی نورالدین صاحب تو پہلے ہی سے موجود تھے۔ اُس وقت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب بھی لاہور سے قادیان پہنچ گئے۔ ان سب نے مل کر بہت علاج کیا کہ دل اپنی اصلی حالت میں آ دے اور ہوش آ دے مگر کوئی بات کارگر نہ ہوئی اور

ان کی عام حالت نیچے ہی نیچے گرتی جاتی تھی۔ سب ڈاکٹر اس پر متفق الرائے تھے کہ بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ ادھر حضرت اقدس کی یہ کیفیت تھی کہ گھڑی گھڑی مولوی صاحب کا حال دریافت کرتے۔ آخر آپ کی خدمت میں مولوی صاحب کی نازک حالت کی اطلاع دی گئی۔ اس خبر کو سُننے سے جیسے ایک حقیقی غمگسار اور سچے مشفق کو صدمہ محسوس ہوتا ہے ایسا ہی آپ کو صدمہ ہوُا۔ اور جیسے کہ والدین کو اپنے عزیز بیٹے کے لئے ایک تڑپ اور اضطراب ہوتا ہے اس سے زیادہ تڑپ آپ کو پیدا ہوئی۔ اور جس طرح ایسے موقعہ پر والدین اپنی طرف سے جو آخری ذریعہ علاج کا ہوتا ہے وہ کرگذرتے ہیں اسی طرح آپ بھی اپنے آخری حربہ دعا کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک دفعہ اندر جاکر رعایت اسباب کے طور پر مشک تولا کر دیا کہ یہ مولوی صاحب کو دو۔ اس کے بعد آپ دعا میں مشغول ہو گئے۔ دعا کرنے سے قبل یہ فرمایا کہ "ہمارے پاس تو بڑا ہتھیار دعا ہی ہے۔ خدا کے فضل سے ناامید نہ ہونا چاہئے۔ وہ چاہے تو مُردہ دل میں جان ڈال دے۔ اس کو سب قدرت ہے۔" مولوی صاحب کو مشک بھی دیا گیا۔ اور بھی اس سے زیادہ طاقتور مقوی قلب دوائیں بذریعہ جلدی پچکاری کے دی جا چکی تھیں لیکن کچھ اثر نہ ہوُا تھا۔

(۱) ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کا بیان ہے کہ:۔

"مَیں اس بات کا شاہد ہوں اور ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب گواہ ہیں کہ ادھر حضرت مسیح موعود نے دعا کے لئے سجدہ میں سر رکھا اور اُدھر مولوی صاحب کی حالت جو نہایت خطرناک تھی اصلاح پکڑنے لگی اور ابھی حضرت دعا سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ نبض بالکل درست اور طاقتور ہو گئی جیسے کہ کبھی کوئی ضعف نہ تھا۔ اس وقت ڈاکٹر محمد حسین صاحب کے مُنہ سے بے اختیار یہ کلمہ نکلا کہ ان کی نبض کا درست ہونا ایک معجزہ ہے۔ مَیں نے کبھی نہیں دیکھا کہ اس حالت کے بعد اس ضعف کی حالت میں اور دل کے بالکل رہ چکنے کے بعد پھر کسی کا دل قوی ہو گیا ہو اور حالت درست ہو گئی ہو۔"

(۲) ایک اور اسی قسم کا واقعہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب بیان کرتے ہیں:۔

"قریب یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء مَیں رات کو قریباً دس بجے مولوی صاحب کو دیکھنے گیا اس وقت ان کو سخت ضعف تھا۔ قریباً غشی کی صورت تھی۔ کئی روز سے پیچش تھی۔ کچھ کھایا نہ تھا نبض بہت کمزور اور بے معلوم تھی۔ مَیں نے اُسی وقت حضرت کی خدمت میں کہلا بھیجا۔ فوراً تشریف لائے۔ سب کیفیت عرض کی۔ اسی وقت دعا میں مصروف ہو گئے۔ دوا بھی دی۔ ابھی دوا اندر نہ گئی تھی کہ مَیں نے نبض پر ہاتھ رکھا۔ نبض فوراً طاقتور ہو گئی اور ہوش میں آ گئے یعنی دعا کے لئے ہاتھ اُٹھانے کی دیر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے قبولیت کا شرف بخشا۔ اور جس خطرناک حالت میں

مَیں مولوی صاحب کو چھوڑ آیا تھا ان کی طبیعت فوراً اصلاح پر آگئی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کہ یہ ضعف ہؤا ہی نہ تھا۔"

(۳) ایک اور واقعہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب بیان فرماتے ہیں:۔

"اپریشن کے بعد زخم کی حالت کئی روز تک خراب رہی اور انگور کا نام ونشان نظر نہ آتا تھا۔ حضرت نے دعا کی۔ صبح کو رویا سنایا کہ مولوی صاحب کو حضرت اقدس نے سفید کپڑے پہنے ہوئے دیکھا۔ یہ ۹۔ ستمبر ۱۹۰۵ء کا واقعہ ہے یعنی پانچ روز بعد از اپریشن۔ اُسی روز قریب دس بجے مَیں جو پٹی لگانے کیلئے گیا تو یہ دیکھ کر مجھے بڑی حیرانی ہوئی کہ قریباً تمام زخم پر انگور آ گیا تھا۔ اس سے پہلے روز انگور کا نام ونشان نہ تھا اور سڑا ہؤا مواد اس کے اندر سے نکلتا تھا یہ بالکل اعجوبہ اور خارق عادت بات تھی کہ اتنے بڑے زخم پر جو اس وقت قریب آٹھ انچ لمبا اور چھ انچ چوڑا تھا ایک دن میں انگور آجائے۔ میرے اور ڈاکٹر رشید الدین صاحب کے خیال میں یہ قریباً آٹھ دس روز کا کام تھا جو ایک دن میں ظہور پذیر ہؤا تھا۔ اور یہ دعا کا نتیجہ تھا۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ شیخ یعقوب علی صاحب و دیگر احباب جو زخم کی حالت کو روز دیکھتے تھے اس حیرت انگیز تبدیلی کے شاہد ہیں۔ اور جو خواب حضرت اقدس نے بیان فرمائی تھی وہ اس درمیانی صلاحیتِ طبیعت کی طرف اشارہ کرتی تھی مگر اس خواب کے اخیر میں حضرت صاحب نے تین بار فاتحہ پڑھی جس سے بعد میں معلوم ہؤا کہ وہ اشارہ مولوی صاحب کے حُسنِ خاتمہ کی طرف تھا...... اس میں کچھ شک نہیں کہ موت ہر ایک کیلئے مقدر ہے اس سے کوئی شخص باہر نہیں۔ وہ دوسرے رنگ میں آگئی۔ مگر اصل مرض کا جس کا سب کو خیال تھا وہ دُور ہوگیا۔"

مولوی صاحب کو ہچکی کا حملہ بھی بہت سخت ہؤا تھا۔ پیشاب بھی بہت کثرت سے آتا تھا مگر وہ سب خدا کے فضل سے اور حضرت اقدس کی دعا کی برکت سے دُور ہوگیا تھا۔

مولوی صاحب کی علالت میں حضرت اقدس کا حسن سلوک

چونکہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مولوی عبدالکریم صاحب کے معالج خصوصی تھے اس لئے ان کی قلم سے شائع شدہ تحریر میں سے جو جنوری و فروری ۱۹۰۶ء کے اخبار بدر میں سلسلہ وار شائع ہوتی رہی مَیں چند اقتباسات یہاں نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ لکھتے ہیں:۔

"حضرت اقدس کو مولوی صاحب کی بیماری میں جو تبدیلیاں ہوتی تھیں ان کو اس سے اطلاع دی جاتی تھی۔ ہر ایک دفعہ جب ہم اطلاع دیتے حضرت اقدس خود تشریف لاتے۔ اور مولوی صاحب کا حال معلوم کرتے۔ اس لئے خاکسار کو خدا کے فضل سے مولوی صاحب کی اس علالت میں حضرت

اقدس کے اخلاق اور اُن کی محبت اور ایثار جو اُن کو اپنے خدام کیلئے ہے اس کے مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ بعض اوقات ہم نے حضرت اقدس کو سخت کرب اور گھبراہٹ اور ابتلاء کی گھڑیاں میں مولوی صاحب کی نازک حالت کی اطلاع دی ...... اصل میں یہ وقت ہوتا ہے کسی کی سچی محبت اور اخلاص کو پرکھنے کا۔ نیز اس بات کا کہ اسے خدا تعالیٰ کی قدرت پر کیسا ایمان ہے۔ اور اس کا تعلق خدا کے ساتھ کیسا ہے۔ کیونکہ ایسی نازک حالت میں خصوصاً جبکہ معالج ڈاکٹر اور طبیب بھی یاس کے عالم میں ہوں۔ سوائے ایسے لوگوں کے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے صاف کیا ہو کوئی ثابت قدم نہیں رہ سکتا اور حضرت اقدس نے مولوی صاحب کی بیماری میں اپنی کمال محبت اور ایثار کا اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور توکّل کا جو نمونہ دکھایا وہ ایک اہل بصیرت کیلئے آپ کے تعلق باللہ کا کافی ثبوت ہے۔ ...... جو کچھ کہ مَیں نے حضرت اقدس کے کمال اخلاق اور محبت اور مہربانی کا نمونہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے میرے پاس وہ الفاظ نہیں کہ مَیں بیان کرسکوں۔ اور حضرت اقدس نے اپنے ایک عزیز مخلص دوست کو بے آرامی میں پاکر جو اپنے نفس پر باوجود اس قدر ضعف اور بڑھاپے اور کمزوری کے ہر ایک قسم کا آرام حرام کر دیا تھا۔ اور ان کو اس عزیز کے لئے جو تڑپ اور دلی توجہ اور اضطراب تھا مَیں نہیں جانتا کہ مَیں اس کو کس طرح سے بیان کروں۔ اور کن الفاظ میں ظاہر کروں۔ البتہ ہمارے دلوں پر ایک نقشہ ہے اور ہماری روح اور ایمان کو اُس سے ایک تروتازگی پہنچی ہے جو خدا کے فضل سے قیامت تک مٹنے والی نہیں ...... ماسوائے اس کے حضرت اقدس کو خدا تعالیٰ کی جناب میں تضرع اور نیاز اور خشوع و خضوع نہایت درجہ کا تھا۔ دن اور رات میں حضرت صاحب کا بہت کم حصّہ ایسا گزرتا ہو گا جو حضرت احدیت کے حضور میں دعا سے خالی ہو۔ اور بعض دفعہ کئی کئی گھنٹہ دعا میں مصروف رہتے اور سجدہ سے سر نہ اُٹھاتے۔ مَیں نہیں جانتا کہ یہ نقشہ میں کس طرح سے پبلک کے سامنے پیش کروں کہ وہ حضرت اقدس کے حقیقی تبتّل الی اللہ اور ان کے خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلقات کو سمجھ سکیں۔ ......"

علاج اور سامان مولوی عبدالکریم صاحب کیلئے علاج اور سامان کے مہیا کرنے کے متعلق ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں:-

"جن لوگوں نے قادیان دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کی آبادی قریباً چار پانچ ہزار ہے۔ وہاں پر معمولی ضروریات کا مہیا ہونا بھی مشکل ہے چہ جائیکہ ایسے سخت

بیمار کے لئے ہر ایک ضروری چیز بہم پہنچ سکے۔ مگر حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس عزیز بیمار کی تیمارداری میں کوئی دقیقہ کوشش کا فروگذاشت نہ کیا۔ مولوی صاحب جس چیز کے کھانے کی خواہش ظاہر کرتے حضرت اقدس فوراً آدمی بھیجکر لاہور یا امرتسر سے منگوا دیتے یا اگر یہ خاکسار یا خلیفہ صاحب (خلیفہ رشید الدین صاحب) یا مولوی نورالدین صاحب کسی دوائی یا خاص غذا کے لئے عرض کرتے یا خود حضرت اقدس ان کے لئے کوئی چیز تجویز کرتے تو فوراً امرتسر یا لاہور سے منگوا لیتے۔ مولوی صاحب کے لئے انگور۔ سردے۔ انار وغیرہ ہر ایک قسم کا پھل ہر وقت موجود رہتا۔ مولوی صاحب کو صحت میں ہی ٹھنڈے پانی سے ہمیشہ بڑی محبت رہی۔ یہاں تک کہ موسم سرما میں بھی چھت کے اوپر پانی رکھوا چھوڑتے تھے۔ اور وہی یخ کی طرح کا پانی جاڑوں میں بھی پیتے تھے۔ اس بیماری میں چونکہ شروع سے ہی تپ کی شکایت ساتھ رہی۔ بعض اوقات حرارت زیادہ ہوجاتی تھی۔ مولوی صاحب کو برف کی بہت ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اس لئے حضرت اقدس نے ان کیلئے یہ التزام کیا ہوا تھا کہ اکٹھی دو تین من برف منگوا لیتے۔ اور پھر جب وہ قریب ختم کے ہوتی تو اور آدمی لاہور یا امرتسر بھیج کر اتنی ہی برف منگواتے۔ اور اس ذخیرہ کو کم نہ ہونے دیتے۔ جس وقت کہ مولوی صاحب کا انتقال ہوا ایک من کے قریب برف موجود تھی۔ اور مولوی یار محمد صاحب اور برف لانے کیلئے حضرت کے حکم سے لاہور جانے کو تیار تھے کہ یہ حادثہ ہوگیا۔ مولوی صاحب کو چونکہ بہت ضعف ہوگیا تھا کوئی بوجھل غذا ہضم نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے ایک مہینہ سے زائد عرصہ سے رات کیلئے حضرت اقدس تین چار مرغ کی یخنی ہر روز تیار کرواتے اور بکرے کے گوشت کا جگ سوپ اس سے علاوہ اکثر تیار کروا دیتے۔ بعد میں حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی گئی کہ یہ یخنی وغیرہ جو دی جاتی ہے اس میں مقدار بہت ہوتی ہے مگر اصل طاقت کا جز کم ہوتا ہے۔ انگلینڈ سے تیار ہوکر ایک قسم کا گوشت کا ست آتا ہے (بیف جوس) چنانچہ وہ مدت تک مولوی صاحب مرحوم کو دیا گیا۔ ایک شیشی جس میں قریب دو اونس (ایک چھٹانک) کے غذا ہوتی تھی۔ تین روپے میں آتی ہے۔ حضرت اقدس نے اس کی کئی شیشیاں ان کیلئے خریدیں۔

...... مولوی صاحب کے علاج کیلئے دو اسسٹنٹ سرجن یعنی خاکسار اور ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اور حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب جو خدا کے فضل سے اپنے علم اور تجربہ کے رُو سے یکتائے دہر ہیں ہر وقت موجود رہتے تھے۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب

اسسٹنٹ سرجن و اسسٹنٹ پروفیسر میڈیکل کالج لاہور۔ اور ڈاکٹر قاضی کرم علی صاحب امرتسر سے مشورہ کیلئے تشریف لاتے اور مولوی صاحب کے لئے ہر ایک قسم کی دوائی اور عمل جراحی کیلئے اوزار قادیان جیسی جگہ میں بہم پہنچائے گئے۔ ..... حضرت اقدس نے مولوی صاحب کے علاج میں کثرت سے روپیہ خرچ کیا۔ اور کوئی چیز باقی نہ رہ گئی تھی کہ جس کی نسبت خیال بھی ہو سکے کہ مولوی صاحب کے علاج کیلئے مفید ہوگی اور ان کیلئے بہم نہ پہنچائی گئی ہو۔ ...... ان کے والد صاحب فرماتے تھے اگر ہم اپنی تمام جائداد بھی نیلام کر دیتے اور چاہتے کہ ہمارے بیٹے کا اس قدر ڈاکٹر اور حکیم علاج کرتے رہیں اور ان کی خدمت میں دن رات مصروف رہیں تب بھی نہ ہو سکتا"۔

دعا مولوی صاحب کیلئے حضرت اقدس کی دعاؤں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

"ان سب کے علاوہ اُن کے لئے رُوحانی اور جسمانی طبیب خود حضرت مسیح موعود تھے۔ اور یہ ایسی تسلّی تھی اور ایسا خدا کا فضل تھا کہ کسی بڑے سے بڑے دنیاوی بادشاہ اور شہنشاہ کو بھی نصیب ہونا محالات سے ہے۔ ...... حضرت اقدس نے مولوی صاحب کی خاطر اپنا ہر ایک قسم کا آرام ترک کر دیا ہوا تھا۔ مولوی صاحب کی علالت سے دو چار روز پہلے حضرت اقدس کے سر پر چوٹ لگنے کے سبب قریب دو سیر کے خون جا چکا تھا جس سے سخت درجہ کی نقاہت تھی۔ کئی روز تک مسجد تک بھی نہ جا سکے اور کئی دن کی بے خوابی تھی۔ اُس پر مولوی صاحب کی علالت کی وجہ سے حضرت اقدس بہت سی راتیں نہ سوئے۔ اور ان کی بے چینی کی وہی کیفیت تھی کہ جو والدین کی اپنے عزیز سے عزیز بچہ کی سخت بیماری پر ہوتی ہے۔ بلکہ حضرت اقدس کی محبت مولوی صاحب کے والدین اور ان کے ہر ایک رفیق سے بڑھ کر تھی کیونکہ ان کے والدین بھی بوجہ اپنے ضعف کے بعض وقت سو جاتے تھے اور مولوی صاحب کے کرب اضطراب کی اُن کو خبر نہ ہوتی تھی۔ مگر حضرت اقدس کو مولوی صاحب کی ایسی حالت میں نیند آنی ناممکنات سے معلوم ہوتی تھی۔ حالانکہ حضور کی عمر بھی قریب ستر سال کے ہے۔ علاوہ دوران سر وغیرہ امراض کے بوجہ بہت سا خون نکل جانے کے آپ اور بھی بہت کمزور ہو گئے تھے مگر پھر بھی اپنے آرام پر مرحوم کو آرام پہنچانا مقدم سمجھتے تھے میں نے ایک دن عرض کی کہ حضور خود بہت کمزور ہیں اور حضور کی طبیعت بیمار ہے۔ رات کو کسی وقت آرام فرما لیا کریں تو مجھے جواب میں فرمایا کہ "یہ کس طرح سے ممکن ہے کہ ایسا عزیز اور مخلص رفیق ایسی تکلیف اور کرب میں ہو اور بے چین ہو اور میں سو رہوں۔ مجھ سے ایسا نہیں ہو سکتا"۔ حضرت اقدس نے مولوی صاحب کے لئے یہاں تک دعا کی کہ کئی دفعہ اُنہوں نے فرمایا کہ ہم نے اپنی اولاد کے

لئے ایسی دعا کبھی نہیں کی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر تقدیر مبرم نہ ہوئی تو ٹل جائیگی۔ مجھے حضرت اقدس کی بیعت سے مشرف ہوئے قریبًا تیرہ چودہ سال کا عرصہ ہوا ہے اس اثنا میں مجھے کئی دفعہ بہت عرصہ حضرت اقدس کی خدمت میں رہنے کا موقعہ ملا ہے۔ اور بارہا مَیں نے حضرت اقدس کے بچوں کو بہت سخت بیماری کی حالت میں دیکھا ہے...... مگر جہاں تک مجھے علم ہے مَیں یہ بات حلفًا کہہ سکتا ہوں کہ حضرت اقدس کو کبھی بھی اس قدر تڑپ اور اضطراب اور خدا تعالیٰ کی جناب میں تضرع اور ابتہال نہیں ہوا جتنا کہ مولوی صاحب کی علالت پر ہوُا"۔

حضرت اقدس کی طرف سے احباب کی حوصلہ افزائیاں

حضرت اقدس نے ایک مرتبہ مولوی صاحب کی علالت کے دوران میں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب آپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی سعادت بخشی ہے جو مولوی عبدالکریم صاحب کی بیماری میں خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔ مریض کی تیمارداری میں رات بسر کرنا تمام رات نفلیں پڑھنے سے بدرجہا زیادہ ثواب رکھتا ہے۔

حضرت اقدس کا پیغام

مَیں اُوپر لکھ چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت اقدس کے دعاؤں کے اثر سے مولوی عبدالکریم صاحب کے زخم کا انگور بھر آیا پیچش کو آرام آگیا۔ کثرت پیشاب میں کمی آگئی اور بظاہر صحت عود کر آئی۔ بلکہ مولوی صاحب موصوف کا خیال ہوُا کہ مَیں اب چند روز میں چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤنگا اُس وقت حضرت اقدس نے مولوی صاحب موصوف کو یہ پیغام بھیجا کہ جو شخص ایک سخت اور مہلک مرض سے صحت یاب ہوتا ہے وہ گویا ایک بھٹی میں سے پاک اور صاف ہو کر نکلتا ہے اور اُس کی دعا مقبول ہوتی ہے اس لئے آپ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری اس خدمت دین کے کام میں جو میرے سپرد ہوُا ہے مدد کرے اور کامیاب فرمائے۔ مولوی عبدالکریم صاحب آپ کا یہ پیغام سُن کر رو پڑے۔ اور بہت دیر تک حضرت اقدس کے اخلاق اور محبت و شفقت کا ذکر کرتے رہے۔

مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات

اِدھر حضرت اقدس کی دعائیں یہ اثر دکھا رہی تھیں کہ وہ بیماری جو اس قدر مہلک اور خطرناک تھی یعنی کاربنکل بالکل شفایاب ہو گیا اور تمام خطرناک پیچیدگیاں دُور ہو گئیں۔ اُدھر موت کی گھڑی نزدیک آ رہی تھی جس کے متعلق حضرت اقدس کو بار بار الہام ہو رہے تھے اور آپ اُن کی کبھی تاویل کرتے کبھی اور زیادہ دعائیں کرتے تا کہ یہ تقدیر کسی طرح ٹل جائے۔ ۱۰۔ اکتوبر کو مولوی عبدالکریم صاحب کو ذات الجنب کا حملہ ہوُا جس سے یکدم بخار ہو گیا جو ۱۰۶ درجہ تک پہنچ گیا۔ اور ایک

رات اور قریباً ایک دن رہا۔ نتیجہ یہ کہ بعد از نماز ظہر قریباً ½ ۲ بجے ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو مولوی عبدالکریم صاحب وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آخر وقت تک مولوی صاحب اللہ کو یاد کرتے رہے۔ اور بڑی استقامت اور رضا بالقضا کے ساتھ خاتمہ ہوا۔

مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات کے متعلق الہامات

مولوی عبدالکریم صاحب کی علالت کے دوران میں حضرت اقدس کو بار بار اُن کی وفات کے متعلق الہامات ہوتے رہے۔ سب سے پہلے آپ کو الہام ہوا فزع عیسٰی ومن معہٗ (بدر ۱۷۔ اگست ۱۹۰۵ء) کہ عیسٰی اور اس کے ساتھی گھبرا گئے اور غمگین ہو گئے پھر الہام ہوا کہ "سینتالیس سال کی عمر۔ انا للہ وانا الیہ راجعون" (بدر ۷۔ ستمبر ۱۹۰۵ء) مولوی عبدالکریم صاحب کی عمر ۴۷ سال کی تھی اور یہ الہام اُن کی وفات پر صریح دلالت کر رہا تھا۔ لیکن حضرت اقدس کا دل نہ چاہتا تھا کہ اسے مولوی عبدالکریم صاحب کے متعلق سمجھا جائے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس الہام کے بعد ایک شخص کا خط آ گیا جس میں لکھا تھا کہ میری تمام عمر گناہوں میں کٹی اور اب ۴۷ برس کی عمر ہو چکی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت اقدس نے فوراً اس الہام کو اس پر لگا کر دل کو تسلّی دے لی۔ لیکن آخر واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ الہام مولوی عبدالکریم صاحب کے متعلق ہی تھا۔ اسی طرح آپ کو الہام ہوا کفن میں لپیٹا گیا۔ انّ المنایا لا تطیش سہامھا (تحقیق موت کے تیر رو کے نہیں جا سکتے) اذا جاء افواج وسمّ من السّماء (جبکہ آسمان سے فوجیں اور زہر آئی (بدر ۷۔ ستمبر ۱۹۰۵ء) پھر الہام ہوا۔ تؤثرون الحیٰوۃ الدّنیا۔ تم دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہو یعنی دنیا کی زندگی ہم سے مانگتے ہو حالانکہ اس سے بہتر آخرت کی زندگی ہے۔ غرضکہ یہ تمام الہامات مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات پر صاف اور صریح تھے۔ لیکن حضرت اقدس جناب الٰہی کی درگاہ سے مایوس ہونا جانتے ہی نہ تھے۔ جیسے جیسے یہ الہامات ہوتے گئے آپ نے دعاؤں میں کثرت شروع کر دی۔ اور شب و روز نہایت عجز اور ابتہال سے دعا کرتے رہے کہ شاید یہ تقدیر ٹل جائے۔ کئی مرتبہ فرمایا کہ حالت خطرناک ہے اور الہامات سے موت مقدّر معلوم ہوتی ہے لیکن دعا برابر بڑے زور سے کر رہا ہوں۔ اگر تقدیر مبرم نہ ہوئی تو انشاء اللہ ٹل جائے گی۔ ان دعاؤں اور توجہ الی اللہ پر جناب الٰہی نے یہ عنایت فرمائی کہ دعا بھی قبول کر لی یعنی کاربنکل سے شفا دیدی۔ لیکن موت چونکہ تقدیر مبرم تھی اس لئے ایک اور مرض سے موت وارد کر دی +

مسجد کی محراب کا رونا

مولوی سید عبدالستار صاحب صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کے مرید خاص اور شاگرد رشید تھے جو خوست سے ہجرت کر کے قادیان آ گئے تھے۔ بڑے عابد و زاہد

متقی اور مخلص اور صاحب کشف والہام بزرگ تھے۔ سب سے الگ خاموش شب و روز یاد الٰہی میں مصروف رہتے۔ خاکسار مؤلف بشارت احمد ایک مرتبہ مسجد نبوی کے ستون حنّانہ کے رونے کے متعلق تحقیقات کر رہا تھا۔ حنّانہ مسجد نبوی میں ایک ستون تھا جس کے ساتھ پُشت لگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بعد میں جب نیا منبر بنوالیا تو بجائے اُس ستون حنّانہ کے ساتھ لگ کر خطبہ پڑھنے کے اس نئے منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھنے لگے۔ خطبہ کے درمیان حضورؐ اس منبر سے اُتر کر پھر اسی ستون حنّانہ سے لگ کر خطبہ پڑھنے لگے۔ نماز کے بعد صحابہ نے وجہ پوچھی تو حضورؐ نے فرمایا کہ حنّانہ روتا تھا اس لئے مَیں حنّانہ کے ساتھ لگ کر خطبہ پڑھنے لگا۔ خاکسار مؤلف کو یہ وسوسہ درپیش تھا کہ حنّانہ ایک بیجان چیز تھی۔ اس کا رونا کیا معنی رکھتا ہے۔ مولوی عبدالستار صاحب مرحوم سے ذکر آیا تو فرمانے لگے کہ "مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات سے قبل مَیں نے ایک کشف میں مسجد مبارک کے محراب کو جس میں امام کھڑا ہو کر نماز پڑھاتا ہے روتے دیکھا جس سے مَیں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مولوی صاحب موصوف عنقریب فوت ہو جائیں گے۔ اور یہ محراب اب ہمیشہ کیلئے مولوی عبدالکریم صاحب کی عجیب وغریب قرآن خوانی سے محروم ہو جائے گا۔ اسی لئے یہ روتا ہے"۔ مَیں نے اُن سے دریافت کیا کہ اُس کے رونے کی کیا کیفیت تھی۔ فرمانے لگے "لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں یہ ایک حقیقت ہے کہ محراب روتا تھا۔ اور آخر ویسا ہی ہؤا کہ مولوی عبدالکریم صاحب فوت ہو گئے اور پھر ویسا خوش الحان قرآن خوان اس محراب میں پڑھنے والا نہ آیا"۔ اُن کے اس بیان سے مَیں حقیقت کو پاگیا۔ اور وہ یہ تھی کہ کسی چیز کی محرومی جو اہل قال کی اصطلاح میں زبان حال سے ظاہر ہوتی ہے وہ اہل حال کو قال بن کر نظر آتی اور سنائی دیتی ہے۔ فرق اُن حواس باطنی کی نشوونما کا ہے جن سے اہل ظاہر محروم ہیں اور اہل حال اس سے مستفیض ہیں۔ اسی کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

فلسفی کو منکرِ حنّانہ است ٭ از حواسِ انبیا بیگانہ است

ستون حنّانہ کی کس قدر محرومی تھی کہ خدا کا عظیم الشان رسول جو اس کے ساتھ لگ کر خطبہ پڑھا کرتا تھا اب وہ وہاں خطبہ نہیں پڑھ رہا۔ اس کی یہ محرومی جو زبان حال سے سب کو نظر آرہی تھی محمد رسول اللہ صلعم کو کشفی نظر میں زبان قال بنکر محسوس ہوئی۔ اور آپ کے دل نے نہ چاہا کہ اتنے لمبے عرصہ کے پرانے رفیق کو ترک کر دیا جائے۔ سو یہ وہ انتہائی درجہ کی شفقت علیٰ خلق اللہ ہے جو جاندار مخلوق سے گذر کر بیجان مخلوق پر بھی محیط ہو جاتی ہے۔

قادیان کی پانچ خاص نعمتیں اُس زمانہ میں قادیان میں پانچ چیزیں ایسی تھیں جنہیں مَیں اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتوں میں سے سمجھتا تھا۔ اور جو میری رائے میں اُس وقت دنیا میں بے نظیر تھیں:۔

(۱) سب سے پہلے تو خود حضرت اقدس کا وجود باجود۔

(۲) دوم مولانا نورالدین صاحب کا درس قرآن۔

(۳) سوم مولوی عبدالکریم صاحب کی نمازوں میں کمال درجہ کی خوش الحان قرآن خوانی۔

(۴) چہارم مولوی محمد علی صاحب کا رسالہ ریویو آف ریلیجنز۔

(۵) پنجم احمد نور صاحب کابلی کی اذان جو اس قدر خوش الحان اور مؤثر ہوتی تھی کہ فجر کی نماز کی اذان جس وقت ہوتی تھی تو مَیں اپنی جگہ سے ہل نہ سکتا تھا جب تک کہ وہ ختم نہ ہو لیتی۔ حرکت کرنے کو دل نہ چاہتا۔ اور مسجد میں پہنچنے کی جلدی کا بھی خیال نہ رہتا۔ اور بلند اتنی ہوتی تھی کہ مسجد مبارک کی اذان باہر اس جگہ بھی مَیں نے سُنی ہے جہاں اب مسجد نور ہے۔ جو قریباً نصف میل کا فاصلہ ہوگا +

رضا بالقضا مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات پر مستورات کے رونے چیخنے کی آواز سُن کر حضرت اقدس باہر نکل آئے۔ یا تو یہ حالت تھی کہ اُس محبت کی وجہ سے جو آپ کو مولوی عبدالکریم صاحب سے تھی حضرت اقدس میں ایک عجیب بے چینی اور بیتابی نمایاں تھی مولوی صاحب کے لئے شب و روز متواتر آپ نہایت درد دل سے تڑپ تڑپ کر دعائیں کرتے رہے اور علاج میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور یا وفات کی خبر سنتے ہی وہ ساری بے چینی کافور ہو گئی۔ اور آپ ایک پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم ہو گئے۔ اور آپکے منہ سے خدا کی عظمت اور جبروت اور اس کے شکر کے سوائے کوئی کلمہ بےصبری کا نہیں نکلا۔ اور سب کو یہی تلقین کی کہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے پوری صلح رکھیں اور کوئی کلمہ یاس یا ناامیدی کا منہ پر نہ لائیں۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کو جو بہت روتے تھے بلایا اور فرمایا "صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ مگر بے نیاز بھی ہے۔ یہی مقدر تھا جو ظہور میں آیا۔ خدا تعالیٰ کی رضا پر رضا کر رہو"

جنازہ قریب شام کے اُسی روز مولوی صاحب کا جنازہ پڑھا گیا حضرت اقدس جونہی جنازہ کے پاس پہنچے سب لوگ دو رویہ قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ چہرہ پر سے کفن ہٹایا گیا۔ کچھ دیر حضرت اقدس مولوی صاحب کے چہرہ کو دیکھتے رہے اور مرحوم کے لئے دعا میں مشغول رہے۔ اُس وقت سب لوگوں کے دل رقت سے بھر آئے اور سب پر ایک محویت کا عالم چھا گیا۔ اور بعض دوست پھوٹ

پھوٹ کر روئے۔ مگر حضرت اقدس نے ایسے نازک وقت میں بڑے صبر اور رضا بالقضا کا نمونہ دکھلایا۔ اور باوجود اس کے کہ اس قدر دردانگیز حالت آپ پر اور سب احباب پر وارد تھی لیکن ایک لفظ بھی بے صبری کا سوائے مرحوم کے لئے دعا کے اور کچھ نہ نکلا۔ اور نماز جنازہ خود بڑے صبر اور استقلال کے ساتھ پڑھائی اور اس میں مرحوم کے لئے بہت دیر تک دعائے مغفرت فرماتے رہے۔

عین نماز جنازہ کے وقت ایک طرف جماعت کے لوگ چشم پُرآب تھے دوسری طرف مینہ کے قطرات آسمان سے اس طرح گرتے تھے جیسے کہ آسمان بھی روتا ہے۔ جنازہ پڑھنے کے بعد وہ قطرے بند ہو گئے۔ حضرت کو مولوی صاحب کی مفارقت کا بہت صدمہ ہوا۔ جنازہ پڑھا کر جب گھر تشریف لے گئے تو فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین میرے پاؤں کے نیچے سے نکلتی جاتی ہے جیسے کہ زلزلہ آتا ہے۔ باوجود اس قدر صدمہ کے آپ کی زبان سے ہر وقت سوائے خدائے تعالیٰ کے شکر اور صبر کے اور کوئی کلمہ نہ نکلتا تھا اور مستورات کو بھی گھر میں یہی تلقین کرتے تھے کہ خدا کی رضا پر راضی رہو۔ اور اس کی تقدیر سے سچی صلح رکھو۔ چنانچہ مولوی صاحب کی ہر دو بیویوں نے نہایت صبر اور ضبط سے کام لیا۔

تدفین چونکہ قبر تیار نہ تھی اس لئے مولوی صاحب مرحوم کو دوسرے دن صبح کو عام قبرستان میں بطور امانت دفن کیا گیا۔ بعد میں جب بہشتی مقبرہ بن گیا تو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ۲۶۔ دسمبر ۱۹۰۵ء کو آپ کا تابوت قبر میں سے نکالا گیا اور ۲۷۔ دسمبر ۱۹۰۵ء کی صبح کو سب سے پہلے آپ کو بہشتی مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ اور حضرت اقدس بھی جنازہ کے ساتھ تھے اور نماز جنازہ بھی پڑھی گئی۔ آپ کا کتبہ جو لگایا گیا اس کے لئے نظم خود حضرت اقدس نے تصنیف کی تھی۔ جس کا پہلا شعر ہے۔ ؎

کے تواں کردن شمار خوبیِ عبدالکریم ٭ آنکہ جاں داد از شجاعت بر صراطِ مستقیم

حد سے زیادہ غم کرنے سے روکا جانا مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات سے قبل حضرت اقدس کو الہام ہوا تھا یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم کہ اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا۔ یعنی مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات پر حد سے زیادہ غم کرنا ایک قسم کی مخلوق کی عبادت ہے کیونکہ جس سے حد سے زیادہ محبت کی جاتی ہے یا حد سے زیادہ اس کی جدائی کا غم کیا جاتا ہے وہ ایک رنگ میں معبود کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت اقدس نے ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو مولوی محمد علی صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور جملہ احباب کو مسجد مبارک میں بلوایا اور ایک نہایت مؤثر تقریر کی جس کا ایک فقرہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا:۔

"ہمیشہ اپنے رب کا خوف دل میں رکھو اور کسی چیز سے ایسا پیار نہ کرو کہ خدا کی راہ میں اُسے دینے سے تمہارے دل میں کوئی ہرج واقع ہو۔ خدا کی راہ میں ہمیشہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہو۔ خداتعالیٰ کی رحمت اور فضل سے تمہیں حصّہ ملے گا"

دو شہتیر ٹوٹ گئے

مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات سے کچھ عرصہ قبل حضرت اقدس کو یہ الہام ہؤا تھا کہ "دو شہتیر ٹوٹ گئے انا للہ وانا الیہ راجعون" (بدر ۱۴ ستمبر ۱۹۰۵ء) فرمایا یہ الہام بھی خطرناک ہے۔ خداتعالیٰ ہی اس کے معنے بہتر جانتا ہے۔

مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات پر معلوم ہؤا کہ ایک شہتیر تو یہی مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی تھے جن کی وفات سے ایک شہتیر ٹوٹ گیا۔ اور دوسرا شہتیر مولوی برہان الدین صاحب جہلمی کی وفات سے ٹوٹا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولوی برہان الدین صاحب جہلمی کی وفات

مولوی برہان الدین صاحب جہلم میں ایک بہت بڑے عالم فاضل اور زاہد و متقی انسان تھے جماعت جہلم کے امام تھے۔ اور حضرت اقدس کے نہایت مخلص مریدوں میں سے تھے۔ مولوی صاحب مرحوم نے ۳۔ دسمبر ۱۹۰۵ء کو صبح کے وقت وفات پائی۔ اور شام کے قریب جہلم میں ہی مدفون ہوئے۔ جنازے میں قریب تین سو آدمی جمع تھے۔ اپنے ان آخری ایام میں آپ قرآن شریف بہت پڑھا کرتے تھے۔ رمضان شریف میں قرآن شریف اس قدر پڑھتے تھے کہ مقتدی تھک جاتے۔ اور دن کو اور رات کو علیحدگی میں بھی قرآن شریف پڑھتے رہتے آخری رمضان میں اعتکاف میں بھی بیٹھے تھے۔ اعتکاف میں دو الہام بھی ہوئے۔ قبل از وفات فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مسیح موعود کا جو الہام ہے کہ دو شہتیر ٹوٹ گئے سو ایک شہتیر تو مولوی عبدالکریم صاحب تھے اور دوسرا میں ہوں۔ حضرت اقدس کی خدمت میں مولوی برہان الدین صاحب مرحوم کا ذکر آیا تو فرمایا کہ مولوی صاحب ایک صوفی مشرب آدمی تھے۔ اکثر فقرا اور بزرگوں کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ قریباً بائیس برس سے میرے پاس آیا کرتے تھے۔ پہلی دفعہ جب آئے تو مَیں ہوشیارپور میں تھا۔ اسی جگہ میرے پاس پہنچے۔ ایک سوزش اور جذب ان کے اندر تھا۔ اور ہمارے ساتھ ایک مناسبت رکھتے تھے۔ اُنہوں نے مجھ سے ایک دفعہ قرآن شریف پڑھنا شروع کیا تھا مگر صرف چند سطریں پڑھی تھیں۔ صوفیانہ مذاق رکھتے تھے۔

اشتہار تبلیغ الحق

شیعہ صاحبوں کی عادت تبرّے بازی کی تو ہوتی ہی ہے کسی شیعہ نے حضرت مرزا صاحب کے کسی مرید سے اس امر پر بحث کرتے ہوئے کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو حضرت امام حسینؑ سے افضل کہا ہے حضرت اقدس کو بہت بُرا بھلا کہا۔ اس پر جل کر حضرت مرزا صاحب کے مرید نے کہا کہ امام حسین نے کونسی کوئی دینی خدمت کی تھی۔ یزید خلیفہ تھا اُس کے خلاف بغاوت کی تھی مگر کامیاب نہ ہوئے اور مارے گئے۔ کونسا کوئی خدا کے دین کیلئے جہاد کیا تھا۔ تم لوگوں نے ناحق ان کو اتنا آسمان پر چڑھا رکھا ہے۔ حضرت اقدس کو پتہ لگا تو آپ نے اپنے مرید کی اس نادانی کی تلافی کے طور پر فوراً ایک اشتہار تبلیغ الحق کے عنوان سے ۸۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو شائع فرمایا۔ جس میں سے کچھ اقتباسات مَیں یہاں نقل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ بہت سی غلط فہمیاں دُور ہو جائیں۔ فرماتے ہیں:-

"واضح ہو کہ کسی شخص کے ایک کارڈ کے ذریعہ سے مجھے اطلاع ملی ہے کہ بعض نادان آدمی جو اپنے تئیں میری جماعت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی نسبت یہ کلمات منہ پر لاتے ہیں کہ نعوذ باللہ حسینؑ بوجہ اس کے کہ اس نے خلیفۂ وقت یعنی یزید سے بیعت نہیں کی باغی تھا۔ اور یزید حق پر تھا۔ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ مجھے اُمید نہیں کہ میری جماعت کے کسی راستباز کے منہ سے ایسے خبیث الفاظ نکلے ہوں۔ مگر ساتھ اس کے مجھے یہ بھی دل میں خیال گزرتا ہے کہ چونکہ اکثر شیعہ نے اپنے ورد تبرّے اور لعن طعن میں مجھے بھی شریک کر لیا ہے اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ کسی نادان بے تمیز نے سفیہانہ بات کے جواب میں سفیہانہ بات کہدی ہو جیسا کہ بعض جاہل مسلمان کسی عیسائی کی بدزبانی کے مقابل پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کرتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کچھ سخت الفاظ کہہ دیتے ہیں۔ بہر حال مَیں اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا اور جن معنوں کے رُو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنے اس میں موجود نہ تھے ...... لیکن بدنصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ دنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر رکھا تھا۔ مگر حسین رضی اللہ عنہ طاہر مطہر تھا۔ اور بلاشبہ وہ ان برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے۔ اور بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے۔ اور ایک ذرّہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے

اور اس امام کی تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر اور استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اُسوۂ حسنہ ہے۔ اور ہم اس معصوم کی ہدایت کے اقتدا کرنیوالے ہیں جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہوگیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے۔ اور کامیاب ہوگیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقویٰ اور استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے جیسا کہ ایک صاف آئینہ میں ایک خوبصورت انسان کا نقش۔ یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ کون جانتا ہے اُن کا قدر۔ مگر وہی جو اُن میں سے ہیں۔ دنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کرسکتی۔ کیونکہ وہ دنیا سے بہت دُور ہیں۔ یہی وجہ حسین رضؓ کی شہادت کی تھی۔ کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں محبت کی تا حسین رضؓ سے بھی محبت کی جاتی۔ غرض یہ امر نہایت درجہ کی شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی تحقیر کی جائے اور جو شخص حسینؓ یا کسی اور بزرگ کی جو ائمہ مطہرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہ استخفاف کا اس کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ اس شخص کا دشمن ہو جاتا ہے جو اس کے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے۔ جو شخص مجھے بُرا کہتا یا لعن طعن کرتا ہے اس کے عوض میں کسی برگزیدہ اور محبوب الٰہی کی نسبت شوخی کا لفظ زبان پر لانا سخت معصیت ہے۔ ایسے موقعہ پر درگزر کرنا اور نادان دشمن کے حق میں دعا کرنا بہتر ہے کیونکہ اگر وہ لوگ مجھے جانتے کہ مَیں کس کی طرف سے ہوں تو ہرگز بُرا نہ کہتے ..... سو اے عزیزو صبر کرو آخر وہ امر جو مخفی ہے کھل جائے گا۔ خدا جانتا ہے کہ مَیں اس کی طرف سے ہوں۔ اور وقت پر آیا ہوں۔ مگر وہ دل جو سخت ہو گئے اور وہ آنکھیں جو بند ہو گئیں مَیں اُن کا کیا علاج کرسکتا ہوں ..... نرمی کرو اور دعائیں لگے رہو۔ اور سچی توبہ کو اپنا شفیع ٹھیراؤ۔ اور زمین پر آہستگی سے چلو۔ خدا کسی قوم کا رشتہ دار نہیں ہے۔ اگر تم نے اس کی جماعت کہلا کر تقویٰ اور طہارت کو اختیار نہ کیا اور تمہارے دلوں میں خوف اور خشیت پیدا نہ ہوا تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہیں مخالفوں سے پہلے ہلاک کرے گا۔ کیونکہ تمہاری آنکھ کھولی گئی اور پھر بھی تم سو گئے۔ اور یہ مت خیال کرو کہ خدا کو تمہاری کچھ حاجت ہے۔ اگر تم اس کے حکموں پر نہیں چلو گے۔ اگر تم اس کے حدود کی عزت نہیں کرو گے تو وہ تمہیں ہلاک کرے گا اور ایک اور قوم تمہارے عوض لائے گا جو اس کے حکموں پر چلے گی۔ اور میرے آنے کی غرض صرف یہی نہیں کہ مَیں ظاہر

کروں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے ہیں یہ تو مسلمانوں کے دلوں پر سے ایک روک کا اُٹھانا اور سچا واقعہ اُن پر ظاہر کرنا ہے۔ بلکہ میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ تا مسلمان خالص توحید پر قائم ہو جائیں۔ اور ان کو خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جائے۔ اور ان کی نمازیں اور عبادتیں ذوق اور احسان سے ظاہر ہوں۔ اور ان کے اندر سے ہر ایک قسم کا گند نکل جائے۔ اور اگر مخالف سمجھتے تو عقائد کے بارے میں مجھ میں اور ان میں کوئی بڑا اختلاف نہ تھا۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مع جسم آسمان پر اٹھائے گئے سو مَیں بھی قائل ہوں کہ جیسا کہ آیت وانی متوفیک ورافعک الی" کا منشا ہے۔ بیشک حضرت عیسیٰ بعد وفات مع جسم آسمان پر اُٹھائے گئے صرف فرق یہ ہے کہ وہ جسم عنصری نہ تھا بلکہ ایک نورانی جسم تھا جو ان کو اسی طرح خدا کی طرف سے ملا جیسا آدم اور ابراہیم اور موسیٰ اور داؤد اور یحییٰ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیا کو ملا تھا۔ ایسا ہی ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ضرور دوبارہ دنیا میں آنیوالے تھے جیسا کہ آ گئے۔ صرف فرق یہ ہے کہ جیسا کہ قدیم سے سنت اللہ ہے اُن کا آنا صرف بروزی طور پر ہوا جیسا کہ ایاس نبی دوبارہ دنیا میں بروزی طور پر آیا تھا۔ پس سوچنا چاہئے کہ اس قلیل اختلاف کی وجہ سے جو ضرور ہونا چاہئے تھا اس قدر شور مچانا کس قدر تقویٰ سے دُور ہے۔ آخر جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے حَکَم بن کر آیا ضرور تھا کہ جیسا کہ لفظ حَکَم کا مفہوم ہے کچھ غلطیاں اس قوم کی ظاہر کرتا جن کی طرف وہ بھیجا گیا۔ ورنہ اس کا حَکَم کہلانا باطل ہوگا۔ اب زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مَیں اپنے مخالفوں کو صرف یہ کہہ کر کہ اعملوا علیٰ مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون۔ اس اعلان کو ختم کرتا ہوں۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ"

نتائج اس اعلان سے بہت سی غلط فہمیاں دُور ہو جاتی ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت اقدس کے دل میں کس قدر عزت حضرت امام حسین علیہ السلام کی موجود تھی۔ دوم یہ کہ آپ کے آنے کی اصل غرض کا بھی پتہ لگ جاتا ہے اور آپ کے عقائد میں اور اہل سنت والجماعت کے عقائد میں کچھ بھی فرق نظر نہیں آتا۔ صرف ایک دو مسئلہ کی تشریحات کا فرق ہے۔ سوم یہ کہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اگر ایک شخص خلیفہ بن جائے تو اس کی مخالفت کرنیوالا ہمیشہ باغی قرار پائے گا۔ بلکہ اُس شخص کو دیکھا جائے گا۔ اگر اس کی خلافت اسلامی اصول انتخاب پر مبنی نہ ہوگی بلکہ کسی سیاسی چالاکی اور پروپاگنڈے کے ذریعہ حاصل کی گئی ہوگی۔ یا وہ شخص جو خلیفہ بن گیا ہے بجائے خود اگر غلط عقائد یا غلط اعمال کا حامل ہوگا

اور اس امام کی تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر اور استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اُسوۂ حسنہ ہے۔ اور ہم اس معصوم کی ہدایت کے اقتدا کرنیوالے ہیں جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہوگیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے۔ اور کامیاب ہوگیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقویٰ اور استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے جیسا کہ ایک صاف آئینہ میں ایک خوبصورت انسان کا نقش۔ یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ کون جانتا ہے اُن کا قدر۔ مگر وہی جو اُن میں سے ہیں۔ دنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کر سکتی۔ کیونکہ وہ دنیا سے بہت دُور ہیں۔ یہی وجہ حسین رضؓ کی شہادت کی تھی۔ کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں محبت کی تا حسین رضؓ سے بھی محبت کی جاتی۔ غرض یہ امر نہایت درجہ کی شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی تحقیر کی جائے اور جو شخص حسینؓ یا کسی اور بزرگ کی جو ائمہ مطہرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہ استخفاف کا اس کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ جل شانہٗ اس شخص کا دشمن ہو جاتا ہے جو اس کے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے۔ جو شخص مجھے بُرا کہتا یا لعن طعن کرتا ہے اس کے عوض میں کسی برگزیدہ اور محبوب الٰہی کی نسبت شوخی کا لفظ زبان پر لانا سخت معصیت ہے۔ ایسے موقعہ پر درگزر کرنا اور نادان دشمن کے حق میں دعا کرنا بہتر ہے کیونکہ اگر وہ لوگ مجھے جانتے کہ مَیں کس کی طرف سے ہوں تو ہرگز برا نہ کہتے۔ ..... بسوائے عزیزو صبر کرو آخر وہ امر جو مخفی ہے کھُل جائے گا۔ خدا جانتا ہے کہ مَیں اس کی طرف سے ہوں۔ اور وقت پر آیا ہوں۔ مگر وہ دل جو سخت ہو گئے اور وہ آنکھیں جو بند ہوگئیں مَیں اُن کا کیا علاج کر سکتا ہوں ...... نرمی کرو اور دعا میں لگے رہو۔ اور سچی توبہ کو اپنا شفیع ٹھیراؤ۔ اور زمین پر آہستگی سے چلو۔ خدا کسی قوم کا رشتہ دار نہیں ہے۔ اگر تم نے اس کی جماعت کہلا کر تقویٰ اور طہارت کو اختیار نہ کیا اور تمہارے دلوں میں خوف اور خشیت پیدا نہ ہُوا تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہیں مخالفوں سے پہلے ہلاک کرے گا۔ کیونکہ تمہاری آنکھ کھولی گئی اور پھر بھی تم سو گئے۔ اور یہ مت خیال کرو کہ خدا کو تمہاری کچھ حاجت ہے۔ اگر تم اس کے حکموں پر نہیں چلو گے۔ اگر تم اس کے حدود کی عزت نہیں کرو گے تو وہ تمہیں ہلاک کرے گا اور ایک اور قوم تمہارے عوض لائے گا جو اس کے حکموں پر چلے گی۔ اور میرے آنے کی غرض صرف یہی نہیں کہ مَیں ظاہر

کروں کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام فوت ہو گئے ہیں یہ تو مسلمانوں کے دلوں پر سے ایک روک کا اُٹھانا اور سچا واقعہ اُن پر ظاہر کرنا ہے۔ بلکہ میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ تا مسلمان خالص توحید پر قائم ہو جائیں۔ اور ان کو خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جائے۔ اور ان کی نمازیں اور عبادتیں ذوق اور احسان سے ظاہر ہوں۔ اور ان کے اندر سے ہر ایک قسم کا گند نکل جائے۔ اور اگر مخالف سمجھتے تو عقائد کے بارے میں مجھ میں اور ان میں کوئی بڑا اختلاف نہ تھا۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السّلام مع جسم آسمان پر اُٹھائے گئے۔ سو مَیں بھی قائل ہوں کہ جیسا کہ آیت "انی متوفیك ورافعك الی" کا منشا ہے۔ بیشک حضرت عیسٰی بعد وفات مع جسم آسمان پر اُٹھائے گئے صرف فرق یہ ہے کہ وہ جسم عنصری نہ تھا بلکہ ایک نورانی جسم تھا جو ان کو اسی طرح خدا کی طرف سے ملا جیسا آدم اور ابراہیم اور موسٰی اور داؤد اور یحیٰی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیا کو ملا تھا۔ ایسا ہی ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ضرور دوبارہ دنیا میں آنیوالے تھے جیسا کہ آ گئے۔ صرف فرق یہ ہے کہ جیسا کہ قدیم سے سنت اللہ ہے اُن کا آنا صرف بروزی طور پر ہوُا جیسا کہ ایاس نبی دوبارہ دنیا میں بروزی طور پر آیا تھا۔ پس سوچنا چاہئے کہ اس قلیل اختلاف کی وجہ سے جو ضرور ہونا چاہئے تھا اس قدر شور مچانا کس قدر تقوٰی سے دُور ہے۔ آخر جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے حَکَم بن کر آیا ضرور تھا کہ جیسا کہ لفظ حَکَم کا مفہوم ہے کچھ غلطیاں اس قوم کی ظاہر کرتا جن کی طرف وہ بھیجا گیا۔ ورنہ اس کا حَکَم کہلانا باطل ہوگا۔ اب زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مَیں اپنے مخالفوں کو صرف یہ کہہ کر کہ اعملوا علٰی مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون۔ اس اعلان کو ختم کرتا ہوں۔ والسّلام علٰی من اتّبع الھدٰی"

نتائج اس اعلان سے بہت سی غلط فہمیاں دُور ہو جاتی ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت اقدس کے دل میں کس قدر عزت حضرت امام حسین علیہ السّلام کی موجود تھی۔ دوم یہ کہ آپ کے آنے کی اصل غرض کا بھی پتہ لگ جاتا ہے اور آپ کے عقائد میں اور اہل سنت والجماعت کے عقائد میں کچھ بھی فرق نظر نہیں آتا۔ صرف ایک دو مسئلہ کی تشریحات کا فرق ہے۔ سوم یہ کہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اگر ایک شخص خلیفہ بن جائے تو اس کی مخالفت کرنیوالا ہمیشہ باغی قرار پائے گا۔ بلکہ اُس شخص کو دیکھا جائے گا۔ اگر اس کی خلافت اسلامی اصول انتخاب پر مبنی نہ ہو گی بلکہ کسی سیاسی چالاکی اور پروپاگنڈے کے ذریعہ حاصل کی گئی ہوگی۔ یا وہ شخص جو خلیفہ بن گیا ہے بجائے خود اگر غلط عقائد یا غلط اعمال کا حامل ہوگا

اور اس کا چال چلن گندہ اور ناپاک ہوگا تو خدا کے نیک بندوں کا اس کی مخالفت کرنا اور اُسے کالعدم سمجھنا یا اُس کے معزول کرنے کی کوشش کرنا عین سعادت اور نیکی اور قومی اور اسلامی خدمت کہلائے گی اور اس کوشش میں مارا جانا شہادت قرار پائیگا۔ پس جس کی آنکھیں ہوں وہ دیکھے اور جس کے کان ہوں وہ سُنے۔ یہ اُس حَکَم کا فیصلہ ہے جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر اس زمانہ کی اصلاح اور ہدایت کیلئے آیا تھا۔

سفر دہلی

قادیان سے روانگی حضرت اقدس کی زوجۂ محترمہ چونکہ دہلی کی تھیں اس لئے اُن کا مدت سے ارادہ اپنے وطن جانے کا تھا لیکن کچھ ایسے اسباب بنتے رہے کہ یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ ایک دفعہ ارادہ ہؤا تو مولوی عبدالکریم صاحب کی علالت کی وجہ سے یہ ارادہ فسخ کر دینا پڑا۔ اب ایک تقریب یہ بھی پیدا ہو گئی کہ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب دہلی کے سول ہاسپٹل میں ڈیوٹی پر لگ گئے۔ تو حضرت کی زوجۂ محترمہ اپنے بھائی کے پاس اپنے والد میر ناصر نواب صاحب کی معیت میں جانے کے لئے تیار ہو گئیں۔ حضرت اقدس نے استخارہ مسنونہ کیا تو جو الہام ہؤا اس کے رُو سے آپ کو بھی دہلی ساتھ جانا پڑا۔ اور جب حضرت نے تشریف لے جانے کا ارادہ کیا تو آپ کے حکم اور اجازت سے چند خدام بھی ساتھ ہو لئے۔ مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر اور شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم اور مولوی محمد احسن امروہی صاحب وغیرہ بھی معیت میں تھے۔ بروز اتوار ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کی صبح کو حضرت اقدس بمعہ اپنے اہل و عیال و خدام کے قادیان سے روانہ ہوئے۔ روانگی سے پیشتر فرمایا کہ آج رات ایک رویا اور ایک الہام ہؤا۔ رویا میں مَیں نے دیکھا کہ ہم دہلی گئے ہیں تو تمام دروازے بند ہیں۔ پھر دیکھا کہ ان پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ پھر دیکھا کہ کوئی شخص کچھ تکلیف دینے والی شے میرے کان میں ڈالتا ہے۔ مَیں نے کہا تم مجھے کیا دکھ دیتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ دکھ دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی والوں کے دلوں پر ایسے قفل لگے ہوئے ہیں کہ ان پر کوئی نیک اثر نہیں ہونا۔ اور ہر طرح کی بدزبانی ہم اُن لوگوں سے وہاں سنیں گے۔ غرضکہ آپ قادیان سے روانہ ہوئے۔ سیکنڈ کلاس کا ایک کمرہ حضرت اقدس کیلئے ریزرو کر والیا گیا تھا۔ بٹالہ اسٹیشن پر نماز ظہر و عصر جمع کر کے پڑھی گئی۔ امرتسر میں گاڑیوں کا درمیانی وقفہ چونکہ پانچ گھنٹے کا تھا اس لئے حضرت اقدس گاڑی سے اُتر کر پلیٹ فارم کے ایک طرف درختوں کے نیچے بیٹھ گئے۔ حضرت اقدس نے تو حکم دیا تھا کہ کسی کو خبر نہ کریں لیکن ادھر اُدھر سے

اُڑتی اُڑاتی خبر سنکر امرتسر اور دیگر مقامات کے احباب جمع ہو گئے! اور امرتسر کے دوستوں نے اجازت لیکر شام کے کھانے کا انتظام بڑی پھرتی سے کر لیا اور شام کا کھانا اُن کی طرف سے وہیں اسٹیشن پر ہی پیش کیا گیا +

ورود دہلی رات کے ۹ بجے امرت سر سے چلے۔ راستہ میں مختلف اسٹیشنوں پر خدام زیارت کے لئے رات کے وقت بھی موجود تھے۔ لدھیانہ کے اسٹیشن پر جس وقت احباب ملاقات کے لئے آئے چونکہ رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی۔ اور حضرت اقدس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ اس واسطے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے دوستوں کو گاڑی کے قریب جانے اور حضرت کو بیدار کرنے سے روک دیا۔ دہلی جا کر جب حضرت کو پتہ لگا تو فرمایا اب ہم لدھیانہ ضرور اُتریں گے۔ اور وہاں کے دوستوں کو ملاقات کا موقعہ دیں گے۔ قریباً ساڑھے تین بجے دن کے دہلی پہنچے۔ اور محلہ چتلی قبر میں الف خاں کے مکان پر ڈیرا اُترا +

زیارت قبور ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کی صبح کو حضرت مسیح موعود مردانہ مکان میں تشریف لائے تو دہلی کی سیر کا ذکر درمیان میں آیا۔ فرمایا لہو ولعب کے طور پر پھرنا تو درست نہیں۔ البتہ یہاں بعض بزرگ اولیاء اللہ کی قبریں ہیں اُن پر ہم بھی جائیں گے اور مفتی محمد صادق صاحب کو فرمایا کہ ایسے بزرگوں کی ایک فہرست بنا لو تاکہ جانے کے متعلق انتظام کیا جاوے۔ گاڑیوں کے انتظام کرنے کے بعد حضرت اقدس بمعہ خدام گاڑیوں میں سوار ہو کر سب سے اوّل حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزار پر پہنچے۔ راستہ میں حضرت نے زیارت قبور کے متعلق فرمایا "قبرستان میں ایک روحانیت ہوتی ہے اور صبح کا وقت زیارت قبور کے لئے ایک سنت ہے۔ یہ ثواب کا کام ہے۔ اور اس سے انسان کو اپنا مقام یاد آ جاتا ہے۔ انسان اس دنیا میں مسافر ہے آج زمین پر ہے تو کل زمین کے نیچے ہے"+

خواجہ باقی باللہ صاحب حضرت اقدس خواجہ باقی باللہ صاحب کی درگاہ پر پہنچے تو وہاں بہت سی قبریں تھیں۔ آپ بہت احتیاط سے پاؤں رکھتے کہ کسی قبر کے اوپر پاؤں نہ پڑے۔ خواجہ صاحب کے مزار پر آپ نے دونو ہاتھ اُٹھا کر دعا کی۔ اور دعا کو لمبا کیا۔ مفتی صاحب نے عرض کیا کہ قبر پر کیا دعا کرنی چاہئے۔ فرمایا کہ "صاحب قبر کے واسطے دعائے مغفرت کرنی چاہئے اور اپنے واسطے بھی خدا سے دعا مانگنی چاہئے۔ انسان ہر وقت خدا کے حضور دعا کرنے کا محتاج ہے" دعا کے بعد وہ فارسی نظم پڑھی جو خواجہ باقی باللہ صاحب کے سرہانے کتبہ پر لکھی ہے۔ فرمایا کہ اسے نقل کر لو۔ فرمایا خواجہ باقی باللہ صاحب بڑے مشائخ میں سے تھے شیخ احمد سرہندی صاحب کے پیر تھے۔ مجھے خیال آتا ہے کہ ان بزرگوں کی کرامت تو ہم نے بھی دیکھ لی ہے اور وہ یہ ہے کہ دہلی جیسے شہر کو اُنہوں نے قائل کر لیا۔ اور یہ وہ شہر ہے جو ہم

کو مردود اور مخذول اور کافر کہتا ہے۔ سیٹھ صاحب (سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب) کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ یہ سرزمین بمبئی سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور اس کیلئے آسمانی سرزنش کا حصّہ ہمیشہ رہا ہے۔ صرف انگریزوں کے ساتھ ہی بغاوت نہیں کی بلکہ سلاطین اسلامیہ کے ساتھ بھی شورہ پشتی کرتے رہے ہیں۔ اس جگہ کے اکابر اور مشائخ کے اخلاق کا بھی اس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ انہوں نے ایسے شہر میں کس طرح بسر کی۔ یہ بزرگ بہت ہی مسلوب الغضب تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو مٹی کی طرح کر دیا تھا ......"

پھر فرمایا کہ "ان تمام بزرگوں کی جو دہلی میں مدفون ہیں کرامت ظاہر ہے کہ ایسی سخت سرزمین نے ان کو قبول کیا۔ یہ کرامت اب تک ہم سے ظہور میں نہیں آئی"۔

جامع مسجد دہلی دہلی کی جامع مسجد کو دیکھ کر فرمایا کہ "مسجدوں کی اصل زینت عمارتوں کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اُن نمازیوں کے ساتھ ہے جو اخلاص کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ورنہ یہ سب مساجد ویران پڑی ہوئی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد چھوٹی سی تھی۔ کھجور کی چھڑیوں سے اُس کی چھت بنائی گئی تھی اور بارش کے وقت چھت میں سے پانی ٹپکتا تھا۔ مسجد کی رونق نمازیوں کے ساتھ ہے۔ الخ"

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا "اگر آپ نے قلعہ نہیں دیکھا تو دیکھ لیں۔ ع آثار پدید است صنادید عجم را"۔ مگر خود تشریف نہیں لے گئے۔

ایک صوفی ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو بعد از نماز ظہر ایک شخص عبدالحق صاحب جو اپنے آپ کو صوفی ابوالخیر صاحب کے مرید بتلاتے تھے چند طالبعلموں کے ساتھ آئے۔ اور بھی دہلی والے آموجود ہوئے۔ اُنہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ اس مسیح اور مہدی کو یاد دلانیوالے ہیں جو کہ آنے والا ہے یا کہ آپ خود مسیح اور مہدی ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت اقدس نے جو تقریر کی وہ اس قدر موثر تھی کہ میاں عبدالحق صاحب بہت متاثر ہوئے۔ اُنہوں نے کھڑے ہوکر حضرت اقدس کے ہاتھ چومے اور کہا مَیں سمجھ گیا۔ آپ اپنا کام کرتے جائیں۔ مَیں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ترقی دے۔ انشاءاللہ تعالیٰ ضرور آپ کی ترقی ہوگی۔ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ صحیح ہے۔

مولوی نورالدین صاحب کو دہلی بلوایا گیا حضرت اقدس کو دہلی جاکر خیال آیا کہ اگر مولوی نورالدین صاحب کو بھی بلوالیا جائے تو بہتر ہوگا۔ چنانچہ آپ نے مولوی صاحب کو تار دیدی کہ آپ فوراً دہلی چلے آئیں۔ ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو مولوی صاحب کو یہ تار ملا۔ مولوی نورالدین صاحب کو جو علاوہ عالم باعمل ہونیکے کمال درجہ کے صوفی منش بھی تھے اپنے شیخ کا جو یہ تار ملا جس میں فوراً دہلی چلے آنے کا حکم تھا تو اس خیال سے کہ حکم کی تعمیل میں دیر نہ ہو فوراً ہی اُٹھ کر چل کھڑے ہوئے۔ نہ گھر گئے۔ نہ لباس بدلا۔ نہ

اسباب لیا۔ نہ کوئی سامان سفر کیا۔ نہ کوئی روپیہ لیا۔ یہ بھی نہیں منگوایا کہ اس طرح تعمیل حکم میں دیر ہوتی ہے سیدھے بٹالہ کی طرف پیدل ہی چل پڑے۔ دوستوں کو جب خبر ہوئی تو کوئی روپیہ لے کر دوڑا۔ کوئی بستر اور اسباب لیکر دوڑا۔ کوئی یکّہ لیکر دوڑا۔ غرضکہ بٹالہ کے رستہ میں جا لیا۔ ۲۹۔ اکتوبر کو آپ دہلی پہنچ گئے ؎

مولوی محمد بشیر صاحب کے نام مولوی محمد احسن صاحب کا خط

۲۴۔ اکتوبر ۱۹۰۵ئ کو مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے اپنے پرانے دوست مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی کو ایک خط لکھا اور ایک جلد مواہب الرحمٰن کی اور دو جلدیں الفرقان کی اور چار جلدیں تبلیغ الحق کی اُن کی خدمت میں بھیجکر ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ جواب میں مولوی محمد بشیر صاحب نے ہدایا کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن ملاقات سے معذوری ظاہر کی ؎

ایک مولوی سے گفتگو آپ کو ماننے کی ضرورت پر

۲۵۔ اکتوبر ۱۹۰۵ئ کو چند مولوی اور طلباء آئے۔ حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم نمازیں پڑھتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں۔ قرآن اور رسولؐ کو مانتے ہیں۔ آپ کو ماننے کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا :-

"انسان جو کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرتا ہے وہ سب موجب معصیت ہو جاتا ہے۔ ایک ادنیٰ سپاہی سرکار کی طرف سے کوئی پروانہ لیکر آتا ہے تو اس کی بات نہ ماننے والا مجرم قرار دیا جاتا ہے اور سزا پاتا ہے۔ مجازی حکام کا یہ حال ہے تو احکم الحاکمین کی طرف سے آنیوالے کی بےعزتی اور بیقدری کرنا کس قدر عدول حکمی اللہ تعالیٰ کی ہے۔ خدا تعالیٰ غیور ہے۔ اس نے اپنی مصلحت کے مطابق عین ضرورت کے وقت بگڑی ہوئی صدی کے سر پر ایک آدمی بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو ہدایت کی طرف بلائے۔ اس کے تمام مصالح کو پاؤں کے نیچے کچلنا ایک بڑا گناہ ہے۔......

انسان کی عقل خدا کی مصلحت سے نہیں مل سکتی۔ آدمی کیا چیز ہے جو مصلحت الٰہی سے بڑھ کر سمجھ رکھنے کا دعویٰ کرے۔ خدا کی مصلحت اس وقت بدیہی اور اجلیٰ ہے۔ اسلام میں سے پہلے ایک شخص بھی مرتد ہو جاتا تھا تو ایک شور بپا ہو جاتا۔ اب اسلام کو ایسا پاؤں کے نیچے کچلا گیا ہے کہ ایک لاکھ مرتد موجود ہے۔ اسلام جیسے مقدس مطہر مذہب پر کس قدر حملے کئے گئے ہیں۔ کہ ہزاروں لاکھوں کتابیں آنحضرت صلعم کو گالیوں سے بھری ہوئی شائع کی جاتی ہیں۔ بعض رسالے کئی کروڑ تک چھپتے ہیں۔ اسلام کے برخلاف جو کچھ شائع ہوتا ہے اگر سب کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو ایک بڑا پہاڑ بنتا ہے۔ مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ گویا ان میں جان ہی نہیں۔ اور سب کے سب مر ہی گئے ہیں۔ اس وقت اگر خدا بھی خاموش رہے تو پھر کیا حال ہوگا۔ خدا کا ایک حملہ انسان کے ہزار حملوں سے بڑھ کر ہے۔ اور وہ ایسا ہے کہ اس سے دین کا بول بالا ہو جائیگا"

جہاد بالسیف کا وقت نہیں
اسی سلسلہ میں نہایت اعلیٰ درجہ کی تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"اگر تم نے جنگوں سے فتح پانی ہوتی اور تمہارے لئے لڑائیاں کرنا مقدر ہوتا تو خدا تم کو ہتھیار دیتا توپ و تفنگ کے کام میں تم کو سب سے بڑھ کر چالاکی اور ہوشیاری دی جاتی۔ مگر خدا کا فعل ظاہر کر رہا ہے کہ تم کو یہ طاقتیں نہیں دی گئیں۔ بلکہ سلطان روم کو بھی ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ جرمن یا انگلستان وغیرہ ممالک سے بنواتا ہے۔ اور آلات حرب عیسائیوں سے خرید کرتا ہے۔ چونکہ اس زمانہ کے واسطے یہ مقدر نہ تھا کہ مسلمان جنگ کریں۔ اس واسطے خدا نے ایک اور راہ اختیار کی۔ ہاں صلاح الدین وغیرہ بادشاہوں کے وقت ان باتوں کی ضرورت تھی۔ تب خدا نے مسلمانوں کی مدد کی اور کفار پر ان کو فتح دی۔ مگر اب تو مذہب کے واسطے کوئی شخص جنگ نہیں کرتا۔ اب تو لاکھ لاکھ پرچہ اسلام کے برخلاف نکلتا ہے۔ جیسا ہتھیار مخالف کا ہے ویسا ہی ہتھیار ہم کو بھی طیار کرنا چاہئے۔ یہی حکم خداوندی ہے۔ اب اگر کوئی خونی مہدی آجائے اور لوگوں کے سر کاٹنے لگے تو یہ بیفائدہ ہوگا۔ مارنے سے کسی کی تشفی نہیں ہو سکتی۔ سر کاٹنے سے دلوں کے شبہات دُور نہیں ہو سکتے۔ خدا کا مذہب جبر کا مذہب نہیں ہے۔ اسلام نے کبھی پہلے بھی پیش دستی نہیں کی۔ جب بہت ظلم صحابہ پر ہوا تو دشمنوں کو دفع کرنے کے واسطے جہاد کیا گیا تھا۔ خدا کی حکمت کے مطابق کسی کی دانائی نہیں۔ ہر ایک شخص کو چاہئے کہ اس معاملہ میں دعا کرے اور دیکھے کہ اس وقت اسلام کی تائید کی ضرورت ہے یا نہیں۔ جسم پر غالب آنا کوئی شے نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ دلوں کو فتح کیا جائے۔ مَیں نے کوئی بات قال اللہ اور قال الرسول کے برخلاف نہیں کی......"

حضرت اقدس یہ تقریر فرما رہے تھے کہ اُس بدقسمت مولوی نے کج بحثی شروع کر دی اور حیات مسیح کی بحث کرتے ہوئے جب لاجواب ہو گیا تو اُٹھ کر چلتا بنا۔

ملاقات کے قابل لوگ
شام کو ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج کہاں کہاں کی سیر کی۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ فیروز شاہ کی لاٹ۔ مہابت خاں کی مسجد۔ لال قلعہ وغیرہ مقامات دیکھے۔ فرمایا:۔ "ہم تو حضرت بختیار کاکی۔ نظام الدین صاحب اولیاء۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ اصحاب کی قبروں پر جانا چاہتے ہیں۔ دہلی کے یہ لوگ جو سطح زمین کے اُوپر ہیں نہ ملاقات کرتے ہیں نہ ملاقات کے قابل ہیں۔ اس لئے جو اہل دل لوگ ان میں سے گزر چکے ہیں اور زمین کے اندر مدفون ہیں اُن سے ہی ہم ملاقات کرلیں۔ تاکہ بدوں ملاقات تو واپس نہ جائیں۔ مَیں

ان بزرگوں کی یہ کرامت سمجھتا ہوں کہ انہوں نے قسی القلب لوگوں کے درمیان بسر کی۔
اس شہر میں ہمارے حصّہ میں ابھی وہ قبولیت نہیں آئی جو ان لوگوں کو نصیب ہوئی ؎

چشم باز و گوش باز و ایں ذکا ✤ خیرہ ام از چشم بندیٔ خدا

اسلام پر یہ کیسا مصیبت کا زمانہ ہے۔ اندرونی مصائب بھی بے انتہا ہیں اور بیرونی بھی بیحد ہیں۔ پھر یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ کسی مصلح کی ضرورت نہیں" الخ

غرضکہ بڑی دیر تک نہایت مؤثر تقریر فرماتے رہے۔

احمدی نام کیوں رکھا گیا ایک مولوی صاحب آئے اور اُنہوں نے سوال کیا کہ خدا نے ہمارا نام مسلمان رکھا ہے۔ آپ نے اپنے فرقہ کا نام احمدی کیوں رکھا ہے۔ یہ بات ھو سمّٰکم المسلمین کے برخلاف ہے۔ اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا:۔

"اسلام بہت پاک نام ہے اور قرآن شریف میں یہی نام آیا ہے۔ لیکن جیسا کہ حدیث شریف میں آچکا ہے اسلام کے ۷۳ فرقے ہو گئے ہیں۔ اور ہر ایک فرقہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ انہی میں ایک رافضیوں کا ایسا فرقہ ہے جو سوائے دو تین آدمیوں کے تمام صحابہ کو سبّ و شتم کرتے ہیں۔ نبی کریم صلعم کے ازواج مطہرات کو گالیاں دیتے ہیں۔ اولیاء اللہ کو بُرا کہتے ہیں پھر بھی مسلمان کہلاتے ہیں۔ خارجی حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو بُرا کہتے ہیں اور پھر بھی مسلمان نام رکھاتے ہیں۔ بلاد شام میں ایک فرقہ یزیدیہ ہے جو امام حسینؑ پر تبرّے بازی کرتے ہیں اور مسلمان بنے پھرتے ہیں۔ اسی مصیبت کو دیکھ کر سلف صالحین نے اپنے آپ کو ایسے لوگوں سے تمیز کرنے کے واسطے اپنے نام شافعی حنبلی وغیرہ تجویز کئے۔ آجکل نیچریوں کا ایک ایسا فرقہ نکلا ہے جو جنت۔ دوزخ۔ ملائک۔ وحی۔ سب باتوں کا منکر ہے۔ یہاں تک کہ سید احمد خاں کا خیال تھا کہ قرآن مجید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیالات کا نتیجہ ہے۔ اور عیسائیوں سے سن کر یہ قصے لکھ دیئے ہیں۔ غرض ان تمام فرقوں سے اپنے آپ کو تمیز کرنے کے واسطے اس فرقہ کا نام فرقہ احمدیہ رکھا گیا"

حضرت اقدس یہ تقریر کر رہے تھے کہ اس مولوی نے پھر سوال کیا کہ قرآن شریف میں تو حکم ہے کہ لا تفرّقوا۔ اور آپ نے تو تفرقہ ڈال دیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا:۔

"ہم تو تفرقہ نہیں ڈالتے۔ ہم تو تفرقہ دُور کرنے کے واسطے آئے ہیں۔ اگر احمدی نام رکھنے میں ہتک ہے تو پھر شافعی حنبلی کہلانے میں بھی ہتک ہے۔ مگر یہ نام ان اکابر کے رکھے

ہوئے ہیں جن کو آپ بھی صلحا مانتے ہیں۔ وہ شخص بدبخت ہوگا جو ایسے لوگوں پر اعتراض کرے اور ان کو بُرا کہے۔ صرف امتیاز کے لئے اُن لوگوں نے اپنے یہ نام رکھے ہیں۔ ہمارا کاروبار خدا کی طرف سے ہے۔ اور ہم پر اعتراض کرنے والا خدا پر اعتراض کرتا ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور احمدی ایک امتیازی نام ہے۔ اگر صرف مسلمان نام ہو تو شناخت کا تمغہ کیونکر ظاہر ہو۔ خدا تعالیٰ ایک جماعت بنانا چاہتا ہے۔ اور اس کا دوسروں سے امتیاز ہونا ضروری ہے۔ بغیر امتیاز کے اس کے فوائد مترتب نہیں ہوتے۔ اور صرف مسلمان کہلانے سے تمیز نہیں ہوسکتی۔ امام شافعی اور امام حنبل وغیرہ کا زمانہ بھی ایسا تھا کہ اس وقت بدعات شروع ہوگئی تھیں۔ اگر اس وقت یہ نام نہ ہوتے تو اہل حق اور ناحق میں تمیز نہ ہوسکتی۔ ہزارہا گندے آدمی ملے جلے رہتے۔ یہ چار نام اسلام کے واسطے مثل چار دیواری کے تھے۔ اگر یہ لوگ پیدا نہ ہوتے تو اسلام ایک ایسا مشتبہ مذہب ہوجاتا کہ بدعتی اور غیر بدعتی میں تمیز نہ ہوسکتی۔ اب بھی ایسا زمانہ آگیا ہے کہ گھر گھر ایک مذہب ہے۔ ہم کو مسلمان ہونے سے انکار نہیں مگر تفرقہ دُور کرنے کے واسطے یہ نام رکھا گیا ہے۔...... اصل بات یہ ہے کہ یہ تفرقہ خود خدا ڈالتا ہے۔ جب کھوٹ اور ملاوٹ زیادہ ہوجاتا ہے تو خدا خود چاہتا ہے کہ ایک تمیز ہوجاوے......"

حضرت اقدس تقریر کر رہے تھے جو اس مولوی نے پھر وہی اعتراض دوہرایا تو حضرت اقدس نے فرمایا:۔

"جو لوگ اسلام کے نام سے انکار کریں یا اس نام کو عار سمجھیں اُن کو تو مَیں لعنتی کہتا ہوں مَیں کوئی بدعت نہیں لایا۔ جیسا کہ حنبلی شافعی وغیرہ تھے۔ ایسا ہی احمدی بھی نام ہے۔ بلکہ احمدی کے نام میں اسلام اور اسلام کے بانی احمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ اتصال ہے۔ اور یہ اتصال دوسرے ناموں میں نہیں۔ احمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا نام ہے۔ اسلام احمدی ہے۔ اور احمدی اسلام ہے........"

شاہ ولی اللہ صاحب ۲۶۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کی صبح کو حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب اور خواجہ میر درد صاحب کی قبروں پر تشریف لے گئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی قبر کے پاس ہی شاہ عبدالرحیم صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور دیگر بزرگوں کے مزار ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی نسبت فرمایا کہ یہ بزرگ صاحب کشف و کرامت تھے۔ واپسی پر حضرت اقدس نے ایک پُر از وعظ و نصائح اور نہایت مؤثر تقریر فرمائی۔

آنحضرت صلعم تمام کمالات کے جامع تھے ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو نماز جمعہ مولوی محمد احسن صاحب نے پڑھائی۔ نماز کے بعد چند مولوی اور مدرسہ طبیہ کے چند طالب علم اور طبیب آئے۔ انکو مخاطب کرکے ایک نہایت مؤثر تقریر فرمائی۔ فرمایا کہ:۔

"مسلمانوں کو انگریزی طب سے نفرت نہیں کرنی چاہئے۔ الحکمۃ ضالۃ المومن حکمت کی بات تو مومن کی اپنی ہوتی ہے۔ گم ہو کر اور کے پاس چلی گئی تھی۔ پس جہاں سے ملے وہیں سے میلے۔ اس میں ہمارا یہ منشا نہیں کہ ہم یونانی طب کی مخالفت اور ڈاکٹری کی تائید کرتے ہیں بلکہ ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ بموجب حدیث شریف کے انسان کو چاہئے کہ مفید بات جہاں سے ملے وہیں سے میلے۔ ...... اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے فبھدٰھم اقتدہ۔ تمام گزشتہ انبیاء کی ہدایت کی پیروی کر یعنی تمام گزشتہ انبیاء کے کمالات متفرقہ کو اپنے اندر جمع کر لے۔ یہ آیت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی فضیلت کا اظہار کرتی ہے۔ تمام گزشتہ نبیوں اور ولیوں میں جس قدر خوبیاں اور صفات اور کمال تھے وہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے تھے۔ سب کی ہدایتوں کا اقتدا کر کے آپ جامع تمام کمالات کے ہو گئے ......"

حضرت اقدس بہت دیر تک تقریر فرماتے رہے اور آپ نے تقویٰ اور وفات مسیح اور نزول مسیح پر بہت خوبی سے روشنی ڈالی۔ آخر میں ایک مولوی صاحب نے حیات مسیح کی تائید میں بحث شروع کر دی۔ لیکن اِدھر اُدھر کے حیل وحجت کے بعد جب کچھ نہ بنا تو اُٹھ کر چلتے بنے۔ ایک شخص نے بیعت کی اُس کے بعد آپ نے پھر ایک نہایت پُرمعنی تقریر فرمائی۔ اسی طرح کئی تقریریں وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی تھیں۔ اصل میں دہلی میں اکثر مولوی یا طالب علم جو آتے تھے وہ عام طور پر لغو سوالات اور تمسخر کے سوائے بات نہ کرتے تھے۔ مگر حضرت اقدس سب کے ساتھ اخلاق کریمانہ سے پیش آتے رہے۔ اور اُن کے سمجھانے میں اپنا بہت سا قیمتی وقت صرف کرتے رہے۔ ۲۷۔ اکتوبر کو ہی لاہور سے خواجہ کمال الدین صاحب اور اٹاوہ سے میر صادق حسین صاحب اور دیگر مقامات سے کئی احباب دہلی پہنچ گئے۔ ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو صبح اور ظہر سے عصر تک حضرت اقدس نے تقریریں کیں۔ قریب دس کے نئے آدمی بیعت میں شامل ہوئے۔ آج بھی بہت سے نئے احباب دہلی پہنچے۔ ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو صبح کے وقت حضرت اقدس سلطان نظام الدین صاحب اولیا کے مزار پر تشریف لیگئے۔ وہاں حسن نظامی صاحب اور صاحبزادہ سید غلام معین الدین نظامی صاحب اور دیگر صاحبان نے ساتھ ہو کر تمام مقامات اور قبریں دکھائیں۔ حضرت اقدس نے سلطان نظام الدین اولیا صاحب اور امیر خسرو صاحب کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ حسن نظامی صاحب حضرت اقدس کو بڑے اصرار کے ساتھ اپنے حجرے میں لیگئے اور ایک کتاب بنام شواہد نظامی بھی پیش کش کی۔ اور حضرت کے وہاں جانے سے پیشتر مکان پر آکر یہ بھی عرض کی تھی کہ آپ جب وہاں آئیں تو بمعہ احباب میری چائے کی دعوت قبول فرمائیں۔

حسن نظامی صاحب حضرت اقدس کی دہلی سے روانگی کے وقت اسٹیشن پر بھی موجود تھے۔ اور ان کے زبانی اصرار اور تحریری درخواست کے جواب میں جو انہوں نے بذریعہ ڈاک قادیان بھیجی تھی حضرت اقدس نے اپنے وہاں جانے کے متعلق ایک تحریر بھی لکھ کر بھیجدی تھی جس میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ "دہلی میں میرے دل نے اس بات کے لئے جوش مارا کہ وہ ارباب صدق وصفا اور عاشقان حضرت مولیٰ جو میری طرح اس زمین کے باشندوں سے بہت سے جور وجفا دیکھ کر اپنے محبوب حقیقی کو جا ملے۔ ان کے متبرک مزاروں کی زیارت سے اپنے دل کو خوش کروں۔ پس میں اسی نیت سے حضرت خواجہ شیخ نظام الدین ولی اللہ رضی اللہ عنہ کے مزار متبرک پر گیا اور ایسا ہی دوسرے چند مشائخ کے متبرک مزاروں پر بھی۔ خدا ہم سب کو اپنی رحمت سے معمور کرے۔"

۲۹۔ اکتوبر کو بعد از نماز ظہر میرٹھ اور بلب گڑھ کے چند دوستوں نے بیعت کی جس کے بعد حضرت اقدس نے ایک لمبی تقریر کی۔ بعد تقریر کے چند مولویوں نے جو مدرسہ حسین بخش سے آئے تھے۔ حضرت اقدس سے ایک تحریر لکھوائی کہ آپ کیوں وفات مسیح کے قائل ہیں۔ حضرت اقدس نے تحریر لکھ دی اور اس میں وفات مسیح پر قرآن وحدیث سے نہایت معقول دلائل ماقل ودل کے رنگ میں لکھ کر ان کے حوالے کئے۔ ۲۹۔ اکتوبر کو حضرت مولانا نورالدین صاحب بھی دہلی پہنچ گئے۔

قطب صاحب

۳۱۔ اکتوبر تک حضرت اقدس کی طبیعت ناساز رہی۔ اس لئے یکم نومبر ۱۹۰۵ء کو حضرت اقدس حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کے مزار مبارک پر تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے دعا کی اور دعا کو لمبا کیا۔ واپس آتے ہوئے حضرت نے راستہ میں فرمایا کہ "بعض مقامات نزول برکات کے ہوتے ہیں۔ اور یہ بزرگ چونکہ اولیاء اللہ تھے۔ اس واسطے ان کے مزار پر ہم گئے۔ انکے واسطے بھی ہم نے اللہ سے دعا کی اور اپنے واسطے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اور دیگر بہت سی دعائیں کیں۔ لیکن یہ دو چار بزرگوں کے مقامات تھے جو جلد ختم ہو گئے۔ اور دہلی کے لوگ تو سخت دل ہیں"۔ آپ اسی خیال میں تھے جو واپس آتے ہوئے گاڑی میں بیٹھے ہوئے الہام ہوا:۔

"دست تو دعائے تو ترحم زخدا"

گھر پہنچ کر آپ نے دہلی سے روانگی کی تاریخ ۴۔ نومبر ۱۹۰۵ء مقرر کر دی۔

مرزا حیرت کی شہرت طلبی

دہلی میں کرزن گزٹ کے ایڈیٹر مرزا حیرت صاحب ایک بہت شہرت پسند شخص تھے جن کا ذکر اس سے قبل حضرت اقدس کے دہلی کے اس سفر کے تذکرہ میں جو ابتدائے دعوے کے وقت آپ نے کیا تھا آ چکا ہے۔ مرزا حیرت صاحب یہ سن کر کہ اب حضرت مرزا صاحب واپس جا رہے ہیں بہت

خوش ہوئے کہ موقعہ اچھا ہے حضرت مرزا صاحب جا رہے ہیں۔ اور علاوہ ازیں ویسے بھی مرزا صاحب مباحثات بند کر دینے کا اعلان کر چکے ہیں اس لئے اگر میں چیلنج دیدوں تو مباحثہ تو ہونا نہیں مفت میں میری چڑھ بن جائے گی اور یاروں میں شہرت ہو جائے گی۔ چنانچہ اُنہوں نے فوراً اپنے اخبار "کرزن گزٹ" کی یکم نومبر ۱۹۰۵ء کی اشاعت میں حضرت مرزا صاحب کو مباحثہ کا چیلنج دیدیا۔ اسکے جواب میں شیخ یعقوب علی تراب صاحب نے ۲۔ نومبر ۱۹۰۵ء کو ایک اشتہار نکالا کہ میں مرزا حیرت صاحب سے مناظرہ کرنے کو تیار ہوں اور اخبار نویس کی حیثیت سے مجھے حق ہے کہ ان کی درخواست کا میں ہی جواب دوں۔ پھر مناظرہ کی شرائط لکھ کر اُن سے جواب کا مطالبہ کیا کہ ۴۔ نومبر سے پہلے اس کا جواب عنایت فرماویں۔ اس کے علاوہ دہلی کی جماعت کی طرف سے بھی ایک اعلان شائع ہوا جس میں مرزا حیرت صاحب کو مخاطب کر کے لکھا گیا کہ:۔

"جو کچھ کرزن گزٹ میں مرزا حیرت صاحب حضرت اقدس پر اعتراض کرتے رہے ہیں اُن کا جواب بابو عبدالعزیز صاحب دہلوی نے "حیرت کی حیرانی" لکھ کر بمعہ ایک ہزار روپے کے انعامی چیلنج کے شائع کر دیا ہوا ہے۔ ان کو اگر محض شہرت پسندی مطلوب نہ ہوتی اور طلب حق ہوتی تو بجائے چیلنج مباحثہ دینے کے کتاب مذکورہ بالا کے جواب کی طرف توجہ کرتے! ور ساتھ ہی ایک ہزار روپیہ انعام بھی لیتے۔ علاوہ ازیں ان کو سمجھانے کے واسطے تو ہم خادمان مسیح موعود ہمیشہ یہاں موجود ہی ہیں۔ لیکن اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود اور آپ کے خدام کی تشریف آوری سے ہی فائدہ حاصل کریں تو آپ کے ہم عصر اور ہم پیشہ شیخ یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر الحکم نے آپ کو چیلنج دیا ہے وہ منظور کر لیجئے۔ اور دوسرے صاحب ایڈیٹر اخبار بدر مفتی محمد صادق صاحب ...... آپ کے ساتھ ایک عام جلسہ میں جس کا انتظام آپ کے سپرد ہوگا تحریری مباحثہ کے واسطے تیار ہیں۔ لیکن ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ دہلی کے مشہور مولوی صاحبان یعنی مولوی محمد بشیر صاحب، مولوی عبدالحق صاحب۔ مولوی ابوالخیر صاحب۔ مولوی تلطف حسین صاحب۔ قاضی محمد یعقوب صاحب آپ کے ساختہ پرداختہ کو بذریعہ ایک چھپے ہوئے اشتہار کے منظور فرماویں۔ کیونکہ ہم تو پبلک کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں۔ آپ کی ذات سے تو چنداں اُمید نہیں۔ شاید کوئی اور ہی سمجھ جاوے۔"

ان اشتہارات کے نکلنے پر مرزا حیرت صاحب بس ہو گئے۔ اور چُوں تک نہ کی۔

مولوی نورالدین صاحب کا وعظ بعد از نماز جمعہ	۳۔ نومبر ۱۹۰۵ء کو مولوی نورالدین صاحب کا وعظ بعد از نماز جمعہ ہوا۔

حضرت مولوی صاحب نے یہ ثابت کیا کہ کس طرح باوجود اختلافات کے جو دنیا میں پائے جاتے ہیں وحدت بھی پائی جاتی ہے۔ اور قرآن شریف اور احادیث سے ثابت کیا کہ انسان کے راہ حق سے محروم رہنے کے کیا کیا اسباب ہیں۔ اور وفات مسیح کے کیا کیا دلائل ہیں۔ ابھی وعظ ختم نہ ہونے پایا تھا جو غیر احمدی مولویوں نے یہ محسوس کر کے کہ لوگوں پر اس کا اچھا اثر پڑ رہا ہے شور و غوغا مچا دیا۔ ان کے ساتھ اور لوگ بھی شامل ہو گئے اور غل مچانے لگے کہ چلو چلو اور بہت بدتہذیبی کے ساتھ ایک دوسرے کو دھکے دینے شروع کر دیئے۔ حضرت اقدس نے اُٹھ کر نہایت نرمی سے سب کو سمجھایا کہ تم ہماری بات بات سُنو۔ اس پر اکثر آدمی ٹھیر گئے اور اپنے اپنے سوالات کرتے رہے اور حضرت اقدس جواب دیتے رہے۔ آج وہ مولوی بھی آیا جو حضرت اقدس سے دلائل وفات مسیح کے متعلق لکھوا کرلے گیا تھا۔ بہت سی کتابیں اور چند اور مولوی ساتھ لایا۔ لیکن جب کہا گیا کہ جس طرح آپ ہم سے تحریر لکھوا کر لیگئے تھے اسی طرح آپ بھی اب ہمیں تحریر لکھکر دیدیں تو اس بات سے بہت چکرایا۔ کہنے لگا میں لکھ کر نہیں دیتا۔ صرف زبانی سنا دوں گا۔ لیکن جب کہا گیا کہ جو کچھ زبانی سُناؤ گے وہی لکھ کر بھی دیدو تو وہ لوگ کتابیں اُٹھا کر چل دیئے۔ ایک بات قابل بیان یہ ہے کہ حضرت اقدس نے متوفیك کے معنے بخاری شریف سے ممیتك کے ثابت کئے تھے وہ مولوی صاحب اور کتابیں تو لائے تھے مگر بخاری شریف نہ لائے تھے۔ کہنے لگے ہمارے پاس بخاری نہیں ہے۔

اخبار مارننگ پوسٹ کے پروپرائٹر کی ملاقات

۲۔ نومبر ۱۹۰۵ء کو دہلی کے اخبار مارننگ پوسٹ کا پروپرائٹر جو ایک انگریز تھا حضرت اقدس کی ملاقات کیلئے آیا چونکہ وہ اُردو نہ جانتا تھا اس لئے مفتی محمد صادق صاحب ترجمان بنے۔ ایک گھنٹہ تک مختلف امور پر گفتگو ہوتی رہی۔

مولوی عبدالمجید صاحب کی بزدلانہ کارروائی

دہلی میں ایک مشہور و معروف مولوی عبدالمجید نامی تھے جنہوں نے مسئلہ وفات و حیات مسیح میں احمد مسیح ایک عیسائی پادری سے نہایت بُری طرح سے شکست فاش کھائی تھی جس کا مرزا حیرت صاحب نے خود کئی لوگوں کے سامنے اعتراف کیا اور کہا کہ "اسی لئے میں نے اس مباحثہ کا ذکر اپنے اخبار میں نہیں کیا" یہ ہوتا ہے باطل پرستی کا نتیجہ۔ حیات مسیح کے باطل عقیدہ نے مولوی صاحب موصوف کو یہ روزِ بد دکھایا کہ ایک پادری سے ہار گئے۔ وگرنہ اسلام تو ایک حق ہے جس کے سامنے باطل کبھی ٹھیر نہیں سکتا۔ اب انہی مولوی عبدالمجید صاحب کا ایک کارنامہ سُنیئے۔ مفتی محمد صادق صاحب ۴-۲۔ نومبر ۱۹۰۵ء کے بدر میں لکھتے ہیں کہ:۔

"جس دن ہم نے دہلی سے روانہ ہونا تھا یعنی ۴۔ نومبر ۱۹۰۵ء کو، اسی دن ایک اشتہار نکلا جس کا

مشتہر کوئی گمنام شخص عبدالرحمان نومسلم تھا۔ اور اس اشتہار میں حضرت امام علیہ السلام کو چیلنج کیا ہؤا تھا کہ فلاں فلاں مولوی صاحبان ایک جگہ جمع ہوں گے آپ کے ساتھ مباحثہ کرنیکے واسطے وہ طیار ہوئے ہیں۔ آپ بھی آئیں۔ اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔ اس مشتہر شخص کو میں نے گمنام اس واسطے کہا ہے کہ اُس دن میں نے ایک کارڈ اس شخص کے نام لکھا اور اس کارڈ پر ٹھیک وہی الفاظ پتے والی طرف لکھے جو اس اشتہار کے نیچے تھے۔ مگر ڈاک خانہ سے نکل کر وہ کارڈ پھر پھرا کر معرفت ڈاک آخر میرے پاس آگیا۔ کیونکہ مکتوب الیہ کا پتہ کہیں نہ ملتا تھا۔ حالانکہ اسی دن اس کا دیا ہؤا اشتہار سارے شہر دہلی میں تقسیم ہوتا پھرتا تھا۔ پہلے تو ہمیں تعجب ہؤا کہ یہ کیا بات ہے چیلنج تو ایک ایسے عظیم الشان شخص کو دیا گیا ہے جو تین لاکھ سے زیادہ انسانوں کا امام ہے اور پھر مقابلہ کے واسطے دہلی کے بڑے بڑے مولوی لوگوں کو مشتہر نے تیار کر رکھا ہے۔ لیکن ایسا گمنام شخص ہے کہ ڈاک خانہ تک اس کو خط نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن جب ہم اتفاقاً مولوی محمد بشیر صاحب کو ملے جو آجکل مولوی نذیر حسین صاحب کے گدی نشین ہیں تو اس اشتہار کی اصل حقیقت ہم پر کھل گئی۔ چونکہ اس اشتہار میں مولوی محمد بشیر صاحب کا نام نامی بھی درج تھا۔ اس واسطے جب ہم مولوی صاحب سے ملے جو نہایت خاکساری اور خلق کے ساتھ ہمارے ساتھ پیش آئے تو ہم نے یہ اشتہار دکھایا۔ اور دریافت کیا کہ کیا آپ نے حضرت مرزا صاحب کو مباحثہ کے واسطے طلب کیا ہے تو انہوں نے بالکل انکار کیا اور صاف کہا کہ یہ مولوی عبدالمجید صاحب کی کارروائی ہے۔ اُنہوں نے یہ اشتہار لکھا ہے۔ اور اپنے ہاں کے ایک نومسلم کا نام نیچے لکھ دیا ہے۔ اور مجھے چھپنے کے بعد دکھایا ہے۔ یہ سُن کر ہم نہایت حیران ہوئے۔ اور ایک مولوی کی ایسی بزدلانہ کرتوت کو دیکھ کر افسوس ہؤا کہ آجکل علماء اسلام کا کیا حال ہو رہا ہے۔ بدنام کنندۂ اسلام بن رہے ہیں خدا ان سے بچائے آمین"۔

دہلی والوں کا سلوک عام طور پر

اب کے دفعہ دہلی والوں کا طرز عمل اس زمانہ سے بالکل مختلف تھا جو آج سے چودہ سال پیشتر حضرت اقدس کے ساتھ اُن سے ظہور میں آیا تھا سوائے معدودے چند آدمیوں کے عموماً سب لوگ سلوک اور مروت کے ساتھ پیش آئے اور حضرت کی باتوں کو توجہ سے سنتے رہے۔ بعض نے اپنی پچھلی گستاخیوں کی معافی چاہی۔ خواص نے کوئی مخالفت نہیں کی بلکہ جس کسی کو ملنے کا اتفاق ہؤا محبت اور سلوک سے ملا۔ مولویوں کے ڈر سے بعض لوگ خود تو ملنے کو نہ آئے مگر حضرت اقدس کو سلام علیک کہلا بھیجا۔ اگرچہ اہل دہلی میں سے بیعت کسی نے نہیں کی مگر کئی ایک نے ویسے تسلیم کیا۔

کہ آپ سچے ہیں اور مسیح مرگیا ہے۔ دہلی کی جماعت نے خدمت میں بہت حصہ لیا۔

دہلی پر اُمید

حضرت اقدس دہلی سے نا اُمید نہ تھے کئی دفعہ میر ناصر نواب صاحب نے ذکر کیا کہ دلّی سے کوئی اُمید نہیں رکھنی چاہئے۔ مگر حضرت اقدس نے فرمایا کہ "میرے دل میں تو یہی آتا ہے کہ یہ بات درست نہیں۔ دلّی میں بھی بعض پاک دل ضرور چھپے ہوئے ہوں گے جو آخر اس طرف آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمارا تعلق دلّی سے کیا ہے یہ بھی خالی از حکمت نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہم کبھی نا اُمید نہیں ہو سکتے۔ آخر خود میر صاحب بھی تو دلّی کے ہی ہیں"۔

ہندوستان میں اسلام کس طرح پھیلا

دہلی کے بزرگوں اور سلاطین کا تذکرہ تھا حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

"یہ بالکل غلط ہے کہ ہندوستان میں اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا۔ ہرگز نہیں۔ ہندوستان میں اسلام بادشاہوں نے بالجبر نہیں پھیلایا۔ بلکہ اُن کو تو دین کی طرف بہت کم توجہ تھی اسلام ہند میں ان مشائخ اور بزرگانِ دین کی توجہ دعا اور تصرفات کا نتیجہ ہے جو اس ملک میں گزرے ہیں۔ بادشاہوں کو یہ توفیق کہاں ہوتی ہے کہ دلوں میں اسلام کی محبت ڈالدیں۔ جبتک کوئی آدمی اسلام کا نمونہ خود اپنے وجود سے نہ ظاہر کرے تب تک دوسرے پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ یہ بزرگ جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں فنا ہو کر خود مجسم قرآن اور مجسم اسلام اور مظہر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بن جاتے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ایک جذب عطا کیا جاتا ہے۔ اور سعید فطرتوں میں ان کا اثر ہوتا چلا جاتا ہے۔ نوّے کروڑ مسلمان ایسے ہی لوگوں کی توجہ اور جذب سے بن گیا۔ تھوڑے سے عرصہ میں کوئی دین اس کثرت کے ساتھ کبھی نہیں پھیلا۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے صلاح و تقویٰ کا نمونہ دکھلایا۔ اور ان کی برہان قوی نے جوش مارا اور لوگوں کو کھینچا۔ مگر یہ بزرگ بھی عوام کے طعن و تشنیع سے خالی نہ تھے۔ گو اس وقت لوگوں کے سامنے ہم ہی زیادہ تر گالیوں کے لئے تختۂ مشق بن رہے ہیں۔ لیکن یہ سچ ہے کہ اپنے اپنے وقت میں ان سب نے دکھ اُٹھایا ہے۔ یہ ہمارے علما ہمیشہ کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہے ہیں"۔

سماع

ذکر آیا کہ بعض بزرگ راگ سنتے رہے ہیں۔ آیا یہ جائز ہے۔ فرمایا :-

"اس طرح بزرگانِ دین پر بدظنی کرنا اچھا نہیں۔ حسن ظن سے کام لینا چاہئے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشعار سُنے تھے۔ لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک صحابی مسجد کے اندر شعر پڑھتا تھا۔ حضرت عمر نے اُسے منع کیا تو اُس نے جواب دیا میں نبی کریم صلعم کے سامنے مسجد میں شعر پڑھا کرتا تھا۔ تو تُو کون ہے جو مجھے روک سکے۔ یہ سُن کر

حضرت امیرالمومنین بالکل خاموش ہو گئے۔ قرآن شریف کو بھی خوش الحانی سے پڑھنا چاہیے۔ بلکہ اس قدر تاکید ہے کہ جو شخص قرآن شریف کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اور خود اس میں ایک اثر ہے۔ عمدہ تقریر خوش الحانی سے کی جائے تو اس کا بھی اثر ہوتا ہے۔ وہی تقریر ژولیدہ بیانی سے کی جائے تو اس میں کوئی اثر نہیں ہوتا جس شے میں خدا نے تاثیر رکھی ہے اس کو اسلام کی طرف کھینچنے کا آلہ بنایا جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ حضرت داؤد کی زبور گیتوں میں تھی جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب حضرت داؤد خدا کی مناجات کرتے تھے تو پہاڑ بھی اُن کے ساتھ روتے تھے اور پرندے بھی تسبیح کرتے تھے۔"

مزامیر

یہاں ایک شخص درمیان میں بول پڑا کہ مزامیر کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے۔ فرمایا:۔

"بعض نے قرآن شریف کے لفظ لہوالحدیث کو مزامیر سے تعبیر کیا ہے۔ مگر میرا مذہب یہ ہے کہ ہر ایک شخص کو مقام اور محل دیکھنا چاہیے۔ ایک شخص کو جو اپنے اندر بہت سے علوم رکھتا ہے اور تقویٰ کے علامات اس میں پائے جاتے ہیں اور متقی باخدا ہونے کی ہزار دلیل اس میں موجود ہے صرف ایک بات جو تمہیں سمجھ میں نہیں آتی اس کی وجہ سے اُسے بُرا نہ کہو۔ اس طرح انسان محروم رہ جاتا ہے۔ بایزید بسطامی صاحب کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ لوگ بہت ان کے گرد ہوئے اور انکے وقت کو پراگندہ کرتے تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ اُنہوں نے سب کے سامنے روٹی کھانی شروع کر دی تب سب لوگ کافر کہہ کر بھاگ گئے۔ عوام واقف نہ تھے کہ یہ مسافر ہے اور اس کے واسطے روزہ ضروری نہیں۔ لوگ نفرت کر کے بھاگے۔ ان کے واسطے عبادت کیلئے مقام خلوت حاصل ہو گیا۔"

اسرار

"یہ اسرار ہیں اور ان کے واسطے ایک عمدہ مثال خود قرآن شریف میں موجود ہے۔ جہاں حضرت خضر نے ایک کشتی توڑ ڈالی۔ اور ایک لڑکے کو قتل کر دیا۔ کوئی ظاہر شریعت اُن کو ایسے کام کی اجازت نہ دے سکتی تھی۔ اس قصہ سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔ خضری اسرار اس اُمت میں ہمیشہ پائے جاتے رہے ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام کمالات متفرقہ کے جامع تھے۔ اور ظلی طور پر وہ کمالات آنحضرت صلعم کی اُمت میں بھی موجود ہیں جو خضر نے کیا آئندہ صاحبان کمالات بھی حسب ضرورت کرتے رہینگے۔ جہاں حضرت خضر نے ایک نفس زکیہ کو قتل کر دیا۔ اس کے بالمقابل مزامیر کیا شے ہے۔ لہذا جلدبازی نہیں کرنی چاہیے۔ جلدبازی انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ دوسرے علامات کو دیکھنا چاہیے جو اولیاء الرحمٰن میں پائی جاتی ہیں۔ ان لوگوں کا معاملہ بہت نازک ہوتا ہے۔ اس میں بڑی احتیاط لازم ہے۔ جو اعتراض کرے گا وہ مارا جائے گا۔

تعجب ہے کہ زبان کھولنے والے خود گندے لوگ ہوتے ہیں اور ان کے دل ناپاک ہوتے ہیں اور پھر بزرگوں پر اعتراض کرتے ہیں۔"

نظر بد "یہ بھی دیکھتا ہوں کہ اولیاء اللہ میں کسی ایسی بات کا ہونا بھی سنت اللہ میں سے چلا آتا ہے۔ جیسا کہ خوبصورت بچہ کو جب ماں عمدہ لباس پہنا کر باہر نکالتی ہے تو اس کے چہرہ پر ایک سیاہی کا داغ بھی لگا دیتی ہے تاکہ وہ نظرِ بد سے بچا رہے۔ ایسا ہی خدا بھی اپنے پاکیزہ بندوں کے ظاہری حالات میں ایک ایسی بات رکھ دیتا ہے جس سے بدلوگ اس سے دور رہیں۔ اور صرف نیک لوگ اس کے گرد جمع رہیں۔ سعید آدمی چہرہ کی اصلی خوبصورتی کو دیکھتا ہے۔ اور شقی کا دھیان اس داغ کی طرف رہتا ہے۔ امرتسر کا واقعہ ہے۔ ایک دعوت میں چند مولوی شریک تھے۔ اور صاحب مکان نے مجھے بھی بلایا ہوا تھا۔ چائے لائی گئی۔ مَیں نے پیالی بائیں ہاتھ سے پکڑی۔ تب سب نے اعتراض کیا کہ یہ سنت کے برخلاف کام کرتا ہے۔ مَیں نے کہا کہ یہ سُنت ہے کہ پیالی دائیں ہاتھ سے پکڑی جائے۔ مگر کیا یہ سنت نہیں کہ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْم۔ جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے متعلق اپنی زبان نہ کھول۔ کیا آپ لوگوں کو مناسب نہ تھا کہ مجھ پر حسن ظن کرتے اور خاموش رہتے۔ یا یہ نہیں ہو سکتا تھا تو اعتراض کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھ ہی لیتے کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے۔ پھر مَیں نے بتلایا کہ اصل بات یہ ہے کہ میرے دائیں بازو کی ہڈی بچپن سے ٹوٹی ہوئی ہے اور پیالی پکڑ کر میں ہاتھ کو اُوپر نہیں اُٹھا سکتا۔ جب یہ بات اُنہیں بتلائی گئی تب وہ سُن کر شرمندہ ہو گئے۔"

قیام لدھیانہ

مولوی عبد القادر صاحب لدھیانہ سے خاص طور پر دہلی جا کر حضرت اقدس سے جماعت لدھیانہ کی دعوت منظور کرا آئے تھے اور آپ نے لدھیانہ قیام فرمانے کا وعدہ کر لیا تھا۔ ۴۔ نومبر ۱۹۰۵ء کی شام کو ۸ ۱/۲ بجے حضرت اقدس معہ اہل و عیال اور خدام کے دہلی سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں سرہند کے اسٹیشن پر چند دوست شامل ہوئے۔ صبح ۸ ۱/۲ بجے کے قریب گاڑی لدھیانہ کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچی جہاں قریب ایک ہزار آدمی کے حضرت کے استقبال اور زیارت کیلئے موجود تھا۔ علاوہ شہر لدھیانہ کے ارد گرد کے گاؤں اور پٹیالہ اور راہوں کپورتھلہ، بنگہ، حاجی پورہ، بسی، مالیر کوٹلہ وغیرہ وغیرہ مقامات کے احباب اور دیگر زائرین جمع تھے۔ احباب لدھیانہ نے ایک بہت وسیع مکان مردانہ اور زنانہ پہلے سے ہر طرح آراستہ اور تیار کر رکھا تھا۔ اور ہر طرح کا انتظام کھانے

وغیرہ کا بہت اچھا کر رکھا تھا۔ زائرین کا ہجوم ہر وقت لگا رہتا اور صدہا مخلوق کی آمد و رفت کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ۴۔ نومبر کی شام کو ہی مولوی نورالدین صاحب کا وعظ ہوا جو بہت مؤثر تھا۔ ۵۔ نومبر کی صبح کو حضرت اقدس کا وعظ ہوا۔

سعد اللہ لدھیانوی کے اشتہارات

حضرت اقدس کے ورود لدھیانہ پر مولوی سعد اللہ لدھیانوی اور دیگر مولویوں نے نہایت گندے اشتہارات مخالفت میں دیئے۔ بالخصوص مولوی سعد اللہ نومسلم کا دو ورقہ اشتہار جو "سعد اللہ نومسلم کی دہائی" کے عنوان سے شائع ہوا بہت ہی گندہ اور گالیوں سے پُر تھا۔ اُس کا جواب بذریعہ ایک اشتہار کے مؤرخہ ۶۔ نومبر کو شیخ یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر الحکم نے دیا اور اس کی گالیوں کو چھوڑ کر اس کے مطالبات کا جواب نہایت دندان شکن دیا اور اس کو مباحثہ کا چیلنج بھی دیا۔ لیکن جن کے پاس سوائے ہرزہ سرائی کے اور کچھ نہ ہو انہوں نے مقابلہ پر کہاں آنا تھا۔ ایک اور مولوی صاحب کے اشتہار کا جواب بھی شیخ یعقوب علی صاحب نے ہی دیا۔

حضرت اقدس کا لیکچر لدھیانہ

۶۔ نومبر ۱۹۰۵ء کو حضرت اقدس کے ایک لیکچر کے متعلق جماعت لدھیانہ نے پہلے سے اشتہار دیدیا ہوا تھا جس میں لکھا تھا کہ ۶۔ نومبر ۱۹۰۵ء کو صبح آٹھ بجے متصل مکان آریہ سکول محاذ کمیٹی باغ حضرت مرزا صاحب لیکچر دیں گے جس میں اسلام کی سچائی اور اُس کی موجودہ حالت اور اصلاح کے وسائل کا ذکر ہوگا اور اس میں ظاہر کریں گے کہ حقیقی نجات کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ اور نیز اُن غلطیوں کو دُور کریں گے جو مسلمانوں میں اسلامی توحید کے متعلق پھیل گئی ہیں۔ نیز آپ اس تقریر میں اپنے دعاوی کے دلائل بھی بیان فرماویں گے۔ یہ تقریر محض تبلیغ کے طور پر ہوگی۔ اس مجمع میں بولنے اور بحث کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ چنانچہ وقت مقررہ پر ہزارہا آدمی کا مجمع موجود ہوگیا۔ اور ۶۔ نومبر ۱۹۰۵ء کو صبح ½۸ بجے سے لیکر ½۱۱ بجے دن تک حضرت اقدس کا لیکچر قریباً تین گھنٹہ اسلام کی خوبیوں اور سلسلہ حقہ کی صداقت پر ہوتا رہا۔ یہ لیکچر ستمبر و اکتوبر ۱۹۰۶ء کے الحکم کی فائیلوں میں چھپا ہوا موجود ہے اور قابل دید ہے۔ اس میں سے حضرت اقدس کی تقریر کا وہ حصہ جو آپ کے عقیدہ کے متعلق ہے یہاں پیش کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"میں ابتداء سے بیان کرتا آیا ہوں کہ مَیں قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ذرا اِدھر اُدھر ہونا بے ایمانی سمجھتا ہوں۔ میرا عقیدہ یہی ہے کہ جو اس کو ذرا بھی چھوڑیگا وہ جہنمی ہے۔ پھر اس عقیدہ کو مَیں نے نہ صرف تقریروں میں بلکہ ساٹھ کے قریب اپنی تصنیفات میں بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اور دن رات مجھے یہی فکر اور خیال رہتا ہے۔ پھر اگر یہ مخالف خدا سے ڈرتے تو کیا اُن کا فرض نہ تھا کہ جو مجھ سے پوچھتے کہ فلاں بات خارج از اسلام ہے اس

کی کیا وجہ ہے یا اس کا تم کیا جواب دیتے ہو۔ مگر نہیں اس کی ذرا بھی پروا نہیں کی۔ سُنا اور کافر کہدیا۔ مَیں نہایت تعجب سے ان کی اس حرکت کو دیکھتا ہوں کیونکہ اوّل تو حیات و وفات مسیح کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو اسلام میں داخل ہونے کیلئے شرط ہو۔ یہاں بھی ہندو یا عیسائی مسلمان ہوتے ہیں مگر بتاؤ کہ کیا ان سے بھی یہ اقرار لیتے ہو؟ بجز اس کے کہ اٰمنتُ باللّٰہ وملٰئکتہٖ وکتبہٖ ورسلہٖ والقدر خیرہٖ وشرہٖ من اللّٰہ تعالٰی والبعث بعد الموت جبکہ یہ مسئلہ اسلام کا جزو نہیں۔ پھر مجھ پر وفات مسیح کے اعلان سے اس قدر تشدد کیوں کیا گیا کہ یہ کافر ہیں دجال ہیں ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے ان کے مال لوٹ لینے جائز ہیں اور ان کی عورتوں کو بغیر نکاح گھر میں رکھ لینا درست ہے۔ ان کو قتل کر دینا ثواب کا کام ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ایک تو وہ زمانہ تھا کہ یہی مولوی شور مچاتے تھے کہ اگر ۹۹ وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تب بھی کفر کا فتویٰ نہ دینا چاہئے۔ اُس کو مسلمان ہی کہو۔ مگر اب کیا ہوگیا۔ کیا مَیں اس سے بھی گیا گزرا ہوگیا؟ کیا مَیں اور میری جماعت اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ نہیں پڑھتی۔ کیا مَیں نمازیں نہیں پڑھتا یا میرے مرید نہیں پڑھتے کیا ہم رمضان کے روزے نہیں رکھتے؟ اور کیا ہم ان تمام عقائد کے پابند نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسلام کی صورت میں تلقین کئے ہیں۔ مَیں سچ کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں اور میری جماعت مسلمان ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور قرآن کریم پر اسی طرح ایمان لاتی ہے جس طرح پر ایک سچے مسلمان کو لانا چاہئے مَیں ایک ذرہ بھی اسلام سے باہر قدم رکھنا ہلاکت کا موجب یقین کرتا ہوں۔ اور میرا یہی مذہب ہے کہ جس قدر فیوض اور برکات کوئی شخص حاصل کر سکتا ہے اور جس قدر تقرب الی اللہ پا سکتا ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت اور کامل محبت سے پا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ آپکے سوا اب کوئی راہ نیکی کی نہیں۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ مَیں ہرگز یقین نہیں کرتا کہ مسیح علیہ السلام اسی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر گئے ہوں اور اب تک زندہ قائم ہوں اس لئے کہ اس مسئلہ کو مان کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سخت توہین اور بے حرمتی ہوتی ہے۔ مَیں ایک لحظہ کے لئے بھی اس ہتک کو گوارا نہیں کر سکتا۔...... اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اب تک زندہ رہتے تو حرج نہ تھا۔ اس لئے کہ آپ وہ عظیم الشان ہدایت لیکر آئے تھے جس کی نظیر دنیا میں پائی نہیں جاتی۔ اور آپ نے وہ عملی حالتیں دکھائیں کہ آدم سے لیکر اس وقت تک کوئی اُن کا نمونہ اور نظیر پیش نہیں کر سکتا۔

مَیں تم کو سچ سچ کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی ضرورت دنیا اور مسلمانوں کو جس قدر تھی اس قدر ضرورت مسیح کے وجود کی نہیں تھی ...... مَیں سچ سچ کہتا ہوں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہتے تو ایک فرد بھی کافر نہ رہتا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زندگی نے کیا نتیجہ دکھایا؟ بجز اس کے کہ چالیس کروڑ (تثلیث پرست) عیسائی ہیں۔"

آگے چل کر ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔ اب کوئی اَور کلمہ یا کوئی اور نماز نہیں ہوسکتی۔ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا کرکے دکھایا اور جو کچھ قرآن شریف میں ہے اس کو چھوڑ کر نجات نہیں مل سکتی۔ جو اس کو چھوڑے گا وہ جہنم میں جاوے گا۔ یہ ہمارا مذہب اور عقیدہ ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس اُمت کے لئے مخاطبات اور مکالمات کا دروازہ کھلا ہے اور یہ دروازہ گویا قرآن مجید کی سچائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ہر وقت تازہ شہادت ہے۔ اور اس کے لئے خدا تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ ہی میں دعا سکھائی ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ انعمت علیھم کی راہ کے لئے جو دعا سکھائی تو اس میں انبیا علیہم السلام کے کمالات کے حصول کا اشارہ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ انبیا علیہم السلام کو جو کمال دیا گیا ہے وہ معرفت الٰہی ہی کا کمال ہے۔ اور یہ نعمت ان کو مکالمات اور مخاطبات سے ملی تھی اسی کے تم بھی خواہاں رہو۔"

پھر فرماتے ہیں:۔

"اب صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو کامل اور زندہ مذہب ہے۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ پھر اسلام کی عظمت اور شوکت ظاہر ہو اور اسی مقصد کو لیکر مَیں آیا ہوں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ جو انوار و برکات اس وقت آسمان سے اُتر رہے ہیں وہ اُن کی قدر کریں اور اللہ تعالیٰ کا شکر کریں کہ وقت پر ان کی دستگیری ہوئی اور خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اس مصیبت کے وقت ان کی نصرت فرمائی۔ لیکن اگر وہ خدا تعالیٰ کی اس نعمت کی قدر نہ کریں گے تو خدا تعالیٰ ان کی کچھ پروا نہ کرے گا۔ وہ اپنا کام کرکے رہے گا مگر اُن پر افسوس ہوگا۔ مَیں بڑے زور سے اور پورے یقین اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ دوسرے مذاہب کو مٹادے اور اسلام کو غلبہ اور قوت دے۔ اب کوئی ہاتھ اور طاقت نہیں جو خدا تعالیٰ کے اس ارادہ کا مقابلہ کرے۔ وہ فعّالٌ لما یرید ہے۔

مسلمانو! یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں یہ خبر دیدی ہے۔ اور مَیں نے اپنا پیام پہنچا دیا ہے۔ اب اس کو سُننا نہ سُننا تمہارے اختیار میں ہے۔ یہ سچی بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام وفات پا چکے ہیں اور مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو موعود آنے والا تھا وہ مَیں ہی ہوں۔ اور یہ بھی پکّی بات ہے کہ اسلام کی زندگی عیسیٰ کے مرنے میں ہے۔"

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"یاد رکھو کہ میرے آنے کی دو غرضیں ہیں:۔

(۱) "ایک یہ کہ جو غلبہ اس وقت اسلام پر دوسرے مذاہب کا ہوا ہے گویا وہ اسلام کو کھاتے جاتے ہیں اور اسلام نہایت کمزور اور یتیم بچّہ کی طرح ہو گیا ہے۔ اس لئے اس وقت خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تا مَیں ادیان باطلہ کے حملوں سے اسلام کو بچاؤں اور اسلام کے پُر زور دلائل اور صداقتوں کے ثبوت پیش کروں۔ اور وہ ثبوت علمی دلائل کے انوار اور برکات سماوی ہیں جو ہمیشہ سے اسلام کی تائید میں ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ اس وقت اگر تم پادریوں کی رپورٹیں پڑھو تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ اسلام کی مخالفت کے لئے کیا کیا سامان شائع کر رہے ہیں اور اُن کا ایک ایک پرچہ کتنی تعداد میں شائع ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں ضروری تھا کہ اسلام کا بول بالا کیا جاتا۔ پس اس غرض کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے اور مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ اسلام کا غلبہ ہو کر رہے گا اور اس کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں۔ ہاں یہ سچی بات ہے کہ اس غلبہ کے لئے کسی تلوار اور بندوق کی حاجت نہیں اور نہ خدا نے مجھے ہتھیاروں کے ساتھ بھیجا ہے۔ جو شخص اس وقت یہ خیال کرے وہ اسلام کا نادان دوست ہوگا۔ مذہب کی غرض دلوں کو فتح کرنا ہوتی ہے اور یہ غرض تلوار سے حاصل نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تلوار اُٹھائی مَیں بہت مرتبہ ظاہر کر چکا ہوں کہ وہ تلوار محض حفاظت خود اختیاری اور دفاع کے طور پر تھی۔ اور وہ بھی اس وقت جبکہ مخالفین اور منکرین کے مظالم حد سے گزر گئے اور بیکس مسلمانوں کے خون سے زمین سرخ ہو چکی۔ غرض میرے آنے کی غرض تو یہ ہے کہ اسلام کا غلبہ دوسرے ادیان پر ہو۔

(۲) دوسرا کام یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں اور یہ کرتے ہیں اور وہ کرتے ہیں۔ یہ صرف زبانوں پر حساب ہے۔ اس کیلئے ضرورت ہے کہ وہ کیفیت انسان کے اندر پیدا ہو جاوے جو اسلام کا مغز اور اصل ہے۔"

یہ لیکچر بہت مؤثر اور بصیرت افروز تھا اور تین گھنٹہ برابر لوگوں نے نہایت اطمینان سے سُنا۔ لیکچر کے بعد مولوی عبدالصمد صاحب پٹیالوی نے ایک نظم حضرت کی تصدیق میں پڑھی۔ ازاں بعد مصری شاہ صاحب ساکن نواشہر ضلع جالندھر نے اپنا رؤیا خدا تعالیٰ کی قسم کھا کے بیان کیا جس کے رُو سے اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے دہن مبارک سے حضرت اقدس کے مدارج کو سُنا اور تصدیق کی۔

۷۔ نومبر کی صبح کو بھی حضرت اقدس نے وعظ فرمایا۔ اور ۸۔ نومبر ۱۹۰۵ء کی صبح کو آپ لدھیانہ سے روانہ ہوئے۔

قیام امرتسر

لیکچر امرتسر

حضرت اقدس ۸۔ نومبر ۱۹۰۵ء کی صبح کو لدھیانہ سے روانہ ہو کر دوپہر کو امرت سر پہنچ گئے۔ اور امرت سر کی جماعت کی استدعا پر آپ نے ڈیڑھ دن امرتسر میں قیام فرمایا۔ امرت سر کی جماعت نے ایک اعلان آپ کے لیکچر کے متعلق امرتسر میں مشتہر کیا۔ جس میں اعلان کیا کہ آپ ۹۔ نومبر ۱۹۰۵ء کو جمعرات کے دن بوقت ۸ بجے صبح بمقام منڈوہ کنھیالال ایک عام لیکچر دیں گے جس میں آپ اسلام کی خوبیوں اور اس کی سچائی پر دلائل دیں گے جو معقولی رنگ کے علاوہ اسلام کے زندہ ثمرات اور انوار و برکات پر بھی مشتمل ہوں گی وغیرہ وغیرہ۔ اور اپنے دعاوی پر دلائل بھی پیش کریں گے۔ چونکہ امرتسر مخالفت کا گھر تھا اور مخالف مولویوں کا یہاں بڑا زور تھا۔ اور اندیشہ تھا کہ تقریر کے دَوران میں فریق مخالف شوروفساد نہ مچاوے۔ اس لئے اس اشتہار کے ابتدا میں ہی جلی حروف میں ایک قسم بھی شائع کر دی گئی جو یہ تھی کہ "دیکھو۔ ہم ہر ایک مسلمان اور دوسرے مذاہب کے پیروؤں کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتے ہیں (جس کی قسم سے تجاوز کرنا سخت گناہ ہے) کہ کوئی صاحب ہماری تقریر کے پہلے یا درمیان میں یا بعد میں ہمارے مقابل مخالفانہ اعتراض یا سوال نہ کریں"۔ اور یہ ضروری تھا کیونکہ اس لیکچر سے مقصد محض تبلیغ تھی۔ کوئی مباحثہ نہ تھا۔ لیکن جب فریق مخالف کا مقصد ہی ہنگامہ آرائی اور فتنہ انگیزی ہو تو اس کا کیا علاج۔ آخر وہی ہُوا جس کا اندیشہ تھا۔ صبح ہی حضرت اقدس نے اپنا ایک رؤیا سنایا کہ خواب میں گنّوں کا کھیت دکھائی دیا ہے۔ جس سے مراد کوئی مفسدہ اور ہنگامہ ہُوا کرتا ہے۔ خیر وقت پر منڈوہ کا سارا ہال آدمیوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ اگرچہ آپ کی طبیعت کمزور ہو رہی تھی۔ تاہم صبح ۸ بجے کے بعد حضرت اقدس نے تقریر شروع کر دی۔ پہلے یہ بیان فرمایا کہ قریباً چودہ سال پہلے جبکہ مَیں یہاں آیا تھا تو اس وقت چند آدمی میرے ساتھ تھے۔ مولوی لوگوں نے مجھ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ اور عبدالحق غزنوی نے میرے ساتھ

مباہلہ کیا یعنی مَیں نے اور اُس نے بالمقابل قسم کھائی جس میں مَیں نے فقط اپنے لئے بد دعا کی کہ اگر مَیں اپنے دعوے میں جھوٹا اور مفتری ہوں تو خدا مجھے ذلیل اور ہلاک کرے۔ اس مباہلہ کے بعد خدا تعالیٰ نے بجائے مجھے ہلاک اور ذلیل کرنے کے اپنے فضل سے میری نہایت درجہ نصرت فرمائی۔ آج ہزارہا آدمی میرے مرید ہیں اور کثرت سے مخلصین میرے گرد ہیں۔ پھر باوجود مخالفین کی سخت کوششوں اور منصوبوں کے خدا تعالیٰ نے مجھے مقدمات سے بچایا وغیرہ وغیرہ۔ غرض قریب پونے گھنٹہ کے حضرت نے تقریر کی تھی جو آپ کے ایک مرید نے یہ خیال کر کے کہ غالباً گلا خشک ہو گیا ہو گا بغیر آپ کے طلب کئے ہوئے چائے کی پیالی پیش کر دی اگرچہ بوجہ سفر اور طبیعت کے بیمار ہونے کے آپ کو روزہ نہ تھا لیکن تاہم آپ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ خواہ مخواہ لوگوں کو اعتراض کا موقعہ دیا جائے۔ چنانچہ لدھیانہ کے لیکچر میں آپ نے مطلق چائے وغیرہ طلب نہیں کی۔ اسی طرح یہاں امرتسر میں بھی آپ نے چائے طلب نہیں کی تھی۔ مرید نے جوش خدمت میں بغیر طلب کئے ہوئے از خود ہی چائے پیش کر دی۔ آپ کو ریاکاری اور نمائش سے سخت نفرت تھی۔ جب چائے پیش کر دی گئی تو آپ نے غلط طور پر یہ دکھلانا پسند نہیں کیا کہ گویا آپ روزہ سے ہیں۔ آپ نے ایک گھونٹ چائے کا پی لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ مخالفوں کو تو موقعہ مل گیا۔ ایک دفعہ ہی شور برپا کر دیا کہ رمضان کا مہینہ ہے روزہ کیوں نہیں رکھا۔ حضرت نے فرمایا کہ مَیں مسافر ہوں۔ نیز مریض ہوں۔ خدا قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ فمن کان منکم مریضًا او علٰی سفرٍ فعدۃٌ من ایامٍ اُخر۔ کہ جو کوئی تم میں سے مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔ اور حدیث شریف میں رخصت سے فائدہ اُٹھانے کی یہاں تک تاکید ہے کہ ایک صحابی کو جس نے سفر میں روزہ نہ توڑا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نافرمان کا خطاب دیا۔ لیکن مولوی ثناء اللہ کی پارٹی اور غزنویوں کا گروہ جو پہلے سے ہی ہنگامہ آرائی اور فساد کے لئے آمادہ ہو کر آئے تھے کسی کی کب سنتے تھے۔ برابر شور مچاتے گئے یہاں تک کہ کھڑے ہو کر تالیاں اور سیٹیاں بجائیں اور فحش گالیاں دینی شروع کر دیں۔ امرتسر کے رؤسا نے بار بار کھڑے ہو کر اُن کو سمجھایا۔ اور پولیس نے بٹھانے اور خاموش کرانے کی بہت کوشش کی مگر کسی نے ایک نہ مانی۔ اور اس قدر شور برپا کیا کہ لیکچر کو بند کرنا پڑا۔ پولیس نے لوگوں کو منتشر کرنا چاہا مگر نہ ہوئے۔ آخر مناسب یہی سمجھا گیا کہ حضرت اقدس مکان کو تشریف لیجائیں۔ چنانچہ حضرت اقدس کو ایک بند گاڑی میں سوار کرایا۔ لیکن جیسے ہی کہ حضرت اقدس گاڑی پر سوار ہوئے ان مفسد لوگوں نے پتھر اور اینٹیں بارش کی مانند برسانی شروع کر دیں۔ یہ خدا کی حفاظت تھی جو حضرت اقدس بمعہ اپنے احباب کے بچ گئے۔ ورنہ زخمی ہو جانے یا جان چلی جانے میں کیا کسر باقی رہ گئی تھی۔ کچھ خدا نے ہی اپنے فرشتوں کے ذریعہ حفاظت کی۔

ورنہ بند گاڑی کے شیشہ پر پتھر لگ کر اگر شیشہ ٹوٹ کر اندر آجاتا تو کیسا خطرناک تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ حضرت اقدس کو کوئی پتھر نہ لگا اور آپ کے خدام بھی بال بال بچ گئے۔ حضرت نے اُسی جگہ فرمایا کہ "ضرور تھا کہ یہ سنت بھی پوری ہوتی"۔ خدا کے فرستادوں کو پتھر مارنا سدا سے اہل باطل کا شیوہ رہا ہے۔ ہمارے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف والے بارہ کوس تک تعاقب کرتے اور پتھر مارتے آئے تھے۔ امرتسر کی احمدی جماعت نے حضرت اقدس اور آپ کے احباب کی جو کثرت سے جمع ہو گئے تھے بہت اچھی طرح خدمت اور مہمانداری کی +

ورود قادیان آخر بروز جمعہ ۱۰۔ نومبر ۱۹۰۵ء کو ۱۲ بجے دن کے قریب حضرت اقدس بمعہ اہل و عیال اور خدام کے بخیر و عافیت قادیان پہنچ گئے۔ اور نماز جمعہ باجماعت ادا فرمائی +

عبرت دوران لیکچر میں مجبوری سے حضرت اقدس کا چائے پی لینا کوئی خلاف شرع فعل نہ تھا۔ خدا اور رسولؐ کا مسافر اور مریض کو روزہ افطار کرنے کا حکم ہے۔ پھر کوئی دنیادار شہرت طلب انسان ہوتا تو وہ ہرگز ایسی اخلاقی جرأت نہ دکھاتا کہ روزہ نہ ہونے کی صورت میں پبلک کے سامنے رمضان میں چائے پی لیتا۔ مرید نے اگر غلطی سے چائے پیش کی بھی تھی تو کہہ دیتا کہ ہٹالو مجھے روزہ ہے۔ اُسے تو اپنی شہرت اور ہوا باندھنے کی فکر ہوتی ہے۔ وہ کب کوئی ایسا کام کر سکتا ہے جو جہلا اور عام پبلک کی نگاہ میں محل اعتراض ہو۔ آجکل یہ مرض عام ہے کہ جو لوگ خدا کے ایک حکم روزہ رکھنے پر عمل کرتے ہیں وہ اُسی خدا کے دوسرے حکم سے بالکل بے پرواہیں یعنی لوگ باوجود مریض یا مسافر ہونے کے روزہ افطار نہیں کرتے۔ بعض نے تو سفر اور مرض کے متعلق ایسی کڑی شرائط اختراع کر رکھی ہیں کہ نہ وہ شرطیں پوری ہوں اور نہ کبھی اس رخصت پر عمل کرنے کا موقعہ ملے۔ اور بعض یہ کہدیتے ہیں کہ رمضان کے بعد روزہ رکھنا بڑا مشکل ہے لہذا الشم پشتم جس طرح بنے روزہ رکھتے چلو۔ اور بعض بظاہر روزہ رکھ لیتے ہیں لیکن درپردہ کھاتے پیتے رہتے ہیں۔ غرضکہ اس بات کی طرف سے قطعاً بے توجہی ہے کہ جیسے ایک تندرست اور مقیم کے لئے رمضان میں روزہ رکھنا خدا کا حکم ہے ویسے ہی ایک مریض یا مسافر کے لئے روزہ افطار کرنا بھی خدا کا ہی حکم ہے۔ ایک مصلح یا مجدّد کا ہی کام ہو سکتا تھا کہ وہ رائے عامہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسافر اور مریض ہونے کی حالت میں اس حکم پر عمل کرنے کیلئے لوگوں کو توجہ دلاتا اور کوشش کرتا کہ مسلمانوں سے یہ کمزوری رفع ہو کہ رمضان کے بعد روزہ رکھنا مشکل ہے آخر جب روزہ رکھنا خدا کا حکم ہے تو جیسے رمضان میں روزہ رکھنا ضروری ہے ویسا ہی بیماری یا سفر کی وجہ سے دوسرے دنوں میں بھی روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اگر خدا کے حکم کی کوئی عزت دل

میں ہے تو جیسے رمضان میں روزہ رکھنا ضروری سمجھتے ہو ویسے ہی بعد میں بھی روزہ رکھنا ضروری سمجھو۔ ورنہ رمضان میں دیکھا دیکھی سب کے ساتھ رسمی طور پر روزہ رکھنا اور رمضان کے بعد کفارہ کے روزہ میں سستی کرنا کوئی خوبی نہیں۔ بلکہ نافرمانی ہے۔ حضرت اقدس مرزا صاحب نے اگرچہ خود تو نہ چاہا تھا کہ اس میں لوگوں کو ابتلا آجانے اور فتنہ اُٹھنے کا اندیشہ تھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے ہی چاہا اور ایسے اسباب پیدا ہو گئے جن سے خواہ مخواہ یہ مسئلہ سامنے آگیا۔ آپ کے اس فعل سے باوجود اس امر کے کہ ٹھیک مطابق شرع تھا اور اپنے اندر لوگوں کے کسل و غفلت کی اصلاح کا رنگ رکھتا تھا مخالفین کو شرارت اور فتنہ انگیزی کرنے کا موقعہ مل گیا مگر خدا تو بڑا غیور ہے۔ آخر اس کی غیرت اپنا جلوہ دکھا کر رہی ۱۹۰۹ء میں عین رمضان کے مہینہ میں امرتسر میں اس قدر ملیریا پڑا اور بخار سے مسلمان پبلک اس قدر صاحب فراش ہوئی کہ تقریباً سارا شہر رمضان میں روزہ نہ رکھ سکا۔ اور غربا کیلئے شربت اور دیسی دواؤں کی دکانیں شہر میں مفت کھلی گئیں۔ اور لوگ برملا بازاروں میں شربت اور دوائیاں پیتے پھرے۔ اور رمضان رمضان نہ رہا۔ امرت سر والوں کے لئے ایک کھانے پینے کا مہینہ بن گیا۔ اور اُنہیں وہی کچھ کرنا پڑا جس کا بہانہ سامنے رکھ کر ایک برگزیدۂ الٰہی پر پتھر برسائے تھے۔ یہ ہوتی ہے خدا کی غیرت۔ اور خدا کے ولیوں سے دشمنی کا نتیجہ۔ کہ خدا توفیقِ عمل چھین لیتا ہے۔

الوصیّت

الہامات دربارۂ وفات ۱۹۰۵ء کے آخر میں حضرت اقدس کو بار بار ایسے الہامات ہوئے جن میں یہ بتلایا گیا کہ آپ کی عمر کی میعاد اب قریب الاختتام ہے اور آپ کا زمانۂ وفات قریب ہے۔

۲۹۔ نومبر ۱۹۰۵ء کو یہ الہامات ہوئے کہ:۔

(۱) قَلَّ میعادُ ربِّك (تیرے رب کی مقرر کردہ میعاد بہت تھوڑی رہ گئی ہے)

(۲) بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔

(۳) اس دن سب پر اُداسی چھا جائے گی۔

پھر ۶۔ دسمبر ۱۹۰۵ء کو الہام ہوا:۔

(۴) قرب اجلك المقدر ولا نبقی لك من المخزیات ذکرا۔ (ترجمہ) تیری اجل قریب آگئی ہے اور ہم تیرے متعلق ایسی باتوں کا نام و نشان نہیں چھوڑیں گے جن کا ذکر تیری رسوائی کا موجب ہو۔

(۵) پھر الہام ہوا۔ قلّ میعاد ربّك ولا نبقی لك من المخزیات شیئا۔ (ترجمہ تیری نسبت خدا کی مقرر کردہ میعاد تھوڑی رہ گئی ہے اور ہم ایسے تمام اعتراض دُور کر دیں گے۔ اور کچھ بھی اُن میں سے باقی نہیں رکھیں گے جن کے بیان سے تیری رسوائی مطلوب ہو۔

(۶) ۷۔ دسمبر کو پھر یہی الہامات ہوئے۔ اور ساتھ یہ الفاظ زائد تھے "واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین"۔ اس کے بعد یہ سلسلہ الہامات کا جاری رہا۔

(۷) قرب اجلك المقدر ولا نبقی لك من المخزیات ذکرًا۔ دوبارہ الہام ہوا۔

حضرت اقدس نے فرمایا۔ ان الہامات پر غور کر کے مَیں یہی سمجھتا ہوں کہ میری وفات کا زمانہ بہت ہی قریب ہے۔ ۷۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو بھی یہی الہام ہوا تھا۔ اس وقت اس کے ساتھ رویا بھی تھی۔ دیکھا کہ مجھے کنوئیں کی ایک کوری ٹنڈ میں پانی دیا گیا ہے جس میں دو تین گھونٹ پانی باقی رہ گیا ہے۔ اور وہ پانی نہایت صاف اور مقطّر ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ الہام ہوا کہ آبِ زندگی۔

(خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ دو تین گھونٹ بعد میں دو تین سال ثابت ہوئے کیونکہ اس سے قریبًا اڑھائی سال کے بعد آپ کی وفات ہوئی)

(۸) دسمبر ۱۹۰۵ء میں ہی یہ بھی الہام ہوا کہ واِمّا نرینّك بعض الّذی نعدھم او نتوفّینّك ترجمہ۔ اور ہم اس بات پر قادر ہیں کہ جو کچھ مخالفوں کی نسبت ہماری پیشگوئیاں ہیں ان میں سے تجھے کچھ دکھا دیں یا تجھے وفات دیدیں۔

(۹) اور یہ بھی الہام ہوا۔ تموتُ وانا راضٍ منك۔ تو اس حالت میں فوت ہوگا کہ مَیں تجھ سے راضی ہوں گا۔

(۱۰) اور یہ بھی الہام ہوا کہ جاء وقتك ونبقی لك الاٰیات باھرات (ترجمہ) تیرا وقت آگیا اور ہم کھلے کھلے نشانات تیری تصدیق کے لئے باقی رکھیں گے۔

(۱۱) اور جاء وقتك ونبقی لك الاٰیات بیّنات (ترجمہ) تیرا وقت آگیا اور ہم روشن نشانات تیری تصدیق کے لئے باقی رکھیں گے۔

(۱۲) یہ بھی الہام ہوا کہ قرب ما توعدون واما بنعمة ربّك فحدّث۔ انّہٗ من یتّق اللہ ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ (ترجمہ) جو وعدہ کیا گیا وہ قریب آگیا ہے اور اپنے رب کی نعمت جو تجھ پر ہوئی لوگوں کے پاس بیان کر۔ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو خدا ایسے نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

الوصیت کا تحریر فرمانا جب اس طرح متواتر الہامات کے ذریعہ آپ کو یقین ہوگیا کہ آپ کا زمانۂ وفات بہت ہی قریب ہے۔ تو آپ نے اپنے بعد اپنی جماعت کے لئے لائحہ عمل کے طور پر ایک وصیت تحریر فرمائی جس کو ۲۰۔ دسمبر ۱۹۰۵ء کو شائع فرما دیا۔ اس میں اس وصیت لکھنے کی وجہ خود اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

"امابعد چونکہ خدائے عزّوجل نے متواتر وحی سے مجھے خبر دی ہے کہ میرا زمانۂ وفات نزدیک ہے۔ اور اس بارے میں اس کی وحی اس قدر تواتر سے ہوئی کہ میری ہستی کو بنیاد سے ہلا دیا۔ اور اس زندگی کو میرے پر سرد کر دیا۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے دوستوں اور اُن تمام لوگوں کے لئے جو میرے کلام سے فائدہ اُٹھانا چاہیں چند نصائح لکھوں۔ سو پہلے میں اس مقدس وحی سے اطلاع دیتا ہوں جس نے مجھے میری موت کی خبر دیکر میرے لئے یہ تحریک پیدا کی۔"

اس کے بعد آپ نے وہ الہامات درج کئے ہیں جو میں اُوپر نقل کر آیا ہوں۔ چونکہ یہ خبر ایسی تھی جس سے جماعت کو سخت صدمہ پہنچنا تھا۔ اس لئے اس وصیت میں آپ نے جماعت کو اس سنت اللہ سے بھی مطلع کیا جو خدا تعالیٰ کی اپنے رسولوں اور ماموروں کے ساتھ ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام رسولوں کی خواہ وہ نبی ہوں یا مجدّد اللہ تعالیٰ نصرت فرماتا ہے۔ اور قوی نشانوں کے ساتھ ان کی سچائی ظاہر کرتا ہے۔ اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اس کی تخم ریزی اُنہیں کے ہاتھ سے کر دیتا ہے۔ لیکن اس کی پوری تکمیل اُن کے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت اُن کو وفات دیکر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن اور تشنیع کا موقع دیدیتا ہے۔ اور جب وہ ہنسی اور ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر ناتمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں۔ غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے:۔

(۱) اول خود رسولوں یا ماموروں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے۔

(۲) دوسرے ایسے وقت میں جب مامور کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی۔ اور خود جماعت کے لوگ بھی تردّد میں پڑ جاتے ہیں اور انکی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بد قسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ تب خدا تعالیٰ

دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے۔ اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے۔ پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے۔

قدرت ثانیہ کا وعدہ

غرضکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی سنّت کی وضاحت کرکے پھر تحریر فرماتے ہیں:-

"سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنّت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کرکے دکھلاوے۔ سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنّت ترک کردیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو مَیں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو۔ اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں۔ کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے۔ اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک مَیں نہ جاؤں۔ لیکن مَیں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دیگا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیگی۔ جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ مَیں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دونگا۔ .... سو تم خدا کی قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعائیں کرتے رہو اور چاہئے کہ ہر ایک صالحین کی جماعت ہر ایک ملک میں اکٹھے ہو کر دعا میں لگے رہیں تا دوسری قدرت آسمان سے نازل ہو اور تمہیں دکھاوے کہ تمہارا خدا ایسا قادر خدا ہے۔" [1]

[1] حضرت اقدس نے ان دو قدرتوں کے ظہور کا خیال قرآن کریم کی اس آیت سے لیا کہ انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوٰۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد (المومن) کہ بیشک ہم اپنے رسولوں کی اور اُن لوگوں کی جو ایمان لاتے ہیں نصرت اور مدد کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں اور اُس دن بھی مدد کریں گے جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔ یعنی قیامت کے دن۔ گویا یہاں دو نصرتوں کا وعدہ جناب الٰہی نے فرمایا ہے۔ ایک ان رسولوں اور ماموروں کی زندگی میں جو اس کے فرستادہ ہوتے ہیں اور دوسری اُن کے بعد ان مومنوں کی زندگی میں جو اُن پر ایمان لاتے ہیں۔ دونو زمانے خدا کی قدرت اور نصرت اور مدد کے ظہور کو چاہتے ہیں۔ رسول اور مامور کے زمانہ میں تو اس لئے کہ تا اُس پیغام کو جو وہ خدا کی طرف سے لاتے ہیں مخلوق کو پہنچایا جائے اور نیکی اور ہدایت کے بیج کو بویا جا سکے۔ اور اُن کے بعد مومنوں کی زندگی میں اس لئے تا کہ اس بیج کی نشو و نما پوری طرح ہو سکے جس طرح دو دو مرتبہ مخالفتیں اپنا پورا زور دکھاتی ہیں اسی طرح دو دو مرتبہ خدا اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا اور اپنے فضل اور نصرت سے اپنے مامور اور مومنوں دونو کو اپنی اپنی جگہ کامیاب اور بامراد کرتا ہے۔ پس پہلی نصرت الٰہی کو جو رسولوں اور ماموروں کے ساتھ ہوتی ہے حضرت اقدس مرزا صاحب نے قدرت اولیٰ فرمایا اور دوسری نصرت الٰہی کو جو مومنوں کے ساتھ ہوتی ہے قدرت ثانیہ فرمایا۔ بدقسمتی سے بعض نادانوں نے قدرت ثانیہ کسی آدمی کو سمجھ لیا کہ کوئی آدمی ہوگا جو قدرت ثانیہ ہوگا حالانکہ یہ غلط ہے۔ قدرت ثانیہ تو اُس نصرت الٰہی کا نام حضرت صاحب نے رکھا تھا جو مومنوں کے شامل حال ہوتی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض وجود ان مومنین میں سے بوجہ اپنے (باقی حاشیہ بر صفحہ ۱۰۶۲)

سب کو مل کر کام کرنے کا حکم

حضرت اقدس پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور چاہیے کہ جماعت کے بزرگ جو نفس پاک رکھتے ہیں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اُن تمام رُوحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کیلئے مَیں دنیا میں بھیجا گیا۔ سو تم اس مقصد کی پیروی کرو۔ مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے۔ اور جب تک کوئی خدا سے رُوح القدس پا کر کھڑا نہ ہو۔ سب میرے بعد مل کر کام کرو"۔ [1]

جماعت کو تقویٰ و طہارت کی تاکید

اس کے بعد آپ نے جماعت کو توحید اور محبت الٰہی اور تقویٰ و طہارت کیلئے بہت زور سے وصیت فرمائی۔ خدا کا قرب حاصل کرنے کے متعلق کیسی پاکیزہ بات تحریر فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور اس تک (یعنی خدا تک) پہنچنے کے لئے تمام دروازے بند ہیں مگر ایک دروازہ جو فرقان مجید نے کھولا ہے اور تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گزر چکیں ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی۔ کیونکہ نبوّت محمدیہ ان سب پر مشتمل اور حاوی ہے اور بجز اسکے سب راہیں بند ہیں۔ تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اُسی کے اندر ہیں۔ نہ اُسکے بعد کوئی نئی سچائی آئیگی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں۔ اسلئے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶۱) تعلق باللہ اور قربانی اور ایثار اور خدمات دینیہ کے اُس نصرت الٰہی کیلئے بہت زیادہ جاذب ہوتے ہیں اور انہیں قدرت ثانیہ کے مظہر کہدیا جائے تو جائز ہے۔ لیکن یاد رہے کہ قدرت ثانیہ بجائے خود کسی آدمی کا خطاب نہیں بلکہ اُس نصرت الٰہی کا نام ہے جو مومنین کی جماعت کے شامل حال ہوتی ہے۔ اور جس کی نسبت حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ "وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا"۔ (مؤلف)

---

[1] (حاشیہ صفحہ ہذا) حضرت اقدس نے اپنی اس وصیّت میں اپنے بعد کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا بلکہ ساری جماعت کو مل کر کام کرنے کی وصیّت فرمائی جیسا کہ آگے چل کر خود انجمن کو اپنا جانشین قرار دیا ہے اور شوریٰ سے تمام امور طے کرنے کا حکم دیا ہے۔ البتہ نئے لوگوں کو جماعت میں داخل کرنے کے لئے حکم دیا کہ جماعت کے بزرگ جن پر چالیس مومن اتفاق کر لیں میرے نام سے بیعت لیں۔ جس کے معنے دوسرے لفظوں میں یہ ہوئے کہ وہ لوگوں کو اپنا مرید نہ بنائیں بلکہ حضرت اقدس کے مرید بنائیں۔ اس میں حکمت یہ مدنظر تھی کہ الگ نام پر بیعت لینے سے جو خطرہ تھا کہ مختلف پیر خانے اور گدیاں بن کر جماعت میں پیر پرستی اور گدی پرستی رائج ہو جائے گی اور جماعت کی وحدتِ عمل کو نقصان پہنچے گا۔ اور اس میں افتراق و انشقاق پیدا ہو جائے گا۔ وہ نہ رہے گا۔

ہونا چاہیئے تھا کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اس کیلئے ایک انجام بھی ہے۔ لیکن یہ نبوت محمدیہ اپنی ذاتی فیض رسانی سے قاصر نہیں۔ بلکہ سب نبوتوں سے زیادہ اس میں فیض ہے۔ اس نبوت کی پیروی خدا تک بہت سہل طریق سے پہنچا دیتی ہے اور اس کی پیروی سے خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے مکالمہ مخاطبہ کا اس سے بڑھ کر انعام مل سکتا ہے جو پہلے ملتا تھا۔"

بہشتی مقبرہ

اس کے بعد اسی وصیت میں آپ نے اپنی جماعت کیلئے ایک قبرستان بنانیکی تجویز فرمائی۔ جس کا نام آپ نے بہشتی مقبرہ رکھا۔ اس قبرستان بنانے کی تحریک کس طرح ہوئی اس کی وجہ خود حضرت کی قلم سے سنو۔ فرماتے ہیں:۔

"اور مجھے ایک جگہ دکھلائی گئی کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہوگی۔ ایک فرشتہ میں نے دیکھا کہ وہ زمین کو ناپ رہا ہے تب ایک مقام پر اس نے پہنچ کر مجھے کہا کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہے۔ پھر ایک جگہ مجھے ایک قبر دکھلائی گئی کہ وہ چاندی سے زیادہ چمکتی تھی۔ اور اس کی تمام مٹی چاندی کی تھی۔ تب مجھے کہا گیا کہ یہ تیری قبر ہے۔ اور ایک جگہ مجھے دکھلائی گئی اور اس کا نام بہشتی مقبرہ رکھا گیا اور ظاہر کیا گیا کہ وہ اُن برگزیدہ جماعت کے لوگوں کی قبریں ہیں جو بہشتی ہیں۔ تب سے ہمیشہ مجھے یہ فکر رہی کہ جماعت کیلئے ایک قطعہ زمین قبرستان کی غرض سے خریدا جائے۔ لیکن چونکہ موقعہ کی عمدہ زمینیں بہت قیمت سے ملتی تھیں اس لئے یہ غرض مدت دراز تک معرض التوا میں رہی۔ اب اخویم مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی وفات کے بعد جبکہ میری وفات کی نسبت بھی متواتر وحی الٰہی ہوئی۔ مَیں نے مناسب سمجھا کہ قبرستان کا انتظام کیا جائے۔ اس لئے مَیں نے اپنی ملکیت کی زمین جو ہمارے باغ کے قریب ہے جس کی قیمت ہزار روپے سے کم نہیں اس کام کیلئے تجویز کی۔ اور مَیں دعا کرتا ہوں کہ خدا اس میں برکت دے اور اسی کو بہشتی مقبرہ بناوے۔ اور یہ اس جماعت کے پاک دل لوگوں کی خواب گاہ ہو جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کر لیا اور دنیا کی محبت چھوڑ دی اور خدا کے لئے ہو گئے۔ اور پاک تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی طرح وفاداری اور صدق کا نمونہ دکھلایا۔ آمین یا رب العالمین۔"

چونکہ حضرت اقدس کی یہ تمنا تھی کہ یہ جو نیا قبرستان آپ نے بنایا تھا یہی وہ بہشتی مقبرہ ثابت ہو جو آپ کو رویا میں دکھلایا گیا تھا۔ اس لئے آپ نے اس قبرستان میں دفن ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط بھی تجویز فرمائیں۔ لکھتے ہیں:۔

(۱) "اس قبرستان کی زمین موجودہ بطور چندہ کے مَیں نے اپنی طرف سے دی ہے لیکن اس احاطہ

کی تکمیل کیلئے کسی قدر اور زمین خریدی جائے گی جس کی قیمت اندازاً ہزار روپیہ ہوگی۔ اور اس کے خوشنما کرنے کے لئے کچھ درخت لگائے جائیں گے۔ اور ایک کنواں لگایا جائے گا۔ اور اس قبرستان سے شمالی طرف بہت پانی ٹھیرا رہتا ہے جو گزرگاہ ہے اس لئے وہاں ایک پُل طیار کیا جائے گا۔ اور ان متفرق مصارف کے لئے دو ہزار روپیہ درکار ہوگا۔ سو کل تین ہزار روپیہ ہوا جو اس تمام کام کی تکمیل کیلئے خرچ ہوگا۔ سو پہلی شرط یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو اس قبرستان میں مدفون ہونا چاہتا ہے وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے ان مصارف کے لئے چندہ ادا کرے۔ اور یہ چندہ محض انہی لوگوں سے طلب کیا گیا ہے نہ دوسروں سے۔ بالفعل یہ چندہ اخویم مکرم مولوی نورالدین صاحب کے پاس آنا چاہئے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو یہ سلسلہ ہم سب کی موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔ اس صورت میں ایک انجمن چاہئے کہ ایسی آمدنی کا روپیہ جو وقتاً فوقتاً جمع ہوتا رہے گا اعلائے کلمۂ اسلام اور اشاعت توحید میں جس طرح مناسب سمجھیں خرچ کریں۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ تمام جماعت میں سے اس قبرستان میں وہی مدفون ہوگا جو یہ وصیت کرے جو اس کی موت کے بعد دسواں حصہ اس کے تمام ترکہ کا حسب ہدایت اس سلسلہ کے اشاعت اسلام اور تبلیغ احکام قرآن میں خرچ ہوگا۔ اور ہر ایک صادق کامل الایمان کو اختیار ہوگا کہ اپنی وصیت میں اس سے بھی زیادہ لکھ دے۔ لیکن اس سے کم نہیں ہوگا۔ اور یہ مالی آمدنی ایک بادیانت اور اہل علم انجمن کے سپرد رہیگی۔ اور وہ باہمی مشورہ سے ترقی اسلام اور اشاعت علم قرآن وکتب دینیہ اور اس سلسلہ کے واعظوں کے لئے حسب ہدایت مذکورہ بالا خرچ کریں گے۔ اور خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس سلسلہ کو ترقی دے گا۔ اس لئے اُمید کی جاتی ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے ایسے مال بھی بہت اکٹھے ہو جائیں گے۔ اور ہر ایک جو مصالح اشاعت اسلام میں داخل ہے جن کی اب تفصیل کرنا قبل از وقت ہے۔ وہ تمام امور ان اموال سے انجام پذیر ہوں گے۔ اور جب ایک گروہ جو متکفل اس کام کا ہے فوت ہو جائے گا تو وہ لوگ جو اُن کے جانشین ہوں گے اُن کا بھی یہی فرض ہوگا کہ ان تمام خدمات کو حسب ہدایت سلسلہ احمدیہ بجا لاویں۔ ان اموال میں سے اُن یتیموں اور مسکینوں اور نومسلموں کا بھی حق ہوگا جو کافی طور پر وجوہ معاش نہیں رکھتے اور سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں۔ اور جائز ہوگا کہ ان اموال کو بطور تجارت کے ترقی دی جائے۔ یہ مت خیال کرو کہ یہ صرف دُور از قیاس باتیں ہیں۔ بلکہ یہ اس قادر کا ارادہ ہے جو زمین و آسمان

کا بادشاہ ہے۔ مجھے اس بات کا غم نہیں کہ یہ اموال کیونکر جمع ہوں گے۔ اور ایسی جماعت کیونکر پیدا ہوگی جو ایمانداری کے جوش سے یہ مردانہ کام دکھلائے۔ بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعد وہ لوگ جن کے سپرد ایسے مال کئے جائیں وہ کثرت مال کو دیکھ کر ٹھوکر نہ کھا دیں اور دنیا سے پیار نہ کریں۔ سو میں دعا کرتا ہوں کہ ایسے امین اس سلسلہ کو ہاتھ آتے رہیں جو خدا کیلئے کام کریں۔ ہاں جائز ہوگا کہ جن کا کچھ گزارہ نہ ہو اُن کو بطور مدد خرچ اس میں سے دیا جاوے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ اس قبرستان میں دفن ہونے والا متقی ہو۔ اور محرمات سے پرہیز کرتا اور کوئی شرک اور بدعت کا کام نہ کرتا ہو۔ سچا اور صاف مسلمان ہو۔

(۴) ہر ایک صالح جو اس کی کوئی بھی جائداد نہیں اور کوئی مالی خدمت نہیں کر سکتا اگر یہ ثابت ہو کہ وہ دین کے لئے اپنی زندگی وقف رکھتا تھا اور صالح تھا تو وہ اس قبرستان میں دفن ہو سکتا ہے"۔

ضمیمہ متعلق رسالہ الوصیت

حضرت اقدس نے اپنی وصیت شائع فرمانے کے بعد ۶۔ جنوری ۱۹۰۶ء کو پھر ایک ضمیمہ متعلق رسالہ الوصیت شائع فرمایا۔ جس میں اپنی وصیت مذکورہ بالا کے متعلق تمام ضروری ہدایتیں تفصیل سے تحریر فرمائیں۔ اور اپنے بعد باقاعدہ نظام عمل کی ایک انجمن کی شکل میں بنیاد رکھی اور اس کے لئے کچھ قواعد خود تجویز فرمائے۔ ان میں سے بعض قواعد میں یہاں نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جس سے قارئین کرام کو اس نظام کا پتہ چل سکے جس پر آپ نے اپنے بعد جماعت کو چلانا چاہا تھا۔ انجمن اور وصایا کے متعلق مندرجۂ ذیل قواعد قابل غور ہیں:۔

(قاعدہ ۷) "یاد رہے کہ صرف یہ کافی نہ ہوگا کہ جائداد منقولہ اور غیر منقولہ کا دسواں حصہ دیا جائے بلکہ ضروری ہوگا کہ ایسا وصیت کرنے والا جہاں تک اس کیلئے ممکن ہے پابند احکام اسلام ہو۔ اور تقویٰ و طہارت کے امور میں کوشش کرنے والا ہو۔ اور مسلمان خدا کو ایک جاننے والا اور اس کے رسولؐ پر سچا ایمان لانیوالا ہو۔ اور نیز حقوق عباد غصب کرنیوالا نہ ہو"۔

(قاعدہ ۹) "انجمن جس کے ہاتھ میں ایسا روپیہ ہوگا اُس کو اختیار نہیں ہوگا کہ بجز اغراض سلسلہ احمدیہ کے کسی اور جگہ وہ روپیہ خرچ کرے۔ اور ان اغراض میں سب سے مقدم اشاعت اسلام ہوگی۔ اور جائز ہوگا کہ انجمن باتفاق رائے اس روپیہ کو تجارت کے ذریعہ سے ترقی دے۔

(قاعدہ ۱۳) "چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔ اس لئے اس انجمن کو دنیاداری کے رنگوں سے بکلی پاک رہنا ہوگا۔ اور اس کے تمام معاملات نہایت صاف

اور انصاف اور مبنی ہونے چاہئیں"۔

خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین انجمن کو بنایا

مذکورہ بالا قواعد ۹ و ۱۳ سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے اپنے آپ کو "خدا کا مقرر کردہ خلیفہ" بتاتے ہوئے اپنی وفات کے بعد اپنا جانشین انجمن کو قرار دیا اور اپنے بعد قطعاً خلفا کا سلسلہ نہیں چلایا۔ وجہ یہ کہ آپ پر کوئی آیت استخلاف نازل نہ ہوئی تھی۔ اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی کیونکہ آپ کوئی نیا دین نہیں لائے تھے اور نہ کوئی نئی اُمت آپ نے بنائی تھی جس کے ذریعہ وہ نیا لایا ہوا دین متمکن ہونا تھا۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم صاحب شریعت نبی تھے۔ نیا دین لائے تھے اس لئے آپ کے ذریعہ آپ کی قوم سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وعدہ فرمایا کہ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضٰی لهم الخ الایۃ کہ اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ تم میں سے جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے یقیناً وہ اُن کو زمین میں خلیفہ یا وارث بنائے گا جیسا کہ اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور یقیناً اُن کا دین جو انہیں پسند ہے مستحکم اور متمکن کر کے رہے گا الخ۔ گویا اس آیت میں اُمت محمدیہ کو خلافت کا وعدہ دیا ہے اور خلافت عطا کرنے کا منشا بھی بتلا دیا ہے کہ بذریعہ خلافت ظاہری یعنی اسلامی سلطنت اور خلافت باطنی یعنی مجددین و اولیائے اُمت اس پسندیدہ دین کو دنیا میں مستحکم اور مضبوط اور رائج کیا جاوے گا جو خدا کی طرف سے محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ اہل عالم کو عطا کیا گیا ہے۔ پس یہی وجہ تھی جو آنحضرت صلعم کے بعد ظاہری طور پر آپ کی قوم کو سلطنت عطا ہوئی اور آپ کی اُمت میں باطنی طور پر مجددین و اولیائے اُمت کا سلسلہ چلا۔ یہی وہ خلافت تھی جو آیت استخلاف کے ماتحت موعود تھی۔ اسی خلافت موعودہ کے ماتحت خود حضرت اقدس مرزا صاحب مجدد صد چہاردھم اور مسیح و مہدی بن کر تشریف لائے اور آپ کے آنے کا مقصد بھی وہی استحکام دین اسلام تھا۔ آپ خود آنحضرت صلعم کے خلیفہ تھے۔ آپ کوئی مستقل نبی نہ تھے۔ نہ کوئی نیا دین و شریعت لائے نہ کوئی نئی اُمت بنائی تھی۔ اس لئے آپ کے بعد خلافت کی ضرورت بھی نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے اپنی وصیت میں کسی خلافت کا ذکر نہیں کیا[۱]۔ بلکہ اپنے بعد

[۱] جو شخص حضرت اقدس مرزا صاحب کے بعد آیت استخلاف کے ماتحت خلیفوں کا سلسلہ چلاتا ہے وہ صریح غلط راستہ پر چلتا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں تو حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے خلفاء کا ذکر ہے۔ حضرت مرزا صاحب کے خلفا کا ذکر قطعاً نہیں اگر خدا نے حضرت اقدس مرزا صاحب کے بعد خلفا کا سلسلہ چلانا ہوتا تو آپ پر آیت استخلاف نازل فرما کر آپ کی قوم کو بھی خلفا کا وعدہ دیتا لیکن ایسا نہیں کیا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے اپنی وصیت میں اس کا مطلق ذکر نہیں کیا۔ پس جو شخص حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی ریس سے حضرت اقدس مرزا صاحب کے بعد آیت استخلاف (باقی بر صفحہ ۱۰۶۷)

انتظام جماعت کے لئے ایک انجمن بنائی اور شوریٰ سے کام کرنے کا حکم دیا۔ اور صاف طور پر فرمایا کہ "میرے بعد سب مل کر کام کرو" اور دعاؤں میں لگے رہو تا قدرت ثانیہ یعنی خدا کی نصرت تمہارے شامل حال ہو اور میرے مشن کو تم تکمیل پر پہنچا سکو۔ کیونکہ تمہاری نسبت مجھے یہ الہام ہؤا ہے کہ "جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیٰمۃ کہ میں تیرے متبعین کو تیرے منکرین پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔ پس اس الہام کے مطابق خدا کی نصرت کا وعدہ جماعت کے لئے تھا نہ کسی فرد واحد خلیفہ کے لئے۔ اس لئے ضروری تھا کہ سب مل کر ایک جماعت کے نظام کے ساتھ اس مشن کو چلاتے۔ وہ نظام کیا تھا وہ وصیت اور ضمیمہ الوصیت کے ذریعہ حضرت اقدس نے نہ صرف واضح کر کے تفصیل کے ساتھ تحریر فرما دیا بلکہ اس نظام کو اپنی زندگی میں چلا کر آپ دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ نے اپنے بعد اعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعت و حفاظت اسلام کیلئے سب سے پہلے جماعت کے فنڈز یعنی بیت المال کو مضبوط و مستحکم کرنا چاہا اور اس کے لئے وصایا کی تجویز فرمائی اور اس مال کی وصولی اور اشاعت و خدمت اسلام پر خرچ کرنے اور جماعت کے نظام کے لئے اپنے بعد ایک انجمن تجویز فرمائی جسے اپنا جانشین قرار دیا اور جس کے فیصلہ کو جو کثرت رائے سے ہو جائے اپنی وفات کے بعد قطعی قرار دیا۔ پس جب یہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ یعنی حضرت اقدس مسیح موعود کی جانشین قرار پائی اور اُس کا فیصلہ قطعی ہؤا تو ظاہر ہے کہ تمام جماعت کی مطاع وہی انجمن ہوئی اور اُس کی کثرت رائے سے جو فیصلہ ہو اس کی اطاعت کرنا افراد جماعت کے لئے لازم حال ہو گیا۔ حاصل کلام یہ کہ حضرت اقدس نے اپنا جانشین ایک انجمن کو بنایا نہ کہ کسی شخص واحد کو۔ اور نیز تمام مال جو اشاعت اسلام اور دیگر اغراض سلسلہ کیلئے اکٹھا ہونے کو تھا

(بقیہ صفحہ ۱۰۶۶) کے ماتحت خلیفوں کا سلسلہ چلاتا ہے وہ نعوذ باللہ حضرت مرزا صاحب کو ناحق وہی پوزیشن دیتا ہے جو آنحضرتؐ کی تھی اور یہ ظلم اور حضرت مرزا صاحب پر بہتان عظیم ہے۔ غلام کو آقا کے برابر کر دینا خطرناک غلو اور ضلالت ہے۔ خدا کا خلافت کا وعدہ آنحضرت صلعم کے ذریعہ آپ کی قوم سے تھا ولا غیر۔ چنانچہ اسی وعدہ کے ماتحت خود حضرت اقدس مرزا صاحب حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے ایک رُوحانی خلیفہ تھے۔ اور آیندہ بھی جو رُوحانی خلیفہ آئے گا وہ محمد رسول اللہ صلعم کا ہی ہوگا کسی غیر کا نہیں۔ یہ سچ ہے کہ وہ حضرت اقدس کا متبع اور مصدق ہوگا۔ کیونکہ جو تجدید اسلام حضرت اقدس مرزا صاحب کے ذریعہ ظہور پذیر ہوئی ہے وہ اسقدر عظیم الشان ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اور جیسی صحیح شکل آپنے اسلام کی پیش کی ہے اس سے الگ ہو کر اگلا مجدد یا خلیفہ رُوحانی اگر کچھ پیش کریگا تو وہ صحیح تصویر اسلام کی نہ ہوگی۔ اسلئے ضروری ہے کہ وہ اس مجدد اعظم کے قدموں پر چلنے والا ہو۔ لیکن اسلام محمد رسول اللہ صلعم کا دین ہے۔ اور آپ کی نبوت و رسالت کا دامن قیامت تک دراز ہے۔ اس لئے جو بھی مجدد یا رُوحانی خلیفہ ہوگا اور جب بھی وہ آئے گا وہ محمد رسول اللہ صلعم کا خلیفہ ہوگا نہ کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کا۔ خدا کی طرف سے خلافت کا وعدہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے نہ کہ حضرت اقدس مرزا صاحب سے۔ (مؤلف)

اس کے خرچ کرنے کا اختیار بھی فقط انجمن کو دیا۔ نہ کہ کسی شخص واحد کو۔ اور روپیہ تجارت میں لگانے کا مجاز بھی انجمن کو ہی قرار دیا (دیکھو قاعدہ ۹ ضمیمہ متعلق رسالۂ الوصیت)

کسی شخص واحد کو انجمن کا مطاع نہیں بنایا

غرضیکہ اپنے بعد جماعت کے نظام کیلئے کل اختیارات آپ نے ایک انجمن کے سپرد کئے اور اُسے ہی اپنا جانشین قرار دیا۔ اور کسی شخص واحد کو اس کا مطاع نہیں بنایا بلکہ ساری جماعت کی مطاع اسی انجمن کو قرار دیا۔ اس انجمن کے اختیارات کی نسبت مزید تشریح ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:۔

"انجمن کے تمام ممبر ایسے ہوں گے جو سلسلۂ احمدیہ میں داخل ہوں اور پارساطبع اور دیانتدار ہوں۔ اور اگر آئندہ کسی کی نسبت یہ محسوس ہوگا کہ وہ پارساطبع نہیں ہے یا یہ کہ وہ دیانتدار نہیں یا یہ کہ وہ ایک چالباز ہے اور دنیا کی ملونی اپنے اندر رکھتا ہے تو انجمن کا فرض ہوگا کہ بلاتوقف ایسے شخص کو اپنی انجمن سے خارج کرے اور اس کی جگہ اور مقرر کرے۔"

(قاعدہ ۱۰ ضمیمہ متعلق رسالہ الوصیت)

اس قاعدہ کے رُو سے کسی پُرانے ممبر کو جس میں دنیا کی ملونی ہو خارج کرنے اور نئے ممبر کو داخل کرنے کا اختیار بھی انجمن کو دیا نہ کہ کسی شخص واحد کو۔ پس کوئی شخص واحد حضرت اقدس کی وصیت کے رُو سے جماعت کا یا انجمن کا مطاع نہیں ہو سکتا۔

حضرت اقدس کے ذہن میں بھی نہ تھا کہ کوئی فرد واحد آپکا جانشین ہو

مَیں کہتا ہوں کہ حضرت اقدس کی ساری وصیت کو پڑھ جاؤ۔ اس میں کسی شخص واحد کو اپنا جانشین قرار دینا تو ایک طرف رہا اشارہ تک بھی نہیں۔ بلکہ ساری وصیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ حضرت کے ذہن میں کوئی فرد واحد خلیفہ یا جانشین مطلق نہ تھا۔ بلکہ صاف طور پر اس میں وضاحت موجود ہے کہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔ اسی ضمیمہ متعلق رسالۂ الوصیت میں ذرا قاعدہ ۱۸ ملاحظہ ہو۔ اس میں اپنے بعد اپنا پورا جانشین انجمن کو قرار دیتے ہوئے حضرت مرزا صاحب ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اگر کوئی کچھ بھی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ نہ رکھتا ہو اور بایں ہمہ ثابت ہو کہ وہ ایک صالح درویش ہے اور متقی اور خالص مومن ہے اور کوئی حصہ نفاق یا دنیا پرستی یا قصور اطاعت کا اس کے اندر نہ ہو تو وہ بھی میری اجازت سے یا میرے بعد انجمن کی اتفاق رائے سے اس مقبرہ میں دفن ہو سکتا ہے۔" (قاعدہ ۱۸ ضمیمہ متعلق رسالہ الوصیت)

اب اس قاعدہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو اختیار اپنی زندگی میں اپنے لئے رکھا ہے وہی اختیار

اپنے بعد انجمن کو دیا ہے نہ کہ کسی فردِ واحد یا کسی خلیفہ کو۔ اگر آپ خلفا کی ضرورت سمجھتے تو چاہئے تھا کہ اپنے بعد اپنے اختیارات خلفا کو دیتے۔ مگر کیا الوصیت میں اور کیا قواعد انجمن میں۔ اور کیا اُس تحریر میں جو انجمن کے اختیارات کے متعلق اپنی وفات سے سات ماہ قبل لکھ گئے (اس تحریر کا ذکر آگے آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ) اپنے بعد کسی خلیفہ کا اشارہ تک بھی تو نہ کیا اور ہر قسم کے اختیارات انجمن کو ہی دیتے ہیں۔ لے

صدر انجمن احمدیہ قادیان حضرت اقدس نے جب یہ وصیت اور اس کا ضمیمہ شائع فرمایا تو ساتھ ہی قادیان میں اُس انجمن کی بنیاد ڈالی جس کو اس وصیت کے رُو سے اپنا جانشین بنایا تھا۔ اور اس کا نام صدر انجمن احمدیہ قادیان رکھا۔ اور تمام جماعتوں میں اُس کی شاخیں قائم کیں۔ ۱۶۔ فروری ۱۹۰۶ء کے بدر میں اس انجمن کے اغراض شائع کئے گئے اور وہ یہ تھے:۔

"انجمن ہٰذا کی غرض اشاعت اسلام اور ان تجاویز کو سوچنا اور عمل میں لانا ہے کہ جن کے ذریعہ اشاعت اسلام ہو سکے اور ایسے افراد پیدا کرنا ہے کہ جن سے تبلیغ اسلام ہو۔"

حضرت اقدس نے چودہ ممبر اس انجمن کے تجویز فرمائے جو معتمدین کہلاتے تھے۔ مولوی نورالدین صاحب کو اس انجمن کا صدر اور مولوی محمد علی صاحب کو اس انجمن کا سکرٹری اور خواجہ کمال الدین صاحب کو مشیر قانونی بنایا۔ اس انجمن کے ممبروں کیلئے ضروری قرار دیا کہ وہ سب احمدی ہوں۔ اور ان میں سے

لے مَیں بار بار انجمن کے اختیارات کی نسبت اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ آجکل قادیان میں حضرت اقدس مرزا صاحب کے صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب نے حضرت اقدس کی وصیت کے خلاف ایک بدعتی خلافت کی بنیاد ڈال رکھی ہے جس کے رُو سے ایک فردِ واحد ساری جماعت اور اُس کے نظام کے سیاہ و سپید کا مالک ہے۔ اور وہ خلیفہ کہلاتا ہے۔ اور وہ آج کل خود بدولت جناب میاں صاحب موصوف ہیں۔ اُنہوں نے جو کچھ خلیفہ کے اختیارات وقتاً فوقتاً بیان فرمائے ہیں وہ سراسر حضرت اقدس کی وصیت کے خلاف بلکہ اسلام کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ میاں صاحب موصوف کے فرمودہ کے رُو سے خلیفہ ہر رنگ میں مطاع اکل ہے۔ وہ معصوم ہے جس سے کبھی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی۔ اگر تمہیں اُس کا کوئی فعل یا حکم شریعت یا امر بالمعروف کے خلاف معلوم ہو تو بھی آنکھ بند کئے ہوئے اُس کی اطاعت کئے جاؤ۔ اُس پر سچے اعتراض بھی نہ کرو۔ اگر سچے اعتراض کروگے تب بھی مستوجب عذاب ہوگے۔ صدر انجمن احمدیہ قادیان اس کے ماتحت ہے اس کی غلام ہے۔ خلیفہ چاہے تو انجمن کو دودھ میں سے مکھی کی طرح آج نکال پھینکے۔ مٹا دے۔ فنا کر دے۔ خلیفہ صاحب موصوف کی لغت میں شوریٰ جس کے لئے حضرت اقدس نے تاکید فرمائی تھی اور جو قرآن کریم کا بھی حکم ہے مشورہ سے مشتق ہے۔ انجمن خلیفہ کو معزول کرنا کجا اُس کی کسی بات پر بھی اعتراض نہیں کر سکتی غرضکہ کل جماعت کے سیاہ و سپید عقل اور ایمان کا مالک اگر کوئی ہے تو خلیفہ ہے۔ اسی لئے مجھے بار بار انجمن کے اختیارات پر روشنی ڈالنی پڑی جو حضرت اقدس نے اپنی وصیت میں اُسے عطا فرمائے ہیں تاکہ مَیں یہ دکھلا سکوں کہ حضرت اقدس کا دامن اس بدعتی خلافت اور اسکے خلاف منشائے اسلام اصولوں سے بکلّی پاک ہے۔ (مؤلف)

دو ممبر ضرور ایسے ہوں جو قرآن وحدیث اور عربی زبان سے بخوبی واقف ہوں اور جنہوں نے سلسلہ کی کتابوں کو اچھی طرح پڑھا ہو۔ چودہ ممبر جو حضرت اقدس نے نامزد فرمائے وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مولانا مولوی نورالدین صاحب۔ صدر
(۲) مولوی محمد علی صاحب۔ سکرٹری
(۳) خواجہ کمال الدین صاحب مشیر قانونی
(۴) مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی
(۵) صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب
(۶) نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ
(۷) سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب۔ مدراس
(۸) مولوی غلام حسن خاں صاحب سب رجسٹرار پشاور
(۹) میر حامد شاہ صاحب۔ سیالکوٹ
(۱۰) شیخ رحمت اللہ صاحب تاجر مالک انگلش ویر ہوس لاہور
(۱۱) ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ لاہور
(۱۲) ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔ لاہور
(۱۳) ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب
(۱۴) ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب اسسٹنٹ سرجن

وصایا کا کثیر تعداد میں آنا

اس انجمن کے قائم ہوتے ہی احباب جماعت نے بڑی کثرت سے وصیتیں کرنی شروع کر دیں۔ بعض نے دسواں حصہ جائداد کا اللہ کی راہ میں وصیت کر دیا۔ بعض نے پانچواں حصہ اور بعض نے تیسرا حصہ جن کے پاس جائداد نہ تھی اُنہوں نے اپنی آمدنی کا دسواں حصہ دینا شروع کر دیا۔ اور حضرت اقدس نے اسے منظور فرمالیا۔ اور کثرت سے وصیتیں آنی شروع ہو گئیں جس سے دوست دشمن سب پر واضح ہو گیا کہ حضرت اقدس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی جماعت میں ایک ایسی زبردست ایمانی قوت پیدا کر دی تھی جس کا نتیجہ خدا کی راہ میں ایثار اور قربانی تھا۔ یہی وہ ایمان تھا جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ابنائے فارس میں سے ایک عظیم الشان شخص اُسے ثریا سے واپس لائے گا۔ کیونکہ خدا کے نام پر ایثار اور قربانی اس ایمان پر دلالت کرتا ہے جو بندہ کو اپنے خدا پر ہوتا ہے ایک دفعہ ایک غزوہ کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ سے چندہ مانگا تو حضرت عمر اپنا نصف مال لے آئے اور حضرت ابوبکر اپنا سارا مال اُٹھا لائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حضرت عمر سے دریافت فرمایا کہ پیچھے کتنا مال چھوڑ آئے تو انہوں نے عرض کیا۔ نصف حضرت ابوبکر سے دریافت فرمایا کہ پیچھے کتنا مال چھوڑ آئے۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ فقط اللہ اور رسول ہی پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ یعنی سب کچھ ہی لے آیا ہوں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عمر کا ایمان بھی ابوبکر سے نصف ہے۔ گویا قربانی اور ایثار ایمان کا معیار ہے۔ پس حضرت اقدس مرزا صاحب کے فیضان نے ایمانی رنگ میں جو اثر جماعت پر کیا تھا وہ اس ایثار اور قربانی سے پتہ لگتا ہے جو اُس وقت جماعت نے کیا اور آج بھی کر رہی ہے ✦

حضرت اقدس کا ایثار اس وقت تک جماعت تعداد میں بہت بڑھ چکی تھی اور چندہ کی رقم بھی سینکڑوں سے گزر کر ہزاروں لاکھوں رُوپے تک پہنچ چکی تھی۔ ایک دنیادار آدمی ہوتا تو ایسی ترکیب سوچتا کہ ساری رقم اس کی جیبوں میں جاتی اور بعد میں بھی اُس کا خاندان اُس سے متمتع ہوتا رہتا۔ لیکن حضرت اقدس نے وصیت لکھ کر اور ایک انجمن بنا کر تمام مال اس انجمن کے سپرد کر دیا۔ کئی مدّوں میں روپیہ آتا تھا اُس میں سے فقط لنگر خانہ کی مد تو اپنے پاس رکھی اور باقی تمام مدّوں کا چندہ انجمن کے سپرد کر دیا۔ اور اخباروں کے ذریعہ اعلان کر دیا کہ جماعت اپنا تمام چندہ انجمن کے نام بھیجے۔ بعض دفعہ لوگ معتقدانہ طور پر روپے حضرت اقدس کے نام بھیج دیتے تو آپ اُسے انجمن کے امین کے پاس بھیج دیتے۔ اور ساتھ ہی بار بار اعلان کرواتے کہ میرے نام ہرگز روپیہ نہ بھیجا جاوے۔ مجھے اس میں بہت تکلیف ہوتی ہے اور وقت بہت ضائع جاتا ہے۔ لنگر خانہ کی مد اس لئے اپنے پاس رکھی کہ مہمان کثرت سے آتے تھے اور بہت سے صلحا اپنا گھر بار چھوڑ کر قادیان آ بسے تھے اور جن کا ذریعۂ معاش سب بند ہو چکا تھا اس لئے وہ سب بھی مستقل مہمان تھے۔ آپ خود اُن سب کے کھانے پینے کا خیال رکھنا چاہتے تھے۔ اور یہ بجائے خود آپ پر بڑا بوجھ تھا۔ کیونکہ لنگر کا خرچ اس قدر تھا کہ اپنا ذاتی آمدنی کا روپیہ بھی بیچ ہی میں غائب ہوتا چلا جاتا۔ کئی دفعہ گھبرا کر چاہا کہ لنگر کو بند کر دیں لیکن الہام الٰہی نے ایسا کرنے سے روک دیا۔ اور لنگر کی مد بھی آپ نے اپنی زندگی تک اپنے پاس رکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ بعد میں وہ بھی انجمن کے سپرد ہونے کو تھی اور ہو گئی۔ غرضکہ جب جماعت کے چندہ کی آمدنی ہزاروں لاکھوں رُوپے تک پہنچ گئی تو آپ دامن جھاڑ کر الگ ہو گئے۔ اس کا نام ہوتا ہے للّٰہیت۔ قوم کا مال قوم کے حوالے کیا اور آپ اپنے مَولا سے ملنے کے لئے چلنے کے واسطے تیار ہو گئے۔

حضرت نے انجمن کو اپنے تجویز کردہ نظام پر اپنی زندگی میں چلایا حضرت اقدس نے انجمن کا جو نظام تجویز فرمایا تھا اور جس مسلک پر اپنی جماعت کو اپنے بعد چلانا چاہا تھا اُس نظام اور مسلک پر انجمن اور جماعت کو اپنی زندگی میں اپنے سامنے اڑھائی برس تک چلا کر آپ دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور وقتاً فوقتاً اُس کے قواعد اور ضوابط جو تجویز ہوتے تھے آپ اُن پر نظر غائر ڈال کر خود منظور فرماتے۔ اور وقتاً فوقتاً انجمن کے اختیارات کی بھی خود تشریح فرماتے رہے۔

مسجد مبارک کی توسیع اور انجمن کے اختیارات کی کامل وضاحت جماعت کی تعداد ماشاءاللہ روز بروز بڑھ رہی تھی اور مسجد مبارک میں گنجائش بہت کم تھی۔ اگرچہ بڑی مسجد موجود تھی لیکن ہر ایک شخص یہی چاہتا تھا کہ مسجد مبارک میں حضرت اقدس کے ساتھ باجماعت نماز پڑھے۔ اس لئے مسجد مبارک میں جگہ کی تنگی بہت

محسوس ہوتی تھی۔ کیونکہ اس میں زیادہ سے زیادہ چھتیس ۳۶ آدمی نماز جماعت سے پڑھ سکتے تھے۔ کئی دفعہ چاہا کہ مسجد مبارک کی توسیع کی جائے لیکن موقعہ نہ تھا۔ حضرت اقدس کے مکان کے ساتھ مسجد مبارک کے ملحق جو زمین تھی وہ مرزا نظام الدین کی تھی۔ وہ دیتا نہ تھا۔ آخر اپریل ۱۹۰۷ء میں بڑی مشکلوں سے وہ زمین خریدی گئی اور مسجد کی تعمیر کے لئے چار ہزار روپے چندہ کی اپیل کی گئی۔ چندہ جمع ہونے پر ۱۹۰۷ء کے موسم سرما میں مسجد کی توسیع کا کام مکمل ہو گیا۔ اور مسجد اتنی وسیع ہوگئی جس میں ڈیڑھ سو یا پونے دو سو آدمی نماز باجماعت ادا کر سکیں۔ مسجد مبارک چونکہ کوٹھے پر تھی اس لئے اس کی وسعت کے ساتھ نچلی منزل میں بھی کمرے بن گئے جو انجمن کے دفتر کے کام آئے۔ اس مسجد مبارک کی توسیع کے ضمن میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے انجمن کی حیثیت اور اس کے اختیارات پر بڑی کافی روشنی پڑ گئی۔ وہ اس طرح کہ انجمن نے مسجد کی توسیع کا ریزولیوشن پاس کر کے اور اس کا ایک نقشہ بنا کر میر ناصر نواب صاحب کے جو حضرت اقدس کے خسر تھے اور ریٹائرڈ سب اوورسیر تھے سپرد کیا کہ آپ اس نقشہ کے مطابق مسجد بنوائیں۔ میر صاحب موصوف ذرا سخت طبیعت اور اپنی مرضی کے آدمی تھے اُنہوں نے انجمن کے نقشہ کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنی مرضی اور منشا کے مطابق مسجد بنانی چاہی۔ انجمن نے اس بات میں ان کی مزاحمت کی تو وہ انجمن پر بھی بگڑے۔ اور حضرت اقدس کی خدمت میں بھی جا کر خدا جانے کیا کچھ لگایا بجھایا۔ حضرت کی عادت اس قسم کی شکایتیں سُننے کی نہ تھی۔ اُنہوں نے توجہ بھی نہ کی لیکن انجمن والوں کو خود ضرورت پڑی کہ حضرت اقدس کی خدمت میں اس امر کی شکایت کریں اور عرض کریں کہ اگر اسی طرح انجمن کے ریزولیوشنوں کی تعمیل ہوئی تو کام کیسے چلے گا۔ حضرت کی خدمت میں جب یہ شکایت پیش ہوئی تو عین انجمن کے اجلاس کے وقت آپ خود انجمن میں تشریف لائے اور اپنی قلم سے مندرجہ ذیل تحریر لکھ کر دے گئے۔ اور وہ یہ ہے:۔

"میری رائے تو یہی ہے کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہئے اور کثرت رائے اس میں ہو جائے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہئے اور وہی قطعی ہونا چاہئے۔ لیکن اس قدر میں زیادہ لکھنا پسند کرتا ہوں کہ بعض دینی امور میں جو ہماری خاص اغراض سے تعلق رکھتے ہیں مجھ کو محض اطلاع دی جائے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ انجمن خلاف منشا میرے ہرگز نہیں کرے گی لیکن صرف احتیاطاً لکھا جاتا ہے کہ شاید وہ ایسا امر ہو کہ خدا تعالیٰ کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو۔ اور یہ صورت صرف میری زندگی تک ہے۔ اور بعد میں ہر ایک امر میں اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔

مرزا غلام احمد عفی عنہ ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء"

اس تحریر نے فیصلہ کر دیا کہ آپ کے بعد انجمن کامل طور پر با اختیار ہے۔ آپ نے کسی فردِ واحد کو انجمن کا مطاع نہیں قرار دیا۔ اور اسلامی شوریٰ کو پوری طرح مدنظر رکھتے ہوئے اپنے بعد کل جماعت کا نظام ایک انجمن کے سپرد کیا۔ اور یہ آپ کا بڑا کارنامہ تھا۔ گویا اپنے بعد پیر پرستی اور پیر خانہ اور گدی بنانے کی تمام جڑیں کاٹ دیں۔ اور قوم کو صحیح معنوں میں اسلامی جمہوریت کے اصولوں پر قائم کر دیا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ آپ کے تجدید دین کے کارناموں میں سے یہ ایک بڑا عظیم الشان کارنامہ تھا۔

بہشتی مقبرہ کے متعلق بعض غلط فہمیوں کا ازالہ

بہشتی مقبرہ کے متعلق دو غلط فہمیاں بڑی زبردست ہوئی ہیں جن کا ازالہ کر دینا مَیں یہاں ضروری سمجھتا ہوں:-

(۱) اوّل تو یہ کہ بعض خوش عقیدہ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس بہشتی مقبرہ میں بہشتی کے سوا کوئی دوسرا دفن ہی نہیں ہو سکے گا۔

(۲) دوم یہ کہ حضرت اقدس نے اسی ضمیمہ متعلق رسالہ الوصیت میں قاعدہ ۲ میں اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو ان تمام شرائط سے مستثنٰے کر دیا ہے جو بہشتی مقبرہ میں داخل ہونے کے لئے اپنی جماعت کے ہر ایک شخص پر عائد کی ہیں۔ اس پر مخالفوں نے تو یہ اعتراض کیا کہ یہ نا انصافی ہے اور خوش عقیدہ لوگوں نے غلو میں پڑ کر یہ سمجھ لیا کہ آپ کے اہل و عیال سب بہشتی ہیں اس لئے اُن کیلئے ان شرائط کی ضرورت نہیں۔

اعتراض ۱ کا جواب

اعتراض اوّل کے جواب میں یہ عرض ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے خود اسی الوصیت کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے "یہ مطلب نہیں کہ زمین کسی کو بہشتی کر دیگی"۔ پس اس قبرستان میں دفن ہونے سے تو کوئی بہشتی نہیں ہو سکتا۔ البتہ بہشتی ہونے کیلئے اُن باتوں کی ضرورت ہے جو آپ نے شرائط میں رکھی ہیں۔ یعنی ایک تو تقویٰ جیسا کہ آپ صاف طور پر فرماتے ہیں "تیسری شرط یہ ہے کہ اس قبرستان میں دفن ہونیوالا متقی ہو اور محرمات سے پرہیز کرتا اور کوئی شرک اور بدعت کا کام نہ کرتا ہو۔ سچا اور صاف مسلمان ہو"۔)

اور دوسرے اُس کا خدا کی راہ میں ایثار (اس شکل میں کہ کم سے کم دسواں حصہ جائداد کا وہ خدا کی راہ میں وصیت کر جائے) کچھ شک نہیں کہ یہ دونو امور انسان کو بہشتی بنا دیتے ہیں اور ایسا شخص کہیں بھی دفن ہو وہ بہشتی ہے۔ اُس کیلئے خدا کی ساری زمین بہشتی مقبرہ ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس نے بھی صاف لفظوں میں اسی ضمیمہ متعلقہ رسالہ الوصیت کے قاعدہ ۱۸ میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے وہ سب شرائط پوری کر دی ہوں جو بہشتی مقبرہ میں داخل ہونے کیلئے لازمی قرار دی گئی ہیں اور کسی

وجہ سے وہ میّت بہشتی مقبرہ قادیان میں لائی نہ جاسکے تو وہ کہیں بھی دفن ہو تب بھی وہ بہشتی مقبرہ میں ہی دفن سمجھا جائے گا۔ پس کسی شخص کو بہشتی بنانیوالے وہ اعمال ہوتے ہیں جو اُس سے اُس کی زندگی میں سرزد ہوتے ہیں۔ اگر وہ شخص متقی تھا تو قرآن کریم کے وعدہ مثل الجنۃ التی وعد المتقون کے ماتحت وہ شخص بہشتی ہے خواہ وہ دریا میں ڈوب جائے یا دنیا کے کسی حصّہ میں دفن ہو جائے۔ اور اگر کوئی شخص متقی نہ ہو تو بہشتی مقبرہ میں دفن ہو جانے سے وہ بہشتی نہیں ہو سکتا۔

باقی رہ گیا یہ امر کہ اس قبرستان میں کوئی ایسا شخص دفن ہی نہیں ہو سکیگا جو بہشتی نہ ہو۔ یہ ایک دعویٰ ہے۔ جس پر افسوس ہے کہ دلیل کوئی نہیں۔ کیونکہ اس کے لئے خدا کی طرف سے کوئی وعدہ نہیں۔ حضرت اقدس کی یہ تمنّا ضرور تھی اور یہی وجہ تھی جو اس کے لئے بار بار آپ دعائیں کرتے تھے جیسا کہ فرماتے ہیں کہ "مَیں دعا کرتا ہوں کہ خدا اس میں برکت دے اور اسی کو بہشتی مقبرہ بنا دے" (الوصیت) جو ظاہر کرتا ہے کہ یہ دل کی تمنّا ہے الہام نہیں۔ دل کی خواہش ہے مگر اس کے پُورا ہونے کا وعدہ جناب الٰہی کی طرف سے کوئی نہیں۔ پس جب خدا نے حضرت اقدس مرزا صاحب کو نہ کوئی الہام کیا اور نہ آپ سے کوئی وعدہ کیا کہ اس قبرستان میں جو تم بنا رہے ہو سوائے بہشتی کے مَیں کسی کو دفن نہ ہونے دوں گا۔ تو پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ جو اس میں دفن ہو گیا وہ بہشتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان معاملات کی نسبت اپنا ایک قاعدہ بیان فرما دیا ہے کہ اطلع الغیب ام اتخذ عند الرحمٰن عھدًا ۵ کلاّ (مریم) کیا اس کو غیب کی خبر لگ گئی ہے ؟ یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ گویا جبتک خدا کسی سے وعدہ نہ کرے یا اپنے غیب پر صاف صاف بذریعہ وحی کسی کو آگاہ نہ کر دے (اجتہاد وغیرہ نہ ہو کیونکہ اجتہاد میں غلطیاں ہو جانا معمولی بات ہے) اُس وقت تک کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ یقینی طور پر ان امور کی نسبت کوئی حکم لگائے۔ دیکھ لو دو تو باتیں یہاں نہیں ہیں۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کو مطلق کوئی الہام یقینی صاف طور پر نہیں ہؤا کہ وہ بہشتی مقبرہ جو تمہیں عالم رویا میں دکھایا گیا تھا وہ یہی قبرستان ہے جو تم بنا رہے ہو۔ نہ اس قبرستان کے بنانیکے بعد آپ سے خدا نے کوئی وعدہ فرمایا کہ اس میں سوائے بہشتی کے کوئی اور داخل نہ ہو سکے گا۔ الہام "انزل فیھا من کل رحمۃ" کو کہ اس میں ہر ایک قسم کی رحمت اُتاری گئی ہے پیش کرنا کچھ بھی مفید مطلب نہیں کیونکہ یہ بشارت اُسی بہشتی مقبرہ کی نسبت ہے جو حضرت اقدس کو رویا میں دکھلایا گیا تھا۔ جیسا کہ حضرت اقدس اس رویا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"خدا نے یہ فرمایا کہ یہ مقبرہ بہشتی ہے۔ کہ یہ بھی فرمایا کہ انزل فیھا من کل رحمۃ یعنی ہر ایک قسم کی

رحمت اس قبرستان میں اُتاری گئی ہے" (الوصیت)

پس یہ الہام اُسی بہشتی مقبرہ کی نسبت ہے جو آپ کو رویا میں دکھایا گیا تھا۔ لیکن یہ اب کیسے ثابت ہو کہ یہ قبرستان جو حضرت اقدس نے بنایا تھا یہ وہی بہشتی مقبرہ ہے جو آپ کو دکھایا گیا تھا۔ کیونکہ خدا نے کہیں بذریعۂ الہام یہ نہیں بتلایا کہ یہ قبرستان جو تم تجویز کر رہے ہو یہی وہ بہشتی مقبرہ ہے جو تمہیں عالم رویا میں دکھایا گیا تھا۔ اور نہ یہ خدا نے کبھی وعدہ کیا کہ اس قبرستان میں جو تم نے بنایا ہے سوائے بہشتی کے میں اور کسی کو داخل نہیں ہونے دوں گا۔ تو پھر یہ کہنا کہ جو اس قبرستان میں دفن ہو گیا وہ بہشتی ہے کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ سچ ہے کہ حضرت اقدس نے اپنی رویا کو ظاہر میں پورا کرنا چاہا تھا۔ آپ نے رویا میں اپنی جماعت کے چند نیک لوگوں کی قبریں دیکھی تھیں جن کے متعلق آپ کو بتایا گیا تھا کہ یہ بہشتی مقبرہ ہے۔ اس رویا کی تعبیر میں کوئی اشکال نہیں۔ آپ کو عالم برزخ کا نظارہ دکھا کر اللہ تعالیٰ کو یہ بتانا منظور تھا کہ آپ کی جماعت میں ایسے لوگ ہیں جو بہشتی ہیں۔ اور اُن پر ہر قسم کی رحمتوں کے نزول کی خوشخبری دی گئی۔ یہ ایک بشارت تھی جو آپ کو اپنے بعض دوستوں کی نسبت دی گئی۔ آپ نے اس رویا کو ظاہر میں بھی پورا کرنا چاہا۔ جماعت کے لئے ایک قبرستان کی ضرورت تھی آپ نے اس کی بنیاد ڈالی اور ساتھ ہی آپ کو یہ بھی خواہش ہوئی کہ کاشکہ یہی وہ قبرستان ہو جو بہشتی مقبرہ کی شکل میں آپ کو رویا میں دکھایا گیا تھا۔ آپ اپنے دوستوں سے بیحد محبت کرتے تھے۔ دنیا کی زندگی میں بھی آپ کی بڑی خواہش یہی تھی کہ سب احباب اکٹھے آپ کے پاس رہیں۔ کئی دفعہ فرمایا کہ میرا بڑا دل چاہتا ہے کہ میرا مکان درمیان میں ہو اور میرے سب دوستوں کے مکان اردگرد ہوں اور آپس میں آمدورفت کے لئے دروازے ہوں۔ اسی طرح آپ نے یہ چاہا کہ مرنے کے بعد بھی سب دوست اکٹھے رہیں۔ لیکن آپ کوئی کام محض دنیوی رنگ میں نہیں کرنا چاہتے تھے ہمیشہ کوئی دینی پہلو مدنظر رکھا کرتے تھے۔ قبرستان بنانے لگے تو وہاں بھی دینی پہلو سامنے رکھ لیا۔ ایک رویا دیکھی تھی اُسے پورا کرنا چاہا۔ اور چاہا کہ ایسے پاکیزہ لوگ ایک جگہ دفن ہوں جو متقی ہوں اور دین کے لئے قربانیاں کر چکے ہوں تا آنیوالی نسلوں کے لئے وہ قبرستان ایک نمونہ ایثار و قربانی کا پیش کر سکے۔ یہ اصل بنا ہے اس بہشتی مقبرہ کی! لیکن جب اپنی طرف سے بہشتی مقبرہ کی بنیاد رکھنے لگے تو یہ تو جانتے تھے کہ محض کسی زمین میں دفن ہونا تو کسی کو بہشتی نہیں بنا دیتا۔ بہشتی تو انسان عمل سے بنتا ہے۔ اس لئے اس میں داخلہ کے لئے سب سے بڑی اور لازمی شرط تقویٰ و طہارت کی لگا دی۔ علاوہ ازیں کوئی قبرستان بھی

آیندہ نسلوں کے لئے مفید ہو سکتا ہے جب وہ کوئی نمونہ قابل تقلید پیش کر سکے۔ اس لئے دوسری شرط یہ لگا دی کہ اس میں وہی داخل ہو سکے گا جو فی سبیل اللہ اپنی جائداد کا کم سے کم دسواں حصّہ وصیت کرے۔ لیکن بایں ہمہ جانتے تھے کہ دسواں حصّہ جائداد کا تو انسان وصیت کر سکتا ہے لیکن تقویٰ وطہارت کا اندازہ کون لگائے گا۔ انسان کے بس کی تو یہ بات نہیں کہ وہ کسی شخص کا اعمال نامہ پڑھ سکے اور اس کے اعمال کا محاسبہ کر سکے۔ مالک یوم الدین تو خدا کی ذات ہے۔ اُس کے سوا کسی کے دل کو اور اعمالنامہ کو پڑھنا انسان کا کام تو ہو نہیں سکتا اس لئے اس معاملہ کے لئے خدا کی طرف ہی رجوع کرنا مناسب سمجھا اور اُسی کے حضور میں دعا کی جیسا کہ الوصیت میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اور مَیں دعا کرتا ہوں کہ خدا اس میں برکت دے اور اسی کو بہشتی مقبرہ بناوے"

اب اس سے صاف ظاہر ہے کہ قبرستان جو بنایا ہے آپ اُسے وہ بہشتی مقبرہ نہیں قرار دیتے جو رویا میں دیکھا تھا۔ ہاں یہ چاہتے ضرور ہیں اور دعا بھی کرتے ہیں کہ یہی وہ بہشتی مقبرہ ثابت ہو جو رویا میں دیکھا تھا۔ اب رہی یہ بات کہ یہ دعا قبول ہوئی یا نہیں ہوئی اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔ کیونکہ اوّل تو حضرت اقدس کو کوئی ایسا الہام نہیں ہؤا کہ یہی وہ بہشتی مقبرہ ہے جو تمہیں رویا میں دکھایا گیا تھا یا یہ کہ تمہاری دعا ہم نے قبول کر لی اب اس میں سوائے بہشتی کے کوئی دفن ہی نہیں ہو سکے گا۔ دوم یہ کہ خدا اپنی مالک یوم الدین کی صفت انجمن کے کارکنوں اور بہشتی مقبرہ کے کارپردازوں کے ہاتھ میں کس طرح دے سکتا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت اقدس کا اصل مطلب اس تحریک سے فقط اپنی جماعت کے ممبروں میں دین کے لئے قربانی کی رُوح پیدا کرنا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ آپ کے مرید دین کے لئے قربانی کر کے اپنے ایمان اور اخلاص کا ثبوت دیں۔ انہیں اس مقبرہ کے بہشتی اور نہ بہشتی ہونے کی فکر نہ تھی۔ انہیں اپنے دوستوں کے بہشتی ہونے کی فکر تھی۔ اور وہ اسی طرح ہو سکتا تھا کہ ان میں تقویٰ وطہارت کے حصول کا ایک زبردست خیال اور قربانی کی ایک نمایاں رُوح پیدا کی جائے۔ چنانچہ اسی ضمیمہ متعلقہ الوصیت کے آخر میں جہاں یہ لکھا ہے کہ بہشتی مقبرہ میں داخلہ کے لئے ان شرائط کی پابندی پر "شکایت کرنیوالا منافق ہوگا" وہاں اس کے آگے ہی یوں تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ وہ شرائط ضروریہ ہیں جو اُوپر لکھی گئی ہیں۔ آئندہ اس مقبرہ بہشتی میں وہ دفن کیا جائیگا جو ان شرائط کو پُورا کرے گا ممکن ہے کہ بعض آدمی جن پر بدگمانی کا مادہ غالب ہو وہ ہمیں اس کارروائی میں اعتراضوں کا نشانہ بناویں اور اس انتظام کو اغراض نفسانیہ پر مبنی سمجھیں یا اسکو بدعت قرار دیں۔ لیکن یاد رہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے کام ہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ بلاشبہ اس نے

ارادہ کیا ہے کہ اس انتظام سے منافق اور مومن میں تمیز کرے۔ اور ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ جو لوگ اس الٰہی انتظام پر اطلاع پاکر بلا توقف اس فکر میں پڑتے ہیں کہ دسواں حصّہ کل جائداد کا خدا کی راہ میں دیں بلکہ اس سے بھی زیادہ جوش دکھلاتے ہیں وہ اپنی ایمانداری پر مہر لگا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الٓمّٓ۔ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنّا وھم لا یفتنون۔ کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ میں اسی قدر پر راضی ہو جاؤں کہ وہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لائے اور ابھی ان کا امتحان نہ کیا جائے۔ اور یہ امتحان تو کچھ بھی چیز نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا امتحان جانوں کے مطالبہ پر کیا گیا۔ اور انہوں نے اپنے سر خدا کی راہ میں دیئے۔ پر ایسا گمان کہ کیوں یونہی عام اجازت ہر ایک کو نہ دی جائے کہ وہ اس قبرستان میں دفن کیا جائے کس قدر دور از حقیقت ہے۔ اگر یہی روا ہو تو خدا تعالیٰ نے ہر ایک زمانہ میں امتحان کی کیوں بنا ڈالی۔ وہ ہر ایک زمانہ میں چاہتا رہا ہے کہ خبیث اور طیب میں فرق کرکے دکھلاوے۔ اس لئے اُس نے اب بھی ایسا ہی کیا۔۔۔۔۔ ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت کے امتحان سے بھی اعلیٰ درجہ کے مخلص جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جائیں گے اور ثابت ہو جائے گا کہ بیعت کا اقرار اُنہوں نے سچا کرکے دکھلا دیا۔ اور اپنا صدق ظاہر کر دیا۔ بیشک یہ انتظام منافقوں پر بہت گراں گزرے گا اور اس سے اُن کی پردہ دری ہوگی۔"

دیکھ لیجئے کہ یہ سارا انتظام جو ہے محض اس لئے ہے کہ مخلصین اور منافقین میں ایک تمیز ہو جائے۔ کہ کون خدا کی راہ میں مال دیکر اپنے ایمان پر مُہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ اور کون مال کی محبت میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد توڑ کر منافقوں میں شامل ہوتا ہے۔ جو خدا کی راہ میں قربانی کرے گا اور متقی ہوگا وہ بہشتی ہے خواہ وہ بہشتی مقبرہ کا نام رکھنے والے قبرستان میں دفن ہو یا نہ ہو۔ اور جس میں یہ باتیں نہیں تو اس نام کے بہشتی مقبرہ میں دفن ہو جانا اُسے بہشتی نہیں بنا سکتا۔ یہ ایک حقیقت الامر ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب سے خدا نے قطعاً وعدہ نہیں فرمایا کہ اس میں وہی دفن ہوں گے جو بہشتی ہوں گے۔ البتہ آپ کے دل کی تمنّا ضرور یہ تھی۔ اس تمنّا کو پورا ہوتا دیکھنے کے لئے آپ نے دعا بھی کی۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خدا نے قطعاً وحی نہیں فرمائی کہ تمہاری یہ دعا مقبول ہے۔ اور اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ خدا کی مالک یوم الدین صفت ہی ہے جو بندوں کے اعمال کا محاسبہ کرتی ہے۔ اور کرے گی۔ اس میں انسان کا کسی قسم کا دخل ممکن نہیں۔ حضرت اقدس بھی اس کو سمجھتے تھے

اسی لئے خدا ہی سے بار بار دعا کرتے تھے کہ یا اللہ تو خود ایسا کر کہ اُس میں جو دفن ہوں بہشتی ہوں۔ اور اگر آپ کی دعا قبول ہو جاتی تو اُس کی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ اس میں سوائے بہشتی کے اور کوئی داخل ہی نہ ہو سکے۔ لیکن آپ کی اس دعا کے قبول ہونے میں دو بڑی مشکلات تھیں۔ اوّل تو یہ کہ اس طرح پھر ایمان بالغیب نہیں رہتا۔ دوم یہ کہ بغیر خدا کے حضور میں کھڑے ہونے اور اعمال کے محاسبہ کے محض کارپردازان مقبرہ بہشتی کی اجازت سے بہشت میں داخل ہو جانا کیسے ممکن ہو سکتا تھا۔ خدا کی مالک یوم الدین صفت کا ظہور انسانی ذرائع سے مستغنی ہے۔ یہ فقط بندہ کا اور اس کے رب کا معاملہ ہے۔ جس میں نہ کسی انسان کا دخل ہو سکتا ہے اور نہ فرشتہ کا۔ تو اس معاملہ میں بہشتی مقبرہ کے کارکنوں کی اجازت کیا معنی رکھتی ہے۔ رسولوں اور ماموروں کی اس قسم کی دعائیں جیسی حضرت اقدس نے کی محض مومنوں پر شفقت اور رحم کے تقاضہ سے ہوتی ہیں۔ لیکن خدا کے قوانین اٹل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفات اور افعال کے تقاضہ کو پورا کرنے میں کسی کی بھی دعا کو اگر وہ اس کے خلاف پڑتی ہو درجۂ قبولیت نہیں بخشتا۔ خواہ وہ دعا کرنے والا کتنا ہی مقرب الٰہی کیوں نہ ہو۔

اعتراض ۲ کا جواب دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت اقدس نے جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو ان شرائط سے مستثنٰے رکھا جو آپ نے ساری جماعت کے لئے بہشتی مقبرہ میں داخل ہونے کیلئے ضروری قرار دی تھیں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آپ کے لئے اور آپ کے اہل و عیال کے لئے بہشت میں داخل ہونے کے لئے نہ تقویٰ کی ضرورت تھی نہ کسی ایثار و قربانی کی۔ آپ کے اہل و عیال کے لئے کوئی دوسری شریعت تو نازل ہوئی نہ تھی جس کے رو سے تقویٰ و طہارت اور اللہ کی راہ میں قربانیوں سے اُنہیں مستثنٰے کر دیا جاتا۔ اور وہ بغیر ان شرائط کے بہشت میں داخل ہو سکتے۔ اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے اہل و عیال سے کبھی تقویٰ کے خلاف کوئی اعمال سرزد ہو ہی نہیں سکتے حضرت اقدس مرزا صاحب کیا۔ دنیا میں کوئی انسان بھی نہیں کہہ سکتا خواہ وہ نبی ہو یا ولی کہ میری اولاد اور خاندان کے لوگ ہمیشہ متقی ہی ہوتے رہیں گے اور اگر یہ سچ ہے کہ حضرت نوح علیہ السّلام جیسے برگزیدہ اور عظیم الشان نبی کا بیٹا کافر اور فاسق و فاجر تھا اور وہ باوجود اُن کی دعاؤں کے ہلاکت سے نہ بچ سکا۔ اور اگر یہ سچ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام جیسے شان و شوکت والے نبی کے بیٹے نے باپ کی گدی کو اپنی نالائقی سے تباہ کر دیا۔ اور اگر یہ سچ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام جیسے خدا کے محبوب نبی اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السّلام جیسے برگزیدہ نبیوں کی اولاد وہ قوم یہود تھی جو ملعون اور مردودِ بارگاہِ الٰہی ہوئی۔ اور اگر یہ سچ ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل

علیہما السلام جیسے مقرب نبیوں کی اولاد میں سے ہی ابوجہل اور ابولہب اور مکہ کے فتنہ انگیز بت پرست تھے۔ اور اگر یہ سچ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے جو بیٹی کی طرف سے چلی بڑے بڑے فاسق وفاجر اور کافر ومرتد سیّد بھی پیدا ہوئے تو حضرت مرزا صاحب کی اولاد کے متعلق کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ وہ متقی ہی ہوں گے اور اُن میں فسق وفجور پیدا نہیں ہوسکتا۔ آخر مرزا سلطان احمد مرحوم اور مرزا فضل احمد مرحوم حضرت مرزا صاحب کی ہی اولاد تھے۔ پھر اُن کے بعض اعمال کی وجہ سے جو حضرت اقدس نے انہیں اپنے سے علیحدہ کر دیا تھا تو اس سے کیا صاف یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ حضرت مرزا صاحب کی اولاد ہونا متقی ہونے کی سند نہیں ہوسکتی۔ ایسا کہنا واقعات کے برخلاف ہوگا۔ پھر جب آپ کی اولاد ہونا کوئی متقی ہونیکی سند نہیں تو پھر بہشتی ہونے کی بھی سند نہیں۔ خود حضرت اقدس مرزا صاحب نے تریاق القلوب میں بڑی شرح وبسط سے اس مسئلہ پر تحریر فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ رُوحانی لوگوں کی طرف جسمانی آل کی نسبت اُنکی ایک قسم کی ہتک ہے اُنکی رُوحانی مناسبت کے لحاظ سے وہی لوگ اُنکے ساتھ آل کا حکم رکھتے ہیں جو رُوحانی طور پر اُنکے متبع اور اُنکے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ پس اندریں حالات آپ کا خدا کے حکم سے اپنے اہل وعیال کو مستثنےٰ کرنا اس وجہ سے تو نہیں ہوسکتا کہ آپ کی اولاد ہمیشہ متقی ہی ہوگی۔ اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ آپ کی اولاد کو جنت میں جانے کے لئے کسی تقویٰ کی ضرورت نہیں۔ آپ کی اولاد کیلئے کوئی دوسرا قرآن تو نہیں اُترا۔ کوئی دوسری شریعت تو نازل نہیں ہوئی۔ شریعت تو اپنے قانون سے کسی اُمتی کو بھی مستثنےٰ نہیں کرتی۔ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ "قیامت میں تیرے اعمال تیرے کام آئیں گے میرا باپ ہونا تیرے کام نہیں آئے گا"۔ پس مستثنےٰ کرنے کی ایک ہی وجہ معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس قبرستان کو اپنے خاندان کیلئے آپ نے بہشتی مقبرہ قرار نہیں دیا بلکہ خاندانی مقبرہ قرار دیا۔ اگر اپنے خاندان کے لئے اس مقبرہ کو بہشتی مقبرہ قرار دیتے تو ضروری تھا کہ ان شرائط سے اُن کو کبھی مستثنےٰ نہ کرتے جو جنت میں داخل ہونے کیلئے قرآن کریم نے لگا دی ہیں۔ کیونکہ اُن کے خاندان کے لئے کوئی نیا قرآن اور کوئی نئی شریعت نازل نہیں ہوئی تھی۔ پس حضرت صاحب کا ان لوگوں کو ان شرائط سے مستثنےٰ کر دینا جو بہشتی مقبرہ میں داخل ہونے کیلئے آپ نے ضروری قرار دی تھیں (اور جو دراصل قرآن کریم کی ہی شرائط ہیں جو جنت میں داخل ہونے کیلئے لازمی ہیں) بتلاتا ہے کہ آپ نے اپنے خاندان کیلئے اس قبرستان کو ایک خاندانی قبرستان کی حیثیت دی بہشتی مقبرہ کی حیثیت نہیں دی۔ مَیں بار بار بتا چکا ہوں کہ بہشتی مقبرہ اُس زمین کا نام نہیں جہاں قبرستان ہے بلکہ بہشتی مقبرہ اُن اعمال سے بنتا ہے جو شرائط میں درج تھے۔ پس جن کیلئے اعمال کی شرائط نہیں اُن کیلئے وہ بہشتی مقبرہ نہیں۔ اُن کیلئے یقیناً وہ ایک

معمولی قبرستان ہے ۔

دو سوال یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں (۱) ایک تو یہ کہ حضرت اقدس نے اپنے آپ کو بھی مستثنےٰ کیا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہو کہ یہ سچ ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو بھی مستثنےٰ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رویا میں آپ کو اپنی چاندی کی مٹی والی قبر الگ دکھلائی گئی تھی۔ اور جماعت کے برگزیدہ لوگوں کی قبریں جن کا نام بہشتی مقبرہ بتایا گیا تھا الگ دکھایا گیا تھا پس آپ کو بہشتی مقبرہ میں داخلہ کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ آپ کا تو وہ مقام تھا کہ آپ کے طفیل صدہا انسان جنتی بن گئے۔ آپ کی قبر بجائے خود روضۃ من ریاض الجنۃ یعنی جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ تھی۔ تو آپ نے اگر اپنے آپ کو مستثنےٰ کیا تو عین اس رویا کے مطابق کیا اور نہایت ٹھیک کیا ۔

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ نے اپنے خاندان اور اولاد کے لئے اس قبرستان کو خاندانی قبرستان کیوں قرار دیا۔ اُن کے لئے بھی اس کی بہشتی مقبرہ کی حیثیت کیوں نہ رہنے دی۔ اور آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ خدا نے یہ استثنا رکھی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی علیم و خبیر ذات تو بڑی ستّار ہے۔ جناب الٰہی کے اخلاق میں بڑی چشم پوشی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تو علم تھا کہ حضرت مرزا صاحب کی اولاد میں اگر نیک اور متقی بھی ہوں گے تو بد اعمال لوگ بھی ہوں گے۔ پس اگر اس قبرستان میں دفن ہونے کے لئے تقویٰ اور قربانی کی شرائط اُن کے لئے بھی لازم حال کر دی جاتیں تو ظاہر ہے کہ آپ کی اولاد کے معاملہ میں بعض حالات میں یا تو حضرت اقدس کے مرید اہل بیت سمجھ کر چشم پوشی اور لحاظ کر جاتے اور بہشتی مقبرہ کے سارے قواعد کو توڑ کر انہیں باوجود متقی نہ ہونے اور ایثار نہ کرنے کے وہیں دفن کر دیتے۔ اور اگر لحاظ اور چشم پوشی نہ کرتے اور اعمال کی چھان بین کرتے تو پھر خواہ مخواہ کی پردہ دری ہوتی اور یہ امر غیروں کی نگاہ میں ایک رسوائی کا موجب بن جاتا۔ اور اولاد کے طرفداروں اور محققین کے درمیان ایک جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوتا۔ علاوہ ازیں حضرت اقدس کی اولاد اور خاندان والے اس زمین کو جدّی جائداد قرار دیتے ہوئے الگ مالکانہ حقوق جتلاتے پھرتے اور کیا عجب کہ اس جھگڑے میں ساری انجمن کو ہی دھتا بتا دیتے۔ پس اللہ تعالیٰ کی حکیم اور ستّار صفت نے یہی چاہا کہ اس جھگڑے کو ہی درمیان سے ہٹا دیا جاوے۔ جیسا بھی جو آدمی ہوگا خدا آپ اس سے حساب لے لیگا۔ نیک ہوگا تو اُسے جنت دیدیگا۔ بد ہوگا تو اُس کی مرضی ہے خواہ مغفرت کرے یا سزا دے۔ کیا ضرور ہے کہ بہشتی مقبرہ کا قصہ درمیان میں لاکر ایک ناحق کا فتنہ جگایا جاوے۔ اللہ تعالیٰ کی ستّاری سے فائدہ اُٹھا کر بعض لوگوں کا غالیانہ طریق پر یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت اقدس کی اولاد سب جنتی ہے نہایت غلط استدلال اور افراط ہے ۔

کسی نیک آدمی کی بھی اولاد کی نسبت یہ کہنا کہ وہ سب نیک ہی ہوگی جیسا کہ میں اُوپر ثابت کر آیا ہوں بالکل غلط اور ایک خلاف واقعہ امر ہے۔ علاوہ ازیں اگر سب جنتی تھے تو اُنہیں مستثنےٰ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ استثنا بجائے خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُن میں ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جو اُن شرائط کو پورا نہ کر سکیں۔ اس لئے مصلحت اسی میں سمجھی گئی کہ اس فتنہ کو نہ جگایا جائے۔ اور اس قبرستان کو اُن کے لئے ایک خاندانی قبرستان کی حیثیت میں ہی رہنے دیا جائے۔ اسی طرح وہ مخالف جو اس معاملہ میں حضرت اقدس مرزا صاحب پر بدظنی کرتے ہیں وہ بھی غلطی اور تفریط کی راہ پر ہیں۔ ذرا سے غور کرنے سے معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ حضرت اقدس نے وصایا کے روپوں کے جمع کرنے اور خرچ کرنے کا اختیار ایک انجمن کے سپرد کیا اور اپنے اور اپنے خاندان کے ساتھ اس کا کوئی واسطہ نہیں رکھا۔ اس لئے اپنے خاندان کے لئے یہ روپیہ جمع کرنے کی ترکیب تو نہ ہوئی۔ رہ گیا یہ کہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بلا شرط قبرستان میں دفن کرنے کی کیوں اجازت دی۔ اس کی وجہ میں عرض کر ہی چکا ہوں۔ ایک قبرستان کسی کے لئے تبھی بہشتی مقبرہ بن سکتا ہے جب وہ متقی ہو اور خدا کے رستہ میں قربانیاں کرے۔ جو ایسا نہیں کرتا اس کے لئے وہ بہشتی مقبرہ قطعاً نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے وہ ایک معمولی قبرستان ہے۔ اذا فات الشرط فات المشروط۔ حضرت مرزا صاحب کی اولاد اگر تقویٰ سے کام لیگی اور قربانیاں کرے گی ان کیلئے بھی وہ بہشتی مقبرہ ہوگا۔ اگر نہیں کریگی تو وہ دفن تو بیشک اس میں ہو جائیں گے لیکن اس حالت میں اُن کیلئے وہ ایک معمولی مقبرہ ہوگا۔ بہشتی مقبرہ نہ ہوگا۔ البتہ خاندانی مقبرہ ہونے کی وجہ سے اُنہیں اُس میں دفن ہونیسے کوئی شخص روک نہیں سکتا۔

چشمۂ مسیحی

وجہ تصنیف ۹۔ مارچ ۱۹۰۶ء کو حضرت اقدس نے ایک کتاب چشمۂ مسیحی شائع فرمائی۔ یہ عیسائیوں کی کتاب ینابیع الاسلام کا جواب ہے۔ اس کی تصنیف کی وجہ یہ ہوئی کہ عیسائیوں کی کتاب ینابیع الاسلام پڑھ کر یا نس بریلی (یو۔ پی) کے ایک مسلمان نے حضرت اقدس کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ اس کتاب کو پڑھ کر اسلام کی صداقت کے متعلق مجھے بعض وساوس دامنگیر ہو گئے ہیں اور ان وساوس کا بھی ذکر کیا۔ جس پر آپ نے یہ ایک چھوٹی سی کتاب تصنیف فرمائی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہے تو چھوٹی سی کتاب مگر دراصل علم کا ایک سمندر کوزہ میں بھرا ہوا ہے۔ شروع اس طرح فرماتے ہیں:۔

"السلام علیکم۔ بعد ہذا واضح ہو کہ میں نے آپ کا خط بڑے افسوس سے پڑھا جس کو آپنے ایک

عیسائی کی کتاب ینابیع اسلام نام کی پڑھنے کے بعد لکھا۔ مجھے تعجب ہے کہ وہ قوم جن کا خدا مُردہ۔ مذہب مردہ۔ جن کی کتاب مردہ۔ اور جو رُوحانی آنکھ کے نہ ہونے سے خود مُردے ہیں۔ انکی دروغ اور پُرافترا باتوں سے اسلام کی نسبت آپ تردد میں پڑ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کو یاد رہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صرف خدا کی کتابوں کی تحریف نہیں کی بلکہ اپنے مذہب کو ترقی دینے کے لئے افترا اور مفتریانہ تحریروں میں ہر ایک قوم سے سبقت لے گئے۔ چونکہ ان لوگوں کے پاس وہ نور نہیں جو سچائی کی تائید میں آسمان سے اُترتا اور سچے مذہب کو اپنی متواتر شہادتوں سے دنیا میں ایک صریح امتیاز بخشتا ہے اس لئے یہ لوگ ان باتوں کے لئے مجبور ہوئے کہ لوگوں کو ایک زندہ مذہب یعنی اسلام سے بیزار کرنے کیلئے طرح طرح کے افتراؤں اور مکروں اور فریبوں اور دھوکہ دہی اور محض جعلی اور بناوٹی باتوں سے کام لیا جاوے ...... یہ لوگ اُن ساحروں سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے موسیٰ نبی کے سامنے رسّی کے سانپ بنا کر دکھا دیئے تھے مگر چونکہ موسیٰ خدا کا نبی تھا اس لئے اُس کا عصا ان تمام سانپوں کو نگل گیا۔ اسی طرح قرآن شریف خدا تعالیٰ کا عصا ہے وہ دن بدن رسیوں کے سانپوں کو نگلتا جاتا ہے۔ اور وہ دن آتا ہے بلکہ نزدیک ہے کہ ان رسیوں کے سانپوں کا نام ونشان نہ رہیگا۔"

مضمونِ کتاب

اس کے بعد آپ نے ینابیع الاسلام کے اعتراضات کے پرخچے اُڑا دیئے ہیں۔ اور پھر الزامی رنگ میں لکھا ہے کہ انجیل کی تعلیم خود یہودیوں کے طالمود اور بُدھ مذہب اور دیگر مذاہب سے سرقہ کر کے لی گئی ہے۔ اور پھر بتایا ہے کہ جو کچھ لیا گیا وہ بھی ایسی ناقص تعلیم ہے کہ اخلاق کی فقط ایک شاخ پر زور دیتی ہے اور باقی شاخوں سے بے توجہی برتتی ہے جو بجائے خود ایک بہت بڑا نقص ہے۔ اس کے بالمقابل آپ نے اسلام کی تعلیم کے کامل ہونے کو نہایت مدلل اور معقول طریق پر ثابت کیا ہے اور عیسائیت اور آریہ مت اور اسلام کی تعلیمات کا باہم مقابلہ کر کے اسلام کی صداقت اور فضیلت پر دلائل کا آفتاب چڑھا دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ حقیقی نجات محض عذاب سے بچ جانیکا ہی نام نہیں بلکہ حقیقی نجات حصول معرفت ومحبت الٰہی کا دوسرا نام ہے اور پھر عیسائیت اور آریہ مت اور اسلام کا مقابلہ کر کے دکھایا ہے کہ سوائے اسلام کے آج کوئی مذہب خدا کی سچی توحید اور اُس کی صفات کاملہ کا صحیح علم اور معرفت نہیں پیش کرتا۔ یہ خصوصیت اسلام ہی کی ہے کہ اُس نے حقیقی اور زندہ خدا کو پیش کر کے نجات حقیقی کی وہ صراط مستقیم پیش کی ہے جس پر چل کر ایک انسان ہر زمانہ میں اُس کے ثمرات اور برکات سے متمتع ہوتا رہتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"چونکہ وہ خدا جس نے اس دنیا کو پیدا کیا ہے بخیل نہیں ہے بلکہ اُسکے فیوض اُمی ہیں ...... اسلئے وہ بشرط تقویٰ اور مجاہدہ جو کچھ اوّلین کو دیا ہے وہ آخرین کو بھی دیتا ہے۔ جیسا کہ خود اُس نے قرآن شریف میں یہ دُعا سکھائی ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ یعنی اے ہمارے خدا ہمیں وہ سیدھی راہ دکھلا جو اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا فضل اور انعام ہوُا۔ اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ وہی فضل اور انعام جو تمام نبیوں اور صدیقوں پر پہلے ہو چکا ہے وہ ہم پر بھی کر اور کسی فضل سے ہمیں محروم نہ رکھ۔ یہ آیت اس اُمت کو اس قدر عظیم الشان اُمید دلاتی ہے جس میں گزشتہ اُمتیں شریک نہیں ہیں۔ کیونکہ تمام انبیا کے متفرق کمالات تھے اور متفرق طور پر اُن پر فضل اور انعام ہوُا۔ اب اس اُمت کو یہ دُعا سکھلائی گئی کہ ان تمام متفرق کمالات کو مجھ سے طلب کرو۔ پس ظاہر ہے کہ جب متفرق کمالات ایک جگہ جمع ہو جاویں گے تو وہ مجموعہ متفرق کی نسبت بڑھ جائے گا۔ اسی بنا پر کہا گیا کہ کنتم خیر اُمّۃٍ اخرجت للناس۔ یعنی تم اپنے کمالات کے رُو سے سب اُمتوں سے بہتر ہو۔ اب یہ بھی جاننا چاہئے کہ یہ کمالات متفرقہ اس اُمّت میں جمع کرنے کا کیوں وعدہ دیا گیا اس میں بھید یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم جامع کمالات متفرقہ ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فبھدٰھم اقتدہ یعنی تمام نبیوں کو جو ہدایتیں ملی تھیں اُن سب کا اقتدا کر۔ پس ظاہر ہے کہ جو شخص اُن تمام متفرق ہدایتوں کو اپنے اندر جمع کریگا اُس کا وجود ایک جامع وجود ہو جائے گا اور تمام نبیوں سے وہ افضل ہوگا۔ پھر جو شخص اُس نبی جامع الکمالات کی پیروی کرے گا ضرور ہے کہ ظلّی طور پر وہ بھی جامع الکمالات ہو۔ پس اس دعا کے سکھلانے میں جو سورۃ فاتحہ میں ہے یہی راز ہے کہ تا کاملین اُمت جو نبیؐ جامع الکمالات کے پیرو ہیں وہ بھی جامع الکمالات ہو جائیں۔ پس افسوس اُن لوگوں پر جو اس اُمت کو ایک مردہ اُمّت خیال کرتے ہیں اور خدا تو جامع الکمالات ہونے کے لئے اُن کو دعا سکھلاتا ہے مگر وہ محض مردہ رہنا چاہتے ہیں ...... تعجب کہ یہ لوگ اس قدر تو مانتے ہیں کہ اب بھی خدا تعالیٰ سُنتا ہے جیسا کہ پہلے سُنتا تھا مگر یہ نہیں مانتے کہ اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ پہلے بولتا تھا حالانکہ اگر وہ اس زمانہ میں بولتا نہیں تو پھر سننے پر بھی کوئی دلیل نہیں۔"

غرضکہ کتاب چھوٹی سی ہے مگر بہت قابل قدر اور باطل کی سرکوبی کیلئے زبردست حربہ ہے۔

دہلی کے پادری احمد مسیح صاحب کا مباہلہ سے فرار

پادری احمد مسیح کا مولوی عبدالمجید صاحب سے مناظرہ

شہر دہلی کے ایک نابینا عیسائی واعظ احمد مسیح صاحب جو ایس۔پی۔جی مشن کے پادری ہیں بہت دلچسپ آدمی ہیں۔ اُنہیں مناظرہ کا بیحد شوق ہے اور چونکہ پہلے مسلمان تھے اور حافظ بھی تھے اس لئے قرآن شریف کی آیات بھی خوب پڑھتے ہیں۔ اُنہوں نے دہلی کے علماء کی مسئلہ حیات مسیح میں صریح کمزوری جو محسوس کی تو ان مولویوں سے مسئلہ حیات و وفات مسیح پر مناظرہ شروع کر دیا عجیب یہ کہ عیسائی ہو کر پادری احمد مسیح وفات مسیح کے مدعی بنے اور مولوی عبدالمجید صاحب جو دہلی کے مشہور مولوی تھے مسلمان ہو کر حیات مسیح کے مدعی بنے۔ فروری ۱۹۰۵ء میں یہ دلچسپ مناظرہ چلتا رہا۔ اور اس میں مولوی عبدالمجید صاحب نے شکست فاش کھائی چنانچہ خود مرزا حیرت دہلوی نے کئی لوگوں کے سامنے اعتراف کیا کہ میں نے اپنے اخبار کرزن گزٹ میں اسی لئے اس مناظرہ کو نہیں چھاپا کہ اس میں مولوی عبدالمجید صاحب کو شکست فاش ہوئی۔ لیکن پادری احمد مسیح نے یہیں تک بس نہیں کی بلکہ ۲۲۔ مئی ۱۹۰۵ء کو مولوی عبدالمجید صاحب کو بذریعہ ایک اشتہار مباہلہ کے لئے چیلنج دیدیا جس میں مولوی عبدالمجید صاحب سے ان الفاظ کے ساتھ قسم کھانے کا مطالبہ کیا:۔

"میں اُس خدا قادر مطلق کی قسم کھا کر جس نے محمد صلعم کو نبی اور قرآن کو اپنی وحی سے نازل فرمایا ہے اپنے یقین دلی و اطمینان قلبی سے ایمان کے ساتھ کہتا ہوں کہ مسیح ابن مریم کی وفات قرآن اور حدیث سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ میرا ایمان ہے کہ قرآن و حدیث سے مسیح کی حیات وصعود آسمانی بجسد عنصری خاکی بشری ثابت ہوتا ہے اور احمد مسیح نے جو دلائل وفات پیش کئے ہیں وہ بالکل غلط اور خلاف قرآن و حدیث ہیں ان سے تو حیات ثابت ہے نہ کہ وفات"

اب عجیب بات یہ ہوئی کہ مولوی عبدالمجید صاحب اس مباہلہ سے بھاگ گئے کیونکہ پادری احمد مسیح نے قرآن و حدیث سے وہی دلائل پیش کئے تھے جو حضرت اقدس مرزا صاحب پیش کیا کرتے تھے۔ پادری صاحب موصوف نے اُنہیں ازبر کیا ہوا تھا۔ مولوی عبدالمجید صاحب نہ جواب دے سکے نہ مباہلہ کی ہی جرأت کر سکے۔

پادری احمد مسیح کا میر قاسم علی صاحب سے مناظرہ

پادری احمد مسیح صاحب مناظرہ کے تو عادی تھے ہی۔ مارچ ۱۹۰۶ء میں میر قاسم علی صاحب احمدی سے جو ان دنوں دہلی میں ملازم تھے مباحثہ

شروع کر دیا۔ اور وہ وہی مناظرہ تھا جو پچھلے سال مولوی عبدالمجید صاحب سے تھا۔ مگر اب کے دفعہ نوعیت اور تھی۔ پادری صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ مسیح صلیب پر مرگیا اور میر قاسم علی صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا بلکہ صلیب سے زندہ اُتر آیا اور بعد میں اپنی طبعی موت سے مرا۔ اس مباحثہ میں اہل دہلی نے بہت دلچسپی سے حصّہ لیا۔ اور باقاعدہ کئی روز تک یہ مناظرہ سلسلہ وار چلتا رہا۔ آخر ۲۸۔ مارچ ۱۹۰۶ء کو تمام حاضرین جلسہ نے یک زبان ہو کر حلفیہ شہادت ادا کی کہ پادری احمد مسیح صاحب ہار گئے اور میر قاسم علی صاحب جیت گئے۔ اور خود پادری احمد مسیح صاحب نے بھی مان لیا اور کہا کہ "میں ہار گیا تو کیا ہؤا میری قوم تو نہیں ہار گئی"۔ اسکے بعد ۴۔ اپریل ۱۹۰۶ء کو جو جلسہ ہؤا اس میں پادری احمد مسیح صاحب نے بدیں الفاظ اپنی شکست کا اعتراف کیا:۔

"حاضرین آپ نے جو جلسۂ گزشتہ میں میرے برخلاف احمدی کو ڈگری دے دی ہے اس سے مجھے چنداں رنج نہیں۔ بلکہ ایک قسم کی خوشی ہے اور وہ یہ کہ آپ نے بغیر سوچے جلدی سے سیّد صاحب کو ڈگری تو دیدی مگر یہ نہ جانا کہ اس ڈگری دینے سے ہم کو سیّد صاحب کے مذہب اور عقائد کا مان لینا بھی ضروری ہو گیا۔ پس میں بھی سیّد صاحب کو ہی ڈگری دیتا ہوں کہ آپ نے ایک کثیر جماعت سے عقائد احمدیہ کو منوا لیا"۔ (الحکم ۷۔ ا۔ اپریل ۱۹۰۶ء)

اس کے بعد میر قاسم علی صاحب نے پادری احمد مسیح صاحب کو کہا کہ آپ اب مجھ سے مباہلہ کرلیں لیکن پادری صاحب نے مباہلہ سے انکار کر دیا۔ لیکن بعد میں اشتہار دیدیا کہ میں میر قاسم علی صاحب کے مرشد اور امام مرزا غلام احمد صاحب سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں۔ چنانچہ اُس کا یہ اشتہار حضرت اقدس مرزا صاحب کی خدمت میں بھیجدیا گیا۔

درخواست مباہلہ منظور

اس کے جواب میں حضرت اقدس نے ۵۔ مئی ۱۹۰۶ء کو ایک اشتہار "درخواست مباہلہ منظور" کے عنوان سے شائع فرمایا۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"۲۔ مئی ۱۹۰۶ء کی ڈاک میں ۱۰ بجے کے قریب دہلی سے آیا ہؤا مجھے ایک پیکٹ ملا جو احمد مسیح واعظ ایس۔ پی۔ جی مشن دہلی نے شائع کیا ہے اور جس میں میرے ساتھ مباہلہ کی درخواست کی ہے۔ اگرچہ ایک عرصہ گزر چکا ہے کہ میں اللہ کے الہام اور ایما کے موافق اس ذریعہ سے تمام پادریوں اور دوسرے مخالفین اسلام پر حجت پوری کر چکا ہوں اور کوئی شخص مباہلہ کے لئے نہیں آیا۔ پادریوں نے تو ہمیشہ یہ عذر کر کے ہی اس پیالہ کو ٹالا کہ ہمارے مذہب میں درست نہیں۔ مگر اب معلوم نہیں کہ احمد مسیح نے اس کے جواز کا فتویٰ

کہاں سے حاصل کر لیا۔ بہرحال مجھے اس سے کچھ بحث نہیں۔ مَیں نے اس درخواست مباہلہ کو جو احمد مسیح عیسائی نے میری کسی درخواست کے بغیر ازخود شائع کی ہے غور سے پڑھا۔ دہلی کے سوا دوسری جگہ کے لوگ تو شاید احمد مسیح کے نام سے بھی واقف نہ ہوں۔ پھر میری سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ ایک گمنام آدمی سے مباہلہ کا کیا فائدہ ہوگا۔ وہ اپنے مباحثہ کا اثر صرف اپنی ہی ذات تک مانتا ہے تو مباہلہ کا اثر اس کی قوم پر کیونکر سمجھا جاوے گا......اور احمد مسیح اپنی اس درخواست میں کوئی وجہ نہیں بتاتا کہ وہ میر قاسم علی صاحب سے کیوں مباہلہ نہیں کرتا جبکہ مباحثہ اسی سے کیا ہے۔ ہمارے سیّد و مولیٰ امام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مباہلہ کے لئے نصاریٰ نجران کو دعوت دی تھی تو وہ مباہلہ ایک قوم کے ساتھ تھا بلکہ ان میں دو بشپ بھی تھے۔ اس لئے ایک فرد واحد سے مباہلہ کرنا خدا تعالیٰ کے اس آسمانی فیصلہ سے ہنسی کرنا ہے۔ مَیں جیسا کہ ظاہر کر چکا ہوں۔ اس سے پہلے مباہلہ کے ذریعہ پادریوں پر حجّت پوری کر چکا ہوں۔ دیکھو انجام آتھم صفحہ ۴۳۔ اور آئینہ کمالات اسلام ص۲۷۲۔ احمد مسیح کو اگر مباہلہ کرنا ہی ہے تو وہ میرے مرید میر قاسم علی صاحب سے بطور خود کرے جس نے اس کو دعوت دی ہے۔ لیکن اگر میرے ساتھ ہی مباہلہ ضروری ہے تو میں اس کی درخواست کو اس صورت میں منظور کر سکتا ہوں جب لاہور۔ کلکتہ۔ مدراس اور بمبئی کے بشپ صاحبان جو اپنے عہدہ۔ واقفیت۔ رسوخ اور اثر کی وجہ سے زیادہ قابل قدر ہیں ایسی درخواست کریں کیونکہ اس صورت میں مباہلہ کا اثر تمام قوم پر ہوگا۔ نہ کہ فرد واحد پر جس کا اپنی قوم پر کچھ بھی اثر نہیں۔ اور ایک ایسے شخص کے ساتھ (جو ایک کثیر التعداد جماعت کا امام اور مذہبی پیشوا ہو) مباہلہ کرنے والے اسی قسم کے لوگ ہونے چاہئیں۔ پس اگر احمد مسیح میرے ساتھ ہی مباہلہ کا شائق ہے جیسا کہ اس کی درخواست ظاہر کرتی ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ مذکورہ بالا بشپ صاحبان کی دستخطی درخواست میرے پاس بھجوا دے۔ مَیں اُن کی درخواست کو ان شاء اللہ العزیز رد نہیں کروں گا۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ وہ چاروں یکجا جمع نہیں ہو سکتے تو مَیں یہ بھی ظاہر کر دیتا ہوں کہ ایک جگہ جمع ہونے کی حاجت نہیں تحریری مباہلہ شائع ہو سکتا ہے۔ جب ان کی درخواست میرے پاس پہنچے گی تو پھر اخبارات میں مضمون مباہلہ فریقین کی طرف سے شائع ہو جائے گا اور اس کا انجام فیصلہ کن ہوگا۔ مَیں محض حق رسانی کے خیال سے یہ بھی منظور کرتا ہوں کہ اگر چاروں بشپ صاحبان انکار کر دیں تو پھر ان چاروں میں سے کسی ایک کے

ساتھ بھی باقیوں کے وکیل کی حیثیت سے مباہلہ کر لیا جاویگا۔ مگر یہ درخواست ان کی طرف سے ہوگی اس امر کے جواب کیلئے مَیں کافی وقت دیتا ہوں۔ اور تین ماہ تک جواب کا انتظار کروں گا۔"

پادری احمد مسیح صاحب کے ساتھ مباہلہ منظور

مذکورہ بالا اعلان کے بعد حضرت اقدس نے ۱۱ مئی ۱۹۰۶ء کو ایک اور اعلان شائع فرمایا جس میں خود احمد مسیح سے بھی مباہلہ منظور فرمایا مگر کچھ شرائط کے ساتھ۔ چنانچہ اس اعلان میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"لیکن آج مجھے خیال آیا ہے کہ اس مباہلہ میں عیسائی صاحبان کو اور بھی سہولت دی جائے تا کہ اُن کا کوئی جھوٹا عذر بھی باقی نہ رہے۔ اس واسطے مَیں اعلان کرتا ہوں کہ مَیں مباہلہ کے واسطے خود احمد مسیح نابینا کے بالمقابل ہی طیار رہوں۔ بشپ صاحبان اگر پسند نہیں کرتے تو وہ بالمقابل اپنا نام نہ پیش کریں۔ بلکہ اپنی تحریری سند دیکر بذریعہ چھپے ہوئے اشتہار کے اخبار پایونیر یا سول میں صرف یہ شائع کر دیں کہ احمد مسیح کا مغلوب ہونا ہر چہار بشپ صاحبان کا مغلوب ہونا سمجھا جاویگا یہ بات بھی ہم اس واسطے کہتے ہیں کہ احمد مسیح ایک گمنام آدمی ہے۔ اور جب تک بشپ صاحبان اس کو اپنا قائم مقام نہ بناویں قوم پر کچھ اثر نہیں ہو سکتا لیکن اب معاملہ بہت صاف کر دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ بشپ صاحبان پورے غور و فکر کے بعد اس مباہلہ کو منظور کر لیں گے۔ مکرر آنکہ یہ کہ اگر ہر چہار بشپ منظور نہ کریں تو صرف لاہور کے بشپ صاحب کی ہی تحریر کافی سمجھی جائے گی۔"

پادری احمد مسیح کا فرار

اس کے جواب میں پادری احمد مسیح صاحب نے ہوں تک نہ کی بس خاموشی میں ہی اپنی نجات سمجھی۔ گو اس طرح مسیحیت کے بطلان پر تو مُہر لگ گئی۔ مگر اُن کی اپنی جان بچ گئی۔ ؁۱

۱۹۰۶ء کے متفرق واقعات

رسالہ تشحیذ الاذہان کا اجرا

یکم مارچ ۱۹۰۶ء سے حضرت اقدس کے بڑے صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی ایڈیٹری میں ایک ماہوار اُردو رسالہ نکلنا شروع ہوا جس کا نام "تشحیذ الاذہان" رکھا گیا۔

رسالہ تعلیم الاسلام کا اجرا

جولائی ۱۹۰۶ء سے مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کا ایک اپنا ماہوار اُردو رسالہ نکلنا شروع ہوا جس کا نام "تعلیم الاسلام" رکھا گیا۔

؁۱ کچھ عرصہ ہوا پادری احمد مسیح صاحب سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کا بڑی عزت کے الفاظ میں ذکر کرتے تھے مجھے تو ایسا محسوس ہوا کہ حق انکے دل پر اثر کر چکا ہے اور وہ دل سے احمدی مسلمان ہیں۔ یہ میرا اپنا خیال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (مؤلف)

مرزا بشیر احمد صاحب کی شادی | ۱۰۔ مئی ۱۹۰۶ء کو حضرت اقدس کے دوسرے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی شادی کی تقریب پر مرزا بشیر احمد صاحب کے ہمراہ میر ناصر نواب صاحب، میاں محمود احمد صاحب و مولوی سرور شاہ صاحب و خواجہ کمال الدین صاحب اور دیگر احباب پشاور گئے۔ جیسا کہ مَیں لکھ چکا ہوں۔ نکاح تو ستمبر ۱۹۰۲ء میں مولانا غلام حسن خاں صاحب سب رجسٹرار پشاور کی صاحبزادی سے ہو چکا تھا۔ اب فقط رخصتانہ تھا۔ ۱۶۔ مئی ۱۹۰۶ء کی شام کو برات واپس قادیان پہنچ گئی ✦

نکاح مرزا شریف احمد صاحب | ۱۵۔ نومبر ۱۹۰۶ء مطابق ۲۷۔ رمضان ۱۳۲۴ھ کو حضرت اقدس کے تیسرے صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کا نکاح نواب محمد علی خاں صاحب آف مالیر کوٹلہ کی صاحبزادی زینب بیگم صاحبہ کے ساتھ ہوا۔ نئے مہمانخانہ کے اوپر دارالبرکات کے صحن میں یہ نکاح حضرت مولانا نور الدین صاحب نے پڑھا۔ حضرت اقدس بھی اس مجلس نکاح میں شریک تھے ✦

ڈاکٹر عبد الحکیم خاں صاحب کا جماعت احمدیہ سے ارتداد

ڈاکٹر عبد الحکیم خاں صاحب تراوڑی ضلع کرنال کے رہنے والے تھے۔ ریاست پٹیالہ میں اسسٹنٹ سرجن تھے۔ اور وہیں کی بود و باش اختیار کر لی تھی۔ یہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی مریدی میں قریباً بیس سال سے داخل تھے۔ یعنی ابھی آپ نے دعویٰ مسیحیت بھی نہ کیا تھا اور ڈاکٹر صاحب موصوف ابھی میڈیکل کالج لاہور میں پڑھتے تھے تب سے یہ حضرت مرزا صاحب کے مرید تھے۔ زمانۂ طالبعلمی سے ہی اُن کا دعویٰ تھا کہ مجھے خوابیں آتی ہیں اور الہام بھی ہوتے ہیں۔ ان خوابوں اور الہاموں کی کیفیت اور نوعیت کا تو علم اللہ کو ہے یا اُن کو خود ہوگا۔ مگر وہ کوئی بڑے عابد اور باعمل شخص نہ تھے۔ ۱۹۰۳ء میں خاکسار مؤلف جب پٹیالہ گیا ہے تو ڈاکٹر عبد الحکیم خاں سے بھی ملا تھا۔ جو کچھ مجھے اُن کے پڑوسیوں اور ملنے والوں سے معلوم ہوا وہ یہ تھا کہ وہ صوم و صلوٰۃ کے بھی چنداں پابند نہ تھے۔ کبھی کوئی آ گیا تو نماز پڑھ لی ورنہ کوئی پابندی نہ تھی۔ عمل کا یہ حال تھا کہ طبیعت میں کبر اور خود پسندی بہت تھی اور سخت مغلوب الغضب آدمی تھے۔ لوگ ان کی اس عادت سے اکثر شاکی تھے۔ اور انکے اعزا و اقربا تک کو یہ شکایت تھی۔ بلکہ مولوی محمد عبد اللہ صاحب پروفیسر مہندر کالج پٹیالہ کا خیال تھا کہ انکا دماغی توازن درست نہیں ہے۔ انکا ایک بھائی نیم پاگل بھی تھا ✦

رویا و الہام پر کچھ مذاکرہ | یہاں شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ گزرے کہ ایسے بے عمل آدمی کا خواب دیکھنا کیا معنے۔ اس لئے مَیں یہاں اتنا عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ محض خوابیں دیکھنا یا کسی کو کوئی الہام ہو جانا اس شخص کے تقرب الی اللہ پر کوئی دلیل نہیں ہوا کرتی۔ قلب کے باطنی حواس جن کے ذریعہ انسان عالم باطن کے نظارے دیکھتا یا آوازیں سنتا ہے خدا نے سب انسانوں کو عطا فرمائے ہیں وہ بطور ایک فطری استعداد کے ہر ایک انسان کو ملے ہیں۔ ہاں کسی کو کم اور کسی کو زیادہ۔ اور بعض لوگوں میں بوجہ عالم ظاہر میں انہماک کے اُن کے یہ باطنی حواس نشوونما نہیں پاتے لیکن ان حواس سے انکار نہیں ہو سکتا جو انسان کی فطرت میں رکھے گئے ہیں۔ پس کسی شخص کا کوئی خواب دیکھ لینا یا اُسے کوئی الہام ہو جانا محض اس کی فطرتی استعداد کا ایک اظہار ہے۔ اگر اس شخص کا قلب بکلی شیطان کی آمدورفت اور اس کے اثر سے محفوظ نہیں تو جو اُسے خواب نظر آئے گا یا الہام ہوگا وہ ممکن ہے شیطانی اثر سے ہو۔ عام انسانوں کے قلوب میں کبھی نیکی کی تحریک غالب ہوتی ہے کبھی بدی کی۔ گویا قلب انسانی میں کبھی رحمان کا گزر ہوتا ہے اور کبھی شیطان کا۔ پس جب قلب میں رحمان کا گزر ہوگا تو جو خواب آئے گا یا الہام ہوگا وہ رحمانی ہوگا۔ اور جب شیطان کا گزر ہوگا تو شیطانی ہوگا۔ اس لئے جب تک انسانی قلب ایمان کامل اور اعمال صالحہ کے ذریعہ بکلی شیطان کے اثر سے پاک نہ ہو جائے اور نفس کا تزکیہ اپنے کمال کو نہ پہنچ جائے۔ جیسا کہ انبیا اور محدثین اور اولیاء کاملین کے قلوب کا ہوتا ہے اُس وقت تک کسی انسان کے رویا و کشوف اور الہامات کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سب رحمان کی طرف سے ہیں۔ گو اُن کے منجانب اللہ ہونے کے اور نشانات اور علامتیں بھی ہیں۔ لیکن جو علامت سب سے زیادہ ضروری اور سب پر مقدم ہے وہ یہ ہے کہ کشف و الہام کا مدعی شخص تقویٰ و طہارت اور تزکیۂ نفس میں کمال حاصل کر چکا ہو اور اس کا قلب شیطان کے اثر سے بکلی محفوظ ہو چکا ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس کے الہام اور رویا کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ خدا کی طرف سے ہیں۔ کیونکہ جس شخص کا قلب ابھی شیطان کی آمدورفت سے بکلی محفوظ نہیں ہوا وہاں شیطان کی طرف سے کسی الہام کے ہو جانے یا رویا کے آ جانے کا ہر وقت ڈر ہے۔ بالخصوص اُن اوقات میں جب اُس پر جذباتِ نفس غالب ہوں جن کا محرک شیطان ہوتا ہے۔ مثلاً جب قلب پر کبر نفس اور خودپسندی کی حالت مستولی ہو یا غضب و نفرت کے جذبات غالب ہوں تو جو الہام بھی ہوگا یا رویا نظر آئے گی اس میں تاثرات شیطانی کا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اسی لئے کسی شخص کے بارے میں کسی کو موافق یا مخالف رویا یا الہام کا ہو جانا کوئی وقعت نہیں رکھتا جب تک انسان اس کے لئے پہلے سے ہر ایک جذبۂ محبت و نفرت سے

خالی الذہن ہو کر دعا اور توجہ نہ کرے۔ مَیں الٰہی بخش مصنّف عصائے موسیٰ کی نسبت لکھ آیا ہوں کہ ابتدا میں اُسے حضرت اقدس مرزا صاحب کی نسبت اچھے سے اچھے الہام ہوتے رہتے تھے لیکن جب آپ نے اُسے بتایا کہ اپنے الہامات اور رویا پر بہت زیادہ بھروسہ نہ کرو کیونکہ ابھی آپ کا تزکیۂ نفس اُس عالی مقام پر نہیں پہنچا جس پر اولیاء اُمت کا نفس ہوتا ہے تو وہ بہت ناراض اور کبیدہ خاطر ہؤا اور اس کے کبرِ نفس نے اسے اپنے آپ کو بڑا کر کے دکھایا تو شیطان نے جو ابھی قلب کے دروازہ پر ہی کھڑا تھا اُسے ایسے القائے شیطانی شروع کر دیئے کہ جن میں اُسکے نفس کی بڑائی اور حضرت اقدس مرزا صاحب کی تحقیر مضمر تھی۔ یہی حال ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کا ہؤا جیسا کہ مَیں ابھی آگے چل کر بتاتا ہوں۔ حضرت اقدس مرزا صاحب اسی وجہ سے جماعت کے اندر خواب بینی اور الہام کے شائقین کو فرمایا کرتے تھے کہ قیامت میں خدا یہ نہیں پوچھے گا کہ کتنے الہام ہوئے تھے اور کتنے خواب دیکھے تھے۔ البتہ یہ ضرور پوچھے گا کہ عمل کیسے کئے تھے۔ پس تزکیۂ نفس اور نیک اعمال کی طرف توجہ دو۔ خوابوں کے پیچھے نہ پڑو۔

۱۹۰۶ء کا ذکر ہے خاکسار مؤلف حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر تھا۔ کسی شخص نے اپنا خواب خط میں لکھ کر بھیجا اور تعبیر پوچھی۔ خواب یہ تھا کہ اُس نے دیکھا تھا کہ مَیں خلیفۃ اللہ بن گیا ہوں اور مجھے جبریل اور کل ملائکہ نے سجدہ کیا ہے۔ آپ نے اُسے لکھوایا کہ "بہت استغفار کرے اس کے کبرِ نفس سے فائدہ اُٹھا کر شیطان نے اُسے پھسلانا چاہا ہے۔ یہ شیطان اور اُس کی ذریت تھی جس نے اُسے سجدہ کیا ہے کہ یہ کوئی ہمارا بڑا گرو گھنٹال ہے"۔ آخرکار ایسے ہی لوگوں کی ہدایت کیلئے آپ نے کتاب حقیقۃ الوحی تصنیف فرمائی جس میں آپ نے اس حقیقت پر روشنی ڈالی کہ کس مقام پر پہنچ کر کسی رویا یا الہام کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ وہ منجانب اللہ ہے اور القائے شیطانی اور حدیث النفس سے بکلّی پاک ہے۔ اور بتایا کہ کبرِ نفس اور جذبات نفسانی کے غلبہ سے جب تک انسان کا قلب محفوظ نہ ہو جائے شیطان کے اثر سے اس کے الہامات اور رویا پاک نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ وغیرہ وغیرہ +

استراقِ سمع اسی طرح ایک اور بات بھی یہاں عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں وہ یہ کہ قرآن کریم میں جہاں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ انّ الشیاطین لیوحون الیٰ اولیاءھم کہ بیشک شیاطین اپنے اولیا کو وحی کرتے ہیں یعنی جن قلوب کا شیاطین سے تعلّق ہوتا ہے ان میں شیطان وحی کرتا رہتا ہے۔ وہاں یہ بھی قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی وحی کا انتشار جب عالمِ رُوحانیت میں ہوتا ہے اور فرشتوں کو اُس کی خبر کی جاتی ہے تو شیاطین بھی اِدھر اُدھر سے سُن سُنا کر بعض دفعہ کوئی سچی خبر اپنے اولیا کے قلوب میں وحی کر دیتے ہیں۔ اور اس سے اُنہیں اُس شخص کو اور زیادہ

گمراہ کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے کیونکہ اس سے اس کا کبر نفس اور زیادہ ترقی کرتا ہے۔ اور وہ غلطی خوردہ انسان اپنے آپ کو برگزیدۂ الٰہی سمجھ کر اپنے غلط عقائد اور ناپاک اعمال کو درست سمجھنے لگتا ہے۔ اور یہ سب سے بڑا شیطان کا حربہ ہے۔ ملاء اعلیٰ کی خبروں کو اس طرح اُچک لیجانے کا نام قرآن نے استراق سمع رکھا ہے۔ البتہ وحی نبوت اور وحی شریعت جسے اصطلاح قرآن میں کتاب کہا گیا ہے اور جسے جناب الٰہی کی سرکاری وحی کا منصب حاصل ہوتا ہے وہ استراق سمع سے محفوظ ہوتی ہے۔ اس کے گرد فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدًا (الجن) ترجمہ۔ پھر بے شک اللہ تعالیٰ ان کے آگے اور اُن کے پیچھے فرشتوں کا پہرہ رکھتا ہے۔ حدیث شریف سے بھی ثابت ہے کہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض دفعہ ان ملائکہ کا نظارہ فرمایا ہے جو نزول قرآن کریم کے وقت حفاظت کیلئے وحی الٰہی کے ساتھ ہوتے تھے۔

ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کی وجہ ارتداد

ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کو لکھتے رہنے کی عادت تھی۔ وہ وقتاً فوقتاً ایک رسالہ ذکر الحکیم نکالتے رہتے تھے جنہیں ذکر الحکیم ۱ و ۲ و ۳ وغیرہ سے موسوم کرتے تھے۔ ان میں اپنے الہامات اور خوابوں کا تذکرہ بھی کرتے رہتے تھے۔ ان ایام میں حضرت اقدس کے متعلق انہیں جو خواب بھی آیا یا جو بھی بقول اُنکے الہام ہوُا وہ آپ کی تائید میں ہی ہوُا۔ ایک دفعہ حضرت اقدس کے ایک مخالف شخص کی نسبت ڈاکٹر صاحب موصوف نے شائع کیا کہ وہ حضرت اقدس کی مخالفت کی وجہ سے طاعون سے ہلاک ہوگا چنانچہ وہ طاعون سے مر بھی گیا۔ اس کے بعد اپنے بارے میں اُن کے خیالات بہت اُونچے ہوتے گئے اور ان کو اپنے علم پر بہت ناز ہوتا گیا۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں آ کر بڑی ٹھوکر لگا کرتی ہے۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے بھی لکھا ہے "کہ ایک دفعہ اُنہوں نے کشف میں ایک روشنی دیکھی اور اُس میں سے آواز آئی "کہ اے عبدالقادر تو نے ہماری بڑی عبادت کی ہے اس لئے اب ہم تجھ کو نماز معاف کرتے ہیں"۔ اس پر اُنہوں نے کہا "کہ مَیں جانتا ہوں کہ بولنے والا شیطان ہے جب محمد رسول اللہ صلعم کو نماز معاف نہیں ہوئی تو مَیں کون ہوں جو نماز معاف ہو جائے"۔ اس پر وہ روشنی مبدل بہ تاریکی ہوگئی اور شیطان نے ایک آہ مار کر کہا "کہ اے عبدالقادر یہ وہ مقام ہے جہاں سے مَیں نے سینکڑوں لوگوں کو پھسلا دیا مگر تجھے تیرے علم نے بچا لیا"۔ اس پر سید عبدالقادر جیلانی صاحب نے فرمایا "کہ مجھے میرے علم نے نہیں بلکہ خدا کے فضل نے بچا لیا"۔ گویا شیطان نے دوہرا حملہ کیا تھا۔ پہلے عبادت پر تکبر پیدا کرنا چاہا جب وہ نہ ہوُا تو علم پر تکبر پیدا کرنا چاہا۔ لیکن خدا نے اپنے فضل سے دونوں قسم کے تکبر سے سید صاحب موصوف کو بچا لیا۔ وہ خدا کے برگزیدہ تھے۔

ولی کامل تھے۔ لیکن یہ بیچارے عبدالحکیم خاں۔ نہ علم۔ نہ عمل۔ نہ عبادت مگر خود پسندی اور تکبر بے اندازہ۔ خواب بین فطرت تھی۔ آسانی سے شیطان کے پھندے میں پھنس گئے۔ مصیبت یہ ہوئی کہ قادیان کا آنا جانا بہت کم کر دیا۔ مقامی جماعت سے ملنا جلنا قریباً ترک کر دیا اور قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھنی شروع کر دی حالانکہ اس شخص کو دین کا اور عربی کا علم بہت کم تھا اور جو کچھ تھا وہ بالکل سطحی تھا مگر با ایں ہمہ اپنے علم پر بہت ناز اور فخر تھا۔ چنانچہ جب تفسیر لکھ چکے تو چھپوا کر اُسے قادیان لیکر آئے۔ کبر نفس نے یہ نقشہ پیش نظر رکھا تھا کہ اس تفسیر کو دیکھ کر حضرت مرزا صاحب فریفتہ ہو جائیں گے اور مولوی نورالدین صاحب عش عش کر اُٹھیں گے۔ لیکن جب وہ تفسیر حضرت اقدس نے کہیں کہیں سے سُنی تو آپ نے اُسے پسند نہ فرمایا اور فرمایا کہ "اس میں روحانیت نہیں ہے"۔ وجہ یہ کہ اس میں سوائے نیچری خیالات کے اور کچھ نہ تھا۔ اور وفات مسیح کے متعلق جو کچھ تھا وہ عسل مصفّٰے میں سے نقل کیا ہوا تھا۔ مولوی نورالدین صاحب نے وہ تفسیر دیکھی تو فرمایا کہ "اس میں غلطیاں بہت کثرت سے ہیں۔ قرآن کریم کے اصل متن میں غلطیاں۔ ترجمہ میں غلطیاں۔ تفسیر میں غلطیاں"۔ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں تھے بہت متکبر اور مغلوب الغضب بجائے اس کے کہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے اور استغفار کرتے بگڑ کر واپس چلے گئے۔ قادیان آنا جانا پہلے ہی بہت کم تھا اور حضرت اقدس کی صحبت سے بے نصیب تھے۔ اب جو بگڑ کر گئے تو قادیان آنا بالکل ہی ترک کر دیا۔ رفتہ رفتہ نوبت باینجا رسید کہ وہ جو بزرگوں کا مقولہ ہے کہ اولیاء الرحمان کی مخالفت سے سلب ایمان ہو جاتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کی مخالفت کے جوش میں اب ڈاکٹر عبدالحکیم خاں نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ انسان کی نجات کے لئے فقط خدا کی توحید اور یوم آخر پر ایمان لانا کافی ہے۔ کتاب اور نبی پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں۔ یعنی نجات کے لئے محض لا الہ الا اللہ کافی ہے محمد رسول اللہ ماننے کی ضرورت کوئی نہیں۔ چنانچہ حضرت اقدس کو ایک خط لکھا جس میں اپنے اس عقیدہ کا اظہار کیا اور اپنے رسالہ ذکر الحکیم ۱۲ میں بھی یہ عقیدہ شائع کر دیا۔ لکھتے ہیں:-

"تمام قرآن مجید حمد الٰہی سے گونج رہا ہے اور توحید و تزکیہ نفس کو ہی مدار نجات قرار دیتا ہے نہ کہ محمدؐ پر ایمان لانے کو یا مسیح پر"۔

حضرت اقدس نے اس عقیدہ کو غلط بتلایا اور اس سے توبہ کرنے کی ہدایت کی۔ لیکن ڈاکٹر مذکور نے اصرار کیا اور بذریعہ خطوط بحث شروع کر دی۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ یہ شخص روز بروز اپنی بحث میں شوخ اور گستاخ ہوتا گیا۔ مغلوب الغضب تو تھا ہی۔ ان خطوط میں آپ کو بہت کچھ بُرا بھلا کہا۔ اور آپ سے اپنی

بیزاری کا اظہار کیا +

ڈاکٹر عبد الحکیم خاں کا جماعت سے اخراج

اس پر حضرت اقدس نے ۳۔مئی ۱۹۰۶ء کو ایک اعلان کے ذریعہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کو جماعت سے خارج کر دیا۔ فرماتے ہیں:۔

"چونکہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ نے جو پہلے اس سلسلہ میں داخل تھا نہ صرف یہ کام کیا کہ ہماری تعلیم سے اور ان باتوں سے جو خدا نے ہم پر ظاہر کیں منہ پھیر لیا۔ بلکہ اپنے خط میں وہ سختی اور گستاخی دکھلائی اور وہ گندے اور ناپاک الفاظ میری نسبت استعمال کئے کہ بجز ایک سخت دشمن اور سخت کینہ ور کے کسی کی زبان اور قلم سے نکل نہیں سکتے۔ اور صرف اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ بیجا تہمتیں لگائیں اور اپنے صریح لفظوں میں مجھ کو ایک حرام خور اور بندۂ نفس اور شکم پرور اور لوگوں کا فریب سے مال کھانے والا قرار دیا اور محض تکبّر کی وجہ سے مجھے پیروں کے نیچے پامال کرنا چاہا اور بہت سی ایسی گالیاں دیں جو ایسے مخالف دیا کرتے ہیں جو پورے جوشِ عداوت سے ہر طرح سے دوسرے کی ذلت اور توہین چاہتے ہیں۔"

اس اعلان کے آخر میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس لئے میں اپنی تمام جماعت کو متنبہ کرتا ہوں کہ اس سے بکلی قطع تعلق کریں۔ اسکے ساتھ ہرگز واسطہ نہ رکھیں ایسا شخص ہرگز میری جماعت میں سے نہیں ہوگا۔ ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔ آمین۔ آمین۔ آمین۔" +

مولوی نورالدین صاحب سے خط وکتابت

اس کے بعد ڈاکٹر عبد الحکیم خاں نے مولوی نورالدین صاحب سے خط وکتابت شروع کی اور ان کو اپنے اس عقیدہ کے متعلق بڑے زور سے لکھا کہ نجات کے لئے محض خدا اور یوم آخر پر ایمان لانا کافی ہے۔ محمد رسول اللہ صلعم اور کسی نبی اور کتاب کے ماننے کی ضرورت نہیں۔ اُنہوں نے ۱۰۔مئی ۱۹۰۶ء کے اخبار بدر میں اس کا جواب نہایت معقول اور مدلّل چھپوایا اور قرآن کریم کی آیات کے رُو سے ثابت کیا کہ جو اللہ اور اُس کے رسولوں کے درمیان ایمان لانے میں فرق کرتے ہیں وہ کافر ہیں۔ اور بہت کچھ سمجھایا۔ لیکن یہ شخص جو غصّہ وغضب سے دیوانہ ہو رہا تھا اُن کے ساتھ بھی اپنی شوخی میں بڑھتا گیا اور مخالفوں کی کتابیں پڑھ پڑھ کر اس کی تیزی میں ترقی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ حضرت اقدس اور آپ کی جماعت اور مشن کی مخالفت کیلئے پوری طرح تیار ہو گیا +

حضرت اقدس کی مخالفت میں مضامین اور لیکچر

اسی سلسلہ میں اس نے اپنے اس غلط عقیدہ (جس کے رُو سے نجات کے لئے آنحضرت صلعم اور قرآن کو ماننے کی ضرورت نہ تھی) کی تائید میں اور حضرت اقدس

کی مخالفت میں مختلف اخباروں مثلاً اہل حدیث امرتسر اور پیسہ اخبار لاہور وغیرہ میں مضامین لکھنے شروع کر دیئے۔ وہ لوگ بوجہ اس بغض اور عداوت کے جو انہیں سلسلۂ احمدیہ سے تھی اسکے ان مضامین کو باوجود اس کے مذکورہ بالا خلاف اسلام عقیدہ کے اپنے اخباروں میں شائع کرتے رہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر مذکور نے یہ تہیہ کر لیا کہ مَیں مرزا صاحب اور اُن کے مشن کو مٹا کر رہوں گا۔ اس کیلئے اُس نے پٹیالہ لاہور۔ امرتسر اور مختلف شہروں میں دورہ کر کے حضرت اقدس کے خلاف لیکچر دینے شروع کر دیئے۔ اور ان لیکچروں میں حضرت اقدس کے متعلق اپنی یہ پیشگوئی بھی لوگوں کو سُنائی کہ یہ شخص تین سال کے عرصہ میں مر جائیگا۔ پھر اس نے ایک رسالہ المسیح الدجّال بھی لکھا جس میں حضرت اقدس مرزا صاحب کو نعوذ باللہ دجّال قرار دیکر آپ کو دل کھول کر گالیاں دیں اور دل کا بخار نکالا۔ اور ایک اور خط مولانا نورالدین صاحب کو لکھا جس میں حضرت اقدس کی بہت سی عیب شماریاں کی ہوئی تھیں اور لکھا تھا کہ ۱۲۔ جولائی ۱۹۰۶ء کو خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ شخص آج کی تاریخ سے تین برس تک ہلاک ہو جائے گا +

"خدا سچّے کا حامی ہو" اس پر حضرت اقدس نے ۱۶۔ اگست ۱۹۰۶ء کو ایک اشتہار شائع فرمایا جس کا عنوان تھا "خدا سچّے کا حامی ہو"۔ اس میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس امر سے اکثر لوگ واقف ہوں گے کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں صاحب جو تخمیناً بیس برس تک میرے مریدوں میں داخل رہے چند دنوں سے مجھ سے برگشتہ ہو کر سخت مخالف ہو گئے ہیں اور اپنے رسالہ المسیح الدجّال میں میرا نام کذّاب مکّار شیطان دجّال شریر حرام خور رکھا ہے ...... اور کوئی ایسا عیب نہیں ہے جو میرے ذمہ نہیں لگایا۔ اور پھر اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ پنجاب کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کر کے میری عیب شماری کے بارے میں لیکچر دیئے۔ اور لاہور اور امرتسر اور پٹیالہ اور دوسرے مقامات میں انواع و اقسام کی بدیاں عام جلسوں میں میرے ذمہ لگائیں ...... اور پھر میاں عبدالحکیم صاحب نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ ہر ایک لیکچر کیساتھ یہ پیشگوئی بھی صدہا آدمیوں میں شائع کی کہ مجھے خدا نے الہام کیا ہے کہ یہ شخص تین سال کے عرصہ میں فنا ہو جائیگا اور اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائیگا۔ کیونکہ کذّاب اور مفتری ہے۔ میں نے اس کی ان پیشگوئیوں پر صبر کیا۔ مگر آج جو ۱۴۔ اگست ۱۹۰۶ء ہے۔ پھر اس کا خط ہمارے دوست فاضل جلیل مولوی نورالدین صاحب کے نام آیا۔ اس میں بھی میری نسبت کئی قسم کی عیب شماری اور گالیوں کے بعد لکھا ہے کہ ۱۲۔ جولائی ۱۹۰۶ء کو خدا تعالیٰ نے اس شخص کے ہلاک ہونے کی خبر مجھے دی ہے کہ اس تاریخ سے تین برس تک ہلاک ہو جائے گا۔ جب اس حد تک نوبت پہنچ گئی تو اب مَیں

بھی اس بات میں کچھ مضائقہ نہیں دیکھتا کہ جو کچھ خدا نے اس کی نسبت میرے پر ظاہر فرمایا ہے
میں بھی شائع کر دوں۔"

چنانچہ اس اشتہار کے خاتمہ پر آپ نے اپنا وہ الہام تحریر فرمایا ہے جو ڈاکٹر عبد الحکیم خاں کی نسبت آپ کو ہوا تھا۔ اور وہ یہ ہے:-

"خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں۔ اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں۔ اُن پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ فرشتوں کی کھنچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے پر تو نے وقت کو نہ پہچانا۔ نہ دیکھا۔ نہ جانا۔ ربّ فرّق بین صادقٍ وکاذبٍ۔ انت تریٰ کُلّ مصلحٍ وصادقٍ۔"

الہام کی تشریح | یہ الہام جو حضرت اقدس مرزا صاحب کو ڈاکٹر عبد الحکیم خاں کے بارے میں ہوا۔ قابلِ غور ہے۔ اس کے آخر میں دعائیہ رنگ میں یہ الہام ہے کہ "ربّ فرّق بین صادقٍ وکاذبٍ۔ انت تریٰ کلّ مصلحٍ وصادقٍ" کہ اے میرے رب تو صادق اور کاذب کے درمیان فرق کر کے دکھا دے۔ تو ہر ایک مصلح اور صادق کو دیکھتا ہے۔ وہ فرق اور امتیاز کیا ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے لوگوں نے یہی سمجھ رکھا ہے کہ وہ یہی ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جائے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جائے۔ مسیلمہ کذّاب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نہیں مرا۔ بلکہ آپ اس کی زندگی میں وفات پا گئے۔ پس سچے اور جھوٹے کے درمیان یہ کوئی صحیح طریق فرق اور امتیاز کا نہیں۔ البتہ یہ فرق اور امتیاز اس وقت صحیح ہوتا ہے جب مباہلہ ہو۔ اور مباہلہ میں بالمقابل فریق جھوٹے کی موت کے لئے دعا کی جائے۔ ایسے مباہلہ کے بعد ضروری ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جائے۔ لیکن جب تک ایسا مباہلہ نہ ہو سچے اور جھوٹے کے درمیان فرق کرنے کے لئے کوئی معیار نہیں کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جائے۔ خود حضرت اقدس مرزا صاحب نے کہیں نہیں لکھا کہ ڈاکٹر عبد الحکیم خاں میری زندگی میں ہی ہلاک ہو جائے گا۔ بلکہ ایک دفعہ آپ نے ان خیالات پر اظہار ناراضگی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:-

"ایسے اعتراض کرنیوالے سے پوچھیں کہ یہ ہم نے کہاں لکھا ہے کہ بغیر مباہلہ کرنے کے ہی جھوٹے سچے کی زندگی میں تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔" (الحکم ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

پس جب ڈاکٹر عبد الحکیم خاں اور حضرت اقدس کے درمیان کوئی اس قسم کا مباہلہ نہیں ہوا تو پھر صادق اور کاذب کے درمیان فرق کرنے کیلئے یہ معیار تو صحیح نہیں کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جائے۔ ان حالات

ہیں تو جو معیار ہو سکتا ہے وہ وہی ہے جو اس الہام کے شروع میں موجود ہے یعنی

(۱) سب سے پہلے یہ کہ "خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں"

قبولیت کے نمونے اور علامتیں یہ ہیں کہ وہ خدائی اخلاق کے ساتھ رنگین ہوتے ہیں۔ اُن کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ اُن پر کثرت سے اخبار غیبیہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اُن کے ساتھ خدا کی نصرتیں ہوتی ہیں۔ اُن کی معقول تعلیم اور رُوحانیت کے آگے سلیم فطرت رکھنے والے لوگوں کے قلوب بے اختیار جُھک جاتے ہیں۔ وہ دنیا و آخرت میں آخر کار معزز اور کامیاب ہو کر رہتے ہیں۔

(۲) "اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں۔ اُن پر کوئی غالب نہیں آسکتا"

یعنی اُن کی تعلیم اور ہدایت اور ان کی حکومت قبول کرنے میں ہی دنیا کیلئے امن اور سلامتی ہو سکتی ہے۔ وہ دنیا کو امن اور سلامتی کا پیغام دیتے ہیں۔ کسی کے وار سے ان کا پیغام اور کام مٹ نہیں سکتا۔ بلکہ وہ ہر مشکل اور ہر دشمن کے مقابل پر غالب آتے ہیں۔

(۳) "فرشتوں کی کھنچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے"

یعنی تو یا اور کوئی دشمن اُن پر وار اور حملے کر کے اُن کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ خدا کے مقبولوں اور اُن کے کاموں کے گرد فرشتوں کے پہرے ہوتے ہیں۔ وہ باوجود دشمنوں کے حملوں کے دنیا سے مٹ نہیں سکتے۔ خدا اپنے فرشتوں کے ذریعہ اُن کی حفاظت کرتا ہے۔

(۴) "پر تو نے وقت کو نہ پہچانا۔ نہ دیکھا نہ جانا"

یعنی اگر تو عقلمند ہوتا تو سمجھتا کہ یہ وقت کسی مصلح اور مجدّد کے آنے کا تھا نہ کہ کسی دجال کے آنے کا۔ اسلام پر سینکڑوں دجالوں کے حملے شب و روز ہو رہے ہیں تو کیا ایسے موقعہ پر ضروری نہ تھا کہ خدا کسی مصلح اور صادق کو بھیجتا۔ یا یہ وقت کسی دجال کے ظہور کا تھا؟ اگر ایسا ہے تو خدا نے اپنا وعدہ انّا نحن نزّلنا الذکر وانّا لہ لحافظون (کہ ہم نے ہی یہ ذکر اُتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) کا اسلام کے متعلق خوب پُورا کیا کہ جب اسلام چاروں طرف سے دشمنوں کے زغہ میں آگیا تو بجائے کسی اسلام کی حمایت کرنیوالے پہلوان اور مصلح و صادق کے ایک دجّال کو بھیجدیا یہ کس قدر غلط خیال ہے۔

معیار کے مطابق حضرت اقدس صادق ٹھیرتے ہیں اور عبدالحکیم کاذب

غرضکہ یہ وہ صحیح معیار ہیں جو اس الہام میں خدا نے بیان فرمائے ہیں اور انہی کے مطابق خدا نے حضرت اقدس اور ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کے درمیان فیصلہ کر کے دکھا دیا کہ جو قبولیت حضرت اقدس کو عطا ہوئی وہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں بیچارے کو کبھی

خواب میں بھی نصیب نہ ہوئی۔ حضرت مرزا صاحب کے اخلاق فاضلہ۔ آپ کی اعلیٰ درجہ کی راستبازی اور تقویٰ وطہارت اور عبادت اور تبتّل الی اللہ۔ آپ کی مستجاب دعائیں اور صدہا پُر از غیب پیشگوئیاں قدم قدم پر خدا کی نصرتوں کا ظہور۔ آپ کی اعلیٰ درجہ کی معقول اور رُوحانیت سے بھری ہوئی تعلیم۔ قلوب سلیمہ میں آپ کی عزّت اور دشمنوں کے حملوں کے باوجود جناب الٰہی کی طرف سے آپ کی حفاظت اور آپ کی کامیابی اور روز بروز آپ کے مشن کی ترقی وغیرہ وغیرہ یہ تمام امور ہیں جو آپ کے ساتھ روز روشن کی طرح ہمیں نظر آتے ہیں۔ اس کے مقابل میں ڈاکٹر عبد الحکیم خاں کی تفسیر پڑھ لو۔ اس کے رسالے ذکر الحکیم وغیرہ پڑھ لو۔ اس کی تصنیف مسیح الدجال پڑھ لو۔ سوائے نیچریت اور خودستائی اور حضرت مرزا صاحب کو گالیاں دینے کے اور کچھ ان میں نظر نہیں آتا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک مغلوب الغضب آدمی بیٹھا گالیاں دے رہا اور اپنے دل کے بخار نکال رہا ہے۔ پھر اس بیچارہ کو اُس امر میں بھی کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوئی جس کیلئے باقی کی عمر زور لگاتا رہا۔ اور وہ یہ کہ بڑے زور سے اُٹھا تھا کہ اب میں مرزا اور اُس کے مشن کو مٹا کر رہوں گا۔ اس کیلئے مختلف شہروں میں لیکچر دیئے رسالے لکھے۔ بددعائیں کیں۔ سبھی پاپڑ بیلے۔ لیکن خدا نے حضرت مرزا صاحب کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا کی۔ اور آپ کی قبولیت روز بروز بڑھتی گئی۔ بالمقابل یہ شخص دن بدن گمنامی کے گڑھے میں گرتا گیا۔ پھر یہ شخص اُس تفسیر کو جس پر اُسے بڑا ناز تھا اور جس کی وجہ سے یہ بگڑا تھا لے کر سارے ہندوستان میں پھرا لیکن کہیں اُسے قبولیت نصیب نہ ہوئی۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں علیگڑھ پہنچا۔ وہاں بہت کچھ رویا پیٹا۔ اپنی تفسیر کا اعلان کروایا۔ وہاں بھی کسی نے نہ پوچھا۔ جب تک یہ شخص حضرت اقدس کے خلاف مختلف شہروں میں گالیوں سے بھرے لیکچر دیتا رہا مخالف مولویوں نے بڑی واہ واہ کی۔ لیکن جہاں اس شخص نے دورہ بند کیا اُسے کسی نے پوچھا تک بھی نہیں کہ یہ تھا کون بلا جو اِدھر اُدھر پھر پھر کر گالیاں دیکر اپنا اعمالنامہ سیاہ کرتا پھرا۔ خدا کی شان پھر یہ ایسے قعر مذلّت و گمنامی میں پڑا کہ تعجب ہوتا ہے۔ کسی کو پتہ بھی نہیں لگا کہ یہ گیا کہاں۔ چند دن کی دنیا کی شہرت بھی اُسے نصیب نہ ہوئی۔ آخر اسی گمنامی میں ہی پڑا پڑا مر گیا۔ خاکسار مؤلف کرنال میں تھا جو بڑی مشکل سے دریافت کرنے سے پتہ لگا کہ تپ دق میں مبتلا ہے اور اسی سے آخر کار وہ مر گیا۔ مرا تو حضرت اقدس کی وفات کے بعد۔ لیکن سچ پوچھو تو یہ شخص جیتے جی مر گیا۔ لوگوں کے دلوں سے نکل گیا۔ دماغوں سے اُڑ گیا۔ حافظوں سے مٹ گیا۔ جیتے جی اس شان سے نیست ہوتے میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک واحد شخص کے دل نے بھی اسے یا اس کی تعلیم کو نہ قبولا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ڈاکٹر عبد الحکیم خاں کی موت اور اس کی ناکامی و نامرادی میں ایک عبرت خیز نشان ہے۔ اس نے اعلان الحق ۱۹۰۷ء میں اپنا یہ الہام شائع کیا تھا کہ "مرزا پھیپھڑے کے مرض سے ہلاک ہو گیا"۔ خدا کی شان حضرت مرزا صاحب تو پھیپھڑے کے مرض سے نہ فوت ہوئے۔ البتہ یہ شخص خود پھیپھڑے کے مرض سے ہلاک ہو گیا۔ گویا اس کی اپنی پیشگوئی بطور سزا کے پلٹ کر خود اس پر پڑی۔ پھر اس نے اسی اعلان الحق میں پیشگوئی کی تھی کہ مرزا کی جڑ بنیاد اکھڑ گئی۔ اور اپنے متعلق الہام شائع کیا تھا کہ "you will succeed" یعنی تم کامیاب ہو گے۔ خدا کی شان خود اسی کی جڑ بنیاد اکھڑ گئی اور کامیابی خدا نے حضرت اقدس مرزا صاحب کو عطا کی۔ غرضیکہ جو حضرت مرزا صاحب کے خلاف اُس نے پیشگوئی کی وہ بطور سزا کے پلٹ کر اُسی پر پڑی +

ڈاکٹر عبد الحکیم کی پیشگوئی کوئی پیشگوئی نہ تھی

ہاں یہ سچ ہے کہ ڈاکٹر عبد الحکیم خاں نے کہا تھا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ ۱۲۔ جولائی ۱۹۰۶ء سے تین سال کے اندر مرزا صاحب فوت ہو جائینگے۔ پھر یکم جولائی ۱۹۰۷ء کو اُس نے دوسرا اعلان کیا کہ آج سے چودہ ماہ کے اندر فوت ہو جائیں گے۔ لیکن ان دونو اعلانوں کو پیشگوئی کا نام دینا سخت غلطی ہے۔ کیونکہ ان دونو اعلانوں سے آٹھ ماہ قبل خود حضرت اقدس مرزا صاحب اپنی وفات کے بہت نزدیک ہونے کی پیشگوئی شائع فرما چکے تھے۔ آپ اعلان کر چکے تھے کہ آپ کے بہت تھوڑے دن زندگی کے باقی رہ گئے ہیں اور آپ کا زمانۂ وفات نہایت قریب ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ۲۰۔ دسمبر ۱۹۰۵ء کو اپنی وصیت لکھ کر آپ نے دنیا بھر میں شائع کر دی جس میں ایک درجن سے زیادہ الہامات شائع فرمائے جو صاف بتلا رہے تھے کہ آپ کی زندگی کے بہت تھوڑے دن باقی رہ گئے ہیں مثلاً یہ الہام کہ قَلَّ میعاد ربّک یعنی تیرے رب کی طرف سے جو تیری عمر کی میعاد مقرر ہے وہ بہت تھوڑی باقی رہ گئی ہے۔ اسی طرح یہ الہام کہ "بہت تھوڑے دن باقی رہ گئے ہیں۔ اُس دن سب پر اُداسی چھا جائے گی"۔ "قرب اجلک المقدر" یعنی تیرا مقرر شدہ موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر آپ نے رویا میں ایک ٹنڈ میں مصفّا پانی دیکھا جس میں صرف دو تین گھونٹ پانی باقی رہ گیا تھا۔ ساتھ ہی الہام ہوا۔ "آب زندگی" یعنی زندگی کے پانی میں سے صرف دو تین گھونٹ ہی باقی ہیں جو بعد میں واقعات کے رُو سے دو تین سال ثابت ہوئے۔ گویا رؤیا میں زندگی کا ایک سال پانی کے ایک گھونٹ کی شکل میں دکھایا گیا۔ چنانچہ انہی الہامات کی بنا پر آپ نے اپنی وصیت لکھی۔ اُسے شائع کیا اور اُس کے مطابق عملدرآمد بھی شروع کروا دیا کہ بعد میں کسی قسم کی دقت نہ ہو۔ اس کے بعد کسی شخص کی یہ ڈینگ مارنا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ یہ شخص تین برس کے اندر مر جائیگا کیا وقعت رکھتا ہے۔ جب ایک شخص خود لکھ کر شائع کر چکا کہ میری وفات کا زمانہ بالکل قریب آ گیا ہے۔

اور اس زندگی کے پانی میں سے فقط دو تین گھونٹ رہ گئے ہیں تو کسی دوسرے شخص کا اُس کے آٹھ ماہ بعد یہی کہنا کہ اُس کی وفات کا زمانہ قریب ہے اپنے اندر کونسی اخبار غیبیہ رکھتا ہے۔ اسے پیشگوئی نہیں کہا جا سکتا۔ کہی ہوئی چیز کو دوہرانا پیشگوئی نہیں کہلا سکتا۔ ہاں اگر حضرت مرزا صاحب نے اعلان کیا ہوتا کہ میری وفات کا وقت ابھی بہت دُور ہے۔ پھر ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کہتا کہ نہیں زمانہ بہت قریب ہے۔ اور اُسی طرح ہو جاتا جس طرح عبدالحکیم نے کہا تھا تو کہا جا سکتا تھا کہ ہاں عبدالحکیم خاں کی پیشگوئی ٹھیک نکلی اور مرزا صاحب کی پیشگوئی غلط نکلی۔ لیکن جب خود حضرت مرزا صاحب بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ میری وفات کا زمانہ بہت قریب آگیا ہے اور عبدالحکیم نے بھی بعد میں یہی کہا تو اگرچہ بات تو دونو نے ایک ہی کہی لیکن یہ پیشگوئی کس کی کہلائے گی؟ اُسی کی جس نے پہلے یہ خبر غیب دنیا میں مشتہر کی اور وہ حضرت مرزا صاحب تھے۔ سنی ہوئی بات کو کہتے پھرنا تو پیشگوئی نہیں کہلا سکتی۔ جو بات شائع ہو چکی اُسے دُہرانا تو خبر غیب نہیں کہلائے گی۔ اس طرح تو ایک راہ چلتا آدمی بھی سنی سنائی بات آگے چلا کر پیشگوئی کا مدعی بن سکتا ہے۔ باقی رہی تین سال کی میعاد اور بعد میں ۱۹۰۷ء میں چودہ ماہ کی میعاد۔ یہ تو بہت لمبا زمانہ عبدالحکیم خاں نے دیدیا۔ حضرت مرزا صاحب کو تو یہ خیال تھا کہ وہ زمانہ بہت ہی قریب ہے چنانچہ اسی لئے وصیت بھی کر دی اور اس کے مطابق عملدرآمد بھی شروع کرا دیا۔ جس کی وفات کا زمانہ قریب آلگا ہو اس کی بابت کوئی میعاد شائع کر دینا کیا مشکل ہے۔ اور اُس کا درست ہو جانا کونسا بعید امر ہے۔ جب یہ اعلان ہو چکا ہو کہ وفات کا زمانہ قریب ہے تو جو میعاد بھی مقرر کر دی جائے وہ ٹھیک نکل سکتی ہے۔ پہلے تین سال اور پھر ایک سال بعد اُسے چودہ ماہ کر دینا تو کافی لمبی مدّت ہے۔ البتہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں سے ایک غلطی ہوگئی ورنہ اُس کا پردہ یوں فاش نہ ہوتا۔ اور وہ یہ تھی کہ بعد میں اُس نے میعاد کا قصہ ہی ختم کر دیا۔ اور صاف لفظوں میں پیسہ اخبار ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء میں یہ شائع کر دیا کہ:۔

"مرزا ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ (یعنی ۴۔ اگست ۱۹۰۸ء) کو مرض مہلک میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا"

اُس کی طرف سے یہی ایک غیب کی خبر تھی جو شائع ہوئی اور یہی بات غلط نکل گئی کیونکہ حضرت مرزا صاحب ۲۶۔ مئی ۱۹۰۸ء کو فوت ہو گئے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے غلط نکلنے کا ایڈیٹر پیسہ اخبار نے بھی اعتراف کیا۔ اور صاف طور پر لکھا کہ ڈاکٹر عبدالحکیم کے الہام میں اگر "۲۱ ساون کو" کے بجائے "۲۱ ساون تک" ہوتا تو خوب ہوتا۔ اسی بات کا ذکر مولوی ثناء اللہ نے بھی اپنے اخبار اہل حدیث میں کیا اور

ڈاکٹر عبدالحکیم کے اصل الفاظ کو نقل کر کے لکھا کہ:-

"ہم خدا لگتی کہنے سے نہیں رُک سکتے کہ ڈاکٹر صاحب اگر اسی پر بس کرتے یعنی چودہ ماہ کی پیشگوئی کر کے مرزا صاحب کی موت کی تاریخ مقرر نہ کر دیتے جیسا کہ اُنہوں نے کیا ہے۔ چنانچہ ۱۵ مئی کے اہل حدیث میں اُن کے الہامات درج ہیں کہ ۲۱۔ ساون یعنی ۴۔ اگست کو مرزا مریگا۔ تو آج وہ اعتراض نہ ہوتا جو معزز ایڈیٹر پیسہ اخبار نے ۲۷ کے روزانہ پیسہ اخبار میں ڈاکٹر صاحب کے اس الہام پر چبھتا ہوا کیا ہے کہ "۲۱۔ ساون کو" کی بجائے "۲۱۔ ساون تک" ہوتا تو خوب ہوتا۔ غرض سابقہ پیشگوئی سہ سالہ اور چودہ ماہ کو اسی اجمال پر چھوڑے رہتے اور ان کے بعد میعاد کے اندر تاریخ کا تقرر نہ کرتے۔" (اہل حدیث ۱۲۔ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۷)

گویا دوست دشمن سب نے اعتراف کیا کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کی یہ پیشگوئی غلط نکل گئی۔ میں شیاطین کے استراق سمع کا اُوپر ذکر کر چکا ہوں۔ حضرت اقدس کی وفات کے نزدیک ہونے کی خبر بذریعہ وحی عالم ظاہر و عالم باطن دونوں میں مشتہر اور منتشر ہو چکی تھی۔ پس شیطان نے بذریعہ استراق سمع اِدھر اُدھر سے سُن کر یا اٹکل بازی سے جو خبر میعاد کے متعلق ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کے دل و دماغ میں القا کی اُس میں اپنی طرف سے اپنی عادت کے مطابق یہ جھوٹ ملا دیا کہ وہ ۴۔ اگست ۱۹۰۸ء کو فوت ہو جائیں گے۔ بوجہ انسان کا دشمن ہونے کے شیطان کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے اولیا کی بھی ذلت اور شکست۔ ندامت اور ہلاکت سے خوش ہوتا ہے بلکہ اس کی ولایت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کو ذلیل اور ہلاک کرے۔ سو ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کی پیشگوئی کی حقیقت اسی ایک واقعہ سے ظاہر ہو گئی۔ تین سال کی میعاد اُس شخص کے بارے میں مقرر کرنا جو خود اس سے آٹھ ماہ قبل اعلان کر چکا ہو کہ میری وفات کا زمانہ بالکل قریب آ گیا ہے اور پھر اس کے ایک سال بعد یہ کہنا کہ اب چودہ ماہ کی میعاد ہے۔ بالکل لغویت ہے۔ یہ تو ایسے شخص کے متعلق جو اعلان کر چکا ہو کہ میری وفات میں بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں اتنی لمبی میعاد ہے جس میں ایک اٹکل باز بھی بڑی آسانی سے کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور ایک شیطانی القا بھی درست نکل سکتا ہے۔ ہاں تاریخ کا تعین ایک ایسی بات تھی جو نئی تھی اور نیا علم غیب تھا مگر وہی غلط نکلا جس سے معلوم ہوا کہ وہ پہلی بات بھی خدا کی طرف سے نہ تھی۔ بلکہ یا تو دماغ کی اٹکل اور حدیث نفس تھی یا القائے شیطانی تھا۔ اور یہ واقعہ اس لئے ہوا کہ تا اللہ تعالیٰ رحمانی الہام اور القائے شیطانی یا اٹکل بازی میں فرق کر کے دکھلا دے اگر عبدالحکیم خاں صرف میعاد کے تعین پر ہی اکتفا کرتا تو خدا تعالیٰ اس میں بھی اُسے جھوٹا کر دیتا۔

جیسا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب سے خدا نے وعدہ فرمایا تھا (جس کا ذکر آپ نے اپنے اشتہار تبصرہ میں جو نومبر ۱۹۰۷ء میں شائع ہؤا فرمایا تھا) کہ:-

"دشمن جو کہتا ہے کہ صرف جولائی ۱۹۰۷ء سے چودہ مہینے تک تیرے عمر کے دن رہ گئے ہیں ...... ان سب کو مَیں جھوٹا کروں گا اور تیری عمر کو بڑھا دوں گا۔"

یعنی اگر چودہ ماہ کی میعاد والی پیشگوئی عبدالحکیم خاں قائم رکھتا تو اللہ تعالیٰ اُسے جھوٹا کرنے کے لئے ضرور آپ کی عمر بڑھا دیتا۔ لیکن جب عبدالحکیم خاں میعاد سے گزر کر تاریخ کے تعین پر آ گیا تو پھر اُسے جھوٹا کرنے کیلئے عمر کو بڑھانے کی ضرورت نہ رہی۔ کیونکہ خدا کا کوئی فعل لغو اور بغیر مصلحت کے نہیں ہوتا اس تاریخ کا غلط نکل جانا ہی عبدالحکیم خاں کے جھوٹا ہونے اور رحمانی اور شیطانی الہام میں امتیاز پیدا کر دینے کے لئے کافی تھا۔ اس کی پیشگوئی میں فقط یہی ایک خبر یعنی تعین تاریخ وفات خبرِ غیب میں سے تھی جو جھوٹی ثابت ہوئی اور اس کی پیشگوئی کے القائے شیطانی ہونے پر مہر لگ گئی۔

حقیقۃ الوحی

وجہ تصنیف خود ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کا حضرت اقدس مرزا صاحب کو اتنا اندیشہ نہ تھا۔ اُس جیسے سینکڑوں مخالف مولویوں اور سجادہ نشینوں سے پنجاب اور ہندوستان بھرا پڑا تھا۔ اُنہوں نے آپ کی مخالفت میں کیا بنا لیا تھا جو یہ بنا لیتا۔ البتہ آپ کو جس بات کا فکر اور اندیشہ تھا وہ یہ تھا کہ اُس نے ایک خلاف اسلام عقیدہ تراشا تھا اور وہ یہ کہ محض خدا اور یوم آخر پر ایمان لانا نجات کے لئے کافی ہے محمد رسول اللہ صلعم اور قرآن پر ایمان لانا نجات کیلئے ضروری نہیں بلکہ یہ خدا کی توحید کے ساتھ شرک ہے۔ اور پھر اپنے خوابوں اور الہامات کو سُنا سُنا کر اور لوگوں کے قلوب پر اس طرح اثر ڈال ڈال کر اپنے اس ناپاک اور خلافِ اسلام عقیدہ کو فروغ دیتا تھا۔ اور یہ اسلام پر ایک خطرناک حملہ تھا۔ اس لئے حضرت اقدس نے فوراً ایک کتاب لکھنے کا تہیہ کر لیا جس میں انہی دو امور پر بحث کرنی تھی۔ اوّل یہ کہ کس مقام سلوک پر پہنچکر کسی انسان کی رویا اور الہامات قابل وثوق اور منجانب اللہ سمجھے جا سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خدا کی توحید اور یوم آخر پر ایمان لانے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ انبیا اور کتب الٰہیہ پر بالعموم اور محمد رسول اللہ صلعم اور قرآن کریم پر بالخصوص ایمان لایا جاوے۔ بغیر اس کے نہ ایمان کامل ہوتا ہے اور نہ اعمال میں کما حقہٗ انسان ترقی کر سکتا ہے اور نہ منازل سلوک طے ہوتے ہیں۔ اور نہ خدا کا قرب حاصل ہو سکتا ہے بلکہ انسان تنزل کی طرف جاتا ہے اور آخر کار دہریہ ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ گویا

نجات تو رہی ایک طرف۔ ایسا عقیدہ رکھنا انسان کو اس رستہ پر ڈال دیتا ہے جس کا انجام دکھ اور عذاب ہے۔ تیسری بات اس کتاب میں یہ ہے کہ آپ نے اس میں ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کے مختلف اعتراضات کا جو وہ وقتاً فوقتاً آپ پر کرتا رہا تھا جواب دیا ہے۔

یہ کتاب جس کا نام حقیقۃ الوحی رکھا گیا آپ نے ۱۹۰۶ء میں ہی تصنیف کرنی شروع کر دی تھی۔ لیکن یہ شائع ۱۵ امئی ۱۹۰۷ء کو ہوئی کیونکہ بڑی ضخیم کتاب تھی ۱۹۰۶ء میں جب خاکسار مؤلف ایک لمبی رخصت لیکر حضرت اقدس کی خدمت میں قادیان میں سکونت رکھتا تھا اس زمانہ میں آپ یہ کتاب تصنیف فرمارہے تھے ان دنوں میں آپ کا اکثر یہ دستور تھا کہ روز کے روز جو کچھ تصنیف فرماتے اُس کا باہر اپنے خدام میں بھی بیٹھ کر تذکرہ فرماتے۔

اس کتاب کے آغاز سے مَیں کچھ نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جس سے ایک تو وجہ تصنیف کا پتہ لگ جائے گا اور دوسرے چونکہ آپ کے زمانہ میں اور آج بھی بہت سے خواب بین اور بزعم خود ملہم پیدا ہو گئے ہیں جو اپنے حدیث نفس اور اضغاث احلام پر نازاں ہو کر طرح طرح کے غلط عقائد اور غلط اعمال کو فروغ دینے کی کوشش کرتے رہتے ہیں ان کے فتنہ سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ حضرت اقدس کی اس تحریر سے احباب فائدہ اُٹھاویں۔ وہو ہذا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"بعد ہذا واضح ہو کہ مجھے اس رسالہ کے لکھنے کے لئے یہ ضرورت پیش آئی ہے کہ اس زمانہ میں جس طرح اور صدہا طرح کے فتنے اور بدعتیں پیدا ہو گئی ہیں اسی طرح یہ بھی ایک بزرگ فتنہ پیدا ہو گیا ہے کہ اکثر لوگ اس بات سے بے خبر ہیں کہ کس درجہ اور کس حالت میں کوئی خواب یا الہام قابل اعتبار ہو سکتا ہے اور کن حالتوں میں یہ اندیشہ ہے کہ وہ شیطان کا کلام ہو نہ خدا کا۔ اور حدیث النفس ہو نہ حدیث الرب[1]۔ یاد رکھنا چاہئے کہ شیطان انسان کا سخت دشمن ہے

---

[1] جس طرح جبکہ ایک تو آفتاب پر بادل محیط ہو اور دوسرے ساتھ اس کے گرد و غبار بھی اُٹھا ہوا ہو تو اس صورت میں آفتاب کی روشنی صاف طور سے زمین پر نہیں پڑ سکتی۔ اسی طرح جب نفس پر اپنی ذاتی تاریکی اور شیطان کا غلبہ ہو تو روحانی آفتاب کی روشنی صاف طور پر اس پر نہیں پڑے گی۔ اور جیسے جیسے وہ گرد و غبار اور ابر کم ہوتا جائے گا روشنی بھی صاف ہوتی جائیگی۔ پس یہی فلاسفی وحی الٰہی کی ہے۔ مصفّا وحی وہی لوگ پاتے ہیں جن کے دل صاف ہیں اور جن میں اور خدا میں کوئی روک نہیں۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ وہ الہام جس کے شامل حال نصرت الٰہی ہو اور اکرام اور اعزاز کی اس میں صریح علامتیں پائی جائیں اور قبولیت کے آثار اس میں نمودار ہوں وہ بغیر مقبولان الٰہی کے کسی کو نہیں ہو سکتا اور شیطان کے اقتدار سے یہ باہر ہے کہ کسی جھوٹے مدعی کی تائید اور حمایت میں کوئی قدرت نمائی کا الہام اس کو کرے۔ اور اُس کو عزت دینے کے لئے کوئی خارق عادت اور مصفّا غیب اس پر ظاہر کرے تا اس کے دعوے پر گواہ ہو۔ منہ

وہ طرح طرح کی راہوں سے انسان کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اور ممکن ہے کہ ایک خواب سچی بھی ہو اور پھر بھی وہ شیطان کی طرف سے ہو۔ کیونکہ اگرچہ شیطان بڑا جھوٹا ہے لیکن کبھی سچی بات بتلا کر دھوکا دیتا ہے تا ایمان چھین لے۔ ہاں وہ لوگ جو اپنے صدق اور وفا اور عشق الٰہی میں کمال کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں اُن پر شیطان تسلط نہیں پا سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ۔ سو ان کی نشانی یہ ہے کہ خدا کے فضل کی بارشیں اُن پر ہوتی ہیں اور خدا کی قبولیت کی ہزاروں علامتیں اور نمونے ان میں پائے جاتے ہیں جیسا کہ ہم اس رسالہ میں انشاء اللہ ذکر کریں گے۔ لیکن افسوس کہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ ابھی شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہیں۔ مگر پھر بھی اپنی خوابوں اور الہاموں پر بھروسہ کرکے اپنے ناراست اعتقادوں اور ناپاک مذہبوں کو اُن خوابوں اور الہاموں سے فروغ دینا چاہتے ہیں۔ بلکہ بطور شہادت ایسی خوابوں اور الہاموں کو پیش کرتے ہیں اور یا یہ نیت رکھتے ہیں کہ ایسی خوابوں اور الہاموں کو پیش کرکے سچے مذہب کی اُن سے تحقیر کریں...... پس یہی وہ امر ہے جس نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ میں اس فرق کو حق کے طالبوں پر ظاہر کروں......"

خوابوں اور الہامات کی تقسیم میں لوگوں کے تین مدارج

اس کے بعد آپ نے خوابوں اور الہامات کی جو تقسیم کی ہے اس میں تین مدارج قائم کئے ہیں اور اس کے لئے اس کتاب میں تین باب باندھے ہیں:۔

(۱) باب اوّل میں طبقۂ ادنیٰ کا ذکر کیا ہے "یعنی وہ لوگ" جن کو بعض سچی خوابیں آتی ہیں یا بعض سچے الہام ہوتے ہیں لیکن اُن کو خدا تعالیٰ سے کچھ بھی تعلق نہیں اور اس روشنی سے اُن کو ایک ذرّہ حصّہ نہیں ملتا جو اہلِ تعلّق پاتے ہیں اور نفسانی غالب اُن کا تعلّق نور سے ہزارہا کوس دُور ہوتا ہے۔"

اس باب کو اس طرح شروع کرتے ہیں:۔

"واضح ہو کہ چونکہ انسان اس مطلب کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کو شناخت کرے اور اس کی ذات اور صفات پر ایمان لانے کیلئے یقین کے درجہ تک پہنچ سکے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے انسانی دماغ کی بناوٹ کچھ ایسی رکھی ہے کہ ایک طرف تو معقولی طور پر ایسی قوتیں اس کو عطا کی گئی ہیں جن کے ذریعہ سے انسان مصنوعاتِ باری تعالیٰ پر نظر کرکے اور ذرّہ ذرّہ عالم میں جو جو حکمت کاملہ حضرت باری عزّ اسمہٗ کے نقوش لطیفہ موجود ہیں اور جو کچھ ترکیب ابلغ او محکم نظام عالم میں پائی جاتی ہے اس کی تہ تک پہنچ کر پوری بصیرت سے اس بات کو سمجھ لیتا ہے

کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ زمین و آسمان کا بغیر صانع کے خود بخود موجود نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ضرور ہے کہ اس کا کوئی صانع ہو۔ اور پھر دوسری طرف رُوحانی حواس اور روحانی قوتیں بھی اس کو عطا کی گئی ہیں تا وہ قصور اور کمی جو خدا تعالیٰ کی معرفت میں معقولی قوتوں سے رہ جاتی ہے رُوحانی قوتیں اُس کو پورا کر دیں کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ محض معقولی قوتوں کے ذریعہ سے خدا تعالےٰ کی شناخت کامل طور پر نہیں ہو سکتی۔ وجہ یہ کہ معقولی قوتیں جو انسان کو دی گئی ہیں اُن کا تو صرف اس حد تک کام ہے کہ زمین و آسمان کے فرد فرد یا ان کی ترتیب محکم اور ابلغ پر نظر کر کے یہ حکم دیں کہ اس عالم جامع الحقائق اور پُرحکمت کا کوئی صانع ہونا چاہئے۔ یہ تو اُن کا کام نہیں ہے کہ یہ حکم بھی دیں کہ فی الحقیقت وہ صانع **موجود بھی** ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ بغیر اس کے کہ انسان کی معرفت اس حد تک پہنچ جائے کہ درحقیقت وہ صانع موجود ہے صرف ضرورتِ صانع کو محسوس کرنا کامل معرفت نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ یہ قول کہ ان مصنوعات کا کوئی صانع **ہونا چاہئے** اس قول سے ہرگز برابر نہیں ہو سکتا کہ وہ صانع جس کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے **فی الحقیقت موجود بھی ہے**۔ لہٰذا حق کے طالبوں کو اپنا سلوک تمام کرنے کیلئے اور اس فطرتی تقاضہ کو پُورا کرنے کیلئے جو معرفت کاملہ کیلئے ان کی طبائع میں مرکوز ہے۔ اس بات کی ضرورت ہوئی کہ علاوہ معقولی قوتوں کے رُوحانی قویٰ بھی ان کو عطا ہوں۔ تا اگر ان روحانی قوتوں سے پورے طور پر کام لیا جائے اور درمیان میں کوئی حجاب نہ ہو تو وہ اس محبوب حقیقی کا چہرہ ایسے صاف طور پر دکھلا سکیں جس طور سے صرف عقلی قوتیں اس چہرہ کو دکھلا نہیں سکتیں۔ پس وہ خدا جو کریم و رحیم ہے جیسا کہ اس نے انسانی فطرت کو اپنی کامل معرفت کی بھوک اور پیاس لگا دی ہے ایسا ہی اس نے اس معرفت کاملہ تک پہنچانے کیلئے انسانی فطرت کو دو قسم کے قویٰ عنایت فرمائے ہیں۔ ایک **معقولی قوتیں** جن کا منبع دماغ ہے۔ اور ایک **رُوحانی قوتیں** جن کا منبع دل ہے اور جن کی صفائی دل کی صفائی پر موقوف ہے۔ اور جن باتوں کو معقولی قوتیں کامل طور پر دریافت نہیں کر سکتیں رُوحانی قوتیں ان کی حقیقت تک پہنچ جاتی ہیں اور رُوحانی قوتیں صرف انفعالی طاقت اپنے اندر رکھتی ہیں یعنی ایسی صفائی پیدا کرنا کہ مبدءِ فیض کے فیوض اُن میں منعکس ہو سکیں۔ سو اُن کیلئے یہ لازمی شرط ہے کہ حصولِ فیض کے لئے مستعد ہوں اور حجاب اور روک درمیان میں نہ ہو تا خدا تعالیٰ سے معرفتِ کاملہ کا فیض پا سکیں ...... لیکن چونکہ اکثر انسانی فطرتیں حجاب سے خالی نہیں اور دنیا کی محبت اور دنیا کے لالچ اور تکبر اور نخوت اور عُجب

اور ریا کاری اور نفس پرستی اور دوسرے اخلاقی رذائل اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری میں عمداً قصور اور تساہل اور شرائط صدق وثبات اور دقائق محبت اور وفا سے عمداً انحراف اور خدا تعالیٰ سے عمداً قطع تعلق اکثر طبایع میں پایا جاتا ہے اس لئے وہ طبیعتیں بباعث طرح طرح کے حجابوں اور پردوں اور روکوں کے اور نفسانی خواہشوں اور شہوات کے اس لائق نہیں کہ قابل قدر فیضان مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کا اُن پر نازل ہو جس میں قبولیت کے انوار کا کوئی حصہ ہو۔ ہاں عنایت ازلی نے جو انسانی فطرت کو ضائع کرنا نہیں چاہتی۔ تخم ریزی کے طور پر اکثر انسانی افراد میں یہ عادت اپنی جاری کر رکھی ہے کہ کبھی کبھی سچی خوابیں یا سچے الہام ہو جاتے ہیں تا وہ معلوم کر سکیں کہ اُن کے لئے آگے قدم رکھنے کے لئے ایک راہ کھلی ہے لیکن ان کی خوابوں اور الہاموں میں خدا کی قبولیت اور محبت اور فضل کے کچھ آثار نہیں ہوتے۔ اور نہ ایسے لوگ نفسانی نجاستوں سے پاک ہوتے ہیں۔ اور خوابیں محض اس لئے آتی ہیں کہ تا اُن پر خدا کے پاک نبیوں پر ایمان لانے کیلئے ایک حجت ہو۔ کیونکہ اگر وہ سچی خوابوں اور سچے الہامات کی حقیقت سمجھنے سے قطعاً محروم ہوں اور اس بارے میں کوئی ایسا علم جسکو علم الیقین کہنا چاہئے ان کو حاصل نہ ہو تو خدا تعالیٰ کے سامنے اُن کا عذر ہو سکتا ہے کہ وہ نبوت کی حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے تھے کیونکہ اس کوچہ سے بکلی ناآشنا تھے اور وہ کہہ سکتے ہیں کہ نبوت کی حقیقت سے ہم محض بے خبر تھے اور اس کے سمجھنے کے لئے ہماری فطرت کو کوئی نمونہ نہیں دیا گیا تھا۔ پس ہم اس مخفی حقیقت کو کیونکر سمجھ سکتے۔ اس لئے سنت اللہ قدیم سے اور جب سے اس دنیا کی بنا ڈالی گئی اس طرح پر جاری ہے کہ نمونہ کے طور پر عام لوگوں کو قطع نظر اس سے کہ وہ نیک ہوں یا بد ہوں اور صالح ہوں یا فاسق ہوں۔ اور مذہب میں سچے ہوں یا جھوٹا مذہب رکھتے ہوں کسی قدر سچی خوابیں دکھلائی جاتی ہیں یا سچے الہام بھی دیئے جاتے ہیں تا اُن کا قیاس اور گمان جو محض نقل اور سماع سے حاصل ہے علم الیقین تک پہنچ جائے۔ اور تا رُوحانی ترقی کے لئے ان کے ہاتھ میں کوئی نمونہ ہو۔ اور حکیم مطلق نے اس مدعا کے پُورا کرنے کے لئے انسانی دماغ کی بناوٹ ہی ایسی رکھی ہے اور ایسے رُوحانی قویٰ اس کو دیئے ہیں کہ وہ بعض سچی خوابیں دیکھ سکتا ہے اور بعض سچے الہام پا سکتا ہے۔ مگر وہ سچی خوابیں اور سچے الہام کسی بزرگی پر دلالت نہیں کرتے۔ بلکہ وہ محض نمونہ کے طور پر ترقی کے لئے ایک راہیں ہوتی ہیں ......"

(۲) باب دوم میں درمیانی طبقہ کا ذکر کیا ہے یعنی وہ لوگ "جن کو بعض سچی خوابیں آتی ہیں یا سچے الہام ہوتے ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ سے کچھ تعلق بھی ہے لیکن کچھ بڑا تعلق نہیں اور نفسانی قالب اُن کا شعلۂ نور سے جل کر نیست و نابود نہیں ہوتا۔ اگرچہ کسی قدر اس کے نزدیک آجاتا ہے۔"

اس باب کو اس طرح شروع کرتے ہیں:۔

"دنیا میں بعض ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں کہ وہ کسی حد تک زہد اور عفت کو اختیار کرتے ہیں اور علاوہ اس بات کے کہ ان میں رویا اور کشف کے حصول کے لئے ایک فطرتی استعداد ہوتی ہے اور دماغی بناوٹ اس قسم کی واقع ہوتی ہے کہ خواب و کشف کا کسی قدر نمونہ اُن پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی اصلاح نفس کے لئے بھی کسی قدر کوشش کرتے ہیں اور ایک سطحی نیکی اور راستبازی اُن میں پیدا ہو جاتی ہے جس کی آمد سے ایک محدود دائرہ تک رویاد صادقہ اور کشوف صحیحہ کے انوار اُن میں پیدا ہو جاتے ہیں مگر تاریکی سے خالی نہیں ہوتے بلکہ اُن کی بعض دعائیں بھی منظور ہو جاتی ہیں مگر عظیم الشان کاموں میں نہیں کیونکہ انکی راستبازی کامل نہیں ہوتی۔ بلکہ اُس شفاف پانی کی طرح ہوتی ہے جو اُوپر سے تو شفاف نظر آتا ہو مگر نیچے اس کے گوبر اور گند ہو اور چونکہ اُن کا تزکیۂ نفس پُورا نہیں ہوتا اور اُن کے صدق و صفا میں بہت کچھ نقصان ہوتا ہے اس لئے کسی ابتلا کے وقت وہ ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ اور اگر خدا تعالیٰ کا رحم ان کے شامل حال ہو جائے اور اُس کی ستاری اُن کا پردہ محفوظ رکھے تب تو بغیر کسی ٹھوکر کے دنیا سے گزر جاتے ہیں۔ اور کوئی ابتلا پیش آجائے تو اندیشہ ہوتا ہے کہ بلعم کی طرح ان کا انجام بد نہ ہو۔ اور ملہم بننے کے بعد کتّے سے تشبیہ نہ دیئے جائیں۔ کیونکہ ان کی علمی اور عملی اور ایمانی حالت کے نقصان کی وجہ سے شیطان ان کے دروازہ پر کھڑا رہتا ہے اور کسی ٹھوکر کھانے کے وقت فی الفور اُن کے گھر میں داخل ہو جاتا ہے ...."

(۳) باب سوم میں اعلیٰ طبقہ کا ذکر کیا ہے یعنی وہ لوگ "جو خدا تعالیٰ سے اکمل اور اصفیٰ طور پر وحی پاتے ہیں اور کامل طور پر شرف مکالمہ اور مخاطبہ اُن کو حاصل ہے۔ اور خوابیں بھی اُن کو فلق الصبح کی طرح سچی آتی ہیں اور خدا تعالیٰ سے اکمل اور اتم طور پر محبت کا تعلق رکھتے ہیں اور محبت الٰہی کی آگ میں داخل ہو جاتے ہیں اور نفسانی قالب اُنکا شعلۂ نور سے جل کر بالکل خاک ہو جاتا ہے۔"

اس باب میں اس طبقہ کے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ سے کامل تعلق پیدا کرنیوالے اُس شخص سے مشابہت رکھتے ہیں جو اوّل دُور سے

آگ کی روشنی دیکھے اور پھر اُس سے نزدیک ہو جائے یہاں تک کہ اُس آگ میں اپنے تئیں داخل کرے اور تمام جسم جل جائے اور صرف آگ ہی باقی رہ جائے۔ اسی طرح کامل تعلق والا دن بدن خدا تعالیٰ کے نزدیک ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ محبت الٰہی کی آگ میں تمام وجود اُس کا پڑ جاتا ہے اور شعلۂ نور سے قالب نفسانی جل کر خاک ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ آگ لے لیتی ہے۔ یہ انتہا اس مبارک محبت کی ہے جو خدا سے ہوتی ہے یہ امر کہ خدا تعالیٰ سے کسی کا کامل تعلق ہے اس کی بڑی علامت یہ ہے کہ صفات الٰہیہ اس میں پیدا ہو جاتی ہیں اور بشریت کے رذائل شعلۂ نور سے جل کر ایک نئی ہستی پیدا ہوتی ہے اور ایک نئی زندگی نمودار ہوتی ہے جو پہلی زندگی سے بالکل مغائر ہوتی ہے اور جیسا کہ لوہا جب آگ میں ڈالا جائے اور آگ اُس کے تمام رگ و ریشہ میں پورا غلبہ کرے تو وہ لوہا بالکل آگ کی شکل پیدا کر لیتا ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ آگ ہے گو خواص آگ کے ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح جس کو شعلۂ محبت الٰہی سر سے پیر تک اپنے اندر لیتا ہے وہ بھی مظہر تجلیات الٰہیہ ہو جاتا ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدا ہے بلکہ ایک بندہ ہے جس کو اُس آگ نے اپنے اندر لے لیا ہے اور اُس آگ کے غلبہ کے بعد ہزاروں علامتیں کامل محبت کی پیدا ہو جاتی ہیں کوئی ایک علامت نہیں ہے تا وہ ایک زیرک اور طالب حق پر مشتبہ ہو سکے بلکہ وہ تعلق صدہا علامتوں کے ساتھ شناخت کیا جاتا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے بہت سی علامتیں ایسے مقرب الی اللہ اور فانی فی اللہ بندہ کی تحریر فرمائی ہیں جن سے وہ دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتا ہے اور جن کی وجہ سے ایک زیرک آدمی کو خدا کے برگزیدہ بندہ کو شناخت کرنے میں دقّت نہیں ہوتی۔

اسی باب میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

"غرض وحی الٰہی کے انوار اکمل اور اتم طور پر وہی نفس قبول کرتا ہے جو اکمل اور اتم طور پر تزکیہ حاصل کر لیتا ہے اور صرف الہام اور خواب کا پانا کسی خوبی اور کمال پر دلالت نہیں کرتا جبتک کہ کسی نفس کو بوجہ تزکیہ تام کے یہ انعکاسی حالت نصیب نہ ہو اور محبوب حقیقی کا چہرہ اس کے نفس میں نمودار نہ ہو جائے۔ کیونکہ جس طرح فیض عام حضرت احدیت نے ہر ایک کو بجز شاذونادر لوگوں کے جسمانی صورت میں آنکھ اور ناک اور کان اور قوت شامہ اور دوسری تمام قوتیں عطا فرمائی ہیں اور کسی قوم سے بخل نہیں کیا۔ اسی طرح رُوحانی طور پر بھی اُس نے کسی زمانہ اور کسی قوم کے لوگوں کو رُوحانی قویٰ کی تخم ریزی سے محروم نہیں رکھا۔ اور جس طرح تم دیکھتے ہو کہ سورج

کی روشنی ہر ایک جگہ پڑتی ہے اور کوئی لطیف یا کثیف جگہ اُس سے باہر نہیں ہے۔ یہی قانون قدرت رُوحانی آفتاب کی روشنی کے متعلق ہے کہ نہ کثیف جگہ اس روشنی سے محروم رہ سکتی ہے اور نہ لطیف جگہ۔ مگر ہاں مصفّٰی اور شفاف دلوں پر وہ نور عاشق ہے۔ جب وہ آفتاب روحانی مصفّٰی چیزوں پر اپنا نور ڈالتا ہے تو اپنا کل نور اُن میں ظاہر کر دیتا ہے یہاں تک کہ اپنے چہرہ کی تصویر اُن میں کھینچ دیتا ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ایک مصفّا پانی یا مصفّا آئینہ کے مقابل پر جب سورج آتا ہے تو اپنی تمام صورت اُس میں ظاہر کر دیتا ہے ...... پھر اس جگہ ایک اور نکتہ قابل یادداشت ہے اور وہ یہ کہ تیسری قسم کے لوگ بھی جن کا خدا تعالیٰ سے کامل تعلق ہوتا ہے اور کامل اور مصفّا الہام پاتے ہیں قبول فیوض آلہیہ میں برابر نہیں ہوتے۔ اور ان سب کا دائرۂ استعدادِ فطرت باہم برابر نہیں ہوتا بلکہ کسی کا دائرہ استعداد فطرت کم درجہ پر وسعت رکھتا ہے اور کسی کا زیادہ وسیع ہوتا ہے اور کسی کا بہت زیادہ۔ اور کسی کا اس قدر جو خیال وگمان سے برتر ہے۔ اور کسی کا خدا تعالیٰ سے رابطۂ محبت قوی ہوتا ہے اور کسی کا اقوٰی۔ اور کسی کا اس قدر کہ دنیا اُس کو شناخت نہیں کر سکتی، اور کوئی عقل اسکے انتہا تک نہیں پہنچ سکتی"۔

پھر آگے چل کر اسی تیسرے طبقہ کے لوگوں کی نسبت تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور یاد رہے کہ جیسا کہ تیسری قسم کے لوگوں کی خوابیں نہایت صاف ہوتی ہیں اور پیشگوئیاں اُن کی تمام دنیا سے بڑھ کر صحیح نکلتی ہیں اور نیز وہ عظیم الشان امور کے متعلق ہوتی ہیں اور اس قدر ان کی کثرت ہوتی ہے کہ گویا ایک سمندر ہے۔ ایسا ہی ان کے معارف اور حقائق بھی کیفیت اور کمیت میں تمام بنی نوع سے بڑھ کر ہوتے ہیں اور خدا کے کلام کے متعلق وہ معارف صحیحہ اُن کو سوجھتے ہیں جو دوسروں کو نہیں سوجھ سکتے۔ کیونکہ وہ رُوح القدس سے مدد پاتے ہیں اور جس طرح اُن کو ایک زندہ دل دیا جاتا ہے اسی طرح ان کو ایک زبان عطا کی جاتی ہے اور انکے معارف حال کے چشمہ میں سے نکلتے ہیں نہ محض قال کے گندہ کیچڑ سے۔ اور انسانی فطرت کی تمام عمدہ شاخیں اُن میں پائی جاتی ہیں اور اسی کے مقابل پر تمام قسم کی نصرت بھی اُن کو عطا ہوتی ہے اُن کے سینے کھولے جاتے ہیں اور اُن کو خدا کی راہ میں ایک غیر معمولی شجاعت بخشی جاتی ہے۔ وہ خدا کیلئے موت سے نہیں ڈرتے اور آگ میں جل جانے سے خوف نہیں کرتے۔ اُن کے دُودھ سے ایک دنیا سیراب ہوتی ہے اور کمزور دل قوت پکڑتے ہیں۔ خدا کی رضا جوئی کے لئے اُن کے دل قربان ہوتے ہیں اور وہ اُسی کے ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے خدا

اُن کا ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ اپنے سارے دل سے خدا کی طرف جھکتے ہیں تو خدا اُسی طرح اُن کی طرف جھکتا ہے کہ ہر ایک کو پتہ لگ جاتا ہے کہ ہر میدان میں خدا ان کی پاسداری کرتا ہے ......"

اس طبقہ میں آپ نے تمام کاملین اُمّت اور محدثین اور اولیاء کرام کو رکھا ہے۔

چوتھا باب

مذکورہ بالا تینوں طبقات پر مفصل بحث کر کے آپ نے پھر ایک چوتھا باب باندھا ہے۔ جس کا عنوان ہے کہ "خدا تعالیٰ کے فضل و کرم نے مجھے ان اقسام ثلاثہ میں سے کس قسم میں داخل فرمایا ہے" جس میں آپ نے یہ بتلایا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسموں میں سے تیسری قسم یعنی سب سے اعلیٰ قسم میں داخل فرمایا ہے۔ پھر آپ نے یہ بھی بتلایا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم نے آپ کو سب سے پہلے جو چیز عطا کی وہ قلب سلیم تھا۔ اس قلب سلیم کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"یعنی ایسا دل کہ حقیقی تعلق اس کا بجز خدائے عزّوجل کے کسی چیز کے ساتھ نہ تھا۔ میں کسی زمانہ میں جوان تھا اور اب بوڑھا ہوا۔ مگر میں نے کسی حصّہ عمر میں بجز خدائے عزّوجل کسی کے ساتھ اپنا حقیقی تعلق نہ پایا"

پھر اس کے بعد آپ نے بتلایا ہے کہ یہ قلب سلیم اور خدا کے انعامات آپ نے کس طرح پائے۔ فرماتے ہیں:۔

"اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا۔ اگر میں اپنے سیّد و مولیٰ فخر الانبیا اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو میں نے جو کچھ پایا اُس پیروی سے پایا۔ اور میں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ انسان بجز پیروی اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ معرفت کاملہ کا حصّہ پا سکتا ہے۔ اور میں اس جگہ یہ بھی بتلاتا ہوں کہ وہ کیا چیز ہے کہ سچی اور کامل پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب باتوں سے پہلے دل میں پیدا ہوتی ہے سو یاد رہے کہ وہ قلب سلیم ہے یعنی دل سے دنیا کی محبت نکل جاتی ہے۔ اور دل ایک ابدی اور لازوال لذت کا طالب ہو جاتا ہے۔ پھر بعد اس کے ایک مصفّیٰ اور کامل محبت الٰہی بباعث اس قلب سلیم کے حاصل ہوتی ہے اور یہ سب نعمتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے بطور وراثت ملتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ یعنی ان کو کہدے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے ......"

کاملین اُمت کے الہامات اور پیشگوئیوں کے امتیازی نشانات

اس کے بعد آپ نے اس بات کا فرق دکھلانے کیلئے کہ کاملین اُمت کی خوابیں اور الہامات اپنے اندر کیا امتیازی نشانات رکھتے ہیں۔ پہلے تو چار نشانات بتائے ہیں :-

(۱) ایک یہ کہ اکثر اُن کے مکاشفات نہایت صاف ہوتے ہیں اور بہت کم مشتبہ ہوتے ہیں

(۲) دوم عام لوگوں کی نسبت وہ اس قدر کثیر الوقوع ہوتے ہیں کہ اگر مقابلہ کیا جائے تو وہ مقابلہ ایسا فرق رکھتا ہے جیسا کہ ایک بادشاہ اور ایک گدا کے مال کا مقابلہ کیا جائے۔

(۳) تیسرے اُن سے عظیم الشان نشان ظاہر ہوتے ہیں کہ کوئی دوسرا شخص اُن کی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔

(۴) چوتھے اُن کے نشانوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں پائی جاتی ہیں اور محبوب حقیقی کی محبت اور نصرت کے آثار اُن میں نمودار ہوتے ہیں اور صریح دکھائی دیتا ہے کہ وہ ان نشانوں کے ذریعہ سے ان مقبولوں کی عزت اور قبولیت کو دنیا پر ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ اور اُن کی وجاہت دلوں میں بٹھانا چاہتا ہے۔

منجانب اللہ الہام کے نشانات خصوصی

پھر اُس کلام کے امتیازی نشان بتائے ہیں جو خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ تا کہ ایک طالب حق اس کو شیطانی کلام سے شناخت کر سکے۔ فرماتے ہیں :-

"پس جس پر کوئی کلام نازل ہو جب تک تین ۳ علامتیں اس میں نہ پائی جائیں اُس کو خدا کا کلام کہنا اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالنا ہے۔"

"(۱) اوّل - وہ کلام قرآن شریف سے مخالف اور معارض نہ ہو مگر یہ علامت بغیر تیسری علامت کے جو ذیل میں لکھی جائیگی ناقص ہے۔......"

"(۲) دوم - وہ کلام ایسے شخص پر نازل ہو جس کا تزکیہ نفس بخوبی ہو چکا ہو اور وہ ان فانیوں کی جماعت میں داخل ہو جو بکلی جذبات نفسانیہ سے الگ ہو گئے ہیں اور اُن کے نفس پر ایک ایسی موت وارد ہو گئی ہے جس کے ذریعہ سے وہ خدا سے قریب اور شیطان سے دُور جا پڑے۔ کیونکہ جو شخص جس کے قریب ہے اُسی کی آواز سُنتا ہے......"

"(۳) تیسری علامت ملہم صادق کی یہ ہے کہ جس کلام کو وہ خدا کی طرف منسوب کرتا ہے خدا کے متواتر افعال اس پر گواہی دیں یعنی اس قدر اس کی تائید میں نشانات ظاہر

ہوں کہ عقل سلیم اس بات کو ممتنع سمجھے کہ باوجود اس قدر نشانات کے پھر بھی وہ خدا کا کلام نہیں؟"

آپ نے اپنے الہامات اور پیشگوئیاں بطور نمونہ پیش کی ہیں

اس کے بعد آپ نے اپنے الہامات عربی، اُردو و فارسی بطور نمونہ پیش کئے ہیں زیادہ تر الہامات عربی زبان میں ہیں۔ قریب ۳۹ صفحے ان الہامات سے پُر ہیں۔ اس کے بعد دو سو سے زیادہ تعداد اُن نشانات آسمانی اور پیشگوئیوں کی درج فرمائی ہے جو آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمائے تھے۔

ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کے گمراہ کن عقیدہ کی تردید

آپ نے اس کتاب میں ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کے اس گمراہ کن عقیدہ کی جس کے رُو سے بغیر نبیوں اور رسولوں کے ماننے کے نجات ہو سکتی ہے اور خدا اور یوم آخر پر ایمان لانے کے سوا نجات کے لئے قرآن کریم اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خاص طور پر تردید فرمائی ہے۔ علاوہ ان منقولی دلائل اور آیات و روایات کے جو آپ نے قرآن مجید احادیث صحیحہ اور اجماع اُمت سے پیش کی ہیں اور جن سے بڑی صفائی سے ثابت کیا ہے کہ بغیر آنحضرت صلعم کی اتباع کے نجات نہیں اور اسلام میں داخل ہونے کیلئے دو نوجز کلمہ طیبہ کے ضروری ہیں۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ آپ نے معقولی دلائل بھی بڑے زبردست دیئے ہیں اور اس مسئلہ پر ایسی معقول اور لطیف بحث فرمائی ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس بحث کو اس جگہ نقل کرنا تو ناممکن ہے البتہ تھوڑا سا اقتباس اس میں سے قارئین کرام کے فائدہ کے لئے درج کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"یہ بھی یاد رہے کہ خدا کے وجود کا پتہ دینے والے اور اس کے واحد لاشریک ہونے کا علم لوگوں کو سکھلانیوالے صرف انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اگر یہ مقدس لوگ دنیا میں نہ آتے تو صراط مستقیم کا یقینی طور پر پانا ایک ممتنع اور محال امر تھا۔ اگرچہ زمین و آسمان پر غور کرکے اور ان کی ترتیب ابلغ اور محکم پر نظر ڈال کر ایک صحیح الفطرت اور سلیم العقل انسان دریافت کر سکتا ہے کہ اس کارخانہ پُر حکمت کا بنانے والا کوئی ضرور ہونا چاہئے۔ لیکن اس فقرہ میں کہ ضرور ہونا چاہئے اور اس فقرہ میں کہ واقعی وہ موجود ہے۔ بہت فرق ہے۔ واقعی وجود پر اطلاع دینے والے صرف انبیاء علیہم السلام ہیں جنہوں نے ہزار ہا نشانوں اور معجزات سے دنیا پر ثابت کر دکھایا کہ وہ ذات جو مخفی در مخفی اور تمام طاقتوں کی جامع ہے درحقیقت

موجود ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس قدر عقل بھی کہ نظام عالم کو دیکھ کر صانع حقیقی کی ضرورت محسوس ہو یہ مرتبہ عقل بھی نبوت کی شعاعوں سے ہی مستفیض ہے .... پس چونکہ قدیم سے اور جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی ہے **خدا کا شناخت کرنا** نبی کے شناخت کرنے سے وابستہ ہے۔ اس لئے یہ خود غیر ممکن اور محال ہے کہ بجز ذریعہ نبی کے توحید مل سکے۔ نبی خدا کی صورت دیکھنے کا آئینہ ہوتا ہے۔ اسی آئینہ کے ذریعہ سے خدا کا چہرہ نظر آتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ اپنے تئیں دنیا پر ظاہر کرنا چاہتا ہے تو نبی کو جو اس کی قدرتوں کا مظہر ہے دنیا میں بھیجتا ہے اور اپنی وحی اُس پر نازل کرتا ہے اور اپنی ربوبیت کی طاقتیں اُس کے ذریعہ سے دکھلاتا ہے تب دنیا کو پتہ لگتا ہے کہ خدا موجود ہے۔ پس جن لوگوں کا وجود ضروری طور پر خدا کے قدیم قانون ازلی کے رُو سے خدا شناسی کے لئے ذریعہ مقرر ہو چکا ہے ان پر ایمان لانا توحید کا ایک جزو ہے اور بجز اس ایمان کے توحید کامل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ بغیر ان آسمانی نشانوں اور قدرت نما عجائبات کے جو نبی دکھلاتے ہیں اور معرفت تک پہنچاتے ہیں وہ خالص توحید جو چشمۂ یقین کامل سے پیدا ہوتی ہے میسّر آسکے۔ وہی ایک قوم ہے جو خدا نما ہے۔ جن کے ذریعہ سے وہ خدا جس کا وجود دقیق در دقیق اور مخفی در مخفی اور غیب الغیب ہے ظاہر ہوتا ہے اور ہمیشہ سے وہ کنز مخفی جس کا نام خدا ہے نبیوں کے ذریعہ سے ہی شناخت کیا گیا ہے ورنہ وہ توحید جو خدا کے نزدیک توحید کہلاتی ہے جس پر عملی رنگ کامل طور پر چڑھا ہوا ہوتا ہے اُس کا حاصل ہونا بغیر ذریعہ نبی کے جیسا کہ خلاف عقل ہے ویسا ہی خلاف تجارب سالکین ہے۔ بعض نادانوں کو جو یہ وہم گزرتا ہے کہ گویا نجات کیلئے صرف توحید کافی ہے نبی پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں۔ گویا وہ رُوح کو جسم سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ وہم سراسر دل کی کوری پر مبنی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ جبکہ توحید حقیقی کا وجود ہی نبی کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور بغیر اس کے ممتنع اور محال ہے تو وہ بغیر نبی پر ایمان لانے کے میسّر کیونکر آسکتی ہے۔ اور نبی کو جو جڑھ توحید کی ہے ایمان لانے میں علیحدہ کر دیا جائے تو توحید کیونکر قائم رہے گی۔ توحید کا موجب اور توحید کا پیدا کرنے والا اور توحید کا باپ اور توحید کا سرچشمہ اور توحید کا مظہر اتم صرف نبی ہی ہوتا ہے اس کے ذریعہ سے خدا کا مخفی چہرہ نظر آتا ہے اور پتہ لگتا ہے کہ خدا ہے .... پس اس میں شک نہیں کہ توحید اور خدادانی کی متاع رسول کے دامن سے ہی دنیا کو ملتی ہے۔ بغیر

اس کے ہرگز نہیں مل سکتی اور اس امر میں سب سے اعلیٰ نمونہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا کہ ایک قوم جو نجاست پر بیٹھی ہوئی تھی اُن کو نجاست سے اُٹھا کر گلزار میں پہنچا دیا اور وہ جو رُوحانی بھوک اور پیاس سے مرنے لگے تھے اُن کے آگے رُوحانی اعلیٰ درجہ کی غذائیں اور شیریں شربت رکھ دیئے۔ اُن کو وحشیانہ حالت سے انسان بنایا۔ پھر معمولی انسان سے مہذّب انسان بنایا۔ پھر مہذب انسان سے کامل انسان بنایا۔ اور اس قدر ان کے لئے نشان ظاہر کئے کہ ان کو خدا دکھلا دیا۔ اور اُن میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ اُنہوں نے فرشتوں سے ہاتھ جا ملائے۔ یہ تاثیر کسی اور نبی سے اپنی اُمت کی نسبت ظہور میں نہ آئی۔ کیونکہ اُن کے صحبت یاب ناقص رہے۔ پس مَیں ہمیشہ تعجّب کی نگہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام **محمّد** ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اُس پر) یہ کس **عالی مرتبہ کا نبی** ہے اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ **توحید** جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اُس کو دنیا میں لایا۔ اُس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی۔ اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو **تمام انبیا اور تمام اوّلین و آخرین پر** فضیلت بخشی۔ اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔ وہی ہے جو سر چشمہ ہر ایک فیض کا ہے۔ اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں بلکہ **ذرّیت شیطان** ہے۔ کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کُنجی اُس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اسی نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی ہے۔ اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔

وہ لوگ جو اس غلط خیال پر جمے ہوئے ہیں کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

نہ لاوے یا مرتد ہو جاوے اور توحید پر قائم ہو اور خدا کو واحد لاشریک جانتا ہو وہ بھی نجات پا جائے گا اور ایمان نہ لانے یا مرتد ہونے سے اُس کا کچھ بھی حرج نہ ہو گا جیسا کہ عبدالحکیم خاں کا مذہب ہے۔ ایسے لوگ درحقیقت توحید کی حقیقت سے ہی بے خبر ہیں۔ ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ یوں تو شیطان بھی خدا تعالیٰ کو واحد لاشریک سمجھتا ہے۔ مگر صرف واحد سمجھنے سے نجات نہیں ہو سکتی بلکہ نجات تو دو امر پر موقوف ہے (۱) ایک یہ کہ یقین کامل کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہستی اور وحدانیت پر ایمان لاوے (۲) دوسرے یہ کہ ایسی کامل محبت حضرت احدیت جل شانہٗ کی اس کے دل میں جاگزین ہو کہ جس کے استیلا اور غلبہ کا یہ نتیجہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت عین اُس کی راحت جان ہو جس کے بغیر وہ جی ہی نہ سکے اور اُس کی محبت تمام اغیار کی محبتوں کو پامال اور معدوم کر دے۔ یہی توحید حقیقی ہے کہ بجز متابعت ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل ہی نہیں ہو سکتی"

اس کے بعد آپ نے اس بات کو نہایت زبردست دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ توحید حقیقی کیوں بغیر متابعت ہمارے نبی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ بحث قابل دید ہے اور اصل کتاب میں موجود ہے +

اعتراضات کے جواب اس کتاب میں آپ نے اُن اعتراضات کے جواب بھی دیئے ہیں جو ڈاکٹر عبدالحکیم خاں اور دوسرے لوگوں نے آپ پر کئے تھے +

الاستفتا اس کتاب کے آخر میں آپ نے ایک عربی الاستفتا شائع فرمایا ہے جو ۷۸ صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ نے اپنے عقائد اور دعاوی کو نہایت صفائی سے بیان کر کے تمام علما اور سجادہ نشینوں سے فتویٰ طلب کیا ہے کہ کیا اب بھی تم میری تصدیق کرتے ہو یا میری تکذیب اور تکفیر پر اصرار کرتے ہو۔ ان عقائد میں آپ نے نبی کے لفظ کے متعلق بھی خوب تشریح اور تصریح فرما دی ہے جو آپ کے الہامات میں آیا ہے اور جو مسیح موعود کے متعلق حدیثوں میں بھی آیا ہے۔ اُس میں سے دو تین فقرے مَیں یہاں نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ حضرت اقدس مرزا صاحب علما سے ایک شخص کے بارے میں (یعنی خود اپنے بارے میں) فتویٰ پوچھتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ویقول انّ اللہ سمّانی نبیًّا بوحیہٖ وکذٰلک سُمّیت من قبل علٰی لسان رسولنا المصطفٰےؐ ولیس مرادہٗ من النبوۃ الّا کثرۃ مکالمۃ اللہ وکثرۃ انباء من اللہ وکثرۃ ما یوحٰی ویقول ما نعنی من النبوّۃ ما یُعنی فی الصحف الاولٰی۔ بل ھی درجۃ لا تُعطٰی

الّا من اتباع نبینا خیر الوریٰ "

ترجمہ۔ اور وہ شخص کہتا ہے کہ بے شک اللہ نے اپنی وحی میں میرا نام نبی رکھا اور اسی طرح اس سے قبل ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی میرا نام نبی رکھا گیا۔ لیکن اس نبوّت سے مراد کچھ نہیں ہے۔ مگر کثرت مکالمۂ الٰہی اور خدا کی طرف سے کثرت سے غیب کی خبریں ملنی۔ اور وہ شخص کہتا ہے کہ نبوّت سے ہم وہ معنی مراد نہیں لیتے جو پہلے صحیفوں میں معنی لئے گئے (یعنی توریت وانجیل وقرآن کریم وغیرہ میں جو مراد نبوت سے لی گئی وہ مراد یہاں نہیں ہے۔ ناقل) بلکہ اس سے مراد فقط ایک درجہ ہے جو نہیں دیا جاتا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے۔

پھر اسی جگہ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

" انّ اللہ ما اراد من نبوّتی الّا کثرۃ المکالمۃ والمخاطبۃ وھو مسلّم عند اکابر اھل السنّۃ فالنزاع لیس الّا نزاعًا لفظیًّا فلا تستعجلوا یا اھل العقل والفطنۃ ولعنۃ اللہ علیٰ من ادعیٰ خلاف ذٰلک مثقال ذرّۃٍ ومعھا لعنۃ النّاس والملٰئکۃ اجمعین "

ترجمہ۔ بے شک اللہ نے میری نبوّت سے مراد نہیں رکھی مگر کثرت مکالمہ ومخاطبہ اور وہ تمام اکابر اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسلّم امر ہے (یعنی مکالمہ ومخاطبہ اس اُمّت میں تمام اکابر اہل سنّت جاری مانتے ہیں۔ ناقل) پس یہ جھگڑا تو ہم میں اور دوسرے اہل سنّت والجماعت میں فقط نزاع لفظی رہ گیا ورنہ حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں) پس اے اہل عقل وبصیرت جلدی نہ کرو۔ اور جو دعویٰ مَیں نے یہاں بیان کر دیا ہے اس کے خلاف ایک ذرّہ کے برابر بھی اگر کوئی دعویٰ کرے تو اُس پر خدا کی لعنت تمام دنیا کے لوگوں اور سارے فرشتوں کی لعنت۔

اسی عربی استفتا میں دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرماتے ہیں :۔

وانّ رسولنا خاتم النّبیّین وعلیہ انقطعت سلسلۃ المرسلین۔ فلیس حق احدٍ ان یّدعی النّبوّۃ بعد رسولنا المصطفٰی علی الطریقۃ المستقلۃ۔ وبقی بعد الّا کثرۃ المکالمۃ وھو بشرط الاتباع لا بغیر متابعۃ خیر البریہ۔ وواللہ ما حصل لی ھذا المقام الّا من انوار اتباع اشعۃ المصطفویۃ وسُمّیتُ نبیًّا من اللہ علیٰ طریق المجاز لا علیٰ وجہ الحقیقۃ "

ترجمہ۔ بیشک ہمارے رسول صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ پر رسولوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ پس کسی کا حق نہیں کہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل طور پر نبوّت کا دعویٰ کرے۔ اور آپ صلعم

کے بعد باقی نہیں رہا مگر کثرت مکالمہ اور وہ بھی آنحضرت صلعم کی اتباع کے ساتھ مشروط ہے۔ اور آپ کی اتباع کے بغیر نہیں مل سکتی۔ اور اللہ کی قسم مجھے یہ مقام حاصل نہیں ہوا مگر آنحضرت صلعم کی اتباع کے نور سے۔ اور اللہ نے میرا نام نبی فقط مجاز کے طور پر رکھا نہ کہ حقیقت کے طور پر۔

اعلان بخدمت علمائے اسلام کتاب حقیقۃ الوحی تو ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء کو شائع ہوئی مگر حضرت اقدس مرزا صاحب نے ایک اشتہار ۱۵ مارچ ۱۹۰۷ء کو جملہ علمائے اہل اسلام اور سجادہ نشینوں کے نام شائع فرمایا۔ جس میں اعلان کیا کہ ہم حقیقۃ الوحی کتاب شائع کرنے لگے ہیں اس میں میں نے اپنے دعوے اور دلائل پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اور دو سو سے زیادہ نشانات آسمانی بھی درج کئے ہیں۔ تمام علمائے اہل اسلام اور سجادہ نشینوں سے التماس ہے کہ وہ اس کتاب کو پڑھکر میرے متعلق فیصلہ کریں۔ اور پھر تین مرتبہ بڑی سخت قسم دی ہے کہ اس کتاب کو ضرور اول سے آخر تک غور سے پڑھیں۔ اور لکھا کہ ہم بہت سے علما کے نام تو یہ کتاب مفت بھیجیں گے اور باقی خود خرید لیں یا اگر خریدنے کی استطاعت نہ ہو تو ہمیں لکھ بھیجیں ہم مفت بھیج دیں گے۔ لیکن خدا کے لئے اسے ایک دفعہ پڑھ لیں۔ اور جو اسے نہ پڑھے یا کچھ حصہ پڑھ کر چھوڑ دے اور پھر بدگوئی سے باز نہ آئے تو خدا ایسے لوگوں کو دنیا و آخرت میں تباہ و ذلیل کرے۔

اعلان بخدمت آریہ صاحبان اس کے بعد ایک اعلان آریہ صاحبان کے نام شائع فرمایا۔ اس میں آریہ سماج کو مخاطب کر کے اُن کے عقائد کی غلطیاں بتلاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"جبکہ ہر ایک انسان اپنی زندگی ثابت کرنے کا آپ ذمہ وار ہے تو پھر کیا وجہ کہ خدا اپنی زندگی ثابت نہیں کر سکتا۔ کیا خدا انسان سے بھی زیادہ کمزور ہے یا کیا اُس کی قدرت آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔ اور اگر اب اس میں کلام کرنے کی طاقت باقی نہیں رہی تو اس پر کیا دلیل ہے کہ پہلے وہ طاقت موجود تھی۔ اور اگر وہ اِس زمانہ میں بول نہیں سکتا تو اس پر کیا دلیل ہے کہ وہ اِس زمانہ میں سُن سکتا ہے اور دعائیں قبول کر سکتا ہے اور اگر کسی زمانہ میں اُس نے اپنی قدرتیں ظاہر کی ہیں تو اب کیوں ظاہر نہیں کر سکتا تا دہریوں کے منہ میں خاک پڑے۔ پس اے عزیزو! وہ قادر خدا جس کی ہم سب کو ضرورت ہے وہ اسلام ہی نے پیش کیا ہے۔ اسلام خدا کی قدرتوں کو ایسا ہی پیش کرتا ہے جیسا کہ وہ پہلے ظہور میں آئی تھیں۔ یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ بغیر اس کے کہ خدا کی قدرتیں اور خدا کے چمکتے ہوئے نشان ظاہر ہوں۔ کوئی شخص خدا پر ایمان نہیں لا سکتا۔ یہ سب جھوٹے قصے ہیں کہ ہم پرمیشر پر ایمان لاتے ہیں خدا کی

شناخت کرانے والے اُس کے نشان ہیں اور اگر نشان نہیں تو خدا بھی نہیں۔ اس لئے مَیں نے نمونہ کے طور پر محض ہمدردی کی راہ سے کتاب **حقیقۃ الوحی** کو تالیف کیا ہے۔ اور مَیں آپ لوگوں کو اُس پرمیشر کی قسم دیتا ہوں جس پر ایمان لانا آپ لوگ اپنی زبان سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ اوّل سے آخر تک میری اس کتاب کو پڑھو اور ان نشانوں پر غور کرو جو اس میں لکھے گئے ہیں۔ پھر اگر اپنے مذہب میں اس کی نظیر نہ پاؤ تو خدا سے ڈر کر اس مذہب کو چھوڑ دو اور اسلام کو قبول کرو۔ وہ مذہب کس کام کا ہے اور کیا فائدہ دیگا جو زندہ خدا تک زندہ نشانوں کے ساتھ رہبری نہیں کر سکتا۔"

پھر تین دفعہ آریوں کو پرمیشر کی قسم دی ہے کہ اس کتاب کو ضرور پڑھو اور تحقیق حق کر کے صراطِ مستقیم پر آجاؤ۔

"دعوتِ حق" یعنی اعلان بخدمت پادری و عیسائی صاحبان

مذکورہ بالا اعلان کے ساتھ ہی ۲۰۔ مارچ ۱۹۰۷ء کو ایک اور اعلان **"دعوتِ حق"** کے عنوان سے حضرت اقدس نے شائع فرمایا جس میں جملہ پادری صاحبان و عیسائیوں کو تبلیغ کی ہے۔ اور انہیں اس حقیقۃ الوحی کو پڑھنے کے لئے اسی طرح قسمیں دی ہیں جس طرح آریوں کو دی تھیں۔ اور اُن کے عقائد کی غلطیاں بتلاتے ہوئے اور اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"مَیں نے یہ باتیں اپنی طرف سے نہیں کیں بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا خالق ہے میرے پر ظاہر ہوا اور اُس نے اس آخری زمانہ کیلئے مجھے مسیح موعود کیا۔ اُس نے مجھے بتلایا کہ سچ یہی ہے کہ یسوع ابن مریم نہ خدا ہے نہ خدا کا بیٹا ہے اور اُسی نے میرے ساتھ ہمکلام ہو کر مجھے یہ بتلایا کہ وہ نبی جس نے قرآن پیش کیا اور لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا۔ وہ سچا نبی ہے۔ اور وہی ہے جس کے قدموں کے نیچے **نجات** ہے۔ اور بجز اس کی متابعت کے ہرگز ہرگز کسی کو کوئی نور حاصل نہیں ہوگا۔ اور جب میرے خدا نے اس نبیؐ کی وقعت اور قدر اور عظمت میرے پر ظاہر کی تو مَیں کانپ اُٹھا اور میرے بدن پر لرزہ پڑ گیا کیونکہ جیسا کہ حضرت عیسیٰ مسیح کی تعریف میں لوگ حد سے بڑھ گئے یہاں تک کہ اُن کو خدا بنا دیا۔ اسی طرح اس مقدس نبیؐ کا لوگوں نے قدر شناخت نہیں کیا جیسا کہ حق شناخت کرنے کا تھا اور جیسا کہ چاہئے۔ لوگوں کو اب تک اس کی عظمتیں معلوم نہیں۔ وہی ایک نبی ہے جس نے **توحید** کا تخم ایسے طور پر بویا جو آج تک ضائع نہیں ہوا۔ وہی ایک نبی ہے جو ایسے وقت میں آیا جب تمام دنیا بگڑ گئی تھی اور ایسے وقت میں گیا جب ایک سمندر کی طرح توحید کو دنیا میں پھیلا گیا۔ اور وہی ایک نبی ہے جس کیلئے ہر ایک

زمانہ میں خدا اپنی غیرت دکھلاتا رہا ہے اور اُس کی تصدیق اور تائید کیلئے ہزارہا معجزات[1] ظاہر کرتا رہا۔ اسی طرح اس زمانہ میں بھی اس پاک نبی کی بہت توہین کی گئی اس لئے خدا کی غیرت نے جوش مارا۔ اور سب گزشتہ زمانوں سے زیادہ جوش مارا۔ اور مجھے اُس نے مسیح موعود کر کے بھیجا۔ تا کہ اُس کی نبوت کے لئے تمام دنیا میں گواہی دوں۔ اگر مَیں بے دلیل یہ دعویٰ کرتا ہوں تو جھوٹا ہوں۔ لیکن خدا اپنے نشانوں کے ساتھ اس طور سے میری گواہی دیتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرق سے مغرب تک اور شمال سے لیکر جنوب تک اس کی نظیر نہیں تو انصاف اور خداترسی کا مقتضا یہی ہے کہ مجھے میری اس تمام تعلیم کے ساتھ قبول کریں۔"

ایک چکڑالوی سیاح کا مباہلہ سے فرار

بابا چٹو معہ سیاح آف بغداد کا ورود قادیان میں

اخیر اکتوبر ۱۹۰۶ء کا ذکر ہے۔ خاکسار مؤلف اُن ایام میں قادیان میں ہی تھا کہ لاہور کے مشہور شیخ محمد چٹو المعروف بہ بابا چٹو جو نہایت سن رسیدہ آدمی تھے اور پہلے اہل حدیث رہ چکے تھے اور اب اہل قرآن یعنی چکڑالوی خیالات کے تھے (بلکہ لاہور میں اُنہی کا مکان چکڑالویت کا مرکز تھا) قادیان تشریف لائے۔ اُن کے ہمراہ دو اور چکڑالوی تھے جن میں سے ایک ڈاکٹر سید محمد یوسف صاحب سیاح آف بغداد تھے۔ سیاح آف بغداد نہ معلوم کیوں کہلاتے تھے۔ کوئی بغدادیوں والی شکل تو تھی نہیں۔ نہ مولویوں کی صورت تھی۔ خشخاشی ڈاڑھی۔ سبز ریشم کی شیروانی۔ یو۔ پی کے رہنے والے معلوم ہوتے تھے۔ بہت چرب زبان تھے۔ اور اُسی چرب زبانی

[1] اپریل ۱۹۰۷ء کا ذکر ہے کہ معجزات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریر کرتے ہوئے حضرت اقدس نے فرمایا (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کروڑ معجزوں سے بڑھکر معجزہ تو یہ تھا کہ جس غرض کیلئے آپ آئے تھے اُسے پورا کر گئے۔ یہ ایسی بے نظیر کامیابی ہے کہ اس کی نظیر کسی دوسرے نبی میں کامل طور سے نہیں پائی جاتی۔ حضرت موسیٰ بھی رستے ہی میں مر گئے۔ اور حضرت مسیح کی کامیابی تو ان کے حواریوں کے سلوک سے ہویدا ہے۔ ہاں آپ صلعم کو ہی یہ شان حاصل ہوئی کہ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو رأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا یعنی دین اللہ میں فوجوں کی فوجیں داخل ہوتے دیکھ کر (۲) دوسرا معجزہ۔ تبدیل اخلاق کا ہے کہ یا تو عرب کے لوگ اولٰئک کالانعام بل ھم اضل سبیلا۔ چارپایوں سے بھی بدتر تھے یا یبیتون لربھم سجدًا وقیامًا۔ رات نمازوں میں گزارنے والے ہو گئے (۳) تیسرا معجزہ۔ آپ کی غیر منقطع برکات ہیں۔ کل نبیوں کے فیوض کے چشمے بند ہو گئے مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چشمہ فیض ابد تک جاری ہے۔ چنانچہ اُسی چشمہ سے پی کر ایک مسیح موعود اس اُمت میں ظاہر ہوا (۴) چوتھی یہ بات بھی آپ ہی سے خاص ہے کہ کسی نبی کیلئے اس کی قوم ہر وقت دعا نہیں کرتی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں نماز میں مشغول ہوتی ہے اور پڑھتی ہے اللّٰھم صل علیٰ محمدٍ۔ اس کے نتائج برکات کے رنگ میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ انہی میں سے سلسلہ مکالمات الٰہیہ ہے جو اس اُمت کو دیا جاتا ہے۔" (بدر۔ ۹۔ مئی ۱۹۰۷ء)

کے بل بوتے پر بابا چٹو انہیں اپنے ساتھ لیکر قادیان پہنچے تھے۔ شاید خیال ہوگا کہ ان کے ذریعہ قادیان فتح کرلیں گے۔

مولوی نورالدین صاحب سے ملاقات

پہلے مولوی نورالدین صاحب سے ملے اور چکڑالوی عقائد پر بحث شروع کردی۔ مولوی نورالدین صاحب نے ایک رسالہ چکڑالوی عقائد کے رد میں لکھا تھا جو ابھی مسودہ کی شکل میں تھا اور طبع نہ ہؤا تھا۔ مولوی صاحب وہ مسودہ اُٹھا لائے اور پڑھنے لگے۔ وہ نہایت مدلل اور معقول تھا۔ اس میں تمام دلائل کی بنا قرآن کریم کی آیات پر تھی (افسوس کہ وہ رسالہ طبع نہ ہؤا اور نہ معلوم وہ مسودہ کہاں گیا) ابھی سارا نہ پڑھا تھا کہ سیاح آف بغداد صاحب بول اُٹھے کہ اجی جناب آپ پڑھنے کی تکلیف نہ کریں۔ ہمارے مولانا (یعنی مولوی عبداللہ چکڑالوی) نے ان سب باتوں کا پہلے سے ہی جواب دے رکھا ہے۔ جب اُن سے دریافت کیا گیا کہ ان میں سے بطور نمونہ کچھ بتلاؤ تو اِدھر اُدھر کی ہانک کر اُٹھ گئے۔ بتایا کچھ بھی نہیں۔ خیر بابا چٹو صاحب کے پوتے حکیم محمد حسین قریشی صاحب نے بتلایا کہ ابھی یہ چار پانچ روز یہاں قیام کریں گے۔ گفتگو کے لئے بہتیرا موقعہ ہے۔

حضرت اقدس سے ملاقات

اسی روز حضرت اقدس سے مسجد مبارک میں ان چکڑالوی بزرگوں کی ملاقات ہوئی۔ بابا چٹو نے حضرت اقدس سے آپکے دعوئے امامت کا ثبوت قرآن کریم سے مانگا۔ حضرت اقدس نے جو کچھ فرمایا وہ تو ایک لمبی تقریر تھی لیکن میرے الفاظ میں اس کا مفہوم یہ تھا کہ جو شخص خدا کی طرف سے آئیگا خواہ وہ نبی ہو یا امام یا مجدد ہو اس کے منجانب اللہ ہونیکا ثبوت تو یکساں ہی ہونا چاہئے۔ اسلئے اگر آپ قرآن کریم کو منجانب اللہ مانتے ہیں تو جو دلائل قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونیکے آپ رکھتے ہیں آپ وہ پیش کریں ہیں اُنہی دلائل سے اپنے بھی منجانب اللہ ہونے کا ثبوت پیش کردوں گا۔ یہ طریق فیصلہ تو بہت سہل تھا مگر بابا چٹو صاحب کو اس کا کوئی جواب نہ آیا۔ اُن سیاح آف بغداد صاحب نے پھر اپنی چرب زبانی سے کام لیا۔ بول اُٹھے کہ بابا چٹو صاحب کو آپ کی بات سمجھ نہیں آئی اس لئے مَیں عرض کرتا ہوں۔ قرآن شریف کو تو ہم سب مانتے ہی ہیں اب آپ اپنا دعویٰ قرآن شریف سے ثابت کریں۔ حضرت اقدس نے پھر اُن کو نہایت تفصیل کے ساتھ سمجھایا کہ چونکہ قرآن شریف کو آپ بھی منجانب اللہ مانتے ہیں پس مَیں آسان فیصلہ کیلئے یہ طریق پیش کرتا ہوں کہ آپ وہ دلائل پیش کریں جن سے آپ قرآن شریف کو منجانب اللہ مانتے ہیں اُنہی دلائل سے مَیں اپنے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت بھی پیش کردوں گا۔ بس اب آپ وہ دلائل فرمائیے۔ اس کے جواب میں سیاح صاحب لگے اِدھر اُدھر کی باتیں بنانے۔ نہ معلوم اُن کو قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونے کی کوئی دلیل ہی نہ آتی تھی۔ یونہی

خوش عقیدگی کے رنگ میں مان رکھا تھا۔ یعنی جس طرح صرف مولوی عبداللہ چکڑالوی صاحب کے کہنے پر حدیث کو چھوڑ دیا تھا اسی طرح صرف اُن کے کہنے پر قرآن کو مان لیا تھا۔ یا تحقیق حق کا منشا ہی نہ تھا محض ہارنے جیتنے کا کھیل کھیلنے آئے تھے۔ غرضکہ سیاح صاحب اس پہلو پر نہ آئے پر نہ آئے۔ اور باوجود حضرت اقدس کے بار بار سمجھانے کے اس طرف رُخ ہی نہ کیا۔ آخر اپنی چرب زبانی کے سلسلہ میں بول اُٹھے کہ میں آپ سے مباہلہ کرتا ہوں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ مباہلہ کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ پہلے فریق ثانی پر اتمام حجت ہو جائے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ میری ایک کتاب پڑھ لیں تاکہ آپ کے سامنے میرے دعوے کے دلائل صاف صاف پیش ہو کر آپ پر اتمام حجت ہو جائے۔ پھر بے شک مجھ سے مباہلہ کرلیں۔ اس کے جواب میں سیاح صاحب بولے کہ لائیے میں کتاب پڑھ لیتا ہوں بات ہی کیا ہے۔ ایک دو گھنٹے میں کتاب دیکھ ڈالوں گا۔ اس پر حضرت صاحب نے فرمایا کہ آپ بیشک دو گھنٹے میں کتاب دیکھ ڈالیں لیکن کتاب کے دیکھنے کے بعد میں آپ سے چند ایک سوال کروں گا جن سے معلوم ہو جائے کہ آپ نے کتاب دیکھ لی ہے۔ اور دلائل مندرجہ کتاب کو سمجھ لیا ہے۔ سوالات اور جوابات کے نام سُن کر سیاح صاحب چکرائے۔ کہنے لگے کہ اگر اس طرح امتحان ہونا ہے تب تو میں تین دن میں دیکھ سکوں گا۔ اور مجھے آج ہی واپس جانا ہے جس کے جواب میں اُن کو سمجھایا گیا کہ آپ تحقیق حق کرنے آئے ہیں تو یہاں تشریف رکھیں۔ آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی اور ہر طرح آپ کو آرام پہنچانے کی کوشش کی جائیگی۔ لیکن سیاح صاحب نے ایک نہ مانی۔ اور یا تو یہ سُنتے تھے کہ کئی روز یہاں ٹھیریں گے اور یا فوراً روانگی کی خبر سُننے میں آئی۔ کتاب حقیقۃ الوحی جو اُن کو پڑھنے کے لئے دینی تھی ابھی شائع نہ ہوئی تھی اور اس واسطے اُن کو دی نہ جا سکتی تھی۔ آخر یہ قرار پایا کہ کتاب بعد اشاعت سیاح صاحب کے پاس لاہور بھیجی جاوے گی۔ وہ بغور مطالعہ کرکے یہاں تشریف لے آویں اور بعد امتحان دینے کے مباہلہ کرلیں۔ چنانچہ اُسی دن وہ واپس چلے گئے۔

حضرت صاحب کا خط مباہلہ کے متعلق

اتفاق ایسا ہوا کہ ان ایام میں تازہ بتازہ نشانات آسمانی کا ظہور ہو رہا تھا اور حضرت اقدس چاہتے تھے کہ جس قدر بھی نشانات نئے ظاہر ہوئے ہیں یہ سب اس کتاب حقیقۃ الوحی میں درج ہو جائیں۔ اس وجہ سے کتاب کی اشاعت میں دیر ہوگئی۔ اسی لئے سیاح صاحب کو اُن کے خط کے جواب میں حضرت اقدس نے لکھ دیا کہ کتاب کی اشاعت سردست نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ابھی ناتمام ہے۔ مگر آپ یہاں قادیان تشریف لے آویں جسقدر حصہ چھپ

چکا ہے وہ آپ پر اتمام حجت کرنے کیلئے کافی ہے آپ اسے یہاں آکر پڑھ لیں اور پھر چاہیں تو مباہلہ کر لیں۔ اس خط کا جواب سیاح صاحب نے تو کچھ نہ دیا اور نہ اُن کے رفیق بابا چٹو صاحب نے کچھ لکھا لیکن اپنے ماہوار چکڑالوی رسالہ میں اصل واقعات کو مخفی رکھ کر کچھ کی کچھ بیہودہ باتیں لکھ دیں اور آخر میں لکھ دیا کہ "مرزا صاحب نے کتاب بھیجنے کا وعدہ ایفا نہیں کیا"۔ اگرچہ رسالہ کا مضمون تو بابا چٹو صاحب کی طرف منسوب تھا لیکن بابا چٹو تو اُردو و فارسی کی نوشت و خواند سے بے بہرہ محض تھے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ دوسروں نے لکھ کر بابا چٹو صاحب کی طرف منسوب کر دیا۔ اہل قرآن والذکر کہلاتے ہوئے چکڑالوی صاحبان کا اسقدر خیانت اور التباس حق سے کام لینا اور واقعات کو غلط پیرایہ میں پبلک میں پیش کرنا کس قدر قابل افسوس اور قابل شرم تھا۔ یہ ایک حقیقت تھی کہ سیاح صاحب کو صریح طور پر خط میں لکھ دیا گیا تھا کہ "کتاب سردست شائع نہیں ہو سکتی۔ آپ قادیان تشریف لے آویں اور کتاب دیکھ لیں۔ اور پھر دل چاہے تو مباہلہ کر لیں"۔ کیونکہ کسی منکر اور مکذب پر خدا کی طرف سے عذاب آنے سے قبل ضروری ہوتا ہے کہ اس پر اتمام حجت ہو جائے۔ مباہلہ کے متعلق قرآن شریف کی آیت من بعد ما جاءك من العلم ہوتے ہوئے کیا پورا علم حاصل ہونے سے پہلے مباہلہ جائز ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر یہ کس قدر ظلم ہے کہ جب عین قرآن کریم کے مطابق سیاح صاحب کو کہا گیا کہ آپ پہلے ہمارے دعوے کے متعلق پورا علم حاصل کر لیں پھر مباہلہ کریں تو اس پر طرح طرح کی باتیں بنائی گئیں اور قرآن کریم کو پس پُشت پھینکدیا گیا۔ لیکن جب منشا فقط اپنی ہوا باندھنا ہو تو پھر قرآن کریم یا سچائی سے کیا غرض ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس چکڑالوی رسالہ میں حضرت اقدس کے مذکورہ بالا خط کا ذکر تک نہیں کیا گیا اور غلط طور پر لکھ دیا کہ کتاب بھیجنے کا وعدہ ایفا نہیں کیا گیا اس پر حضرت اقدس کے حکم سے اخبار بدر ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء میں شائع کروایا گیا کہ:-

"حضرت صاحب فرماتے ہیں ہم تو اب بھی ہر وقت مباہلہ کے واسطے تیار ہیں۔ سیاح صاحب یہاں آجاویں کتاب پڑھ لیں اُن کی مہمانداری ہمارے ذمّہ ہوگی۔ بعد کتاب پڑھنے کے مقررہ امتحان دیدیں اور اس کے علاوہ ہم ایک دو گھنٹہ زبانی تقریر کر کے بھی اپنے دعوے کو پیش کر دیں گے اور اس کے دلائل بیان کر دیں گے۔ اس کے بعد وہ چاہیں تو مباہلہ کر لیں خدا تعالیٰ خود فیصلہ کر دے گا"

مباہلہ سے فرار لیکن اس کے جواب میں سیاح صاحب نہ آئے اور نہ کتاب پڑھی۔ اور نہ مباہلہ کیا۔ خدا جانے کس طرف چلے گئے۔ اور اپنے اس فرار سے اپنے کذب و ضلالت پر مُہر لگا گئے۔

مولوی شیخ سعد اللہ کی ہلاکت

مولوی شیخ سعد اللہ لدھیانہ میں ایک نومسلم تھا جو مولوی بھی تھا۔ وہ ہمیشہ نہایت قبیح پیرایہ میں حضرت اقدس کی مخالفت کرتا تھا۔ اور اس مخالفت کے پیرایہ میں دشنام دہی اور مغلظات کے استعمال میں تمام مخالفوں سے بڑھا ہوا تھا۔ اس کے اشتہارات صرف گندی گالیوں سے جنہیں دیتے ہوئے چوہڑے، چمار اور بازاری غنڈے بھی شرما جائیں پُر ہوتے تھے۔ بلکہ وہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی موت کا بھی طلبگار رہتا تھا۔ اُس نے ایک کتاب "شہاب ثاقب بر مسیح کاذب" لکھی تھی۔ جس میں اُس نے یہ اشعار لکھے تھے کہ ؎

"اخذ یمین و قطع وتین است بہر تو	بے رونقی و سلسلہ ہائے مزوّری
اکنوں بہ اصطلاح شما نام ابتلاست	آخر بروز حشر و بہ ایں دار خاسری"

ترجمہ ان اشعار کا یہ ہے کہ سعد اللہ حضرت مرزا صاحب کو ان اشعار میں مخاطب کر کے کہتا ہے کہ خدا کی طرف سے تیرے لئے مقدر ہو چکا ہے کہ خدا تجھے پکڑے گا اور تیری رگِ جان کاٹ دیگا۔ تب تیرے مرنے کے بعد یہ تیرا جھوٹا سلسلہ تباہ ہو جائے گا۔ اور اگرچہ تم لوگ کہتے ہو کہ ابتلا بھی آیا کرتے ہیں مگر آخر تو حشر کے دن اور نیز اس دنیا میں زیاں کار رہے گا اور نامراد مریگا۔ اور پھر ان اشعار کے بعد آیت لو تقول علینا الخ لکھ کر کہا کہ تو ہر جگہ ذلت پائے گا اور اس جہان میں اور اُس جہان میں تیرے لئے عزت نہیں۔ اسی طرح وہ اپنی نظموں اور نثروں میں اشتہاروں میں اور کتاب میں حضرت اقدس کو گندی سے گندی گالیاں دیتا اور آپ کی موت اور ذلت کی پیشگوئیاں کرتا رہتا تھا۔ آخر ۱۶۔ ستمبر ۱۸۹۴ء کو اُس نے حضرت اقدس کے برخلاف ایک بہت ناپاک تحریر شائع کی جس میں آپ کو ابتر کے لفظ سے یاد کیا۔ اس پر آپ نے جناب الٰہی میں توجہ کی تو جھٹ آپ کو پتہ لگا وہ اشتہار انعامی تین ہزار روپے مشتہرہ ۵۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء کے صفحہ ۱۲ پر جو کتاب انوار الاسلام کے ساتھ ملحق ہے آپ نے ان الفاظ میں شائع فرمایا۔ وہو ہذا۔

"حق سے لڑتا رہ۔ آخر اے مردار تو دیکھے گا کہ تیرا کیا انجام ہوگا۔ اے عدو اللہ تو مجھ سے نہیں خدا سے لڑ رہا ہے۔ بخدا مجھے اسی وقت ۲۹۔ ستمبر ۱۸۹۴ء کو تیری نسبت یہ الہام ہوا ہے۔ انّ شانئک ھو الابتر۔ اس الہامی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ سعد اللہ جو تجھے ابتر کہتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ تیرا سلسلہ اولاد اور دوسری برکات کا منقطع ہو جائیگا

ایسا ہرگز نہیں ہوگا بلکہ وہ خود ابتر رہے گا۔"

اس الہام کے وقت سعد اللہ کا فقط ایک بیٹا تھا اس کے بعد بارہ برس سے زیادہ گزر گئے مگر سعد اللہ کے کوئی اولاد نہ ہوئی حالانکہ بی بی زندہ موجود تھی۔ نہ اُس کے لڑکے نے شادی کی کہ اس سے ہی کوئی اولاد ہوتی حالانکہ اُس کی بھی عمر تیس سال تک پہنچ گئی تھی لوگوں نے سعد اللہ کو کہا بھی کہ مرزا صاحب نے تیرے متعلق پیشگوئی کر رکھی ہے کہ ان شانئك هو الابتر۔ کہ تیرا دشمن خود ابتر ہوگا۔ یعنی اس کا سلسلہ اولاد کا منقطع ہو جائے گا۔ پس تو اپنے لڑکے کی شادی کیوں نہیں کرتا تا اس سے اولاد پیدا ہو کر پیشینگوئی غلط ثابت ہو۔ لیکن لڑکا شادی کیلئے رضامند نہ ہوتا تھا۔ آخر زبردستی سعد اللہ نے ایک شخص حاجی عبدالرحیم کی دختر سے اُس کی نسبت کر دی۔ اور شادی کی طیاری شروع کر دی لیکن ابھی تیاریاں ہی ہو رہی تھیں کہ سعد اللہ کو نمونیا پلیگ ہوئی اور اور وہ ۳۔ جنوری ۱۹۰۷ء کو مر گیا اور بیٹے کی شادی اور اس کی اولاد دیکھنے کا ارمان دل ہی میں لے گیا۔ اس شخص کے مرنے میں کئی نشان ظاہر ہوئے:۔

(۱) اوّل اس کا اپنے مباہلہ کے جواب میں ہلاک ہونا جو اس نے اپنی کتاب شہاب ثاقب میں تحریر کیا تھا۔ اس کتاب میں اُس نے خدا سے حضرت اقدس کی موت کو ان کے جھوٹا ہونے کی صورت میں اپنی زندگی میں چاہا تھا جس کے جواب میں حضرت اقدس نے بھی انجام آتھم کے عربی اشعار میں یہی چاہا تھا کہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ خود فیصلہ کرے اور جھوٹے کو سچے کی زندگی میں موت دے۔ چنانچہ اس طرح مباہلہ مکمل ہو کر سعد اللہ کی موت پر ختم ہوا اور جھوٹا سچے کی زندگی میں مر گیا۔

(۲) دوم اس کا مطابق پیشگوئی ابتر مرنا۔

(۳) سوم جس شخص کی موت اور ذلت کا وہ خواہشمند تھا اُس کی زندگی میں خود مر جانا۔

(۴) چہارم جس کی مخالفت میں اتنا زور لگایا تھا اس کی عزت اور عظمت کو دن بہ دن بڑھتے ہوئے دیکھنا اور آخری بڑی حسرت کے ساتھ جان دینا۔ خدا تعالیٰ کا بھی کرشمۂ قدرت عجیب ہوتا ہے۔ اس شخص نے حضرت اقدس کو اُس زمانہ میں بھی دیکھا تھا جبکہ آپ اکیلے لدھیانہ آیا کرتے تھے۔ اور پھر اُس نے نومبر ۱۹۰۵ء میں آپ کے ساتھ لدھیانہ میں ہزارہا آدمیوں کو بھی دیکھا جبکہ کثرت زائرین کے سبب اسٹیشن سے لیکر شہر تک کندھے سے کندھا چھل رہا تھا۔ لیکن اس بدقسمت نے اپنی ناکامی اور نامرادی اور حضرت اقدس کی اس قبولیت کو بھی دیکھ کر

کچھ فائدہ نہ اُٹھایا بلکہ اس وقت بھی اپنے دل کی جلن اور سوزش کے ماتحت ایک مخالفانہ گالیوں سے بھرا اشتہار نکالا۔ نتیجہ یہ کہ آخر بڑی حسرت کے ساتھ خائب و خاسر ہو کر اس دنیا کو چھوڑ گیا۔ خدا کی شان جس شخص کو سعد اللہ نے پہلے خود ابتر کہا تھا یعنی حضرت اقدس مرزا صاحب کو خدا نے اپنے انعامات اور برکات سے مالا مال کر دیا۔ آپ کا سلسلہ جسمانی اولاد کا بھی چلایا۔ اور آپ کے رُوحانی اولاد کے سلسلہ کو بھی روز افزوں ترقی دی۔ ہزارہا آدمیوں نے آپ کی غلامی کو فخر سمجھا۔ اور آپ کی برکات اور فیوض کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ لیکن جسے بالمقابل حضرت اقدس مرزا صاحب کے الہام میں ابتر کہا گیا تھا وہ دنیا سے نامراد او خائب خاسر ہو کر رخصت ہؤا۔ اور جس طرح اُس کا سلسلۂ نسل کٹا وہ بجائے خود ایک نشان ہے۔ وہ بھی سُن لیجئے:۔

ابتر کے لفظ کی اشاعت پر ایک نشان

۱۹۰۶ء میں حقیقۃ الوحی چھپ رہی تھی۔ چونکہ مولوی کرم دین ساکن بھیں نے حضرت اقدس کی تصنیف مواہب الرحمان کے دو تین لفظوں کی بنا پر حضرت اقدس پر مقدمہ چلا دیا تھا جس کی وجہ سے دو تین سال برابر دوڑ دھوپ کا سلسلہ جاری رہا۔ اسلئے حضرت اقدس نے خواجہ کمال الدین صاحب کو فرمایا کہ آپ وکیل ہیں حقیقۃ الوحی کی جو کاپی بھی لکھی جائے اُسے آپ قانونی نظر سے دیکھ لیا کریں۔ چنانچہ خواجہ صاحب لاہور سے وقتاً فوقتاً قادیان آ کر حقیقۃ الوحی کی کاپیاں طبع ہونے سے پہلے دیکھ لیتے۔ آخر سعد اللہ کے متعلق ان شانئک ھو الابتر کی پیشگوئی کو جو حقیقۃ الوحی میں حضرت اقدس نے نہایت تفصیل کے ساتھ تحریر فرمائی تھی پڑھکر خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور نے سعد اللہ کے متعلق ابتر تحریر فرمایا ہے حالانکہ ابھی وہ خود زندہ ہے اُس کا لڑکا بھی زندہ ہے۔ اور حضور نے لکھ دیا ہے کہ وہ لڑکا اس قابل ہی نہیں ہے کہ اس سے آگے نسل چل سکے۔ اس پر وہ اگر چاہے تو عدالت میں استغاثہ کر سکتا ہے۔ ان حالات میں اس پیشگوئی کو اگر اسقدر تفصیل کے ساتھ شائع نہ کیا جائے تو مناسب ہوگا۔ لیکن حضرت اقدس کے دل کو سعد اللہ نے اس قدر دُکھایا ہؤا تھا کہ آپ نے ان الفاظ کو کاٹنے سے انکار کر دیا خواجہ صاحب نے دوبارہ کچھ عرض کیا تو حضرت اقدس نے نہایت جذبہ کے ساتھ خدا کی قسم کھائی اور فرمایا کہ مَیں اسے ضرور شائع کروں گا۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ خدا مجھے اس کے شر سے ضرور بچائیگا آپ کے اس جذبہ سے سب لوگ متاثر ہوگئے اور خواجہ صاحب خاموش ہو گئے۔ اُس وقت مولوی نورالدین صاحب نے یہ حدیث پڑھی رُبَّ اشعث اغبر لو اقسم علی اللہ لابرّہٗ۔ ترجمہ کبھی ایسا

بھی ہوتا ہے کہ پریشان بالوں والے غبار آلود اگر کسی امر پر خدا کی قسم کھا بیٹھیں تو خدا اُن کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔ اسی رات کو حضرت اقدس کو یہی کلمہ حدیث شریف کا الہام ہوا۔ چنانچہ اخبار بدر مؤرخہ ۶۔ دسمبر ۱۹۰۶ء میں یہ الہام شائع کر دیا گیا۔ چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا کہ ایک پریشان بالوں والے نے جس امر پر خدا کی قسم کھائی تھی اُس قسم کو خدا نے پورا کر دیا۔ اور ابھی ایک ماہ نہیں گزرا تھا کہ سعداللہ مر گیا اور اُس کے بارے میں جو آپ کی پیشگوئی تھی وہ اُسی تفصیل کے ساتھ شائع ہوئی جو حضرت اقدس کر چکے تھے اور اس کے مرجانے کی وجہ سے استغاثہ کا خدشہ بھی باقی نہ رہا۔

ایک اور پیشگوئی سعداللہ کے لڑکے کے متعلق

ابتر کے معنے کرتے ہوئے حضرت اقدس نے حقیقۃ الوحی میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں:-

"پس جبکہ خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی کے یہی معنے کھولے ہیں کہ یہ لڑکا کالعدم ہے اور اس کے بعد سعداللہ کی نسل نہیں چلے گی اور اسی پر سعداللہ کی نسل کا خاتمہ ہو جائے گا۔ تو پھر کس قدر ہٹ دھرمی ہے یہ کہنا کہ سعداللہ اپنی موت کے بعد لڑکا چھوڑ گیا۔ اے نادان! یہ لڑکا تو پیشگوئی کے وقت موجود تھا اور محاورۂ عرب کو بالاستقصاء دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ابتر کے لفظ میں یہ شرط نہیں ہے کہ کوئی شخص صاحب اولاد اس حالت میں مرے کہ جب اُس کی زندگی میں اُس کی اولاد فوت ہو جائے۔ بلکہ نسل کی جڑ کٹ جانا شرط ہے جیسا کہ ابتر کے معنے لغتِ عرب میں یہ لکھے ہیں کہ البتر استیصال الشئ قطعاً یعنی بتر کہتے ہیں کسی چیز کو جڑ سے کاٹ دینے کو۔ پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ پیشگوئی آئندہ نسل کے لئے تھی یعنی یہ کہ موجودہ لڑکے سے آئندہ نسل نہیں چلے گی جیسا کہ ہم آئندہ تصریح سے بیان کریں گے۔"

آخر واقعات نے ان الفاظ کو حرف بحرف پورا کر کے دکھا دیا۔ سعداللہ کے مرنے کے بعد اُس کے لڑکے محمود نے شادی کی۔ مگر کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی یہاں تک کہ ۱۹۲۶ء میں لاولد مر گیا اور سعداللہ کی نسل دنیا سے منقطع ہو گئی۔ اور ابتر کا الہام بڑی صفائی سے پورا ہو گیا۔

"قادیان کے آریہ اور ہم"

آریہ سماج کو حضرت اقدس اور آپ کی جماعت کے ساتھ جو للّٰہی بغض تھا وہ چھپی ڈھکی بات نہیں۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں میں اگر کوئی جماعت ہے جو تمام غیر مذاہب پر شیر کی طرح

حملہ آور ہوتی اور ناک چنے چبوا دیتی ہے تو وہ یہی جماعت ہے۔ آریہ سماج کا ناطقہ اگر کسی نے بند کیا تو وہ یہی جماعت تھی۔ اس لئے حضرت اقدس اور آپ کی جماعت کے خلاف پروپاگنڈا کرنا انہوں نے اپنا شعار بنا رکھا تھا۔ آخر انہوں نے سوچا کہ مخالف پروپاگنڈا کو زیادہ بااثر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ خود قادیان سے ایک اخبار نکالا جائے جس میں مرزا صاحب اور ان کی جماعت کے خلاف مضامین لکھے جاویں اور پبلک پر یوں ظاہر کیا جاوے کہ ہم قادیان کے لوگ گھر کے بھیدی ہیں اس لئے ان لوگوں کے مکر و فریب سے خوب واقف ہیں۔ اور اسی لئے دوسرے لوگوں کو بھی ان کی چالبازیوں سے خبردار کرنا چاہتے ہیں۔

اخبار "شبھ چنتک" کا اجرا

چنانچہ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر آریہ سماج قادیان کی طرف سے ۱۹۰۶ء کے آغاز میں ایک اخبار نکالا گیا جس کا نام شبھ چنتک رکھا گیا اس میں اکثر مضامین حضرت اقدس اور آپ کی جماعت کے خلاف شائع ہؤا کرتے اور ان آریوں کی طرف سے اپنے آپ کو گھر کا بھیدی بتا بتا کر شب و روز آپ کے خلاف پروپاگنڈا ہؤا کرتا۔ اس اخبار کا مالک اور منیجر اچھر چند تھا۔ اور ایڈیٹر پنڈت سوم راج تھا جو نہایت ہی گندہ مخالف سلسلہ حقہ کا تھا اور قادیان میں آریہ سماج کا بانی مبانی بلکہ یہاں کے سب آریوں کا لیڈر تھا۔ اور ایک اور بہت شریر آریہ بھگت رام تھا جو اُن کا ہر ایک کام میں مددگار تھا۔

ایک آریہ کی دشنام دہی اور حضرت اقدس کی تقریر

ان آریوں نے اُن پُرانے آریوں ملاوامل اور شرمپت رائے کو جو حضرت اقدس کے پُرانے دوست اور آپ کے نشانوں کے شاہد اور قادیان کے پرانے باشندے تھے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور اس منڈلی نے یہاں تک زور پکڑا کہ کرسمس ۱۹۰۷ء کے سالانہ جلسہ قادیان کے موقعہ پر جب دو ہزار کے قریب جماعت احمدیہ کے افراد جامع مسجد میں نماز میں مشغول تھے تو ایک آریہ نے نہایت گندی گالیاں دیں۔ اس کا حال خود حضرت اقدس کی قلم سے سنو۔ جو آپ نے اپنی کتاب قادیان کے آریہ اور ہم میں تحریر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

> "جب ہم معہ اپنی جماعت کے جو دو ہزار کے قریب تھی اپنی جامع مسجد میں نماز میں مشغول تھے اور دُور دُور سے میری جماعت کے معزز لوگ آئے ہوئے تھے جن میں گورنمنٹ انگریزی کے بھی بڑے بڑے عہدہ دار اور معزز رئیس اور جاگیردار اور نواب بھی موجود تھے تو عین اس حالت میں کہ جب ہم اپنی اس جامع مسجد میں نماز ادا کر رہے تھے ایک ناپاک طبع آریہ برہمن نے گالیاں دینی شروع کیں۔ اور نعوذ باللہ ان الفاظ سے بار بار

گالیاں دیتا تھا کہ یہ سب کنجر اس جگہ جمع ہوئے ہیں۔ کیوں باہر جا کر نماز نہیں پڑھتے۔ اور پہلے سب سے مجھے ہی یہ گالی دی اور بار بار ایسے گندے الفاظ سے یاد کیا کہ بہتر ہے کہ ہم اس رسالہ کو ان کی تفصیل سے پاک رکھیں۔ قریباً ہم دو گھنٹہ تک نماز پڑھتے رہے اور وہ آریہ قوم کا برہمن برابر سخت اور گندے الفاظ کے ساتھ گالیاں دیتا رہا۔ اسوقت بعض دیہات کے سکھ بھی ہماری کثیر جماعت کو دیکھ رہے تھے اور حیرت کی نظر سے دیکھتے تھے کہ خدا نے ایک دنیا کو جمع کر دیا ہے۔ اور ان لوگوں نے بھی منع کیا۔ مگر وہ ناپاک طبع آریہ باز نہ آیا اور معزز مسلمانوں کو کنجر کے پلید لفظ سے بار بار یاد کرتا اور اشتعال دلاتا رہا۔ یہ ایک بڑا دکھ تھا جو عین نماز کی حالت میں مجھے اُٹھانا پڑا اور یہ بھی خوف تھا کہ ہماری جماعت میں سے کسی کو جوش پیدا ہو۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ سب نے صبر کیا۔ تعجب ہے کہ کیوں اُس نے یہ پلید اور گندہ لفظ اس جماعت کیلئے اختیار کیا۔ شاید اس کو اپنے مذہب کا نیوگ یاد آیا ہوگا۔ اُس وقت سرکاری ملازم ٹپالہ کا ایک ڈپٹی انسپکٹر بھی موجود تھا۔ غرض جب اس آریہ کی گالیاں حد سے بڑھ گئیں تو معزز مسلمانوں کے دلوں کو سخت رنج پہنچا۔ اور اگر وہ ایک وحشی قوم ہوتی تو قادیان کے تمام آریوں کیلئے کافی تھی۔ مگر اُن کے اخلاق قابل تحسین ہیں کہ ایک سفلہ طبع آریہ نے باوجودیکہ اس قدر گندی گالیاں دیں تاہم اُنہوں نے ایسے صبر سے کام لیا کہ گویا مُردے ہیں جن میں آواز نہیں۔ اور اس تعلیم کو یاد رکھا جو بار بار دی جاتی ہے کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ صبر کے ساتھ پیش آؤ۔ جب نماز ہو چکی تو مَیں نے دیکھا کہ گندی گالیوں سے بہت سے دلوں کو بہت رنج پہنچا تھا۔ تب مَیں نے اُن کی دلجوئی کے لئے اُٹھ کر یہ تقریر کی کہ یہ رنج جو پہنچا ہے اس کو دلوں سے نکال دو۔ خدا تعالیٰ دیکھتا ہے وہ ظالم کو آپ سزا دیگا اور اس وقت مَیں نے یہ بھی کہا تھا کہ مَیں جانتا ہوں کہ قادیان کے ہندو سب سے زیادہ خدا کے غضب کے نیچے ہیں۔ کیونکہ خدا کے بڑے بڑے نشان دیکھتے ہیں اور پھر ایسی گندی گالیاں دیتے اور دُکھ پہنچاتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ خدا نے اس گاؤں میں کیسا بڑا نشان قدرت دکھلایا ہے۔ وہ اس بات سے بے خبر نہیں ہیں کہ آج سے چھبیس[۲۶] ستائیس[۲۷] برس پہلے مَیں کیسی گمنامی کے گوشہ میں پڑا ہوا تھا۔ کیا کوئی بول سکتا ہے کہ اُسوقت یہ رجوع خلائق موجود تھا۔ بلکہ ایک انسان بھی میری جماعت میں داخل نہ تھا۔ اور نہ کوئی میرے ملنے کے لئے آتا تھا اور بجز اپنی ملکیت کی قلیل آمدن کے کوئی آمدنی بھی نہ تھی۔ پھر اُسی زمانہ میں بلکہ اُس سے بھی پہلے جس کو پینتیس[۳۵] برس سے بھی کچھ زیادہ عرصہ گزرتا ہے خدا نے مجھے یہ خبر دی

کہ "ہزاروں لاکھوں انسان ہر ایک راہ سے تیرے پاس آویں گے یہاں تک کہ سڑکیں گھس جائیں گی۔ اور ہر ایک راہ سے مال آئے گا۔ اور ہر ایک قوم کے مخالف اپنی تدبیروں سے زور لگائیں گے کہ یہ پیشگوئی وقوع میں نہ آوے مگر وہ اپنی کوششوں میں نامراد رہیں گے"۔ یہ خبر اُسی زمانہ میں میری کتاب براہین احمدیہ میں چھپ کر ہر ایک ملک میں شائع ہو گئی تھی۔ .... اس نشان کے سب آریوں میں سے بڑھ کر گواہ لالہ شرمپت اور ملاوامل ساکنان قادیان ہیں کیونکہ اُن کے روبرو کتاب براہین احمدیہ جس میں یہ پیشگوئی ہے چھپی اور شائع ہوئی ہے۔ بلکہ براہین احمدیہ کے چھپنے سے پہلے اس زمانہ میں جبکہ میرے والد صاحب فوت ہوئے تھے یہ پیشگوئی ان ہر دو آریوں کو بتلائی گئی تھی .... اور ان دونو آریوں کو خوب معلوم ہے کہ مَیں کیسا گمنامی میں زندگی بسر کرتا تھا۔ یہاں تک کہ کئی دفعہ یہ دونو آریہ امرتسر میں میرے ساتھ جاتے تھے اور بجز ایک خدمتگار کے دوسرا آدمی نہیں ہوتا تھا اور بعض دفعہ صرف لالہ شرمپت ہی ساتھ جاتا تھا۔ یہ لوگ حلفاً کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانہ میں میری گمنامی کی حالت کس درجہ تک تھی۔ نہ قادیان میں میرے پاس کوئی آتا تھا اور نہ کسی شہر میں میرے جانے پر کوئی میری پروا کرتا تھا اور مَیں اُن کی نظر میں ایسا تھا جیسا کہ کسی کا عدم اور وجود برابر ہوتا ہے۔ اب وہی قادیان ہے جس میں ہزاروں آدمی میرے پاس آتے ہیں اور وہی شہر امرتسر اور لاہور وغیرہ ہیں جو میرے وہاں جانے کی حالت میں صدہا آدمی پیشوائی کے لئے ریل پر پہنچتے ہیں بلکہ بعض وقت ہزارہا لوگوں تک نوبت پہنچتی ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۳ء میں جب مَیں نے جہلم کی طرف سفر کیا تو سب کو معلوم ہے کہ قریباً گیارہ ہزار آدمی پیشوائی کے لئے آیا تھا۔ ایسا ہی قادیان میں صدہا مہمانوں کی آمد کا ایک سلسلہ جواَب جاری ہے اُس زمانہ میں اس کا نام و نشان نہ تھا اور قادیان کے تمام ہندوؤں کو اور خاصکر لالہ شرمپت اور ملاوامل کو جواَب قوم کے دباؤ کے نیچے آ کر خدا کے نشانوں سے منکر ہوتے ہیں۔ خوب معلوم ہے کہ ان دنوں میں ہمارا مردانہ مکان محض ایک ویرانہ اور خالی تھا۔ اور کوئی ہمارے پاس نہیں آتا تھا۔ ہاں یہ لوگ دن میں دو تین مرتبہ یا کم و بیش آجاتے تھے۔ یہ سب باتیں وہ حلفاً بیان کر سکتے ہیں۔ پس جلسہ کے دن میری تقریر کا یہی خلاصہ تھا کہ قادیان کے آریوں پر خدا تعالیٰ کی حجت پوری ہو چکی ہے۔ خاص کر ان دونوں آریوں پر تو بخوبی اتمام حجت ہو چکا ہے جو بہت سے نشانوں کے گواہِ رویت ہیں۔ مگر وہ لوگ اس زبردست طاقتوں والے

خدا سے نہیں ڈرتے جو ایک دم میں معدوم کر سکتا ہے اور جیسا کہ میں ابھی لکھ چکا ہوں اس پیشگوئی کے ساتھ یہ پیشگوئی بھی پوری ہو گئی جو اُسی کتاب براہین احمدیہ میں درج تھی اور اُسی زمانہ میں جس کو قریباً چھبیس ۲۶ برس گزر چکے ہیں تمام پنجاب ہندوستان میں شائع ہو چکی تھی یعنی یہ کہ دشمن بہت زور لگائیں گے کہ تا یہ عروج اور یہ نشان اور یہ رجوع خلائق ظہور میں نہ آوے اور لوگ مالی مدد نہ کریں لیکن پھر بھی خدا تعالیٰ اپنی پیشگوئی کو پوری کرے گا اور وہ سب نامراد رہیں گے اور یہ پیشگوئیاں نہ صرف عربی میں ہیں بلکہ عربی میں اُردو میں انگریزی میں فارسی میں عبرانی میں براہین احمدیہ میں موجود ہیں۔"

اس کے بعد حضرت اقدس نے اُن کوششوں کا ذکر کیا جو اس عرصہ میں آریوں نے عیسائیوں نے اور خود مسلمان مولویوں نے اس رجوع خلائق کو روکنے کے لئے بڑے زور سے کیں اور باوجود ان کی سر توڑ کوششوں اور ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے خدا نے اُن کو ناکام و نامراد کیا اور ہزارہا لوگوں کو حضرت صاحب کی جماعت میں شامل کیا اور مالی فتوحات کا بھی خدا نے دروازہ کھول دیا۔ اور جیسے جیسے مخالف دشمن لوگوں کے روکنے کی کوشش کرتے ویسے ویسے خلقت کا رجوع اور زیادہ بڑھتا جاتا۔ گویا دوسرا حصہ پیشگوئی کا کہ اگرچہ دشمن سخت مخالفت کریں گے لیکن باایں ہمہ ہم ایک عالم کا رجوع تیری طرف کر دیں گے۔ بڑی صفائی سے پُورا ہو گیا۔

قادیان کے آریہ اخبار کی غلط بیانی

حضرت اقدس کی تقریر کا یہ خلاصہ تھا جو آپ نے مذکورہ بالا واقعہ نامرضیہ کے بعد کی تھی جس کے ذریعہ لوگوں کے زخم خوردہ دلوں پر آپ نے مرہم لگانا چاہا تھا۔ اس تقریر سے قادیان کے آریوں میں کھلبلی پڑ گئی اور اخبار شبھ چنتک میں اُنہوں نے لالہ شرمپت کی طرف منسوب کر کے ایک بیان شائع کیا کہ لالہ شرمپت کہتا ہے کہ ہم نے مرزا صاحب سے کوئی نشان آسمانی نہیں دیکھا

"قادیان کے آریہ اور ہم" کی اشاعت

حضرت اقدس نے جب یہ بیان پڑھا تو فوراً ایک کتاب "قادیان کے آریہ اور ہم" کے نام سے تصنیف کر کے ۲۰۔ فروری ۱۹۰۷ء کو شائع فرمائی جس میں مذکورہ بالا تمام واقعات درج فرما کے لالہ شرمپت اور ملاوامل کے متعلق ایک اعلان شائع فرمایا۔ وہو ہذا:-

"قادیان کے آریہ اخبار میں جو لالہ شرمپت برادر لالہ بشمبر داس کے حوالہ سے لکھا گیا ہے کہ ہم نے کوئی نشان آسمانی اس راقم کا نہیں دیکھا۔ یہ اس قسم کا جھوٹ ہے کہ اگر کوئی انسان گندی سے گندی نجاست کھالے تو ایسی نجاست کھانا بھی اس جھوٹ سے کمتر ہے

ان باتوں کو سُن کر یقین آتا ہے کہ اس قدر جھوٹ بولنے والے کو اپنے پرمیشر پر ایمان نہیں اور وہ ہرگز نہیں ڈرتا کہ جھوٹ کا کوئی بُرا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ چونکہ ہم نے کئی کتابوں میں لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل ساکنان قادیان کی نسبت لکھ دیا ہے کہ اُنہوں نے فلاں فلاں آسمانی نشان میرے دیکھے ہیں بلکہ بیسیوں نشان دیکھے ہیں اور وہ کتابیں آجتک کروڑہا انسانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ پس اگر اُنہوں نے مجھ سے آسمانی نشان نہیں دیکھے تو اس صورت میں مجھ سے زیادہ دنیا میں کون جھوٹا ہو گا اور میرے جیسا کون ناپاک طبع اور مفتری ہو گا۔ میں اس دعوے میں سچا ہوں تو ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اس سے بڑھ کر میری اور کیا بعزتی ہو گی کہ ان لوگوں نے اخباروں اور اشتہاروں کے ذریعہ سے مجھے جھوٹا اور افترا کرنے والا قرار دیا۔ دُور کے لوگ کیا جانتے ہیں کہ اصلیت کیا ہے۔ بلکہ اس عداوت کی وجہ سے کہ جو اکثر لوگوں کو میرے ساتھ ہے ان لوگوں کو سچا سمجھیں گے اور گھر کی گواہی خیال کرینگے اور اس طرح پر اور بھی اپنی عاقبت خراب کریں گے۔ پس چونکہ مَیں اس بعزتی کو برداشت نہیں کر سکتا اور نیز اس سے خدا کے قائم کردہ سلسلہ پر نہایت بد اثر پڑتا ہے اس لئے مَیں اوّل تو لالہ شرمپت اور ملاوامل کو مخاطب کرتا ہوں کہ وہ خدا کی قسم کے ساتھ مجھ سے فیصلہ کرلیں اور خواہ مقابل پر اور خواہ تحریر کے ذریعہ سے اس طرح پر خدا کی قسم کھائیں کہ فلاں فلاں نشان جو نیچے لکھے گئے ہیں ہم نے نہیں دیکھے اور اگر ہم جھوٹ بولتے ہیں تو خدا ہم پر اور ہماری اولاد پر اس جھوٹ کی سزا نازل کرے۔"

شرمپت کو قسم کے لئے بلانا اس کے بعد حضرت اقدس نے وہ نشان آسمانی درج کئے ہیں جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکے ہیں اور جن کے یہ دونوں آریہ گواہ تھے۔ پہلے لالہ شرمپت کے آگے الگ کچھ نشانات پیش کئے ہیں جن کا وہ شاہد عینی تھا۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ چند پیشگوئیاں بطور نمونہ مَیں اس وقت پیش کرتا ہوں اور مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ سب بیان صحیح ہے اور کئی دفعہ لالہ شرمپت سُن چکا ہے اور اگر مَیں نے جھوٹ بولا ہے تو خدا مجھ پر اور میرے لڑکوں پر ایک سال کے اندر اس کی سزا نازل کرے آمین۔ ولعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ ایسا ہی شرمپت کو بھی چاہئے کہ وہ بھی میری اس قسم کے مقابل پر قسم کھاوے اور یہ کہے کہ اگر مَیں نے اس قسم میں جھوٹ بولا ہے تو خدا مجھ پر اور میری اولاد پر ایک سال کے اندر اس کی سزا وارد کرے آمین ولعنۃ اللہ علی الکاذبین۔"

پھر اس عبارت کے متعلق بطور حاشیہ تحریر فرماتے ہیں:-

"یہ بددعا کا فقرہ اس امر سے لازم ملزوم ہے کہ میری اس دعا کے مقابل پر شرمپت بھی اپنی نسبت انہی الفاظ کے ساتھ بددعا طبع کرا کر کسی اخبار میں شائع کرا دے منہ"

| ملاوامل کو قسم کیلئے بلانا |

اس کے بعد ملاوامل کے لئے بھی کچھ نشانات تحریر فرمائے ہیں جن کا وہ شاہد عینی تھا۔ اور پھر لکھتے ہیں:-

"میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ باتیں سچ ہیں۔ اور اگر یہ جھوٹ ہیں تو خدا ایک سال کے اندر میرے پر اور میرے لڑکوں پر تباہی نازل کرے اور جھوٹ کی سزا دے۔ آمین۔ ولعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ ایسا ہی ملاوامل کو چاہئے کہ چند روزہ دنیا سے محبت نہ کرے اور اگر ان بیانات سے انکاری ہے تو میری طرح قسم کھائے کہ یہ سب افترا ہے اور اگر یہ باتیں سچ ہیں تو ایک سال کے اندر میرے پر اور میری تمام اولاد پر خدا کا عذاب نازل ہو۔ آمین ولعنۃ اللہ علی الکاذبین"

| قادیان کے آریوں کے متعلق وعید |

اس کے بعد اس کتاب میں حضرت اقدس نے لگے ہاتھ آریہ مذہب پر تنقید بھی کی ہے اور اسکے تمام اصول اور عقائد باطلہ کے پرخچے اُڑا دیئے ہیں۔ اور لیکھرام کی ہلاکت کے نشان کو پیش کر کے قادیان کے شریر آدمیوں کو متنبہ کیا ہے کہ وہ اپنی شرارتوں سے باز آجاویں۔ جن میں اچھر چند مالک اخبار شبھ چنتک اور سوم راج ایڈیٹر اخبار مذکور اور بھگت رام بالخصوص بہت نمایاں حصہ لے رہے تھے۔ اور بڑی شوخی سے حضرت اقدس کو کاذب اور مکار قرار دیتے تھے چنانچہ آپ نے اُن کو سامنے رکھ کر اس رسالہ کے ٹائیٹل پیج پر دو شعر بھی تحریر فرمائے جن میں لیکھرام کی ہلاکت کو پیش کر کے انہیں اس قسم کے انجام سے یعنی ہلاکت کے عذاب سے ڈرایا۔ وہ شعر یہ ہیں ؎

موتِ لیکھو بڑی کرامت ہے | پر سمجھتے نہیں یہ شامت ہے
میرے مالک تو ان کو خود سمجھا | آسماں سے پھر ایک نشاں دکھلا

ان اشعار میں صاف طور پر آپ نے یہ بتایا تھا کہ لیکھرام کے نشان کی طرح خدا سے ان قادیان کے شوخ اور زبان دراز آریوں کیلئے پھر ہلاکت کا نشان طلب کیا گیا ہے وہ کیوں اور کس طرح پورا ہونے کو تھا۔ مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے جو اسی کتاب میں شائع کئے گئے تھے اور انہی شوخ اور زبان دراز آریوں کے بارے میں تھے۔ فرماتے ہیں ؎

فطرت کے ہیں درندے مُردار ہیں نہ زندے — ہر دم زباں کے گندے قہرِ خدا یہی ہے
دینِ خدا کے آگے کچھ بن نہ آئی آخر — سب گالیوں پہ اُترے دل میں اُٹھا یہی ہے
شرم و حیا نہیں ہے آنکھوں میں اُنکے ہرگز — وہ بڑھ چکے ہیں حد سے اب انتہا یہی ہے
ہم نے ہے جس کو مانا قادر ہے وہ توانا — اُس نے ہے کچھ دکھانا اس سے رجا یہی ہے
اے آریو یہ کیا ہے کیوں دل بگڑ گیا ہے — ان شوخیوں کو چھوڑو راہِ حیا یہی ہے
مجھ کو ہو کیوں ستاتے سَو افترا بناتے — بہتر تھا باز آتے دُور از بلا یہی ہے
جس کی دعا سے آخر لیکھو مرا تھا کٹ کر — ماتم پڑا تھا گھر گھر وہ میرزا یہی ہے
اچھا نہیں ستانا پاکوں کا دل دُکھانا — گستاخ ہوتے جانا اس کی جزا یہی ہے

یعنی جو آریہ لیکھرام کی طرح بدزبانی سے باز نہیں آتا وہ عذاب سے بچ نہیں سکتا۔ پھر اسی کتاب میں صفحہ ۲۲ پر حضرت اقدس انہی قادیان کے شوخ اور زبان دراز آریوں کی نسبت ان الفاظ میں پیشگوئی فرماتے ہیں:۔

"غرض یہ لوگ ان نبیوں کی تکذیب میں جن کی سچائی سورج کی طرح چمکتی ہے حد سے بڑھ گئے ہیں۔ خدا جو اپنے بندوں کے لئے غیر تمند ہے ضرور اس کا فیصلہ کرے گا۔ وہ ضرور اپنے پیارے نبیوں کے لئے کوئی ہاتھ دکھلائیگا...... خدا ان کا اور ہمارا فیصلہ کرے"

چنانچہ فیصلہ کا وقت جلد ہی آگیا+

ملاوامل اور شرمپت کا قسم کھانے سے فرار

اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل تو جو اچھی طرح حضرت اقدس کے نشانوں کو دیکھے ہوئے تھے اور جنہیں حضرت اقدس نے بالمقابل قسم کھا کر نشانوں کا انکار کرنے کے لئے دعوت دی تھی ایسے چپ ہوئے کہ جیسے کسی کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ بہتیرا اُن کے ہم مشرب آریوں نے اُنہیں اُبھارا مگر وہ بالمقابل قسم کھانے کو راضی نہ ہوئے اور خاموشی میں ہی اپنی نجات سمجھی اور فرار میں ہی اپنی جان بچتی دیکھی۔ چنانچہ اُن کی اس خاموشی اور فرار نے جہاں ایک طرف اُنہیں فوری عذاب سے بچالیا وہاں دوسری طرف حضرت اقدس کے نشانات پر مہر تصدیق لگا دی جو آپ نے اُن لوگوں کو گواہ رکھ کر تحریر فرمائے تھے+

قادیان کے زبان دراز آریوں کا بد انجام

لیکن اچھر چند اور سومراج اور بھگت رام اپنی شوخ زبانی میں بڑھتے گئے یہانتک کہ تنگ آکر حضرت اقدس نے جناب الٰہی میں مزید توجہ فرمائی اور ان کے لئے بد دعا کی کہ خدایا اس اخبار شبھ چنتک کے کارکنوں کو نابود کرکے اس فتنہ کو درمیان سے اُٹھادے۔

اس کے جواب میں ایک مرتبہ الہاماً یہ دعا آپ کی زبان پر جاری ہوئی کہ "یا الٰہی اس شہر کی بلاؤں کو ٹال دے" اور اس اخبار کے کارکن - سومراج اور اچھر چند کی نسبت یہ الہام ہوا "لا تنفکا من ھذہ المرحلۃ" یعنی یہ دونو اس مرحلۂ عذاب سے چھوٹ نہیں سکتے - پھر آپ پر یہ بھی ظاہر ہوا کہ وہ اب ہلاک ہونے کو ہیں - چنانچہ پہلے تو ایسا ہوا کہ ان آریوں کا اخبار شبھ چنتک قادیان سے منتقل ہو کر بٹالہ چلا گیا - اس کے بعد قادیان میں انہی آریوں میں طاعون پھوٹی اور اخبار شبھ چنتک کا منیجر اور مالک اچھر چند بمعہ اپنے بھائی کے جو اس کا اکیلا بھائی تھا طاعون سے ہلاک ہو گیا - پھر ۹ - اپریل ۱۹۰۷ء کو اخبار کا ایڈیٹر سومراج جس کا شب و روز یہ کام تھا کہ جو قادیان آتا اسے بہکانے کی پوری کوشش کرتا طاعون سے مر گیا - اس کا لڑکا بھی چند روز پہلے اُس کی آنکھوں کے آگے طاعون سے ہلاک ہو چکا تھا - اُس کے بعد اُس کی بیوی بھی طاعون سے مر گئی - پھر وہ تیسرا بھگت رام بھی طاعون سے مر گیا - غرضکہ خود بھی مرے اور اُن کا خاندان بھی تہس نہس ہو گیا - اخبار بھی بند ہو گیا - اور لطف یہ ہے کہ اس سے قبل اچھر چند سے بحث کرتے ہوئے ایک احمدی نے جب کہا کہ یہ کتنا بڑا نشان ہے کہ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ خدا نے مجھے بتلایا ہے کہ مجھے طاعون نہیں ہوگی تو اچھر چند بولا کہ یہ کوئی نشان نہیں - مَیں بھی کہتا ہوں کہ مجھے ہرگز طاعون نہیں ہوگی - خدا کی شان اُس کے بعد بہت جلد یہ خود بمعہ اپنے بھائی کے طاعون سے مر گیا اور اپنی اس ہلاکت سے حضرت اقدس کے طاعون سے حفاظت والے نشان کو اور نمایاں کر گیا - قادیان کے آریوں کی اس ہلاکت سے قادیان سے آریہ سماج کا اُس وقت قصہ پاک ہو گیا - اور اپریل ۱۹۰۷ء میں چند روز کے اندر یہ شہر کی بلائیں دُور ہو گئیں *

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری
کا
چار دفعہ مباہلہ سے فرار

کچھ مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری جب سے پبلک میں آئے ہیں اُنکا یہ امتیاز خصوصی رہا ہے کہ اپنی تقریروں میں تمسخر اور استہزا اور طعن و تشنیع اور لچر شعر بازی کا رنگ غالب رکھتے ہیں - بالخصوص جب حضرت اقدس مرزا صاحب کی مخالفت میں تقریر کرنی ہو تو ان کی اس خصوصیت کا رنگ بہت تیز ہو جاتا ہے - اور ان کی زبان اُسترہ کی طرح چلنے لگتی ہے - اور مرزا ارشد

گورگانی مرحوم کا شعر جو اُنہوں نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ پر انہی مولوی ثناء اللہ صاحب کی شان میں فی البدیہہ کہا تھا بالکل صادق نظر آنے لگتا ہے۔ اُنہوں نے فرمایا تھا ؎

زبان تیز ان کی اُسترہ سے بھی زیادہ ہے ✦ مجھے ڈر ہے کہ جڑ سے یہ اُڑا دیں نہ مسلمانی

اور اس وقت سارے جلسہ نے اس شعر کی تعریف و تحسین میں غلغلہ بلند کر کے اس کی تصدیق بڑے زور سے کی تھی۔ خدا جانے کس قبولیت کے وقت میں یہ شعر ان کی زبان سے نکلا تھا کہ آج تک وہ لفظ بہ لفظ ان مولوی صاحب پر صادق آتا رہتا ہے ✦

ہر ایک صادق کی مخالفت ہوتی رہی ہے

ہر ایک صادق اور راستباز کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا رہا ہے کہ اس کے مخالف جب اصولی امور میں اس کے مقابل عاجز آجاتے ہیں۔ تو بدگوئی اور استہزا اور جھوٹے الزامات جیسے ادنیٰ اور کوتہ ہتھیاروں پر اُتر آتے ہیں اور درحقیقت یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ کامیاب ہوگیا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت آفتاب عالمتاب کی طرح روشن ہے۔ لیکن معترض بجائے اُن روشن ثبوتوں کی طرف توجہ کرنے کے اپنا سارا زور انہی باتوں پر دیئے چلے جاتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ آپ نے ایک سے زیادہ بیویاں کیں وغیرہ وغیرہ اصولی امور کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ یہی حالت اُن لوگوں کی نظر آتی ہے جنہوں نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی مخالفت کو ضروری سمجھ رکھا ہے۔ افسوس ہے کہ ان لوگوں نے نہ دیکھا کہ زمانہ پکار پکار کر شہادت دے رہا ہے کہ اسلام پر مصیبت اور بیکسی کی حالت انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ یہ غور نہ کیا کہ ان کے بعض غلط عقیدے جو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں کس طرح عیسائیت کی تبلیغ میں معاون ہو رہے ہیں۔ اور اہل اسلام کو ان غلطیوں سے باہر نکالنا اس وقت خدمت اسلام کا سب سے بڑا کام ہے۔ لیکن محض اس لئے کہ یہ باتیں مرزا غلام احمد صاحب کے مُنہ سے نکلی ہیں جن کی مخالفت اُنہوں نے ضرور کرنی ہے۔ اس لئے تمام واقعات سے آنکھیں بند کر کے ساری مسلمان قوم کو مغالطہ میں ڈال رکھا ہے۔ ہر صدی کے سر پر مجدّد کے آنے کے قائل سب بڑے بڑے علماء رہے ہیں۔ مگر چونکہ اس چودھویں صدی کے سر پر سوائے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے اور کسی شخص نے مجدّد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس لئے محض آپ کی مخالفت و تعصب و عناد کی وجہ سے حدیث مجدّد کو بھی ناحق اور ناروا طور پر موضوع قرار دیکر حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ جیسے مقدس اور راستباز انسانوں کو نعوذ باللہ من ذٰلک مفتری قرار دے دیا۔ حضرت مرزا صاحب کی سچائی کے ہزاروں نشانوں پر تو توجہ نہ کریں گے لیکن اگر کوئی ایک مبہم سا امر

ایسا مل جائے جو بزعم ایشاں اُن کے خلاف کچھ کام آسکے تو سارا زور اسی پر ختم کر دیں گے۔ گلے پھاڑ پھاڑ کر مجلسوں میں آپ کے جھوٹا ہونے کا شور مچانے سے قبل اتنا ہی کر لیتے کہ پہلے کسی اور کو ہی مجدد بنا لیتے تا نبی کریم صلعم کی حدیث مجدد کی تکذیب تو لازم نہ آتی۔ مگر ان کو یہ پروا نہیں۔ اسلام کو فائدہ پہنچے یا نقصان۔ کسی طرح مرزا صاحب جھوٹے ہو جائیں۔ مگر خدا کے کام بندوں سے نہیں رُکتے۔

فیصلہ کیا کرنا چاہئے فیصلہ تو یہ کرنا چاہئے تھا کہ کیا حضرت عیسٰی علیہ السلام کا بجسد عنصری زندہ آسمان پر جانا اور وہاں دو ہزار سال سے اُس جسم خاکی کے ساتھ بغیر کسی قسم کا تغیر آنے اور بغیر اس کے کھانے پینے اور حوائج بشری کے محتاج ہونے کے موجود ہونا قرآن شریف یا صحیح حدیث سے ثابت ہے؟ اور اگر ثابت ہے تو عیسائیوں کے اس اعتراض کا کیا جواب ہے کہ "تمام انبیا کے حق میں مرقوم ہے ما جعلناهم جسدًا لا یأکلون الطعام وما کانوا خالدین (الانبیاء) یعنی ہم نے اُن کے ایسے جسم نہیں بنائے کہ کھانے پینے کے بغیر ہمیشہ زندہ رہ سکیں۔ پس جو کوئی باوجود جسد عنصری کے کھانے پینے کے بغیر زندہ رہ سکے وہ تمام دیگر انبیاء سے نرالا اور افضل ہے .... اور اُن رُسل و انبیا میں شمار نہیں کیا جا سکتا جن کی زندگی کا مدار کھانے پینے پر ہے"۔ ایک غیور مسلمان کیلئے تو اس اعتراض کا وجود ہی اس بات کے بتا دینے کے لئے کافی تھا کہ مسیح کا بجسد عنصری آسمان پر زندہ ہونا اسلامی مسئلہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مذہب اسلام کا کوئی اصول کبھی کسی باطل کا حامی نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اُسی صلیب کی حمایت اصول اسلام سے ہو جس کو کسر کرنے یعنی توڑنے کے لئے مذہب اسلام دنیا میں آیا؟

پھر فیصلہ اس بات کا کرنا چاہئے تھا کہ باوجود نبوت کے ختم ہو جانے کے اور باوجود حضرت عیسٰی کے فوت شدہ ہونے کے۔ اور باوجود اس کے کہ احادیث میں حضرت عیسٰی علیہ السلام اسرائیلی نبی اور آنیوالے ابن مریم کے دو الگ الگ حلیے صراحت سے مذکور ہیں۔ صحیح بخاری کو کھول کر پڑھو۔ اس کی دو حدیثوں میں اسرائیلی مسیح کو احمر جعد کہا گیا ہے یعنی سرخ رنگ والا اور گھونگریالے بالوں والا۔ اور دو حدیثوں میں آنیوالے ابن مریم کو جو فتنۂ دجالی کو دُور کرے گا آدم سبط الشعر کہا ہے۔ یعنی گندم گوں رنگ والا اور سیدھے بالوں والا۔ اور باوجود اس کے کہ قرآن شریف میں سورۂ جمعہ میں لکھا ہے کہ اس اُمت کے اوّلین اور آخرین سب کے معلم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک نبی اللہ عیسٰی ابن مریم اس اُمت میں آ جائیں۔ اور وہی اس اُمت کی آئندہ تعلیم و تزکیہ کریں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی تعلیم و تزکیہ کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ کیونکہ جب ایک ایسا نبی آ گیا جو خدا سے براہ راست تعلیم پا چکا ہے تو محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم و تزکیہ کا سلسلہ تو باقی نہ رہا۔ اور ان باتوں کو جو خلاف قرآن شریف ہیں مان کر عیسائیوں کے اس اعتراض کا کیا جواب ہے کہ اگر محمد صاحب نبی آخر الزمان اور خاتم النبیین تھے تو آخری فتنہ کو فرو کرنے کے اہم امر کے لئے اُن کو قبر سے اُٹھا کر بھیجنا کیوں نہ مقرر ہوا؟"

پھر فیصلہ اس بات کا کرنا چاہئے تھا کہ اگر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی چودھویں صدی کے مجدد نہیں ہیں تو کیوں کسی اور مجدّد کا پتہ دنیا میں نہیں بتایا جاتا جس نے چودھویں صدی میں دعوئے مجدّدیت کیا ہو؟ یا کیا تیرہ سو سال تک آنحضرت صلعم کی حدیث پوری ہوتی رہی اور اب وہ غلط ہو گئی؟

غرض جو امور فیصلہ طلب ہیں اُن کی طرف تو حضرت اقدس مرزا صاحب کے مخالفین قدم اُٹھانے کی جرأت نہیں کرتے۔ اور اُن کی بجائے ایسی باتوں پر زور دیتے رہتے ہیں جن کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ لوگوں کو امور حقّہ کی طرف سے غفلت میں رکھ کر اُن کی ہنسی اور استہزا کے لئے جو مخالفین حق کا قدیم سے شیوہ ہے کچھ سامان پیدا کر دیا جائے۔

بالکل یہی شیوہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا تھا جو حضرت اقدس کی مخالفت میں انہوں نے اختیار کر رکھا تھا۔

مباہلہ کی شرائط حضرت اقدس مرزا صاحب نے جب ۱۸۹۱ء میں دعویٰ مسیحیت کیا تو مخالفین نے آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا اور بعض نے آپ کو مباہلہ کے لئے بلایا۔ جس کا جواب **ازالۂ اوہام** میں حضرت اقدس نے ان الفاظ میں دیا تھا:۔

"ناظرین پر واضح رہے کہ میاں عبد الحق نے مباہلہ کی بھی درخواست کی تھی۔ لیکن اب تک میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسے اختلافی مسائل میں جن کی وجہ سے کوئی فریق کافر یا ظالم نہیں ٹھیر سکتا کیونکر مباہلہ جائز ہے۔ قرآن کریم سے ظاہر ہے کہ مباہلہ میں دونو فریق کا اس بات پر یقین چاہئے کہ فریق مخالف میرا کاذب ہے۔ یعنی عمداً سچائی سے رُوگردان ہے۔ مخطی نہیں ہے۔ تا ہر ایک فریق لعنت اللہ علی الکاذبین کہہ سکے...... غرض کذب اور چیز ہے اور خطا اور چیز۔ اور خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ کاذبوں پر لعنت کرو۔ یہ تو نہیں فرماتا کہ مخطیوں پر لعنت کرو۔" (صفحہ ۶۳۷ و ۶۳۸)

ایسا ہی ۱۲- اپریل ۱۸۹۱ء کے اشتہار میں آپ نے یہ تحریر فرمایا:-

"مسنون طریق مباہلہ کا یہ ہے کہ جو شخص مباہلہ کی درخواست کرے اس کے دعوے کی بنا ایسے یقین پر ہو جس یقین کی وجہ سے وہ اپنے فریق مقابل کو قطعی طور پر مفتری اور کاذب خیال کرے...... مباہلہ میں دونو فریق ایسے چاہئیں کہ درحقیقت یقینی طور پر ایک دوسرے کو مفتری سمجھیں۔ اور وہ حسن ظن جو مومن کا مومن پر ہوتا ہے ایک ذرہ ان کے درمیان موجود نہ ہو۔"

مباہلہ کا اعلان

لیکن جب باوجود آپ کے ان اعلانات کے کہ آپ تمام عقائد اسلامی کے پابند ہیں اور ختم نبوت کے قائل اور آنحضرت صلعم کے بعد مدعی نبوت کو کاذب اور کافر یقین کرتے ہیں۔ آپ کی تکفیر پر اصرار کیا گیا تو آپ نے آئینہ کمالات اسلام میں یہ اعلان کیا جو ۱۰- دسمبر ۱۸۹۲ء کا اعلان ہے۔ گو کتاب فروری ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی کہ

"میں خدا تعالیٰ سے مامور کیا گیا ہوں کہ اگر ائمۂ تکفیر میرے عقائد اور اُن کے دلائل کو سُن کر بھی تکفیر سے باز نہ آئیں تو اُن کے ساتھ مباہلہ کروں۔"

لیکن اس چیلنج پر سوائے ایک مولوی عبدالحق غزنوی کے اور کسی نے آپ کے ساتھ مباہلہ نہیں کیا۔ اور اس مباہلہ میں بھی آپ نے مولوی عبدالحق غزنوی پر کوئی بد دعا نہیں کی۔ جیسا کہ آپنے صاف طور پر حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۴۰ پر ارقام فرمایا ہے:-

"اور چونکہ مجھے مولوی عبداللہ صاحب مرحوم سے دلی محبت تھی .... اس لئے میرے دل نے عبدالحق کے لئے کسی بد دعا کو پسند نہیں کیا۔ بلکہ میری نظر میں وہ قابل رحم تھا.......

بہرحال مباہلہ میں جو اس نے چاہا کہا۔ مگر میری دعا کا مرجع میرا ہی نفس تھا۔ اور مَیں جناب الٰہی میں یہی التجا کر رہا تھا کہ اگر مَیں کاذب ہوں تو کاذبوں کی طرح تباہ کیا جاؤں۔"

کل مکفر علما اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا مباہلہ سے فرار

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو مباہلہ کے لئے خطاب حضرت اقدس نے پہلے پہل انجام آتھم میں کیا ہے جہاں بہت سے مولویوں اور سجادہ نشینوں کے نام ہیں وہاں اُس فہرست میں مولوی ثناء اللہ صاحب کا نام بھی ہے۔ (دیکھو انجام آتھم صفحہ ۷۰ و ۷۲) اس خطاب میں حضرت اقدس نے یہ لکھا تھا کہ کم سے کم دس مولوی یا سجادہ نشین مباہلہ کے لئے مقابلہ پر آئیں۔ فرماتے ہیں:-

"اشخاص مندرجہ ذیل میں سے کم سے کم دس آدمی حاضر ہوں۔ اس سے کم نہ ہوں۔ اور جس قدر زیادہ ہوں میری خوشی اور مراد ہے۔ کیونکہ بہتوں پر عذاب الٰہی کا محیط ہو جانا ایک

ایسا کھلا کھلا نشان ہے جو کسی پر مشتبہ نہیں رہ سکتا"

اور پھر لکھا تھا کہ:-

"مَیں یہ بھی شرط کرتا ہوں کہ میری دعا کا اثر صرف اس صورت میں سمجھا جائے کہ جب تمام وہ لوگ جو مباہلہ کے میدان میں بالمقابل آئیں ایک سال تک ان بلاؤں میں سے کسی بلا میں گرفتار ہو جائیں۔ اگر ایک بھی باقی رہا تو مَیں اپنے تئیں کاذب سمجھوں گا اگرچہ وہ ہزار ہوں یا دو ہزار" (صفحہ ۶۷۔ انجام آتھم)

ظاہر ہے کہ یہ طریق کس قدر فیصلہ کن تھا۔ اور ڈیڑھ دو سو آدمیوں میں سے جو کفر کے فتوے پر مُہریں لگا چکے تھے دس آدمیوں کا مقابلہ میں نکلنا کوئی بڑا مطالبہ نہ تھا۔ مگر حق کا رعب مولوی صاحبان کے دلوں پر غالب رہا اور کسی نے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ کی۔ جن میں مولوی ثناء اللہ صاحب بھی شامل تھے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کا دوسری دفعہ مباہلہ سے فرار

اس کے بعد مولوی ثناء اللہ صاحب سے خاص خطاب کتاب اعجاز احمدی مطبوعہ ۱۹۰۲ء میں حضرت اقدس نے کیا جو بالفاظ ذیل ہے:-

"مَیں نے سُنا ہے بلکہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر مَیں نے دیکھی ہے جس میں وہ یہ درخواست کرتا ہے کہ مَیں اس طور کے فیصلہ کے لئے بدل خواہشمند ہوں کہ فریقین یعنی مَیں اور وہ یہ دعا کریں کہ جو شخص ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہی مر جائے۔ اور نیز یہ بھی خواہش ظاہر کی ہے کہ وہ اعجاز المسیح کی مانند کتاب تیار کرے جو ایسی ہی فصیح و بلیغ اور انہی مقاصد پر مشتمل ہو۔ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب نے یہ خواہشیں دل سے ظاہر کی ہیں نفاق کے طور پر نہیں تو اس سے بہتر کیا ہے۔ اور وہ اس اُمت پر اس تفرقہ کے زمانہ میں بہت ہی احسان کریں گے کہ مرد میدان بن کر ان دونو ذریعوں سے حق و باطل کا فیصلہ کر لیں گے یہ تو اُنھوں نے اچھی تجویز نکالی۔ اب اس پر قائم رہیں تو بات ہے"

"اگر ایک کذاب دنیا سے کوچ کر جائے اور باقی لوگوں کو ہدایت ہو جائے تو ایسے مقابلہ والا نبی کا اجر پائے گا۔ لیکن ہم موت کے مباہلہ میں اپنی طرف سے کوئی چیلنج نہیں کر سکتے۔ کیونکہ حکومت کا معاہدہ ایسے چیلنج سے ہمیں مانع ہے۔ ہاں مولوی ثناء اللہ صاحب اور دوسرے مخالفوں کو منع نہیں کہ ایسے چیلنج سے ہمیں جواب دینے کے لئے مجبور کریں۔ خواہ وہ مولوی ثناء اللہ ہوں یا اور کوئی ایسا مولوی ہو جو مشاہیر میں سے ہو اور اپنی جماعت

میں عزت رکھتا ہو۔ جس کے بارے میں کم سے کم پچاس معزز آدمی اس کے اشتہار پر تصدیقی شہادت ثبت کر دیں۔ اور چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب اپنی تحریر کے رُو سے ایسے چیلنج کے لئے تیار بیٹھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ پس ہمیں اس سے کوئی انکار نہیں کہ وہ ایسا چیلنج دیں۔ بلکہ ہماری طرف سے اُن کو اجازت ہے ......"

"پس اگر مولوی ثناء اللہ صاحب ایسے چیلنج کے لئے مستعد ہوں تو صرف تحریری خط کافی نہ ہوگا۔ بلکہ اُن کو چاہئے کہ ایک چھپا ہؤا اشتہار اس مضمون کا شائع کریں کہ اس شخص کو (اور اس جگہ میرا نام بتصریح لکھیں) مَیں کذاب اور دجال اور کافر سمجھتا ہوں۔ اور جو کچھ یہ شخص مسیح موعود ہونے اور صاحب الہام اور وحی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس دعوے کا مَیں جھوٹا ہونا یقین رکھتا ہوں۔ اور اے خدا مَیں تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ اگر یہ میرا عقیدہ صحیح نہیں اور اگر یہ فی الواقع مسیح موعود ہے اور فی الواقع عیسٰی علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں تو مجھے اس شخص کی موت سے پہلے موت دے۔ اور اگر مَیں اس عقیدہ میں صادق ہوں اور یہ شخص درحقیقت دجال۔ بے ایمان۔ کافر۔ مرتد ہے۔ اور حضرت مسیح زندہ آسمان پر موجود ہیں جو کسی نامعلوم وقت میں پھر آئیں گے تو اس شخص کو ہلاک کر تا فتنہ اور تفرقہ دُور ہو۔ اور اسلام کو ایک دجّال اور مغوی اور مضل سے ضرر نہ پہنچے۔ آمین ثم آمین۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۱۲ و ۱۵)

مباہلہ کی سب سے ضروری شرط

پھر اس سارے کا خلاصہ صفحہ ۳۷ پر ان الفاظ میں دیا ہے:۔

"اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق کے پہلے مرجائے تو ضرور وہ پہلے مریں گے۔"

یہ الفاظ نوٹ کر لینے کے قابل ہیں کیونکہ آئندہ یہ ہم کو اس بات کے سمجھنے میں مدد دیں گے کہ کن حالات میں کاذب کا صادق سے پہلے مرنا ضروری ہؤا کرتا ہے۔ اور حضرت اقدس کا بھی منشا کاذب کے صادق کی زندگی میں مرنے سے ہمیشہ انہی شرائط کے ساتھ ہؤا کرتا تھا۔ نہ کہ جیسا کہ بعض نادانوں نے خیال کر لیا ہے کہ صادق کی زندگی میں اُس کی دعا سے یا اُس کی دعا کے بغیر سب کاذب مرجایا کرتے ہیں جو بالکل غلط بات ہے۔ بلکہ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ صادق کے بالمقابل کاذب اگر مباہلہ اور مقابلہ کے لئے نکلے گا اور صادق کی زندگی میں کاذب کے موت کی دعا کرے گا تو ضرور ہے کہ کاذب صادق کی زندگی میں ہلاک ہو جائے۔

لیکن مولوی ثناء اللہ صاحب پھر سُنی کو اَن سُنی کر گئے اور باوجود ان ساری شیخی بازیوں کے جو مُد کے مقام پر کرتے رہے تھے مقابلہ پر نہ آئے۔ اور مباہلہ کی ہامی نہ بھری۔ بلکہ خاموشی میں ہی مفر دیکھا اور اس بات کو کئی برس گزر گئے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کے مباہلہ سے تیسری مرتبہ فرار کی سرگزشت

دسمبر ۱۹۰۵ء میں حضرت اقدس کو متواتر وحی الٰہی کے ذریعہ بتایا گیا کہ تمہاری اجل مقدر قریب آگئی ہے چنانچہ آپ نے انہی الہامات کے مطابق آخری وصیت بھی بنام رسالہ "الوصیت" شائع کر دی۔ اس کے بعد آپ بعض کتابوں کی تصنیف میں مصروف رہے۔ فروری ۱۹۰۷ء میں آپ نے ایک کتاب بنام "قادیان کے آریہ اور ہم" لکھی جس میں قادیان کے آریوں کی بدزبانی کا جواب تھا۔ اس کتاب کے متعلق لکھتے ہوئے اخبار الحکم قادیان نے ۱۷۔ مارچ ۱۹۰۷ء کے پرچہ میں یہ الفاظ لکھے:۔

"اس رسالہ کی ایک جلد مولوی ثناء اللہ امرتسری کو بھی بھیجی گئی ہے۔ قادیان کے آریوں نے حضرت مرزا صاحب کے جو نشانات دیکھ کر تکذیب کی اور کر رہے ہیں اس رسالہ میں ان سے مباہلہ کر دیا ہے .... اور ثناء اللہ نے کوئی نشان صداقت بطور خارق عادت اگر نہیں دیکھا ہے تو وہ بھی قسم کھا کر پرکھ لے۔ تاکہ معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کس کی حمایت کرتا اور کس کی قسم کو سچا کرتا ہے۔"

اس تحریر کے آخری الفاظ جن میں مولوی ثناء اللہ کو مخاطب کیا گیا ہے صاف بتاتے ہیں کہ اس میں مولوی صاحب سے بالمقابل قسم کھانے کا مطالبہ ہے جس کو بالفاظ دیگر مباہلہ کہنا چاہئے جیسا کہ الفاظ "کس کی قسم کو سچا کرتا ہے" سے ظاہر ہے کہ قسم کھانیوالا ایک نہیں بلکہ دو ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ان دونو میں سے ایک کی قسم سچی ہو کر قسم کھانیوالے کی صداقت پر مُہر لگا دے گی۔ اور دوسرے کی جھوٹی ہو کر اُس کے کذب پر مُہر لگا دے گی۔ پس یہاں بہرحال مطالبہ بالمقابل قسم کھانے کا ہے۔ اُس کے جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنے پرچہ اہل حدیث ۲۹۔ مارچ ۱۹۰۷ء میں ذیل کے الفاظ لکھے:۔

"ہاں البتہ ہم اپنے نفس کے ذمہ وار ہیں۔ سو ہم تمہارے کرشن کی کذب بیانی پر قسم کھانے کو تیار ہیں۔ آؤ جس جگہ چاہو ہم سے قسم دلوالو۔ مگر پہلے یہ شائع کرا دو کہ اس قسم کا نتیجہ کیا ہوگا۔ ہم حلفیہ کہہ دیں گے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو ہم خدا کی طرف سے مامور نہیں جانتے بلکہ اعلیٰ درجہ کا جھوٹا مکّار فریبی ہے۔ اور اُس کی کوئی پیشگوئی خدائی الہام سے نہیں ہے۔ مرزائیو سچے ہو تو آؤ۔ اور اپنے گرو کو ساتھ لاؤ۔ وہی میدان عیدگاہ امرتسر طیار ہے۔ جہاں تم پہلے ایک نامزہیں

صوفی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ کرکے آسمانی ذلت اُٹھا چکے ہو۔ اور امرتسر میں نہیں تو بٹالہ میں آؤ۔ سب کے سامنے کارروائی ہوگی۔ مگر اس کے نتیجہ کی تفصیل اور تشریح کرشن جی سے پہلے کرا دو۔ اور اُنہیں ہمارے سامنے لاؤ جس نے ہمیں رسالہ انجام آتھم میں مباہلہ کیلئے دعوت دی ہوئی ہے۔ کیونکہ جب تک پیغمبر جی سے فیصلہ نہ ہو سب اُمت کیلئے کافی نہیں ہو سکتا"۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ جس طرز پر یعنی مباہلہ کے رنگ میں قسم کھانے کیلئے کہا گیا تھا اُسی رنگ میں اُنہوں نے حضرت اقدس کے پیروؤں کو للکارا ہے اور ان کو با واز بلند بلایا ہے کہ وہ مرزا صاحب کو اُن کے مقابلہ میں لاویں۔ ذیل کی باتیں بالتصریح بتاتی ہیں کہ خود مولوی ثناء اللہ نے حضرت اقدس کو بالمقابل قسم کھانے کے لئے بلایا ہے۔

(۱) اوّل یہ کہنا کہ "مرزائیو۔ سچے ہو تو آؤ اور اپنے گرُو کو ساتھ لاؤ"۔

اگر بالمقابل یعنی بزنگ مباہلہ قسم کھانے کے متعلق یہ تحریر نہ تھی تو حضرت اقدس کو امرتسر یا بٹالہ میں لانے کیلئے بار بار کیوں لکھا۔

(۲) پھر اس سے بڑھ کر صاف الفاظ میں کہا ہے کہ "وہی میدان عیدگاہ امرتسر طیار ہے جہاں تم پہلے ایک زمانہ میں صوفی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ کرکے آسمانی ذلت اُٹھا چکے ہو"۔

کیا یہ الفاظ صاف نہیں بتاتے کہ اب پھر مولوی ثناء اللہ صاحب اسی میدانِ مباہلہ میں بلا رہے ہیں جہاں عبدالحق غزنوی سے مباہلہ ہو چکا تھا۔

(۳) تیسری دلیل اس سے بھی بیّن ہے "انہیں ہمارے سامنے لاؤ جس نے ہمیں رسالہ انجام آتھم میں مباہلہ کے لئے دعوت دی ہوئی ہے۔

کیا اس سے بڑھ کر کوئی صاف الفاظ بکار ہیں کہ مولوی صاحب مباہلہ کیلئے للکار رہے ہیں۔ یہ امور اس لئے قابل توجّہ ہیں کہ پندرہ دن بعد ہی جب اس بالمقابل قسم کی للکار کو قبول کیا جاتا ہے تو پھر مولوی ثناء اللہ صاحب یہ رونا رونے لگتے ہیں کہ مَیں نے مباہلہ کے لئے کبھی تیاری کا اظہار ہی نہیں کیا۔ حالانکہ یہاں صاف لکھتے ہیں کہ وہ شخص جس نے انجام آتھم میں ہم کو مباہلہ کیلئے بلایا تھا اب ہم اُس کو بلاتے ہیں۔

اس تحریر کا جواب ۴۔ اپریل ۱۹۰۷ء کے اخبار بدر میں ایڈیٹر اخبار کے قلم سے لیکن حضرت اقدس مرزا صاحب کے حکم سے شائع ہوتا ہے۔ جس کا عنوان ہے:۔

(دیکھو بر صفحہ نمبر ۱۱۴۲)

"مباہلہ کے واسطے
مولوی ثناء اللہ امرتسری کا چیلنج منظور کیا گیا"
(حضرت مسیح موعود کے حکم سے لکھا گیا)

اس عنوان کے نیچے پہلے مولوی ثناء اللہ کی اپنی تحریر کو نقل کر کے اُس کا جواب یوں دیا گیا ہے:۔
"اصل مطلب کی بات صرف یہ ہے کہ مولوی ثناء اللہ حضرت مسیح موعود مرزا صاحب کی تکذیب پر ایسا یقین اور ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اس پر خدا تعالیٰ کی قَسم کھانے کو تیار ہیں اور اس مباہلہ کے واسطے حضرت مرزا صاحب کو بلاتے ہیں اور حضرت مرزا صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اس مباھلہ کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اور اس مباہلہ کے واسطے امرتسر یا بٹالہ میں طرفین کا مجمع ہونا تجویز کرتے ہیں۔

اس مضمون کے جواب میں مَیں مولوی ثناء اللہ صاحب کو بشارت دیتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے ان کے اس چیلنج کو منظور کر لیا ہے وہ بیشک قَسم کھا کر بیان کریں کہ یہ شخص اپنے دعوے میں جھوٹا ہے اور بیشک یہ بات کہیں کہ اگر مَیں اس بات میں جُھوٹا ہوں تو لعنت اللہ علی الکاذبین۔ اور اس کے علاوہ ان کو اختیار ہے کہ اپنے جُھوٹے ہونے کی صورت میں ہلاکت وغیرہ کے جو عذاب اپنے لئے چاہیں مانگیں .... حضرت اقدس نے پھر بھی اس پر رحم کر کے فرمایا ہے کہ یہ مباہلہ چند روز کے بعد ہو جبکہ ہماری کتاب حقیقۃ الوحی چھپ کر شائع ہو جائے .... اس کتاب کے ساتھ ایک اشتہار بھی ہماری طرف سے شائع ہوگا جس میں ہم یہ ظاہر کر دیں گے کہ ہم نے مولوی ثناء اللہ کے چیلنج مباہلہ کو منظور کر لیا ہے۔ اور ہم اوّل قسم کھاتے ہیں کہ وہ تمام الہامات جو اس کتاب میں ہم نے درج کئے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہیں۔ اور اگر یہ ہمارا افترا ہے تو لعنت اللہ علی الکاذبین۔ ایسا ہی مولوی ثناء اللہ بھی اس اشتہار اور کتاب کے پڑھنے کے بعد بذریعہ ایک چھپے ہوئے اشتہار کے قَسم کے ساتھ یہ لکھ دیں کہ مَیں نے اس کتاب کو اول سے آخر تک بغور پڑھ لیا ہے اس میں جو الہامات ہیں وہ خدا کی طرف سے نہیں۔ اور مرزا غلام احمد کا اپنا افترا ہے۔ اور اگر مَیں ایسا کہنے میں جھوٹا ہوں تو لعنت اللہ علی الکاذبین۔ اور اس کے ساتھ اپنے واسطے اور جو کچھ عذاب وہ خدا سے مانگنا چاہیں مانگ لیں۔ ان اشتہارات کے شائع ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ خود ہی فیصلہ کر دے گا۔ اور صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھلا دے گا۔ ہاں اتنی بات ہم اس پر اور بڑھا دیتے ہیں کہ ہم خدا سے دعا

کریں گے کہ یہ عذاب جو جھوٹے پر پڑے وہ اس طرز کا ہو کہ اس میں کسی انسانی ہاتھ کا دخل نہ ہو...... فی الواقعہ یہ ایک قسم کی شوخی اور گستاخی ہے کہ ہم قرآن کریم کی آیت مباہلہ کے مقابل تشریحات کے طالب ہوں۔ البتہ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ اگر مولوی ثناء اللہ نے کوئی حیلہ جوئی کرکے اس مباہلہ کو اپنے سر سے نہ ٹال دیا تو پھر اللہ تعالیٰ بالضرور مولوی مذکور کے متعلق کوئی ایسا ہی نشان ظاہر کرے گا جو صدق و کذب کی پوری تمیز کرے گا......

امید ہے کہ اب مولوی ثناء اللہ کو اس خود تجویز کردہ مباہلہ سے گریز کی راہیں تلاش کرنے کی ضرورت نہ محسوس ہوگی.........

لیکن اگر آپ اس بات پر ہی راضی ہیں کہ بالمقابل کھڑے ہو کر زبانی مباہلہ ہو تو پھر آپ قادیان آ سکتے ہیں۔ اور اپنے ہمراہ دس تک آدمی لا سکتے ہیں۔ اور ہم آپ کا زادِ راہ آپ کے یہاں آنے اور مباہلہ کرنے کے بعد پچاس روپے تک دے سکتے ہیں لیکن یہ امر ہر حالت میں ضروری ہوگا کہ مباہلہ ہونے سے پہلے فریقین میں شرائط تحریر ہو جائیں گے اور الفاظ مباہلہ تحریر ہو کر اس تحریر پر فریقین اور اُن کے ساتھ گواہوں کے دستخط ہو جائیں گے......"

مولوی ثناء اللہ صاحب کا جواب

اس کا جواب مولوی ثناء اللہ صاحب نے ۱۹۔ اپریل ۱۹۰۷ء کے اہل حدیث میں دیا جو دراصل ۱۲۔ اپریل کے اہل حدیث کے ساتھ ہی شائع ہو گیا تھا۔ جیسا کہ اس کے ٹائیٹل پیج پر ایک فٹ نوٹ سے شہادت ملتی ہے۔ اس جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے ایک طرف تو یہ لکھا کہ اُس کا منشا کسی مباہلہ کا نہ تھا اور کہ:۔

"مَیں نے تو قسم کھانے پر آمادگی کی ہے۔ مگر آپ اس کو مباہلہ کہتے ہیں۔ حالانکہ مباہلہ اس کو کہتے ہیں جو فریقین مقابلہ پر قسمیں کھائیں"

اور دوسری طرف یہ بھی لکھ دیا کہ:۔

"یہ نہیں کہ مَیں آپ سے مباہلہ کرنے سے ڈرتا ہوں۔ معاذ اللہ۔ جب مَیں آپ کو خدا کے واسطے ایک مفسد اور دجّال جانتا ہوں نہ اب بلکہ سالہا سال سے تو مَیں آپکے مباہلہ سے کیونکر ڈر سکتا ہوں"

مگر بار بار اس بات کا اعادہ بھی کرتے جاتے ہیں کہ مَیں نے قسم کھانے کو کہا تھا مباہلہ کے لئے نہیں کہا تھا۔ ذرا یہ ڈھٹائی ملاحظہ ہو:۔

"دروغ گوئی سے کام نہ لیجئے۔ مَیں نے حلف اُٹھانا کہا ہے۔ مباہلہ نہیں کہا۔ نہ مَیں نے آپ کو دعوت دی ہے بلکہ آپ کی دعوت کو منظور کیا ہے۔ نہ مَیں نے لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہنا لکھا تھا۔ قسم اور ہے۔ مباہلہ اور ہے"۔

پھر اس جواب میں نہایت سفلہ پن سے بار بار حضرت اقدس کو گالیاں دی ہیں اور متانت سے گرے ہوئے ہی نہیں بلکہ گندے اور فحش الفاظ استعمال کئے ہیں۔ کہیں لکھا ہے "اپنے معمولی کذب سے کام نہ لیجئے"۔ کہیں ہے "آپ نے اپنے دجّال ہونے کا ثبوت دیا ہے"۔ کہیں ہے "ہم تو نہ آپ کو قسم کھلاتے ہیں نہ آپ کی قسم کا اعتبار کرتے ہیں خواہ آپ تتے توے پر...... رکھ دیں"۔ "ہمیں تو قرآن میں آپ کی قسم پر اعتبار کرنے سے منع کیا گیا ہے"۔ کہیں ہے۔ "آپکے دجّال کذاب مردود ہونے میں کیا شک ہے"۔ کہیں ہے "آپ پکّے کاذب اور دجّال ہیں"۔ پھر لکھا ہے "مرزائیو۔ تم بھی اس خبطی کو نہیں پوچھتے کہ کیا کہتا ہے"۔ پھر لکھا ہے۔ "تمہاری جماعت کے اکثر لوگ بھیڑیں نہیں بھیڑیئے ہیں۔ بدخلق ہیں۔ خود غرض ہیں۔ سفلے ہیں۔ دلآزار ہیں۔ بدتہذیب ہیں کج دل ہیں۔ متکبر ہیں۔ کینہ توز ہیں"۔

غرض یہ تمام جواب نہایت کمینہ اور گندی دلآزاری سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں ایک طرف مباہلہ سے انکار بھی چلتا ہے۔ دوسری طرف آمادگی بھی ظاہر کی جاتی ہے۔ اور ایک شخص پڑھ کر حیرت میں رہ جاتا ہے کہ کیا یہ وہی مولوی ثناء اللہ صاحب ہیں جو ابھی پندرہ روز پیشتر ان الفاظ میں للکار رہے تھے کہ "انہیں ہمارے سامنے لاؤ جس نے ہمیں رسالہ انجام آتھم میں مباہلہ کے لئے دعوت دی ہوئی ہے۔ کیونکہ جبتک پیغمبر جی سے فیصلہ نہ ہو سب اُمت کیلئے کافی نہیں ہو سکتا"۔ اُنہی پر اب مباہلہ کا نام سُن کر رعشہ طاری ہو رہا ہے۔ اور گریز کی راہیں نکال رہے ہیں۔

چلو مان لو کہ ۲۹۔ مارچ ۱۹۰۷ء کی تحریر میں یہ فقرات کہ امرتسر میں میدان عیدگاہ تیار ہے جہاں صوفی عبدالحق سے مباہلہ ہوا تھا اور کہ مرزا صاحب کو ہمارے سامنے لاؤ۔ کیونکہ انجام آتھم میں وہ ہمیں دعوت مباہلہ دے چکے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے محض ڈرانے اور ڈینگیں مارنے کے لئے لکھ دیا تھا۔ ورنہ اُن کا منشا صرف اکیلے قسم کھانے کا تھا بالمقابل قسم کھانا نہ تھا لیکن جو شخص ایک طرف یہ بازاری گندہ فقرہ بھی استعمال کر سکتا ہے کہ ہم آپ کی قسم پر اعتبار نہیں کر سکتے "خواہ آپ تتے توے پر...... رکھ دیں"۔ اس کو پھر بالمقابل قسم کھانے سے ڈر کس بات کا ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب سرتاپا تمسخر بن سکتے ہیں۔ مگر اُن کا سارا مسخرہ پن

اس عقدہ کو حل نہ کرسکے گا۔ کہ جس شخص کو وہ "مردود" "کذاب" جانتے ہیں اُس کے بالمقابل قسم کھانے سے وہ ہراساں کیوں ہیں ایک طرف الفاظ میں یہ بھی کہتے جانا کہ میں مباہلہ کے لئے تیار ہوں۔ دوسری طرف عملاً اس سے پہلوتہی اور انکار کرتے جانا بتاتا ہے کہ مولوی صاحب دل میں اندر ہی اندر ڈرتے تھے۔ ورنہ جب مرزا صاحب کے "دجّال کذاب مردود" ہوتے پر حلف اُٹھانے کو تیار تھے تو مرزا صاحب کے قسم کھا لینے سے جبکہ اس قسم کی اُنکے نزدیک پرپشہ کے برابر بھی وقعت نہیں ہونی چاہئیے کیوں خائف نظر آتے ہیں۔ اُن کو تو چاہئیے تھا کہ وہ کہتے کہ تم ایک نہیں ہزار قسم میرے مقابل پر کھاؤ۔ میں بہرحال قسم کھانے کو تیار ہوں۔ مگر خوب یاد رکھو کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اسے موت کا پیالہ سمجھتے تھے وہ بہت سے مکذبین و منکرین کا انجام دیکھ چکے تھے جو حضرت اقدس سے مباہلہ کرکے موت کے گھاٹ اُتر چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب ہمیشہ اس پیالہ کو ٹالتے رہے۔ اور اب کے دفعہ بھی یہی ہوا گو اُن کی پھبتیاں اور شعر خوانیاں عوام الناس کو دھوکا دے جائیں لیکن کوئی شخص جو ذرا بھی نظر غائر اس معاملہ میں ڈالے گا وہ اس بات کو فوراً تاڑ جائے گا کہ مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ میں تو قسم کھانے کو تیار ہوں مگر تمہارے بالمقابل قسم کھانے کا میں نے کبھی وعدہ نہیں کیا ایک پُرمعنی کلام ہے جس سے صاف اُن کے دلی خوف کا پتہ چلتا ہے۔ بالفرض محال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اُن کی ۲۹۔ مارچ کی تحریر کا یہ منشا نہ تھا۔ مگر جب اُن کا حریف جسے وہ کذاب سمجھتے ہیں اُن کے الفاظ سے یہ منشا نکالتا ہے تو پھر گریز کیوں؟

مباہلہ کی اجازت جناب الٰہی کی طرف سے

حضرت اقدس قرآن و حدیث کے رُو سے اس بات کو ضروری سمجھتے تھے کہ مباہلہ سے قبل اپنے عقائد کو وضاحت اور مدلل و معقول طریق پر پیش کرکے فریق مقابل پر اتمام حجت کر دینی چاہئیے تا جناب الٰہی کی نظر میں کوئی عذر لاعلمی اور بے خبری کا باقی نہ رہ جائے جو فریق مقابل پر نزول عذاب کیلئے مانع بن سکے۔ اسی لئے آپ نے مولوی ثناء اللہ صاحب سے مباہلہ کرنے سے قبل ضروری سمجھا کہ اپنی تازہ تصنیف حقیقۃ الوحی اُن کو بھیج کر اُن پر حجت تمام کر دی جائے۔ یا کم سے کم اپنے دعوے پر دلائل اُنہیں سُنا دیئے جائیں۔ لیکن جب مذکورہ بالا اخبار اہل حدیث میں جس پر تاریخ تو ۱۹۔ اپریل ۱۹۰۷ء کی لکھی ہوئی تھی مگر وہ شائع ۱۲۔ اپریل ۱۹۰۷ء کے اخبار کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس قسم کی گندی تحریر شائع کی جس کا نمونہ میں اُوپر دکھا چکا ہوں اور بالمقابل قسم کھانے سے انکار کیا کہ ہم تمہاری قسم کا اعتبار ہی نہیں کرتے۔ اور حالت یہ تھی کہ شب و روز گالیاں دینا اور ناپاک اور غلط پروپاگنڈا کرتے رہنا اس شخص نے اپنا شعار بنا رکھا تھا تو حضرت

اقدس نے یہ تہیہ کر لیا کہ ایک آخری فیصلہ مولوی ثناء اللہ سے ہو جانا چاہیئے۔ اگر وہ قسم کا اعتبار نہیں کرتے تو چلو بالمقابل دعا کے ذریعہ ہی فیصلہ کر لیا جائے اور اس طرح مباہلہ کے میدان میں انہیں کھینچ کر نکالا جائے۔ لیکن جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں آپ کو ہمیشہ یہ خیال رہا کرتا تھا کہ مباہلہ سے قبل فریق مخالف پر اتمام حجت ہو جانی چاہیئے۔ اور حقیقۃ الوحی ابھی شائع نہ ہوئی تھی جس کے ذریعہ اتمام حجت کرنا تھا۔ اور کسی مجلس میں آپ کے دعوے پر دلائل مولوی ثناء اللہ صاحب سننے کے لئے تیار نہ تھے جیسا کہ وہ اپنے اسی اخبار میں لکھ چکے تھے کہ:۔ "لیکن یہ تو بتلائیے کہ وہ دلائل ایسے ہی ہوں گے جو آجتک آپ نے عام ملک میں شائع کئے ہیں جن کا خلاصہ صرف یہ ہے ؎

قلم تیرا ہوا جب آشنا گوہر فشانی سے ٭ عبارت کو سبکدوشی ہوئی بارِ معانی سے

یا کوئی ایسے دلائل ہیں جو ابھی تک خاص میرے لئے ہی ریزرو (محفوظ) ہیں"۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان حالات میں احتیاط کے طور پر آپ نے مناسب سمجھا کہ جناب الٰہی میں توجہ کر لی جائے کہ آیا مولوی ثناء اللہ پر جناب الٰہی کی نظر میں اتمام حجت ہو چکی ہے یا نہیں کیونکہ اگر ہو چکی ہے تو پھر حقیقۃ الوحی کی اشاعت کا انتظار کرنا یا دلائل سنانے کیلئے زور دینا عبث ہے۔ ۱۲۔ اپریل ۱۹۰۷ء کو مذکورہ بالا پرچہ اہل حدیث کا آپ کو پہنچتا ہے اور اُسی رات کو آپ مباہلہ کے بارے میں دعا اور توجہ فرماتے ہیں جس پر ۱۴۔ اپریل ۱۹۰۷ء کو قرآنی الفاظ میں آپ کو یہ الہام ہوتا ہے "اجیب دعوۃ الداع" کہ میں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کروں گا یعنی اگر مباہلہ کی دعا کی جائے گی تو میں قبول کروں گا۔ جس سے حضرت صاحب کو پتہ لگ گیا کہ جناب الٰہی کی نظر میں مولوی ثناء اللہ پر اتمام حجت ہو چکی ہے۔ یہ صریح طور پر دعائے مباہلہ کرنے کی اجازت تھی کیونکہ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر دعا کی گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جناب الٰہی کی طرف سے اس طرح اجازت مل جانے کے بعد آپ نے حقیقۃ الوحی کی اشاعت کے انتظار کو ترک دیا اور بلا توقف ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء کو اپنی طرف سے دعائے مباہلہ شائع کر دی ٭

دعائے مباہلہ کی اشاعت چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی عادت تھی کہ وہ حیلہ جوئیوں اور روباہ بازیوں سے ہمیشہ مباہلہ کو ٹالتے رہتے تھے اس لئے آپ نے اب کے دفعہ یہ کیا کہ ایک اشتہار کے ذریعہ جس کا عنوان تھا "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" اپنی طرف سے دعائے مباہلہ شائع کر دی اور مولوی ثناء اللہ صاحب کو دعوت دیدی کہ اس دعا کو اپنے اخبار میں چھاپ کر آپ بھی اپنی طرف سے بالمقابل دعا چھاپ دیں پھر فیصلہ خدا کریگا۔

وہ اشتہار حسب ذیل ہے:۔

"بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب۔ السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

(۱) مدت سے آپ کے پرچہ اہل حدیث میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود۔ کذاب۔ دجال۔ مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور دجال ہے۔ اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افترا ہے۔ مَیں نے آپ سے بہت دُکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا۔ مگر چونکہ مَیں دیکھتا ہوں کہ مَیں حق کے پھیلانے میں مامور ہوں۔ اور آپ بہت سے افترا میرے پر کرکے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں۔ اور مجھے اُن گالیوں اور اُن تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں کہ جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہو سکتا۔ اگر مَیں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو مَیں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ مَیں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی۔ اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تا خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔ اور اگر مَیں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو مَیں خدا کے فضل سے اُمید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں۔ آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئی تو مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔

(۲) یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشگوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر مَیں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے۔

(۳) اور مَیں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر و قدیر جو علیم و خبیر ہے۔ جو میرے دل کے حالات سے خوب واقف ہے۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے۔ اور مَیں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے۔ تو اے میرے پیارے مالک مَیں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر۔ اور میری موت سے اُن کو اور اُن کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔ مگر اے میرے کامل اور صادق خدا اگر مولوی ثناء اللہ اُن تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو مَیں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی اُن کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی

ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ مہلکہ امراض سے بجز اس صورت کے کہ وہ کھُلے کھُلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دُکھ دیتا ہے۔ آمین یارب العٰلمین۔ مَیں اُن کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ اُن کی بدزبانی حد سے گزر گئی۔ وہ مجھے اُن چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لئے سخت نقصان رساں ہوتا ہے۔ اور اُنہوں نے اُن تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت لا تقف ما لیس لک بہ علم پر بھی عمل نہیں کیا۔ اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا۔ اور دُور دُور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دوکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بدآدمی ہے۔ سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بداثر نہ ڈالتے تو مَیں ان تہمتوں پر صبر کرتا۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ انہیں تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے۔ اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لئے اب مَیں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچّا فیصلہ فرما۔ اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اُس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اُٹھا لے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔ آمین۔

(۴) بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ وہ میرے اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

الراقم۔ عبد الصمد میرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ واید

مرقومہ ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء یکم ربیع الاوّل ۱۳۲۵ھ "

اس اشتہار میں جو نمبر (۱) و (۲) و (۳) و (۴) دیئے گئے ہیں۔ یہ اصل اشتہار میں نہیں۔ یہاں فقط اس لئے لگا دیئے ہیں تاکہ حوالہ دینے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔

حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس اشتہار میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو بالمقابل دعا کرنے کیلئے اور خدا سے آخری فیصلہ طلب کرنے کیلئے بلایا تھا جس سے صادق اور کاذب میں امتیاز

ہو جائے۔ آپ نے اپنی طرف سے دعائے مباہلہ لکھ کر شائع کر دی۔ اب مباہلہ میں جو کسر باقی رہ گئی تھی۔ وہ یہ تھی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب بھی بالمقابل خدا سے دعا کر کے حق و باطل کا فیصلہ چاہیں۔ اسی لئے آپ نے اس اشتہار کے آخر میں فقرہ (۱۴) تحریر فرما دیا کہ "بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ وہ میرے اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔" گویا مباہلہ مکمل ہونے میں مولوی ثناء اللہ صاحب کا بالمقابل دعا کرنا باقی رہ گیا تھا۔

یہاں فقرہ (۱) میں اس جملہ سے کہ "تم اپنے پرچہ اہل حدیث میں میرا نام مفتری۔ دجّال۔ کذّاب۔ مردود و مفسد وغیرہ رکھتے ہو اگر مَیں فی الواقع ایسا ہی ہوں تو مَیں آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جاؤں گا کیونکہ مفسد اور کذّاب ذلّت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے۔" ایک شخص کو دھوکا لگ سکتا ہے کہ شاید حضرت مرزا صاحب نے یہ کوئی عام قانون الٰہی بیان کیا ہے یا کوئی پیشگوئی کی ہے۔ مگر فی الواقع ایسا نہیں ہے نہ یہ کوئی پیشگوئی تھی۔ نہ عام قانون تھا جو آپ نے بیان کیا ہو۔ پیشگوئی تو یہ ہرگز نہ تھی جیسا کہ آپ نے ساتھ ہی فقرہ (۲) میں اس معاملہ کو صاف کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں: "یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشگوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر مَیں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے۔" عام قانون الٰہی اس لئے نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعات کے خلاف ہے آنحضرت صلعم اپنے اشد دشمن مسیلمہ کذاب کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے اور اگر یہ کوئی قانون الٰہی ہوتا تو پھر چاہیئے تھا کہ تمام انبیاء اور مامورین مجدّدین دنیا سے رخصت نہ ہوتے جب تک اُن کے سارے مخالف اور دشمن اُن کے سامنے نہ ہلاک ہو لیتے۔ اور یہ امر واقعات کے خلاف اور بالبداہت غلط ہے۔ پس ایسی بات جو بدیہی طور پر غلط ہو حضرت مرزا صاحب لکھ نہ سکتے تھے۔ پس آپ نے جو یہ بات تحریر فرمائی تو وہ صرف ایک ہی قاعدہ پر چسپاں ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کسی نبی یا مامور من اللہ کا اشد دشمن بالمقابل جھوٹے کی موت کے لئے دعا یا مباہلہ کرتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ اس نبی یا مامور کی زندگی میں ہی نہایت حسرت و نامرادی کے ساتھ ہلاک ہو جائے۔ اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔ خود حضرت مرزا صاحب بھی اسی اصول کے قائل تھے۔ چنانچہ انہی مولوی ثناء اللہ کے بارے میں اسی قانون الٰہی کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ اپنی کتاب اعجاز احمدی مطبوعہ ۱۹۰۲ء میں صفحہ ۱۴ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر مَیں نے دیکھی ہے جس میں وہ یہ درخواست کرتا ہے کہ مَیں اس طور کے فیصلہ کے لئے بدل خواہشمند ہوں کہ فریقین یعنی مَیں اور وہ یہ دعا کریں کہ

"جو شخص ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہی مرجائے۔"

گویا اس ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء کے آخری فیصلہ والے اشتہار کے ذریعہ اسی تحریر کو جو اعجاز احمدی میں تھی آپ عمل میں لے آئے ہیں۔ آپ دعا کر چکے اب مولوی ثناء اللہ کا دعا کرنا باقی ہے کہ "جو شخص ہم میں سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہی مرجائے۔" پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۴ پر اس قانون کو بیان فرماتے ہیں جس کے ماتحت جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہؤا کرتا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"اگر وہ اس چیلنج پر مستعد ہوئے کہ کاذب صادق کے پہلے مرجائے تو ضرور وہ پہلے مریں گے۔"

یہ فقرہ فیصلہ کن ہے گویا کاذب کا صادق کی زندگی میں مرنا کوئی عام قانون نہیں بلکہ صرف اسی صورت میں ایسا ہؤا کرتا ہے جب بالمقابل دعا یا مباہلہ ہو۔ اور نبی یا مامور من اللہ کا حریف مقابل کاذب اور صادق کے امتیاز کے لئے اس فیصلہ کو قبول کرے کہ کاذب صادق کی زندگی میں مرجائے۔ ورنہ نہیں۔

پھر اتنا ہی نہیں اس اشتہار کے نکلنے کے بعد اسی مسئلہ پر ایک غیر احمدی نے کسی احمدی پر اعتراض کیا اور اس احمدی نے وہ اعتراض حضرت اقدس کی خدمت میں ۲۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو پیش کیا جو بمعہ جواب ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء کے الحکم میں حضرت مسیح موعود کی ڈائری کے ضمن میں شائع ہؤا۔ اس اخبار کے صفحہ ۹ پر یوں تحریر ہے:۔

"ہماری جماعت کے ایک شخص نے کسی غیر احمدی کا سوال پیش کیا کہ آپ نے اپنی تصانیف میں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہوجاتا ہے یہ درست نہیں۔ کیونکہ مسیلمہ کذاب آنحضرت صلعم کے بعد فوت ہؤا تھا۔"

اس کا جواب جو حضرت مسیح موعود نے دیا ذیل کے الفاظ میں ہے:۔

"حضرت اقدس نے فرمایا یہ کہاں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرجاتا ہے۔ ہم نے تو اپنی تصانیف میں ایسا نہیں لکھا۔ لاؤ پیش کرو۔ وہ کونسی کتاب ہے جس میں ہم نے ایسا لکھا ہے ہم نے تو یہ لکھا ہؤا ہے کہ مباہلہ کرنیوالوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہوجاتا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے تو مباہلہ کیا ہی نہیں تھا۔ آنحضرت صلعم نے اتنا فرمایا کہ اگر تو میرے بعد زندہ بھی رہا تو ہلاک کیا جائے گا۔ سو ایسا ہی ظہور میں آیا مسیلمہ کذاب تھوڑے ہی عرصہ بعد قتل کیا گیا اور پیشگوئی پوری ہوئی۔ یہ بات کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں

مرجاتا ہے بالکل غلط ہے۔ کیا آنحضرت صلعم کے سب اعدا ان کی زندگی میں ہی ہلاک ہوگئے تھے؟ بلکہ ہزاروں اعدا آپ کی وفات کے بعد زندہ رہے تھے۔ ہاں جھوٹا مباہلہ کرنے والا سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہؤا کرتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے مخالف بھی ہمارے مرنے کے بعد زندہ رہیں گے۔ اور مخالفوں کے وجود کا قیامت تک ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ سے ظاہر ہے۔ ہم تو ایسی باتیں سُن سُن کر حیران ہوتے ہیں۔ دیکھو ہماری باتوں کو کیسے اُلٹ پلٹ کر پیش کیا جاتا ہے اور تحریف کرنے میں وہ کمال حاصل کیا ہے کہ یہودیوں کے بھی کان کاٹ دیئے ہیں۔ کیا کسی نبی۔ ولی۔ قطب۔ غوث کے زمانہ میں ہؤا کہ اُس کے سب اعدا مر گئے ہوں۔ بلکہ کافر منافق باقی رہ ہی گئے تھے۔ ہاں اتنی بات صحیح ہے کہ سچے کے ساتھ جو جھُوٹے مباہلہ کرتے ہیں تو وہ سچّے کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ ہمارے ساتھ مباھلہ کرنیوالوں کا حال رہا ہے۔ مجھے تو اپنی جماعت پر افسوس ہوتا ہے کہ کیا ان میں اتنی عقل بھی نہیں کہ ایسے اعتراض کرنیوالے سے پوچھیں کہ یہ ہم نے کہاں لکھا ہے کہ بغیر مباہلہ کرنے کے ہی جھُوٹے سچّے کی زندگی میں تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ وہ جگہ تو نکالو جہاں یہ لکھا ہے۔ ہماری جماعت کو چاہئے کہ عقل میں فہم میں ہر طرح سے ترقی کریں۔ اور ایسی باتوں کا خود سوچکر جواب دیا کریں۔ اور اپنی ایمانی روشنی سے ان باتوں کو حل کیا کریں۔ مگر دنیا داری کے دھندوں میں مت ماری جاتی ہے۔ اتنا نہیں کر سکتے کہ معترض سے ہماری کتاب کی وہ جگہ ہی پوچھیں جہاں یہ لکھا ہے کہ سچّے کی زندگی میں سب جھُوٹے مرجاتے ہیں۔ بلکہ جھُوٹے تو قیامت تک رہیں گے"

اب جائے غور ہے کہ اپریل ۱۹۰۷ء میں آپ وہ اشتہار شائع کرتے ہیں جس میں یہ الفاظ بھی ایک جگہ آتے ہیں کہ:-

"میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذّاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلّت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے"

اور اکتوبر ۱۹۰۷ء میں قریباً چھ ماہ بعد فرماتے ہیں کہ مَیں اس بات کا ہرگز قائل نہیں کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ بلکہ میرا منشا صرف یہ ہے کہ مباہلہ کرنیوالوں میں سے جو شخص جھوٹ اختیار کر رہا ہو وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ پس مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ والے

اشتہار کے فقرہ ۱ کے ہم وہی معنے لینے کے لئے مجبور ہیں جو آپ نے خود صراحت سے بیان فرمائیے ہیں اور جو شخص اس کے خلاف معنی کرتا ہے وہ خود بھی دھوکا کھاتا ہے اور دوسروں کو بھی دھوکا دینا چاہتا ہے اور اس کے یہ معنے کرنا کہ حضرت مرزا صاحب نے یہ کوئی عام قانون بیان کر دیا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہوجاتا ہے۔ یہ تفسیر القول بما لا یرضی قائلہ ہے۔ آپ اس اصول کو مباہلہ اور صرف مباہلہ تک محدود کرتے ہیں۔ اور سوائے مباہلہ کے اور کسی صورت میں جھوٹے کا سچے کی زندگی میں مرجانا ضروری تسلیم نہیں کرتے۔ جیسا کہ میں اُوپر دکھا چکا ہوں۔ اور حضرت اقدس نے جو اس اشتہار میں بغیر کسی شرط کے صراحت سے بیان کرنے کے یہ فقرہ لکھ دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ مباہلہ کیلئے ہی تو وہ اشتہار لکھ رہے تھے اور جو کچھ اس میں بیان کر رہے تھے وہ سب باتیں مباہلہ سے ہی تعلق رکھتی تھیں اس لئے اُس وقت آپ کے ذہن میں بھی یہ بات نہ آئی کہ لوگ اس کو مباہلہ کے علاوہ بھی کسی قانون کے رنگ میں لے دوڑیں گے۔ اور اسی لئے جب یہ بات آپ کو معلوم ہوئی اور لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے ایسا لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہوجاتا ہے تو آپ نے نہایت برہمی کے ساتھ اس کا انکار کیا اور مطالبہ کیا کہ بتاؤ میں نے ایسا کہاں لکھا ہے۔ گویا اس اشتہار کے اس فقرہ (۱) کے متعلق یہ بات آپ کے ذہن میں بھی نہ تھی کہ اس فقرہ میں جو امر بیان ہوا ہے وہ مباہلہ کے سوا کسی اور رنگ میں بھی لیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اظہار ناراضگی کرتے ہوئے نہایت صراحت کے ساتھ بتلایا کہ اگر میرے الفاظ کا کہیں یہ مطلب سمجھ لیا گیا ہے کہ جھوٹے کا بغیر مباہلہ کے کسی اور صورت میں بھی سچے کی زندگی میں ہلاک ہونا ضروری ہے تو یہ قطعاً غلط ہے۔ مباہلہ کی صورت کے سوا یہ اصول قابل تسلیم نہیں۔ پس اس اعلان کے بعد کوئی شخص اس امر کا مجاز نہیں کہ آپ کے الفاظ کے معنے سوائے اس کے جو آپ نے خود کر دیئے ہیں کچھ اور کرے۔ اور ان معنوں کے رُو سے یہ امر قطعی طور پر طے پا گیا کہ آپ کا منشا مولوی ثناء اللہ صاحب والے اعلان سے یہی تھا کہ مباہلہ ہوجانے کی صورت میں جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہوجائے گا۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ مباہلہ نہیں ہوا۔ خود مولوی ثناء اللہ صاحب کی اپنی تحریریں اس پر شاہد ہیں کہ نہ صرف اُنہوں نے بالمقابل دعا نہیں کی بلکہ جو کچھ حضرت اقدس نے لکھا تھا اُسکو منظور بھی نہیں کیا۔ حضرت اقدس نے فقرہ ۲ میں صاف تحریر فرمادیا تھا کہ میں دعا کے ذریعہ خدا سے فیصلہ چاہتا ہوں۔ اور دعا کے ذریعہ جو فیصلہ چاہا جاتا ہے اُسی کا نام مباہلہ ہوتا ہے۔ بشرطیکہ فریق ثانی بھی مقابل میں دعا کرے۔ اسی وجہ سے آپنے اپنی طرف سے مباہلہ والی دعا کر کے جو فقرہ ۳ میں درج ہے فقرہ ۴ میں مولوی ثناء اللہ صاحب سے مطالبہ کیا کہ وہ میری اس

دعا کو اپنے اخبار میں چھاپ کر جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔" یہ فقرہ صاف بتاتا ہے کہ حضرت اقدس نے اس مباہلہ میں اپنی طرف سے جو کرنا تھا وہ کر دیا۔ مگر فریق ثانی سے آپکا مطالبہ ضرور تھا کہ وہ بھی اس کے مقابل پر کچھ کرے۔ آپ نے صرف اپنی دعا پر حصر نہیں کیا۔ اگر اپنی بددعا پر حصر کر دیتے تو کہا جا سکتا تھا کہ شاید آپ نے اس بددعا کو یک طرفہ مباہلہ تصور کر لیا ہے۔ مگر مولوی ثناء اللہ صاحب سے یہ صریح مطالبہ کہ وہ بھی مقابلہ پر کچھ کریں بتاتا ہے کہ آپ اُن کی طرف سے بھی ایسی ہی دعا کے منتظر تھے۔ جیسا کہ ثم نبتہل کا منشا ہے۔ اور آپ کیوں نہ منتظر ہوتے جبکہ ابتدا سے اصل مطالبہ مولوی ثناء اللہ صاحب سے یہی تھا کہ وہ بالمقابل قسم کھائیں یا مباہلہ کے لئے آئیں۔ اور یہ مطالبہ ایک بار نہیں کئی دفعہ پہلے بھی ہو چکا تھا اور وہ پورا ہو نہیں سکتا تھا جبتک کہ مولوی ثناء اللہ کی طرف سے کوئی کارروائی نہ ہو۔ پس یہ اشتہار مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ اُسی صورت میں ہو سکتا تھا جبکہ اس کے بالمقابل مولوی صاحب بھی کچھ کرتے۔ اور وہ کیوں نہ کرتے جبکہ اس سے قبل وہ مباہلہ کے لئے آمادگی ظاہر کر چکے تھے۔ جیسا کہ اُن کی تجویز مندرجہ اہل حدیث ۱۹۔ اپریل سے صاف پایا جاتا ہے۔ اور مباہلہ کے اصل معنے فقط اسی قدر ہیں کہ دو فریق ایک دوسرے کے بالمقابل الگ الگ دعا کریں کہ جو شخص عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اُس پر خدا کا عذاب نازل ہو۔ پس اس اشتہار کا آخری فقرہ اس بارے میں فیصلہ کُن ہے کہ حضرت اقدس صرف اپنی یک طرفہ دعا کو آخری فیصلہ تصور نہیں فرماتے بلکہ اس کے لئے وہ مولوی ثناء اللہ صاحب سے بھی کسی بات کے منتظر ہیں۔ ہاں اپنی طرف سے جو کچھ اُنہوں نے کرنا تھا وہ کر چکے تھے یعنی اپنی کارروائی میں کسی حالت منتظرہ کو باقی نہیں چھوڑا۔ مگر مولوی ثناء اللہ صاحب نے جو کچھ کرنا تھا وہ ابھی باقی تھا۔ یعنی بالمقابل دعا کرنا۔ اور اسی سے مولوی صاحب فرار کر گئے۔ اور فرار بھی بہت بُری طرح!

مولوی ثناء اللہ صاحب کا مباہلہ سے فرار

مَیں نے فرار اس لئے کہا کہ نہ صرف یہ کہ مولوی ثناء اللہ نے بالمقابل دعا نہیں کی۔ بلکہ جو کچھ حضرت اقدس نے لکھا تھا اُسے منظور بھی نہیں کیا۔ حضرت اقدس کی جس قدر تحریریں مولوی ثناء اللہ کے بالمقابل اس قسم کی دیکھی جائیں گی ان سب میں یہی پایا جائے گا کہ ہمیشہ آپ کا مطالبہ مولوی صاحب سے یہی رہا ہے کہ تم میرے مقابل یوں دعا کرو (جیسے اعجاز احمدی میں مرقوم ہے) یا میرے مقابل میں میرے جھوٹا ہونے پر قسم کھاؤ (جیسے ان ۱۹۰۷ء کی تحریرات میں مندرج ہے) مگر مولوی صاحب ہمیشہ ان باتوں کو ٹالتے رہے اور حق کے رُعب نے اُن کو کبھی مقابلہ پر نہ آنے دیا۔ جیسا کہ مَیں دکھا چکا ہوں۔ اس سے قبل دو دفعہ وہ مباہلہ کے پیالہ کو ٹال گئے تھے۔ اب یہ

تیسری دفعہ آخری موقعہ اس قسم کے مقابلہ اور مباہلہ کا ان کو دیا گیا تھا۔ اور آخری اس لئے اسے کہا گیا کہ حضرت اقدس کو بکثرت الہامات ہو چکے تھے کہ آپ کی وفات اب بہت قریب ہے۔ جیسا کہ الوصیت کے ذیل کے الفاظ اس پر شاہد ہیں۔"چونکہ خدائے عزّوجل نے متواتر وحی سے مجھے خبر دی ہے کہ میرا زمانۂ وفات نزدیک ہے اور اس بارے میں اس کی وحی اس قدر تواتر سے ہوئی کہ میری ہستی کو بنیاد سے ہلا دیا اور اس زندگی کو میرے پر سرد کر دیا" اس لئے آپ تو درحقیقت سفر آخرت کے لئے کمر بستہ ہو چکے تھے۔ اپنی آخری وصیت بھی لکھ چکے تھے۔ اور یہ یقین رکھتے تھے کہ اب رفیق اعلیٰ سے ملنے کا وقت بہت قریب ہے اور اس سفر کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ مگر آپ کا یقین اپنی صداقت پر اس قدر پختہ اور مضبوط تھا کہ ان حالات میں بھی جب ایک شخص مباہلہ کے لئے ایک گونہ تیاری کا اظہار کرتا ہے تو آپ اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ آپکی تو وفات کے قریب ہونیکے بار بار الہام ہو چکے ہیں اسلئے اب میدان مباہلہ میں قدم نہیں رکھنا چاہئے بلکہ اپنی صداقت پر یقین کامل رکھتے ہوئے اور اس بات پر بھی کامل یقین رکھتے ہوئے کہ اگر ایک شخص آپکے ساتھ مباہلہ کریگا تو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی وفات میں تاخیر ڈال دے اور ایک صادق کے لئے اس طرح پر اپنی قدرت نمائی کا اظہار کرے۔ آپ نے اپنی طرف سے دعائے مباہلہ بھی شائع کر دی اور مولوی ثناء اللہ کو پُورا موقعہ دیا کہ اب بھی بالمقابل قَسم کھا کر وہ حضرت اقدس مرزا صاحب کو مفتری اور کذاب مانتا ہے جھوٹے کی ہلاکت کے لئے دعا کرے۔ مگر خدا کے بندوں اور دنیا کے غلاموں میں یہی فرق ہوتا ہے کہ ایک طرف وہ شخص جسے یقینی الہامات ہو چکے ہیں جن پر وہ کامل ایمان رکھتا ہے کہ تیری وفات قریب آگئی ہے اور آخرت کے سفر کے لئے تیار ہو چکا ہوا ہے۔ اپنے خدا پر یہ ایمان رکھتا ہے کہ باوجود ان الہامات کے اگر مباہلہ ہوا تو اُس کی وفات میں تاخیر ڈال دی جائے گی یہاں تک کہ اس کا دشمن ہلاک ہو جائے۔ اور دوسری طرف وہ شخص جو بات بات میں مقابلہ کے لئے تیار ہوتا تھا اور لکھا کرتا تھا اور لوگوں کو یقین دلایا کرتا تھا کہ حضرت مرزا صاحب دجال کذاب مفتری مردود ہیں قَسم کھا کر جھوٹے کے لئے ہلاکت کی بددعا کرنے سے گریز کرتا ہے کیا صرف یہی امر حضرت اقدس مرزا صاحب کی صداقت پر قطعی دلیل نہیں کہ جو شخص اپنے آپ کو "شیر پنجاب" کے خطاب سے ملقب کرتا تھا وہ حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ میں گیدڑ سے بھی زیادہ بزدلی دکھاتا ہے۔ بلاشبہ اپنی صداقت پر یقین کے جس مقام پر یہ خدا کا برگزیدہ کھڑا تھا اس کا مقابلہ کسی نے کیا کرنا تھا۔ مَیں کہتا ہوں کیا کوئی صاحب بصیرت اور اہل دل ہے جو حضرت اقدس کی ان دعاؤں

کو جو مندرجہ ذیل اشعار میں ہیں پڑھے اور پھر مفتری یا کذّاب کا لفظ اُس کے مُنہ سے ایسے انسان کے لئے نکل سکے۔ مَیں یہاں اُن میں سے صرف چند اشعار نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔ ؎

اے قدیر و خالقِ ارض و سما ‌ ‌ ‌ اے رحیم و مہربان و رہنما
اے کہ میداری تو بر دلہا نظر ‌ ‌ ‌ اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر ‌ ‌ ‌ گر تو دیدستی کہ ہستم بدگہر
پارہ پارہ کُن منِ بدکار را ‌ ‌ ‌ شاد کن ایں زمرۂ اغیار را
بر دلِ شاں ابرِ رحمت ہا ببار ‌ ‌ ‌ ہر مرادِ شاں بفضلِ خود برآر
آتش افشاں بر درو دیوارِ من ‌ ‌ ‌ دشمنم باش و تبہ کُن کارِ من
ور مرا از بندگانت یافتی ‌ ‌ ‌ قبلۂ من آستانت یافتی
در دلِ من آں محبت دیدۂ ‌ ‌ ‌ کز جہاں آں راز را پوشیدۂ
بامن از روئے محبت کار کن ‌ ‌ ‌ اندکے افشاء آں اسرار کن
اے کہ آئی سوئے ہر جویندۂ ‌ ‌ ‌ واقفی از سوزِ ہر سوزندۂ
زاں تعلّقہا کہ با تو داشتم ‌ ‌ ‌ زاں محبت ہا کہ در دل کاشتم
خود بروں آ از پئے ابراءِ من ‌ ‌ ‌ اے تو کہف و ملجا و ماوائے من

مولوی ثناء اللہ صاحب کا جواب

غرضکہ مولوی ثناء اللہ صاحب کو جو ایک طرف اخباروں میں کالموں کے کالم حضرت اقدس کو مردود اور کذّاب اور دجّال کہکر یاد کرتے رہتے تھے جب بالمقابل قسم کھانے اور جھوٹے پر بددعا کرنے کے لئے کہا گیا تو حالانکہ وہ خود جوان اور خوب ہٹے کٹے تندرست تھے۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت مرزا صاحب کی عمر ستر سال سے متجاوز ہو چکی ہوئی ہے اور قربِ وفات کے الہامات بھی ان کو ہو چکے ہوئے ہیں اور وہ بیمار بھی رہتے ہیں مگر پھر بھی مقابلہ میں آنے سے اس قدر خائف ہوئے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کے اس اشتہار پر جس میں آپ نے اپنی دعا شائع کرکے مولوی صاحب سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ بھی جو چاہیں لکھ دیں۔ اہلحدیث مؤرخہ ۲۶۔ اپریل ۱۹۰۷ء میں جو جواب شائع کیا اس میں صاف طور پر بالمقابل دعا کرنے سے گریز کر گئے۔ میں ان کی اس تحریر میں سے ضروری اقتباسات یہاں نقل کئے دیتا ہوں۔ وھو ہٰذا:۔

(۱) اوّل یہ کہ "اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا۔"

(۲) دوم یہ کہ "اس مضمون کو بطور الہام کے شائع نہیں کیا بلکہ یہ کہا ہے کہ یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر

پیشگوئی نہیں - بلکہ محض دعا کے طور پر ہے ......"

(۳) سوم یہ کہ "میرا مقابلہ تو آپ سے ہے اگر میں مر گیا تو میرے مرنے سے اور لوگوں پر کیا حجت ہو سکتی ہے"۔

(۴) چہارم "۔ آپ نے بڑی چالاکی یہ کی کہ یہ دیکھا کہ ان دنوں طاعون کی شدت ہے خصوصاً صوبۂ پنجاب میں سب صوبوں سے زیادہ ہے۔ بالخصوص پنجاب کے دارالسلطنت لاہور میں جو امرتسر سے بہت قریب ہے یہ کیفیت ہے کہ مُردوں کا اُٹھانا مشکل ہو رہا ہے۔ ایسی صورت میں ہر ایک شخص طاعون سے خائف ہے۔ اور کوئی آج اگر ہے تو کل کا اعتبار نہیں۔ اور دیکھنے میں ایسا ہی آیا ہے کہ وہ ہے تو یہ نہیں۔ یہ ہے تو وہ نہیں ...."

(۵) پنجم "۔ تمہاری یہ دعا کسی صورت میں فیصلہ کن نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مسلمان تو طاعونی موت کو بموجب حدیث شریف کے ایک قسم کی شہادت جانتے ہیں پھر وہ کیوں تمہاری دعا پر بھروسہ کر کے طاعون زدہ کو کاذب جانیں گے"۔

(۶) ششم "۔ آپ نے ایک چالاکی یہ کی کہ پہلے تو صرف طاعون یا ہیضہ سے موت کی دعا کی۔ مگر اخیر میں آکر یہ بھی کہہ دیا کہ یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر....."

(۷) ہفتم "۔ آپ نے اپنے گزشتہ مضمون مندرجہ اہل حدیث ۱۹-اپریل کے فقرہ ۴ میں لکھا تھا کہ خدا کے رسول چونکہ رحیم و کریم ہوتے ہیں اور اُن کی ہر وقت یہی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی شخص ہلاکت اور مصیبت میں نہ پڑے۔ مگر اب کیوں آپ میری ہلاکت کی دعا کرتے ہیں ...."

اب اہل انصاف اس جواب کو غور سے پڑھیں اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی سراسیمگی ملاحظہ فرمائیں۔ کبھی کہتے ہیں "مجھے یہ منظور نہیں" کبھی کہتے ہیں "میرے مرنے سے لوگوں پر کیا حجت ہو سکتی ہے" کبھی کہتے ہیں "۔ لاہور میں طاعون کی شدت ہے امرتسر قریب ہے وہاں بھی پہنچ جائے گی اور میں ڈرتا ہوں کہ میں بھی اس موت سے نہ مر جاؤں" کہیں کہہ دیا "یہ دعا فیصلہ کن نہیں" کہیں کہا "آپ میری ہلاکت کی کیوں دعا کرتے ہیں" ان باتوں سے اس شخص کی دلی کیفیت کا اندازہ کرو جو ایک طرف تو اس قدر خوف و ہراس ظاہر کرتا ہے اور دوسری طرف پبلک کی آنکھوں میں خاک جھونک کر یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ میں مرزا صاحب کے مقابلہ پر ہر طرح تیار ہوں۔ اس تحریر کے آخری الفاظ اس قلبی کیفیت کا خوب اظہار کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

(۸) "مختصر یہ کہ میں تمہاری درخواست کے مطابق حلف اُٹھانے کو تیار ہوں اگر تم اس حلف کے نتیجہ سے مجھے اطلاع دو۔ اور یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا منظور کر سکتا ہے"۔

میں کہتا ہوں کہ حلف کے نتیجہ سے تو خود اطلاع ہو چکی تھی مگر مولوی صاحب تو کسی نہ کسی طرح یہ پیالا اپنے سر سے ٹالنا چاہتے تھے۔ اُن کو صاف نظر آتا تھا کہ اگر اس علان کے بعد قسم کھاتے ہیں تو مباہلہ ہو کر لعنۃ اللہ علی الکاذبین کا مزا چکھنا پڑے گا۔ کیا حضرت اقدس کے یہ الفاظ کاذب کے انجام کی تعیین نہیں کرتے کہ:۔

"وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اُٹھا لے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر"

یہ کہنا کہ ان لفظوں میں عمومیت کی گنجائش ہے یا تو قرآن کریم اور سنت اللہ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے اور یا عمداً گریز ہے۔ کیا کبھی کوئی ایسا رسول یا نبی یا مامور دنیا میں گزرا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے سارے علم غیب کی تفصیلات سے اطلاع دیدے۔ مولوی صاحب نے یہ حجت بازی محض ٹالنے کی غرض سے پیدا کی تھی۔ دوسرے لفظوں میں گویا وہ یہ چاہتے تھے کہ مرزا صاحب یوں کیوں نہیں لکھتے کہ مولوی ثناء اللہ پر فلاں سال اور فلاں دن اور فلاں وقت بجلی گریگی۔ اور جبتک وہ ایسا نہ لکھیں اس وقت تک تعیین نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ کہ اس طرح مباہلہ کا پیالہ ٹل جائیگا۔ میں پُوچھتا ہوں کہ اُس کو کیا کہوگے جس کو قرآن کریم میں حکم ہوتا ہے۔ قل ان ادری اقریبٌ ما توعدون ام یجعل لہٗ ربّی امدًا (الجن) کہہ دو میں نہیں جانتا کہ جو کچھ تم کو وعدہ دیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لئے لمبی مہلت دیگا۔ پھر اُس عذاب کے حق میں کیا کہوگے جس کے متعلق تین شقیں فرمائیں کہ یوں ہوگا یا یوں ہوگا یا یوں ہوگا۔ قل ھو القادر علیٰ ان یبعث علیکم عذابًا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعًا و یذیق بعضکم باس بعض (الانعام ۶۵) کہو اللہ اس بات پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اُوپر سے عذاب بے آئے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے کوئی عذاب لے آئے یا تم کو گروہ گروہ بنادے اور بعض کو بعض کے جنگ کا مزہ چکھا دے۔ اب کیا مولوی ثناء اللہ صاحب یہاں بھی وہی فتویٰ لگانے کو تیار ہیں جو حضرت مرزا صاحب پر لگایا۔

مگر عجیب بات تو یہ ہے کہ اس جواب کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کسی تعیین اور کسی فیصلہ کی صورت کو بھی قبول کرتے نظر نہیں آتے۔ کیونکہ پہلے تو تعیین مانگتے ہیں لیکن جب یہ کہا جاتا ہے کہ موت یا موت کے برابر عذاب ہوگا تو یہ جواب تیار ہے کہ تم تو کہتے تھے خدا کے مامور رحیم کریم ہوتے ہیں پھر میری ہلاکت کی دعا کیوں کرتے ہو۔ اب یہاں رحیمی کریمی کا واسطہ دیکر جان چھڑانا مانگتے ہیں۔ حالانکہ رحیمی کریمی کا ذکر تو اس امر کے بارے میں

ہؤا تھا کہ حضرت اقدس چاہتے ہیں کہ آپ دھوکہ میں نہ مارے جائیں پہلے ہمارے دلائل مفصل سُن لیں یا پڑھ لیں پھر مباہلہ کریں یا قسم کھائیں۔

اسی طرح جب یہ کہا جاتا ہے کہ طاعون یا ہیضہ سے جھُوٹے کی موت ہو۔ تو یہ جواب تیار ہے کہ طاعون کی موت تو شہادت ہوتی ہے۔ حالانکہ رجزًا من السّماء بھی قرآن کریم میں پڑھتے ہیں اور مانتے ہیں کہ وہ عذاب طاعون کا تھا۔ اور مری کا عذاب فرعونیوں پر آنا بھی قرآن کریم میں پڑھتے ہیں۔ پھر یوں بھی ڈرتے ہیں کہ لاہور میں طاعون ہے کہیں امرتسر میں بھی طاعون نہ آجائے اور مَیں طاعون سے مرجاؤں۔ اس کے معنے تو صاف یہ ہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کو قطعًا یہ ایمان نہ تھا کہ خدا مدبّر بالارادہ بھی ہے کیونکہ جب قرآن کریم کے طریق فیصلہ کے مطابق سچّے اور جھُوٹے کا فیصلہ کرنے کے لئے خدا کو پکارا گیا تو کیا خدا اتنی طاقت بھی نہیں رکھتا کہ وہ اس مقابلہ کے وقت سچے کو طاعون یا کسی اور آفت سے بچالے۔ پھر مولوی صاحب نے یہ بھی لکھا کہ طاعون سے مرنا جھُوٹے کی کوئی دلیل نہیں۔ چہ خوش! پھر وہ کونسا عذاب مولوی صاحب کے لئے مخصوص ہونا چاہئے جو دنیا میں کبھی نہ ہؤا ہو۔ اور سب سے زیادہ قابل غور یہ جواب ہے کہ "میرا مقابلہ تو آپ سے ہے اگر مَیں مرگیا تو میرے مرنے سے اور لوگوں پر کیا حجت ہوسکتی ہے"۔ کیا یہ لفظ صاف نہیں بتاتے کہ مولوی صاحب کی حلف اُٹھانے کی تیاریوں کی ڈینگیں محض اُوپر اُوپر سے تھیں اور فی الحقیقت وہ کسی فیصلہ کے طریق پر آنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ ڈرتے تھے۔ یا تو اُن کو اپنے سچا ہونے پر یقین نہ تھا یا خدا پر یقین نہ تھا کہ وہ مدبّر بالارادہ بھی ہے اور ضرور ہے کہ مباہلہ میں وہ اپنے وعدہ کے مطابق سچے کو جھُوٹے کے مقابلہ میں کامیاب کرے۔ بہرحال یہ امور قابل غور ہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس طریق فیصلہ کو جو حضرت اقدس نے پیش کیا تھا فیصلہ کن نہ مانا اور نہ اس پر رضامندی کا اظہار کیا بلکہ صاف لکھ دیا کہ "یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اسے منظور کرسکتا ہے"۔ یعنی بالمقابل دعا کرنی تو بہت دُور رہی اس طریق فیصلہ کو منظور ہی نہیں کیا۔ لیکن اب اس بے حیائی اور ڈھٹائی کو کیا کیا جائے کہ آج وہی مولوی ثناء اللہ صاحب ان تمام باتوں کو پس پشت پھینکتے ہوئے دنیا کے سامنے کہتے پھرتے ہیں کہ دیکھو مباہلہ کا کیا انجام ہؤا کہ مرزا صاحب مرگئے اور مَیں زندہ ہوں۔ انصاف اور ایمان کے تو بڑے اعلیٰ مقام ہیں۔ حیا کی چھوٹی سی صفت کا بھی یہ تقاضا تھا کہ یہ سب کچھ اپنے اخبار اہل حدیث میں لکھ چکنے کے بعد مولوی صاحب خاموش رہتے۔ اور مباہلہ کے قبول کرنے میں جو حیل و حجت کی تھی اور انکار کیا تھا اور صاف لکھا تھا کہ "یہ تحریر تمہاری

مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے" بزعم خویش اس اپنی دانائی کو برقرار رکھتے۔ اُنہیں تو اپنی اس کمزوری پر پردہ ڈالنا چاہئے تھا نہ یہ کہ نہایت بیحیائی اور کذب سے کام لیتے ہوئے اسے مباہلہ قرار دیکر اپنی جیت کی ڈینگیں مارتے پھرنے سے ذرا انہیں شرماتے۔ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ مولوی صاحب مولوی کرم الدین ساکن بھیں کے مقدمہ میں گورداسپور کی عدالت میں بیان دے چکے ہیں کہ جھوٹ بول کر بھی انسان متقی کا متقی رہتا ہے۔ متقی کی یہ تعریف جس قدر بھی جھوٹ بلوا وے کم ہے۔ اور شرم تو اُن جیسے مردوں کے نزدیک ہی کیوں آنے لگی +

اس واقعہ کی مثال مولوی ثناء اللہ صاحب اگر قرآن کریم کی ذیل کی آیت اور اس کے متعلقہ واقعات پر غور کرتے تو شاید ان کو سمجھ آجاتی کہ وہ وہ کام کر رہے ہیں جو عیسائیوں نے بھی نہیں کیا۔ اور گو ایمان نہ سہی مگر حیا اُن کے لئے مانع آگئی کہ وہ مولوی صاحب کی طرح ایک جھوٹی بات پر فخر کرتے پھریں۔ وہ آیت یہ ہے۔ فمن حاجك فيه من بعد ما جاءك من العلم فقل تعالوا ندع أبناءنا وأبناءكم ونساءنا ونساءكم وانفسنا وانفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنت الله على الكاذبين۔ کہ جو شخص اس کے بعد کہ تمہارے پاس علم آگیا اس بارے میں تم سے جھگڑا کرے تو کہو آؤ ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں اور اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں اور اپنے لوگوں اور تمہارے لوگوں کو بلائیں۔ پھر عاجزی سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔ اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیکر باہر نکل آئے تھے گویا مباہلہ کے جس حصہ کو آپ نے پورا کرنا تھا وہ صرف الفاظ میں نہیں بلکہ عملاً بھی آپ نے پورا کر دیا تھا۔ مگر نجران کے عیسائی پادری عبدالمسیح اور اُس کے ساتھیوں نے مباہلہ سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم مقابلہ میں نہیں نکلتے۔ بعینہٖ جس طرح اس موقعہ پر مولوی ثناء اللہ صاحب نے انکار کر دیا۔ لیکن باوجودیکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے فوت ہو گئے اور وہ لوگ ابھی زندہ ہی تھے مگر کسی عیسائی نے یہ نہیں کہا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعوذ باللہ جھوٹے ہونے کا ثبوت ہے۔ کیونکہ اُن کے دل اُن کو شرمندہ کرنے کے لئے کافی تھے کہ جب وہ مقابلہ میں نہیں نکلے تو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے سے کوئی مباہلہ نہیں ہو گیا۔ ہاں اگر مباہلہ ہوتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہلاک کرتا۔ مگر افسوس ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا دل عبدالمسیح کے دل سے بھی زیادہ سخت نکلا کہ اُن کو پبلک میں یہ بات پیش کرتے ہوئے کبھی شرم نہیں آتی کہ میں خود اپنی ہی تحریر کے خلاف

کیا کہہ رہا ہوں۔ کاش وہ ایمانداری کے اصول کو مدنظر رکھ کر حضرت اقدس مرزا صاحب کی مخالفت کرتے۔ مگر افسوس ہے کہ وہ اس معاملہ میں دیانتداری کے طریق سے بہت دُور نکل گئے ہیں۔ اور اس کی غرض سوائے اس کے کچھ نہیں کہ عوام الناس کو ہنسا دیا جائے۔ اور غلط رستہ پر ڈال کر حقیقت پر پردہ پڑا رہنے دیا جائے۔ مگر حق دنیا میں اس لئے نہیں آتا کہ مخالفین کی کوششیں اُسے ہمیشہ کے لئے دبا رکھیں واللہ مخرج ما کنتم تکتمون۔ مولوی صاحب اسٹیج پر کھڑے ہو کر انہی ہاتھوں سے اشارے کیا کرتے ہیں جن کو خود ان الفاظ سے کاٹ چکے ہیں کہ "یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے"۔

حضرت مرزا صاحب نے بھی اس معاملہ کو ختم سمجھا

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ گو حضرت مرزا صاحب کا منشا مباہلہ ہی ہو اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی دعا یا حلف کے بغیر وہ اسے مکمل خیال نہ کرتے ہوں لیکن کیا انہوں نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس صریح انکار کے بعد کہ یہ طریق فیصلہ مجھے منظور ہی نہیں۔ کوئی الفاظ ایسے لکھے جن سے یہ معلوم ہو کہ آپ نے پھر اس کو فیصلہ نہیں سمجھا۔ میں کہتا ہوں کہ خاموشی کی صورت میں بھی نتیجہ حضرت مرزا صاحب کے حق میں ہی تھا۔ مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ حضرت اقدس نے اپنے قلم سے وہ الفاظ لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۵۔ اپریل والے اشتہار کو مولوی ثناء اللہ صاحب کے انکار کے بعد پھر آخری فیصلہ نہیں سمجھا۔ چنانچہ ذیل کا اعلان جو حضرت اقدس کی اپنی قلم سے الحکم ۱۰۔ جون ۱۹۰۷ء میں چھپا ہے اس پر شاہد ہے۔ وھو ہٰذا:-

"اعلان"

"من اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبا او کذب بایتہ"

افسوس کہ اس ملک کے اکثر لوگ جو مولوی کہلاتے یا ملہم ہونے کا دم مارتے ہیں جب خدا تعالیٰ کا کلام اُن کو سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ افترا ہے۔ انہیں لوگوں پر اتمام حجت کرنے کے لئے میں نے کتاب حقیقۃ الوحی تالیف کی ہے۔ کب تک یہ لوگ ایسا کریں گے۔ آخر ہر ایک فیصلہ کے لئے ایک دن ہے اور ہر ایک قضاء وقدر کے نزول کے لئے ایک رات ہے۔ اس وقت نمونہ کے طور پر خدا تعالیٰ کا ایک کلام لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اور بالخصوص اس جگہ مخاطب میرے مولوی ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری اور مولوی عبدالجبار اور عبدالواحد اور عبدالحق غزنوی ثم امرتسری اور جعفر زٹلی لاہوری اور ڈاکٹر عبدالحکیم خاں اسسٹنٹ سرجن تراوڑی ملازم ریاست پٹیالہ ہیں۔ اور وہ کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے انی احافظ کل من فی الدار۔ واحافظک خاصۃ

تو ہم۔ اس کا موجب تفہیم الٰہی یہ ہے کہ میں ہر ایک شخص کو جو تیرے گھر کے اندر ہے طاعون سے بچاؤں گا اور خاص کر تجھے۔ چنانچہ گیارہ برس سے اس پیشگوئی کی تصدیق ہو رہی ہے۔ اور میں اس کلام کے منجانب اللہ ہونے پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ خدا تعالیٰ کی تمام کتب مقدسہ پر اور بالخصوص قرآن شریف پر۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ پس اگر کوئی شخص مذکورہ بالا اشخاص میں سے یا جو شخص اُن کا ہمرنگ ہے یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ یہ انسان کا افترا ہے تو اُسے لازم ہے کہ وہ قسم کھا کر ان الفاظ کے ساتھ بیان کرے کہ یہ انسان کا افترا ہے خدا کا کلام نہیں ولعنت اللہ علیٰ من کذب وحی اللہ۔ جیسا کہ میں بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ خدا کا کلام ہے ولعنت اللہ علیٰ من افتریٰ علی اللہ۔ اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ خدا اس راہ سے کوئی فیصلہ کرے۔ اور یاد رہے کہ میرے کسی کلام میں یہ الفاظ نہیں کہ ہر ایک شخص جو بیعت کرے وہ طاعون سے محفوظ رہے گا۔ بلکہ یہ ذکر ہے کہ والذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولٰئک لھم الامن وھم مھتدون۔ پس کامل پیروی کرنے والے اور ہر ایک ظلم سے بچنے والے جن کا علم محض خدا کو ہے بچائے جائیں گے اور کمزور لوگ طاعون سے شہید ہو کر اجر شہادت پائیں گے اور طاعون ان کے لئے تمحیص اور تطہیر کا موجب ٹھیریگی۔ اب میں دیکھوں گا کہ اس میری تحریر کے مقابل پر بغرض تکذیب کون قسم کھاتا ہے۔ مگر یہ امر ضروری ہے کہ اگر ایسا مکذب اس کلام کو خدا کا کلام نہیں سمجھتا تو آپ بھی دعویٰ کرے کہ میں بھی طاعون سے محفوظ رہوں گا۔ اور مجھے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا ہے۔ تا دیکھ لے افترا کی کیا سزا ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ راقم خاکسار میرزا غلام احمد۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کا مباہلہ سے چوتھی دفعہ فرار

اب اس اعلان میں جہاں اور مولوی صاحبان مخاطب ہیں۔ وہاں مولوی ثناء اللہ صاحب سب سے پہلے مخاطب ہیں۔ پس اس پہلے اعلان کو جو ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع ہوا تھا اور جسے مولوی ثناء اللہ صاحب نے منظور نہیں کیا تھا۔ اگر حضرت مرزا صاحب مولوی ثناء اللہ صاحب کی نامنظوری کے بعد بھی آخری فیصلہ سمجھتے رہتے تو یہ دوسرا اعلان اس کے بالمقابل شائع نہ کرتے۔ یا کم سے کم مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس میں مخاطب نہ کرتے۔ دیکھ لیجئے۔ کہ اس اعلان میں پھر ان لوگوں کو دعوت دی ہے جو آپ کو مفتری سمجھتے تھے۔ اور انہیں کہا گیا ہے کہ اگر تم میرے مفتری ہونے پر یقین رکھتے ہو تو چاہئے کہ اسی طرح میرے بالمقابل قسم کھاؤ جس طرح میں نے اپنے اس اعلان میں قسم کھائی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"پس اگر کوئی شخص مذکورہ بالا اشخاص میں سے یا جو شخص ان کا ہم رنگ ہو یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ یہ انسان کا افترا ہے تو اُسے لازم ہے کہ وہ قسم کھا کر ان الفاظ کے ساتھ بیان کرے کہ یہ انسان کا افترا ہے خدا کا کلام نہیں ولعنت اللہ علیٰ من کذب وحی اللہ۔ جیسا کہ میں بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ خدا کا کلام ہے ولعنت اللہ علیٰ من افتریٰ علی اللہ۔ اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ خدا اس راہ سے کوئی فیصلہ کرے۔"

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کا مسلک شروع سے آخر تک ایک ہی تھا۔ دیکھ لیجئے یہاں بھی آپ نے بالمقابل قسم کھانے کو بلایا ہے۔ اور خود اپنی صداقت پر پہلے ہی قسم کھا دی ہے اسی طرح جس طرح ۱۵۔اپریل والے اشتہار میں پہلے خود دعا کر کے پھر مولوی ثناء اللہ صاحب کو بالمقابل دعا کے لئے بلایا تھا۔ اس اعلان کو پڑھ کر کوئی شخص جو تعصب میں اندھا نہیں ہے یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہ کے بالمقابل ۱۵۔اپریل ۱۹۰۷ء والے اعلان کو آخری فیصلہ قرار دے رکھا تھا۔ اگر اُسے آخری فیصلہ قرار دیتے تو اُس کے بعد یہ اعلان شائع نہ کرتے جس میں پھر مخالفین میں سب سے اوّل نمبر پر مولوی ثناء اللہ صاحب کا ہی نام ہے۔ اور جس طرح وہاں خود دعا کر کے مولوی ثناء اللہ صاحب کو بالمقابل دعا کے لئے بلایا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی خود قسم کھا کر مولوی ثناء اللہ صاحب کو بالمقابل قسم کھانے کے لئے بلایا ہے۔ اور اس طور سے مولوی ثناء اللہ پر دو طرح پورا پورا اتمام حجت کر دیا ہے۔ یعنی پہلی مرتبہ دعا کر کے بالمقابل دعا کے لئے بلایا تھا تو اب کی دفعہ قسم کھا کر بالمقابل قسم کھانے کیلئے بلایا۔ لیکن مولوی صاحب جس طرح پہلی بار بالمقابل دعا کرنے سے گریز کر گئے تھے اسی طرح اب کے دفعہ بھی بالمقابل قسم کھانے سے گریز کر گئے۔ چنانچہ مرقع قادیانی مجریہ یکم اگست ۱۹۰۷ء میں ایک مقالہ بعنوان "قادیانی کرشن نے اور روپ بدلا" شائع کیا۔ اس میں پہلے تو یہ شعر لکھا ہے کہ ؎

"بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش ٭ من انداز قدت را مے شناسم"

گویا اعتراف کیا ہے کہ تم تو مجھے طرح طرح سے قابو کرنا چاہتے ہو مگر میں قابو آنے والا نہیں۔ یعنی بالمقابل قسم کھانے یا دعا و مباہلہ کرنے کے لئے کسی شکل میں بھی تیار نہیں۔ پھر اس مقالہ کے اندر بحث کرتے ہوئے اور گالیاں دیتے ہوئے اور بالمقابل قسم کھانے سے گریز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"پھر اور چالاکی دیکھئے کہ صرف قسم اُٹھانے پر اکتفا نہیں بلکہ ساتھ ہی یہ بھی شرط ہے کہ ایسا مکذب یہ بھی دعویٰ کرے کہ میں بھی طاعون سے محفوظ رہوں گا چہ خوش۔ آپ چاہتے ہیں کہ جس طرح آپ

بڑا مار کر ذلیل ہوتے ہیں اسی طرح آپ کا مکذب بھی ذلیل ہو۔۔۔۔۔۔ مگر مکذب آپ کی طرح نہ تو مدعیٔ الہام ہیں نہ آپ کی طرح شرم وحیا سے۔۔۔۔۔۔"

غرضکہ اسی طرح کی بکواس کر کے بالمقابل قسم کھانے سے صاف انکار کر گئے۔

پس بات سچّی یہی ہے کہ جب مولوی ثناء اللہ صاحب نے ۱۵۔اپریل والے طریق فیصلہ کو نامنظور کیا تو حضرت اقدس نے یہ ایک اور طریق فیصلہ پیش کر دیا۔ چنانچہ اسی لئے اس پچھلے اعلان میں آپ فرماتے ہیں "اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ خدا اس راہ سے کوئی فیصلہ کرے" یعنی پہلا طریق فیصلہ اگر منظور نہ تھا تو یہ طریق فیصلہ سہی۔ مطلب تو یہ ہے کہ کسی طرح خدائی فیصلہ ہو کر سچے اور جھوٹے میں امتیاز پیدا ہو جائے لیکن مولوی صاحب اس سے قبل جس طرح بالمقابل مباہلہ یا دعا کرنے یا قسم کھانے سے گریز کرتے رہے اب کے بھی "من انداز قدت را مے شناسم" کہتے ہوئے گریز کر گئے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کے چار گریز

گویا مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت اقدس کے مقابلہ میں مباہلہ یا قسم کھانے سے چار مرتبہ گریز کیا:-

(۱) پہلا گریز۔ سب سے پہلے حضرت اقدس نے انجام آتھم میں جب مباہلہ کیلئے علما کو بلایا ان میں مولوی ثناء اللہ صاحب بھی مخاطب تھے۔ مگر یہ مقابلہ پر نہ آئے اور گریز کر گئے۔

(۲) دوسرا گریز۔ اس کے بعد اعجاز احمدی کے ذریعہ حضرت اقدس نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو مباہلہ کے لئے بلایا تب بھی یہ گریز کر گئے۔

(۳) تیسرا گریز۔ اس کے بعد ۱۵۔اپریل ۱۹۰۷ء والے اشتہار میں حضرت اقدس نے دعا کر کے مولوی ثناء اللہ صاحب کو بالمقابل دعا کے لئے بلایا۔ مگر یہ پھر گریز کر گئے اور لکھدیا کہ "یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے"۔

(۴) چوتھا گریز۔ اس کے بعد ۱۰۔جون ۱۹۰۷ء کے الحکم والے اعلان میں حضرت اقدس نے قسم کھا کر مولوی ثناء اللہ صاحب کو بالمقابل قسم کھانے کیلئے بلایا مگر یہ پھر گریز کر گئے۔

ماموروں کی یک طرفہ بد دعا کا مستجاب ہونا ضروری نہیں

غرضکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ حضرت اقدس مرزا صاحب نے ۱۵۔اپریل ۱۹۰۷ء والے اشتہار میں جھوٹے کے سچے کی زندگی میں مرنے کی دعا برنگ مباہلہ کی تھی جس سے مولوی ثناء اللہ صاحب نے کھلے الفاظ میں گریز اختیار کیا اور اس طرح پر مباہلہ نہ ہوا۔ اور خود حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس کے بعد کبھی اسکو آخری فیصلہ قرار نہیں دیا۔ بلکہ پھر مولوی ثناء اللہ صاحب کو ایک اور پیرایہ میں فیصلہ کیلئے بلایا جس سے بھی وہ گریز کر گئے لیکن اگر ہم

بالفرض محال اس بات کو مان بھی لیں (جو درحقیقت ایک غلط امر ہے) کہ حضرت مرزا صاحب نے ۱۵-اپریل ۱۹۰۷ء والے اشتہار میں یکطرفہ ہی بددعا کی تھی۔ تو پھر قرآن اور سنت کے رُو سے تو یہی نظر آتا ہے کہ ایسی دعا کا مستجاب ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اکثر حالات میں وہ قبول نہیں ہوتی خواہ دشمن کیسا ہی معاند کیوں نہ ہو۔ اور رسول یا مامور کو کتنا ہی دُکھ اُس کے ہاتھ سے کیوں نہ پہنچا ہو۔ ہمارے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے رحیم و کریم انسان تھے خون کے پیاسے دشمنوں کو جنہوں نے سالہا سال آپ کو بے انتہا تکلیفیں پہنچائی تھیں فتح مکہ کے وقت بالکل معاف کر دیا۔ منافقوں کے لئے جو شب و روز طرح طرح سے دُکھ پہنچاتے رہتے تھے اور اسلام کے خطرناک دشمن تھے آپ استغفار ہی فرماتے رہتے تھے۔ لیکن ایک مرتبہ جب آپ کو سخت دُکھ پہنچایا گیا اور آپ کے بڑی محنت سے تیار شدہ ستّر نہایت عزیز قاری کمال بے رحمی سے ایک قوم نے دھوکہ دے کر کہ ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں ساتھ لیجا کر قتل کر دیئے تو آپ نے اس قاتل قوم پر کچھ دن بتقاضائے بشریت بددعا کی۔ مگر جناب الٰہی نے جواب میں یہ وحی نازل فرمائی کہ لیس لک من الامر شیئ او یتوب اللہ علیھم او یعذبھم فانھم ظلمون (آل عمران) کہ اس معاملہ میں تیرا کوئی اختیار نہیں۔ خدا چاہے تو اُن پر رجوع برحمت کرے اور چاہے تو اُن کو عذاب دے۔ وہ ظالم ضرور ہیں"۔ گویا اس قوم کو ظالم تسلیم کرتے ہوئے بھی بجائے اس بددعا کو قبول کرنے کے آئندہ بددعا کرنے سے بھی روک دیا۔ پس ان حالات میں حضرت مرزا صاحب کی کسی بددعا کی نسبت یہ مطالبہ کرنا کہ اسے پوری ہونا چاہئے ایک بالکل ناجائز مطالبہ ہے لیکن جیسا کہ مَیں دکھا آیا ہوں حضرت اقدس کی یہ بددعا یکطرفہ نہ تھی بلکہ حضرت صاحب نے مباہلہ کا وہ حصّہ جو آپ کے متعلق تھا اس بددعا کے ذریعہ پورا کر دیا تھا اور اب منتظر تھے کہ بالمقابل مولوی ثناء اللہ بھی بددعا کرے۔ لیکن اُس نے بالمقابل بددعا تو کیا کرنی تھی اس طریق فیصلہ کو سرے سے منظور ہی نہیں کیا۔ اس لئے یہ مباہلہ وقوع میں نہ آیا۔

قرآن کریم سے مباہلہ کے صرف دو طریق ثابت ہیں

یہاں ایک شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ پھر حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں کیوں اپنے بعض مخالفوں کی یک طرفہ بددعاؤں کو جو جھوٹے کی ہلاکت کے لئے کی گئی تھیں بطور شہادت پیش کیا ہے۔ حالانکہ حضرت مرزا صاحب نے خود اُن کے بالمقابل کوئی بددعا نہیں کی تھی۔ سو اس بارے میں مَیں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف اور حدیث شریف سے مباہلہ کا طریق کھول کر بیان کر دوں۔ واضح ہو کہ قرآن کریم سے دو طریق مباہلہ کے ثابت ہوتے ہیں:۔

(۱) ایک تو وہی طریق ہے جسے قرآن کریم نے خود مباہلہ کے لفظ سے پکارا ہے اور جس کی تشریح خود اس آیت میں فرما دی ہے۔ فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین (آل عمران) کہ جو شخص اس کے بعد کہ تمہارے پاس علم آگیا اس بارے میں تم سے جھگڑا کرے۔ تو کہو۔ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں اور اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں اور اپنے لوگوں اور تمہارے لوگوں کو بلائیں پھر مباہلہ کریں یعنی عاجزی سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔ گویا یہ تو وہ طریق مباہلہ کا ہے جو عام ہے اور سب پر واضح ہے یعنی فریقین کا ایک دوسرے کے مقابل میں خدا کے حضور بددعا کرنا۔

(۲) اور دوسرا ایک اور طریق ہے جو وہ بھی قرآن کریم سے ثابت ہے اور جس کا ذکر دو جگہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ ایک سورۃ البقرہ میں اور وہ یوں ہے۔ قل ان کانت لکم الدار الاٰخرۃ عند اللہ خالصۃً من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین (ترجمہ۔ کہدے اگر آخرت کا گھر خدا کے حضور میں اور لوگوں کے سوا خالص تمہارے ہی لئے ہے تو موت کے لئے دعا کرو اگر تم سچے ہو)

اور دوسری جگہ سورۃ الجمعہ میں اس طرح مذکور ہے کہ قل یاایھا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین (کہہ دے کہ اے یہودیو اگر تمام لوگوں میں سے تم ہی فقط خدا کے دوست ہو تو موت کیلئے دعا کرو اگر تم سچے ہو)

ان دونو موقعوں پر جو الفاظ فتمنوا الموت آتے ہیں یعنی موت مانگو۔ اس کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ کی زبان سے یوں مروی ہے کہ اُدعوا بالموت علیٰ ای الفریقین اکذب یعنی دونو فریق میں سے جو جھوٹا ہے اُس کی موت مانگو۔ یعنی یوں دعا کرو کہ اے خدا تو دونو فریق میں سے اُس کو جو جھوٹ پر ہے ہلاک کر۔ جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ سچے کی زندگی میں جھوٹے کو ہلاک کر۔ گویا ایک نبی کے مخالفین کو یہ کہا جاتا ہے کہ اگر تم اس نبی کو جھوٹا سمجھتے ہو اور اپنے آپ کو راستباز قرار دیتے ہو تو سچے کی زندگی میں جھوٹے کی ہلاکت کے لئے دعا کرو لیکن خود نبی کو اکیلے دعا کرنے کا حکم نہیں جیسا کہ میں ابھی دکھا چکا ہوں کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلے ایک قوم پر بددعا کی حالانکہ اس قوم نے سخت ظلم کیا تھا تو آپ کو اس سے بذریعہ وحی روک دیا گیا کیونکہ خدا کے نبی اور مامور مخلوق کے لئے بددعا کرنے نہیں آتے۔

بلکہ اُن کیلئے رحمت بن کر آتے ہیں۔ البتہ مخالفین اور منکرین کو اجازت ہے کہ وہ اگر چاہیں تو بعد اتمام حجت بد دعا کریں اور سچے کی زندگی میں جھوٹے کی موت کے طلبگار ہوں تو خدا ضرور حق کو ظاہر کرے گا۔ اور سچا فیصلہ دیگا جیسا کہ ان آیات مذکورہ سے ظاہر ہے۔ اور یہ امر نہ صرف قرآن کریم میں ہی مذکور ہے بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ایسے واقعات پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ جنگ بدر میں نکلنے سے پہلے خانہ کعبہ میں کفار کا یہ دعا کرنا ثابت ہے اللّٰھم انصر اعلی الجندین واھدی الفئتین واکرم الحزبین۔ اے اللہ تو دونو لشکروں میں سے اُس کی مدد فرما جو بلند تر مقام پر ہے۔ اور دونو گروہوں میں سے اُس گروہ کی نصرت فرما جو ہدایت پر ہے اور دونو جماعتوں میں سے اس جماعت کی تائید فرما جو تیری نظر میں زیادہ معزز ہے۔ اور بعض روایتوں میں ابوجہل کی یہ دعا آئی ہے۔ اللّٰھم من کان منا اقطع الرحم وافسد فی الارض فاحنہ الیوم کہ اے خدا ہم دونو میں سے جو فریق زیادہ قطع رحم کرنیوالا ہے اور زمین میں فساد پھیلانیوالا ہے اُس کو اس جنگ میں ہلاک کردے۔ چنانچہ ابوجہل اور سرداران قریش اس میدان میں خلاف توقع ہلاک ہوئے۔ پس اگر ایک مامور یا مجدد اسی منہاج نبوت پر اس امر کو اپنی صداقت کے لئے دلیل ٹھیرائے کہ جو میرا مخالف اس قسم کی بد دعا کرے گا کہ سچے کی زندگی میں خدا جھوٹے کو ہلاک کرے تو وہ میری زندگی میں ہی ہلاک ہو جائے گا تو وہ عین مطابق قرآن وحدیث ہے۔ اور یہی دو طریق مباہلہ کے ہیں جو حضرت اقدس مرزا صاحب کی ساری تحریرات سے ثابت ہوتے ہیں کہ:۔

(پہلا طریق) یا تو آپ نے اپنے مخالفین کو مباہلہ کیلئے یعنی بالمقابل دعا کرنے یا قسم کھانے کیلئے بلایا ہے۔
(دوسرا طریق) اور یا آپ نے یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی مخالف اکیلا ہی آپ کے متعلق یوں دعا کرے گا کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو تو وہ آپ کی زندگی میں ہلاک ہوگا۔

ان دو طریق کے علاوہ اور کوئی تیسرا مسنون طریق مباہلہ کا نہ قرآن شریف سے ثابت ہے اور نہ حدیث شریف سے۔ اور نہ ان دو طریق کے علاوہ حضرت اقدس مرزا صاحب کسی اور طریق پر عمل پیرا ہوئے۔ پس آپ کی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے اس طور پر آیت اللہ ٹھیرایا تھا کہ وہ شخص جو آپ سے مباہلہ کرے گا اور آپ بالمقابل جھوٹے کی موت کیلئے بد دعا کریں گے تو وہ آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہوگا۔ اور نیز وہ شخص جو آپ کا مخالف ہو کر فتمنوا الموت کے ماتحت سچے کی زندگی میں جھوٹے کی موت چاہیگا وہ بھی آپ کی زندگی میں ہلاک ہوگا۔

(۱) پہلے طریق مباہلہ کیلئے آپ نے بہت دفعہ مولوی صاحبان کو بلایا کہ جب تم مجھے مفتری اور کذاب

قرار دیتے ہو تو میرے ساتھ مباہلہ کر لو۔ اگر دس بھی مباہلہ کریں گے تو سزا پائیں گے۔ اگر فرار کریں گے تو بھی لعنت کا اثر ان پر ظاہر ہوگا۔ مگر کوئی مولوی صاحب مقابلہ پر نہ نکلے۔ ہاں دُور بیٹھے شیخیاں بہتیرے بگھارتے رہے۔ البتہ مولوی عبدالحق نے مباہلہ کیا۔ مگر اُس وقت تک چونکہ آپ علی الاعلان مولوی صاحب موصوف کو محض ایک خاطی اور قابل رحم سمجھتے تھے جیسا کہ میں اُوپر ذکر کر آیا ہوں اس لئے آپ نے اُس پر بد دعا نہیں کی۔ اور اُس نے جو آپ پر بد دعا کی تھی اُس کے خلاف آپ کے سلسلہ کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی حاصل ہوتی گئی۔

(۲) اور دوسرے طریق مباہلہ پر یعنی جھُوٹے کی موت مانگ کر آپ کے بہتیرے مخالفوں نے ہلاکت کا مزہ چکھا۔ حقیقۃ الوحی میں ان لوگوں کا ذکر تفصیل سے موجود ہے۔ ان دو طریق کے سوا قرآن شریف اور حدیث شریف سے چونکہ یہ ثابت نہیں کہ مامورین الٰہی کبھی خود بھی اکیلے اس طرح پر بد دعا کرتے ہیں۔ اس لئے آپ نے اکیلے کبھی بد دعا نہیں کی بلکہ مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ میں جب اپنا حصہ مباہلہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کر کے پُورا کر دیا تاکہ مخالف کسی طرح میدان میں نکلے یعنی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو لیکر نکل آئے تھے۔ اسی طرح بذریعہ ایک اشتہار کے آپ بھی میدان مباہلہ میں نکل آئے تو اپنی بد دعا کو شائع کر کے ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب بھی اب کچھ لکھ کر شائع کر دیں۔ مگر مولوی ثناء اللہ صاحب کے انکار کر دینے سے یہ مباہلہ ناتمام رہ گیا۔[ل] مولوی ثناء اللہ صاحب نے انکار بھی اسی وجہ سے کیا کہ وہ اچھی طرح

[ل] یہاں ایک عجیب کرشمۂ قدرت کا بھی ذکر کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا۔ حضرت اقدس کی زندگی میں جتنے مخالفین نے دوسرے طریق مباہلہ کے مطابق بد دعا کی کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو۔ وہ سب ہلاک ہو گئے۔ گویا ان سب واقعات میں آپ کی زندگی صداقت کا نشان ٹھیرتی رہی۔ لیکن جب آپ کی وفات کا زمانہ قریب آیا تو خدا نے آپ کی وفات کو بھی آپ کی صداقت کا نشان بنانا چاہا۔ تو ایسا ہوا کہ جب حضرت اقدس نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو آخری فیصلہ والے اشتہار محررہ ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء میں مباہلہ کیلئے بلایا اور وہی پرانا طریق پیش کیا کہ بالمقابل دعا کی جاوے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو تو مولوی ثناء اللہ صاحب نے ۲۶۔ اپریل ۱۹۰۷ء کے اہل حدیث میں اس طریق کو تو ان الفاظ کے ساتھ رد کر دیا کہ "یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے" مگر قرآن کریم کی آیت انما نملی لھم لیزدادوا اثما (آل عمران ۱۸) (کہ ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں تاکہ گناہوں میں بڑھیں) اور اسی قسم کی دیگر آیات پیش کر کے یہ بھی لکھ دیا کہ مفسد اور کذاب کی عمریں تو لمبی ہوا کرتی ہیں۔ گویا مباہلہ سے تو گریز اختیار کی اور اپنی طرف سے یہ طریق فیصلہ مفسد اور کذاب کے تمیز کرنے کا پیش کر دیا کہ "خدا تعالیٰ جھوٹے۔ دغاباز۔ مفسد نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے" (اہل حدیث ۲۶۔ اپریل ۱۹۰۷ء) پھر اس کے بعد ان کے اخبار اہل حدیث میں یہ بھی چھپا (باقی بر صفحہ ۱۱۶۸)

دیکھ چکے تھے کہ جن مخالفین نے آپ پر بددعائیں کر کے دوسرے رنگ کا بھی مباہلہ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن سب کو آپ کے سامنے ہلاک کر کے اپنے روشن نشانات تواتر کے ساتھ دکھا دیئے تھے۔ تو یہ بالمقابل دعا کرنا تو طریق اوّل کا مباہلہ بن جاتا ہے جو سب سے زیادہ سخت طریق مباہلہ کا ہے اس لئے خیریت اسی میں دیکھی کہ انکار کر دیا جائے سو انکار کر دیا۔

حضرت اقدس نے تنہا بددعا کس کے لئے کی ہے؟

ہاں تنہا بھی بعض وقت حضرت اقدس نے بددعا کی ہے جس میں کسی فریق کو مقابل پر نہیں بلایا ہے مگر وہ دعا کسی کی ہلاکت کے لئے نہیں کی ہے کہ فلاں کو ہلاک کر بلکہ وہ خدا سے اپنے لئے ہی مشروط بددعا کی ہے کہ اگر مَیں تیری نظر میں جھوٹا ہوں تو مجھے صفحۂ دنیا سے نابود کر دے۔ چنانچہ اشتہار ۵۔ نومبر ۱۸۹۹ء میں آپ دعا کرتے ہیں:۔

"اے میرے قادر خدا تو جانتا ہے کہ اکثر لوگوں نے مجھے منظور نہیں کیا اور مجھے مفتری سمجھا اور میرا نام کافر اور کذاب اور دجّال رکھا گیا۔ مجھے گالیاں دی گئیں۔ اور طرح طرح کی دلآزار باتوں سے مجھے ستایا گیا۔ اور میری نسبت یہ بھی کہا گیا کہ حرام خور۔ لوگوں کا مال کھانے والا۔ وعدوں کا تخلف کرنے والا۔ حقوق کو تلف کرنے والا ...... شریر اور خونی ہے .... ہر ایک اُن میں سے جو بدزبانی کرتا ہے وہ خیال کرتا ہے کہ بڑے ثواب کا کام کر رہا ہے۔ سو اے میرے مولا میرے قادر خدا اب مجھے راہ بتلا۔ اور کوئی ایسا نشان ظاہر فرما جس سے تیرے سلیم الفطرت بندے نہایت قوی طور پر یقین کر لیں کہ مَیں تیرا مقبول ہوں ...... لیکن اگر اے مولا میری رفتار تیری نظر میں اچھی نہیں ہے تو مجھکو اس صفحۂ دنیا سے مٹا دے تا میں بدعت اور گمراہی کا موجب نہ ٹھہروں۔"

پھر اس اشتہار کے اخیر میں کس صفائی سے لکھتے ہیں:۔

"اب میری طرف اور تیرے فیصلہ کی طرف ہر روز میری آنکھ رہے گی جب تک آسمان سے

(بقیہ صفحہ ۱۱۶۷) کہ مسیلمہ کذاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہا اور حضورؐ اُس کی زندگی میں فوت ہو گئے۔ گویا ایک صادق انسان کذاب کی زندگی میں ہی فوت ہو گیا۔ ان تحریروں پر نظر کرتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اسی طریق فیصلہ سے مولوی ثناء اللہ صاحب کو پکڑنا چاہا جو وہ خود پیش کر رہے اور جو وہ پیش کر رہے تھے۔ وہ یہ تھا کہ "خدا تعالیٰ جھوٹے دغاباز مفسد نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان مولوی صاحب کی رسّی دراز کر دی گئی اور انما نملی لھم لیزدادوا اثماً کے ماتحت ان کو لمبی عمر دی گئی کہ تا وہ خوب اپنا نامۂ اعمال سیاہ کر لیں۔ اور انہی کے معیار کے مطابق "جھوٹے دغاباز مفسد اور نافرمان" کا فتویٰ خود انہی پر چسپاں ہو۔ اور ان کی زندگی میں حضرت مرزا صاحب کو اسی طرح وفات دے دی جس طرح مسیلمہ کذاب کی زندگی میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات دیدی تھی۔ گویا اس طرح حضرت مرزا صاحب کی وفات بھی آپ کیلئے ایک صداقت کا نشان چھوڑ گئی۔ (مؤلف)

تیری نصرت نازل ہو۔ اور مَیں کسی مخالف کو اس اشتہار میں مخاطب نہیں کرتا اور نہ اُن کو کسی مقابلہ کے لئے بلاتا ہوں"۔

خدا کی شان اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے نشانات آپ کی تائید میں ظاہر فرمائے اور اپنی نصرتوں سے آپ کے مشن کو دن دُونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائی +

۱۹۰۷ء کے بعض دیگر ضروری واقعات

"اپنی تمام جماعت کیلئے ضروری نصیحت"

۱۹۰۷ء میں کانگرس کی تحریک نے کچھ زور پکڑا اور جا بجا اکثر ہندوؤں سے گورنمنٹ کے خلاف کچھ ایسی حرکتیں کیں جن سے بغاوت کی بُو آتی تھی۔ اور بعض مسلمان بھی اُن کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اس لئے حضرت اقدس نے ۷۔مئی ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار بعنوان "اپنی تمام جماعت کے لئے ضروری نصیحت" شائع فرمایا۔ جس میں آپ نے اپنی جماعت کو ہدایت کی کہ اس قسم کی مفسدہ پردازیوں میں قطعاً کوئی حصہ نہ لیں +

سفر بٹالہ

۴۔جولائی ۱۹۰۷ء کی صبح کو حضرت اقدس کی اہلیہ محترمہ بمعہ صاحبزادگان و دیگر اقارب اور مولانا نورالدین صاحب کی اہلیہ محترمہ قریباً اٹھارہ کس بہمراہی میر ناصر نواب صاحب چند روز کے واسطے بغرض تبدیل آب و ہوا اور بعض دیگر ضروری امور کیلئے لاہور تشریف لیگئے تھے اور ۱۴۔جولائی ۱۹۰۷ء کو بوقت ایک بجے دن کے بٹالہ واپس پہنچنے والے تھے۔ حضرت اقدس تو حسن معاشرت کا ایک پُورا نمونہ تھے۔ آپ ۱۴۔جولائی کی صبح کو ان کے استقبال کے لئے بمعہ چند خدام کے بٹالہ تشریف لیگئے۔ بعض خدام آپ کی پالکی کے ساتھ پیدل ہی بٹالہ تک چلے گئے۔ حضرت اقدس قادیان سے چلے تو قرآن شریف کھول کر پالکی میں اپنے سامنے رکھ لیا۔ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت شروع کر دی۔ بٹالہ تک حضرت اقدس سورۃ فاتحہ کی تلاوت ہی کرتے چلے گئے۔ رستہ میں نہر پر اُتر کر وضو کیا اور پالکی میں بیٹھے تو پھر وہی سورۃ فاتحہ پڑھنی شروع کر دی اور بٹالہ تک یہی شغلہ رہا۔ بٹالہ کے تحصیلدار رائے جسمل صاحب نے اسٹیشن کے قریب اپنے مکان کے متصل ایک عمدہ آرام کی جگہ مہیا کر دی اور خود بھی حضرت اقدس کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت صاحب نے اُس کا شکریہ ادا کیا۔ شیخ رحمت اللہ صاحب بھی لاہور سے قادیان جا رہے تھے۔ اُنہیں جو پتہ لگا کہ حضرت اقدس بٹالہ تشریف رکھتے ہیں تو وہ بھی وہیں حاضر خدمت ہو گئے اور یہیں سے شام کو لاہور واپس چلے گئے۔ حضرت

اقدس نے سب دوستوں کے ساتھ مل کر دوپہر کا کھانا کھایا اور اس کے بعد اسٹیشن تشریف لے گئے۔ جب آپ اسٹیشن پر پہنچے تو گاڑی آچکی تھی اور اترنے اور چڑھنے والے مسافروں کے ہجوم کی وجہ سے آنے والے مہمانوں کو دیکھ لینا سخت مشکل ہو گیا۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت بیوی صاحبہ گاڑی سے اُتر چکی تھیں اور پلیٹ فارم پر ہجوم میں حضرت صاحب کو نظروں سے تلاش کر رہی تھیں اور خود حضرت صاحب بھی بیوی صاحبہ کو اِدھر اُدھر دیکھتے پھر رہے تھے کہ اتنے میں بیوی صاحبہ کی نظر آپ پر پڑ گئی۔ اُنہوں نے "محمود کے ابا" کہکر آپ کو اپنی طرف متوجّہ کیا۔ آپ کو پتہ لگا تو آپ قریب آئے اور سب لوگوں کے سامنے ہی حضرت بیوی صاحبہ کے ساتھ مصافحہ فرمایا۔ اس کے بعد سب اہل و عیال کو لیکر فرودگاہ پر واپس تشریف لائے اور شام کو واپس قادیان پہنچ گئے۔

علالت صاحبزادہ مبارک احمد صاحب حضرت اقدس کے چوتھے صاحبزادہ میاں مبارک احمد صاحب ۱۴۔ جون ۱۸۹۹ء کو پیدا ہوئے تھے۔ بہت خوبصورت اور خوب سیرت تھے۔ آٹھ برس کی عمر تھی۔ ۱۲۔ تاریخ اگست ۱۹۰۷ء کو صاحبزادہ صاحب کو بخار ہو گیا اور وہ بہت شدّت اختیار کر گیا۔ بخار کسی طرح ٹوٹتا ہی نہ تھا اور بعض دفعہ بیہوشی اور سرسام کی نوبت پہنچ جاتی تھی۔ بخار ۱۰۴، ۱۰۵ کی حرارت پر رہتا تھا۔ چونکہ یہ وہ بچہ تھا جس کی نسبت حضرت اقدس مرزا صاحب کو اپنے اجتہاد کے رُو سے یہ خیال تھا کہ غالباً یہ وہی لڑکا ہے جس کی نسبت آپ کو بتلایا گیا تھا کہ وہ مصلح موعود ہوگا اور جس کا ذکر آپ نے ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء والے اشتہار میں کیا تھا اس لئے آپ کو یہ بچّہ بہت پیارا تھا۔ آپ نے اس کی شفا کے لئے بہت توجہ سے دعا کی تو ۲۷۔ اگست ۱۹۰۷ء کو آپ کو یہ الہام ہؤا کہ "قبول ہو گئی۔ نو دن کا بخار ٹوٹ گیا۔" یعنی آپ کی دعا قبول ہو گئی ہے نو دن کے بعد بخار ٹوٹ جائیگا۔ چنانچہ اس الہام کے مطابق نو دن کے بعد دسویں دن ۳۰۔ اگست ۱۹۰۷ء کو بخار بالکل ٹوٹ گیا اور طبیعت ایسی تندرست ہو گئی کہ صاحبزادہ صاحب باغ کی سیر کرنے چلے گئے۔

نکاح صاحبزادہ مبارک احمد صاحب حضرت اقدس کی زوجہ محترمہ کو ڈاکٹر سید عبد الستّار شاہ صاحب کی لڑکی مریم بیگم حالانکہ چھوٹی سی بچّی تھی اس قدر پسند آگئی تھی کہ وہ چاہتی تھیں کہ جس قدر جلد ہو سکے اُسے میاں مبارک احمد صاحب کے عقد نکاح میں لے لیا جائے۔ چنانچہ ۳۰۔ اگست ۱۹۰۷ء کو ہی بخار ٹوٹا اور وہ چونکہ باغ کی سیر کے بہت شائق تھے اس لئے باوجود کمزوری کے باغ کی سیر کو چلے گئے۔ اِدھر حضرت بیوی صاحبہ نے حضرت اقدس کو میاں مبارک احمد صاحب کے

نکاح کے لئے زور دیا۔ حضرت صاحب جو بات خلاف شرع نہ ہو اُسے مان لینے میں تامّل نہیں کرتے تھے۔ آپ نے اجازت دیدی اور اسی تاریخ ۳۰۔ اگست ۱۹۰۷ء کو میاں مبارک احمد صاحب کا نکاح ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب کی لڑکی مریم بیگم[1] کے ساتھ ہو گیا اور اُسی وقت حضرت مولوی نورالدین صاحب کے لڑکے عبدالحی کا نکاح پیر منظور محمد صاحب کی لڑکی حامدہ بیگم کے ساتھ ہو گیا۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے بعد از نماز عصر دونو کا خطبۂ نکاح پڑھا۔ صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کو اس کے کچھ روز بعد پھر بخار ہو گیا جو چند روز کے اندر ٹوٹ گیا۔

وفات صاحبزادہ مبارک احمد صاحب

جو بات پہلے سے مقدر ہوتی ہے وہ ہو کر رہتی ہے۔ ابھی صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کوئی دو سال کے ہوں گے کہ اُن کو سخت دورہ ام الصبیان کا پڑا۔ اس وقت حضرت اقدس قریب کے مکان میں دعا میں مشغول تھے کہ ایک عورت نے پکار کر کہا کہ اب بس کرو۔ لڑکا تو فوت ہو گیا۔ حضرت دعا کرتے ہوئے اس کے پاس آئے اور اس کے بدن پر ہاتھ رکھا اور خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کی تو دو منٹ کے بعد لڑکے کو سانس آنا شروع ہو گیا اور اس طرح گویا ایک مردہ زندہ ہو گیا۔ اسی طرح اب کے بار بھی جب سخت بخار برابر چل رہا تھا۔ تو دعا کے بعد الہام ہوا کہ "قبول ہو گئی۔ نو دن کا بخار ٹوٹ گیا" چنانچہ نو دن کی میعاد کے بعد بخار ٹوٹ گیا۔ لڑکا تندرست ہو گیا۔ نکاح بھی ہو گیا۔ لیکن چونکہ پہلے سے یہ تقدیر مبرم تھی کہ یہ بچہ جلد اپنے رب کی طرف جانے والا ہے اور یہ امر حضرت اقدس کو بتا بھی دیا گیا تھا۔ جیسا کہ کتاب تریاق القلوب مطبوعہ ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۴۰ پر حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں :-

> "مجھے خدا تعالیٰ نے خبر دی کہ مَیں تجھے ایک اور لڑکا دوں گا اور یہ وہی چوتھا لڑکا ہے جو اب پیدا ہوا جس کا نام مبارک احمد رکھا گیا۔ اور اس کے پیدا ہونے کی خبر قریباً دو برس پہلے مجھے دی گئی۔ اور پھر اُس وقت دی گئی کہ جب اس کے پیدا ہونے میں قریباً دو مہینے باقی رہتے تھے۔ اور پھر جب یہ پیدا ہونے کو تھا تو یہ الہام ہوا انی اسقط من اللہ واصیبہ یعنی مَیں خدا کے ہاتھ سے زمین پر گرتا ہوں اور خدا ہی کی طرف جاؤں گا۔ مَیں نے اپنے اجتہاد سے اس کی یہ تاویل کی کہ یہ لڑکا نیک ہو گا۔ اور رو بخدا ہو گا اور خدا کی طرف اس

[1] یہ لڑکی مریم بیگم دختر ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب چونکہ صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کے وفات پا جانیسے بچپن میں ہی بیوہ ہو گئی تھیں۔ اسلئے جب یہ جوان ہوئیں تو حضرت اقدس کے سب سے بڑے صاحبزادہ میاں بشیرالدین محمود احمد صاحب نے ان سے نکاح کر لیا۔ (مؤلف)

کی حرکت ہوگی اور یا یہ کہ جلد فوت ہو جائے گا۔ اس بات کا علم خدا تعالیٰ کو ہے کہ ان دونو باتوں میں سے کونسی بات اس کے ارادہ کے موافق ہے"۔

آخر واقعات نے یہ ثابت کیا کہ اس الہام کا مطلب یہی تھا کہ "یہ بچہ جلد فوت ہو جائیگا"۔ چنانچہ اسی ارادہ الٰہی کے موافق اچانک ۱۴ ستمبر ۱۹۰۷ء کو میاں مبارک احمد صاحب بیمار ہو گئے۔ حضرت اقدس کو اسی روز الہام ہوا کہ لاعلاج و لایحفظ یعنی اب اس کا کوئی علاج نہیں اور یہ نہیں بچیگا۔ چنانچہ دو ہی دن کے بعد ۱۶ ستمبر ۱۹۰۷ء کو بروز دوشنبہ صبح کے وقت صاحبزادہ مبارک احمد صاحب فوت ہو گئے اور اپنے رب سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جنازہ خود حضرت اقدس نے پڑھایا۔ اور بہشتی مقبرہ میں صاحبزادہ صاحب کو دفن کیا گیا۔ یہ بچہ بڑا نیک تھا۔ کوئی شوخی اسکی طبیعت میں نہ تھی۔ ایام بیماری میں ہر ایک تلخ سے تلخ دوا بڑی خوشی سے پی لیتا۔ پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ ذرا طبیعت اچھی ہوتی تو پڑھنے لگتا۔ قرآن شریف اور اُردو کی کتابیں پڑھ لی تھیں اور حضرت اقدس جیسا اُسے چاہتے تھے ویسا ہی وہ بھی اپنے مقدس والد سے بہت مانوس تھا۔ وفات سے پہلے حضرت اقدس کا ہاتھ بڑی محبت سے اپنے ہاتھ میں لیا اور ہاتھ سے ہاتھ ملایا۔ گویا آخری ملاقات کی۔ اور علاج کرنیوالوں کو علاج سے منع کر کے کہا کہ اب مجھے نیند آگئی ہے اور جب دیکھا تو وفات پا چکا تھا۔

دشمن کا وار سنگدل انسان جب تکذیب اور انکار پر اُتر آتے ہیں تو اُن میں سے تمام لطیف جذبات ہمدردی اور انسانیت کے اُڑ جاتے ہیں۔ یہی حال حضرت اقدس مرزا صاحب کے دشمنوں کا تھا۔ چونکہ اس سے قبل حضرت اقدس اجتہاد کے طور پر یہ خیال کرتے رہے تھے کہ شاید یہی وہ مصلح موعود لڑکا ہو جس کے متعلق ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کو آپ نے اعلان کیا تھا۔ اس لئے اس لڑکے کی وفات پر آپ کے دشمنوں کو بہت خوشی ہوئی اور اُنہوں نے اخباروں میں بہت خوشیاں منائیں اور بہت باتیں بنائیں اور تکذیب و انکار کے ڈونگڑے برسا دیئے۔ لیکن اُن کا ایسا کرنا بھی حضرت اقدس کی ایک پیشگوئی کو نہایت صفائی سے پُورا کر گیا جو آپنے اخبار بدر مجریہ ۳ مئی ۱۹۰۶ء میں شائع فرمائی تھی۔ وہو ہذا۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"الہام الٰہی۔ دشمن کا بھی ایک وار نکلا۔ وتلک الایام نداولہا بین الناس۔ یعنی کوئی ایسا امر رنجدہ خدا کی طرف سے ہماری نسبت یا ہماری جماعت کے کسی فرد کی نسبت صادر ہوگا جس سے دشمن خوش ہو جائے گا۔ اور وہ امر رنجدہ خدا کی طرف سے ہوگا۔ یا دشمن کا اس میں

کچھ دخل ہوگا۔ اور پھر خدا فرماتا ہے کہ یہ دن خوشی اور غم یا فتح اور شکست کے ہم نوبت بہ نوبت لوگوں میں پھیرا کرتے ہیں۔ بعض وقت خوشی اور فتح خدا کی جماعت کو ملتی ہے اور دشمن ذلیل اور شرمسار ہو جاتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بدر کی لڑائی میں ہوا...... پھر دوسری مرتبہ جنگ اُحد میں کفار کی خوشی کی نوبت آئی یعنی جنگ اُحد کی لڑائی میں دردناک شہادتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نصیب ہوئیں اور خود آنحضرت صلعم زخمی ہوئے اور ایک تہلکہ برپا ہوا۔ اور اس وقت بعض ان لوگوں کے دلوں میں جو عادت اللہ سے ناواقف تھے یہ خیال بھی آیا کہ جس حالت میں ہم حق پر ہیں اور ہمارے مخالف باطل پر ہیں تو یہ مصیبت ہم پر کیوں آئی۔ تب ان کا جواب اللہ تعالیٰ نے وہ دیا جو قرآن شریف میں مذکور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثله وتلك الايام نداولها بين الناس۔ یعنی اگر تم کو اُحد کی لڑائی میں دُکھ اور تکلیف پہنچی ہے تو بدر کی لڑائی میں بھی تو تمہارے مخالفوں کو ایسی ہی تکلیف پہنچی تھی۔ اور ایسا ہی دُکھ اور نقصان اُٹھانا پڑا تھا...... اُس دن سے جو خدا نے دنیا پیدا کی یہ قانون چلا آیا ہے کہ کبھی کوئی ایسی تائید اور نصرت ظاہر ہوتی ہے جس سے مومن خوش ہو جاتے ہیں اور کبھی کوئی ایسا ابتلا مومنوں کے لئے پیش آجاتا ہے جو کفار مارے خوشی کے اُچھلتے پھرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اس وحیٔ مقدس میں بھی جو آج اس عاجز پر نازل ہوئی فرماتا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ کچھ عرصہ سے متواتر خدا تعالیٰ کی نصرت اور تائید رحمت کے نشانوں کے رنگ میں اس عاجز کی نسبت ظاہر ہو رہی ہے جس سے مخالف لوگ ایک مسلسل غم دیکھ رہے ہیں۔ اب ضروری ہے کہ بموجب قانون وتلك الايام نداولها بين الناس۔ ان کو بھی کچھ خوشی پہنچائی جائے۔ سو اس الہام کی بنا پر کوئی امر ہمارے لئے ناگوار اور اُن کے لئے موجب خوشی کا ظاہر ہو جائے گا...... مذکورہ بالا الہام میں خدا تعالیٰ پیشگوئی کے طور پر فرماتا ہے کہ ایک ناگوار امر ظاہر ہوگا۔ جو کسی قدر دشمنوں کی خوشی کا باعث ہو جائیگا۔

...... مرزا غلام احمد مسیح موعود۔ ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۶ء"

صبر جمیل کا نمونہ اس موقعہ پر جہاں دشمنوں کے اخلاق رذیلہ کا ایسا مکروہ مظاہرہ ہوا۔ وہاں حضرت اقدس کے صبر اور رضا بالقضا کا پاکیزہ نمونہ دوستوں کے لئے موجب ازدیاد ایمان ہوا۔ حضرت اقدس کو میاں مبارک احمد صاحب سے بہت محبت تھی اور چونکہ آپ کو اجتہاداً یہ بھی خیال تھا کہ شاید

یہی وہ لڑکا مصلح موعود ہو۔ جس کے متعلق آپ ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں اعلان کر چکے تھے اس لئے اس کی علالت کے دوران میں آپ کو بہت فکر رہا کہ مبادا اس کی موت کمزور دلوں کیلئے موجب ابتلا بن جائے۔ اگرچہ بات تو کچھ بھی نہ تھی۔ مبارک احمد پر آپ نے اس پیشگوئی کو اپنے اجتہاد سے لگایا تھا۔ خدا نے الہام کے ذریعہ نہیں بتایا تھا کہ یہی وہ موعود لڑکا ہے۔ لیکن دشمنوں کو اس سے غرض نہیں ہوا کرتی وہ تو اعتراض کیلئے موقعہ ڈھونڈھا کرتے ہیں۔ اور کمزور دلوں کے قدم کو پھسلانے کیلئے حیلے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ قصہ کوتاہ یہ کہ آپ نے اس کے علاج میں بہت کوشش سے کام لیا۔ اور خود بھی نہایت شفقت و محبت سے اس بچہ کی خدمت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ خواجہ کمال الدین صاحب کہا کرتے تھے کہ حضرت اقدس کے اس دلی تعلق اور شب و روز کی سعی اور خدمت کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوتا تھا کہ حضرت اقدس کو اس موقعہ پر اس قدر دلبستگی کیوں ہے۔ اُن سے تو دنیا کے تعلقات اور معاملات میں کبھی اس قدر دلبستگی کا اظہار ہوا نہیں تھا۔ لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا ہی نہ رہی جب میں نے یہ دیکھا کہ میاں مبارک احمد کے وفات پاتے ہی آپ اس سے اس طرح الگ ہو گئے جس طرح آپ کو کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ گویا جبتک مبارک احمد زندہ تھا اسے محبت پدری سمجھو یا منصب پدری کا تقاضہ۔ آپ اپنا فرض سمجھتے تھے کہ اپنی محبت اور خدمت کا حق پوری طرح ادا کر دیں۔ لیکن جب موت نے یہ بات آپ پر واضح کر دی کہ خدا کی مرضی یہی تھی کہ یہ بچہ وفات پا جائے تو خدا تو آپ کو سب چیزوں سے بڑھکر محبوب تھا جس کی محبت پر آپ اپنی پیاری سے پیاری چیزوں کو قربان کرنے کو ہمہ وقت تیار رہتے تھے اسلئے مشیت الٰہی کو معلوم کرتے ہی آپ بالکل اس طرح بچے کو چھوڑکر الگ ہو گئے جیسے کچھ واسطہ ہی نہ تھا۔ اور فوراً بڑے اطمینان کے ساتھ بیرونی احباب کو خط لکھنے بیٹھ گئے کہ مبارک احمد فوت ہو گیا ہے اور ہم کو اللہ کی قضا پر راضی رہنا چاہئے۔ اور مجھے جو الہام اس کی نسبت ہوا تھا اس سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یا یہ لڑکا بہت خدا رسیدہ ہوگا اور یا بچپن میں فوت ہو جائیگا سو ہم کو اس لحاظ سے خوش ہونا چاہیئے کہ خدا کا کلام پورا ہوا غرضکہ ایسا صبر جمیل کا نمونہ دکھایا کہ حیران کر دیا۔ لوگ تو ماتم پرسی کے لئے آپ کے پاس آتے تھے اور آپ وعظ فرماتے جاتے تھے کہ کس طرح خدا کی مشیت کے آگے صبر کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہئے۔ اور اُس کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرنا بلکہ اُس کی رضا سے راضی رہنے میں ہی انسان کی ساری خوبی مضمر ہے۔ کسی نے آپ کو کیا تسلی دینی تھی آپ خود سب کو تسلی دے رہے تھے۔ اور اس موقعہ پر آپ کے بیان کردہ معارف و حقائق سے اپنی اپنی جگہ لوگوں کے دلوں کے

بہت سے پُرانے زخموں پر مرہم لگ رہا تھا۔ خدا کے دین کے لئے جو تڑپ تھی۔ اور خدا پر ایمان اور معرفت کی تبلیغ کا جو عشق تھا وہ اس انتہا تک پہنچا ہُوا تھا کہ اپنے پیارے بیٹے کا غم سب بھولا ہُوا تھا۔ اور آپ کو اس بات سے خوشی تھی کہ بیٹے کے مرنے سے خدا کے منہ کی باتیں پوری ہوئیں۔ ایک تو مبارک احمد کی ولادت پر جو آپ کو الہام ہُوا تھا کہ "انّی اسقط من اللہ واصیبہٗ" جس کے ایک معنے آپ نے یہ بھی کئے تھے کہ یہ لڑکا جلد فوت ہو جائے گا وہ پُورا ہُوا۔ اور دوسرے آپ کا الہام "دشمن کا بھی ایک وار نکلا الخ" پُورا ہُوا جس کی بنا پر آپ نے اعلان کیا تھا کہ "ایک ناگوار امر ظاہر ہوگا جو کسی قدر دشمنوں کی خوشی کا باعث ہوگا" اور تیسرے وہ رویا پوری ہوئی جو آپ نے مبارک احمد صاحب کی وفات سے چند روز پہلے دیکھی تھی کہ "ایک پانی کا گڑھا ہے۔ مبارک احمد اس میں داخل ہُوا اور غرق ہوگیا۔ بہت تلاش کیا گیا مگر کچھ پتہ نہیں ملا۔ پھر آگے چلے گئے تو اس کی بجائے ایک اور لڑکا بیٹھا ہُوا ہے"۔ غرضیکہ آپ کے کئی الہام اور رویا چونکہ مبارک احمد کی وفات سے پورے ہوئے اس لئے آپ اس بات سے خوش تھے کہ بیٹا مر گیا تو یہ تقدیر الٰہی تھی۔ لیکن خوشی کا مقام یہ ہے کہ اس طرح خدا کی باتیں پوری ہو گئیں۔ شاید کسی انسان کو اس سے نفع پہنچ جائے اور خدا کی معرفت اُسے حاصل ہو جائے۔ اور اسلام کی اشاعت میں یہ امر مفید ثابت ہو۔ خدا پر ایمان اور معرفت اور صبر اور رضا کا یہ نمونہ بغیر اثر کئے ہوئے کیسے رہ سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت بیوی صاحبہ نے بھی نہایت اعلیٰ درجہ کا صبر کا نمونہ دکھایا اور جزع و فزع سے قطعاً کام نہیں لیا۔ ماں ہو کر ایسا صبر کا نمونہ دکھانا نہایت قابل تعریف تھا۔ مبارک احمد صاحب کے جنازہ کے ساتھ حضرت اقدس قبرستان تشریف لے گئے تو مبارک احمد کی قبر ابھی تیار نہ تھی اس لئے قبر سے کچھ فاصلہ پر حضرت اقدس بیٹھ گئے اور ارد گرد آپ کے احباب بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب کو مخاطب کر کے لنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الخ کی تفسیر ایسی لطیف فرمائی اور مصائب و ابتلا کے فلسفہ اور ان کے ذریعہ ترقیات رُوحانی کی وہ تشریح کی کہ جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ "ایسے خوشی کے دن بھی انسان کو بہت کم میسّر آتے ہیں کہ خدا کی مرضی پورا ہونے میں بندہ کو سر تسلیم خم کرنا پڑے اور وہ اُس کی تقدیر سے راضی ہو تا کہ شانِ عبودیت بندہ میں پوری طرح متحقق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رستہ میں انسان کی ترقی کے لئے ایک قانونِ شریعت رکھا ہے اور ایک قانونِ قضا و قدر۔ قانونِ شریعت

کے نفاذ اور اس پر عمل کرنے کو خدا نے بندہ کے ہاتھ میں دیدیا ہے۔ پس بندہ اس میں اپنے لئے کئی قسم کے آرام اور سہولتیں پیدا کر لیتا ہے۔ وضو سے تکلیف نظر آتی ہے تو تیمم کر لیتا ہے۔ نماز کھڑے ہو کر پڑھنے میں تکلیف محسوس کرتا ہے تو بیٹھ کر یا اگر بیٹھنے میں بھی تکلیف ہو تو لیٹ کر پڑھ لیتا ہے۔ روزہ میں کوئی بیماری محسوس کرتا ہے تو کسی دوسرے وقت پر ٹال دیتا ہے۔ اسی طرح چونکہ قانون شریعت کا نفاذ خود بندہ کے ہاتھ میں ہے وہ اپنے لئے بہت سی سہولتیں پیدا کر لیتا ہے اور اس طرح اس کی ظاہری تکلیف سے وہ بچ جاتا ہے۔ لیکن قضا و قدر کا قانون خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور بندہ کا اس میں کچھ اختیار نہیں۔ پس جب قضا و قدر کے قانون کی چوٹ بندہ کو آکر لگتی ہے اور وہ اس کو خدا کے لئے برداشت کرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے اور خدا کی قضا پر راضی ہوتا ہے تو پھر وہ اس ایک آن میں اتنی ترقی کر جاتا ہے جتنی کہ چالیس سال کے نماز روزے سے بھی نہیں کر سکتا۔ پس مومن کے لئے ایسے دن درحقیقت ایک لحاظ سے بڑی خوشی کے دن ہیں۔ الخ" غرضکہ کیا بیان کیا جائے۔ خدا کی مشیت کے سامنے تسلیم اور رضا اور ابتلاؤں کے آنے سے جو مومنوں کی روحانی ترقیات وابستہ ہیں۔ اُن پر آپ نے ایسی لطیف تقریر فرمائی کہ حقائق و معارف کا ایک دریا بہ گیا۔ اور رنج اور مصائب موجب سرور و لذت بن گئے۔

"تبصرہ" میں عرض کر چکا ہوں کہ دشمنوں نے حضرت اقدس کے صاحبزادہ مبارک احمد کے فوت ہونے پر بہت خوشیاں کیں۔ چنانچہ اخبار عام میں اس پر کسی نے مضمون لکھا کہ یہ کسی کے مباہلہ کا اثر پڑ گیا۔ حالانکہ مباہلہ کسی سے بھی نہ ہوا تھا۔ اور مباہلہ میں حضرت اقدس ہمیشہ اپنا نفس مقابلہ میں رکھا کرتے تھے۔ اپنی اولاد یا دوسرے آدمیوں کو عام طور پر کبھی ساتھ نہیں رکھا۔ بلکہ ایک دفعہ اپنے کسی مرید کو جس نے کسی مخالف سے مباہلہ کیا تھا۔ فرمایا کہ مباہلہ کے وقت بجائے اپنے نفس کو مقابلہ پر رکھنے کے مجھے رکھدیا کرو۔ یعنی یوں نہ دعا کیا کرو کہ اگر مرزا غلام احمد کاذب ہے تو لعنت یا ہلاکت مجھ پر پڑے بلکہ یوں دعا کیا کرو کہ اس صورت میں لعنت یا ہلاکت جو کچھ پڑے (نعوذ باللہ) مرزا غلام احمد پر پڑے۔ باقی رہ گیا کسی کے لڑکے کا مر جانا تو یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ یہاں حضرت مرزا صاحب کے سید و آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحبزادہ ابراہیم فوت ہو گیا تو پھر کیا ہو گیا۔ کچھ بھی نہیں۔ مومنوں کی تطہیر کے لئے ابتلا آیا ہی کرتے ہیں۔ اور پھر جب حضرت مرزا صاحب میاں مبارک احمد کی ولادت پر اپنی قلم سے تریاق القلوب میں تحریر فرما چکے تھے کہ مجھے اس کی ولادت سے ۲ ماہ قبل یہ الہام ہوا تھا کہ انّی اسقط من اللہ واصیبہ

یعنی میں خدا کے ہاتھ سے زمین پر گرتا ہوں اور خدا ہی کی طرف جاؤں گا۔ اور اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے آپ نے اپنی قلم سے لکھا تھا کہ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ "یہ لڑکا جلد فوت ہو جائے گا" تو پھر اس کے معنے تو یہ ہوئے کہ مبارک احمد کے فوت ہونے سے درحقیقت آپ کی پیشگوئی پوری ہوگئی اور آپ کا الہام سچا ثابت ہوا لیکن باطل پرستوں کو حق پرستی سے کیا کام۔ وہاں تو اعتراض کرنے کے لئے خواہ وہ کیسا ہی بودا اور لچر ہو کوئی بہانہ چاہئے۔ سو اس موقعہ پر مکذبین جو کچھ منہ میں آیا بکواس کرتے رہے اور یہ بکواس بہت سے اخباروں میں کی گئی۔ اخبار عام میں بھی کسی نے کی۔ اخبار عام والا مضمون حضرت اقدس کی نظر سے گزرا تو آپ نے ۵۔ نومبر ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار تبصرہ کے عنوان کے ساتھ شائع فرمایا جس میں ان تمام اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے جو اس مضمون میں تھے آپ نے مبارک احمد کی وفات کے قبل از وقت پیشگوئی پر بھی بحث فرمائی اور "دشمن کا بھی ایک وار نکلا۔ وتلک الایام نداولھا بین الناس" والے الہام اور پیشگوئی کے پورا ہونے کا بھی ذکر فرمایا۔ اور اس میں اپنے بعض الہامات لکھ کر جن میں آپ کی کامیابی اور عزت اور دشمن کی شکست اور ذلت کی منجانب اللہ خبر تھی۔ خلاصۃً یہ اعلان فرمایا کہ:۔

"یہ عظیم الشان پیشگوئی ہے جس میں میری فتح اور دشمن کی شکست اور میری عزت اور دشمن کی ذلت اور میرا اقبال اور دشمن کا ادبار بیان فرمایا ہے"

یہ عظیم الشان پیشگوئی جس صفائی سے پوری ہو رہی ہے اُسے دنیا دیکھ رہی ہے اور انشاء اللہ القدیر آیندہ دیکھے گی۔ کہ جو مشن خدمت اسلام کا آپ لائے تھے وہی ہے جو دنیا میں پھول اور پھل رہا ہے اور وہی اکیلا مشن ہے جو خدمت اسلام کا کام کر رہا ہے۔ اور سب سے توفیق خدمت دین کی چھن گئی۔ اور وہ دشمن جنہوں نے آپ کو ذلیل کرنا اور مٹانا چاہا تھا خود ہی مٹ گئے اور ذلیل ہو گئے اور روز بروز ذلیل ہوتے اور مٹتے چلے جاتے ہیں۔

مبارک احمد کے قائم مقام لڑکے کی ولادت کا اعلان

اسی اشتہار تبصرہ میں آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ مبارک احمد کے فوت ہوتے ہی آپ کو یہ الہام ہوا کہ انا نبشرک بغلام حلیم ینزل منزل المبارک۔ یعنی ہم ایک حلیم لڑکے کی بشارت تجھے دیتے ہیں جو بمنزلہ مبارک احمد کے ہوگا۔ یعنی اس کا قائم مقام ہوگا۔ گویا بتا دیا کہ وہ لڑکا موعود جو آنیوالا ہے وہ ابھی آیندہ زمانہ میں آنیوالا ہے۔ اور اگر تم نے اجتہاداً مبارک احمد کو سمجھ لیا تھا تو یوں سمجھو کہ وہ مبارک احمد کے ہی قائم مقام ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ مصلح موعود لڑکے کی ولادت مستقبل میں کسی زمانہ میں ہوگی۔ اس کی بشارت

تمہیں ضرور دی گئی تھی اور اب بھی دی جاتی ہے جو اپنے وقت پر پوری ہوگی۔

شریعت کے قانون کو اپنے الہام پر مقدم رکھا

۱۹۰۷ء میں ۸۔ نومبر کو ۳۰ روز کے بعد جمعہ کے دن عید الفطر ہوئی۔ چونکہ بدھ کو ۲۹۔ رمضان تھی اور اُس روز شام کو چاند نظر نہ آیا تھا۔ اس لئے جمعرات کو عید نہ ہوئی لیکن حضرت اقدس کو جمعرات کے روز صبح کے وقت الہام ہؤا کہ "عید تو آج ہے چاہے کرو یا نہ کرو" آپ نے جو احباب کو اپنا یہ الہام سنایا تو بعض آدمیوں نے دریافت کیا کہ کیا روزہ افطار کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ چونکہ رویت ہلال کی کوئی گواہی نہیں آئی اس لئے روزہ نہ افطار کرو۔ چنانچہ عید وہی جمعہ کے روز کی گئی۔ بعد میں باہر سے یہ خبر آئی کہ بعض جگہ بدھ کو چاند دیکھا گیا اور وہاں عید جمعرات کو ہوئی۔ مکہ معظمہ سے بھی یہی خبر آئی کہ وہاں عید جمعرات کو ہوئی۔ غرضنکہ الہام کی تصدیق کئی جگہوں سے ہوگئی کہ درحقیقت عید جمعرات کو ہی تھی۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت مرزا صاحب کو الہام ہو چکا تھا کہ عید آج ہے تو پھر آپ نے عید کیوں نہ کر لی۔ اور روزہ کیوں نہ افطار کروا دیا کیا آپ کو اپنے الہام پر یقین نہ تھا۔ یہ غلط ہے۔ آپ بار بار تحریر فرما چکے تھے کہ آپ کو اپنی وحی والہام کے منجانب اللہ ہونے پر ویسا ہی یقین ہے جیسا کہ قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے پر۔ تو پھر کیا وجہ کہ آپ نے جمعرات کو عید نہ کر لی۔ سو اُس کی ایک ہی وجہ تھی کہ آپ اُمتی تھے نبی نہ تھے۔ آپ کی وحی وحیٔ ولایت تھی وحی نبوت نہ تھی۔ اُمتی کی وحیٔ ولایت شریعت کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ جب شریعت نے یہ حکم دے رکھا ہے کہ ۲۹۔ رمضان کو جب تک تم میں سے کوئی شخص آنکھ سے نہ چاند دیکھ لے۔ روزہ افطار مت کرو۔ تو ایک اُمتی کا خواہ وہ جناب الٰہی میں کتنی ہی اعلیٰ شان کیوں نہ رکھتا ہو اور خدا کی طرف سے ظلی اور مجازی طور پر نبی کے نام سے بھی کیوں نہ پکارا گیا ہو یہ منصب نہیں ہو سکتا کہ اس کی وحی شریعت کے کسی حکم کو خواہ وہ قرآن کا ہو یا حدیث کا منسوخ کر سکے۔ اسی لئے حضرت مرزا صاحب نے باوجود قطعی اور یقینی الہام ہو جانے کے روزہ افطار نہیں کرنے دیا۔ اور خدا نے بھی اسی لئے الہام میں حکم نہیں دیا کہ آج عید کرلو۔ بلکہ "چاہے کرو یا نہ کرو" فرما کر اجازت دیدی کہ تمہیں اختیار ہے خواہ روزہ رکھے رکھو یا نہ رکھو۔ گویا خود حضرت مرزا صاحب پر اس بات کو چھوڑ دیا کہ خواہ وہ روزہ رکھیں یا نہ رکھیں۔ اور یہ اس لئے کیا کہ تا لوگوں پر حجت پوری ہو جائے اور صاف طور پر کھل جائے کہ حضرت مرزا صاحب کا اصل دعویٰ کیا ہے۔ اور وہ درحقیقت اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں۔ آیا نبی یا اُمتی۔ اگر نبی سمجھتے اور اپنی وحی کو وحی نبوت سمجھتے تو ضرور تھا کہ آپ اس کو حدیث

کے ہی نہیں بلکہ قرآن کے حکم پر بھی مقدم کرنا اپنا فرض سمجھتے۔ لیکن آپ کا محض حدیث کے ایک حکم کے آگے اپنی وحی پر عمل نہ کرنا صاف بتلاتا ہے کہ آپ نے اپنے تئیں اُمتی کی حد سے آگے نہ کبھی بڑھایا اور نہ بڑھانا چاہتے تھے۔ اور جنہوں نے آپ کی طرف نبوت کا دعویٰ منسوب کیا یا اب کرتے ہیں وہ اسی فتوے کے مستحق ہیں جو خود آپ نے ایسے لوگوں کے متعلق حقیقۃ الوحی میں تحریر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے:-

"اور یہ کہنا کہ نبوت کا دعویٰ کیا ہے کس قدر جہالت کس قدر حماقت اور کس قدر حق سے خروج ہے۔"

آخری سالانہ جلسہ ۱۹۰۷ء کے کرسمس میں جلسہ سالانہ حسب معمول ہوا۔ احباب جمع ہوئے اور حضرت اقدس کی معارف وحقائق سے بھری ہوئی تقریریں ہوئیں۔ کون جانتا تھا کہ یہ آخری سالانہ جلسہ ہے جس میں وہ خدا کا مامور ہم میں بول رہا ہے۔ اور پھر یہ سعادت ہمیں نصیب نہ ہوگی۔ رہے نام اللہ کا۔

نکاح مبارکہ بیگم صاحبہ اگرچہ یہ واقعہ تو ۱۹۰۸ء کا ہے لیکن چونکہ اس کی تمہید یعنی بات چیت ۱۹۰۷ء کے آخر میں ہی شروع ہو گئی تھی اس لئے مَیں یہیں اس کا ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کی پہلی بی بی فوت ہو گئی تھیں اس لئے نواب صاحب کا جب نکاح ثانی کرنے کا ارادہ ہوا تو اُنہوں نے حضرت اقدس کو آپ کی بڑی صاحبزادی مبارکہ بیگم صاحبہ کے رشتہ کے لئے پیغام دیا۔ چنانچہ آپ نے منظور فرمالیا۔ اور ۱۷۔ فروری ۱۹۰۸ء کو بروز شنبہ نکاح کی تقریب عمل میں آئی۔ بعد از نماز عصر مولوی نورالدین صاحب نے نکاح پڑھا۔ نواب صاحب موصوف کے خاندان میں تو کئی کئی لاکھ روپے کا مہر ہوا کرتا تھا مگر حضرت اقدس نے اسے پسند نہیں کیا۔ البتہ اس بات کو ضروری سمجھتے ہوئے کہ عورت کے حق کو محفوظ ضرور کر لینا چاہیئے آپ نے مہر چھپن ہزار روپے مقرر فرمایا۔ اتنا مہر بھی اس لئے مقرر کیا کہ نواب صاحب موصوف کی پہلی بیوی سے بہت سی اولاد تھی اور ریاست کا معاملہ تھا۔ ایسی صورت میں بعد میں ورثہ کے معاملہ میں بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ زوجۂ ثانی کے حقوق کو محفوظ کر لیا جائے۔ اس رشتہ سے بھی حضرت اقدس کی ایک پیشگوئی پوری ہوئی اور وہ یہ کہ ۱۹۰۱ء میں جب آپ کی صاحبزادی مبارکہ بیگم چھوٹی سی تھیں تو آپ کو اُن کی نسبت یہ الہام ہوا تھا کہ "نواب۔ مبارکہ بیگم"۔ گویا یہ بتلایا گیا تھا کہ صاحبزادی صاحبہ کسی نواب کی بیگم بنیں گی۔ اُس زمانہ میں کسے خبر تھی۔ نواب محمد علی خاں صاحب کی پہلی بیگم زندہ تھیں۔ اور وہ پہلی

بی بی کی موجودگی میں نکاح ثانی کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن آخر وہ بیگم فوت ہوگئیں۔ اور صاحبزادی مبارکہ صاحبہ "نواب۔ مبارکہ بیگم" بن کر رہیں۔ خدا کی باتیں پوری ہو کر رہتی ہیں۔

چشمۂ معرفت

وجہ تصنیف چشمۂ معرفت حضرت اقدس کی تصنیف ہے۔ جو ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء کو شائع ہوئی۔ اس کی تصنیف کی کیا وجہ ہوئی وہ ایک لمبی داستان ہے اس لئے میں شروع سے عرض کرتا ہوں:۔

آریہ سماج میں جلسۂ مذاہب بات یوں ہوئی کہ آریہ سماج لاہور نے اپنے سالانہ جلسہ ۱۹۰۷ء کے بعد ایک عام جلسۂ مذاہب منعقد کرنے کا ارادہ کیا اور اس جلسہ میں مختلف مذاہب کے بزرگوں کو مدعو کیا کہ اپنے اپنے عقائد کے رُو سے یہ ثابت کریں کہ "الہامی کتاب کونسی ہو سکتی ہے"۔ آریہ صاحبان کے اصرار سے حضرت اقدس نے منظور فرمایا کہ آپ بھی اس پر ایک مضمون تحریر فرما دیں گے۔ ہندو قوم تو ہر جگہ مالی منفعت کی متمنی رہتی ہے۔ اُنہوں نے اس جلسہ میں داخلہ کا ٹکٹ فی کس چار آنے مقرر کر دیا۔

آریہ سماج وچھووالی میں یہ جلسہ اُن کے سالانہ جلسہ کے بعد ۲۔۳۔۴ دسمبر ۱۹۰۷ء کو لاہور میں منعقد ہوا۔ اور روزانہ بعد از نماز مغرب شام کے ۶ بجے سے رات کے ۱۰ بجے تک ہوتا تھا۔ ہر ایک لیکچرار کے واسطے دو گھنٹے وقت مقرر تھا۔ جن میں چار مذاہب کی طرف سے تقریریں ہوئیں۔

(۱) ہندو۔ سناتن دھرم۔ اور آریہ دھرم (۲) عیسائی (۳) برہمو۔ (۴) مسلمان۔

چونکہ یہ جلسہ آریوں کا تجویز کردہ تھا اور انہیں کا مکان تھا۔ اُنہوں نے ہی پہلے سے مضمون مقرر کیا تھا۔ اور مضامین کے اوقات بھی وہ خود مقرر کرتے تھے۔ غرضکہ تمام معاملات چونکہ ان کے ہاتھ میں تھے اسی لئے ان سے اُنہوں نے کئی ناجائز فائدے اُٹھائے اور دیگر مذاہب کے ساتھ وہ بہت بے مروّتی اور بدتہذیبی سے پیش آتے رہے۔ اس واسطے یہ درست ہوگا اگر اس کو بجائے جلسۂ مذاہب کہنے کے جلسۂ آریہ کہا جائے۔ جو مکان اس جلسہ کے واسطے آریوں نے تجویز کیا تھا وہ لاہور کے تنگ و تاریک کوچوں کے درمیان تھا اور اس کی وسعت بہت ہی کم تھی۔ بمشکل دو ہزار آدمی کی نشست کی گنجائش تھی۔ باوجود فی کس چار آنے (۴؍) ٹکٹ کے وصول کر لینے کے سامعین کے واسطے بیٹھنے کے لئے کوئی عمدہ جگہ نہ تھی۔ سب لوگ جوتیوں سمیت فرش پر ایک دوسرے کے ساتھ بھنچے اور دبے بیٹھے رہتے تھے۔

پہلا دن ۲۔ دسمبر کو پہلی تقریر ایک سناتن دھرم پنڈت کی تھی جن کا نام متھرا پوری تھا۔ پنڈت صاحب نے اثنائے تقریر میں دیانند جی کی خبر لینی شروع کی تو آریوں نے بُری طرح ہنسنا اور کھانسنا شروع کیا اور شور وغل مچا دیا۔ اور جب پنڈت صاحب کا وقت اسی شور وغل کی حالت میں ختم ہو گیا تو باوجود اُن کے اصرار کے باقی کے دو صفحے اُنہیں پڑھنے نہ دیئے۔

اُن کے بعد دو پادریوں نے عیسائی مذہب پر ایک ایک گھنٹہ تقریر کی۔ اور مزہ یہ کہ دونو ایک دوسرے کی تردید کر گئے۔ پادری علی بخش صاحب تو نئے زمانہ کی تنقید سے متاثر تھے وہ کچھ اور کہہ گئے۔ مگر پادری ٹھاکر داس صاحب کوئی پُرانے سناتنی پادری تھے وہ پُرانی عیسائیت پیش کرتے رہے۔ مگر دونو صاحبوں نے نہایت تہذیب سے اپنا لیکچر ختم کیا +

دوسرا دن دوسرے روز یعنی ۳۔ دسمبر کو حضرت اقدس کا لیکچر ہونے والا تھا اس لئے احمدی جماعت کے لوگ نہایت کثرت سے لاہور اور دیگر مقامات سے جلسہ پر آپہنچے۔ اور قادیان سے تو بہت سے احباب ایک باقاعدہ وفد کی صورت میں بسر کردگی مولانا نور الدین صاحب اس جلسہ میں شامل ہوئے۔ پہلی تقریر ایک برہمو صاحب پرکاش دیو جی کی ہوئی جو ایک گھنٹہ میں ختم ہوئی +

حضرت اقدس کی تقریر اس کے بعد مسلمانوں کی طرف سے حضرت اقدس کی تقریر شروع ہوئی جس کو پہلے حضرت مولانا نور الدین صاحب نے تھوڑا سا پڑھا اور اس کے بعد ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ختم کیا۔ اس مضمون پر دو گھنٹے سے کوئی پندرہ منٹ زائد خرچ ہوئے۔ جس پر بعض آریہ تلملاتے رہے لیکن سامعین کے لحاظ سے اُن کو خاموش رہنا پڑا۔ یہ مضمون کتاب چشمۂ معرفت کے ساتھ شائع شدہ موجود ہے اور اپنے اندر نہایت صلح اور سلامتی کا پیغام رکھتا ہے جس کا دل چاہے دیکھ لے۔ اس لیکچر کے شروع ہی میں آپ نے آریوں کو پیغام صلح دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا سچ ہے۔ الہام سچ ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم میں ملہم اور پیغمبران الٰہی ہوئے ہیں۔ کرشن اور رام چندر انبیاء ہند تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے کامل نبی تھے۔ آریوں سے ہماری صلح اس طرح ہو سکتی ہے کہ جیسا کہ ہم نے اُن کے بزرگوں کو مقدس اور پیغمبر مان لیا ہے اور اُن کی عزت کرتے ہیں وہ بھی ہمارے بزرگ انبیا بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی مقدس اور نبی مان لیں تا جس اتحاد اور صلح کے لئے ہم نے قدم اُٹھایا ہے اس میں وہ بھی شریک ہو کر اس تفرقہ کو دُور کریں جو ملک کو کھاتا جاتا ہے۔ ہم اُن سے کوئی ایسا مطالبہ نہیں کرتے جس سے ہم نے پہلے خود حصّہ نہ لیا ہو۔ سچّی صلح اور کینوں کے دُور کرنے

کے لئے صرف اس قدر کافی ہے کہ جیسا کہ ہم آپ کے بزرگ اوتاروں اور رشیوں کو صادق مانتے ہیں اسی طرح آپ بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق مان لیں اور اس اقرار کا آپ ہماری طرح اعلان بھی کر دیں۔ اس کے بعد آپ نے اسلامی جہاد پر روشنی ڈالی ہے۔ اس تمہید کے بعد آپ نے اصل مضمون کہ "الہامی کتاب کونسی ہو سکتی ہے" گویا کہ علم اور حکمت کا دریا بہایا ہے۔ اس میں آپ نے بتایا ہے کہ خدا کے کلام کیلئے یہ ضروری امر ہے کہ وہ انسانی کلام سے صریح ما بہ الامتیاز رکھتا ہو۔ کسی کتاب کا صرف پرانا ہونا اس کے الہامی ہونیکا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ کسی کتاب کے الہامی ہونیکا مقدمہ اگر کسی عدالت میں پیش ہوگا تو اُسی کتاب کے حق میں ڈگری ملے گی جو انسانی کلام کے مقابل پر کوئی ما بہ الامتیاز پیش کرے گی اور وہ امتیازی نشان اب صرف قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔ گو ممکن ہے کہ یہ خوبیاں دیگر کتب میں پہلے زمانہ میں ہوں لیکن وہ موجودہ حالت کے لحاظ سے اُس شاہی قلعہ کی طرح ہیں جو خالی اور ویران پڑا ہے۔ اور دولت اور فوجی طاقت سب اس میں سے کوچ کر گئی ہے۔ اس کے بعد آپ نے قرآن شریف کی امتیازی خوبیاں بڑی تفصیل سے بیان کی ہیں۔ جن میں سے بعض کی تشریحیاں یہ تھیں:۔

(۱) قرآن شریف کی کامل پیروی سے انسان خدا سے ہمکلام ہو جاتا ہے۔ اس ذیل میں آپ نے یہ بھی بتایا کہ مَیں ان قرآنی برکات کو صرف قصّہ کے رنگ میں پیش نہیں کرتا بلکہ وہ معجزات بھی پیش کرتا ہوں جو اس کی پیروی سے میرے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں اس کے بعد ان آسمانی نشانات کا بطور نمونہ ذکر کیا جو آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے تھے۔

(۲) قرآن شریف خود معجزات سے بھرا ہوُا ہے۔ اس میں بڑی بڑی علمی اور اقتداری پیشگوئیاں اور نشانات سماوی موجود ہیں جن میں سے کچھ بطور نمونہ آپ نے اس لیکچر میں ذکر بھی کر دیئے تھے۔

(۳) قرآن شریف کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے اپنے عالم اور قادر ہونے کا زندہ ثبوت دیا ہے اسی لئے قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت اور تصرف اور اثر کا مقابلہ نہ کسی سے ہو سکا اور نہ ہو سکتا ہے۔

(۴) علاوہ قرآن شریف کی بے مثل فصاحت و بلاغت کے اس کی وہ کامل و مکمل تعلیم ہے جو انسانی فطرت اور انسانی مصالح کے سراسر مطابق ہے۔ اس دعوے کو آپ نے دلائل سے ثابت بھی کر کے دکھایا تھا۔

(۵) قرآن شریف نے نجات کی حقیقی راہ بتلائی ہے۔ کسی انسان کو اسی وقت نجات یافتہ کہہ سکتے ہیں

کہ جب اسکے تمام جذبات نفسانی جل جاویں اور اس کی رضا خدا کی رضا ہو جاوے اور وہ خدا کی محبت میں ایسا محو ہو جائے کہ اسکا کچھ بھی نہ رہے سب خدا کا ہو جائے اور تمام قول اور فعل اور ارادے اور حرکات اور سکنات اس کے خدا کیلئے ہو جاویں۔ اس راہ کو آج صرف قرآن شریف دکھاتا اور اس پر چلاتا اور منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔ اس دعوے کو بھی آپ نے دلائل سے ثابت کر کے دکھایا تھا۔

لیکچر نہایت تہذیب اور متانت کے ساتھ اصل موضوع پر لکھا گیا تھا اور قطعاً کسی قسم کا کوئی دلآزار لفظ اُس میں نہ تھا۔ بلکہ آریوں کو صلح کا پیغام دیا گیا تھا جیسا کہ میں ابتدا میں ذکر کر آیا ہوں +

تیسرا دن اور آریہ کی بدزبانی اس کے بعد تیسرے دن صرف آریوں کی طرف سے مضمون تھا کیونکہ سکھ صاحبان نے اپنا پسند نہ کیا تھا۔ آریوں کے لیکچرار ڈاکٹر چرنجیو تھے۔ اس شخص نے جس بدتہذیبی اور دلآزاری سے کام لیا وہ درحقیقت آریہ سماج کی تاریخ میں ایک سیاہ داغ ہے کہ مسلمانوں کو گھر بلا کر گالیاں دیں۔ حضرت اقدس مرزا صاحب نے صلح کا جو پیغام دیا تھا کہ ہم تمہارے بزرگوں کو نیک اور ولی اور صادق مانتے ہیں ایسا ہی تم بھی ہمارے بزرگوں کو نیک اور صادق مان لو اور اُن کی ہتک کر کے ہمارا دل نہ دکھاؤ۔ اس پیغام کے جواب میں آریہ صاحب نے خدا کے ان برگزیدہ نبیوں کے حق میں جن کا ذکر بائیبل اور قرآن شریف میں ہے ناپاک گالیاں سُنائیں۔ اور بیچارے مسلمانوں کے دلوں کو اپنی تیز زبانی کی چھُری سے ایسا زخمی کیا کہ اگر مسلمان حد درجہ کے صبر سے کام نہ لیتے تو کشت و خون کی نوبت آجاتی۔ بعد میں آریوں کے پریزیڈنٹ روشن لعل صاحب بیرسٹر نے معذرت کی کہ یہ لیکچر ہم نے پہلے سے دیکھا نہ تھا مگر یہ معذرت بدتر از گناہ تھی۔ وہ لیکچر کے دوران میں بھی لیکچرار کو روک سکتے تھے۔ لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ ویدوں کے الہامی ہونے کے بارے میں قطعاً کوئی دلیل نہیں دی سوائے اس کے کہ پرانے ہیں اور جیسی یہ لغو دلیل ہے سو ظاہر ہے لیکن مسلمانوں کے پیغمبر کو گالیاں جی بھر کے دیں۔ حالانکہ حضرت اقدس کے لیکچر میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ۲۴ گھنٹے پیشتر یہ سُن چکے تھے کہ:۔

"رجوع خلائق اور قبولیت کا یہ عالم ہے کہ آج کم سے کم بیس کروڑ ہر طبقہ کے مسلمان آپؐ کی غلامی میں کمربستہ کھڑے ہیں اور جب سے خدا نے آپؐ کو پیدا کیا ہے بڑے بڑے زبردست بادشاہ جو ایک دنیا کو فتح کرنیوالے تھے آپؐ کے قدموں پر ادنیٰ غلاموں کی طرح گرے رہے ہیں اور اس وقت کے اسلامی بادشاہ بھی ذلیل چاکروں کی طرح آنجنابؐ کی خدمت میں اپنے تئیں

سمجھتے ہیں اور نام لینے پر تخت سے اُتر آتے ہیں۔"

اور ایسا ہی اُنہوں نے اس لیکچر میں صاف طور پر سُنا تھا کہ:۔

خاصکر ہمارے مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ آریہ لوگ گندی گالیاں دیتے ہیں۔ وہ صرف زبان سے تو صلح صلح کرتے ہیں مگر اسی زبان کو تلوار کی طرح کھینچ کر ہمارے اس پیارے نبیؐ پر چلاتے ہیں جس کے قدموں کے نیچے ہماری جانیں ہیں۔"

ایسا ہی اُن کو حضرت اقدس نے اپنے لیکچر میں کھول کر بتا دیا تھا کہ:۔

"ہم اس اصول کو اپنے ہاتھ میں لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ لوگ گواہ رہیں جو ہم نے مذکورہ بالا طریق کے ساتھ آپ کے بزرگوں کو مان لیا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے تھے اور آپ کی صلح پسند طبیعت سے ہم اُمیدوار ہیں کہ آپ بھی ایسا ہی مان لیں اور اگر اس طریق سے صلح نہ ہوئی تو آپ یاد رکھیں کہ کبھی صلح نہ ہوگی بلکہ روز بہ روز کینے بڑھتے جاویں گے۔ مسلمان وہ قوم ہے جو اپنے نبی کریم صلعم کیلئے جان دیتے ہیں اور اس بےعزتی سے مرنا بہتر سمجھتے ہیں کہ ایسے شخصوں سے دلی صفائی کرنے سے اور اُن کے دوست بن جانے سے جن کا کام دن رات یہ ہے کہ وہ اُن کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں اور اپنے رسالوں اور کتابوں اور اشتہاروں میں نہایت توہین سے آپ کا نام لیتے ہیں اور نہایت گندے الفاظ سے آپ کو یاد کرتے ہیں۔ آپ لوگ یاد رکھیں کہ ایسے لوگ قوم کے بھی خیرخواہ نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ اُن کی راہ میں کانٹے بوتے ہیں۔ اور مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر ہم جنگل کے سانپوں اور بیابان کے درندوں سے صلح کرلیں تو یہ ممکن ہے۔ مگر ایسے لوگوں سے صلح نہیں کرسکتے جو خدا کے پاک نبیوں کی شان میں بدگوئی سے باز نہیں آتے۔"

ان تمام باتوں کے سُن لینے کے بعد آریہ سماج کے لیڈروں کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ اس قابلِ شرم حرکت سے باز رہتے جو اُن سے سرزد ہوئی۔ لیکن خلاف اس کے اُنہوں نے مسلمانوں کو اشتعال دلانے اور بھڑکانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ اس قسم کی دلآزاری اور بدتہذیبی اور اشتعال انگیزی اور پھر گھر میں بطور مہمان بلا کر ان امور کا مرتکب ہونا کسی بھی مذہب اور سوسائٹی کے اخلاق گوارا نہیں کرسکتے۔ مگر دھرم کے نام پر یہ سبھی کچھ ہوا۔

آریوں کے اس فعل سے حضرت اقدس کو صدمہ

قادیان سے آیا ہوا احمدی وفد جب واپس قادیان پہنچا اور حضرت اقدس کی خدمت میں یہ تمام ماجرا عرض کیا تو آپ کے رنج و غم کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔

آپ بہت دیر تک جوش میں تقریر فرماتے رہے اور اگرچہ اس امر کو نظر تحسین سے دیکھا کہ ایسے موقعہ پر جماعت کے افراد نے نہایت صبر سے کام لیا۔ لیکن اس بات پر نہایت ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ تمہاری غیرت نے کیسے گوارا کیا کہ آنحضرت صلعم کی شان میں وہ لوگ بے ادبی کرتے رہے اور تم لوگ چپ بیٹھے سنا کئے۔ کیوں نہیں اُٹھ کر چلے آئے۔ ایک مومن کی غیرت اسے کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ کوئی آنحضرت صلعم کی شان میں گستاخی کرے اور وہ چپ بیٹھا سنتا رہے۔ اگر وہ اسے روک نہیں سکتا تو اس جگہ سے چلا آئے۔ تمہیں چاہئے تھا کہ سب کے سب بطور احتجاج وہاں سے اُٹھ کر چلے آتے۔ غرضنکہ آپ نے بہت اظہار ناراضگی فرمایا۔ یہاں تک کہ مولوی نورالدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مَیں کئی روز شرم کے مارے حضرت صاحب کے سامنے جانے سے گریز کرتا رہا اور آنکھ نہیں ملا سکا۔

کتاب چشمۂ معرفت حضرت اقدس کا سب سے بڑا حربہ قلم تھا۔ آپ نے فوراً ایک کتاب ان اعتراضات کے رد میں جو آریہ سماج نے اس موقعہ پر کئے تھے اور خود آریہ مذہب کی تردید میں بھی لکھنی شروع کر دی جو ۱۵ ۔ مئی ۱۹۰۸ء کو شائع ہوئی۔ آپ نے اس کتاب کا نام چشمۂ معرفت رکھا۔ اس کتاب میں آپ نے اس کتاب کی وجہ تصنیف خود بھی بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔

"آریہ سماج لاہور کا جلسہ ہم ۔ دسمبر ۱۹۰۷ء کے بعد جو رات تھی اس میں ختم ہو گیا۔ جو لوگ ہمارے مضمون کے پڑھے جانے کے وقت حاضر تھے ان کو معلوم ہوگا کہ کس تہذیب اور نرمی اور صلحکاری کا وہ مضمون تھا۔ اور کس ادب سے ہم نے اُن کے رشیوں اور اوتاروں اور اُن لوگوں کے نام لئے جن کی طرف وید منسوب کئے جاتے ہیں۔ اور جو ان کی قوم کے پیشوا اور رہبر خیال کئے جاتے ہیں۔ لیکن بقول شخصیکہ ہر ایک برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اُس کے اندر ہے۔ آریہ صاحبوں نے اپنے مضمون میں وہ گند ظاہر کیا اور اس قدر توہین اور تحقیر انبیاء علیہم السلام کی کی جو اس سے بڑھ کر متصوّر نہیں ہو سکتی۔ بالخصوص ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت وہ دلآزار اور گندے لفظ اور توہین اور تحقیر کے کلمے اور سراسر دروغ اور جھوٹی تہمتیں اور بیجا الزام جو سراسر گالیاں تھیں۔ اس قدر بار بار آواز بلند سے تمام مجمع کو سُنائیں جو تین ہزار آدمی سے کم نہ تھا اور ایسے طور سے سمجھا سمجھا کر اپنے ناپاک اور فتنہ انگیز بیان کو ادا کیا کہ اگر پاک طبع مسلمانوں کو اپنی تہذیب کا خیال نہ ہوتا اور بموجب قرآنی تعلیم کے صبر کے پابند نہ رہتے اور اپنے غصہ کو تھام نہ لیتے تو بلاشبہ یہ بدنیت لوگ ایسی اشتعال دہی کے مرتکب ہوئے تھے کہ قریب تھا کہ وہ جلسہ کا میدان خون سے بھر جاتا۔ مگر ہماری جماعت پر

ہزار آفرین ہے کہ انہوں نے بہت عمدہ نمونہ صبر اور برداشت کا دکھایا اور وہ کلمات آریوں کے جو گولی مارنے سے بدتر تھے اُن کو سُن کر چُپ کے چُپ رہ گئے۔ دراصل ہماری جماعت نے جو اُن کی دعوت جلسہ کو قبول کیا تو وہ اپنی سادگی اور نیک ظنی سے اُن کے دھوکہ میں آگئی۔ پیچھے سے پتہ لگ گیا کہ اُن کا اس جلسہ میں بلانے سے اور ہی ارادہ تھا۔ پر اِن مہذب لوگوں کے صبر اور برداشت نے اس بدارادہ کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اگر آریہ لوگ بغیر انعقاد جلسہ کے اپنے طور سے کوئی کتاب لکھتے اور یہ گالیاں اس کتاب میں چھاپتے جیسا کہ سفلہ طبع لیکھرام نے اسی کام میں اپنی عمر گزاری جب تک کہ اُس کی زبان کی چھُری نے اس دنیا سے اُس کو اُٹھا لیا تو یہ صورت اور تھی لیکن ان لوگوں نے تو اپنے جلسہ میں مہمان کے طور پر ہمیں مدعو کیا اور میری طرف چھ یا سات انکساری کے خط لکھے اور منافقانہ طور پر عجز و نیاز ظاہر کر کے یہ چاہا کہ ہم اس جلسہ میں شریک ہوں اور وعدہ کیا کہ کوئی بے تہذیبی نہیں ہوگی۔ اور ہر ایک کے لئے مہذبانہ طرز کو شرط ٹھہرا دیا۔ اور مجھے ترغیب دی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے آپ کی جماعت سُننے کے لئے آوے۔ مَیں اُن خطوں کے پڑھنے سے جو سراسر نرمی سے لکھے گئے تھے بہت خوش ہُوا اور دل میں خیال کیا کہ اگرچہ آریہ صاحبوں کی حالت جس قدر آج تک تجربہ میں آچکی ہے۔ وہ یہی ہے کہ بجز اپنے وید اور اس کے چار رشیوں کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام کو نہایت سخت گالیاں دیتے اور طرح طرح کی توہین کرتے ہیں اور اس طرح پر کروڑ ہا مسلمانوں کے دل دکھاتے ہیں۔ لیکن کیا تعجب کہ اب ایک تازہ تنبیہ کی وجہ سے جو ان کی بعض افراد کی شوخیوں کی نسبت ضرورتاً گورنمنٹ کی طرف سے عمل میں آئی ہے اُن کے دل کسی قدر درست ہو گئے ہوں.....

..... مگر پیچھے سے معلوم ہُوا کہ یہ خیال ہمارا سراسر غلط تھا۔ اور خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں کی نسبت ان کی بدزبانی اب پہلے سے بھی بہت بڑھ کر ہے۔ کیونکہ پہلے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ کسی جلسۂ مذاہب میں جو اپنی طرف سے انہوں نے قائم کیا ہو مسلمانوں کو مدعو کیا ہو اور پھر عین جلسہ کے وقت میں اُن کے بزرگ اور برگزیدہ پیغمبروں کو گالیاں دی ہوں۔ پس یہ پہلا موقعہ ہے جس میں آریوں نے ہمیں بلا کر اور اس مجمع میں پانسوؔ سے زیادہ مسلمان اکٹھے کر کے پھر گندی گالیوں کے ساتھ اُن کا دل دُکھایا۔ یہ وہ واقعہ ہے جس کو وہ کسی طرح پوشیدہ نہیں کر سکتے۔"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"یہ ہے آریہ صاحبوں کی توحید اور وید کی ستّ ودّیا۔ جو شخص ہمارے مضمون کو پڑھے گا جو

آریوں کے جلسہ میں ۳- دسمبر ۱۹۰۷ء کی رات میں سنایا گیا اور پھر بمقابل اس کے اُن کے اس مضمون کو دیکھیے گا جو اُنہوں نے ۴- دسمبر ۱۹۰۷ء کی رات کو پڑھا تو اُس پر واضح ہو جائیگا کہ نیکی کرنیوالوں کے ساتھ اگر دنیا میں کوئی بدی کرنے والی قوم ہے تو یہی قوم ہے"

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں :-

"اور یاد رہے کہ آریہ صاحبوں نے جو ہمارے مضمون سے اپنے مضمون کا پڑھنا آخری دن پر رکھا تو اُن کی غرض یہ تھی کہ تا اپنے مضمون میں جہاں تک بس چل سکے ہماری کسی بات کا رد لکھ دیں۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے مضمون میں ایسا کرنا چاہا مگر پھر بھی اپنی پردہ دری کرائی۔ اگر وہ بے جا حملہ نہ کرتے تو ہمیں کچھ ضرورت نہ تھا کہ ہم اُن کے اس غلط بیان کا پردہ کھولتے جو اُنہوں نے وید کی اعلیٰ تعلیم ہونے کے بارے میں پیش کیا ہے۔ مگر اب ہمیں اُن کے جھوٹ کا پردہ کھولنے کے لئے پبلک کے آگے اس بات کو ظاہر کرنا پڑا کہ اُن کا بیان وید کی تعلیم کی نسبت کہاں تک صحیح اور راست ہے اور بعد اس کے ہم اُن حملوں کا جواب دیں گے جو نادان معترض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف اور اسلام پر کئے ہیں۔ سو ہم اپنی تحریر کو دو حصّوں پر منقسم کرتے ہیں"

چنانچہ آپ نے اپنی اس کتاب چشمۂ معرفت کے دو حصّے کئے ہیں :-

(۱) "حصّہ اوّل اُس بیان دروغ کے رد میں جو وید کی حمایت میں اور اُس کی خوبیوں کے اظہار کی غرض سے کیا گیا ہے"

اس حصّہ میں حضرت اقدس نے ویدوں کی دیانندی تعلیم یعنی مادہ اور روح کے ازلی ابدی ہونے اور نیوگ اور تناسخ وغیرہ کو خوب طرح رد کیا ہے اور قرآن کے مقابلہ میں لاکر ویدوں کی تعلیم کے باطل ہونے کو نہایت بیّن دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ کبھی اس ملک میں وید کے ذریعہ سے توحید نہیں پھیلی۔ وید اگر کھلے کھلے الفاظ میں توحید کی تعلیم دیتا تو اس ملک میں اس قدر شرک اور بت پرستی کا زور نہ ہوتا۔ اور بُت پرستی قومی مذہب نہ ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جو جتنا بڑا پنڈت ہوتا ہے اور وید کا علم رکھتا ہے اُتنا ہی وہ زیادہ بُت پرست ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"پھر ہم اصل مدعا کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ یہ بات فی الواقع صحیح اور درست ہے کہ ابتدائے آفرینش میں بھی ایک الہامی کتاب نوع انسان کو ملی تھی مگر وہ وید ہرگز نہیں ہے۔ اور موجودہ وید کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اُس پاک ذات کی توہین ہے۔

اس جگہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ابتدائے زمانہ میں صرف ایک الہامی کتاب انسانوں کو کیوں دی گئی۔ ہر ایک قوم کے لئے جُدا جُدا کتابیں کیوں نہ دی گئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدائے زمانہ میں انسان تھوڑے تھے اور اس تعداد سے بھی کمتر تھے جو اُن کو ایک قوم کہا جائے اس لئے اُن کے لئے صرف ایک کتاب کافی تھی۔ پھر بعد اس کے جب دنیا میں انسان پھیل گئے اور ہر ایک حصۂ زمین کے باشندوں کی ایک ایک قوم بن گئی اور بباعث دور دراز مسافتوں کے ایک قوم دوسری قوم کے حالات سے بالکل بیخبر ہو گئی۔ ایسے زمانوں میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نے تقاضا فرمایا کہ ہر ایک قوم کیلئے جدا جدا رسول اور الہامی کتابیں دی جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور پھر جب نوع انسان نے دنیا کی آبادی میں ترقی کی اور ملاقات کے لئے راہ کُھل گئی اور ایک ملک کے لوگوں کو دوسرے ملک کے لوگوں کے ساتھ ملاقات کرنے کیلئے سامان میسر آ گئے اور اس بات کا علم ہو گیا کہ فلاں فلاں حصۂ زمین پر نوع انسان رہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ ان سب کو پھر دوبارہ ایک قوم کی طرح بنا دیا جائے اور بعد تفرقہ کے پھر اُن کو جمع کیا جاوے تب خدا نے تمام ملکوں کے لئے ایک کتاب بھیجی۔ اور اس کتاب میں حکم فرمایا کہ جس جس زمانہ میں یہ کتاب مختلف ممالک میں پہنچے اُن کا فرض ہوگا کہ اس کو قبول کر لیں۔ اور اس پر ایمان لاویں۔ اور وہ کتاب قرآن شریف ہے جو تمام ملکوں کا باہمی رشتہ قائم کرنے کیلئے آئی ہے۔ قرآن سے پہلے سب کتابیں مختص القوم کہلاتی تھیں یعنی صرف ایک قوم کے لئے ہی آتی تھیں۔ چنانچہ شامی۔ فارسی۔ ہندی۔ چینی۔ مصری۔ رومی یہ سب قومیں تھیں جن کے لئے جو کتابیں یا رسول آئے وہ صرف اپنی قوم تک محدود تھے۔ دوسری قوم سے ان کو کچھ تعلق اور واسطہ نہ تھا۔ مگر سب کے بعد قرآن شریف آیا جو ایک عالمگیر کتاب ہے۔ اور کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ تمام قوموں کے لئے ہے۔"

اس کے بعد قرآن کریم کے عالمگیر کتاب ہونے کو خوب واضح فرمایا ہے اور ویدوں کا اچھی طرح پول کھولا ہے اور ان کی غلط تعلیمات کا بڑا زبردست رد کیا ہے۔

(۲) "دوسرا حصہ اُن حملوں کے رد میں جو آریہ مضمون پڑھنے والے نے قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے ہیں۔"

اس حصۂ کتاب میں اُن اعتراضات کا رد ہے جو اس آریہ مضمون پڑھنے والے نے قرآن شریف

اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم پر کئے تھے۔ جو لوگ حضرت اقدس کے زورِ قلم سے واقف ہیں وہ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ کس قدر حقائق و معارف کا دریا اس کتاب میں بہا ہوگا۔ سچ پوچھو تو یہ اعتراضات بہت سے حقائق و معارف کے خزانوں کے باہر نکل پڑنے کا موجب ہو گئے۔ حضرت اقدس اور مولانا نور الدین صاحب ہمیشہ یہی فرمایا کرتے تھے کہ دشمن قرآن کریم پر جہاں اعتراض کرتا ہے وہیں حقائق و معارف کے خزانے دبے پڑے ہوتے ہیں جو اس اعتراض کے ذریعے باہر نکلتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی چمک اور زیادہ ہویدا ہو جاتی ہے۔

(۳) اس کتاب کے دو حصّے لکھنے کے بعد آپ نے ایک تیسرا حصّہ اور ایزاد فرمایا ہے۔ جو اس بارے میں ہے کہ "اسلام میں معمولی مذاہب سے زیادہ کیا بات ہے؟"

گویا اس میں اسلام کی اُن خصوصیات کا ذکر ہے جو دوسرے مذاہب میں نہیں پائی جاتیں۔ اُن میں سے ایک خصوصیت کے بارے میں آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"لیکن یہ عجیب خدا کی قدرت ہے کہ باوجودیکہ ہمارے اس زمانہ میں ہزارہا مذاہب پھیل رہے ہیں مگر بجز اسلام کے ہر ایک مذہب صرف اپنی خشک منطق سے خدا کو ثابت کرنا چاہتا ہے۔ یہ نہیں کہ خدا اس مذہب کے پیروؤں پر اپنا چہرہ آپ ظاہر کرے۔ پس دوسرے مذاہب والے گویا اپنے خدا پر احسان کر رہے ہیں کہ اُس کے گم گشتہ وجود کا محض اپنے زور بازو سے پتہ لگانا چاہتے تھے۔ مگر طالب حق ایسے پرمیشر یا خدا سے تسلی نہیں پا سکتا جس پر اس قدر کمزوری اور ناتوانی غالب ہے کہ ایک بیجان چیز کی طرح اپنے ظہور اور بروز میں دوسرے کے ہاتھ کا محتاج ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک خدا اپنے وجود کا آپ پتہ نہ دے اور اپنی انا الموجود کی آواز سے اپنی ہستی کو آپ ظاہر نہ کرے تب تک انسان کا صرف اپنا یک طرفہ خیال کہ خدا موجود ہے کب کسی دل کو پورے یقین تک پہنچا سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تمام اعمال حسنہ کی بنیاد یقین ہے اور یقین ہی کے پاک چشمہ سے نیک اعمال نشو و نما پاتے ہیں۔ خدا کا وجود ایسا عمیق در عمیق اور نہاں در نہاں ہے کہ بجز خدا کے ہی ہاتھ کے جلوہ نما نہیں ہو سکتا۔ اور خدا کی سچی اطاعت اور صدق اور خالص محبت اور وفاداری کا سبق وہی کتاب دے سکتی ہے جس کے آئینہ میں سے خدا خود اپنا چہرہ نمودار کرتا ہے .... پس گناہ سے محفوظ رہنے اور صدق اور وفاداری اور محبت میں ترقی کرنے کے لئے جس امر کو تلاش کرنا چاہئے

وہ محض اسلام میں موجود ہے نہ کسی اور مذہب میں۔ اور اس سے میری مراد وہ نشان ہیں جو تازہ بتازہ اسلام میں ہمیشہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔"

پھر اس کے بعد آپ نے بعض اُن نشانات سماوی کا ذکر کیا ہے جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔ اور بعض اُن نشانات کا ذکر کیا ہے جو قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے خود آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-

"لیکن یہ سب کچھ جو ظہور میں آیا یہ اس لئے ظہور میں نہیں آیا کہ اصل مقصود میری عظمت ظاہر کرنا تھا بلکہ اس لئے ظہور میں آیا کہ تا خدا تعالیٰ دین اسلام کی حجّت دنیا پر قائم کرے۔"

سکھوں پر اتمام حجّت

اسی کتاب میں آپ نے پوتھی صاحب کا بھی ذکر کر کے سکھوں پر اتمام حجّت کیا ہے۔ جو گرو ہر سہائے کے مقام پر بابا گرونانک صاحب کا تبرک چلا آتا ہے اور جسے حضرت اقدس مرزا صاحب کے بھیجے ہوئے وفد نے جب کھول کر دیکھا تو وہ قرآن شریف نکلا۔ میں اس کا ذکر اس سے قبل اسی کتاب کے حصّہ اوّل میں مفصل کر آیا ہوں اس لئے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

استجابت دعا میں مقابلہ کیلئے اعلان

اسی کتاب کے ساتھ حضرت اقدس نے ایک اعلان ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء کو شائع فرمایا جس کا عنوان رکھا ہے۔ "ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔ کہ اے ہمارے خدا ہم میں اور ہماری قوم میں سچّا فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔" اس اشتہار میں مختصراً آپ نے اپنی صداقت پر کچھ دلائل دیکر پھر ایک اور طریق فیصلہ کا پیش کر کے تمام علما اور سجّادہ نشینوں کو مقابل پر آنے کی دعوت دی ہے اور وہ یہ ہے:

"لیکن آج ۱۵۔ مئی ۱۹۰۸ء کو میرے دل میں ایک خیال آیا ہے کہ ایک اور طریق فیصلہ کا ہے شاید کوئی خدا ترس اس سے فائدہ اُٹھاوے اور انکار کے خطرناک گرداب سے نکل آوے اور وہ طریق یہ ہے کہ میرے مخالف منکروں میں سے جو شخص اشد مخالف ہو اور مجھ کو کافر وکذاب سمجھتا ہو وہ کم سے کم دس نامی مولوی صاحبوں یا دس نامی رئیسوں کی طرف سے منتخب ہو کر اس طور سے مجھ سے مقابلہ کرے جو دو سخت بیماروں پر ہم دونو اپنے صدق وکذب کی آزمائش کریں۔ یعنی اس طرح پر کہ دو خطرناک بیمار لیکر جو جدا جدا بیماری کی قسم میں مبتلا ہوں قرعہ اندازی کے ذریعہ سے دونو بیماروں کو اپنی اپنی دعا کے لئے تقسیم کر لیں۔ پھر جس فریق کا بیمار بکلّی اچھا ہو جاوے یا دوسرے

بیمار کے مقابل پر اس کی عمر زیادہ کی جائے وہی فریق سچا سمجھا جاوے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اور میں پہلے سے اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر بھروسہ کرکے یہ خبر دیتا ہوں کہ جو بیمار میرے حصہ میں آوے گا یا تو خدا اُس کو بکلی صحت دیگا یا بہ نسبت دوسرے بیمار کے اُس کی عمر بڑھا دے گا۔ اور یہی امر میری سچائی کا گواہ ہوگا...... لیکن یہ شرط ہوگی کہ فریق مخالف جو میرے مقابل پر کھڑا ہوگا وہ خود اور ایسا ہی دس اور مولوی یا دس رئیس جو اس کے ہم عقیدہ ہوں یہ شائع کر دیں کہ درحالت میرے غلبہ کے وہ میرے پر ایمان لائینگے اور میری جماعت میں داخل ہوں گے اور یہ اقرار تین نامی اخباروں میں شائع کرانا ہوگا۔ ایسا ہی میری طرف سے بھی یہی شرائط ہوں گی......"

استجابت دعا کے اس اعلان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپکو خدا کے مدبر بالارادہ ہونے اور اسکے وعدوں اور اپنی صداقت اور استجابت دعا پر کس قدر یقین تھا۔ اس اعلان کے جواب میں بھی کوئی مولوی مقابل پر نہ آیا۔ اور اس مقابلہ پر کیا موقوف ہے۔ اس سے قبل اپنی صداقت کے پرکھنے کے لئے آپ نے طرح طرح سے چیلنج دیئے لیکن کبھی بھی کوئی صدق نیت سے مقابلہ پر نہ آیا۔ دور بیٹھے باتیں ہی بناتے رہے۔

فنانشل کمشنر پنجاب کا قادیان میں ورود

مدرسہ کیلئے زمین خرید کی گئی

سلسلہ احمدیہ کی بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں اور ضرورتوں میں سے ایک مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان بھی تھا۔ جو ہائی اسکول تھا اور ایک نہایت معمولی کچی عمارت میں قصبہ کے اندر تھا۔ تجویز ہوئی کہ اس کے لئے ایک وسیع بورڈنگ ہوس اور اسکول کی عمارت تعمیر کی جائے۔ چنانچہ اس کے لئے جماعت کے چندہ سے ایک وسیع قطعہ زمین کا قادیان کے شمال میں خرید کیا گیا۔ اس پر اسکول اور بورڈنگ ہاؤس کی عمارت بنانے کے لئے ١٩٠٦ء اور ١٩٠٧ء کے جلسہ سالانہ پر دوستوں کو چندہ کے لئے تحریک کی گئی اور ١٩٠٨ء میں تو مولوی محمد علی صاحب نے جو صدر انجمن احمدیہ قادیان کے سکرٹری تھے اس تحریک کو بڑی زور سے اُٹھایا۔ اور عمارت کے لئے چندہ جمع کرنے کا کام شروع کر دیا۔

پنجاب کے فنانشل کمشنر کا قادیان میں ورود

ابھی مدرسہ کی زمین صاف پڑی ہوئی تھی جو مسٹر ولسن فنانشل کمشنر پنجاب نے دورہ کرتے ہوئے قادیان آنے کا اعلان کیا۔ چونکہ صاحب بہادر نے حضرت اقدس اور آپ کی جماعت کی مہمانی قبول کر لی تھی اس لئے مدرسہ کیلئے خرید کردہ زمین کو معزز مہمان کے

خیموں اور ڈیروں کے واسطے صاف اور درست کیا گیا۔ اور ایک دروازہ بھی بنایا گیا جس پر ویلکم (خوش آمدید) لکھا تھا اور اس کے باہر ایک چبوترہ بھی بنوایا گیا جس پر جماعت کے معززاراکین صاحب بہادر کے استقبال کیلئے بیٹھے تھے۔ چنانچہ ۲۱۔ مارچ ۱۹۰۸ء کو شنبہ کے دن صبح گیارہ بجے کے قریب ولسن صاحب فنانشل کمشنر بہمراہی کنگ صاحب ڈپٹی کمشنر گورداسپور اور صاحب مہتمم بندوبست اور پرائیویٹ سکرٹری قادیان پہنچے۔ خواجہ کمال الدین صاحب اور میاں محمود احمد صاحب اور خواجہ جمال الدین صاحب گھوڑوں پر سوار ہو کر ایک میل قادیان سے باہر پیشوائی کو گئے۔ وہاں سے صاحب بہادر کے ساتھ کیمپ میں آئے تو یہاں جماعت کے معززافراد جن میں سے بہت سے دوست باہر سے آئے ہوئے تھے (ان میں خاکسار مؤلف بھی تھا) دروازہ پر استقبال کے لئے موجود تھے۔ مولوی محمد علی صاحب سکرٹری صدر انجمن سے صاحب بہادر نے ہاتھ ملایا اور مولوی محمد علی صاحب نے صاحب بہادر کا تمام دوستوں سے تعارف کرایا۔ رات کا کھانا حضرت اقدس اور جماعت کی طرف سے صاحب بہادر منظور کر چکے تھے۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ اگر حضرت مرزا صاحب کو تکلیف نہ ہو تو اُن کی ملاقات سے مجھے بہت خوشی ہو گی۔ چنانچہ حضرت اقدس سے یہ ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ چونکہ صاحب بہادر ہمارے مہمان ہیں ہم خود بعد از نماز عصر اُن سے ملاقات کیلئے چلیں گے۔ چنانچہ شام سے قبل ۵ بجے آپ بمعہ چند خدام کے صاحب بہادر کی ملاقات کے واسطے اُن کے کیمپ میں تشریف لے گئے۔ فنانشل کمشنر اور صاحب ڈپٹی کمشنر ہر دو ملاقات کے خیمہ میں موجود تھے۔ قریب پون گھنٹہ کے ملاقات رہی۔ مختلف امور پر گفتگو رہی۔ صاحب بہادر کے دریافت کرنے پر آپ نے کانگرس کی اس وقت کی باغیانہ کارروائیوں پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اور جہاد کا صحیح اسلامی مفہوم سمجھایا۔ البتہ اپنے ملک کی بنی ہوئی چیزوں کے استعمال کرنے کو ہندوستانیوں کے لئے بیحد مفید بتایا۔ ملاقات کے اختتام پر ہر دو صاحبان نے بے حد خوشنودی کا اظہار کیا اور آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا۔ وہاں سے حضرت اقدس واپس ہوئے تو اس کثرت سے احباب باہر سے آئے ہوئے تھے کہ حضرت اقدس کو چلنا مشکل ہو گیا۔ آخر قادیان کی آبادی سے باہر آپ کھڑے ہو گئے اور دوستوں نے مصافحہ کرنا شروع کر دیا۔ لیکن اسقدر ہجوم تھا کہ مصافحہ کی باری نہ آتی تھی۔ دوسرے دن فنانشل کمشنر اور ڈپٹی کمشنر وغیرہ قادیان سے رخصت ہو گئے۔

آپ کی سادگی اور کسرِ نفسی | فنانشل کمشنر کے آنے کی وجہ سے چونکہ کثرت سے احباب قادیان آ گئے تھے اس لئے ایک خاص جلسہ کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ ۲۰۔ مارچ ۱۹۰۸ء کو جمعہ تھا اس لئے جمعہ پڑھنے کے خیال سے احباب ایک دن قبل ہی جمع ہو گئے تھے۔ جمعہ میں کثرت ہجوم کی وجہ سے مسجد مبارک میں گنجائش نہ تھی۔ اسلئے حضرت اقدس نے حکم دیا کہ بڑی مسجد میں جمعہ پڑھا جائے۔ لوگ حسب معمول مسجد مبارک میں جمع ہو رہے تھے جو یکایک پتہ لگا کہ جمعہ بڑی مسجد میں ہو گا یہ سنتے ہی سب لوگ بڑی مسجد کو دوڑ پڑے۔ پچھلی صفوں والے دوڑ کے مسجد جامع میں پہلے پہنچ گئے اور اگلی صفوں والے پیچھے رہ گئے۔ چنانچہ مَیں بھی (یعنی خاکسار مؤلف) جو اگلی صف میں بیٹھا ہُوا تھا اس دوڑ میں پیچھے رہ گیا۔ جب مسجد جامع میں پہنچا تو مسجد کا اندر سب بھر چکا تھا۔ مجھے صرف صحن میں جگہ مل سکی۔ البتہ پہلی صف میں درمیانی دروازہ کے سامنے جگہ مل گئی۔ مسجد کے اندر امام کی جگہ کے قریب دوستوں نے حضرت اقدس کے لئے آج خلاف معمول جانماز بچھا رکھی تھی۔ مَیں نے خلاف معمول اس لئے کہا کہ آپ کیلئے مسجد میں اس قسم کا تکلّف نہیں ہُوا کرتا تھا۔ آپ اسی دری پر جس پر سب نمازی کھڑے ہُوا کرتے تھے نماز کیلئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ مسجد مبارک کی جب تک توسیع نہ ہوئی تھی اُسوقت تک پہلے تو آپ صف اوّل میں کھڑے ہُوا کرتے تھے اور بعد میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے مسجد کے سامنے قبلہ رُخ ایک حجرہ تھا جس میں امام کھڑا ہُوا کرتا تھا اُسی حجرہ میں امام کے دائیں طرف کھڑے ہونے لگے تھے۔ مسجد جامع میں آپ صف اوّل میں امام کے قریب کھڑے ہُوا کرتے تھے۔ لیکن کوئی خاص جانماز یا کسی قسم کا کوئی تکلّف آپ کیلئے نہیں ہُوا کرتا تھا۔ آج غالباً زیادہ ہجوم کی وجہ سے دوستوں نے آپ کیلئے جگہ مخصوص کر دی اور ایک جانماز بچھا دی۔ مَیں تڑپ کر رہ گیا کیونکہ وہ جگہ مجھ سے بہت دُور تھی۔ وہ مسجد کے اندر تھی اور مَیں باہر صحن میں تھا۔ شیخ رحمت اللہ صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب اس جگہ کے قریب کھڑے ہوئے حضرت اقدس کا انتظار کر رہے تھے۔ مَیں نے بڑی حسرت سے اُن کو دیکھا کہ کیسے خوش قسمت لوگ ہیں کہ حضرت اقدس کے پاس بیٹھیں گے اور مَیں اپنی شامت اعمال کی وجہ سے آپ سے کس قدر دُور ہوں۔ مَیں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں حضرت اقدس تشریف لائے۔ آپ کے پیچھے پیچھے ایک جم غفیر تھا یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابر کے آگے آگے چاند چمکتا ہُوا چلا آ رہا ہے۔ جیسے ہی صحن میں پہنچے اور میری اور آپ کی آنکھیں چار ہوئیں تو پھول کی طرح کِھل گئے۔ ہنس کے فرمایا اخاہ آپ بھی آ گئے۔ مَیں نے عرض کی کہ جی ہاں۔ حاضر ہو گیا ہوں۔ بس باتیں کرتے ہوئے وہیں میرے پاس بیٹھ گئے۔ اور

ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگے۔ بعض دوستوں کو خیال ہؤا کہ شاید آپ باتیں کر کے اندر تشریف لے جائیں گے چنانچہ دریافت کرنے پر آپ نے حکم دیدیا کہ مولوی نورالدین صاحب خطبۂ جمعہ شروع کر دیں اور وہیں میرے پاس بیٹھے رہے۔ مسجد کے اندر والے احباب تڑپ کر رہ گئے۔ اور مَیں خدا کے فضل اور اپنی خوش قسمتی اور حضرت اقدس کی سادگی اور کسر نفسی پر حیران ہو کر رہ گیا کہ اللہ اللہ اتنا بڑا عظیم الشان انسان۔ اتنی بڑی جماعت کا امام اور مطاع۔ چاہیئے تھا کہ بڑی شان سے سیدھا امام نماز کے پاس اپنی مخصوص جگہ پر جا کر بیٹھتا۔ لیکن نہیں آپ کے دل میں اس قسم کے خیالات کبھی گزرے ہی نہیں۔ آپ اخوت اور مساوات کی زندہ اور بولتی چالتی تصویر تھے۔ اپنے لئے کسی قسم کی خصوصیت چاہتے ہی نہ تھے۔ وہ دوستوں میں ایسے نظر آتے تھے اور ایسا محسوس کروا دیتے تھے کہ وہ سچ مُچ من انفسکم یعنی تم میں سے ہی ایک ہیں اور یہی وہ چیز تھی جس سے ان کی عظمت نظر آتی تھی۔

حضرت اقدس نماز کی امامت خود نہیں کراتے تھے

حضرت اقدس نمازوں میں کبھی امام نہیں بنتے تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب جب تک زندہ رہے مسجد مبارک میں وہی روزانہ نماز پڑھایا کرتے تھے اور جمعہ بھی وہی پڑھاتے تھے۔ مسجد جامع میں جمعہ مولوی نورالدین صاحب پڑھاتے تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات کے بعد مسجد مبارک میں روزانہ نماز کی امامت مولانا نورالدین صاحب کرتے تھے۔ لیکن جمعہ کے دن چونکہ مولوی نورالدین صاحب مسجد جامع میں جمعہ پڑھاتے تھے۔ اس لئے مسجد مبارک میں جمعہ مولانا محمد احسن صاحب امروہی پڑھاتے تھے۔ حضرت اقدس کو رسول کریم صلعم کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے کا خاص خیال رہتا تھا۔ چونکہ آثار میں یہ پیشگوئی بھی موجود تھی کہ مسیح موعودؑ کے وقت امام نماز والے مسلمانو تم میں سے ہوگا اس لئے آپ نماز کی امامت کبھی نہیں کرتے تھے۔ سوائے نماز جنازہ کے کہ وہ دراصل میّت کے لئے دعائے مغفرت کے رنگ میں نماز ہے اس لئے نماز جنازہ خود پڑھایا کرتے تھے۔ البتہ اخیر عمر میں جب شام کے وقت آپ کی طبیعت بہت خراب رہنے لگی اور اس قدر ضعف طاری ہو جاتا تھا کہ نماز مغرب و عشا میں مسجد تک تشریف لانا ناممکن ہو جاتا تو گھر کے صحن میں ہی بیٹھ کر نماز ادا فرماتے اور گھر کی مستورات آپ کی اقتدا میں نماز ادا کر لیتیں۔

نماز جمعہ

جب تک حضرت اقدس کی صحت اچھی رہی نماز جمعہ ایک ہی جگہ مسجد جامع میں ہؤا کرتی تھی مگر اخیر سالوں میں چونکہ آپ کی صحت خراب رہنے لگی تھی۔ اسلئے آپ مسجد مبارک میں جو مکان سے ملحق تھی جمعہ پڑھ لیا کرتے۔ مسجد چھوٹی تھی اس لئے جب جگہ بھر جاتی تو باقیماندہ تمام احباب مسجد جامع میں جمعہ پڑھتے۔ اگر باہر سے احباب کثرت سے

آجاتے تو حضرت اقدس باوجود ضعف کے اپنی طبیعت پر جبر کر کے بھی مسجد جامع میں جمعہ پڑھنے تشریف لیجاتے عید کی نماز مسجد جامع میں ہی ہوا کرتی تھی ۔

سفر و قیام لاہور

الہام "داغ ہجرت" کا پورا ہونا

سفر لاہور حضرت اقدس کی زوجہ محترمہ کی طبیعت علیل رہتی تھی اس لئے انہوں نے حضرت اقدس سے تبدیل آب و ہوا کیلئے لاہور چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے استخارہ کیا تو ۲۶۔ اپریل ۱۹۰۸ء کی صبح کو ۴ بجے یہ مصرعہ الہام ہوا۔ ع

"مباش ایمن از بازئ روزگار"

آپ کو اس الہام سے تشویش پیدا ہوئی۔ لیکن چونکہ اس الہام میں ممانعت کوئی نہ تھی فقط کسی خطرہ کی خبر تھی۔ اور بیوی صاحبہ کو لاہور چلنے کے لئے اصرار تھا۔ اس لئے آپ ۲۷۔ اپریل ۱۹۰۸ء کو قادیان سے لاہور روانہ ہو گئے۔ لاہور جا کر آپ کو دوسرا مصرعہ الہام ہوا۔ ع

"مکن تکیہ بر عمر ناپائدار"

جس سے معلوم ہوا کہ وفات کا وقت بہت قریب ہے۔ اس وقت کسے علم تھا کہ آپ جو لاہور تشریف لئے جا رہے ہیں اب آپ واپس قادیان تشریف نہیں لائیں گے۔ اور آپ کا الہام "داغ ہجرت" اس رنگ میں پورا ہونے کو ہے۔ [1]

قیام لاہور لاہور میں آپ احمدیہ بلڈنگس میں خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان پر ٹھیرے۔ وہاں پہنچکر چونکہ کچھ عرصہ کے لئے قیام فرمانے کا ارادہ ہو گیا اس لئے مولوی نور الدین صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب امروہی اور دیگر احباب بھی لاہور پہنچ گئے۔ اخبار بدر بھی عارضی طور پر لاہور میں منتقل ہو گیا تا کہ تازہ بتازہ خبریں جماعت کے لوگوں کو پہنچائی جایا کریں۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت اقدس کی زوجہ محترمہ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان میں جو تشریف لے گئیں تو وہ مکان انہیں زیادہ پسند آیا۔ کچھ ان کی مرضی ہوئی اور کچھ ڈاکٹر

---

[1] لاہور احمدیہ بلڈنگس میں آپ کا وصال اور آپ کی نعش کی قادیان کو واپسی جناب الٰہی سے اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود کی روح کے رفع الی اللہ کا مقام لاہور احمدیہ بلڈنگس ہے۔ اور جسم بیجان کا مقام قادیان ہے۔ گویا آپ کی روح جماعت لاہور کے حصہ میں آئی اور جسم جماعت قادیان کے۔ (مؤلف)

سید محمد حسین شاہ صاحب نے اصرار کیا کہ بلحاظ اصول حفظان صحت کے میرا مکان بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس ڈاکٹر شاہ صاحب کے مکان میں تشریف لے آئے۔

مہمانداری چونکہ احباب کثرت سے آ رہے تھے اس لئے شاہ صاحب کے مکان کے علاوہ خواجہ صاحب اور دیگر احباب کے مکان پر بھی دوست ٹھیرے ہوئے تھے۔ اور مہمانداری کا کل خرچ لاہور کی جماعت برداشت کر رہی تھی۔ لیکن کہاں تک؟ باہر سے آنیوالے مہمانوں کا ایک تانتا بندھا ہوا تھا۔ اس لئے کچھ عرصہ کے بعد احمدیہ بلڈنگس میں ایک کھانے پینے کی دوکان کھلوا دی گئی جہاں نہایت عمدہ کھانا تیار ہوتا تھا۔ اور لوگوں کو واجبی قیمت پر اچھا کھانا مل جاتا تھا۔

نماز جمعہ نماز جمعہ کے لئے یہ انتظام تھا کہ احمدیہ بلڈنگس لاہور میں جہاں اب احمدیہ مسجد واقع ہے وہاں اس وقت میدان ہوتا تھا۔ یہاں شامیانہ لگا کر اور دریاں بچھا کر نماز جمعہ ہؤا کرتی تھی۔ اُس وقت کیا پتہ تھا کہ جہاں خدا کا برگزیدہ مسیح و مہدی نماز جمعہ پڑھتا ہے وہاں جماعت احمدیہ لاہور کی مسجد بننی ہے جسے ایک دن دُنیا میں تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے ایک مرکز بننے کا شرف حاصل ہونا ہے۔ سچ پوچھو تو رُوحانی طور پر اس مسجد کی بنیاد خود حضرت اقدس نماز پڑھکر ڈال گئے۔

طالبانِ حق کی آمد و رفت تمام دن طالبان حق آتے جاتے رہتے تھے۔ اور مختلف سوالات ہوتے رہتے اور جوابات جو علم و حکمت سے پُر ہوتے تھے دیئے جاتے تھے۔

میاں فضل حسین صاحب بیرسٹر کی ملاقات ۱۵۔ مئی ۱۹۰۸ء کو صبح ۱۰ بجے دو بیرسٹر ایٹ لا ملاقات کو آئے جن میں سے ایک میاں فضل حسین صاحب تھے جو بعد میں سر فضل حسین بنے۔ میاں صاحب موصوف کے سوالات پر حضرت اقدس نے نہایت لطیف جوابات دیئے جو اخبار بدر میں شائع شدہ موجود ہیں۔ ان میں سے ایک دو جگہ سے تھوڑا سا تحریر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں:-

نقصان تفرقہ فرمایا۔ "اسلامی فرقوں میں دن بدن پھوٹ پڑتی جاتی ہے۔ پھوٹ اسلام کے لئے سخت مضر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لاتنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم۔ جب سے اسلام کے اندر پھوٹ پڑی ہے وہ دمبدم تنزل کرتا جاتا ہے۔ اس لئے خدا نے اس سلسلہ کو قائم کیا تا لوگ فرقہ بندیوں سے نکل کر اس جماعت میں شامل ہوں جو بیہودہ مخالفتوں سے بالکل محفوظ ہے اور اس سیدھے رستہ پر

چل رہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔"

ہم کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے

پھر اس معزز ملاقات کرنیوالے یعنی میاں فضل حسین صاحب بیرسٹرایٹ لانے عرض کیا کہ اگر تمام غیر احمدیوں کو کافر کہا جائے تو پھر اسلام میں تو کچھ بھی نہیں رہتا۔ فرمایا:۔

"ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں کہتے جب تک کہ وہ ہمیں کافر کہکر خود کافر نہ بن جائے۔ آپ کو شاید معلوم نہ ہو جب مَیں نے مامور ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کے بعد بٹالہ کے محمد حسین مولوی ابو سعید صاحب نے بڑی محنت سے ایک فتویٰ تیار کیا جس میں لکھا تھا کہ یہ شخص کافر ہے۔ دجّال ہے۔ ضال ہے۔ اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے جو ان سے السلام علیکم کرے یا مصافحہ کرے یا انہیں مسلمان کہے وہ بھی کافر۔ اب سنو! یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو مومن کو کافر کہے وہ کافر ہوتا ہے۔ پس اس مسئلہ سے ہم کس طرح انکار کر سکتے ہیں آپ لوگ خود ہی کہہ دیں کہ ان حالات کے ماتحت ہمارے لئے کیا راہ ہے۔ ہم نے ان پر پہلے کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ اب جو انہیں کافر کہا جاتا ہے تو یہ انہی کے کافر بنانے کا نتیجہ ہے۔ ایک شخص نے ہم سے مباہلہ کی درخواست کی۔ ہم نے کہا کہ دو مسلمانوں میں مباہلہ جائز نہیں۔ اُس نے جواب میں لکھا کہ ہم تو تجھے پکا کافر سمجھتے ہیں۔"

میاں صاحب موصوف نے عرض کیا کہ وہ آپ کو کافر کہتے ہیں تو کہیں لیکن اگر آپ نہ کہیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ فرمایا کہ "جو ہمیں کافر نہیں کہتا ہم اُسے ہرگز کافر نہیں کہتے۔"

ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب سے روایت ہے کہ مَیں خود اس مکالمہ کے وقت موجود تھا۔ میاں فضل حسین صاحب نے یہ بھی پوچھا تھا کہ "ایک مسلمان جو سڑک پر چلا جا رہا ہے جس کے متعلق کچھ علم نہیں کہ یہ آپ کو کافر کہتا ہے یا نہیں۔ اُسے آپ کافر سمجھیں گے یا مسلمان"؟ آپ نے فرمایا۔ "مسلمان"۔

اپنے دعویٰ کی تشریح

۱۹ مئی ۱۹۰۸ء کو کسی کے سوال پر فرمایا:۔

"ہم نے ان معنوں میں کوئی دعویٰ رسالت نہیں کیا جیسا کہ ملّاں لوگ لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ اور جو کچھ ہمارا دعویٰ ملہم اور منذر ہونے کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی متابعت کا ہے وہی ہمیشہ سے ہے آج کوئی نئی بات نہیں۔ ۲۸ سال سے یہ الہام ہے جری اللہ فی حلل الانبیاء۔"

پروفیسر ریگ کی ملاقات

پروفیسر کلیمنٹ ریگ ایک مشہور سیاح ہیئت دان اور لیکچرار تھا۔

انگلستان کا رہنے والا تھا۔لیکن وہ آسٹریلیا میں بہت مدت تک گورنمنٹ کا ملازم اور افسر صیغہ علم ہیئت رہا تھا۔سائنس کے ساتھ پروفیسر مذکور کو خاص دلچسپی تھی۔لاہور میں وہ مختلف مقامات پر علم ہیئت اور دیگر شعبہ جات سائنس پر لیکچر دیتا پھرتا تھا۔مفتی محمد صادق صاحب کی پروفیسر مذکور سے گفتگو ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ اندھا دھند عیسائیت کا مقلد نہیں۔بلکہ غیر متعصب اور اور انصاف پسند آدمی ہے۔اُس کو جب حضرت اقدس کے دعاوی کا حال معلوم ہوا تو اُس نے کہا کہ "میں ساری دنیا میں گھوما ہوں اور میں تو ایسے ہی آدمی کی تلاش میں ہوں" اور حضرت کی ملاقات کا ازحد شوق ظاہر کیا۔چنانچہ وہ اور اُس کی بیوی حضرت اقدس کے قیام لاہور کے زمانہ میں ملاقات کیلئے احمدیہ بلڈنگس آئے۔اُس نے حضرت اقدس کی خدمت میں مولوی محمد علی صاحب کی ترجمانی کے ساتھ بہت سے ایسے سوالات کئے جو آج اس زمانہ میں سائنس دانوں کے قلوب میں مذہب کی طرف سے کھٹکتے ہیں۔مثلاً خدا کسی قوم کا خدا نہیں۔دنیا کب سے ہے۔انسان کب سے ہے۔دنیا ترقی کی طرف جارہی ہے یا تنزل کی طرف۔ڈارون کی تھیوری صحیح ہے یا غلط۔تاثیر اجرام سماوی۔حقیقت گناہ۔باعث وجود گناہ۔نجات عیسوی۔مابعد الموت زندگی۔رُوحوں سے ملاقات وغیرہ وغیرہ۔ان کے جوابات حضرت اقدس نے اس قدر معقول اور لطیف دیئے کہ پروفیسر مذکور اور اسکی بیوی پھڑک گئے اور اہل علم طبقہ کو جو اُس وقت وہاں موجود تھا وجد آگیا۔پروفیسر مذکور نے نہایت الحاح کے ساتھ درخواست کی کہ اسے ایک دفعہ پھر حضرت اقدس کی ملاقات کا موقعہ دیا جائے۔چنانچہ اجازت دی گئی اور وہ پیر کے دن تین بجے دن کو معہ اپنی میم اور اپنے چھوٹے لڑکے کے حاضر خدمت ہوا۔اب کے دفعہ ترجمان خواجہ کمال الدین صاحب تھے۔اُس نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق سوالات کئے۔خدا کی محبت اور دنیا میں تکلیف اور دُکھ کے وجود پر روشنی ڈالنے کے لئے عرض کی۔غرضکہ وہ سوالات کرتا رہا اور حضرت اقدس نہایت لطیف جواب دیتے رہے۔ملاقات کے خاتمہ پر اُس نے اور اُس کی میم نے کھڑے ہو کر شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آپ کے جوابات نہایت تشفی بخش تھے جن سے ہمارا ہر طرح اطمینان ہو گیا یہ مکالمہ اخبار بدر میں چھپا ہوا موجود ہے۔پروفیسر ریگ اکثر میجک لالٹین کے ذریعہ تصویریں دکھا دکھا کر لیکچر دیا کرتا تھا۔اور اُن میں مسیح مصلوب اور ڈارون کی تھیوری کے متعلق تصویریں دکھایا کرتا تھا اس کے خیالات میں حضرت اقدس کی ملاقات کے بعد اس قدر تبدیلی ہوئی کہ اس کے بعد مسیح مصلوب کی تصویر جب وہ دکھاتا تو پہلے کی طرح یوں نہ کہتا کہ مسیح دنیا کے لوگوں پر رحم کھا کر ان کے لئے مصلوب

ہو کر کفارہ ہو گیا۔ بلکہ کہتا کہ عیسائیوں کا ایسا خیال ہے کہ وہ مصلوب ہو کر کفارہ ہو گیا اور یہ انہی کیلئے موجب خوشی ہو سکتا ہے۔ سچی تعریف اور ستائش کے لائق تو وہ ایک خدا ہے جو سب سے بڑا ہے۔" ڈارون کی تھیوری کے متعلق جو تصویریں دکھاتا تو ان کے دکھاتے وقت کہتا کہ "ضروری نہیں کہ یہ تھیوری صحیح بھی ہو۔ یہ فقط ڈارون کا ایک نظریہ ہے۔ ضروری نہیں کہ اس سے اتفاق بھی کیا جائے۔"

درس قرآن کریم

احمدیہ بلڈنگس کے اسی میدان میں جہاں اب احمدیہ مسجد ہے روزانہ شام کو حضرت مولانا نورالدین صاحب درس قرآن کریم دیا کرتے تھے اور یہ درس ابتدائے قرآن شریف سے شروع کیا گیا تھا۔

حضرت اقدس کے مخالفین کا طرز عمل

جب سے حضرت اقدس لاہور تشریف لائے تھے۔ احمدیہ بلڈنگس کے سامنے اسلامیہ کالج والے میدان میں مخالف اور مکفر مولویوں نے اپنا اڈا جما رکھا تھا جہاں وہ روزانہ شام کو جمع ہوتے اور ہر قسم کی بکواس کرتے ان مولویوں میں اصغر علی روحی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور اور مولوی غلام اللہ قصوری اور پیر جماعت علی شاہ بھی شامل تھے۔ ان لوگوں میں اندھی مخالفت کا وہ جوش تھا کہ بعض اوقات حضرت اقدس پر سب وشتم کرنے کے دوران میں یہ لوگ خود قرآن مجید پر بھی ہاتھ صاف کر جانے سے نہ چوکتے۔ غرضکہ ایک عجیب طوفان بدتمیزی مچا رہتا تھا۔ اس کے بالمقابل مولوی نورالدین صاحب کا درس نہایت تہذیب و متانت سے ہوتا تھا۔ اور علم و حکمت کے خزانوں سے پر ہوتا تھا۔ مولوی نورالدین صاحب نے صراحتًا تو دور رہا۔ کبھی اشارتًا اور کنایتًا بھی مخالفوں کا ذکر نہیں کیا۔

سلسلہ بیعت

باوجود اس قدر مخالفت کے لاہور میں سلسلہ بیعت بہت کثرت کے ساتھ جاری تھا۔ یعنی ان ملانوں کی مخالفتیں خدا کے کام میں روک نہ بن سکیں۔

لاہور کے عمائد اور رؤسا کو تبلیغ

حضرت اقدس چاہتے تھے کہ رؤسا و عمائد لاہور کو تبلیغ فرما دیں۔ اس لئے خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنی طرف سے تمام مسلمان رؤسا و عمائد شہر لاہور کو ۱۷ مئی ۱۹۰۸ء کو دوپہر کے وقت کھانے پر مدعو کر لیا اور حضرت اقدس سے سب کا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان پر صحن میں شامیانہ کے نیچے سب لوگ جمع تھے۔ لوگ ملاقات کے اشتیاق میں وقت سے پہلے ہی آگئے تھے۔ لوگوں کے اصرار سے آپ نے دن کے گیارہ بجے تقریر کرنی شروع کی۔ تقریر کیا تھی علم و حکمت کا ایک سمندر تھا جو اپنے پورے جوش میں تھا اور ایمان و عرفان کا ایک بادل تھا جو ابر رحمت بن کر برس رہا تھا۔ وہ آخری پیغام تھا جو احمدیہ بلڈنگس کے مقام پر لاہور کے تمام معززا در تعلیم یافتہ طبقہ کو پہنچایا گیا۔ بارہ بج گئے تو آپ نے فرمایا کہ کھانے کا وقت گزرا جاتا ہے۔ چاہو تو میں اپنی تقریر کو بند کر دوں۔ مگر سب نے یہی کہا کہ یہ کھانا تو ہم ہر روز کھاتے ہیں ہمیں

رُوحانی غذا کی ضرورت ہے۔ چنانچہ تقریر ایک بجے ختم ہوئی۔ تب کھانا کھایا گیا۔ یہ تقریر اخبار بدر میں چھپی ہوئی موجود ہے۔ اور قابل دید ہے۔ مَیں اس میں سے کہیں کہیں سے تھوڑا سا نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ ایک جگہ قربِ الٰہی کے حصول کا طریق بتاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

"رضوان و قرب الٰہی کے حاصل کرنے کیلئے دو ہی طریق ہیں۔ ایک تو تشریعی احکام سے ترقی ہوتی ہے۔ گویا یہ تشریعی تکالیف ہیں جن کے لئے انسان متکلف ہے۔ مگر یہ وہ تکالیف ہیں جو انسان کے بس میں ہیں اور جن سے وہ بچ سکتا ہے۔ دوسری وہ تکالیف ہیں جو خدا انسان کے سر پر ڈالتا ہے۔ کسی کے ہاتھ میں تازیانہ دیکر اُسے کہا جائے کہ تو اپنے بدن پر آپ مار تو وہ حتی الامکان ایسا نہ کرے گا کیونکہ انسان اپنے تئیں دُکھ دینا نہیں چاہتا۔ پس جو تکالیف اختیار میں ہیں اُن سے بچکر وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچتا۔ مگر جو تکالیف خدا کی طرف سے ہوں وہ جب انسان پر پڑتی ہیں اور وہ اُن پر صبر کرتا ہے تو اُس کی ترقی کا موجب ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لنبلونکم بشیٍٔ من الخوف والجوع ونقصٍ من الاموال والانفس والثمرات الخ ہم آزماتے رہیں گے کبھی خوف سے کبھی نقصان مال سے کبھی نقصان جان اور ثمرات کی ناکامی سے۔ دیکھو ایک شخص تخم ریزی کرتا ہے۔ چھ ماہ کی محنت پر کھیتی سرسبز ہوتی ہے اوپر سے اولے پڑے سب کچھ تباہ ہو گیا۔ فقر و فاقہ کا سامنا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری طرف سے خوشخبری دیدے ایسے لوگوں کو جو کہتے ہیں ہم تو اللہ کے ہو چکے یعنی وہ رضا کے مقام میں ثابت قدم ہیں۔ یہ انا للہ کہنا مسلمانوں ہی کا حصہ ہے۔ آریہ کیونکر کہیں کیونکہ وہ تو سب کچھ خدا کی طرف سے نہیں مانتے۔ غرضکہ تکالیف دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ حصہ ہے جو احکام پر مشتمل ہے مگر اس میں بہانوں کی گنجائش ہے۔ صوم و صلوٰۃ زکوٰۃ اور حج جب تک پورا ایمان نہ ہو انسان اُن سے پہلو تہی کر سکتا ہے۔ پس اس کسر کو نکالنے کے لئے تکالیفِ سماویہ کا ورود ہوتا ہے۔ تاکہ جو کچھ انسانی ہاتھ سے پُورا نہیں ہوا وہ خدا کی مدد سے پورا ہو جائے۔ آریہ کہتے ہیں تکالیف کسی پچھلے کرم کی سزائیں ہیں۔ ہم کہتے ہیں یہ آیندہ ترقیات کے لئے ہیں۔ ورنہ جب تپ کرنا بھی ایک سزا ہو گا......"

پھر آگے چل کر اپنے دعوے پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ہمارا خدا اسی طرح زندہ ہے جس طرح کہ وہ پہلے تھا۔ اگر کوئی ایسا ہے کہ وہ مردہ دین اور مردہ

خدا کو پسند کرتا ہے تو کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں صحیح نہیں مانتا تو نہ مانے۔ وہ مسلمان کیسا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جب مسلمانوں کی قوم کو اپنے لئے چُن لیا اور انہیں منزلِ مقصود تک پہنچانے کا وعدہ کیا۔ تو اب کیا یہ مناسب اور اس کی شان کے مطابق ہے کہ وہ انہیں رستہ میں ہی چھوڑ دے۔ مثلاً ایک شخص نے وعدہ کیا کلکتہ پہنچا دینے کا۔ اب وہ اُسے پُورا نہ کرے تو کیسی بُری بات ہے۔ انسان خدا کے حضور اندھے کی طرح ہے وہ اُسے اپنی رہنمائی سے ہی منزل مقصود تک پہنچائے گا۔ اور قیامت تک ہادی بھیجتا رہے گا قرآن شریف میں اسی لئے لیستخلفنھم آیا ہے جس سے قیامت تک آنحضرت صلعم کے خلفا کی بعثت ثابت ہے۔ مَیں بھی اسی آیت کے وعدہ کے مطابق آیا۔ اس لئے موعود کہلایا۔ مَیں مسیح بھی ہوں مگر نہ بطور تناسخ بلکہ بات یہ ہے کہ اخیر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ اُمت عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح ہو جائے گی۔ اور ان کا ایمان حلق تک رہ جائے گا۔ اسی لئے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین دعا سکھلائی۔ پس مصلح کا نام بھی مسیح ہونا چاہئے تھا۔ بات تو فقط اتنی ہے۔ مگر یہ لوگ میری سخت مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسیح کو کیوں مردہ کہتا ہے۔ کسی کا کتا مر جائے یا بلی رکھی ہوئی مر جائے تو افسوس آتا ہے مگر کیا یہ ماتم نہیں کہ دین مردہ ہو گیا۔ کیا یہ سچ ہے کہ جو کچھ تھا وہ پیچھے رہ گیا۔ اب آگے کچھ نہیں۔ یہ الزام کہ مَیں نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں اور مجھے فکر پڑی ہوئی ہے کہ مَیں الگ قبلہ بنا لوں اور نئی شریعت ایجاد کر دوں۔ ان تہمتوں کا جواب بجز لعنۃ اللہ علی الکاذبین اور کیا دوں۔ میرا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ چونکہ دین نئی نئی مٹتا ہے اس لئے ہر صدی کے سر پر موجودہ مفاسد کے لحاظ سے مصلح پیدا ہوتا ہے جس سے خدا مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے۔ جب خدا کسی سے بکثرت ہم کلام ہو اور اپنی غیب کی باتیں کثرت سے اس پر ظاہر کرے تو یہ نبوت ہے مگر یہ حقیقی نبوت نہیں .... اب مَیں تقریر کو ختم کرتا ہوں اور صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ خدا نے ہمیں تجدید دین کیلئے بھیجا ہے تا ہم تازہ نشانوں کے ساتھ دین کو تازہ کریں۔ اگر خدا مجھے نہ بھیجتا تو آخر یہ دین بھی دیگر ادیان کی طرح قصوں کے رنگ میں رہ جاتا۔ یہ یقیناً سمجھو کہ جو خدا کی طرف سے آتا ہے وہ کبھی نابود نہیں ہو سکتا ...... مجھے افسوس آتا ہے کہ مَیں نے ان لوگوں (یعنی مکفر مولویوں) کا کیا بگاڑا ہے یہی کہ مَیں کہتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی زندہ نبی ہیں۔ اور

ان کا فیض نبوت قیامت تک جاری ہے۔ آپ ذرا اپنے بھائیوں سے دریافت کریں کہ میں نے کیا گناہ کیا ہے جو مجھ سے اس قدر سختی کی جاتی ہے۔ اس قدر گالیاں دیتے ہیں جو چوہڑے چماروں سے بھی سبقت لے گئے ہیں۔ انسان بھیڑوں کی طرح ہیں۔ وہ ریوڑ خطرہ میں ہے جس کا کوئی گلہ بان نہیں۔ پس مصلح کا وجود ضروری ہے جو پیچیدہ مسائل کو عیاں کرے اور دوسرے ادیان پر اتمام حجت کرے۔ دیکھو ایک زمانہ تھا جب پادری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہتے پھرتے تھے کہ انہوں نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ اب یہی پادری ہیں کہ ہمارے سامنے نہیں آتے حالانکہ ہم ڈنکے کی چوٹ کہہ رہے ہیں کہ آؤ اُسی نبیؐ کا ایک غلام تمہیں معجزہ دکھانے کو طیار ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون کا وعدہ اس بات کا مقتضی ہے کہ خدا ایسا انتظام کرتا۔ کیونکہ اسلام کی حالت اس وقت بیرونی اور اندرونی ہر دو حالتوں کے اعتبار سے خوش کن نہیں۔ کسی شخص کے گھر میں پودا ہو تو وہ اسے پانی دیتا ہے۔ پس کیا خدا تعالیٰ اپنے حبیب کے لگائے ہوئے پودے کو یونہی چھوڑ دیتا۔ یاد رکھو کہ اسلام انہی راہوں سے ترقی کرے گا جن سے اُس نے پہلے کی۔ یہ خشک منطق اس کی ترقی کے لئے کسی کام کی نہیں ......"

خط بنام ایڈیٹر اخبار عام حضرت اقدس نے مندرجہ بالا تقریر میں اپنے دعوے کی تشریح خوب وضاحت سے کی تھی۔ اور دعوے نبوت کے الزام کی تردید کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ جب کسی مجدد سے کثرت سے مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ ہوتا ہے تو اُسے لغوی معنوں کے اعتبار سے یا مجازاً نبوت کہا جاسکتا ہے لیکن یہ حقیقی نبوت نہیں ہوتی جسے اصطلاح اسلام میں نبوت کہا جاتا ہے۔ پس مجھے مدعی نبوت کہنا محض افترا ہے۔ اس سے بعض آدمیوں کو جو ابتدا سے آپ کے دعاوی کی تشریحات و توضیحات سننے کے عادی نہ تھے یہ غلط فہمی ہوئی کہ گویا حضرت مرزا صاحب اس سے قبل تو نبوت کے مدعی تھے اور اب لاہور کے عمائد کے روبرو آپ نے وہ دعویٰ چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط بات تھی آپ جس دعوے کے ابتدا سے مدعی تھے اُس کے اب بھی تھے۔ ۲۴ سال قبل جو آپ کا عقیدہ تھا وہی اب بھی تھا۔ جیسا کہ میں اُوپر حضرت اقدس کا قول نقل کر آیا ہوں کہ:۔

"اور جو کچھ ہمارا دعویٰ ملہم اور منذر ہونے کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی متابعت کا ہے وہی ہمیشہ سے ہے آج کوئی نئی بات نہیں۔ ۲۴ سال سے یہ الہام ہے۔ جری اللہ فی حلل الانبیاء"

یہی غلط فہمی اخبار عام کے ہندو ایڈیٹر کو بھی ہوئی۔ چنانچہ اس نے اس خبر کو اپنے اخبار میں چھاپ دیا کہ مرزا صاحب نے دعوت کے جلسہ پر دعویٔ نبوت کو ترک کر دیا۔ اخباروں میں یہی ایک اخبار تھا جس کے حضرت اقدس باقاعدہ خریدار تھے اور پڑھتے بھی تھے۔ آپ نے اس غلط خبر کو پڑھ کر ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء کو ایڈیٹر اخبار عام کے نام ایک خط لکھا جس میں اس غلط فہمی کی تردید کی اور لکھا کہ میرا دعویٰ ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے اور اب بھی اس پر قائم ہوں۔ پھر جس طرح ہمیشہ تشریح فرمایا کرتے تھے بعینہٖ وہی تشریح لفظ نبوت کی یہاں بھی فرمائی۔ اور بتلایا کہ:۔

"اس زمانہ میں کثرت مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ اور کثرت اطلاع بر علم غیب صرف مجھے ہی عطا کی گئی ہے اور جس حالت میں کہ عام طور پر لوگوں کو خوابیں بھی آتی ہیں بعض کو الہام بھی ہوتا ہے اور کسی قدر ملونی کے ساتھ علم غیب سے بھی اطلاع دی جاتی ہے مگر وہ الہام مقدار میں نہایت قلیل ہوتا ہے اور اخبار غیبیہ بھی اس میں نہایت کم ہوتی ہے اور باوجود کمی کے مشتبہ اور مکدّر اور خیالات نفسانی سے آلودہ ہوتی ہیں۔ تو اس صورت میں عقل سلیم خود چاہتی ہے کہ جس کی وحی اور علم غیب اس کدورت اور نقصان سے پاک ہو اس کو دوسرے معمولی انسانوں کے ساتھ نہ ملایا جائے۔ بلکہ اس کو کسی خاص نام کے ساتھ پکارا جائے تاکہ اس میں اور اس کے غیر میں امتیاز ہو۔ اس لئے مجھے امتیازی مرتبہ بخشنے کے لئے خدا نے میرا نام نبی رکھ دیا۔ اور یہ مجھے ایک عزت کا خطاب دیا گیا ہے تاکہ ان میں اور مجھ میں فرق ظاہر ہو جائے۔ ان معنوں سے میں نبی ہوں اور اُمتی بھی ہوں تاکہ ہمارے سیّد و آقا کی وہ پیشگوئی پوری ہو کہ آنیوالا مسیح اُمتی بھی ہوگا اور نبی بھی ہوگا۔ ورنہ حضرت عیسیٰ جن کے دوبارہ آنے کے بارے میں ایک جھوٹی اُمید اور جھوٹی طمع لوگوں کو دامنگیر ہے۔ وہ اُمتی کیونکر بن سکتے ہیں۔ کیا آسمان سے اُتر کر نئے سرے سے وہ مسلمان ہوں گے۔ اور کیا اس وقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا نہیں رہیں گے؟" یہ خط آپ کا ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کے اخبار عام میں شائع ہوا +

پیغام صلح حضرت اقدس کا منشا تھا کہ ۳۱ مئی ۱۹۰۸ء کو اتوار کے روز احمدیہ بلڈنگس کے میدان میں ایک عام تقریر ہو۔ جس میں آپ ہندوؤں کو پیغام صلح دینا چاہتے تھے یعنی بتانا چاہتے تھے کہ وہ کونسا طریق ہے جس سے ہندوستان کی دو بڑی قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے آپ نے اپنا لیکچر لکھنا بھی شروع کر دیا۔ جو بعد میں

پیغام صلح کے نام سے شائع ہؤا۔ اور جس کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ میں آگے چل کر کروں گا۔

ہندو مستورات کا درشن کے لئے آنا

۲۳ مئی ۱۹۰۸ء کو بعد از نماز عصر چند سناتن دھرم ہندو مستورات وردولت پر آئیں اور عرض کیا کہ ہم مہاراج کے درشن کے واسطے آئی ہیں۔ حضرت اقدس کو اطلاع ہوئی تو آپ نے اندر آنے کی اجازت دی۔ حضرت اقدس چونکہ رسالہ پیغام صلح لکھنے میں مصروف تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ اب درشن ہو گئے اب تم جاؤ۔ مگر انہوں نے عرض کی کہ ہم کو آپ کچھ ٹی وعظ سناویں۔ چنانچہ اُن کے اخلاص اور اصرار کی وجہ سے آپ نے اُن کو توحید کا وعظ کیا۔ اور شرک اور بُت پرستی سے بچنے کی ہدایت کی۔ اور اُن کے مزید سوال پر آپ نے فرمایا کہ ایک خدا کے دروازہ کو خرگدا بن کر پکڑو اور دعا کی اجابت میں خواہ کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو اُسے چھوڑ کر کسی اور دروازہ کی طرف کبھی مت جاؤ۔ یہ بڑی غلطی اور سخت گمراہی ہے۔ یہ وعظ سُن کر انہوں نے کہا کہ ہم بہت دُور سے آئی ہیں اور ہم چاہتی ہیں کہ حضور کو پنکھا جھلیں۔ آپ ہمیں یہ سکھائیں کہ پرمیشر سے پرارتھنا یعنی دعا کیسے کریں۔ اس پر حضرت اقدس نے اُنہیں دعا بھی سکھائی اور دعا کرنے کا طریق بھی سکھایا۔ اس کے بعد وہ رخصت ہوئیں۔ بیچاریاں بہت شریف اور مخلص تھیں۔

۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کی تقریر

۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو ظہر کے وقت ایک شخص سرحدی آیا۔ بہت شوخی سے کلام کرنے لگا۔ اس کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے حضرت اقدس نے فرمایا:۔

"خدا کا وجود خدا کے نشانوں سے پہچانا جاتا ہے اسی لئے اولیاء اللہ بھیجے جاتے ہیں۔ مثنوی مولانا روم میں لکھا ہے۔ آں نبیٔ وقت باشد اے مرید۔ محی الدین ابن عربی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ حضرت مجدد سرہندی نے بھی یہی عقیدہ ظاہر فرمایا ہے۔ پس کیا سب کو کافر کہو گے؟......"

پھر اس سرحدی نے یہ سوال کیا کہ دین میں کیا نقص باقی رہ گیا تھا جس کی تکمیل کے لئے آپ تشریف لائے۔

فرمایا:۔ "احکام میں کوئی نقص نہیں۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ قبلہ کلمہ وہی ہے۔ کچھ مدت کے بعد ان احکام کی بجا آوری میں سُستی پڑ جاتی ہے۔ بہت سے لوگ توحید سے غافل ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ایک بندے کو مبعوث کرتا ہے جو لوگوں کو از سرِ نو شریعت پر قائم کرتا ہے۔ سو برس تک سُستی واقع ہو جاتی ہے۔ ایک لاکھ کے قریب تو مسلمان مرتد ہو چکا ہے اور ابھی آپ کے نزدیک کسی کی ضرورت نہیں۔ لوگ قرآن چھوڑتے جاتے ہیں۔

سُنت نبوی سے کچھ غرض نہیں۔ اپنی رسوم کو اپنا دین قرار دے لیا ہے۔ اور ابھی آپ کے نزدیک کسی کی ضرورت نہیں ......"

دیر تک حضرت اقدس اس سرحدی کے سوالات کا جواب دیتے اور تقریر فرماتے رہے۔ اخیر میں فرمایا:۔ "ہم اپنا کام جو کرنا تھا کر چکے۔ فائدہ اُٹھانا نہ اُٹھانا یہ اب لوگوں کے اختیار میں ہے"۔

آخری تقریر ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو نماز عصر کے بعد آپ نے کسی شخص کے جواب میں ایک نہایت لطیف تقریر فرمائی جو وفات مسیح پر تھی۔ یہ تقریر آپ کی آخری تقریر تھی۔ اس تقریر کے آخری فقرے یہ ہیں:۔

"تم عیسیٰ کو مرنے دو کہ اس میں اسلام کی حیات ہے۔ ایسا ہی عیسیٰ موسوی کی بجائے عیسیٰ محمدی کو آنے دو کہ اس میں اسلام کی عظمت ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں اگر اسلام میں زندہ امام کا سلسلہ نہیں تو اسلام مرگیا"

شام کی سیر گرمی کا موسم تھا۔ حضرت اقدس بمعہ بیوی صاحبہ کے عموماً شام کو فٹن یا بند گاڑی میں بیٹھ کر سیر کو جایا کرتے تھے۔ ۲۵۔ مئی ۱۹۰۸ء کی شام کو بھی تشریف لے گئے مگر چہرہ اُداس تھا۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور آج اُداس نظر آتے ہیں۔ فرمانے لگے "ہاں میری حالت اُس ماں کی طرح ہے جس کا بچہ ابھی چھوٹا ہو اور اپنے تئیں سنبھال نہ سکتا ہو اور وہ اُسے چھوڑ کر رخصت ہو رہی ہو"۔ یہ اپنی وفات کی طرف صریح اشارہ تھا۔ اور بچہ جسے چھوڑ کر یہ رُوحانی ماں جا رہی تھی وہ جماعت تھی۔

الہامات دربارہ وفات بات یہ تھی کہ حضرت اقدس کو صریح طور پر الہامات اپنی وفات کے بارے میں ہو چکے تھے جو آپ نے اپنی وصیت میں درج فرمائے ہیں جس میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ "اب تیری اجل قریب آگئی ہے۔ بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اُس دن سب پر اُداسی چھا جائے گی"۔ وغیرہ وغیرہ (مَیں الوصیت کے باب میں یہ سب الہامات نقل کر آیا ہوں) انہی الہامات کی بنا پر آپ نے وصیت لکھی تھی۔ اور نہ صرف وصیت لکھ دی تھی اور اس میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ:۔

"امابعد چونکہ خدائے عزّوجل نے متواتر وحی سے مجھے خبر دی ہے کہ میرا زمانہ وفات قریب ہے اور اس بارے میں اس کی وحی اس قدر تواتر سے ہوئی کہ میری ہستی کو بنیاد سے ہلا دیا۔ اور اس زندگی کو میرے پر سرد کر دیا ہے........"

بلکہ ان ایام میں پرائیویٹ خطوط میں بھی اپنے احباب اور خدام کو اپنے جلد دنیا سے رخصت ہونے کا ذکر فرماتے رہتے اور اُن کے دلوں کو اس بڑے سانحہ کے لئے تیار کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ خاکسار

مؤلف کو بھی اُنہی دنوں میں حضور نے ایک خط اپنی قلم سے تحریر فرمایا تھا جس میں آپ نے لکھا تھا کہ میرا زمانۂ وفات اب بہت قریب ہے۔ اور تقویٰ کے لئے تاکید فرماتے ہوئے اس عاجز کے لئے دعا بھی فرمائی تھی۔ خط سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اب آپ رخصت ہو رہے ہیں اور یہ الوداعی خط ہے جس میں اپنی آخری وصایا ارشاد فرما رہے ہیں[1]

پھر الہام الٰہی کے ماتحت جو ۲۔ مارچ ۱۹۰۷ء کو ہوا تھا اور جس میں دراصل آپ کی زوجہ محترمہ مخاطب ہیں اور جو اس طرح تھا کہ "ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر" آپ نے اپنی زوجہ محترمہ کو بھی اس خدائی امتحان کے لئے تیار کیا۔

غرضکہ یہ سب کچھ ہو رہا تھا مگر آپ کے خدام کی طبائع کسی طرح یقین ہی نہ کرتی تھیں کہ آپ اس قدر جلد ہم سے جدا ہو جائیں گے۔ کچھ عرصہ سے اب دوبارہ آپ کو اپنی وفات کے متعلق نہایت تواتر سے الہامات ہونے لگے تھے چنانچہ ۱۹۔ دسمبر ۱۹۰۷ء کو الہام ہؤا کہ:۔

"۲۷ کو ایک واقعہ (ہمارے متعلق) واللّٰہ خیرٌ وّ ابقٰی"

واللّٰہ خیرٌ وّ ابقٰی کا فقرہ بتلاتا تھا کہ کوئی واقعہ آپ کے متعلق کسی ۲۷ تاریخ کو ایسا ہوگا جو فنا اور موت کا مترادف ہوگا اور نظر آجائے گا کہ اللہ ہی کی ذات باقی رہنے والی ہے اور سب فانی ہیں خواہ وہ کتنا ہی بڑا انسان کیوں نہ ہو۔ چنانچہ ۲۷ مئی کو آپ کا جنازہ قادیان پہنچا اور بہشتی مقبرہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ پھر ۲۰۔ دسمبر ۱۹۰۷ء کو آپ کو یہ الہام ہؤا کہ "وقت رسید" یعنی موت کا وقت آن پہنچا۔ پھر ۱۴۔ مارچ ۱۹۰۸ء کو الہام ہؤا۔ "اعجبتم ان تموتوا۔ ان کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں" پھر اسی روز الہام ہؤا۔ "انت الذی طار الیّ روحہ" یعنی تو وہ ہے جس کی رُوح میری طرف اُڑ آئی۔ پھر ۱۶۔ اپریل ۱۹۰۸ء کو الہام ہؤا "ماتم کدہ" اور ساتھ ہی دیکھا کہ ایک جنازہ آتا ہے۔ چنانچہ ایسا اتفاق ہؤا کہ اگرچہ لاہور میں آپ کے لئے صندوق طیار کیا گیا تھا اور اس میں رکھ کر آپ کی لاش کو بٹالہ تک لائے تھے لیکن بٹالہ میں صندوق سے نکال کر محض کفن میں لپیٹ کر چارپائی پر رکھا اور جنازہ خدام اپنے کندھوں پر اُٹھا کر قادیان لائے اور وہ کشف اور الہام پورا ہؤا کہ دیکھا کہ ایک جنازہ آتا ہے۔ اور "ان کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں"۔ پھر قادیان سے لاہور کو چلتے ہوئے ۲۶۔ اپریل ۱۹۰۸ء کو یہ الہام ہؤا تھا کہ "مباش ایمن از بازیٔ روزگار"۔ اور لاہور پہنچکر یہ الہام ہؤا کہ "مکن تکیہ بر عمر ناپائدار"۔ اس کے بعد ۹ مئی کو یہ الہام ہؤا کہ "الرحیل

[1] اصل خط میرے پاس موجود ہے۔ (مؤلف)

ثم الرحیل۔ ان اللہ یحمل کل حمل"۔یعنی کوچ کا وقت آگیا اور اللہ سب بوجھوں کو اُٹھا لیگا۔
وفات سے چھ روز قبل دوبارہ الہام ہوا کہ "الرحیل ثم الرحیل۔ الموت قریب"۔ کہ کوچ کا
وقت آن پہنچا۔موت اب قریب ہے۔اس لئے حضرت اقدس اب بالکل کوچ کے لئے تیار تھے
اور گویا ہر ایک چیز پر ایک الوداعی نظر ڈال رہے تھے۔آپ کو بیوی بچوں کا غم نہ تھا۔غم تھا تو اپنی
جماعت کا۔ یہ ہوتا ہے رُوحانی لوگوں کی اور مامورین الٰہی کی شان رؤف الرحیمی کہ دنیوی اور
جسمانی تعلقات سے تو بکلی منقطع ہوتے ہیں لیکن رُوحانی رشتے اتنے زبردست ہوتے ہیں کہ
جس طرح ماں کو اپنے بچہ کی فکر ہوتی ہے ان لوگوں کو اپنی جماعت کے لوگوں کی فکر ہوتی ہے۔ وہ
ایک رُوحانی ماں کی طرح ہوتے ہیں۔ اور جماعت ان کی رُوحانی اولاد ہوتی ہے۔اور اسی کی
فکر میں وہ غلطاں و پیچاں رہتے ہیں۔ اور اسی کی بہبودی کے وہ حریص ہوتے ہیں ٭

حضرت اقدس مرزا صاحب کی وفات

حضرت اقدس کی علالت حضرت اقدس کو چونکہ شب و روز دماغی محنت سے کام تھا اسلئے سالہا سال
سے آپ اعصابی کمزوری کا نشانہ بن گئے تھے جسے ڈاکٹری کی اصطلاح میں نیورستھینیا
(Neurasthenia) کہتے ہیں۔ اس مرض کا دورہ اس وقت نمودار ہوتا تھا جب آپ
کوئی دماغی محنت کرتے تھے۔ چنانچہ جب کوئی معرکۃ الآرا تصنیف یا لیکچر تیار کرتے تب ہی یہ دورہ
پڑ جاتا تھا۔خدا کے قانون اٹل ہوتے ہیں۔ اس کے قوانین کی زد سے کوئی بچ نہیں سکتا خواہ وہ نبی ہو یا
ولی۔ الا ماشاء اللہ۔ خدا اپنے فضل سے جس کو چاہے شفا دیدے۔ اس کے قانون قدرت سے جو نقصان
پہنچتا ہے اس سے بچالے۔ لیکن قانون ایک دفعہ اپنا اثر دکھاتا ضرور ہے۔ حضرت اقدس مرزا صاحب
خدا کی طرف سے خدمت دین کے لئے مامور تھے۔ اُس کے حکم سے خدمت دین کرتے تھے اور اسی کے
دین کی خدمت کرتے تھے۔ لیکن دماغی محنت کا جو بوجھ اعصاب پر پڑتا ہے وہ اپنا اثر ضرور دکھاتا
تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس مرحلہ میں سے بخیر و عافیت گزار دیتا تھا۔
لیکن اس وجہ سے کہ آپ دین کی خدمت کرتے تھے۔ خدا کا قانون نہیں بدلتا تھا۔ کوئی دنیا کے لئے
دماغی محنت کرے یا دین کے لئے کرے۔ اُس کا بوجھ یکساں اعصاب پر پڑے گا۔ ہاں خدا جب
تک اس کی مرضی ہوتی ہے اس قانون کی زد سے اپنے بندہ کو نقصان نہیں پہنچنے دیتا۔ اور یہ اُس
کا فضل ہوتا ہے۔ لیکن قانون نہیں بدلتا ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ حضرت اقدس کو یہ دورہ

دو طریق پر ہوتا تھا۔ (۱) یا تو اُوپر کے دھڑ پر اثر پڑتا تھا اس صورت میں دوران سر ہونے لگتا تھا۔ یعنی چکر آتے تھے اور دل گھٹنے لگتا تھا اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے تھے اور نبض بہت کمزور پڑ جاتی تھی۔ اس کے لئے آپ کو مشک بہت مفید رہتا تھا۔ ایسے موقعہ کے لئے ہی آپ اکثر اپنے پاس مشک رکھا کرتے تھے (۲) اور یا نیچے کے دھڑ پر اثر پڑتا تھا اور وہ اس طرح کہ دورہ کے وقت کبھی پیشاب کثرت سے آنے لگتا تھا اور کبھی ایسا ہوتا کہ اسہال شروع ہو جاتے تھے۔ پیشاب کی کثرت شروع ہوتی تھی تو اس قدر کہ دس دس منٹ کے بعد پیشاب بڑی مقدار میں آنے لگتا تھا۔ اور اسہال شروع ہو جاتا تھا تو ایسا کہ بغیر کسی ثقیل غذا کھانے کے دست پر دست آتے جن سے ضعف از حد ہو جاتا تھا۔ یاد رہے کہ آپ کی غذا بہت کم تھی اور اخیر میں تو بہت ہی ہلکی غذا کھانے لگے تھے۔ اور ثقیل اور مرغن غذا سے بالکل پرہیز فرماتے تھے۔ میں (یعنی خاکسار مؤلف بشارت احمد) چونکہ خود ڈاکٹر ہوں اور حضرت اقدس کو اُن کی علالت کے دوران میں دیکھتا رہا ہوں اس لئے سُنی سنائی بات نہیں عرض کر رہا۔ بلکہ دیکھی بھالی پختہ بات عرض کر رہا ہوں[1]

دو زرد چادروں کی پیشگوئی کا پورا ہونا

غرضکہ حضرت اقدس کو دورہ کے وقت کبھی تو اُوپر کے دھڑ پر اثر پڑتا تھا اور کبھی نیچے کے دھڑ پر جیسا کہ میں اُوپر ذکر کر آیا ہوں۔ اور یہ صحیح مسلم کی اس حدیث نبویؐ کے مطابق تھا جس میں آنحضرت صلعم کے مسیح موعود کو کشفی طور پر دو زرد چادروں میں ملبوس دیکھنے کا ذکر ہے۔ علم تعبیر کی کتابوں میں زرد چادروں سے مراد بیماریاں ہوتی ہیں۔ پس یہی وہ مسیح موعود کی دو قسم کی بیماریاں تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف میں دو زرد چادروں کی شکل میں دکھائی گئی تھیں +

مرض وفات

لاہور آنے سے قبل حضرت اقدس بہت زیادہ دماغی محنت کرتے رہے تھے پچھلے چار ماہ میں آپ نے چشمۂ معرفت جیسی ضخیم اور دقیق علم و حکمت پر مشتمل کتاب لکھی تھی جو ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء کو شائع ہوئی۔ اس دماغی محنت کا اثر آپ کی طبیعت پر بہت ہوا۔ عمر سترؔ اور اسیؔ سال کے درمیان تھی۔ اب عمر کے تقاضہ کی وجہ سے طبیعت میں جلد صحت کی طرف عود کرنیکی طاقت بہت کم رہ گئی تھی۔ اتنی بڑی دماغی محنت کے بعد آپ لاہور تشریف لائے تو یہاں نیا مشغلہ دماغی محنت کا شروع ہوگیا۔ صبح سے شام تک لوگوں کا تانتا بندھا رہتا۔ اور طرح طرح کے

[1] چونکہ مجھے خود اس مرض کا دورہ دو سال سے پڑنے لگا ہے۔ اس لئے خود بھی سمجھتا ہوں کہ جب دماغی محنت زیادہ کی جائے تو کس طرح دل گھٹنے لگتا اور کثرت پیشاب شروع ہو جاتی ہے۔ (مؤلف)

سوالات ہوتے رہتے اور آپ اُن کے جواب دیتے رہتے۔ اسی سلسلہ میں آپ نے ہندو مسلم اتحاد کا صحیح طریق پبلک کے سامنے پیش کرنا چاہا اور اس کے لئے ایک رسالہ پیغام صلح لکھنا شروع کر دیا۔ گویا باہر سے تقریر کرتے ہوئے اندر گئے تو وہاں تحریر شروع کر دی۔ غرضیکہ دماغ کو کسی وقت آرام نہ تھا۔ آخر شب و روز کی اس دماغی کوفت کا طبیعت پر اثر پڑا۔ قیام لاہور کے زمانہ میں ہی دو تین دفعہ یہ دورہ پڑا مگر کم۔ لیکن ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو جو دورہ پڑا وہ بہت سخت تھا اور آخر وہی مرض الموت ثابت ہوا۔ ۲۵ مئی کی شام کو آپ سارا دن پیغام صلح لکھنے کے بعد سیر کو تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس ہوئے تو آپ کو اس بیماری کا دورہ پڑا اور ہاضمہ پر اثر پڑتا نظر آیا۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کو اطلاع بھیجی۔ اُنہوں نے مناسب دوا بنوا کر بھیجی مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اور رات کے گیارہ بجے کے قریب ایک دست آنے پر طبیعت بہت کمزور ہو گئی۔ اُس وقت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور مولوی نور الدین صاحب کو طلب فرمایا۔ مقوی ادویہ دی گئیں۔ اور اس خیال سے کہ دماغی محنت کی وجہ سے یہ مرض شروع ہوا ہے اس لئے نیند آنے سے آرام آ جائے گا۔ یہ لوگ واپس اپنے جائے قیام کو چلے گئے۔ مگر رات کے دو اور تین بجے کے درمیان پھر ایک اور بڑا دست آ گیا جس سے کہ نبض بالکل بند ہو گئی۔ پھر ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور مولانا نور الدین صاحب کو اور خواجہ کمال الدین صاحب کو طلب فرمایا۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بھی بلوایا گیا۔ وہ جب آئے تو حضرت اقدس نے اُنہیں پاس بلا کر فرمایا کہ "مجھے سخت دورہ اسہال کا ہو گیا ہے آپ کوئی دوا تجویز کریں" پھر ساتھ ہی فرمایا کہ "حقیقت میں تو دوا آسمان پر ہے۔ آپ دوا بھی کریں اور دعا بھی"۔

حضرت اقدس کی وفات

علاج شروع کیا گیا۔ چونکہ حالت نازک ہو گئی تھی اسلئے سب لوگ پاس ہی ٹھیرے رہے اور علاج باقاعدہ ہوتا رہا۔ لیکن نبض پھر واپس نہ آئی۔ بعد میں ڈاکٹر سدرلینڈ پرنسپل میڈیکل کالج لاہور کو بھی جو بہت مشہور ڈاکٹر تھا بلایا گیا۔ لیکن موت کا کوئی علاج نہیں۔ حافظ فضل احمد پاس سورۂ یٰسین پڑھتے رہے اور آخر ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مطابق ۲۴ ماہ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ ہجری بروز منگل بوقت ۱۰½ بجے صبح بمقام احمدیہ بلڈنگس لاہور حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے اور اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ آخری وقت میں حضرت اقدس کی زبان پر صرف یہی کلمات تھے۔ "اے میرے پیارے اللہ۔ اے میرے پیارے۔ اے میرے پیارے۔ اے میرے پیارے اللہ" یہی الفاظ بڑی محبت بھرے لہجہ میں آپ کہتے رہے اور جب فجر کی نماز کی اذان کان میں پڑی تو پوچھا کہ کیا صبح کا وقت ہو گیا۔ پھر باوجود سخت ناطاقتی اور

کمزوری کے آپ نے نماز کی نیت باندھ لی اور نماز ادا کی یہاں تک کہ آپ اپنے اُس پیارے کو جا ملے جس کا جلال ظاہر کرنے کے لئے آپ رات دن کوشاں تھے +

حضرت اقدس کی زوجہ محترمہ کا صبر جمیل

حضرت اقدس کی زوجہ محترمہ نے اس وقت صبر جمیل کا وہ اعلیٰ نمونہ دکھایا کہ جس سے حضرت اقدس کی قوتِ قدسی کا پتہ لگتا ہے حضرت کی بیماری کے دوران میں آپ برابر چارپائی کے پاس برقعہ اوڑھے بیٹھی رہیں۔ اور دعا کرتی رہیں اور کبھی سجدہ میں گر جاتیں۔ اور بار بار یہی کہتی تھیں کہ "اے حی و قیوم خدا۔ اے میرے پیارے خدا۔ اے قادر مطلق خدا۔ اے مُردوں کو زندہ کرنے والے خدا تو ہماری مدد کر۔ اے واحد لاشریک خدا میرے گناہوں کو بخش۔ مَیں گنہگار ہوں۔ اے میرے مولا۔ میری زندگی بھی ان کو دیدے۔ میری زندگی کس کام کی ہے یہ تو دین کی خدمت کرتے ہیں"

بار بار آپ کی زبان پر یہی کلمات تھے۔ اور آخر جب بالکل حالت نازک ہوگئی تو فرمایا کہ "اے پیارے خدا یہ تو ہمیں چھوڑتے ہیں مگر تو نہ ہمیں چھوڑیو" اور حضرت اقدس کی وفات پر آپ نے کسی قسم کا جزع فزع نہیں فرمایا۔ اور جب دیگر مستورات نے رونا شروع کیا تو آپ نے جھڑک دیا کہ "میرے تو وہ خاوند تھے جب مَیں نہیں روتی تو تم رونے والی کون ہو"۔ غرضکہ صبر و استقلال کا نہایت اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھایا +

خدام کا صبر جمیل

ایسے سخت صدمہ کے وقت میں نہ صرف آپ کے خاندان کے لوگوں کو بلکہ تمام خدام کو اللہ تعالیٰ نے بڑا صبر عطا فرمایا۔ کوئی جزع فزع نہیں کی گئی۔ کسی کے منہ سے کوئی شکوہ کا یا بے صبری کا کلمہ نہیں نکلا۔ ایسے مصائب کے وقت میں جس صبر کا نمونہ خود حضرت اقدس دکھایا کرتے تھے وہی آپ کے خدام نے دکھایا۔ بلکہ سب کے سب ایسے نازک موقعہ پر تجہیز و تکفین کے کاموں میں نہایت مستقل مزاجی کے ساتھ لگ گئے۔ یہاں تک کہ لاہور کے مخالفین آتے تھے تو حیران ہو کر واپس چلے جاتے تھے اور یقین نہ کرتے تھے کہ حضرت مرزا صاحب فوت ہوگئے ہیں۔ کیونکہ اُن کو چیخیں مار کر روتا ہؤا اور آہ و بکا میں مصروف کوئی نہ دکھائی دیتا تھا۔

تجہیز و تکفین

دن کے اڑھائی بجے تک غسل دینے اور کفن پہنانے سے فراغت ہوگئی۔ تین بجے کے قریب ایک کثیر جماعت نے نماز جنازہ پڑھی۔ اور اس کے بعد جوق درجوق احمدی اور غیر احمدی آپ کی زیارت کے واسطے آتے تھے۔ وفات کے بعد بھی آپ کے چہرۂ مبارک پر وہی نور برس رہا تھا جو زندگی میں ہؤا کرتا تھا۔ چار بجے کے قریب آپ کا جنازہ احمدی احباب جن کی ایک کثیر جماعت

اُس وقت موجود تھی۔ کندھوں پر اُٹھا کر ریلوے اسٹیشن لاہور پر لائے جہاں کہ پہلے سے ریزرو گاڑیوں کا انتظام تھا۔ گرمی کا موسم تھا اور جنازہ قادیان لیجانا تھا۔ اس لئے صندوق بنوا کر اس میں حضرت اقدس مرزا صاحب کی لاش رکھی گئی اور کئی من برف اس میں رکھی گئی تاکہ گرمی کے اثر سے محفوظ رہے۔

بعض اشد مخالفوں کا سفلہ پن

لاہور میں بعض اشد مخالفوں نے اس موقعہ پر جس کمینہ پن کا نمونہ دکھایا اُس کی نظیر شاید بہت کم ملے گی۔ حضرت اقدس کی وفات کی خبر مشہور ہوتے ہی اُن لوگوں نے ایک ہڑبونگ مچادی اور بڑی تعداد میں آوازے کستے اور نعرے لگاتے ہوئے حملے کر کر کے ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان پر آنے لگے۔ اور اگر ڈاکٹر صاحب موصوف پولیس کو چٹھی لکھ کر مکان پر پہرہ نہ لگواتے اور اس بھیڑ کو منتشر نہ کرواتے تو تعجب نہ تھا کہ یہ مکان میں زبردستی اندر گھس کر نعش کی بے حرمتی کرتے۔ لیکن پہرہ لگ جانے پر جب کچھ کر نہ سکے تو اسلامیہ کالج کے میدان میں ان لوگوں نے اکھاڑہ جمالیا اور وہاں سے گالیوں اور لعنتوں اور بدزبانیوں کا ایک طوفان بے تمیزی اور شور و ہنگامہ بلند کرنا شروع کر دیا۔ اور تمام دن خوشی سے دیوانے ہو ہو کر عجب عجب خفیف الحرکاتی کا مظاہرہ کرتے رہے جن کا یہاں ذکر کرنا فضول ہے۔ ان کے مولوی اور پیران سب باتوں کو دیکھتے اور خوش ہوتے اور اس خلاف تقویٰ اور مُزیل شانِ اسلام حرکات قبیحہ سے بالکل نہ روکتے بلکہ درپردہ اور اُکساتے۔ یہاں تک کہ جب حضرت اقدس کا جنازہ لیکر احمدی جماعت اسٹیشن کو روانہ ہوئی۔ تو ان بازاری لوگوں نے اپنے میں سے ہی ایک شخص کا منہ کالا کر کے اُسے ایک چارپائی پر لٹا کر جنازہ اُٹھایا اور آگے آگے وہ فرضی جنازہ اور پیچھے پیچھے یہ لوگ ہائے ہائے مرزا۔ ہائے ہائے مرزا کے نعرے لگاتے اور مصنوعی ماتم کرتے اسٹیشن کی طرف چل پڑے۔ ظاہر ہے کہ ایسے رنج و غم کے موقعہ پر یہ تمسخر و استہزا اور کمینہ پن کا مظاہرہ کس قدر مزید رنج و غم کا موجب ہوا ہوگا۔ لیکن احمدی جماعت کے افراد نے بڑے صبر سے کام لیا۔ ورنہ ایسے موقعہ پر اگر ذرا بھی صبر کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جاتا تو بلوہ ہو جانا اور کشت و خون ہو جانا معمولی بات تھی احمدی جماعت کثرت سے جمع ہوئی ہوئی تھی اور ان بازاری غنڈوں سے نپٹ لینا کچھ مشکل امر نہ تھا لیکن اُنھوں نے صبر اور اسلامی وقار سے کام لیا بلکہ یہ قبیح حرکت ان کے ازدیادِ ایمان کا باعث ہوئی کہ اگر مسلمانوں کی حالت ایسی ناگفتہ بہ نہ ہو گئی ہوتی تو کسی مصلح کے آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

پھر ان مخالفین نے ریلوے کے حکام کو خفیہ طور پر یہ جھوٹی رپورٹ دی کہ مرزا غلام احمد ہیضہ سے مر گیا ہے اور ہیضہ چونکہ متعدی مرض ہے اس لئے ایسے آدمی کی نعش جو کسی متعدی مرض سے فوت

ہؤا ہو بذریعہ ریل دوسری جگہ جا نہیں سکتی۔ یہ خبر احمدیوں کو بھی پہنچ چکی تھی کہ دشمنوں نے یہ شرارت کی ہے اس لئے شیخ رحمت اللہ صاحب فوراً ڈاکٹر سدرلینڈ پرنسپل میڈیکل کالج لاہور کے پاس گئے جسے آخر وقت میں بلایا تھا اور اُس سے سرٹیفکیٹ لیا کہ آپ کی وفات ہیضہ سے نہیں ہوئی بلکہ اعصابی تکان سے اسہال کی وجہ سے ہوئی ہے۔ چنانچہ جب جنازہ اسٹیشن پر پہنچا تو ریلوے افسروں نے اعتراض کیا کہ چونکہ سُنا گیا ہے کہ مرزا صاحب ہیضہ سے فوت ہوئے ہیں اس لئے جبتک ڈاکٹری سرٹیفکیٹ اس خبر کی تردید میں پیش نہ کیا جائے ہم جنازہ کو ریل میں لے جانیکی اجازت نہیں دے سکتے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب نے اُسی وقت ڈاکٹر سدرلینڈ کا سرٹیفکیٹ نکال کر پیش کر دیا۔ اس پر ریلوے افسروں نے اجازت دیدی اور جنازہ سیکنڈ کلاس گاڑی میں جو ریزرو تھی سوار کر دیا گیا +

جنازہ قادیان لے جایا گیا لاہور سے گاڑی شام کے پونے چھ بجے چلی۔ اور رات کے ۱۰ بجے بٹالہ پہنچی۔ گاڑی کاٹ کر الگ کر دی گئی۔ جنازہ گاڑی میں ہی رہا۔ صبح کو دو بجے کے قریب نعش مبارک کو صندوق سے باہر نکالا گیا اور چارپائی پر رکھ کر خدام جنازہ اپنے کندھوں پر اُٹھا کر قادیان لے گئے۔ اور ۲۷۔ مئی ۱۹۰۸ء کو صبح ۸ بجے قادیان پہنچ گئے +

تدفین جنازہ باغ میں رکھا گیا۔ اسی جگہ حضرت اقدس کو دفن کرنے سے پہلے تمام جماعت نے حضرت مولانا نورالدین صاحب کو اپنا امیر تسلیم کیا۔ اور مولانا نورالدین صاحب کی امامت میں تمام جماعت نے قبل از نماز عصر نماز جنازہ پڑھی جس میں بہت سے دوست سیالکوٹ، وزیر آباد، کپورتھلہ اور دیگر مقامات سے آ کر شامل ہو گئے تھے۔ جنازہ پڑھانے کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب نے ایک وعظ کیا۔ بعد اس کے نماز عصر پڑھی گئی۔ اور نماز کے بعد جنازہ کو باغ کے مکان میں رکھ کر تمام دوستوں کو زیارت کرائی گئی۔ اس وقت قریب بارہ سو (۱۲۰۰) آدمی مرد و عورت جمع تھے۔ بعد اس کے بہشتی مقبرہ میں قبر میں رکھا گیا۔ اور خدا کے سپرد کیا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ قبر کچی رکھی گئی۔ البتہ سرہانے کتبہ لکھ کر لگایا گیا۔ جس میں آپ کا منصب اعلیٰ مجدد صد چہاردھم لکھا گیا۔ اور آپ کا منجانب اللہ خطاب مسیح موعود بھی اس میں درج کیا گیا۔ اس کتبہ کے اصل الفاظ حسب ذیل تھے:-

"جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی۔ رئیس قادیان۔ مسیح موعود۔ مجدد صد چہاردھم
تاریخ وفات ۲۶۔ مئی ۱۹۰۸ء" [1]

[1] میں نے سُنا ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کے صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب کے حکم سے سالہا سال کے بعد اب

(باقی برصفحہ ۱۲۱۳)

عمر حضرت اقدس کی وفات پر جو مختلف قسم کے اعتراضات مخالفوں کی طرف سے اُٹھے۔ چونکہ میں اُن سب پر اس کتاب میں پہلے ہی اپنی اپنی جگہ مفصل بحث کر کے انکے جوابات دے آیا ہوں اسلئے ان جوابات کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ البتہ عمر کے متعلق جو اعتراض اُٹھا تھا اس کے متعلق غلط فہمی رفع کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ حضرت اقدس کے پاس اپنی سن ولادت کی کوئی تحریری یادداشت موجود نہ تھی۔ نہ کوئی صحیح تاریخ آپ کو خود یاد تھی۔ فقط اٹکل ہی اٹکل تھی۔ اور مختلف تصانیف میں لکھتے وقت آپ تخمیناً اندازہ سے اپنی عمر لکھ دیا کرتے تھے۔ میں اسی کتاب کے پہلے حصہ میں آپ کی ولادت کے باب میں ثابت کر آیا ہوں کہ جہاں تک صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے جنتری کے رُو سے آپ کی ولادت کی تاریخ ۱۳۔ فروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۴۔ شوال ۱۲۵۰ھ ہجری معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت میں شمسی حساب سے آپ کی عمر ۷۳ سال سے زیادہ یعنی قریباً ۷۴ سال بنتی ہے اور قمری حساب سے ۷۶ سال بنتی ہے۔ لوگوں کا اعتراض یہ تھا کہ حضرت مرزا صاحب کا اپنی عمر کی نسبت الہام تھا:۔

"ثمانین حولًا او قریبًا من ذلک۔ او تزید علیہ سنینا" یعنی تیری عمر اسّی برس کی ہوگی یا اس کے قریب یا اس پر چند سال زیادہ"

پس عمر اس کے مطابق نہ ہوئی حالانکہ یہ غلط بات ہے۔ عمر ٹھیک الہام کے مطابق ہوئی۔ الہام میں عمر ۸۰ سال یا ۸۰ سال سے قریب یعنی چند سال کم یا اس پر چند سال زیادہ کی خبر ہے۔ چند سال کم یا چند سال زیادہ کی جو تفہیم خود حضرت اقدس کو ہوئی وہ آپ نے اپنی کتاب نصرت الحق ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم میں صفحہ ۹۷ پر اس طرح ارقام فرمائی ہے:۔

"اور جو الفاظ وحی کے وعدے کے متعلق ہیں وہ تو چوہتر اور چھیاسی کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں"

پس جب شمسی حساب سے قریباً ۷۴ سال اور قمری حساب سے آپ کی عمر ۷۶ سال کی بنتی ہے تو اعتراض کوئی نہ رہا۔ یہ تو جواب اس تشریح کے مطابق ہے جو حضرت اقدس نے اپنے عمر والے الہام کی خود فرمائی۔ اس کے بعد کسی اور تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ لیکن با ایں ہمہ ایک اور تشریح بھی ہے جو بجائے خود نہایت لطیف ہے وہ بھی یہاں اہل ذوق کیلئے عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ پیشگوئیوں میں اکثر ایک پہلو اخفا کا ہوتا ہے اور وہ حجاب اُسی وقت اُٹھتا ہے جب پیشگوئی کا ظہور واقعات کے رنگ میں ہوتا ہے۔ اُس وقت

(بقیہ صفحہ ۱۲۱۲) وہ کتبہ بدل دیا گیا ہے جس کا بڑا افسوس ہے لیکن ہر ایک عقلمند جانتا ہے کہ میاں محمود احمد صاحب اپنے غالیانہ عقیدہ کے ماتحت حضرت اقدس مرزا صاحب کا جو منصب بھی اب اپنے نئے کتبہ میں لکھتے پھریں مگر آپ کا اصل منصب وہی تھا جو آپ ہمیشہ اپنی قلم سے لکھتے رہے اور جو آپ کی وفات کے بعد جماعت کے متفقہ عقیدہ کے ماتحت آپ کی قبر کے کتبہ پر لکھا گیا۔ یعنی مجدد صد چہاردہم اور مسیح موعود + (مؤلف)

پردہ اُٹھ کر موجب ازدیادِ ایمان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اُس سے دقیق در دقیق علمِ الٰہی کا پتہ لگتا ہے جس تک پہلے دماغ انسانی اپنی پرواز سے نہ پہنچ سکا تھا۔ الہام کے الفاظ ہیں۔ ثمانین حولاً او قریباً من ذالک۔ اسی سال یا اس سے قریب عام طور پر یہ سمجھا گیا کہ اسی سال سے قریب یہی ہؤا کہ اس سے چند سال کم۔ لیکن علم حساب میں دہاکوں کا قرب ایک اور رنگ کا بھی ہوتا ہے۔ اور وہ اس دہاکے سے ہوتا ہے جو اس سے قرب میں پہلا دہاکا ہو۔ مثلاً جو دہاکا اسی سال کے دہاکے سے قرب رکھتا ہے وہ ستر کا دہاکا ہے کیونکہ یہ اسی کے دہاکے سے قریب پہلا دہاکا ہے۔ پس قریباً من ذالک میں دراصل اس دہاکے کی طرف اشارہ تھا جو اسی سال کے دہاکے سے قریب ہے اور وہ ستر سال ہے۔ پھر فرمایا او تزید علیہ سنینا بلکہ اس پر چند سال بڑھائے جائینگے یعنی ستر سال پر کچھ اور سال بھی بڑھائے جائیں گے۔ یہاں او بمعنے بلکہ ہے۔ پس حضرت اقدس کا چوہتر سال شمسی اور ۷۶ سال قمری عمر پانا عین اس الہام کے مطابق ہؤا۔ کیونکہ الہام کا مطلب یہ تھا کہ ۸۰ سال یا ۷۰ سال پر چند سال زیادہ۔ پس ستر سال سے چند سال زیادہ عمر پاکر آپ کی وفات ہوئی اور پیشگوئی نہایت صفائی سے پُوری ہوئی۔ یہ بہت ابتدائی زمانہ کا الہام ہے۔ یہاں ایک دم کی زندگی کا بھی انسان کو اعتبار نہیں ہوتا۔ اور پھر حضرت مرزا صاحب تو بوجہ سخت دماغی محنت کے اکثر بیمار رہا کرتے تھے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ آپ اتنی لمبی عمر پائیں گے لیکن خدا نے جو بات چالیس سال قبل بتائی تھی وہ لفظ بہ لفظ پُوری ہوئی۔

پیغامِ صلح

جماعت کی غیر معمولی استقامت

حضرت اقدس کی وفات کے بعد مخالفوں نے یہ سمجھا کہ اب احمدی جماعت کے افراد کو اُن کے مسلک سے پھسلا دینا کیا مشکل ہے۔ اس لئے وہ یک مرتبہ اپنے تمام اعتراضات اور مزخرفات لیکر اس جماعت کے لوگوں پر پل پڑے اور پیسہ اخبار اور اہل حدیث وغیرہ اخباروں میں مخالفت میں طرح طرح کے اعتراضات اور مفتریات کا ایک طوفان آگیا۔ اور تحریر سے کیا۔ اور تقریر سے کیا۔ دشمنوں نے احمدیوں کو پھسلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے احمدی جماعت کے افراد کے قلوب پر وہ طمانیت اور سکینت نازل فرمائی کہ شاذ و نادر کا تو مَیں کہہ نہیں سکتا مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ تقریباً ساری کی ساری جماعت کے پائے ثبات میں ذرا بھی تزلزل نہیں آیا۔ اُنہوں نے نہایت صبر اور استقامت کے ساتھ اعتراضات کو سُنا اور نہایت معقولیت اور متانت کے ساتھ اُن کا جواب دیا۔ اور اُس کام کو جاری رکھنے کے لئے سرتوڑ کوشش شروع کر دی جو ان کا امام اور مجدد وقت شروع کر گیا تھا۔ یعنی حفاظت و اشاعت اسلام کا کام۔

پیغام صلح کا مقصد

سب سے پہلے جس امر کی طرف اُنہوں نے توجہ کی وہ پیغام صلح تھا جو حضرت اقدس اپنی زندگی میں قوم ہنود کو دینا چاہتے تھے۔ حضرت اقدس جانتے تھے کہ ہندوستان کو آزادی نہیں مل سکتی جب تک کہ ہندو اور مسلمان دونو آپس میں متحد نہ ہوں۔ اور ایک غیر مسلم قوم سے قرآن کریم کے حکم کے مطابق ایک مسلمان صلح نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ پہلے اپنے حقوق کی حفاظت نہ کرے جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ لایتخذ المؤمنون الکٰفرین اولیاء من دون المؤمنین ط و من یفعل ذٰلک فلیس من اللہ فی شیءٍ الا ان تتقوا منہم تقٰۃً (آل عمران) کہ مومن مومنوں کے سوا کافروں کو اپنا دلی دوست (یعنی جن کے ساتھ مل کر اپنا نصب العین متحد کرلیا جائے) نہیں بنا سکتا۔ اور جو کوئی ایسا کرتا ہے اللہ کے ہاں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ سوائے اس حالت کے کہ مومن پہلے اپنے حقوق کی حفاظت ایسے طریق پر کرلیں جو حق ہے حفاظت کرنے کا۔ پس اسی بنا پر حضرت اقدس مرزا صاحب نے ہندوؤں کو جب صلح کا پیغام دیا تو ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت سے آپ نے مسلمانوں کے سب سے بڑے حق یعنی اُن کے مذہب اور کلچر کی حفاظت کا مطالبہ کیا اور اس کے لئے آپ نے یہ طریق پیش کیا کہ ہندو بحیثیت ایک قوم کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا نبی مان لیں اور آئندہ کے لئے آپ کی اہانت سے بکلی باز آجائیں۔ چنانچہ جب لاہور کے چند ہندو عمائد آپ سے ملنے کے لئے حاضر ہوئے تو اسی خیال کو آپ نے اُن کے سامنے ذکر کرکے ارشاد فرمایا کہ آپ کا ارادہ ایک ایسوسی ایشن بنانے کا ہے جس کے ذریعہ کوشش کی جائے کہ ہندو مسلمانوں کا باہمی فساد مٹ جائے اور اُن کے درمیان صلح و محبت پیدا ہوجائے اور یہی وہ مقصد تھا جس کے لئے آپ اپنا وہ لیکچر لکھ رہے تھے جو پیغام صلح کے نام سے ۳۱۔ مئی ۱۹۰۸ء کو احمدیہ بلڈنگس میں ایک پبلک جلسہ میں پڑھا جانے کو تھا۔ لیکن حضرت اقدس کی وفات کی وجہ سے اُس تاریخ کو لیکچر نہ پڑھا جاسکا۔

حضرت اقدس کا مضمون لکھنے کا طریق

حضرت اقدس کے مضمون لکھنے کا طریق یہ تھا کہ جس موضوع پر آپ کوئی مضمون لکھنا چاہتے تھے اُسے ذہن میں رکھ کر آپ قرآن شریف کو شروع سے لے کر آخر تک پڑھ جاتے تھے اور اس امر پر تدبر اور غور کرتے کہ اس موضوع پر قرآن کریم کیا فرماتا ہے۔ پھر جو کچھ قرآن کریم کہتا وہی آپ بھی کہتے۔ اور جو دلائل بھی دیتے وہ قرآن کریم سے ہی دیتے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اپنی طرف سے کچھ نہ فرماتے جو کچھ فرماتے وہ درحقیقت قرآن کریم کی آیات اور احکام کی ہی تشریح و تفسیر ہوا کرتی تھی۔ آپ کا بڑا زور اس بات پر تھا کہ قرآن کریم جس بات کا دعویٰ کرتا ہے

اس کے دلائل بھی خود ہی دیتا ہے۔ وہ دلائل کے لئے اپنے ماننے والوں کا منہ نہیں تکتا پس ہمیں چاہئے کہ جب کوئی مضمون لکھنے لگیں تو سب سے پہلے اُسے قرآن کریم میں تلاش کریں۔ وہ ہدایت کی مکمل اور مفصل کتاب ہے۔ ناممکن ہے کہ اُس میں اُس کے متعلق کوئی ہدایت نہ ہو۔ پھر جو ہدایت وہ دے اس کو مضبوط پکڑیں اور اُسی کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اور پھر قرآن کریم جب کوئی ہدایت دیگا تو بغیر دلیل کے نہیں دے گا۔ پس چاہئے کہ اس کے دلائل بھی قرآن کریم سے ہی ہم تلاش کریں۔ پھر جو دلائل قرآن کریم دے اُسے لیں اور اپنی تفسیر و تشریح کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کریں چونکہ خدا کی دی ہوئی ہدایت سچی اور کامل ہوتی ہے اور اُس کے دیئے ہوئے دلائل محکم اور معقول ہوتے ہیں اس لئے اُن کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔ پس یہی وہ کامیابی کی راہ ہے جو ایک مجاہد مسلمان کو اختیار کرنی چاہئے۔

علیٰ ہذا القیاس جب آپ لیکچر پیغام صلح لکھنے لگے اور آپ نے یہ چاہا کہ ساتھ ہی ہندوؤں کو اسلام کی صداقت کی تبلیغ بھی کریں۔ تو اس کے لئے آپ نے حسب معمول قرآن کریم کو پڑھا۔ اور اس میں سے آیات منتخب کر کے کاغذ پر لکھ لیں۔ آپ کی وفات کی وجہ سے چونکہ لیکچر نامتمام رہ گیا اس لئے وہ تمام منتخب کردہ آیات اسی طرح مسودہ سے دستیاب ہوئیں جو نہ معلوم کس قدر پُر از معارف تفسیر کے ساتھ آپ پبلک کے سامنے پیش کرنے کو تھے۔

لیکچر کا اعلان پیغام صلح کا لیکچر جس قدر لکھا جا چکا تھا اُس میں وہ پیغام کافی طور پر آچکا تھا جو آپ ہندوؤں کو دینے کو تھے۔ اس لئے آپ کے خدام نے یہ چاہا کہ اس پیغام صلح کو ہندوؤں تک پہنچا دیا جائے۔ اور جو کام آپ اپنی زندگی میں کرنا چاہتے تھے وہ آپ کی وفات کے بعد سہی۔ آپ کی نمائندہ آپ کی جماعت جو موجود ہے۔ چنانچہ اس امر کو مدنظر رکھ کر خواجہ کمال الدین صاحب نے جو آنریری سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان کے تھے لاہور کے مسلمان طبقہ کے عمائد و اکابر سے مشورہ کیا۔ وہ لوگ بھی اُس تقریر سے جو حضرت اقدس نے دعوت والے روز فرمائی تھی بہت متاثر تھے۔ سب نے اس تجویز کو پسند کیا۔ اور خواجہ کمال الدین صاحب اور چند اور احمدی اور غیر احمدی مسلم اکابر کی طرف سے جن میں میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹر اور میاں فضل حسین صاحب بیرسٹر بھی شامل تھے ایک اعلان تمام لاہور بلکہ دیگر بلاد پنجاب میں بھی مشتہر کر دیا گیا۔ کہ ۲۱۔ جون ۱۹۰۸ء کو بروز اتوار ۷ بجے صبح بمقام لاہور یونیورسٹی ہال میں حضرت اقدس مرزا صاحب کا آخری لیکچر پیغام صلح پڑھا جائے گا۔

پیغام صلح کا پڑھا جانا حضرت اقدس کا لیکچر پیغام صلح چھپوا لیا گیا اور اُسے ۲۱۔ جون ۱۹۰۸ء کو بروز اتوار

صبح ۷ بجے بمقام لاہور یونیورسٹی ہال میں پڑھا گیا۔ اتنا عظیم الشان جلسہ بہت کم لاہور میں دیکھنے میں آیا ہے کئی ہزار ہندو مسلمان سکھ اور عیسائی جمع تھے اور سب کا سب تعلیم یافتہ اور فہمیدہ طبقہ تھا۔ احمدی جماعت کے افراد بھی باہر سے بہت سے آئے ہوئے تھے۔ خاکسار مؤلف بھی اس جلسہ میں موجود تھا۔ جسٹس سر پرتول چندر جج چیفکورٹ پنجاب اس جلسہ کے صدر تھے۔ اور خواجہ کمال الدین صاحب نے وہ لیکچر پڑھا تھا اور بڑی خوبصورتی اور زور کے ساتھ پڑھا تھا۔

مضمون لیکچر اس لیکچر میں حضرت اقدس مرزا صاحب نے سورۃ الفاتحہ کی آیت الحمد للہ ربّ العٰلمین کی تفسیر کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی جسمانی ربوبیت کا فیضان عام ہے کسی خاص قوم یا ملک سے مختص نہیں۔ خدا نے سورج چاند ہوا پانی وغیرہ ذرائع ربوبیت سب کے لئے یکساں پیدا کر دیئے ہیں۔ اسی طرح اُس کی رُوحانی ربوبیت اور تربیت کا فیضان بھی عام ہے۔ کسی خاص قوم یا ملک سے مختص نہیں۔ اسی لئے اُس نے ہر قوم میں رسول اور نبی بھیجے۔ جو قومیں خدا کے اس فیضان ربوبیت رُوحانی کو صرف اپنے تک ہی محدود سمجھتی ہیں وہ دراصل دوسری قوموں کو ایسا سمجھتی ہیں کہ وہ خدا کے بندے ہی نہیں اور گویا خدا نے اُن کو پیدا کر کے پھر ردّی کی طرح پھینک دیا۔ یا اُن کو بھول گیا۔ چنانچہ یہود۔ عیسائی اور آریہ و ہنود جو خدا کی وحیٔ الہام اور نبوت کو اپنی ہی قوموں سے مختص سمجھتے ہیں درحقیقت خدا کو رب العٰلمین نہیں مانتے۔ برخلاف اس کے قرآن کریم خدا کو رب العٰلمین مانتا ہے۔ اور اس کے فیضان ربوبیت کو ہر ایک قوم پر حاوی سمجھتا ہے۔ اسی لئے وہ فرماتا ہے کہ اِن مِّن اُمَّةٍ اِلَّا خلا فیھا نذیر کہ کوئی ایسی قوم نہیں جس میں کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا گیا۔ پھر آپ نے بتلایا کہ:۔

"یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں کہ اتفاق ایک ایسی چیز ہے کہ وہ بلائیں جو کسی طرح دُور نہیں ہو سکتیں اور وہ مشکلات جو کسی تدبیر سے حل نہیں ہو سکتیں وہ اتفاق سے حل ہو جاتی ہیں .....

ہندو اور مسلمان اس ملک میں دو ایسی قومیں ہیں کہ یہ ایک خیال محال ہے کہ کسی وقت مثلاً ہندو جمع ہو کر مسلمانوں کو اس ملک سے باہر نکال دیں گے یا مسلمان اکٹھے ہو کر ہندوؤں کو جلاوطن کر دیں گے۔ بلکہ اب ہندو مسلمانوں کا باہم چولی دامن کا ساتھ ہو رہا ہے۔ اگر ایک پر کوئی تباہی آوے تو دوسرا بھی اس میں شریک ہو جائے گا۔ اور اگر ایک قوم دوسری قوم کو محض اپنے نفسانی تکبر اور شیخت سے حقیر کرنا چاہے گی تو وہ بھی داغ حقارت سے نہیں بچے گی۔

...... جو شخص تم دونو قوموں میں سے دوسری قوم کی تباہی کی فکر میں ہے اسکی اس شخص کی

مثال ہے کہ جو ایک شاخ پر بیٹھ کر اسی کو کاٹتا ہے...... ایسے نازک وقت میں یہ راقم آپ کو صلح کے لئے بلاتا ہے جبکہ دونو کو صلح کی بہت ضرورت ہے۔"

پھر بعد اس کے بتلایا کہ سب سے بڑھ کر جو ہندو مسلمانوں میں اختلاف نظر آتا ہے وہ مذہبی اختلاف ہے۔ ایک ہندو راجپوت ایک مسلمان راجپوت کا اسی لئے دشمن نظر آتا ہے کہ مذہب میں اختلاف ہے ورنہ قومیت میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن یہ اختلاف اختلاف نہیں رہتا اگر چھوٹے چھوٹے اختلافات کو ہم نظر انداز کر دیں اور اصل وجہ کو جو اس مذہبی اختلاف میں مانع صلح ہے مٹانے کی کوشش کریں اور وہ یہ ہے کہ کسی کے مقبول پیغمبر اور مقبول الہامی کتاب پر توہین اور تکذیب کے ساتھ حملہ نہ کیا جائے۔ پھر اس بات پر کہ خدا کا فیضانِ ربوبیت کسی ملک اور کسی قوم سے مختص نہیں بحث کرتے ہوئے اور ہر ایک قوم میں نبی اور رسول اور خدا کے برگزیدوں کا وجود مانتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں :-

"اور ہم لوگ دوسری قوموں کے نبیوں کی نسبت ہرگز بدزبانی نہیں کرتے۔ بلکہ ہم یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ جس قدر دنیا میں مختلف قوموں کے لئے نبی آئے ہیں اور کروڑ ہا لوگوں نے انہیں مان لیا ہے اور دنیا کے کسی ایک حصّہ میں ان کی محبت اور عظمت جاگزین ہوگئی ہے اور ایک زمانۂ دراز اُس محبت اور اعتقاد پر گزر گیا ہے تو بس یہی ایک دلیل ان کی سچائی کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ اگر وہ خدا کی طرف سے نہ ہوتے تو یہ قبولیت کروڑ ہا لوگوں کے دلوں میں نہ پھیلتی۔ ...... اسی بنا پر ہم وید کو بھی خدا کی طرف سے مانتے ہیں اور اس کے رشیوں کو بزرگ اور مقدس سمجھتے ہیں۔ اگرچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وید کی تعلیم پورے طور پر کسی فرقہ کو خدا پرست نہیں بنا سکی اور نہ بنا سکتی تھی۔ اور جو لوگ اس ملک میں بُت پرست یا آتش پرست یا آفتاب پرست یا گنگا کی پوجا کرنے والے اور ہزار ہا دیوتاؤں کے پُجاری یا جین مت یا شاکت مت والے پائے جاتے ہیں۔ وہ تمام لوگ اپنے مذاہب کو وید ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور وید ایک ایسی مجمل کتاب ہے کہ یہ تمام فرقے اسی میں سے اپنے اپنے مطلب نکالتے ہیں تاہم خدا کی تعلیم کے موافق ہمارا پختہ اعتقاد ہے کہ وید انسان کا افترا نہیں ہے۔ انسان کے افترا میں یہ قوت نہیں ہوتی کہ کروڑ ہا لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لے۔ اور پھر ایک دائمی سلسلہ قائم کر دے۔ اور اگرچہ ہم نے وید میں پتھر کی پرستش کا ذکر تو کہیں نہ پڑھا۔ لیکن بلاشبہ اگنی۔ وایو اور جل اور چاند اور سورج وغیرہ کی پرستش سے وید بھرا ہوا ہے۔ اور کسی شرتی میں ان چیزوں کی پرستش کے لئے

ممانعت نہیں۔ اب اس کا کون فیصلہ کرے کہ دوسرے تمام قدیم فرقے ہندوؤں کے جھوٹے ہیں۔ اور صرف نیا فرقہ آریوں کا سچا۔ اور جو لوگ وید کے حوالہ سے ان چیزوں کی پرستش کرتے ہیں اُن کے ہاتھ میں یہ دلیل پختہ ہے کہ ان چیزوں کی پرستش کا وید میں صریح ذکر ہے۔ اور ممانعت کہیں بھی نہیں۔ اور یہ کہنا کہ یہ سب پرمیشور کے نام ہیں ہنوز یہ ایک دعویٰ ہے کہ جو ابھی صفائی سے طے نہیں ہؤا۔ اور اگر ہو جاتا تو کچھ وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ بڑے بڑے پنڈت بنارس اور دوسرے شہروں کے آریوں کے عقیدوں کو قبول نہ کرتے۔ باوجود تیس پینتیس برس کی کوششوں کے بہت ہی کم ہندوؤں نے آریہ مذہب اختیار کیا ہے اور بمقابلہ سناتن دھرم اور دوسرے ہندو فرقوں کے آریہ مذہب والے اس قدر تھوڑے ہیں کہ گویا کچھ بھی نہیں اور نہ اُن کا دوسرے ہندو فرقوں پر کوئی وسیع اثر ہے۔ ایسا ہی جو نیوگ کی تعلیم وید کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ یہ بھی وہ امر ہے جو انسانی غیرت اور شرافت اس کو قبول نہیں کرتی لیکن جیسا کہ مَیں نے ابھی بیان کیا ہے ہم قبول نہیں کر سکتے کہ یہ درحقیقت وید ہی کی تعلیم ہے۔ بلکہ ہماری نیک نیتی بڑے زور سے ہمیں اس بات کی طرف مائل کرتی ہے کہ ایسی تعلیمیں کسی نفسانی غرض سے بعد میں وید کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور چونکہ وید پر ہزارہا برس گزر گئے ہیں اس لئے ممکن ہے کہ مختلف زمانوں میں بعض وید کے بھاشکاروں نے کئی قسم کی کمی بیشی کی ہوگی ...... اور پھر جبکہ ہم باوجود ان تمام مشکلات کے خدا سے ڈر کر وید کو خدا کا کلام جانتے ہیں اور جو کچھ اس کی تعلیم میں غلطیاں ہیں وہ وید کے بھاشکاروں کی غلطیاں سمجھتے ہیں۔ تو پھر قرآن شریف جو اوّل سے آخر تک توحید سے بھرا ہؤا ہے اور کسی جگہ اس میں سورج اور چاند وغیرہ کی پرستش کی تعلیم نہیں بلکہ صاف لفظوں میں فرمایا ہے۔ ولا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للّٰہ الذی خلقھن یعنی نہ سورج کی پرستش کرو۔ نہ چاند کی اور نہ کسی اور مخلوق کی۔ اور اس کی پرستش کرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔ علاوہ اس کے قرآن شریف خدا کے قدیم نشانوں اور تازہ نشانوں کی گواہی اپنے ساتھ رکھتا ہے اور خدا کا وجود دکھلانے کے لئے ایک آئینہ ہے۔ کیوں وحشیانہ طور کے اس پر حملے کئے جائیں اور کیوں وہ معاملہ ہم سے نہیں کیا جاتا جو ہم آریہ صاحبوں سے کرتے ہیں۔ اور کیوں دشمنی اور عداوت کا تخم ملک میں بویا جاتا ہے۔ کیا اُمید کی جاتی ہے کہ اس کا نتیجہ اچھا ہوگا۔ کیا یہ نیک معاملہ ہے کہ ایک شخص جو پھول دیتا ہے اس پر پتھر پھینکا جائے اور جو دودھ پیش کرتا ہے اس پر پیشاب گرایا جائے اگر اس قسم کی صلح تمام کے لئے ہندو صاحبان اور آریہ صاحبان طیار ہوں کہ وہ ہمارے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچّا نبی مان لیں اور آئندہ توہین اور تکذیب چھوڑ دیں تو میں سب سے پہلے اس اقرار نامہ پر دستخط کرنے پر طیار ہوں کہ ہم احمدی سلسلہ کے لوگ ہمیشہ وید کے مصدّق ہوں گے اور وید اور اس کے رشیوں کا تعظیم اور محبت سے نام لیں گے۔ اور اگر ایسا نہ کریں گے تو ایک بڑی رقم تاوان کی جو تین لاکھ روپیہ سے کم نہیں ہوگی۔ ہندو صاحبوں کی خدمت میں ادا کر دیں گے۔ اور اگر ہندو صاحبان دل سے ہمارے ساتھ صفائی کرنا چاہتے ہیں تو وہ بھی ایسا ہی اقرار لکھ کر اس پر دستخط کر دیں اور اس کا مضمون بھی یہ ہوگا کہ ہم حضرت محمد مصطفےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوّت پر ایمان لاتے ہیں۔ اور آپ کو سچا نبی اور رسول سمجھتے ہیں۔ اور آیندہ آپ کو ادب اور تعظیم کے ساتھ یاد کریں گے جیسا کہ ایک ماننے والے کے مناسب حال ہے۔ اور اگر ہم ایسا نہ کریں تو ایک بڑی رقم تاوان کی جو تین لاکھ روپیہ سے کم نہیں ہوگی احمدی سلسلہ کے پیشوا کی خدمت میں پیش کریں گے ...... لیکن یہ ضروری ہوگا کہ معاہدہ کی تحریر کو پختہ کرنے کیلئے دونو فریق کے دس دس ہزار سمجھدار لوگوں کی اس پر دستخط ہوں۔ پیارو! صلح جیسی کوئی بھی چیز نہیں۔ آؤ ہم اس معاہدہ کے ذریعہ سے ایک ہو جائیں اور ایک قوم بن جائیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ باہمی تکذیب سے کس قدر پھوٹ پڑ گئی ہے۔ اور اس ملک کو کس قدر نقصان پہنچا ہے۔ آؤ اب یہ بھی آزما لو کہ باہمی تصدیق کی کس قدر برکات ہیں۔ بہترین طریق صلح کا یہی ہے۔ ورنہ کسی دوسرے پہلو سے صلح کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ ایک پھوڑے کو جو شفاف اور چمکتا نظر آتا ہے اسی حالت میں چھوڑ دیں اور اس کی ظاہری چمک پر خوش ہو جائیں حالانکہ اس کے اندر سڑی ہوئی اور بدبودار پیپ موجود ہے۔“

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

”پس اگر ہندو صاحبان اپنے صدق دل سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سچّا نبی مان لیں اور ان پر ایمان لاویں تو یہ تفرقہ کہ جو گائے کی وجہ سے ہے اس کو بھی درمیان سے اُٹھا دیا جائیگا جس چیز کو ہم حلال جانتے ہیں ہم پر واجب نہیں کہ ضرور اس کو استعمال بھی کریں۔ بہتیری ایسی چیزیں ہیں کہ ہم حلال تو جانتے ہیں مگر کبھی ہم نے استعمال نہیں کیں ...... حلال جاننا اور چیز ہے اور استعمال کرنا اور چیز۔ دین یہ ہے کہ خدا کی منہیات سے پرہیز کرنا اور اس کی رضامندی کی راہوں کی طرف دوڑنا اور اس کی تمام مخلوق سے نیکی اور بھلائی کرنا اور ہمدردی سے پیش آنا اور دنیا کے تمام مقدس نبیوں اور رسولوں کو اپنے اپنے وقت میں خدا کی طرف سے نبی اور مصلح

ماننا اور اُن میں تفرقہ نہ ڈالنا اور ہر ایک نوع انسان سے خدمت کے ساتھ پیش آنا۔ ہمارے مذہب کا خلاصہ یہی ہے۔ مگر جو لوگ ناحق خدا سے بے خوف ہو کر ہمارے بزرگ نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرے الفاظ سے یاد کرتے اور آنجناب پر ناپاک تہمتیں لگاتے اور بدزبانی سے باز نہیں آتے ہیں اُن سے ہم کیونکر صلح کریں۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم شورہ زمین کے سانپوں اور بیابانوں کے بھیڑیوں سے صلح کر سکتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں سے ہم صلح نہیں کرسکتے جو ہمارے پیارے نبیؐ پر جو ہمیں اپنی جان اور ماں باپ سے بھی پیارا ہے ناپاک حملے کرتے ہیں۔ خدا ہمیں اسلام پر موت دے ہم ایسا کام کرنا نہیں چاہتے جس میں ایمان جاتا رہے۔ میں اس وقت کسی خاص قوم کو بوجہ ملامت کرنا نہیں چاہتا۔ اور نہ کسی کا دل دکھانا چاہتا ہوں۔ نہایت افسوس سے آہ کھینچ کر مجھے یہ کہنا پڑا ہے کہ اسلام وہ پاک اور صلحکار مذہب تھا جس نے کسی قوم کے پیشوا پر حملہ نہیں کیا۔ اور قرآن وہ قابل تعظیم کتاب ہے جس نے قوموں میں صلح کی بنیاد ڈالی۔ اور ہر ایک قوم کے نبی کو مان لیا۔ اور تمام دنیا میں یہ فخر خاص قرآن شریف کو حاصل ہے جس نے انبیا کی نسبت ہمیں یہ تعلیم دی کہ لا نفرق بین احد منہم ونحن لہٗ مسلمون یعنی تم اے مسلمانو! یہ کہو کہ ہم دنیا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں تفرقہ نہیں ڈالتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو رد کر دیں۔ اگر ایسی صلحکار کوئی اور الہامی کتاب ہے تو اس کا نام لو۔ قرآن شریف نے خدا کی عامہ رحمت کو کسی خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔ اسرائیلی خاندان کے جتنے نبی تھے کیا یعقوب اور کیا اسحاق اور کیا موسیٰ اور کیا داؤد اور کیا عیسیٰ سب کی نبوت کو مان لیا۔ اور ہر ایک قوم کے نبی خواہ ہند میں گزرے ہیں اور خواہ فارس میں کسی کو مکار اور کذاب نہیں کہا۔ بلکہ صاف طور پر کہہ دیا کہ ہر ایک قوم اور بستی میں نبی گزرے ہیں اور تمام قوموں کے لئے صلح کی بنیاد ڈالی مگر افسوس کہ اس صلح کے نبی کو ہر ایک قوم گالی دیتی ہے۔ اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے…… وہ بزرگ نبیؐ جس کا نام لینے سے اسلام کے عظیم الشان بادشاہ تخت سے اُتر آتے ہیں۔ اور اُس کے احکام کے آگے سر جھکاتے اور اپنے تئیں اس کے ادنیٰ غلاموں میں سے شمار کرتے ہیں کیا یہ عزت خدا کی طرف سے نہیں۔ خداداد عزت کے مقابل تحقیر کرنا اُن لوگوں کا کام ہے جو خدا سے لڑنا چاہتے ہیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے وہ برگزیدہ رسول ہیں جن کی تائید اور عزت ظاہر کرنے کیلئے خدا نے دنیا کو بڑے بڑے نمونے دکھلائے ہیں۔ کیا یہ خدا کے ہاتھ کا کام نہیں جس نے بیس کروڑ انسانوں کا محمدی درگاہ پر سر جھکا

رکھا ہے۔ اگرچہ ہر ایک نبی اپنی نبوت کی سچائی کے لئے کچھ ثبوت رکھتا تھا۔ لیکن جس قدر ثبوت آنحضرتؐ کی نبوت کے بارے میں ہیں جو آج تک ظاہر ہو رہے ہیں ان کی نظیر کسی نبی میں نہیں پائی جاتی"۔

اس کے بعد آپ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو بڑے زور دار دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اور آپ کے زمانہ کی تاریکی اور ضلالت کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے ذریعہ جو نور اور ہدایت ظاہر ہوئی اور دنیا کی قوموں کو جس طرح ہدایت نصیب ہوئی اور جو کامل و مکمل تعلیم آپ لائے ان سب کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی نبوت و رسالت کی صداقت کو اظہر من الشمس بنا کر دکھایا ہے۔ اور جہاد کی بھی صحیح تفسیر کر کے بتائی ہے۔

لیکچر کے خاتمہ پر تجویز لیکچر کے ختم ہونے پر تمام مجمع اس قدر متاثر تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ مسلمانوں کو تعجب ہو رہا تھا کہ کس خوبصورتی اور معقولیت سے حضرت اقدس مرزا صاحب نے ہندوؤں کو صلح کا پیغام دیتے ہوئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے لیکچر کے دوران میں جب گائے کے سوال پر مضمون پہنچا تو اعلان کیا کہ اس معاہدہ کے لئے پہلا قدم میں اٹھاتا ہوں اور گائے کو حلال اور طیب جانتے ہوئے اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ آج سے میں گائے کا گوشت نہیں کھاؤں گا۔ اب دیکھتے ہیں کہ ہندو بھائی اتحاد کیلئے اس بڑھتے ہوئے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں یا نہیں؟ لیکچر کے خاتمہ پر ایک خاموشی سی مجمع پر طاری تھی۔ آخر میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹرایٹ لاء نے اُٹھ کر کہا کہ ہندو بھائی اگر کوئی جواب ابھی نہیں دینا چاہتے تو بعد میں سوچ کر جواب دیں۔ اور ہندو مسلم اتحاد کے لئے ایک ایسوسی ایشن بنائی جائے جو اس مسئلہ پر غور کر کے اس معاہدہ کی تکمیل دونو فریق ہندو و مسلمان سے کروائے۔ چنانچہ اس کے بعد پریذیڈنٹ کے تعریفی ریمارکس پر جلسہ برخاست ہوا۔

ہندوؤں نے اس پیغام صلح کو قبول نہ کیا خواجہ کمال الدین صاحب نے اس لیکچر پیغام صلح کا انگریزی ترجمہ کروا کے تمام اہل علم طبقہ ہنود میں اسے بھیجا۔ لیکن عام طور پر آریوں نے اس کی مخالفت کی۔ اس کی وجہ یہ کہ انہوں نے سوچا کہ اگر محمد صاحب (صلعم) کو ہم نے خدا کا سچا رسول مان لیا تو ہم نہ بھی اگلی نسل میں ہماری اولاد مسلمان ہو جائے گی۔ یہ تو اُسی وقت تک ہم ہندو ہیں جب تک ہم (نعوذ باللہ) محمد صاحب (صلعم) کو خدا کا رسول نہیں مانتے اور ہمیں اُن کے خلاف تعصب ہے جس دن یہ تعصب جاتا رہا اور محمد صاحب (صلعم) کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تو ان کی تعلیم اور توحید اور اخلاق فاضلہ کے نمونہ نے خود بخود ہندوؤں کو اسلام میں جذب کر لینا ہے جیسا کہ دوسری بہت سی قوموں کو جذب

کرلیا۔ سمجھنے والے سمجھ گئے کہ یہی وجہ تھی جو پنڈت دیانند نے آپ صلعم پر بہت سی مفتریات کا طومار باندھکر آپ کے خلاف ہندوؤں کے تعصب کو مضبوط کیا۔ اُسے یہی ڈر تھا کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہندو اسلام میں جذب ہوجائیں گے۔ پس مرزا غلام احمد صاحب نے جو یہ تجویز نکالی ہے کہ تم محمد صاحب (صلعم) کو خدا کا سچا رسول مان لو تو درحقیقت یہ اُس زہر کا جو پنڈت دیانندجی ہندوؤں کے قلوب میں داخل کر گئے تھے تریاق ہے۔ مرزا صاحب جس معاہدہ پر دستخط کروانا چاہتے ہیں اس پر دستخط کرنے سے مسلمان تو مسلمان رہتا ہے کیونکہ اس کے مذہب کے رُو سے تو دنیا کی ہر ایک قوم میں رسول آئے ہیں۔ جہاں وہ اور رسولوں کو مانتا ہے ہندوستان کے رسولوں کو ماننے سے وہ صریح اپنے مذہب کی پیروی کرتا ہے لیکن اس معاہدہ پر دستخط کرنے سے ہندو اپنے مذہب پر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اس کے مذہب کی خیر ہی اس بات میں ہے کہ وہ یہی مانتا رہے کہ ہندوستان سے باہر پرمیشر نے نہ کوئی ہدایت بھیجی اور نہ کوئی نبی۔ بس پرمیشر کا راج یا فیضان جو کچھ بھی سمجھو آریہ ورت تک ہی محدود رہا ہے۔ جس دن یہ اعتقاد رخصت ہؤا اور محمد رسول اللہ صلعم کی صداقت اور عزت اس کے قلب میں آئی اُس دن وہ اسلام کی طرف بہ گیا۔ ایسی صورت میں وہ ہندو جنہیں حق اور راستی سے کوئی غرض نہ تھی بلکہ ہندوؤں کو وہ ایک قوم کی صورت میں رکھ کر ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا چاہتے تھے کس طرح اس پیغام صلح کو مان سکتے تھے۔ اس لئے اُنہوں نے ہندو مسلم اتحاد کے اس بہترین طریق کو رد کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ کہ آج ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ کی خلیج دن بہ دن وسیع ہوتی چلی جارہی ہے۔

حضرت اقدس مرزا صاحب کی وفات پر بعض ہمعصر اخباروں کی آرا

---

(۱) مولوی عبد اللہ العمادی صاحب کی رائے

اخبار وکیل امرتسر اُس زمانہ میں اسلامی اخباروں میں سب سے زیادہ متین اور وقیع اور بلند پایہ اخبار تھا۔ بالخصوص اس اخبار کے ایڈیٹر مولانا مولوی عبداللہ العمادی صاحب مسلمانوں میں اپنے علم و فضل اور ادیب و انشا پرداز ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ وہ احمدی نہ تھے۔ لیکن ایک غیر متعصب قلب پہلو میں رکھتے تھے۔ اُنہوں نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی وفات پر اخبار وکیل میں اپنے نام سے ایک مقالہ "موتِ عالِم" کے عنوان سے سپردِ قلم کیا۔

جو حسب ذیل ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"وہ شخص۔ بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا۔ اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا جس کی نظر فتنہ۔ اور آواز حشر تھی جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے۔ اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شور قیامت ہو کر خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا۔ خالی ہاتھ دنیا سے اُٹھ گیا۔ یہ تلخ موت۔ یہ زہر کا پیالہ موت جس نے مرنیوالے کی ہستی تہِ خاک پنہاں کر دی۔ ہزاروں لاکھوں زبانوں پر تلخ کامیاں بن کے رہے گی۔ اور قضا کے حملہ نے ایک جیتی جان کے ساتھ جن آرزوؤں اور تمناؤں کا قتل عام کیا ہے۔ صدائے ماتم مدتوں اس کی یادگار تازہ رکھے گی۔

میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے اور مٹانے کے لئے اسے امتداد زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے یہ نازش فرزندانِ تاریخ بہت کم منظر عالم پر آتے ہیں۔ اور جب آتے ہیں تو دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کی اس رحلت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو اُن تعلیمیافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا۔ کہ اُن کا ایک بڑا شخص اُن سے جُدا ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اُس شاندار مدافعت کا جو اُس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔ اُن کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جنرل کا فرض پُورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھُلم کھُلا اعتراف کیا جائے تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پامال بنائے رکھا آیندہ بھی جاری رہے۔ اور اگر شورِ بختی مزاحم صلح واحسان نہ ہو تو یک جہتی کے ساتھ مشترکہ فرض کی واجبی شرکت کے ساتھ۔ اور جامعۂ اسلامیہ کے مبارک اصولوں کے ساتھ۔

مرزا صاحب اُس پہلی صفِ عشاق میں نمودار ہوئے تھے جس نے اسلام کے لئے یہ ایثار گوارا کیا کہ ساعت مہد سے لیکر بہار و خزاں کے سارے نظارے ایک مقصد پر ہاں ایک شاہد رعنا کے

کے پیمانِ وفا پر قربان کر دیئے۔ سید احمد۔ غلام احمد۔ رحمت اللہ۔ آل حسن۔ وزیر خاں۔ ابوالمنصور یہ السابقون الاوّلون کے زمرہ کے لوگ تھے جنھوں نے بابِ مدافعت کا افتتاح کیا اور آخر وقت تک مصروفِ سعی رہے۔ اختلافِ طبائع اور اختلافِ مدارج قابلیت کے ساتھ ان کے اندازِ خدمت بھی جداگانہ تھے۔ اور اسی لئے اثر اور کامیابی کے لحاظ سے اُن کے درجے بھی الگ الگ ہیں۔ تاہم اس نتیجہ کا اعتراف بالکل ناگزیر ہے کہ مخالفین اسلام کی صفیں سب سے پہلے انہی حضرات نے برہم کیں۔

میرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر اُن سے ظہور میں آیا قبولِ عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ وقت ہرگز لوحِ قلب سے نسیاً منسیاً نہیں ہو سکتا جبکہ اسلام مخالفین کی یورشوں میں گھر چکا تھا۔ اور مسلمان جو حافظِ حقیقی کی طرف سے عالم اسباب و وسائط میں حفاظت کا واسطہ ہو کر اس کی حفاظت پر مامور تھے۔ اپنے قصوروں کی پاداش میں پڑے سسک رہے تھے اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرتے تھے یا نہ کر سکتے تھے۔ ایک طرف حملوں کے امتداد کی یہ حالت تھی کہ ساری مسیحی دنیا اسلام کی شمعِ عرفانِ حقیقی کو سرِ راہِ منزل مزاحمت سمجھ کر مٹا دینا چاہتی تھی۔ اور عقل و دولت کی زبردست طاقتیں اس حملہ آور کی پشت گری کے لئے ٹوٹی پڑتی تھیں۔ اور دوسری طرف ضعفِ مدافعت کا یہ عالم تھا کہ توپوں کے مقابلہ پر تیر بھی نہ تھے۔ اور حملہ اور مدافعت دونو کا قطعی وجود ہی نہ تھا۔ چونکہ خلافِ اصلیت محض شامتِ اعمال سے مفسدہ ۱۸۵۷ء کا نفسِ ناطقہ مسلمان ہی قرار دیئے گئے تھے۔ اس لئے مسیحی آبادیوں اور خاص کر انگلستان میں مسلمانوں کے خلاف پولٹیکل جوش کا ایک طوفان برپا تھا۔ اور اس سے پادریوں نے صلیبی لڑائیوں کے داعیانِ راہ سے کم فائدہ نہ اُٹھایا۔ قریب تھا کہ خوفناک مذہبی جذبے ان حضرات کے میراثی عارضۂ قلب کا جو اسلام کی خود روسرسبزی کے سبب بارہ تیرہ صدیوں سے ان میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا چلا آتا تھا درماں ہو جاتے کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ مدافعت شروع ہوئی جس کا ایک حصہ مرزا صاحب کو حاصل ہوا۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑائے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا۔ اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحقِ کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اُڑنے لگا۔

کچھ شبہ نہیں۔ ان حضرات نے ثابت کر دکھایا ہے کہ اسلام اپنے حریفوں کا خواہ ان کے ساتھ زندہ قوموں کا پولٹیکل جذبہ بھی شریک ہو۔ ہمیشہ فتح نصیب مدِ مقابل رہا ہے اور انشاءاللہ دنیا کے آخری سانس تک رہے گا۔ اُنہوں نے مدافعت کا پہلو بدل کے مغلوب کو غالب بنا کے دکھا دیا ہے اگر ہم آج اپنے نئے اور پرانے اختلافات سے قطع نظر کر کے محض اسلام کی خدمت غائت المقصود قرار دے لیں تو یقیناً اس جوشیلے اور اسلام کی خداداد طاقت سے چشم پوشی کرنیوالے لاٹ پادری (بشپ) کی زندگی میں ہی جس نے ایک مسیحی مشن کی پچاس سالہ جوبلی کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے دوسری جوبلی کے لئے دہلی کی مسجد عظمٰے کے کیتھڈرل بنائے جانے کا اوعا زار وانظاہر کیا تھا۔ وہ وقت آجائے کہ اسلام کی رُوحانی فتوحات سینٹ پال کے گرجے کو مریم و مسیح کی پرستش کی بجائے ایک خدا کی عبادت گاہ بنادیں اور ناقوسِ کلیسیا کے بدلہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدًا رسول اللہ کا زمزمۂ قدسی فضا میں گونجنے لگے۔ ہر چند پادریوں نے اسلام کی مخالفت میں لٹریچر کا ہمالہ بنا کے کھڑا کر دیا ہے۔ مگر کاغذ کے تودوں کے لئے چند شرارے کافی ہیں۔ برعکس اسکے مسلمانوں کا لٹریچر اگر سرکشی اور تمرد کے حق میں توپ اور گولہ ہے تو طلبِ حق کے اضطراب سے تڑپنے والوں کے لئے صندل و کافور ہے۔ کاش اس کی تاثیر کی آزمائش کی جائے اور اُسے عیسائی آبادی کی زبانوں میں منتقل کر کے کثرت سے شائع کیا جائے کیونکہ ترقی علم و حکمت کے ساتھ مذہب وہاں پامال و تش ہوا جاتا ہے۔ اور دنیا طلبی کے انہماک نے وہاں رُوح کی تشنگی غیر محسوس بنا رکھی ہے۔ اس لئے کہ عیسائیت اس فطرتی جذبہ کو جو دنیوی حشمت کے بوجھ میں دب گیا ہے اُبھارنے سے بالکل قاصر ہے۔ یہ فخر اسلام ہی کا حصّہ ہے کہ اس حالت میں بھی وہاں جب کبھی اس کی تجلی عکس فگن ہوتی ہے وجدان بے تاب ہونے لگتے ہیں۔

غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنیوالی نسلوں کو گرانبار احسان رکھیگی کہ اُنہوں نے قلمی جہاد کرنیوالوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرضِ مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اُس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ اُن کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا۔

اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے۔ مرزا صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب اُس وقت سے کہ سوامی دیانند نے اسلام کے متعلق اپنی دماغی فلسفی کی نوحہ خوانی جابجا آغاز کی تھی اُن کا تعاقب شروع

کر دیا تھا۔ ان حضرات نے عمر بھر سوامی جی کا قافیہ تنگ کر رکھا۔ جب وہ اجمیر میں آگ کے حوالے کر دیئے گئے اُس وقت سے اخیر عمر تک برابر مرزا صاحب آریہ سماج کے چہرہ سے اُنیسویں صدی کے ہندو ریفارمر کا چڑھایا ہوا ملمع اُتارنے میں مصروف رہے۔ اُن کی آریہ سماج کے مقابلہ کی تحریروں سے اس دعوے پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے کہ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہو جائے ناممکن ہے کہ یہ تحریریں نظر انداز کی جا سکیں۔

فطرتی ذہانت مشق و مہارت اور مسلسل بحث و مباحثہ کی عادت نے مرزا صاحب میں ایک شانِ خاص پیدا کر دی تھی۔ اپنے مذہب کے علاوہ مذاہب غیر پر اُن کی نظر نہایت وسیع تھی اور وہ اپنی ان معلومات کا نہایت سلیقہ سے استعمال کر سکتے تھے۔ تبلیغ و تلقین کا یہ ملکہ اُن میں پیدا ہو گیا تھا کہ مخاطب کسی قابلیت یا کسی مشرب و ملت کا ہو اُن کے برجستہ جواب سے ایک دفعہ ضرور گہرے فکر میں پڑ جاتا تھا۔ ہندوستان آج مذاہب کا عجائبات خانہ ہے۔ اور جس کثرت سے چھوٹے بڑے مذاہب یہاں موجود ہیں اور باہمی کشمکش سے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے رہتے ہیں اس کی نظیر غالباً دنیا میں کسی جگہ سے نہیں مل سکتی۔ مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ مَیں ان سب کے لئے حَکَم و عدل ہوں۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان مختلف مذاہب کے مقابل پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی اُن میں مخصوص قابلیت تھی۔ اور یہ نتیجہ تھی اُن کی فطری استعداد کا۔ ذوق مطالعہ اور کثرت مشق کا (لیکن درحقیقت منجانب اللہ علم لدنّی کا۔ ناقل) آئندہ امید نہیں کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو جو اپنی اعلیٰ خواہشیں محض اس طرح مذاہب کے مطالعہ میں صرف کر دے۔ فقط"

خاکسار مؤلفِ کتاب ہذا یہ عرض کرتا ہے کہ اگرچہ مولوی عبد اللہ العمادی صاحب کا یہ فرمانا بجا ہے کہ سید احمد صاحب۔ مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی رحمت اللہ صاحب وغیرہ بھی اسلام کی مدافعت کے لئے اُٹھے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی مدافعت جس شان کی تھی اُس سے اُن بزرگوں کی مدافعت کو کوئی نسبت نہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے مبنی بر قرآن و حدیث ایک ایسے نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی جس سے اسلام کی نہ صرف شاندار اور معقول مدافعت ہوتی تھی بلکہ دشمنوں کے مذاہب باطلہ پر وہ زد پڑتی تھی کہ جس کا جواب نہ تھا۔ اور اس طریق پر آپ کے لٹریچر کی بدولت باطل کا سر ہمیشہ کے لئے کچلا گیا اور اسلام کا غلبہ ادیان باطلہ پر ایک حقیقت بن کر سامنے آگیا۔

(۲) اخبار وکیل کی رائے | ۳۰۔ مئی ۱۹۰۸ء کے اخبار وکیل میں ایک اور مقالہ ایڈیٹر صاحب اخبار وکیل

کے قلم سے نکلا۔ وہ بھی ملاحظہ ہو لکھتے ہیں:۔

"اگرچہ مرزا صاحب نے علوم مروجہ اور دینیات کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی مگر اُن کی زندگی اور زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص فطرت لیکر پیدا ہوئے تھے جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ اُنہوں نے اپنے مطالعہ اور فطرت سلیمہ کی مدد سے مذہبی لٹریچر پر کافی عبور حاصل کیا اور ۱۸۷۷ء کے قریب جبکہ اُن کی ۳۵ - ۳۶ سال کی عمر تھی ہم اُن کو غیر معمولی مذہبی جوش میں سرشار پاتے ہیں۔ وہ ایک سچے اور پاکباز مسلمان کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا دل دنیوی کششوں سے غیر متاثر ہے۔ وہ خلوت میں انجمن اور انجمن میں خلوت کا لطف اُٹھانے کی کوشش میں مصروف ہے ہم اُسے بے چین پاتے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں ہے جس کا پتہ فانی دنیا میں نہیں ملتا۔ اسلام اپنے گہرے رنگ کے ساتھ اس پر چھایا ہوا ہے۔ کبھی وہ آریوں سے مباحثے کرتا ہے۔ کبھی حمایت اور حقیقت اسلام میں وہ بسیط کتابیں لکھتا ہے۔ ۱۸۸۶ء میں بمقام ہوشیارپور جو مباحثات اُنہوں نے کئے اُن کا لطف اب تک دلوں سے محو نہیں ہوا۔ ...... غیر مذاہب کی تردید میں اور اسلام کی حمایت میں جو نادر کتابیں اُنہوں نے تصنیف کی تھیں اُن کے مطالعہ سے جو وجد پیدا ہوا وہ اب تک نہیں اُترا ہے۔ ان کی کتاب براہین احمدیہ نے غیر مسلمانوں کو مرعوب کر دیا اور اسلامیوں کے دل بڑھا دیئے۔ اور مذہب کی پیاری تصویر کو اُن آلائشوں اور گرد و غبار سے صاف کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا جو مجاہیل کی توہم پرستیوں اور فطری کمزوریوں نے چڑھا دیئے تھے۔ غرضیکہ اس تصنیف نے کم از کم ہندوستان کی حد میں دنیا میں ایک گونج پیدا کر دی جس کی صدائے بازگشت ہمارے کانوں میں اب تک آ رہی ہے گو بعض بزرگان اسلام اب براہین احمدیہ کے بُرا ہونے کا فیصلہ دیدیں۔ محض اس وجہ سے کہ اس میں مرزا صاحب نے اپنی نسبت بہت سی پیشگوئیاں کی تھیں۔ اور بطور حفظ ماتقدم اپنے دعاوی کے متعلق بہت کچھ مصالحہ فراہم کر لیا تھا۔ لیکن اس کے بہتر فیصلہ کا وقت ۱۸۸۰ء تھا جبکہ وہ کتاب شائع ہوئی۔ مگر اُس وقت مسلمان بالاتفاق مرزا صاحب کے حق میں فیصلہ دے چکے تھے۔ کیریکٹر کے لحاظ سے مرزا صاحب کے دامن پر سیاہی کا چھوٹا سا دھبہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ ایک پاکباز جینا جیا۔ اور اس نے ایک متقی کی زندگی بسر کی۔ غرضیکہ مرزا صاحب کی ابتدائی زندگی کے پچاس سالوں نے بلحاظ اخلاق و عادات اور پسندیدہ اطوار اور کیا بلحاظ خدمات و حمایت دین

مسلمانانِ ہند میں اُن کو ممتاز برگزیدہ اور قابل رشک مرتبہ پر پہنچا دیا۔"

مَیں (یعنی خاکسار مؤلف) اتنا عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں اپنے آئندہ دعوے کے لئے حفظ ماتقدم کے طور پر کوئی مصالحہ فراہم نہیں کیا۔ مجددیت کا دعویٰ وہ اسی کتاب براہین احمدیہ میں کر چکے تھے۔ اس کے بعد جو دعویٰ کیا جس کی وجہ سے مخالفت ہوئی وہ مسیحیت کا دعویٰ تھا۔ اگر آپ کو اس کتاب میں اپنے آئندہ دعوئے مسیحیت کی تیاری پیش نظر ہوتی تو اسی کتاب میں آپ حیات مسیح کے عقیدہ کے قائل نظر نہ آتے۔ اگر وفات مسیح پر کچھ نہ لکھتے تو کم سے کم حیات مسیح کا عقیدہ لکھ دینے سے تو احتراز کرنا چاہئے تھا۔ پس سچی بات یہی ہے کہ آپ کو حیات مسیح کے عقیدہ کی غلطی کا اُس وقت تک کوئی علم نہیں ہوا جب تک کہ براہین احمدیہ کی اشاعت کے کئی سال بعد الہام الٰہی نے صاف لفظوں میں یہ کہکر کہ "مسیح ابن مریم مرگیا وجعلناک المسیح ابن مریم" آپ کو اس طرف متوجہ نہیں کیا۔

(۳) اخبار صادق الاخبار کی رائے

اڈیٹر صاحب اخبار صادق الاخبار ریواڑی نے حضرت مرزا صاحب کی وفات پر اپنے خیالات کا مندرجہ ذیل لفظوں میں اظہار کیا۔ لکھتے ہیں:۔

"چونکہ مرزا صاحب نے اپنی پرزور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفین اسلام کے ان لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دیکر ہمیشہ کے لئے ساکت کر دیا ہے۔ اور ثابت کر دکھایا ہے کہ حق حق ہی ہے۔ اور واقعی مرزا صاحب نے حق حمایت اسلام کما حقہٗ ادا کرکے خدمت دین اسلام میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ انصاف متقاضی ہے کہ ایسے اُولوالعزم حامیٔ اسلام اور معین المسلمین۔ فاضل اجل۔ عالم بے بدل کی ناگہانی اور بے وقت موت پر افسوس کیا جائے۔"

(۴) اخبار البشیر کی رائے

اڈیٹر صاحب اخبار البشیر اٹاوہ نے بھی حضرت مرزا صاحب کی وفات پر ایک مقالہ سپرد قلم کیا جس میں سے کچھ حصہ مَیں یہاں نقل کرتا ہوں۔ اڈیٹر صاحب موصوف حضرت اقدس کے موافق قطعًا نہ تھے اس لئے ان کی تحریر اور بھی قابل قدر ہے۔ مختلف امور پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت اقدس اس زمانہ کے نامور مشاہیر میں سے تھے۔ اس ترقی علوم وفنون کے زمانہ میں درحقیقت یہ امر کچھ حیرت انگیز نہیں ہے کہ اُن کے کئی لاکھ راسخ الاعتقاد مرید ایسے تھے جو اُن کے ہر ایک حکم کو ہر ایک پیشگوئی کو وحی خیال کرتے۔ اور

بلاچون وچرا اُس کو تسلیم کرتے تھے۔ اِن مریدوں میں عوام الناس اور جہلا۔ پڑھے لکھے۔ غریب۔ امیر۔ عالم وفاضل اور نئے تعلیم یافتہ۔ غرضکہ ہر درجہ اور ہر حیثیت کے مسلمان موجود ہیں۔ جو درجہ کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کو اپنے مریدوں میں حاصل تھا اور جو اثر کہ حضرت اقدس کا اپنے مریدوں کی جماعت پر تھا اس میں کچھ کلام نہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں نہ یہ اثر کسی مولوی اور نہ عالم وفاضل کو اپنے مریدوں معتقدوں پر تھا اور نہ کسی صوفی اور ولی اللہ کا اپنے مریدین پر تھا۔ اور نہ کسی لیڈر اور نہ کسی ریفارمر کا اپنے مقلدین پر۔ چونکہ وہ مسلمانوں کی ایک جماعت کثیر کے پیشوا اور امام برحق تھے۔ لہٰذا تہذیب مجبور کرتی ہے کہ ہم اُن کی عزت کریں اور اُن کے انتقال پر افسوس ظاہر کریں۔"

(۵) اخبار علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کی رائے

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی وفات پر آپ کے کچھ حالات مختصر طور پر لکھے اور آخر میں یہ فقرہ زیب رقم کیا کہ

"بے شک مرحوم اسلام کا ایک بہت بڑا پہلوان تھا"

(۶) اخبار میونسپل گزٹ لاہور کی رائے

اخبار میونسپل گزٹ لاہور نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی وفات پر مندرجہ ذیل نوٹ شائع کیا:۔

"مرزا صاحب علم وفضل کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے۔ تحریر میں بھی روانی تھی۔ بہرحال ہمیں اُن کی موت سے بحیثیت اس بات کے کہ وہ ایک مسلمان عالم تھے نہایت رنج ہوا۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایک عالم دنیا سے اُٹھ گیا۔"

(۷) اخبار زمیندار کی رائے

حضرت اقدس مرزا صاحب کی وفات پر اخبار زمیندار کے ایڈیٹر منشی سراج الدین صاحب نے بھی جو موجودہ منشی ظفر علی خاں صاحب کے والد بزرگوار تھے۔ ایک مقالہ اپنے اخبار میں شائع کیا۔ اس میں حضرت مرزا صاحب کے حالات مختصر طور پر لکھتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرّر تھے۔ اُس وقت آپ کی عمر ۲۲۔۲۳ سال کی ہوگی۔ اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ کاروبار ملازمت کے بعد اُن کا تمام وقت مطالعہ دینیات میں صرف ہوتا تھا۔ عوام سے کم ملتے تھے۔ ۱۸۷۷ء میں ہمیں ایک شب قادیان میں آپ کے یہاں مہمانی کی عزت حاصل ہوئی۔ اُن دنوں میں بھی آپ عبادت اور وظائف میں اس قدر محو و مستغرق تھے کہ مہمانوں سے بھی بہت کم گفتگو کرتے تھے .... ہم بارہا کہہ چکے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ آپ کے دعاوی

خواہ دماغی استغراق کا نتیجہ ہوں مگر آپ بناوٹ اور افترا سے بری تھے۔ مسیح موعود یا کرشن کا اوتار ہونے کے دعاوی جو آپ نے کئے اُن کو ہم ایسا ہی خیال کرتے ہیں جیسا کہ منصور کا دعوئے انا الحق تھا۔ مولوی نورالدین صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب جیسے عالم وفاضل بزرگ اور خواجہ جمال الدین صاحب بی۔ اے اور خواجہ کمال الدین صاحب بی اے اور مولوی محمد علی صاحب ایم اے جیسے نئی روشنی کے تعلیم یافتہ اصحاب ان کے مریدان باصفا کے حلقہ میں ہیں۔ گو ہمیں ذاتی طور پر مرزا صاحب کے دعاوی یا الہامات کے قائل اور معتقد ہونیکی عزت حاصل نہ ہوئی۔ مگر ہم اُن کو ایک پکا مسلمان سمجھتے تھے“

(۸) اخبار کرزن گزٹ کی رائے

اخبار کرزن گزٹ دہلی کے ایڈیٹر میرزا حیرت دہلوی وہی صاحب ہیں جو حضرت اقدس کی زندگی میں آپ کی سخت مخالفت کرتے رہے اور کبھی کبھی آپ سے مناظرہ وغیرہ کی بھی طرح ڈالتے رہے۔ عالم وفاضل ہونے کے ساتھ یہ بہت بڑے ادیب اور انشا پرداز بھی تھے۔ یکم جون ۱۹۰۸ء کے کرزن گزٹ میں حضرت اقدس کی وفات پر ان صاحب کی قلم سے جو کچھ نکلا اُسے پڑھو اور حیرت سے سر دھنو۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

”مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اُس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا۔ اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔ نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ ایک محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔ جو بینظیر کتابیں آریوں اور عیسائیوں کے مذاہب کے رد میں لکھی گئی ہیں اور جیسے دندان شکن جواب مخالفین اسلام کو دیئے گئے آجتک معقولیت سے ان کا جواب الجواب ہم نے تو نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ آریہ نہایت بدتہذیبی سے اسے یا پیشوایان اسلام یا اصول اسلام کو گالیاں دیں کوئی معقول جواب اب تک دیا نہ دے سکتے ہیں۔ اگرچہ مرحوم پنجابی تھا۔ مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ سارے ہند میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں۔ ایک پُرجذبہ اور قوی الفاظ کا انبار اس کے دماغ میں بھرا رہتا تھا۔ اور جب وہ لکھنے بیٹھتا تو چھچے تلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی تھی

کہ بیان سے باہر ہے۔ مولوی نورالدین مرحوم کے خلیفہ اوّل۔ سے جو لوگ ناواقف ہیں وہ تو اپنی غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کتابوں میں مولوی نورالدین نے بہت مدد دی ہے مگر ہم اپنی ذاتی واقفیت سے کہتے ہیں کہ حکیم نورالدین۔ مرحوم مرزا کے مقابلہ میں چند سطریں بھی نہیں لکھ سکتا۔ اگرچہ مرحوم کے اُردو علم ادب میں بعض بعض مقامات پر پنجابی رنگ اپنا جلوہ دکھا دیتا ہے تو بھی اُس کا پُرزور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے۔ اور واقعی اس کی بعض بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اگرچہ کوئی باقاعدہ تعلیم عربی علم ادب اور صرف نحو کی کہیں حاصل نہیں کی تو بھی اپنی خداداد ذہانت اور طبیعت کی جودت سے اتنی قابلیت عربی میں پیدا کر لی کہ بے تکلف عربی لکھتا تھا۔ .... اس کے مریدوں میں عامی اور جاہل ہی لوگ نہیں ہیں۔ بلکہ قابل اور لائق گریجوایٹ یعنی بی اے۔ ایم اے اور بڑے بڑے فاضل مولوی بھی ہیں۔ موجودہ زمانہ کے ایک مذہبی پیشوا کے۔ لئے یہ کچھ کم فخر کا باعث نہیں کہ قدیم وجدید (دونو قسم کے) تعلیم یافتہ اس کے مرید بن جائیں۔ اس نے ہلاکت کی پیشگوئیوں مخالفتوں اور نکتہ چینیوں کی آگ میں سے ہو کر اپنا راستہ صاف کیا اور ترقی کے انتہائی عروج تک پہنچ گیا .... اس کے ہر دعوے پر اس کے مریدوں کی طرف سے آمنّا وصدقنا کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔ اور ان آوازوں سے ہر شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ مرحوم کو اس کی زندگی میں کتنی کامیابی نصیب ہو گئی تھی۔"

اخبار تہذیب النسواں (۹) کی رائے

اخبار تہذیب النسواں کے مالک و منیجر سید ممتاز علی صاحب بہت بڑے عالم و فاضل اور روشن خیال بزرگ تھے۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کی وفات پر انہوں نے جو کچھ اپنے خیالات ظاہر فرمائے وہ حسب ذیل ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے۔ اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی۔ وہ نہایت باخبر عالم بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم انہیں منصباً مسیح موعود نہیں مانتے تھے لیکن ان کی ہدایت اور رہنمائی مردہ روحوں کے لئے واقعی مسیحائی تھی۔"

سید ممتاز علی صاحب کی وفات کے بعد اُن کا ایک مضمون بعنوان "صحیح مسلم" اخبار تہذیب النسواں مجریہ ۱۲۔ نومبر ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا ہے اُس میں سید صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہودیوں نے توریت پر طالمود۔ مدراسی۔ مشنی وغیرہ کا اضافہ کیا تھا تو خدا تعالیٰ نے اس قوم

کی درستی کے لئے مسیح کو بھیجا۔ شاید اسی سنت الٰہی کا خیال کر کے مرحوم و مغفور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اس زمانہ کے مسلمانوں کی یہودیت توڑنے کیلئے مسیحیت اختیار کی"۔

سید صاحب نے سچ کہا۔ لیکن اس زمانہ میں "مسلمانوں کی یہودیت توڑنے کے لئے" حضرت مرزا صاحب نے "مسیحیت" اگر اختیار کی تو خدا کے حکم سے اختیار کی۔ اپنی مرضی سے نہیں کی۔ دین کی حفاظت کے لئے مصلح اور مجدد بھیجنے کا وعدہ خدا نے کیا ہوا ہے یہ انسان کے بس کی بات نہیں۔

(۱۰) چودھری افضل حق صاحب صدر جمعیۃ احرار کی رائے

جمعیۃ احرار تو آج کی پیداوار ہے۔ اور سلسلہ احمدیہ کی جس قدر سخت دشمن ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ لیکن کس قدر عجیب ہے کہ اسی جمعیت کے صدر چودھری افضل حق صاحب کی قلم سے اُن کی کتاب "فتنۂ ارتداد اور پولٹیکل قلابازیاں" کے صفحہ ۴۶ پر ایک کلمۂ حق بھی نکل گیا ہے جس کا یہاں نقل کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا۔ چودھری صاحب موصوف آج سے ساٹھ سال پہلے کے مسلمانوں کے جمود کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"آریہ سماج کے معرضِ وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسد بیجان تھا جس میں تبلیغی حس مفقود ہو چکی تھی۔ سوامی دیانند کی مذہب اسلام کے متعلق بدظنی نے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لئے چوکنا کر دیا۔ مگر حسب معمول جلدی خواب گراں طاری ہو گئی۔ مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کیلئے پیدا نہ ہو سکی۔ ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اُٹھا۔ ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے بڑھا۔ اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب کا دامن فرقہ بندی سے پاک نہ ہوا۔ تاہم اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے قابل تقلید ہے بلکہ دنیا کی تمام جماعتوں کے لئے نمونہ ہے"۔

ایک دشمن کا یہ اعتراف کس قدر قابل وقعت ہے کہ مسلمانوں کی غفلت اور جمود کی حالت میں جبکہ آریہ سماج کا تازیانہ بھی اُن کو جگا نہ سکا تھا صرف ایک دل تھا جس میں اشاعت اسلام کی تڑپ پیدا ہوئی۔ اور وہ مرزا غلام احمد کا دل تھا اور آپ نے اس زمانہ میں جب اسلام اس قدر خطرہ کی حالت میں تھا سب سے پہلے اشاعت وحفاظت اسلام کیلئے جماعت قائم کی جو تمام دنیا کی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے۔ باقی رہا یہ کہنا کہ آپ کا دامن فرقہ بندی سے پاک نہ تھا بالکل غلط ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ فرقہ بندی کو مٹانے کے لئے آپ ہی نے اس زمانہ میں وہ بنیادی اصول قائم کیا کہ اگر مسلمان اس پر عمل کریں تو آج مسلمانوں میں سے فرقہ بندی کا نام ونشان مٹ جاتا ہے۔ دنیا میں مختلف انسانوں

کی باوجود ایک نسل میں سے ہونے کے جس طرح ظاہری شکل وصورت میں اختلاف ہے اسی طرح طبائع میں بھی اختلاف ہے۔ اس لئے آرا اور خیالات میں اختلاف ہونا ناگزیر ہے۔ پس مسلمانوں میں اتحاد و وحدت پیدا کرنے کے لئے اسلام جیسے فطری مذہب کا بنیادی اصول یہی ہونا چاہئے تھا کہ اصولوں میں اتحاد پیدا کر کے باقی فروعات کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اور نظر انداز کرنے کے یہ معنے نہیں کہ اُن باتوں پر کبھی بحث نہ کی جائے یا غلطی کرنیوالے کی غلطی کو نہ بتایا جائے۔ بلکہ معنے یہ ہیں کہ فروعات میں اختلاف کی وجہ سے کسی دوسرے شخص کو کافر نہ کہا جائے اور اسلام سے خارج نہ کیا جائے۔ غلطی بتاؤ۔ مگر اُس غلطی کی وجہ سے اُسے کافر نہ کہو۔ حضرت اقدس مرزا صاحب نے اسی اصول کی طرف توجہ دلائی اور آپ نے اپنی جماعت کو اسی مسلک پر قائم کیا کہ کسی کلمہ گو اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے۔ اور اگر کوئی کافر کہے تو اسے روکو اور وہ باز نہ آئے تو اُس کا بائیکاٹ اور مقاطعہ کرو یعنی اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو یا اس سے رشتہ ناطہ نہ کرو جب تک کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے۔ اور یہ تعزیر فقط اس لئے آپ نے جاری کی کہ مسلمانوں میں سے یہ تکفیر مسلماناں کا مرض دُور ہو جائے۔ آپ کا بڑا زور اسی بات پر تھا کہ کسی شخص میں ننانوے وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تب بھی اُسے کافر نہ کہو۔ پس فرقہ بندی سے آزاد وہی جماعت ہو سکتی ہے جو تمام اہل قبلہ کلمہ گوؤں کو مسلمان سمجھتی ہے۔ اور اُنہیں کافر کہنے والے کو یہاں تک بُرا سمجھتی ہے کہ ایسے شخص سے مقاطعہ کرنے کو بھی تیار رہتی ہے اور وہ فقط احمدیہ جماعت ہے جس کا مرکز لاہور ہے اور جس کا بحیثیت جماعت کے یہ مسلک ہے۔ جب تک اسی مسلک کو اختیار نہ کیا جائے گا مسلمانوں میں سے فرقہ بندی کی لعنت دور نہیں ہو سکتی۔

غیر مسلم اخباروں کی آرا اب مَیں بہتر سمجھتا ہوں کہ دو تین غیر مسلم اخباروں کی آرا بھی نقل کر دوں:۔

(۱) اخبار پایونیر کی رائے الہ آباد کے مشہور و معروف انگریزی اخبار پایونیر کے عیسائی اور انگریز ایڈیٹر نے آپ کی وفات پر جو کچھ لکھا اُس میں سے کچھ حصہ کا ترجمہ یہاں نقل کرتا ہوں۔ وہ لکھتا ہے:۔

"اگر پچھلے زمانہ کے اسرائیلی نبیوں میں سے کوئی نبی عالم بالا سے واپس آکر دنیا میں اس وقت تبلیغ کرے تو وہ بیسویں صدی کے حالات میں اس سے زیادہ غیر موزوں معلوم نہ ہوگا جیسے کہ مرزا غلام احمد خاں صاحب قادیانی معلوم ہوتے تھے جن کی وفات حال ہی میں اپنے وطن پنجاب میں واقع ہوئی ہے۔۔۔۔۔۔ مرزا غلام احمد صاحب کو اپنے متعلق کبھی کوئی شک نہیں ہوا اور وہ کامل صداقت اور خلوص سے اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ ان پر الہام الٰہی نازل ہوتا ہے اور کہ اُن کو خارق عادت طاقت بخشی گئی ہے۔ گو وہ مسیح سے سات یا آٹھ صدیاں پہلے پیدا ہونیکے

بجائے انیسویں صدی عیسوی میں پیدا ہوئے اور اپنے گرد و پیش کے حالات کے مطابق ہی اُنہوں نے اپنا کام بھی شروع کیا یعنی بجائے اس کے کہ وہ جنگلوں میں چلے جاتے جیسا کہ گزشتہ انبیا کے قصوں میں موجود ہے۔ اور کسی شجرہ یقطین کے نیچے یا کسی غار میں اپنا مقام بناتے۔ اُنہوں نے اخباروں کے ذریعہ اپنا کام شروع کیا۔ اور مروّجہ مباحثات میں حصہ لیا۔ اور گورنمنٹ انگریزی کی نیک رعیت اور وفادار حامی رہے۔ مگر بعض اوقات ان کی فطرت کا دوسرا پہلو غالب آجاتا تھا جیسا کہ اُس موقعہ پر ہؤا جب اُنہوں نے حیرت زدہ بشپ ویلڈن کو چیلنج دیا کہ نشانوں میں اُن کا مقابلہ کرے جیسا کہ ایلیاس نبی نے بعل کے پیروؤں کو دیا تھا۔ اور اس مقابلہ کا یہ نتیجہ قرار دیا کہ یہ فیصلہ ہوجائے کہ سچا مذہب کونسا ہے۔ اور مرزا صاحب اُس وقت یہاں تک تیار تھے کہ حالات موجودہ کے مطابق پادری صاحب جس طرح چاہیں اس امر میں اپنا پُورا اطمینان کرلیں کہ نشان کے دکھانے میں کوئی دھوکا یا فریب استعمال نہیں کیا گیا...... وہ لوگ جنہوں نے مذہب کے رنگ میں دنیا میں ایک حرکت پیدا کی ہے وہ اپنی طبیعت میں آجکل کے کنٹربری واقعہ انگلستان کے لاٹ پادری کی نسبت مرزا غلام احمد صاحب سے زیادہ مشابہ ہؤا کئے ہیں۔ اگر ارنسٹ رینن مشہور فرانسیسی مؤرخ گزشتہ بیس سال کے اندر ہندوستان میں ہوتا تو وہ یقیناً مرزا صاحب کے پاس جاتا اور اُن کے حالات کا مطالعہ کرتا۔ اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ انبیاء بنی اسرائیل کے عجیب غریب حالات پر ایک نئی روشنی پڑتی۔ مگر ہمارے محدود اور تنگ خیالات ایسے مقابلے کرنے سے مانع ہیں کیونکہ ہمارا مذہبی لٹریچر تنگ دائرہ کے اندر محدود ہے......"

خاکسار مؤلف کو پایونیر کے ایڈیٹر کی مذکورہ بالا رائے کو پڑھ کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث یاد آگئی کہ علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل کہ میری اُمت کے علماء ربانی بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے۔ تو پایونیر کے انگریز ایڈیٹر نے اگر یہ کہا کہ فرانسیسی مؤرخ ارنسٹ رینن اگر گزشتہ بیس سال میں ہندوستان کے اندر موجود ہوتا تو اُسے مرزا غلام احمد صاحب کے حالات مطالعہ کرنے سے انبیاء بنی اسرائیل کے حالات پر روشنی ڈالنے میں بڑی مدد ملتی بالکل سچ کہا۔

امرتا بازار پتریکا کی رائے | بنگال کے مشہور انگریزی اخبار امرتا بازار پتریکا نے حضرت اقدس کی وفات پر اس طرح رائے زنی کی:۔

"وہ فقیرانہ طور پر زندگی بسر کرتے تھے اور سینکڑوں آدمی روزانہ ان کے لنگر سے کھانا کھاتے تھے۔ اُن کے مریدین میں ہر قسم کے لوگ فاضل و مولوی باثر رئیس۔ تعلیم یافتہ آدمی امیر سوداگر ہیں۔"

ایک معزز ہندو کا خط لالہ نرائن داس صاحب ایک نہایت فہمیدہ اور ذی علم اور معزز ہندو تھے۔ اُنہوں نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی وفات پر ایک خط مؤرخہ ۲۰۔ جون ۱۹۰۸ء کو مولوی محمد علی صاحب بدوملھوی کو لکھا جو درج ذیل ہے:۔

"اوم۔ تصوف آئین۔ شرافت آگین جناب مولوی صاحب جی تسلیم۔ مزاج شریف۔ حضرت مسیح موعودؑ کا حال آپ سُن چکے ہوں گے۔ آنحضرت کی وفات کا خیال کرنا ہماری غلطی ہے۔ کیونکہ وہ تو ہر وقت زندۂ جاوید ہیں۔ جب تک دنیا قائم رہے گی اُن کا نام چمکتا رہے گا۔ اُن کی تصانیف سے باسمجھ آدمی عموماً اور دھرماتما آدمی خصوصاً بہرہ یاب ہوتے رہیں گے۔ مگر افسوس ہے تو اس بات کا کہ اب اُن کا ظاہری درشن ہمیشہ کے لئے پردہ کے اندر ہے جو کہ ایک بدچلن کے واسطے راہ راست پر لانے کے لئے کافی تھا۔ مگر میرے خیال میں افسوس کرنا بھی خلافِ عقل ہے۔ کیونکہ اس موقعہ پر کبیر صاحب فرماتے ہیں۔ ؎

سادھ مرے کیا روئیے جو اپنے گھر جا + روز ساکت مرگیا جو ہاٹو ہاٹ بکا

تشریح۔ سادھو کے مرنے پر ہرگز نہ رونا چاہیئے کیونکہ وہ اپنے گھر جاتا ہے۔ ہاں پاپیوں کو رونا چاہیئے جو گلی گلی بکتا ہے۔" راقم آپ کا تابعدار نرائن داس۔

شمس العلما مولانا میر حسن صاحب کی رائے سب سے آخر میں ایک ایسے شخص کی رائے درج کرتا ہوں جو حضرت اقدس کے مرید نہ تھے لیکن ابتدائی عمر سے آپ کو جانتے تھے یعنی شمس العلما مولانا سید میر حسن صاحب سیالکوٹی کی رائے۔ اُن کے دو خطوط مَیں نے اس کتاب کے حصّہ اوّل میں نقل کئے ہیں۔ حضرت اقدس کی وفات کے کئی سالوں کے بعد ایک دفعہ شیخ یعقوب علی تراب صاحب کی اُن سے ملاقات ہوئی تو مولوی میر حسن صاحب نے چشم پُرآب ہو کر حضرت اقدس کی نسبت جو کچھ فرمایا وہ الحکم ۷۔ اپریل ۱۹۳۴ء میں شائع ہؤا تھا اور جو حسب ذیل ہے۔ فرمایا:۔

"افسوس ہم نے ان کی قدر نہ کی۔ ان کے کمالات رُوحانی کو بیان نہیں کرسکتا۔ اُن کی زندگی معمولی انسانوں کی زندگی نہ تھی بلکہ وہ اُن لوگوں میں سے تھے جو خدا تعالیٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور دنیا میں کبھی کبھی آتے ہیں۔"

حضرت اقدس مرزا صاحب کے عقائد
اُن کے قلم سے

آپ کی وفات کے بعد عقائد میں اختلاف

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب کی زندگی کے حالات تاریخی رنگ میں تو ختم ہو گئے۔ اس کے بعد انشاء اللہ الرحمٰن آپ کے سیرت و اخلاق وغیرہ کی ایک جھلک مَیں ناظرین کو دکھلانا چاہتا ہوں۔ و باللہ التوفیق۔ مگر اس سے قبل مَیں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کے عقائد آپ ہی کے قلم سے پیش کر دوں۔ کیونکہ اس بارے میں بعض اپنے اور پرائے انتہا درجہ کی غلط فہمی کے شکار ہو رہے ہیں۔ اگرچہ اس سوانحعمری میں بھی وقتاً فوقتاً حضرت اقدس مرزا صاحب کے عقائد کا ذکر آتا رہا ہے جس میں آپ نے بار بار اپنا مذہب وہی بتایا ہے جو اکابر اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے اس لئے یہاں علیحدہ آپ کے عقائد ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن مجھے نہایت افسوس اور قلق سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ کی وفات کے تین برس بعد اپریل ۱۹۱۱ئہ میں آپ کے صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب نے تکفیرِ مسلماناں کا عقیدہ تراشا جس کے رُو سے اُنہوں نے تمام مسلمانانِ عالم کو جو حضرت اقدس مرزا صاحب کی بیعت میں داخل نہیں اور خواہ اُنہوں نے حضرت مرزا صاحب کا نام بھی نہ سنا ہو کافر خارج از اسلام قرار دیا۔ اور پھر اس کے تین برس بعد یعنی ۱۹۱۴ئہ میں مولانا نور الدین صاحب کی وفات کے بعد حضرت اقدس مرزا صاحب کی طرف دعوئے نبوّت منسوب کیا۔ اور جیسا کہ مَیں اس سوانحعمری میں کھول کر دکھا آیا ہوں یہ دونوں عقیدے حضرت اقدس مرزا صاحب پر ظلم اور افترا ہیں۔ اور پھر اسی سال ۱۹۱۴ئہ میں میاں محمود احمد صاحب کے ہاتھوں اُس بدعتی خلافت کی بنیاد پڑی جو حضرت اقدس مرزا صاحب کی وصیّت کے صریح خلاف ہے۔ اور چونکہ اس خلافت کا بنیادی اصول جو سراسر خلافِ اسلام ہے یہ قائم کیا گیا ہے کہ خلیفہ مطاعِ الکل اور معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ اور اس پر سچے اعتراض کرنے والا بھی مستوجب سزا ہے۔ اس بات کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس قسم کے خلیفہ کی حیثیت عملی طور پر پوپ کی بن جاتی ہے۔ شاید مماثلتِ مسیح اس بات کی متقاضی تھی کہ مسیحِ محمدی کے متعلق بھی اسی طرح غلو سے کام لیا جائے جس طرح مسیح اسرائیلی کے متعلق غلو سے کام لیا گیا۔ وہاں مسیح اسرائیلی کو نبی سے خدا بنایا گیا تھا تو یہاں مسیح محمدی کو مجدّد سے نبی بنایا گیا۔ اگر وہاں مسیح اسرائیلی کی خلافت پوپ کی شکل میں قائم کی گئی تو یہاں قادیان میں بھی ٹھیک پوپ

کی خلافت کے نقش قدم پر اسی طرح کا مطاع الکل معصوم عن الخطا خلیفہ میاں محمود احمد صاحب نے اپنے آپ کو منوایا۔ یہی وجہ تھی کہ مارچ ۱۹۱۴ء میں مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور شیخ رحمۃ اللہ صاحب اور حضرت اقدس کے دیگر مخلص خدام اور بعد میں مولوی محمد احسن صاحب امروہی قادیان سے الگ ہو کر لاہور چلے آئے۔ اور لاہور میں حضرت اقدس مرزا صاحب کی وصیت کے مطابق ایک انجمن کی بنیاد ڈالی جس کا نام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ہے۔ اور جس کا صدر مقام احمدیہ بلڈنگس لاہور ہے اور یہی وہ انجمن ہے جو آپ "خدا کے مقرر کردہ خلیفہ یعنی مسیح موعودؑ کی جانشین ہے" اور اس کا مسلک اور مذہب وہی ہے جو حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب کا تھا۔ اور اسی امر کے متعلق حضرت اقدس کا وہ الہام تھا جو اس طرح ہے کہ "لاہور میں ہماری جماعت کے پاک ممبر موجود ہیں" یعنی جب قادیان میں ناپاک اور گمراہ کن عقائد کا فتنہ اُٹھے۔ اور جب خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی وصیت کو پیروں کے نیچے پامال کیا جائے تو اے طالب حق تجھے اگر اُس خدا کے مقرب اور برگزیدہ مامور الٰہی اور مجدد وقت کا مذہب اور مسلک معلوم کرنے کی ضرورت ہو تو لاہور جا کر تلاش کر وہاں "لاہور میں ہماری جماعت کے پاک ممبر موجود ہیں" یعنی قادیان میں اب پاک ممبروں کو تلاش کرنا عبث ہے۔ اُن کا مرکز اب لاہور ہے۔

پس ان حالات میں مَیں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ یہاں دوبارہ نہایت مختصر اور یکجائی طور پر آپ کے عقائد کا ذکر کر دوں جو خود آپ کی قلم سے لکھے ہوئے ہوں۔ اور جن سے مابہ النزاع مسائل پر پوری پوری روشنی پڑتی ہو۔ جیسا کہ مَیں عرض کر چکا ہوں۔ ان عقائد کو مَیں صرف حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب کی تحریر سے پیش کروں گا۔ ولا غیر۔ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:۔

حضرت اقدس مرزا صاحب کا مذہب (۱) "ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۳۷)

(۲) "ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۳۷)

(۳) "مَیں نہ نبوت کا مدعی ہوں اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر۔ بلکہ مَیں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن و حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولنا

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعیٔ نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں" (اعلان مؤرخہ ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء)

(۴) "اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس اُمت کیلئے کوئی نبی نہیں آئیگا نیا ہو یا پرانا اور قرآن کریم کا ایک شُعشہ یا ایک نقطہ منسوخ نہیں ہوگا۔ ہاں محدّث آئیں گے جو اللہ جل شانہ سے ہمکلام ہوتے ہیں اور نبوت تامہ کی بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں" (نشان آسمانی صـ۲۸)

(۵) "ہم بھی مدعیٔ نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں" (مجموعہ اشتہارات صـ۲۲۴)

(۶) "میں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ میں نے اُنہیں کہا ہے کہ میں نبی ہوں۔ لیکن ان لوگوں نے جلدی کی اور میرے قول کے سمجھنے میں غلطی کی ہے" (ترجمہ حمامۃ البُشریٰ صـ۷۹)

(۷) "آنیوالے مسیح موعود کا نام جو زبان مقدس نبویؐ سے نبی اللہ نکلا ہے وہ انہی مجازی معنوں کے رُو سے ہے جو صوفیائے کرام کی کتابوں میں مسلّم ہے۔ ورنہ خاتم الانبیاء کے بعد نبی کیسا" (انجام آتھم)

(۸) "ہیچ دینے ندارم بجز دین اسلام و ہیچ کتابے ندارم بجز قرآن شریف و ہیچ پیغمبرے ندارم بجز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ خاتم الانبیاست" (انجام آتھم صـ۱۴۳)

(۹) "اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدّث رکھے گئے ہیں" (شہادت القرآن طبع ثانی صـ۲۷)

(۱۰) "ابتداء سے میرا مذہب یہی ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا" (تریاق القلوب صـ۱۳۰)

(۱۱) "میں کسی کلمہ گو کا نام کافر نہیں رکھتا" (تریاق القلوب صـ۱۳۰)

(۱۲) "یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر تو ٹھیراویں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگاویں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھیرایا ہے" (حقیقۃ الوحی صـ۱۲۰)

(۱۳) "ہم اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ جو راستباز اور کامل لوگ شرف صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو کر تکمیل منازل سلوک کر چکے ہیں۔ ان کے کمالات کی نسبت بھی ہمارے کمالات اگر ہمیں حاصل ہوں بطور ظل کے واقع ہیں اور ان میں بعض ایسے جزئی فضائل ہیں جو اب ہمیں کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتے" (ازالہ اوہام صـ۱۳۸)

(۱۴) "اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اسی پر مریں۔ اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچائی قرآن شریف

سے ثابت ہے اُن سب پر ایمان لاویں۔ اور صوم اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالےٰ اور اُس کے رسول ؐ کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہوں۔ غرض وہ تمام امور جن پر سلف صالح کو اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہل سنّت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں اُن سب کا ماننا فرض ہے۔ اور ہم آسمان اور زمین کو اس بات پر گواہ کرتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے۔ اور جو شخص مخالف اس مذہب کے کوئی اور الزام ہم پر لگاتا ہے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑ کر ہم پر افترا کرتا ہے۔ اور قیامت میں ہمارا اس پر یہ دعویٰ ہے کہ کب اس نے ہمارا سینہ چاک کر کے دیکھا کہ ہم باوجود ہمارے اس قول کے دل سے ان اقوال کے مخالف ہیں۔ الا

انّ لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین المفترین" (ایام الصلح صفحہ ۸۷)

غلو سے بچنے کی تاکید بھی حضرت اقدس مرزا صاحب کی قلم سے ہی سُن لو۔ فرماتے ہیں:-

(۱) "جو شخص انکار میں حد سے گزر جاتا ہے جس طرح کہ وہ ایک خطرناک حالت میں ہے اسی طرح وہ جو شیعوں کی طرح اعتقاد میں حد سے گزرتا ہے۔" (حضرت اقدس کا ایک خط منقول از الحکم جلد ۳ صفحہ ۲۹)

(۲) اسی طرح تحفہ گولڑویہ صفحہ ۵ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"عیسائیوں کی طرح نادان دوست نہ بنیں اور ناجائز صفات اپنے پیشوا کی طرف منسوب نہ کریں۔"

اللہ اللہ یہ کیسی صاف تنبیہ میاں محمود احمد صاحب اور ان کے غالی مریدوں کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے۔ اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرمائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سیرت

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مجدد صد چہاردھم

شمائل

چہرہ پر انوار آسمانی اور تقدس کے آثار

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے شمائل کو قلم سے بیان کرنا تو ممکن ہے فوٹو بھی موجود ہیں۔ لیکن وہ آثارِ تقدس اور انوارِ آسمانی جو آپ کے چہرہ پر ہر وقت نظر آتے تھے اُن کو نہ قلم بیان کر سکتی ہے نہ فوٹو دکھا سکتا ہے۔ جس وقت آپ ایک چھوٹے سے دروازہ کے ذریعہ گھر میں سے نکل کر مسجد میں تشریف لاتے تو یہ معلوم ہوتا کہ ایک نور کا جھمکڑا سا سامنے آ کھڑا ہوا۔ سب سے پہلے خاکسار مؤلف نے حضرت اقدس کو سیالکوٹ میں ۱۸۹۱ء میں دیکھا تھا۔ آپ حکیم حسام الدین مرحوم کے مکان سے نکلے۔ گلی میں سے گزر کر سامنے کے مکان میں چلے گئے۔ لیکن مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ایک نور کا پتلا آنکھوں کے سامنے سے گزر گیا۔ جو مقدس سے مقدس شکل میرا ذہن تجویز کر سکتا تھا وہ اُس سے بھی بڑھ کر تھا اور بے اختیار میرے دل نے کہا کہ یہ شکل جھوٹے کی نہیں بلکہ کسی بڑے مقدس انسان کی ہے۔ ایک دفعہ سردیوں کا موسم تھا۔ میں قادیان گیا ہوا تھا۔ شام کا وقت۔ اور بارش ہو رہی تھی اور نہایت سرد ہوا چل رہی تھی۔ مسجد مبارک میں جہاں نماز مغرب پڑھی جاتی تھی

کچھ اندھیرا سا ہو رہا تھا۔ حضرت اقدس اندر سے تشریف لائے تو موم بتی روشن کی ہوئی آپ کے ہاتھ میں تھی جس کا عکس آپ کے چہرۂ مبارک پر پڑ رہا تھا۔ اللہ اللہ جو نور اس وقت آپ کے چہرہ پر مجھے نظر آیا وہ نظارہ آجتک نہیں بھولتا۔ چہرہ آفتاب کی طرح چمک رہا تھا۔ جس کے سامنے وہ شمع بے نور نظر آتی تھی۔ اس کے کئی سال بعد ۱۹۰۶ء میں مَیں لمبی رخصت لیکر قادیان گیا ہوا تھا۔ ایک روز حضرت اقدس کی طبیعت ناساز تھی۔ سر میں سخت درد تھا۔ مگر اسی تکلیف میں آپ ظہر کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف لے آئے۔ مجھے سامنے سے آتے نظر آئے تو گو سر درد کی وجہ سے چہرہ پر تکلیف کے آثار تھے۔ لیکن پیشانی پر ایک نور کا شعلہ چمکتا نظر آتا تھا جسے دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی اور دل کو سرور آتا تھا۔ آج تک سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ غیر معمولی چمک کس چیز کی تھی۔ یہ تو خاص اوقات کا ذکر مَیں نے کیا جن کا اثر غیر معمولی طور پر دل پر رہ گیا۔ ورنہ آپ کے چہرہ پر تقدس کے آثار ایسے نمایاں تھے اور انوار روحانی کی بارش کا وہ سماں نظر آتا تھا کہ ناممکن تھا کہ کوئی شخص اُسے دیکھے اور متاثر نہ ہو۔ اُس زمانہ میں ہم لوگ غیر از جماعت مسلمانوں سے فقط وفات مسیح منوانے کی کوشش کرتے تھے۔ جہاں کسی نے وفات مسیح کو مان لیا پھر نزول مسیح پر بحث کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ کوشش یہ ہوتی تھی کہ وہ ایک دفعہ حضرت اقدس کو دیکھ لے۔ جہاں دیکھا نہیں اور اُس نے مانا نہیں۔ لوگ کہتے تھے کہ مرزا کے پاس نہ جاؤ۔ وہ جادوگر ہے۔ مسمرائزر ہے۔ لوگوں پر جادو کر دیتا ہے۔ انہیں مسمرائز کر لیتا ہے۔ حالانکہ یہ غلط تھا۔ مسمرائزر تو آنکھوں سے اثر ڈالتا ہے اور آپ کی آنکھیں ہمیشہ نیچی رہا کرتی تھیں۔ آنکھیں اُٹھا کر دیکھنے کی آپ کو عادت ہی نہ تھی۔ بات یہ ہے کہ چہرہ پر تقدس اور انوار آسمانی کے نشانات ایسے نمایاں تھے کہ ناممکن تھا کہ لوگ دیکھیں اور متاثر نہ ہوں۔ تعصب اور نفرت بغض اور عداوت اگر پہلے سے ہی دل میں ہو جو قلب کے لطیف جذبات کو دبا دے اور ضمیر کی آواز کو بے اثر کر دے تو وہ جدا امر ہے۔ لیکن جس کا دل اِن جذبات سفلی سے پاک ہو وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ ہندو تک اس کے مقر تھے۔ بٹالہ اور قادیان کے درمیان نہر کے کنارے ایک ہندو دوکاندار چھابڑی لگائے بیٹھا رہا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ مہاراج مَیں تو ہر ایک آنے جانیوالے کو دیکھتا ہوں۔ بڑے بڑے پٹھان اور سورما یہ کہتے ہوئے اِدھر سے گزرے ہیں کہ آج مرزا کا فیصلہ کر کے آویں گے لیکن جب واپس گئے تو مرزا کے ہی گُن گاتے ہوئے گئے۔ مہاراج مرزا تو کوئی دیوی کا رُوپ ہے"۔ حضرت کی نوجوانی کے زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ دلہوزی جاتے ہوئے رستہ میں بارش آگئی۔ حضرت اقدس یکہ پر سوار تھے۔ پہاڑ کی بارش جب آجائے تو دم نہیں لیتی۔ ایک پہاڑیئے کا مکان سامنے نظر آیا

آپ نے اپنے رفیق کو اُس کے پاس بھیجا تاکہ اُس کی اجازت سے تھوڑی دیر اُس کے مکان میں بارش سے پناہ لی جا سکے۔ لیکن دیکھا کہ پہاڑیئے اور آپ کے آدمی کے درمیان کچھ تکرار ہو رہی ہے۔ آپ خود تشریف لے گئے تو معلوم ہوا کہ وہ پہاڑیا مکان کے اندر آنے کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن جیسے ہی آپ اس کے سامنے آئے تو اُس نے ایک نظر ڈالتے ہی کہہ دیا کہ آپ اندر آ جائیں۔ پھر کہنے لگا کہ "میری ایک جوان لڑکی ہے اُس کی وجہ سے مَیں کسی شخص کو اپنے گھر کے اندر آنے نہیں دیتا۔ لیکن آپ کو دیکھ کر میری تسلی ہو گئی۔ اس لئے آپ کے آنے میں کوئی ہرج نہیں"۔ اس سے قبل اُس نے حضرت اقدس کو کبھی دیکھا بھی نہ تھا اور اُس زمانہ میں آپ جوان عمر تھے۔ لیکن چہرہ پر ایسے تقدس اور طہارت کے نشان نمایاں تھے کہ ایک جاہل پہاڑیئے کی آنکھوں سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکے۔

ایسے سینکڑوں واقعات آئے دن ہوتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ مردان کا کوئی آدمی میاں محمد یوسف صاحب کے ساتھ حضرت مولانا نورالدین صاحب سے علاج کرانے قادیان آیا۔ چونکہ یہ شخص حضرت اقدس مرزا صاحب کا سخت دشمن تھا اور محض علاج کی خاطر مجبوراً قادیان آیا تھا اس لئے اُس نے محمد یوسف صاحب سے یہ شرط کر لی تھی کہ قادیان میں مجھے احمدیوں کے محلہ سے باہر کوئی مکان لے دینا کیونکہ اس محلہ میں مَیں کبھی گھسنا بھی نہیں چاہتا۔ خیر وہ آیا اور احمدی محلہ سے باہر ٹھیرا۔ علاج ہوتا رہا۔ کچھ دنوں کے بعد اُسے افاقہ ہوا تو وہ واپس جانے لگا۔ میاں محمد یوسف صاحب نے کہا کہ تم قادیان آئے اور اب جاتے ہو ہماری مسجد تو دیکھتے جاؤ۔ اُس نے انکار کیا۔ میاں صاحب نے اصرار کیا تو اُس نے اس شرط پر مانا کہ ایسے وقت مجھے وہاں لے چلو کہ وہاں نہ تو مرزا صاحب ہوں اور نہ کوئی اور احمدی موجود ہو۔ میاں محمد یوسف صاحب نے مان لیا اور ایسا ہی وقت دیکھ کر اُسے مسجد مبارک میں لائے۔ مگر خدا کی قدرت کہ اِدھر اُس نے مسجد میں قدم رکھا اور اُدھر حضرت اقدس کے مکان کی کھڑکی کھلی اور آپ کسی کام کیلئے مسجد میں تشریف لے آئے۔ اُس شخص کی نظر حضرت اقدس کی طرف اُٹھی اور وہ بیتاب ہو کر آپ کے سامنے آگرا اور اُسی وقت بیعت کر لی۔

اسی طرح میاں فخرالدین صاحب ملتانی مرحوم کا بیان ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کے زمانہ میں ایک دفعہ میرے والد قادیان آئے اور وہ سخت مخالف اور بدگو تھے۔ اور یہاں آ کر بھی بڑی تیزی سے باتیں کرتے رہے۔ اور کہا کرتے تھے کہ اگر کبھی مرزا سے ملنے کا موقعہ ہوا تو (نعوذ باللہ۔ ناقل) اُس کے منہ پر بھی لعنتیں ڈالوں گا۔ خیر مَیں اُنہیں حضرت صاحب کے پاس لے گیا۔ حضور جب باہر تشریف لائے تو میرے والد ادب سے کھڑے ہو گئے اور پھر خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئے۔ اُس وقت

مجلس میں اور لوگ بھی تھے۔ حضور نے بیٹھے بیٹھے تقریر فرمانی شروع کی اور کئی دفعہ فرمایا کہ "ہم تو چاہتے ہیں کہ لوگ ہمارے پاس آئیں اور ہماری باتیں سُنیں۔ اور ہم سے سوال کریں۔ اور ہم اُن کے واسطے خرچ کرنے کو بھی تیار ہیں۔ لیکن اول تو لوگ آتے نہیں اور اگر آتے ہیں تو خاموش بیٹھے رہتے ہیں اور پھر پیچھے جا کر باتیں کرتے ہیں"۔ غرض حضور نے کھول کھول کر تقریر کی اور تبلیغ فرمائی۔ میسرا والد اگرچہ بہت چرب زبان تھا مگر ان کے منہ پر گویا مہر لگ گئی اور وہ ایک لفظ بھی نہیں بول سکے۔

علم مسمریزم سے نفرت حضرت اقدس کے چہرۂ مبارک کا ایسا نیک اثر قلوب پر پڑتا تھا کہ بے اختیار دل بول اُٹھتے تھے کہ یہ جھوٹے کا منہ نہیں ہے۔ اس وجہ سے بعض مخالفوں کو جب اِس کی اور کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہ آئی تو کہنا شروع کر دیا کہ مرزا مسمریزم یعنی علم توجہ جانتا ہے جس سے دلوں کو تسخیر کر لیتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط بات ہے۔ مسمرائزر ہمیشہ نگاہ سے توجہ ڈالا کرتا ہے لیکن یہاں غضِ بصر کا یہ حال تھا کہ حضرت مرزا صاحب کبھی آنکھ اُٹھا کر دیکھنا جانتے نہ تھے۔ ایک کنواری لڑکی کی طرح حیا سے آنکھیں نیچے جھکی رہتی تھیں۔ غضِ بصر کی ایسی عادت تھی کہ بعض اوقات ایک دوست پاس بیٹھا ہوتا تھا اور آپ کو خبر نہ ہوتی تھی۔ جب کسی ضرورت سے فرماتے کہ فلاں صاحب کو بلا لو تو وہ عرض کرتا کہ حضور میں تو قریب ہی بیٹھا ہوا ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کو علم توجہ سے سخت نفرت تھی۔ حضرت اقدس کی زندگی کے ایام میں ایک دفعہ خاکسار مؤلف سے مولانا نور الدین صاحب اپنے علم روحانیات کے تجربے سُنا رہے تھے کہ کس طرح بعض موقعوں پر رُوحوں سے ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ مجھے بھی یہ علم سکھا دیں۔ فرمانے لگے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب مسمریزم اور اسپریچولزم وغیرہ کو بہت ناپسند کرتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ انسان کا اصل مقصود خدا تعالیٰ ہے۔ بندہ کو خدا سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ نہ کہ رستہ کے اِن سیر تماشوں میں پڑ کر اصل مقصود کو بھول جانا چاہیئے۔ ریاضت کرنے سے انسان کے باطنی قویٰ اس قدر نشوونما پا جاتے ہیں کہ وہ اس قسم کے تماشے دیکھنے یا دکھانے لگتا ہے۔ یہ علوم صحیح ہیں لیکن ان کو تعلق باللہ اور اصلاح نفس سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگر انسان کو حقیقی تقویٰ و طہارت اور تعلق باللہ کا مقام حاصل نہ ہو تو یہ چیزیں رُوحانی طور پر کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتیں۔ پس اصل مقصودِ زندگی یعنی خدا کی رضا و حصولِ تقویٰ کو چھوڑ کر ان چیزوں کے پیچھے پڑ جانا درحقیقت اپنے قیمتی اوقات کو ضائع کرنا ہے۔ مولانا موصوف فرمانے لگے کہ ہمارے خسر صاحب منشی احمد جان مرحوم لدھیانوی علم توجہ کے بڑے ماہر تھے۔ اُنہوں نے اس پر ایک بڑی ضخیم کتاب بھی لکھی تھی۔ حضرت اقدس سے پہلی مرتبہ ملے تو اس کتاب کے چھپوانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت صاحب نے

فرمایا کہ منشی صاحب! جس طریق کو آپ نے اختیار کیا ہے اس میں خاص کمال کیا ہے۔ منشی صاحب نے کہا کہ میں جس شخص پر توجہ ڈالوں تو وہ بیتاب ہو کر زمین پر گر جاتا ہے۔ اس پر حضرت صاحب نے فرمایا کہ پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ خدا مل گیا؟" منشی صاحب موصوف فوراً بات کو سمجھ گئے اور کتاب کو چھپوانے سے باز رہے۔ اور حضرت اقدس کے معتقد ہو گئے کہ اصل توحید یہی ہے۔ غرضیکہ حضرت صاحب کو علم توجہ سے سخت نفرت تھی۔ آپ کا مسلک قرآن اور سنت رسولؐ کی اتباع تھا اور اسی کو تمام ترقیات روحانی وجسمانی کی جڑ سمجھتے تھے۔

ایک دفعہ کسی بڑے عالم نے حضرت اقدس سے عرض کیا کہ مجھے بڑی خواہش ہے کہ بیداری میں کشف ہو جیسا کہ اولیاء کرام کو ہوا کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا "ایسی تمنا کرنا شرک ہے۔ مومن کا مقصود خدا ہونا چاہیئے نہ کہ کوئی کشف یا الہام۔ یہ خدا کے انعامات ہیں اپنے جس بندہ کو چاہے دے۔ لیکن انہیں اپنا مقصود بنانا کیا معنے رکھتا ہے۔ قیامت میں یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہیں کتنے کشف ہوتے تھے یا کتنے الہام ہوتے تھے وہاں تو ایمان اور عمل پوچھا جائے گا۔ پس اللہ کو اپنا مقصود بناؤ اُس پر سچا ایمان رکھو اور عمل نیک کرو کہ یہی اولیائی ہے۔"

پس آپ پر یہ سراسر بہتان ہے کہ آپ مسمرائزم کیا کرتے تھے بلکہ حقیقت یہی ہے کہ آپ کے چہرہ پر رُوحانی انوار اور تقدس وطہارت کے نشانات ایسے نمایاں تھے کہ دیکھ کر ایک دفعہ تو بے اختیار دل کھنچنے لگتا تھا اور رُوح اندر سے بول اُٹھتی تھی کہ یہ کوئی بڑا ہی مقدس اور مقرب الٰہی انسان ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب کبھی بھی آپ لاہور۔ جہلم۔ لدھیانہ وغیرہ تشریف لے گئے ہیں خلقت ایک سیلاب کی طرح آپ کی زیارت کو اُمنڈ کر آئی ہے۔ اور اُس وقت جو آپ کو دیکھتا تھا اُس کے منہ سے بے اختیار سبحان اللہ سبحان اللہ کا غلغلہ بلند ہوتا تھا۔ اور طبائع اس قدر متاثر ہوتی تھیں کہ مولویوں کو اُس کے بعد آپ کے خلاف طرح طرح کے جھوٹ اور بہتان طرازیوں سے بھری ہوئی تقریریں کرنی پڑتی تھیں۔ بڑے بڑے مجمع کر کے تکفیر کے فتووں کو یاد دلانا پڑتا تھا۔ لوگوں کی عورتوں پر طلاقیں ڈالنی پڑتی تھیں۔ تب جا کر وہ لوگوں کو متنفر کرنے میں کامیاب ہوتے۔ غور کا مقام ہے کہ ہزارہا انسانوں کے مجمع کو کسی مسمرائزر نے کیا مسخر کر لینا ہے۔ اکیلا مسمرائزر ایک دو آدمی سے زیادہ کو مسخر نہیں کر سکتا۔ درحقیقت یہ وہی آسمانی انوار تھے جو انبیاء اور اولیاء کے چہروں پر برسا کرتے ہیں۔ آپ کے چہرہ پر بھی برستے تھے۔ اور بے حد برستے تھے۔

حلیہ آپ کا حسن وجمال مردانہ حسن وجمال کا ایک اعلیٰ نمونہ تھا۔ مگر اس حسن وجمال کے ساتھ وہ رُوحانی

چمک دمک اور انوار آسمانی جو ہر وقت چہرہ مبارک پر نظر آتے تھے۔ ایک ایسی خارق عادت چیز تھی جو میری آنکھوں نے تو آجتک کبھی دیکھی نہیں۔ اس لئے قلم اور فوٹو اُن انوار کو تو دکھا نہیں سکتے۔ البتہ جسمانی حلیہ ہدیۂ ناظرین کرنے لگا ہوں۔ سیرۃ المہدی حصّہ دوم میں ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب کی قلم سے حضرت اقدس کا حلیہ نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہُوا موجود ہے اس لئے میں اسی میں سے کچھ کسی قدر مناسب کمی بیشی کے ساتھ یہاں عرض کئے دیتا ہوں:۔

جسم وقد آپ کا جسم نہ دُبلا تھا۔ نہ آپ موٹے ہی تھے۔ البتہ درمیانی حالت کا دوہرا بدن تھا۔ نرم اور پلپلا نہیں۔ بلکہ مضبوط اور جوانی کی سختی لئے ہوئے۔ تمام جسم کے اعضا میں تناسب تھا۔ نہ ہاتھ لمبے نہ ٹانگیں لمبی۔ نہ پیٹ اندازہ سے نکلا ہُوا۔ غرضیکہ کسی قسم کی بدصورتی آپ کے جسم میں نہ تھی۔ جلد آپ کی نہ کھردری۔ نہ عورتوں کی طرح ملائم۔ آپ کی عمر ۷۰ اور ۸۰ سال کے درمیان ہوئی۔ لیکن نہ آپ کے چہرہ اور جسم پر جھریاں پڑیں نہ کہیں سے کھال لٹکی۔

آپ کا قد متوسط تھا۔ ناپا نہیں گیا مگر اندازاً پانچ فیٹ آٹھ انچ کے قریب ہوگا۔ کندھے اور چھاتی کشادہ۔ آخر عمر تک سیدھے رہے نہ کمر جھکی نہ کندھے۔

رنگ جیسا کہ حدیث شریف میں مسیح موعود کا حلیہ لکھا ہے۔ آپکا رنگ کُھلتا گندمی تھا اور نہایت اعلیٰ درجہ کا گندمی تھا۔ یعنی اس میں ایک نورانیت اور سرخی جھلک مارتی تھی۔ اور یہ چمک جو آپ کے چہرہ کے ساتھ وابستہ تھی عارضی نہ تھی بلکہ دائمی تھی۔ کبھی صدمہ رنج۔ ابتلا مقدمات اور مصائب کے وقت آپکا رنگ زرد ہوتے نہیں دیکھا گیا۔ اور ہمیشہ چہرہ مبارک کُندن کی طرح دمکتا رہتا تھا۔ کسی مصیبت اور تکلیف نے اس چمک کو دُور نہیں کیا۔ علاوہ اس چمک اور نور کے آپ کے چہرہ پر ایک بشاشت اور تبسم ہمیشہ رہتا تھا اور دیکھنے والے یہ کہتے تھے کہ اگر یہ شخص مفتری ہے اور دل میں اپنے تئیں جھوٹا سمجھتا ہے تو اس کے چہرہ پر یہ بشاشت اور خوشی اور فتح اور طمانیت قلب کے آثار کیونکر ہو سکتے ہیں۔ یہ نیک ظاہر کسی بد باطن کے ساتھ وابستہ نہیں رہ سکتا۔ اور ایمان کا نور بدکار کے چہرہ پر درخشندہ نہیں ہو سکتا۔ لیکھرام کے قتل کے بعد آپ کی خانہ تلاشی ہوئی۔ پادری ہنری مارٹن کلارک نے آپ پر ارادۂ قتل کا سنگین مقدمہ بنایا۔ اسی قسم کے اور بھی سخت ابتلاؤں کے زمانہ میں آپ کے چہرہ کی بشاشت اور تبسم اور طمانیت قلبی میں کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی فرق نہیں آیا۔

سر کے بال آپ کے سر کے بال نہایت باریک سیدھے۔ چکنے۔ چمکدار اور نرم تھے۔ اور مہندی کے رنگ سے رنگین رہتے تھے۔ گھنے اور کثرت سے نہ تھے بلکہ کم کم۔ آپ نہ سر منڈواتے تھے نہ خشخاشی بال

رکھتے تھے۔ بلکہ بال اتنے لمبے تھے کہ پٹے کبھی کان کی لَو تک اور کبھی گردن تک پہنچتے تھے۔ سر میں تیل بھی ڈالتے تھے۔ چنبیلی یا حنا وغیرہ کا۔ یہ عادت تھی کہ بال شوکھے نہ رکھتے تھے۔

ریش | آپ کی داڑھی اچھی گھندار تھی۔ داڑھی کو آپ سنت کے مطابق لمبا چھوڑ کر حجامت کے وقت فاضل بال کتروا دیتے تھے اور بالوں کو بے ترتیب اور ناہموار نہیں رکھتے تھے۔ ریش مبارک نہایت خوبصورت تھی اور چہرہ کے تینوں طرف تھی۔ نہ بالکل ٹھوڑی پر اور نہ اتنی کہ آنکھوں تک پہنچی ہوئی ہو۔ داڑھی کے بال مضبوط موٹے اور چمکدار اور سیدھے اور نرم تھے۔ اور حنا سے سرخ رنگے ہوا کرتے تھے۔

وسمہ و مہندی | ابتدائی ایام میں آپ وسمہ اور مہندی دونو لگایا کرتے تھے لیکن بعد میں بوجہ ضعف دماغی وسمہ لگانا ترک کر دیا۔ اور صرف مہندی لگایا کرتے تھے اور آخر عمر تک سر اور ریش مبارک پر مہندی ہی لگاتے رہے۔ آخری دنوں میں میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی نے ایک خضاب تیار کر کے پیش کیا تھا وہ لگانے لگے تو ریش مبارک میں سرخی کے ساتھ کسی قدر سیاہی آگئی تھی۔ مگر سالہا سال صرف مہندی لگانے پر ہی اکتفا کیا جو اکثر آٹھویں دن جمعہ کے جمعہ یا بعض اوقات دوسرے دنوں میں بھی آپ نائی سے لگوایا کرتے تھے۔

مونچھیں | ریش مبارک کی طرح مونچھوں کے بال بھی مضبوط اور اچھے موٹے اور چمکدار تھے۔ آپ لبیں کترواتے تھے مگر نہ اتنی کہ بعض مولویوں کی طرح مونڈی ہوئی معلوم ہوں۔ نہ اتنی لمبی کہ ہونٹ کے کنارے سے نیچے ہوں۔

چہرہ | آپ کا چہرۂ مبارک کتابی یعنی معتدل طور پر لمبا تھا۔ آپ کی ۷۰ اور ۸۰ سال کے درمیان عمر ہوئی لیکن چہرہ پر جھریوں کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ نہ پیشانی پر شکن کے نشانات نمایاں تھے۔ البتہ تبسم اور بشاشت کے آثار ہر وقت نظر آتے رہتے تھے۔ آپ کی آنکھوں کی سیاہی۔ سیاہی مائل شربتی رنگ کی تھی۔ اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں مگر ہر وقت غض بصر کی عادت کی وجہ سے جب تک آپ تکلف سے نظر اٹھا کر نہ دیکھیں پوٹے جھکے ہی رہتے تھے۔ غض بصر کی اتنی عادت تھی کہ خواہ مردانہ مجالس میں تشریف رکھتے ہوں خواہ گھر کے اندر بیٹھے ہوں نظریں ہر وقت نیچی رہتیں۔ کسی سے مخاطب ہو کر کلام بھی فرماتے تب بھی نظریں نیچی ہوتی تھیں۔ بعض اوقات آپ کو یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ اس مکان میں کون کون بیٹھا ہے اور کیا کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا آپ کی نظر کے متعلق حفاظت کا وعدہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ باوجود لمبی عمر پانے کے آپ کی آنکھوں کو کبھی عینک کی ضرورت نہیں ہوئی۔ اور باوجود اس کے کہ تمام تمام دن تصنیف و تالیف کا مشغلہ رہتا تھا۔ لیکن نہ کبھی آنکھیں تھکیں اور

نہ بیمار ہوتیں۔

آپ کے کان متوسط حجم کے تھے۔ نہ باہر کو بہت بڑھے ہوئے۔ نہ بالکل سر کے ساتھ لگے ہوئے۔ قوت شنوائی آپ کی خدا کے فضل سے آخر وقت تک بہت عمدہ اور برقرار رہی۔

آپ کی ناک نہایت خوبصورت اُونچی ستوان اور موزون تھی۔ نہ بہت پتلی اور نہ پھیلی ہوئی موٹی۔ آپ کے رخسار مبارک نہ اندر کو پچکے ہوئے تھے اور نہ اتنے موٹے کہ باہر کو نکل آویں۔ نہ رخساروں کی ہڈیاں اُبھری ہوئی تھیں۔ ابرو یعنی بھنویں آپ کی الگ الگ تھیں پیوستہ نہ تھیں۔

آپ کے لب پتلے نہ تھے مگر تاہم ایسے موٹے بھی نہ تھے کہ بُرے لگیں۔ دہانہ آپکا متوسط تھا اور جب بات نہ کرتے ہوں تو مُنہ کھلا نہ رہتا تھا۔ بعض اوقات جب مجلس میں خاموش بیٹھے ہوں تو آپ عمامہ کے شملہ سے دہان مبارک ڈھانک لیا کرتے تھے۔

آپ کو مسواک کرنے کی عادت تھی اور اکثر مسواک کرتے تھے۔ لیکن تاہم عمر کے تقاضہ سے آخر عمر میں دانت کچھ خراب ہو گئے تھے جس سے کبھی کبھی تکلیف ہو جاتی تھی۔

پیشانی اور سر آپ کی پیشانی سیدھی بلند اور چوڑی تھی۔ نہ آگے کو نکلی ہوئی۔ نہ پیچھے کو دھسی ہوئی۔ بلکہ نہایت بلند اور کشادہ تھی۔ جس سے نہایت درجہ کی فراست اور ذہانت ٹپکتی تھی اور علم قیافہ کے رُو سے ایسی پیشانیاں اُن لوگوں کی ہوتی ہیں جو اپنے اندر اعلیٰ صفات اور اخلاق کا نمونہ رکھتے ہیں۔ آپکا سر بڑا تھا۔ اور خوبصورتی کے ساتھ بڑا تھا۔ اور علم قیافہ کے اصولوں کے مطابق ہر سمت سے پُورا تھا۔ یعنی لمبائی میں بھی اور چوڑائی میں بھی تناسب نہایت موزون تھا۔ آپ کی کنپٹی کشادہ تھی جو آپ کی کمال عقل پر دلالت کرتی تھی۔ آپ کی گردن لمبائی اور موٹائی میں متوسط تھی۔

لباس

لباس اور اس کی صفائی اور سادگی آپ کو کسی خاص قسم کے لباس کا شوق نہ تھا۔ عموماً جو کپڑے آپ زیب تن فرمایا کرتے وہ یہ تھے کرتہ یا قمیص۔ پائجامہ۔ صدری۔ کوٹ۔ عمامہ۔ آپکے سب کپڑوں میں خصوصیت یہ ہوتی تھی کہ وہ بہت کھلے اور کشادہ ہوتے تھے۔ کوٹ یا جبہ یا چوغہ جو کبھی آپ پہنتے تھے وہ اتنے لمبے ہوتے تھے کہ گھٹنوں سے نیچے پہنچتے تھے اور بعض اوقات تو ٹخنے تک پہنچ جاتے تھے پاجامہ آپ کا معروف شرعی وضع کا ٹخنوں سے اُونچا ہوا کرتا تھا۔ ابتدا میں کبھی کبھی ڈھیلا پاجامہ مردانہ بھی پہن لیتے تھے لیکن بعد میں بالکل ترک کر دیا تھا۔ گھر میں گرمیوں میں کبھی کبھی دن کو اور عادتاً رات کو

تہ بند باندھ کر خواب فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ کشادہ کپڑا پہننے کی عادت تھی اس لئے کُرتے اور صدریاں بھی کشادہ ہؤا کرتی تھیں اور بنیائن آپ کبھی نہیں پہنتے تھے اس کی تنگی سے گھبراتے تھے۔ گرم قمیص جو پہنتے تھے اکثر دفعہ اُس کا اُوپر کا بٹن آپ کھلا رکھتے تھے۔ آپ کو یاد الٰہی میں اس قدر استغراق اور خدمت دین اور اصلاح قوم میں اس قدر انہماک تھا کہ لباس کے آرائش اور تکلفات کی طرف کبھی توجہ کرنے کا موقعہ ہی نہ ہوتا تھا۔ لباس سادہ اور صاف اور پاکیزہ ہوتا تھا لیکن بیش قیمت کپڑا پہننے کی آپ کو عادت نہ تھی۔ آخری ایام میں شیخ رحمت اللہ صاحب لاہوری ہر عید اور بقرعید کے موقعہ پر کوٹ۔ صدری۔ پانجامہ قمیص اپنی دوکان سے سلوا کر بطور تحفہ پیش کیا کرتے تھے اور وہی آپ استعمال فرمایا کرتے تھے۔ مگر وہ کوٹ بھی گھٹنوں سے نیچا ہوا کرتا تھا۔ آپ خود بھی کپڑے بنواتے تھے مگر بقدر ضرورت۔ زیادہ تر ململ کے کُرتے اور عمامہ خود بنوایا کرتے تھے۔ عمامہ سفید ململ کا ہؤا کرتا تھا آپ کو دینی انہماک سے اس قدر فرصت ہی نہ تھی کہ لباس کو سنوار کر پہننے کی طرف توجہ کریں۔ اکثر ایسا دیکھا گیا کہ بٹن غلط لگے ہوئے ہیں۔ یعنی اپنا کاج چھوڑ کر دوسرے کاج میں لگے ہوئے ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ تو صدری کے بٹن کوٹ کے کاجوں میں لگے ہوئے دیکھے گئے۔ کبھی اس بات کی پرواہ ہی نہیں ہوئی کہ لوگ آپ کے کپڑوں کی خاص طور پر دیکھ بھال کریں۔ برش کریں یا استری کریں۔ کبھی ایسا ہؤا کہ رات کو سوتے ہوئے صدری کوٹ وغیرہ اتارے اور بجائے کھونٹی پر لٹکانے کے سرہانے رکھ لئے۔ صبح کو وہ ملے دلے پائے گئے ضرورت ہوئی تو پھر ویسے ہی پہن لیا۔ یہ پرواہ نہیں کہ اس میں شکنیں پڑ گئی ہیں۔ آپ کو کسی خاص کپڑے یا خاص لباس کا شوق نہ تھا۔ جو مل گیا پہن لیا جیسا مل گیا استعمال کر لیا۔ آپ کو دیکھ کر کوئی شخص ایک لمحہ کیلئے بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس شخص کی زندگی میں یا لباس میں کسی قسم کا بھی تصنع ہے یا یہ زیب و زینت دنیوی کا دلدادہ ہے ہاں البتہ والرجز فاهجر کے ماتحت آپ صاف اور ستھری چیز ہمیشہ پسند فرماتے۔ اور گندی اور میلی چیز سے سخت نفرت رکھتے۔ اس لئے کپڑے اگرچہ سادہ ہوتے مگر صاف ضرور ہوتے۔

عمامہ عمامہ آپ سفید ململ کا باندھا کرتے تھے۔ اور اکثر۔ اگز یا کچھ زیادہ لمبا ہوتا تھا۔ شملہ آپ لمبا چھوڑتے تھے۔ کبھی کبھی شملہ کو آگے بھی ڈال لیا کرتے تھے۔ اور کبھی اس کا پلّہ دہن مبارک پر بھی رکھ لیتے۔ عمامہ کے باندھنے کی آپ کی خاص وضع تھی۔ نوک تو ضرور سامنے ہوتی۔ مگر سر پر ڈھیلا ڈھالا لپٹا ہؤا ہوتا تھا۔ عمامہ کے نیچے اکثر نرم قسم کی رومی ٹوپی رکھتے تھے۔ گھر میں عمامہ اُتار کر صرف یہ ٹوپی ہی پہنے رہا کرتے۔

جرابیں | جرابیں سوتی آپ سردیوں میں استعمال فرماتے۔ اور وضو کے وقت ان پر مسح فرماتے۔ بعض اوقات زیادہ سردی میں دو دو جرابیں اوپر تلے چڑھا لیتے۔ آپ کے استغراق اور انہماک کا نتیجہ یہاں بھی نظر آتا تھا۔ بارہا جراب اس طرح پہن لیتے۔ کہ وہ پیر پر ٹھیک نہ چڑھتی۔ کبھی تو سرا آگے لٹکتا رہتا اور کبھی جراب کی ایڑی پیر کی ایڑی کی بجائے پیر کی پشت پر آجاتی۔ کبھی ایک جراب سیدھی اور دوسری اُلٹی ہوتی +

رومال | رومال آپ صدری کی جیب میں یا کوٹ کی جیب میں رکھا کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ بڑا رومال رکھا کرتے تھے نہ کہ چھوٹا جنٹلمینی رومال۔ اسی رومال کے کونوں میں آپ مشک اور ایسی ہی دیگر ضروری ادویہ جو دوران سر اور برد اطراف کے وقت آپ استعمال فرمایا کرتے تھے باندھ لیا کرتے تھے۔ بعض اوقات ضروری خطوط یا نقد رقم بھی اسی کے ایک گوشہ میں باندھ لیتے تھے +

گھڑی | میں عرض کر چکا ہوں کہ جو ضرورت کی چیز کسی نے لا کر دی آپ نے استعمال فرمالی۔ گھڑی بھی آپ جیسے معمورالاوقات انسان کے لئے ضروری چیز تھی۔ کسی نے لا کر دی تو اپنے پاس ضروری سمجھ کر رکھ لی۔ لیکن ایسا ہوتا کہ اکثر اسے رُومال میں ہی باندھے رکھتے۔ وجہ یہ کہ جیب میں رکھتے تو بوجہ زنجیر وغیرہ نہ ہونے کے جیب سے نکل پڑتی اس لئے رومال میں ہی بندھی رہتی۔ ابتدا میں تو آپ کو گھڑی سے وقت دیکھنا بھی نہ آتا تھا۔ اُنگلی رکھ رکھ کر گنا کرتے تھے۔ بعد میں وقت دیکھنا آگیا تو مشکل یہ بنی کہ گھڑی میں چابی دینی نہ آتی تھی اس لئے کسی دوسرے آدمی سے چابی دلوایا کرتے تھے۔ بعد میں جب اٹکل آگئی تو اکثر چابی دینی یاد نہ رہتی اور گھڑی اکثر بند رہتی۔ یہی حال آپکا اکثر دنیوی امور میں تھا۔ دیکھنے والوں کو تعجب آتا تھا کہ یہ شخص جب قلم پکڑ کر لکھنے بیٹھتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دین و دنیا کے علوم ہاتھ باندھے سامنے حاضر ہیں کہ جس طرف آپ کا قلم چلتا ہے تو علم کا دریا بہتا نظر آتا ہے۔ لیکن ویسے دنیا کے کاموں میں دیکھو تو بالکل بچوں کی طرح معصوم اور بھولا بھالا۔ اس کی دو وجہ معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل تو یہ کہ یہ علم لدنّی تھا جو جناب الٰہی کی طرف سے آپ کو ملتا تھا۔ دوسرے یہ کہ آپ کو دینی کاموں میں اس قدر انہماک تھا اور دنیا کی چیزوں کی آپ کی نگاہ میں اس قدر بے وقعتی تھی کہ آپ ان چیزوں کی طرف توجہ دینا ایک قسم کا تضیع اوقات سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ میرا تو یہ حال ہے کہ پاخانہ پیشاب پر بھی مجھے افسوس آتا ہے کہ اتنا وقت ضائع جاتا ہے یہ بھی کسی دینی کام میں لگ جائے۔ اور فرمایا کوئی مشغولی اور تصرّف جو دینی کاموں میں حارج ہو اور وقت کا کوئی حصّہ لے مجھے سخت ناگوار ہے۔ اور فرمایا جب کوئی دینی ضروری کام آپڑے تو مَیں اپنے اُوپر کھانا پینا اور

سونا حرام کر لیتا ہوں جب تک کہ وہ کام نہ ہو جائے۔ فرمایا ہم دین کے بیٹے ہیں اور دین کی خاطر زندگی بسر کرتے ہیں۔ بس دین کی راہ میں ہمیں کوئی روک نہ ہونی چاہیئے"۔

انگریزی لباس پسند نہ تھا

یہی وجہ تھی کہ آپ کو انگریزی لباس ناپسند تھا کہ اس کے پہننے اور پہن کر گذاشت میں وقت بہت صرف ہوتا ہے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب لاہوری انگریزی طرز کی گرم قمیص بنوا کر آپ کے لئے لایا کرتے تھے۔ آپ انہیں استعمال تو فرماتے تھے مگر انگریزی طرز کے کفوں کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ کفوں کے بٹن لگانے اور کھولنے کا التزام آپ کے لئے مشکل تھا۔ بعض اوقات فرماتے یہ کیا کان سے لٹکے رہتے ہیں۔ کوٹ واسکٹ کے بٹنوں کا بھی یہی حال تھا کہ نیچے کا بٹن اُوپر کے کاج میں اور اُوپر کا بٹن نیچے کے کاج میں لگا ہوتا۔ نتیجہ یہ کہ بٹن جلدی ٹوٹ جاتے۔ ایک دن تعجب سے فرمانے لگے کہ بٹن کا لگانا بھی تو آسان کام نہیں۔ ہمارے تو سارے بٹن جلدی ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور فرمایا حقیقت میں ان میں تضیع اوقات بہت ہے اگرچہ آرام بھی ہے۔

گرم لباس

جس طرح انگریزی لباس کبھی نہیں پہنا اسی طرح پرانی طرز کا روئی دار کوٹ بھی کبھی نہیں پہنا۔ زیادہ سردی ہوتی تو اُوپر تلے دو کوٹ پہن لیتے۔ کسی شخص نے پوستین تحفہ دی تھی کبھی وہ پہن لیتے۔ کبھی پشمینہ کا لبادہ کہ وہ بھی کسی نے تحفہ دیا تھا پہنتے تھے۔ آپ کے پاس پشمینہ کا ایک دُھسہ بھی تھا جو عام طور پر خوار ہوتا پھرتا تھا۔ لیکن جب مسجد میں تشریف لاتے تو اکٹھا کر کے اُسے اپنے کندھے پر ڈال لیتے۔ تشریف رکھتے تو پیروں پر ڈال لیتے۔ دُھسہ کبھی سر سے نہ اوڑھتے۔ بلکہ کندھوں اور گردن تک رہتا تھا۔ آخر عمر میں آپ کا لباس گرمیوں میں بھی گرم وضع کا ہی رہتا تھا یعنی کوٹ اور صدری گرم پہن لیا کرتے تھے۔ پائجامہ بھی گرم رکھتے تھے۔ البتہ اندر کرتہ ململ کا ہوتا تھا۔ سخت گرمیوں میں گرم کپڑے پہن کر ایسے اطمینان سے بیٹھے رہا کرتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ ایک دفعہ سخت گرمی تھی۔ جمعہ کا دن تھا۔ مسجد مبارک میں کوئی پنکھا نہ تھا۔ صرف چند چھوٹی چھوٹی دستی پنکھیاں تھیں جن کو لوگ خود اپنے ہاتھ سے ہی جھل لیا کرتے تھے۔ حضرت اقدس تشریف لائے تو نہایت گرم پشمینہ کا لبادہ زیب تن تھا۔ آ کر محراب میں بیٹھ گئے۔ خاکسار مؤلف اُس وقت ایک ململ کے کرتہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ تاہم سخت گرمی لگ رہی تھی اور برابر اپنے آپ کو پنکھا جھل رہا تھا۔ مجھے حضرت اقدس کا گرم لبادہ دیکھ کر سخت گھبراہٹ ہوئی۔ مَیں قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ کو پنکھا جھلنے لگا۔ مولوی محمد احسن صاحب خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک اور شخص کو جو جوش خدمت چڑھا تو اُس نے میرے ہاتھ سے پنکھا چھین کر حضرت کو جھلنا چاہا۔ مَیں خود اس خدمت کا متمنی تھا اس لئے پنکھا مضبوط پکڑ لیا۔ مگر اس شخص نے پنکھا میرے ہاتھ سے مروڑ کر چھین لیا اور

حضرت کو جھلنے لگا۔ خدا جانے آپ کو اُس کی یہ حرکت ناگوار ہوئی یا ویسے ہی ضرورت نہ تھی۔ اُسے مخاطب کر کے فرمایا "پنکھا چھوڑ دو۔ خطبہ سنو"۔ چنانچہ اُس نے پنکھا چھوڑ دیا۔ مولانا محمد احسن صاحب کا خطبہ بہت لمبا ہو گیا۔ میں ایک ململ کے کُرتہ میں گرمی میں پگھلا جا رہا تھا کیونکہ ادب مانع تھا کہ ان حالات میں اپنے آپ کو پنکھا جھلوں۔ لیکن اس تمام وقت میں حضرت اقدس اطمینان سے بیٹھے رہے گویا نہایت سرد اور خوشگوار ہوا میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اُس وقت مجھے وہ روایت یاد آئی کہ ہمارے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو دعا دی تھی تو اُنہیں گرمی اور سردی سے تکلیف نہ ہوتی تھی۔ گرمی میں گرم اور سردی میں سرد کپڑے پہن لیا کرتے تھے۔ سخت گرمی میں گرم کپڑے پہن کر کوئی تکلیف نہ ہونے کا نظارہ تو ہم نے بھی اپنی آنکھوں سے حضرت اقدس میں دیکھ لیا۔ آپ کا بستر بھی بہت گرم ہوتا تھا۔ توشک گرمی سردی برابر استعمال کرتے۔ سردیوں میں لحاف بہت بھاری ہوا کرتا تھا۔ چھ سات سیر روئی سے زیادہ ہی ہوا کرتی تھی ٭

خوشبو آپ خوشبو بھی لگایا کرتے تھے۔ عطر وغیرہ کی قسم سے۔ آپ کے جسم میں سے بھینی بھینی خوشبو آیا کرتی تھی۔ پسینہ کی بدبو کبھی نہیں آئی ٭

کنجیاں آپ کے پاس کچھ کنجیاں بھی رہا کرتی تھیں۔ یہ یا تو رومال میں یا اکثر ازاربند میں بندھی رہتی تھیں ٭

جُوتی جُوتی آپ کی دیسی ہوتی خواہ کسی وضع کی ہوتی۔ عام طور پر لاہوری یا سلیم شاہی ہوتی۔ اور نہایت سادہ جُوتی استعمال کرتے۔ تنگ جُوتی سے نفرت تھی۔ اگر جوتی تنگ ہوتی تو اُس کی ایڑی بٹھا لیتے۔ مگر ایسی جُوتی گھر میں ہی پہنتے۔ اسے پہن کر باہر نہ تشریف لے جاتے۔ انگریزی بوٹ کبھی نہیں پہنا۔ ایک دفعہ کسی شخص نے گرگابی تحفہ میں دی تو آپ نے پہن لی۔ لیکن دائیں بائیں پاؤں کا پتہ نہ لگتا۔ اس لئے غلط طرف کے جُوتے میں پاؤں ہوتا تو پاؤں کو تکلیف ہوتی۔ خدام نے عرض کیا کہ حضور دایاں بایاں پاؤں پہچان کر پہنا کریں تو تکلیف نہ ہو۔ فرمایا ہمیں تو پتہ ہی نہیں لگتا۔ آخر پہچان کے لئے سیاہی سے گرگابی کے ایک پاؤں پر نشان لگایا پھر بھی پاؤں غلط طرف کی گرگابی میں پڑ جاتا تو تکلیف ہوتی تنگ ہو کر فرماتے انکی (یعنی انگریزوں کی) کوئی چیز بھی اچھی نہیں لیکن آپ نے تحفہ دہندہ کی پاس خاطر سے کچھ دن پہنا پھر ترک کر دیا ٭

مسجد میں پورے لباس میں تشریف لاتے میں عرض کر چکا ہوں کہ آپ کو لباس وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ لیکن قرآن کریم کے حکم کے ماتحت نماز کے وقت جب مسجد میں تشریف لاتے تو پورے لباس میں آتے۔ لباس صاف اور پاکیزہ ہوتا۔ خوشبو کا اکثر استعمال فرماتے تھے۔ بالوں میں تیل ڈال کر کنگھی وغیرہ کر کے باہر تشریف لاتے۔ باقاعدہ حجامت۔ مہندی۔ غسل۔ مسواک سب مطابق سنت

رسول اللہ صلعم بجالاتے ؛

دفتر | گھر میں اکثر تحریر وغیرہ کا سب کام پلنگ پر ہی کیا کرتے تھے۔ اور دوات قلم بستہ اور کتابیں سب چیزیں پلنگ پر ہی موجود رہا کرتی تھیں۔ کیونکہ یہی جگہ میز کرسی لائبریری وغیرہ سب کا کام دیتی تھی۔ کبھی کبھی لکھتے لکھتے اُٹھ کر ٹہلنے لگتے تو ٹہلتے ٹہلتے لکھتے جاتے۔ صحن کے ایک طرف ایک دوات اور دوسری طرف دوسری دوات رکھ لیتے۔ اس طرف پہنچے تو ادھر کی دوات میں قلم ڈبو لیا۔ دوسری طرف پہنچے تو اُدھر کی دوات میں قلم ڈبو لیا۔ ہر ایک مصنف اور لکھنے والا جانتا ہے کہ تحریر کے وقت کامل توجہ کیلئے کس قدر خاموشی اور سکون درکار ہوتا ہے کہ کسی چڑیا کا بولنا بھی ناگوار ہوتا ہے اور اپنا حرکت کرنا بھی دشوار ہوتا ہے کہ اس سے مضمون کی آمد میں خلل آجاتا ہے۔ مگر یہ کیسی خارق عادت آمد تھی کہ نہ ٹہلنا اس میں ہارج ہوتا تھا اور نہ گھر میں مستورات اور بچوں کا شور وغل اس میں کوئی خلل ڈالتا تھا۔ یہ بڑی بڑی معرکتہ الآرا تصانیف جو حضرت اقدس کے قلم سے نکلی ہیں انہی حالات میں لکھی گئی تھیں ؛

عصا | آپ عصا ضرور رکھتے تھے۔ گھر سے باہر نکل کر کہیں جانا ہو۔ مثلاً جب مسجد اقصیٰ کو تشریف لیجاتے یا سیر کے لئے نکلتے تو ہاتھ میں عصا ضرور ہوا کرتا تھا اور مضبوط اور موٹی لکڑی کو پسند فرماتے تھے مگر کبھی اس پر سہارا یا بوجھ دیکر نہ چلتے تھے جیسے اکثر ضعیف العمر آدمیوں کی عادت ہوتی ہے ؛

غذا

غذا کی مقدار | حضرت اقدس مرزا صاحب ابتدا سے ہی بہت کم خوراک تھے۔ نوجوانی میں بھی جو انسان کے کھانے پینے کے دن ہوتے ہیں خوراک بہت کم تھی۔ آپ نے چند یتیم اور مسکین بچے لگا رکھے تھے۔ گھر سے جب کھانا آتا تو وہ یتیم بچے جمع ہو جاتے۔ آپ ایک ایک روٹی اور تھوڑا تھوڑا سالن ہر ایک کو دیتے جاتے۔ یہاں تک کہ ایک آدھ روٹی بچتی اُسے تھوڑے سے سالن سے لگا کر کھا لیتے کبھی وہ بھی نہ بچتی تو شوربا پی لینے پر اکتفا کر لیتے۔ جب آپ نے تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا تب بھی خوراک کی مقدار میں زیادتی نہ ہوئی۔ بمقابلہ اس کام اور محنت کے جس میں شب و روز آپ لگے رہتے تھے آپ کی غذا اس قدر کم تھی کہ حیرت ہوتی تھی کہ اتنی تھوڑی خوراک پر کس طرح یہ شخص زندہ ہے۔ خواہ کھانا کیسا ہی عمدہ اور لذیذ ہو اور کیسی ہی بھوک ہو آپ کبھی حلق تک ٹھونس کر نہ کھاتے۔ عام طور پر دن میں دو وقت مگر بعض اوقات طبیعت جب خراب ہوتی تو دن بھر میں ایک ہی دفعہ کھانا نوش

فرمایا کرتے۔ علاوہ اس کے صبح کے وقت چائے وغیرہ کی ایک پیالی بطور ناشتہ پی لیا کرتے تھے۔ سبز چائے پسند تھی +

مہمانوں کے ساتھ کھانا مدتوں آپ باہر مہمانوں کے ہمراہ کھانا کھاتے رہے۔ اور یہ دستر خوان گول کمرہ یا مسجد مبارک میں بچھا کرتا تھا اور کھانیوالوں کی تعداد دس سے پچیس تک ہو جایا کرتی تھی۔ بعد میں جب مہمانوں کی کثرت ہونے لگی اور آپ کی طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی تو پھر گھر میں اندر کھانے لگے کبھی تنہا اور کبھی بیوی بچوں کے ساتھ +

کھانے کا طریق باہر جب کھانا کھاتے تھے تو طریق یہ تھا کہ جب دستر خوان بچھ جاتا اور کھانا رکھا جاتا۔ تو آپ پوچھ لیا کرتے کہ "کیوں جی شروع کریں"؟ مطلب یہ کہ کوئی مہمان رہ تو نہیں گیا۔ یا سب کے آگے کھانا آ گیا؟ جواب اثبات میں ملنے پر آپ کھانا شروع کرتے اور کھانے کے دوران میں نہایت آہستہ آہستہ چبا چبا کر کھاتے۔ کھانے میں کوئی جلدی آپ سے صادر نہ ہوتی۔ کھانے کے وقت چپڑ چپڑ کرنا یا ہڈیاں چوسنا یا زور سے ڈکار لینا آپ کا طریق نہ تھا۔ کھانے کے دوران میں گفتگو بھی کیا کرتے تھے۔ سالن آپ بہت کم کھاتے تھے۔ اور اگر کسی خاص دعوت کے موقعہ پر دو تین قسم کی چیزیں سامنے ہوں تو اکثر صرف ایک ہی پر ہاتھ ڈالا کرتے۔ اور سالن کی جو رکابی آپ کے آگے سے اُٹھتی وہ اکثر ایسی معلوم ہوتی تھی کہ گویا اس کو ابھی کسی نے ہاتھ ہی نہیں لگایا۔ بہت بوٹیاں یا ترکاری کھانے کی آپ کو عادت نہ تھی بلکہ اکثر صرف لعاب سے چھوا کر روٹی کا ٹکڑا کھا لیا کرتے تھے۔ لقمہ چھوٹا ہوتا تھا اور روٹی کے ٹکڑے آپ بہت سے کر لیا کرتے تھے۔ اور جو ٹکڑے آپ کے آگے سے بچتے اُنہیں کھانے کے دوران میں ہی ہاتھ سے اتنا باریک کر دیتے کہ دستر خوان جھاڑنے پر پرندے آسانی سے چُگ سکیں۔ چونکہ خود کھانا نہایت کم کھاتے تھے۔ اس لئے کھانے کے دوران میں زیادہ وقت مہمانوں کی خاطر مدارات میں ہی گزار دیتے تھے۔ گوشت یا کوئی اچھی چیز اگر ہوتی تو اپنے آگے سے اُٹھا کر مہمانوں کے آگے رکھ دیتے۔ ابتدا میں جب کھانا بجائے لنگر خانہ کے آپ کے گھر میں سے پک کر آتا تھا تو خود اُٹھ اُٹھ کر اندر جاتے اور گرم گرم چپاتیاں لاتے اور مہمانوں کے آگے رکھتے۔ کبھی اندر جاتے تو کوئی مربہ یا اچار لے آتے۔ کوئی تو کھا کر خوش ہوتا ہے مگر آپ کھلا کر خوش ہوتے تھے +

کھانا کیا کھاتے تھے آپ کے کھانے کا مقصد صرف زندگی اور قوت کو قائم رکھنا تھا نہ کہ لذت اور ذائقہ اُٹھانا۔ اسلئے صرف وہی چیزیں کھاتے جو آپ کی طبیعت کے موافق ہوتی تھیں اور جن سے دماغی قوت قائم رہ سکے تاکہ آپ کے کام میں ہرج نہ ہو۔ آپ کو بوجہ چند بیماریوں کے کھانے میں پرہیز بھی رکھنا پڑتا

تھا۔ اس لئے آپ سے دریافت کر لیا جاتا تھا کہ کیا کھائیں گے۔ مگر آپ نے کبھی اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ جو کسی نے پکا کر سامنے رکھ دیا سر جھکا کر کھا لیا۔ اگر کھانا نہیں رکھا تو مانگا بھی کبھی نہیں۔ گھر کے لوگ خیال سے اُنہیں کھانا بھیج دیتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ انہیں اپنے استغراق اور انہماک سے اتنی فرصت ہی نہیں کہ وہ کھانا مانگیں۔ اگر کبھی کھانا بھیجنا بھول گئے تو فاقہ ہو گیا اور پھر کبھی شکایت نہیں کہ آخر میں گھر کا مالک ہوں میرے کھانے کی کیوں فکر نہیں۔ اچھا کھانا مل گیا تو وہ کھا لیا بُرا کھانا مل گیا تو وہ کھا لیا۔ نہ اچھے کھانے پر اظہارِ خوشنودی کیا نہ بُرے کھانے پر اظہارِ ناراضگی کیا۔ بارہا آپ نے فرمایا کہ ہمیں تو کھانا کھا کر یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ کیا پکا تھا اور ہم نے کیا کھایا۔ جب دانت کے نیچے کوئی کنکر آ جاتا ہے تو پتہ لگتا ہے کہ کچھ کھا رہے ہیں"۔ البتہ مہمانوں کے کھانے کا خاص خیال رکھتے تھے۔ بعض دفعہ اگر مہمانوں کے لئے کوئی کھانا پکوایا اور وہ بدمزہ ہوا تو اس پر ضرور اظہار ناپسندیدگی فرمایا اس خیال سے کہ مہمانوں کو اس کھانے سے تکلیف ہوئی ہو گی اور اُنہیں پسند نہ آیا ہو گا۔ مہمانوں کی تکلیف کا بہت خیال رہتا تھا۔ نئے مہمان آتے تو اُن سے دریافت کروا لیتے کہ اُنہیں کیا کیا کھانا پسند ہے۔ اور کس کس چیز کی انکو کھانے کی عادت ہے۔ کھانے کے مہتمم اصحاب سے بار بار دریافت فرمایا کرتے کہ کوئی مہمان بھوکا تو نہیں رہ گیا یا کسی کی طرف سے ملازمانِ لنگر خانہ نے تغافل تو نہیں کیا۔ بعض موقعہ پر ایسا ہوا کہ کسی مہمان کے لئے سالن نہیں بچا۔ یا وقت پر اس کے لئے کھانا رکھنا یاد نہ رہا۔ تو اپنے حصّہ کا سالن یا بعض دفعہ اپنے حصّہ کا سب کھانا اُٹھا کر اُسے بھیج دیا۔ اور آپ فاقہ کر لیا۔ آپ کو کسی خاص کھانے کی عادت نہ تھی۔ روٹی توے کی یا تندوری جو مل جائے کھا لیتے تھے۔ چائے کے ساتھ ڈبل روٹی یا بسکٹ بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ آخر عمر میں کثرتِ بَول کی وجہ سے گیہوں کی روٹی کی بجائے اکثر مکی کی روٹی ساگ پالک سے کھایا کرتے تھے۔ گوشت اگرچہ دونو وقت آپ کے ہاں پکتا تھا مگر دال آپکو گوشت سے زیادہ پسند تھی اور یہ ماش کی دال ہوا کرتی تھی۔ گڑ کے میٹھے چاول اور دہی بھی آپ کو پسند تھا۔ پرندوں کا گوشت آپ کو زیادہ مرغوب تھا۔ ضعفِ دماغی۔ کثرتِ بَول اور دورانِ سر وغیرہ کی تکلیف کی وجہ سے ڈاکٹروں کا مشورہ یہ تھا کہ آپ پرند کا گوشت استعمال فرما دیں۔ پھل کھانا زیادہ پسند فرماتے۔ دودھ بھی استعمال فرماتے۔ مگر چونکہ ہضم نہ ہوتا تھا اور اس سے اسہال ہو جاتا تھا۔ اس لئے دودھ کا گلاس بھر کر پاس رکھ لیتے۔ کام کے دوران میں تھوڑی دیر کے بعد ایک دو گھونٹ پی لیتے۔ گویا ایک گلاس ایک گھنٹہ سے زیادہ میں ختم ہوتا۔ اس طرح دودھ ہضم ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ سر میں چکر زیادہ آنے لگا اور ضعفِ دماغی کے دورے زیادہ پڑنے لگے تو میں نے (یعنی خاکسار مؤلف نے)

عرض کیا کہ حضور اگر چند دانے بادام کے مقشر کر کے اور اس کے ساتھ چھوٹی الائچی اور مصری ملا کر سب کے گھوٹ کر پیا کریں تو انشاء اللہ بہت مفید رہے گا۔ میرا اپنا تجربہ کردہ نسخہ ہے۔ چنانچہ آپ نے پیا اور بہت مفید پایا۔ اور ضعف کے موقعوں پر اکثر پیا کرتے۔ بعض دفعہ روغن بادام دودھ میں ڈال کر پی لیتے۔ اس پر دشمنوں نے غل مچایا کہ "مرزا تو بادام پیتا ہے" گویا حظوظ نفسانی کی خاطر بادام پیتا ہے۔ حالانکہ یہ اس قسم کی ناپاک بدگمانی ہے جس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔

غذا کے معاملہ میں دشمنوں کے اعتراض کی لغویت

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی غذا کے متعلق آپ کے دشمنوں نے طرح طرح کی غلط بیانیوں اور افترا پردازیوں سے کام لیا ہے اور ایک جھوٹے پروپاگنڈے کے ذریعہ پبلک میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ مرزا تو روز پلاؤ زردے اور نہایت اعلیٰ اور مرغن کھانا کھایا کرتا تھا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے بلکہ ایک قابل افسوس بہتان ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ نے کسی پاکیزہ کھانے سے کبھی انکار نہیں کیا۔ اگر پلاؤ زردہ بھی سامنے آگیا تو آپ نے ملامتی فرقہ کی طرح اُس میں مٹی ملا کر نہیں کھایا۔ یا کسی راہب کی طرح اُس کے کھانے سے انکار نہیں کر دیا آپ نے اُس میں سے بقدر ضرورت بے شک کھایا۔ کیونکہ مومن کے لئے خدا نے طیبات کو حرام نہیں کیا قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ قل من حرّم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ والطّیبٰت من الرزق (الاعراف) کہہ دے کس نے حرام کر دیئے ہیں زینت کے سامان اور پاکیزہ کھانے کی چیزیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں۔ لیکن یہ محض افترا ہے کہ روزانہ حضرت اقدس مرزا صاحب پلاؤ زردے یا بڑے اعلیٰ مرغن کھانے کھایا کرتے تھے۔ آپ کو تو بوجہ ضعف معدہ اور ضعف دماغ مرغن غذائیں ہضم ہی نہیں ہوا کرتی تھیں۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں آپ کی غذا نہایت سادہ ہوا کرتی تھی۔ اکثر روٹی دال یا شوربے سے کھایا کرتے تھے۔ خاکسار مؤلف نے خود آپ کو بعض دفعہ ڈبل روٹی کے سوکھے ٹکڑے یخنی یا دودھ میں بھگو کر کھاتے دیکھا ہے۔ جب تک مہمانوں کی بہت زیادہ کثرت نہ تھی آپ باہر کھانا کھایا کرتے تھے۔ اُن لوگوں میں سے ابھی زندہ موجود ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا ہے۔ وہ قسم کھا کر بتا سکتے ہیں کہ آپ کیا کھانا کھایا کرتے تھے۔ تنوری روٹی اور شوربا یا دال ہی غذا تھی جو آپ استعمال فرماتے تھے۔ باہر سے آئے ہوئے معزز احباب کی خاطر کبھی پلاؤ یا زردہ اگر پک گیا تو اُس میں سے چند نوالے اگر آپ نے بھی کھا لئے تو اس کے یہ معنے تو نہیں کہ آپ روز پلاؤ زردے ہی کھایا کرتے تھے۔

مہمانوں کے لئے تکلف سب کرتے ہیں

یہ جو آئے دن لوگوں کے گھروں میں دعوتیں ہوا کرتی ہیں جن میں ہمارے علما اور مشائخ پلاؤ زردے اُڑایا کرتے ہیں تو کیا اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ میزبان

ہمیشہ گھروں میں پلاؤ زردے ہی کھایا کرتے ہیں۔ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ جو لوگ گھروں میں دال روٹی بھی کھاتے ہیں وہ بھی مہمانوں کی خاطر کھانے میں تکلف کر لیا کرتے ہیں۔ تو اگر حضرت مرزا صاحب نے بھی کبھی مہمانوں کی خاطر پلاؤ یا کوئی اور پُر تکلف کھانا پکوا لیا اور اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھا بھی لیا تو اس سے یہ نتیجہ کس طرح نکلے گا کہ وہ روز ہی گھر میں پلاؤ زردے کھایا کرتے تھے۔ اور سمجھ نہیں آتا کہ ہمارے وہ علما جن کی شب و روز پانچوں انگلیاں گھی میں رہتی ہیں۔ جو اسٹیج پر جَو کی روٹی کھانے کی شیخیاں مارتے ہیں لیکن جب لوگوں کے گھر مہمان ہوتے ہیں تو پلاؤ زردے اور حلوے مانڈے کے سوا بات نہیں کرتے وہ کس منہ سے ناحق کے اعتراض کرنے کے لئے اُٹھ دوڑتے ہیں +

آنحضرت صلعم کی سادگی غذا کا مقابلہ صحابہ بھی نہ کر سکتے تھے

ہمارے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت درجہ کی سادگی سے گزارہ کرتے تھے۔ نہایت ہی سادہ غذا۔ نہایت ہی سادہ لباس۔ اور نہایت ہی سادہ مکان۔ آپ کی غذا کی سادگی کا یہ حال تھا کہ خود صحابہ کرام اور اہل بیت نبوی بھی اس سادگی کے معیار پر کھانا نہ کھا سکتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت عبد اللہ ابن عباس حضرت سلمٰی کے پاس گئے اور کہا کہ آج ہم کو وہ کھانا پکا کر کھلاؤ جو آنحضرت صلعم کو بہت مرغوب تھا۔ بولیں۔ "تم کو وہ کیا پسند آئے گا" لوگوں نے اصرار کیا تو انہوں نے جَو کا آٹا پیس کر ہانڈی میں چڑھا دیا۔ اُوپر سے روغن زیتون اور زیرہ اور کالی مرچیں ڈال دیں۔ پک گیا تو لوگوں کے سامنے رکھا اور کہا کہ یہ آپ کی محبوب ترین غذا تھی" (سیرۃ النبی جلد دوم مؤلفہ مولانا شبلی مرحوم) کیا اس فقرہ سے کہ "تم کو وہ کیا پسند آئے گا" صاف نتیجہ نہیں نکلتا کہ اہل بیت اور صحابہ بھی غذا اس قدر سادہ طریق پر کھا نہ سکتے تھے جو آنحضرت صلعم کا معمول تھا۔ بلکہ حالات اس قدر بدل چکے تھے کہ خاص طور پر کہکر وہ کھانا پکوایا گیا۔ جو آنحضرت صلعم کھایا کرتے تھے۔ پس غذا کی اس قدر سادگی آنحضرت صلعم کی ایسی خصوصیت تھی جس میں صحابہ و اہل بیت بھی آپ کے ساتھ برابری نہ کر سکتے تھے +

آنحضرت صلعم کو اچھا کھانے اور عمدہ لباس کے استعمال میں تامل نہ تھا

لیکن بایں ہمہ اس قدر سادگی کے آنحضرت صلعم کے سامنے کوئی اچھا کھانا آجاتا تو آپ اسے رد نہ فرماتے۔ اور نہایت خوشی سے نوش فرماتے۔ پہننے کے لئے اچھا کپڑا کوئی پیش کرتا تو اُسے پھینک نہ دیتے بلکہ زیب تن فرماتے۔ چنانچہ ابوداؤد اور مسلم اور بخاری میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اسماء کے پاس ایک جُبّہ تھا جو آنحضرت صلعم پہنا کرتے تھے خصوصاً جمعہ کے دن یا قافلوں کی ملاقات کے وقت۔ اور جس کے گریبان اور آستینوں اور دونو چاکوں میں دیباج لگا ہوا تھا (دیباج ایک ریشمی کپڑا ہوتا ہے) آپ کو

یہ جُبہ کہیں سے تحفہ آیا تھا۔ آپ نے اُسے رد نہیں کیا۔ بلکہ اُسے پہن کر اُمت کیلئے نمونہ قائم کیا کہ پبلک جلسوں اور معززین و شرفا کی ملاقات کے وقت عمدہ لباس باعث عزت ہے۔ اسی طرح غذا میں انتہائی سادگی کے باوجود اگر اچھا کھانا سامنے آگیا تو آپنے اُسے خوشی سے کھایا اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کیا +

جناب الٰہی کا ارشاد ہے کہ پاکیزہ چیزیں کھاؤ

قرآن کریم میں خود جناب الٰہی ارشاد فرماتے ہیں کہ یٰایھا الرسل کلوا من الطیبٰت واعملوا صالحًا انی بما تعملون علیم (المومنون) کہ اے رسولو پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ بیشک میں جو کچھ تم عمل کرتے ہو اُسے جانتا ہوں۔ یہاں صاف طور پر رسولوں کو حکم ہوتا ہے کہ پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل نیک کرو۔ غذا کا مقصد ہے زندگی۔ اور زندگی کا مقصد ہے اعمال صالحہ۔ پس رسول ہوں یا ان کے توابع و خلفا ہوں۔ خدا کے حکم کے مطابق سب کو اپنی زندگی کا مقصد اعمال صالحہ بنانا چاہئے۔ اور اس زندگی کو قائم رکھنے کے لئے پاکیزہ چیزیں کھانا چاہئے۔ پس پاکیزہ چیزیں حرام کیسے ہوئیں۔ بلکہ ہر ایک پاکیزہ چیز جو کسی صالح انسان کی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اُس کا کھانا خدا کے حکم کے نیچے ضروری ہوا +

صالح انسان کی قیمتی زندگی کو بچانا عین تعمیل حکم خداوندی ہے

وجہ یہ کہ صالح انسان کی زندگی کا قائم رکھنا بڑی ضروری چیز ہے تاکہ اس کے اعمال صالحہ سے جو نفع مخلوق کو پہنچتا ہے وہ قائم رہے۔ اس زندگی کے قیام کے لئے ہر ایک چیز جو شرعاً جائز اور طیب ہے اگرچہ وہ کتنی ہی بیش قیمت کیوں نہ ہو اگر اس کی ضرورت ہے تو اس کا مہیا کرنا ازبس ضروری ہے۔ دنیا میں نافع وجود بہت کم ہوتے ہیں اور اگر ہوتے ہیں تو ان کی زندگی پھر ایک بہت بیش قیمت چیز ہوتی ہے جس کے قیام کے لئے اگر کسی اعلیٰ سے اعلیٰ غذا یا دوا کی بھی ضرورت ہو تو مہیا کرنا ایک عقلمند انسان کا فرض اور نہایت درجہ موجب ثواب ہے۔ کیا ایسا شخص (جیسا کہ حضرت مرزا صاحب تھے) جو دن رات خدمت اسلام میں لگا ہوا ہے۔ اور تمام جہان کے مذاہب باطلہ سے شب و روز مصروف پیکار ہے۔ اور اسلام کی حفاظت و اشاعت اور تبلیغ پر ہزارہا صفحات کا لٹریچر پیدا کر رہا ہے۔ پھر خود ہی اُنہیں لکھتا ان کی کاپیاں پڑھتا اور ان کے پروف درست کرتا ہے۔ روزانہ سینکڑوں خطوط پڑھتا اور بہتوں کے جواب خود لکھتا ہے۔ پھر سینکڑوں مہمانوں کے قیام اور طعام کا انتظام۔ مباحثات اور وفود کا اہتمام۔ نمازوں کی حاضری۔ مسجد میں روزانہ مجلسیں اور تقریریں۔ ہر روز بیسیوں آدمیوں سے ملاقات اور ان سے طرح طرح کی گفتگو دشمنوں کے پیہم حملے۔ اور اس سلسلہ میں مقدمات کی پیروی۔ پھر سلسلہ بیعت نصیحت۔ دعائیں۔ راتوں کی عبادت اور شب بیداری۔ پھر عمر زیادہ۔ مختلف امراض ساتھ چمٹے ہوئے۔ غرضکہ ایسا شخص

اس قدر کام اور دماغی محنتوں اور تفکرات کے ہوتے ہوئے اور نیز تقاضائے عمر کی وجہ سے اگر کوئی مقوی غذا کھائے۔ مثلاً شیرۂ بادام پی لے یا ڈاکٹروں کے مشورہ کے ماتحت پرند کا گوشت کھائے تو کیا اس کا نام حظوظ نفس رکھا جائے گا۔ یا خدا کے حکم کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً کے حکم کی تعمیل کہلائے گی؟ کیا اس قرآنی حکم کے ماتحت ضروری نہیں کہ ایسے نافع وجود کی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے بہتر سے بہتر غذا یا دوا کے مہیا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے۔ حضرت مرزا صاحب کو بوجہ کثرت محنت دماغی نیوراستھینیا (Neurasthenia) یعنی ضعف دماغ و اعصاب ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ کہ جب آپ بہت دماغی محنت کرتے تھے تو دوران سر اور بے خوابی ہو جاتی تھی اور بعض دفعہ ایسا دورہ پڑتا تھا کہ ہاتھ پاؤں سرد ہو جاتے تھے اور نبض ڈوب جاتی تھی۔ ایسے موقعوں پر مشک کا استعمال ازبس مفید ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ مفرح قلب اور دافع تشنج اعصاب ہوتا ہے۔ اس لئے آپ اکثر مشک اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔ اور اسی بیماری کی وجہ سے ڈاکٹروں کا مشورہ یہ تھا کہ آپ پھل اور پرند کا گوشت استعمال فرمایا کریں۔ چنانچہ آپ اس کے مطابق ان چیزوں کا استعمال فرماتے مگر بہت قلیل مقدار میں۔ تو کیا ان حالات میں آپ کی یہ غذا اور مشک کا استعمال محل اعتراض ہو سکتا ہے؟ یا یہ سچ ہے کہ اس آیت قرآنی کے حکم کے نیچے ایسے نافع اور صالح وجود کی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے کوئی کوشش نہ کرنا اور ایسی غذا اور دوا کا استعمال نہ کرنا جو اس کے لئے ضروری ہو سخت گناہ اور خدا کے حکم کی صریح نافرمانی ہے۔ ایسے اضطراری حالات میں تو حرام بھی حلال ہو جایا کرتا ہے۔ چہ جائیکہ ایک حلال و طیب چیز۔ شیرہ بادام پینا اور مشک کا استعمال کوئی حرام تو نہیں۔ یہ حلال و طیب چیزیں ہیں۔ ان کے استعمال کرنے پر اعتراض کرنے والا جاہل اور دین سے ناواقف ہی ہو سکتا ہے۔ دین سے باخبر عالم تو ایسا اعتراض نہیں کر سکتا۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ان حالات میں جن میں حضرت مرزا صاحب تھے ان چیزوں کا استعمال نہ کرنا گناہ تھا۔ کیونکہ جب خدا کا صریح حکم ہے کہ زندگی کا مقصود عمل صالح ہے اور جس زندگی کا مقصود عمل صالح ہو اُس کا بچانا انسانی فرض ہے تو پھر ایسی غذا اور دوا کا استعمال جو اس زندگی کے قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے خواہ وہ کتنی ہی بیش قیمت کیوں نہ ہو عین حکم خداوندی کی تعمیل اور ایک مسلمان کا بلکہ انسان کا فرض ہے۔ اسلام کے لئے اس قدر مفید زندگی کے قائم رکھنے کیلئے جو حضرت مرزا صاحب کی تھی شیرۂ بادام اور مشک تو معمولی چیز ہے اس سے بھی بڑھ کر کسی دوا یا غذا کا مہیا کرنا ضروری ہوتا تو وہ باعث ثواب اور خدا کے حکم کلوا من الطیبات کی عین تعمیل تھی۔ آخر اس کلوا من الطیبات کے حکم کی خاص طور پر ضرورت کیوں ہوئی اسی لئے کہ خدا کے

فرستادوں کا وجود دنیا کے لئے ازبس مفید ہوتا ہے۔ پس اس کے قائم رکھنے کے لئے ہر ایک پاکیزہ چیز کو جس کی ضرورت محسوس ہو بطور غذا یا دوا استعمال کرنا ضروری قرار دیکر اس کیلئے صریح حکم قرآن کریم میں اُتار دیا تا کہ کوئی دشمن حق نام کا مولوی اعتراض نہ کر سکے۔ مَیں کہتا ہوں آج کون دماغی محنت کرنے والا شخص ہے جو طبی مشوروں کے ماتحت ہر قسم کی مقوی دماغ اور نروائن ٹانک چیزیں استعمال نہیں کرتا بلکہ قوم کے لیڈروں کی تو یہاں تک نازبرداری ہوتی ہے کہ ان کی غذاؤں کے ٹیبل بنا بنا کر رکھے جاتے ہیں اور ان کے مطابق مقوی دماغ غذائیں بڑے اہتمام سے انہیں کھلائی جاتی ہیں تاکہ اس ضیاع دماغی کی تلافی ہو سکے جو شب روز کی دماغی محنتوں کی وجہ سے انسان کے لاحق حال ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے لیڈر قوم کے روپوں پر نعمتیں کھاتے ہیں اور مسلمان خوشی خوشی کھلاتے ہیں اس لئے کہ لیڈروں کی زندگی کو غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ بڑے بڑے مہاتماؤں کی شکم پری کے لئے جو دنیا کو تیاگنے کے مدعی ہیں سیروں تر و خشک میوے اور نارنگی و انگور کے رس روزانہ مہیا کئے جاتے ہیں اور قوم اپنے ہاتھوں سے انہیں کھلاتی اور شکر کرتی ہے کہ ان کے مفید اور کار آمد مہاتما کی زندگی اس طرح قائم ہے۔ یہ تو شقاوت ازلی کے وارث محروم القسمت لوگوں کا کام ہوتا ہے جو مفید وجودوں کی قدر نہیں کرتے اور سوائے اعتراض کرنے کے نفع نہیں اُٹھاتے اور خدا کی نعمت سے محروم رہتے ہیں۔ شقاوت اور محروم القسمتی کا نشان اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ اس بات پر غصہ دکھایا جائے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب باوجود شب روز خدمت دین کرنے کے ضعف قلب اور برد اطراف کی حالت میں جب زندگی خطرہ میں ہوتی تھی اس وقت مشک بطور دوا کے کیوں استعمال کر لیتے تھے یا ان حالات میں کبھی کسی مرید کا بھیجا ہوا مفرح عنبری کیوں کھا لیا۔ گویا ایسے نازک موقعوں پر ایک مولوی بلکہ ہر ایک عامی انسان کو تو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دنیا بھر کی مفرح دواؤں اور غذاؤں کو استعمال کر کے اپنی بیکار محض زندگی کو بچالے۔ مگر ایک خادم دین اور مجاہد اسلام اپنی مفید اور بابرکت زندگی کے بچانے کے لئے اگر ان میں سے کوئی چیز استعمال کرے گا تو یہی مولوی صاحب فوراً اعتراض کرنے آن موجود ہوں گے۔

آنحضرت صلعم کی غذا پر بھی اعتراض

مگر ابتدا سے یہی دستور چلا آیا ہے کہ اہل باطل اہل حق پر اسی قسم کے لایعنی اعتراض کرتے چلے آئے ہیں۔ ہمارے سید و مولیٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غذا کی سادگی سے بڑھ کر کوئی سادگی متصور نہیں ہو سکتی۔ مگر پھر بھی معترضین کا اعتراض قرآن کریم میں مذکور ہے کہ قالوا مال ھٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق (الفرقان) معترضین کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ گویا جب غذا کی نوعیت پر اعتراض نہ ہو سکا تو پھر یہ اعتراض شروع

کر دیا کہ یہ سرے سے کھانا ہی کیوں کھاتا ہے۔ جب کبر نفس اور خود پسندی ضد اور تعصب مخالفت کا موجب ہو تو پھر کوئی اچھی سے اچھی بات بھی محل اعتراض بننے سے رہ نہیں سکتی۔ کیا انسان کو زندگی قائم رکھنے کے لئے کھانا کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مختلف کام کاج کیلئے بازار آنے جانیکی ضرورت نہیں ہوتی۔ پھر یہ اعتراض کیا تھا محض دھینگا دھینگی کا اعتراض تھا جس کے اندر نہ کوئی انصاف ہے نہ معقولیت۔ لیکن اعتراض کرنیوالے اعتراض کرنے سے چوکتے نہیں۔ خواہ وہ کتنا ہی لغو کیوں نہ ہو۔

اسلام رہبانیت کا نام نہیں
اللہ کی فرمانبرداری کا نام ہے

خدا کے دین میں پاکیزہ کھانے کی چیزیں اور صاف اور ستھرا لباس حرام نہیں اسلام رہبانیت یعنی ترک دنیا کا نام نہیں۔ اسلام تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لئے ترک خواہشات نفس کا نام ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کیلئے نفس کی ہر ایک خواہش کو ہر وقت ذبح کرنے کے لئے تیار رہتا ہے اور سوائے رضائے الٰہی کے اپنی زندگی کا اور کوئی مقصد نہیں رکھتا۔ اس شخص کے کھانے پینے اور لباس اور نکاح پر اعتراض کرنا جہالت ہے۔ جو لوگ خدا کے ہو جاتے ہیں اور اس کی رضا کو اپنے نفس پر اس قدر مقدم کر لیتے ہیں کہ ان کا کوئی کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے باہر نہیں ہوتا۔ وہ تو اپنی خواہشات نفس پر ایک موت وارد کر چکے ہوتے ہیں اور خدا میں ہو کر جیتے ہیں۔ اور یہ وہی حالت ہوتی ہے جس کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے کہ خدا اُن کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ بولتے ہیں اور ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ کام کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ +

مقربین الٰہی کا ہر ایک قول و فعل
خدا کے حکم کے ماتحت ہوتا ہے

پس ان مقربین الٰہی فانی فی اللہ لوگوں کی زندگی کا ہر ایک قول و فعل خدا کے حکم کے ماتحت ہوتا ہے خدا انہیں کھلاتا ہے تو وہ کھاتے ہیں خدا انہیں پلاتا ہے تو وہ پیتے ہیں۔ وہ اگر شادی کرتے ہیں تو خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔ غرضکہ اُنکا کوئی کام خواہشات نفس کے ماتحت نہیں ہوتا بلکہ خدا کے حکم کے ماتحت ہوتا ہے۔ ایک دنیا دار پادری یا آریہ یا ایک خشک مُلّا اپنے نفس پر قیاس کر کے کسی خدا کے نبی یا ولی پر اعتراض کر دیتا ہے کہ وہ کھانا کیوں کھاتا ہے یا فلاں عمدہ کھانا کیوں کھایا۔ یا فلاں نکاح کیوں کر لیا۔ حالانکہ خدا کے نبی یا ولی کا فعل رضائے الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے۔ دنیا دار انسان کی طرح انکا نفس درمیان میں نہیں ہوتا۔ یہی فرق ایک دنیا دار انسان میں اور خدا کے ولی میں ہوتا ہے۔ وہی فعل ایک دنیا دار کرتا ہے اور وہ خواہش نفس کے ماتحت ہوتا ہے اور وہی فعل ایک خدا کا ولی کرتا ہے اور وہ رضائے الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے اُس کا نفس درمیان میں نہیں ہوتا۔ ایک دنیا دار انسان خواہش نفس کے ماتحت کھانا کھاتا اور نکاح کرتا ہے مگر خدا کا ولی حکم الٰہی کے ماتحت کھانا کھاتا اور نکاح کرتا ہے۔ ایک ظاہر بین آنکھ کو ممکن ہے دونوں میں ظاہر کوئی فرق نظر نہ آئے مگر درحقیقت زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اسلئے کہ ایک خواہش نفس کے ماتحت ہوتا ہے اور دوسرا حکم الٰہی کے ماتحت۔ اسی بات کو حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ نے اپنی مثنوی میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ

ع
کار پاکاں بر قیاس خود مگیر + گرچہ ماند در نوشتن شیر و شِیر

کہ پاک لوگوں کے کام کو اپنے اُوپر مت قیاس کرو۔ اگرچہ لکھنے میں شیر (جو جنگل کا درندہ ہے) اور شیر (جس کے معنے دُودھ کے ہیں) بظاہر مشابہ ہیں۔ مگر معنی میں کس قدر فرق ہے۔

اسلام کا کمال فنا کے بعد بقا یہی امر جناب الٰہی قرآن کریم میں اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین وبذلک امرت وانا اوّل المسلمین۔ کہدے میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے۔ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اور مَیں اسی کے لئے حکم کیا گیا ہوں۔ مَیں سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر اللہ کا فرمانبردار ہوں "یہ ہے اسلام کا کمال جو اس آیت میں نظر آ رہا ہے۔ جب بندہ جناب الٰہی کے لئے ہر قسم کی قربانیاں کرتا۔ اور نفس کی ہر ایک خواہش کو اُس کی راہ میں قربان کر دیتا ہے اور کامل طور پر اس کی رضا کے ماتحت اپنی گردن اس کے دروازہ پر رکھ دیتا ہے تو اس فنا کے بعد اس کو ایک بقا دی جاتی ہے اور اس کا جینا مرنا خدا کے لئے ہو جاتا ہے۔ اور یہ کمال بدرجۂ اتم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا اور آپ کے کامل متبعین بھی علیٰ قدر استعداد اس مرتبۂ فنا و بقا کے وارث ہوتے ہیں اور یہی وہ مرتبۂ قرب الٰہی اور ولایت کا ہے جہاں پہنچکر بندہ کے خواہشات نفس پر موت طاری ہو کر اس کا ہر ایک قول و فعل بکلی رضائے الٰہی کے ماتحت ہو جاتا ہے۔

حضرت سید عبد القادر جیلانی رح کا اعلیٰ لباس حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کس قدر بڑے بزرگ ولی اور مقرب الی اللہ تھے مگر ان کا کھانا اور لباس نہایت عمدہ ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی اپنی کتاب "اخبار الاخیار فی اسرار الابرار" میں اس طرح رقمطراز ہیں:۔

"نقل است کہ آنحضرت در نہایت کار بغایت جامۂ نفیس پوشیدے۔ روزے خادم پیش ابوالفضل بزاز رفت کہ جامہ مے خواہم کہ گزے بدینار بود۔ نہ بیش نہ کم۔ پرسید کہ ایں جامہ برائے کہ مے خری گفت برائے شیخ محی الدین عبد القادر" یعنی آنحضرت (سید عبد القادر جیلانی) نہایت درجہ کا نفیس کپڑا پہنتے تھے۔ ایک روز ان کا خادم ابوالفضل بزاز کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے کپڑا ایک دینار[1] فی گز کے نرخ کا چاہئے اس سے کم و بیش نہ ہو۔ اس نے کہا کس کے لئے تو خرید تا ہے۔ خادم نے کہا کہ اپنے شیخ سید عبد القادر جیلانی صاحب کے لئے۔"

اس کے بعد اس بزاز کے دل میں وسوسہ گزرا کہ شیخ موصوف نے تو کپڑا پہننے میں خلیفۂ وقت کو بھی مات کر دیا۔ اور اس کے لئے اُسے حضرت سید عبد القادر جیلانی رح کی خدمت میں رجوع کرنا پڑا۔ آپ نے

[1] دینار سونے کا سکہ ہوتا ہے۔ (مؤلف)

فرمایا کہ تو کیوں مجھ پر اعتراض کرتا ہے۔ مَیں تو جب تک اللہ تعالیٰ خود نہیں فرماتا کہ اے عبدالقادر تو اس کپڑے کو پہن جو ایک دینار فی گز ہے مَیں نہیں پہنتا۔ پھر فرمایا کہ ہم لوگوں کی پوشاک درحقیقت ایک کفن کا حکم رکھتی ہے۔ جسے ہم اپنے نفس پر ہزار موت وارد کرنے کے بعد پہنتے ہیں۔" اسی طرح کتاب الجواہر المرضیہ میں حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت لکھا ہے کہ فقیہوں اور مجتہدوں کی طرح "درویش صفت باش و کلاہِ تتری دار" کے مطابق عمامہ و عباد چادر اوڑھتے۔ لباس ہمیشہ قیمتی نفیس اور پاکیزہ زیب تن فرماتے۔ بالعموم قاطر پر سوار ہوتے تھے۔" اس حوالہ سے یہ بھی نظر آتا ہے کہ بڑے بڑے ائمہ مجتہدین اور فقہائے اسلام عمدہ اور نفیس لباس پہنا کرتے تھے۔ اور کیوں نہ پہنتے۔ آخر نہ پہننے کی وجہ؟ جب خدا خود فرماتا ہے کہ قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق (الاعراف) کہدے کہ کون ہے جس نے حرام کر دیا زینت کے سامانوں کو اور پاکیزہ کھانوں کو جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کیا ہے۔" ہاں دنیا اور خواہشات نفسانی کو اپنا معبود اور مقصود بنا لینا منع ہے۔ لیکن جیسا کہ مَیں اُوپر ذکر کر آیا ہوں اہل اللہ پہلے ہی اپنی خواہشات نفسانی پر موت وارد کر چکے ہوتے ہیں۔ وہ کھاتے پیتے پہنتے شادی کرتے غرضکہ جو کچھ بھی وہ بہ تقاضائے بشریت کرتے ہیں سب کا سب رضائے الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے اُن کا نفس درمیان میں نہیں ہوتا۔

> حضرت اقدس مرزا صاحب کی حالت استغراق اور کھانے اور لباس کی طرف سے بے توجہی

ہم نے خود حضرت مرزا صاحب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اُنہیں تو اسقدر جناب الٰہی کی یاد میں استغراق اور خدمت دین میں انہماک تھا کہ انہیں پتہ ہی نہ ہوتا تھا کہ وہ کیا کھا رہے ہیں اور کیا پہن رہے ہیں۔ جو کھانا کسی نے پکا کر رکھ دیا سر جھکا کر کھا لیا۔ اگر کھانا نہیں رکھا تو مانگا بھی کبھی نہیں۔ گھر کے لوگ خیال سے اُنہیں کھانا بھیج دیتے تھے۔ کیونکہ جانتے تھے کہ اُنہیں اپنے استغراق اور انہماک سے اتنی فرصت ہی نہیں کہ وہ کھانا مانگیں۔ اگر کبھی کھانا بھیجنا بھول گئے تو فاقہ ہو گیا۔ اور پھر بھی شکایت نہیں کہ آخر مَیں گھر کا مالک ہوں میرے کھانے کی کیوں فکر نہیں۔ اچھا کھانا مل گیا تو وہ کھا لیا۔ بُرا کھانا مل گیا تو وہ کھا لیا۔ نہ اچھے کھانے پر اظہار خوشنودی کیا۔ نہ بُرے کھانے پر اظہار ناراضگی کیا۔ ایک مرتبہ آپ کسی تصنیف میں مشغول تھے خادمہ کھانا لے آئی۔ آپ فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کو اطلاع دیکر کھانا وہیں رکھ کر چلی گئی۔ آپ کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اتفاق سے ایک جنگلی کتا کہیں سے گھس آیا۔ وہ کھانا سب کھا پی کر اور چاٹ کر برتن صاف کر کے چلتا ہؤا۔ آپ کو تب بھی خبر نہ ہوئی۔ خادمہ کچھ عرصہ کے بعد آئی۔ دیکھا کہ برتن خالی پڑے ہیں۔ اُس نے سمجھا کہ کھانا کھا لیا۔ وہ برتن اُٹھا کر چلتی ہوئی آپ کو پھر بھی خبر نہ ہوئی۔ اسوقت کا فاقہ ہو گیا۔ آپ کو خیال بھی نہ آیا۔ بعد میں ظہر کی نماز کے وقت دریافت کرنے پر معلوم ہؤا کہ آپنے

اب تک کھانا نہیں کھایا۔ تب پتہ لگا کہ کھانا تو کُتا کھا گیا۔ ہنس کر فرمایا "اچھا اب ہم شام کو ہی کھانا کھائیں گے"۔ مَیں پوچھتا ہوں کہ کھانے کے شوقینوں کا کیا یہی طریق ہؤا کرتا ہے کہ اپنے خدمت دین کے کام میں اسقدر انہماک ہو کہ کھانے پینے کا ہوش ہی نہ ہو۔ کھانے کے جو شوقین ہؤا کرتے ہیں وہاں تو کھانے کے اوقات میں بڑا بڑا اہتمام ہؤا کرتا ہے۔ اُن کے مطبخ میں تو قسم قسم کے کھانوں کی تیاریوں میں بڑا بڑا تکلف ہؤا کرتا ہے اور وہ خود کھانے کے وقت کے اس طرح منتظر رہتے ہیں جس طرح روزہ دار عید کے چاند کا منتظر ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے حضرت مرزا صاحب کے لئے باوجود ان کی شب و روز کی تصنیف و تالیف کی دماغی محنتوں اور سینکڑوں مختلف شغل و اذکار اور عبادت و دعا۔ وعظ و نصائح کے کھانے کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا۔ تا ایسی غذائیں مہیا کی جائیں جو دل و دماغ کی خاص طور پر پرورش کر سکیں۔ آپ کو تو ان باتوں کی طرف توجہ ہی نہ تھی کہ اپنے لئے خاص طور پر کہہ کر اہتمام کرواتے۔ دماغی محنت کر کر کے معدہ ویسے ہی ضعیف ہو چکا تھا۔ مرغن اور پُر تکلف کھانے ہضم ہی نہیں ہو سکتے تھے اسلئے زود ہضم اور نہایت سادہ غذا آپ کھایا کرتے تھے۔ یہی روٹی شوربے یا دال کے ساتھ۔ یا کبھی بہت ضعف محسوس ہؤا تو پرند کا گوشت وہ بھی ایک آدھ بوٹی۔ یخنی پی لی۔ یا شیرہ بادام پی لیا۔ خوراک بہت کم تھی اور کھانا نہایت مختصر ہوتا تھا۔ بعض دفعہ کھانے کی طرف طبیعت مائل ہی نہ ہوتی تھی تو گھر کے لوگوں کے اصرار پر آپ فرمایا کرتے کہ اچھا میرے سامنے کھانا کھاؤ۔ شاید دیکھ کر طبیعت میں کھانے کی خواہش پیدا ہو جائے کیونکہ دوسرے آدمی کو کھاتے دیکھ کر انسانی فطرت ہے کہ کھانے کی طرف طبیعت مائل ہو جاتی ہے۔ لباس کا بھی یہی حال تھا۔ اگر کسی نے کوئی اچھا کپڑا لا کر پہنا دیا تو پہن لیا۔ نہیں پہنایا تو جیسا کپڑا بھی مل گیا پہن لیا۔ کبھی کوئی تمنا نہیں کی کہ مجھے ایسا کپڑا چاہئے۔ ان چیزوں کی طرف توجہ ہی نہ تھی۔ مقدمہ کرم دین کے دوران میں حضرت اقدس جب گورداسپور تشریف رکھتے تھے۔ ایک دن حضرت صاحب کچہری کی طرف تشریف لے جانے لگے اور حسب معمول پہلے دعا کے لئے اس کمرہ میں گئے جو اس غرض کے لئے پہلے سے مخصوص کر لیا تھا۔ ذوالفقار علی خاں صاحب اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ باہر انتظار میں کھڑے تھے۔ اور مولوی محمد علی صاحب کے ہاتھ میں اُس وقت حضرت صاحب کی چھڑی تھی۔ حضرت صاحب دعا کر کے باہر نکلے تو مولوی صاحب نے آپ کو چھڑی دی۔ حضرت صاحب نے چھڑی ہاتھ میں لیکر اُسے دیکھا اور فرمایا یہ کس کی چھڑی ہے۔ عرض کیا گیا کہ حضور ہی کی ہے جو حضور ہاتھ میں رکھا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "اچھا۔ مَیں تو سمجھا تھا کہ یہ میری نہیں ہے"۔ یہ وہ چھڑی تھی جو مدت سے آپ کے ہاتھ میں رہتی تھی لیکن محویت کا یہ عالم تھا کہ کبھی اس کی شکل کو غور سے دیکھا ہی نہیں تھا

کہ پہچان سکیں۔ درحقیقت آپ کی حالت تو اس شعر کی مصداق تھی جو آپ کا خود اپنا شعر ہے اور جس میں اپنی محویت کا صحیح مرقع کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔ ؎

نے زفردوسم حکایت کن نہ از آلامِ نار + کز غمِ دینِ محمدؐ مے زیم شوریدہ وار

پان اور حقہ

اگرچہ آپ کی اہلیہ محترمہ دہلی کی تھیں اور پان کھاتی تھیں۔ لیکن خود حضرت اقدس کو پان کھانے کی عادت نہ تھی۔ کبھی شاذ و نادر کے طور پر دل کی تقویت کے لئے یا کھانسی نزلہ کی شکایت ہوئی اور گھر والوں نے پان پیش کر دیا تو کھا لیا ورنہ نہیں۔ حقہ تمباکو کو آپ بہت ناپسند فرماتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ احمدیوں نے بالعموم حقہ ترک کر دیا تھا۔ ابتداء میں مہمان خانہ میں چونکہ کوئی حقہ نہ تھا اس لئے حقہ نوشوں کو حقہ کی تلاش میں تکیوں میں یا مرزا نظام الدین وغیرہ کی ٹولی میں جانا پڑتا۔ حضرت اقدس کو پتہ لگا تو خادم کو فرمایا کہ مہمان خانہ میں ایک حقہ رکھ دیا جائے تاکہ حقہ پینے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ لیکن مرشد کی توجہ کا مریدوں پر اثر ضرور پڑتا ہے۔ لوگوں نے حضرت اقدس کی نفرت کو دیکھ کر حقہ ترک کر دیا۔ بلکہ ایک مرید نے حقہ کی مذمت میں ایک نظم لکھی اور حضرت اقدس کو خوش کرنے کیلئے پڑھ کر سنائی اور جس قدر ممکن تھا اُس میں حقہ کی برائی کی۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ خواہ کوئی کیسی ہی معمولی درجہ کی نظم سُنائے یا کوئی بات شروع کر دے تو حوصلہ افزائی کے لئے بڑے اطمینان سے سنتے رہتے۔ اس نظم کو سُن کر ہنس پڑے۔ فرمانے لگے کہ خدا کے کلام میں اور انسان کے کلام میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ خدا نے قرآن کریم میں شراب اور جوئے سے سخت اظہار بیزاری کرنے کے باوجود اتنا ضرور فرما دیا کہ اثمھما اکبر من نفعھما۔ کہ ان دونو کا گناہ اور نقصان ان کے نفع سے زیادہ ہے۔ گویا کسی قدر نفع ان دونو میں تسلیم کر لیا۔ لیکن انسان جو حقہ کی مذمت کرنے پر آمادہ ہؤا تو اُسے کسی رنگ کا بھی نفع اسمیں نظر نہیں آیا۔

کھانے کے بعد ہاتھ دھونا

حضرت اقدس کھانے سے پہلے عموماً اور کھانے کے بعد ضرور ہاتھ دھویا کرتے تھے اس کے بعد کپڑے یا تولئے سے ہاتھ پونچھا کرتے۔ بعض ملّانوں کی طرح داڑھی سے چکنے ہاتھ پونچھنے کی عادت ہرگز نہ تھی۔ کھانے کے بعد دانتوں میں خلال بھی کرتے۔ لیکن مجلس سے الگ ہو کر خلال کیا کرتے تھے مجلس میں لوگوں کے سامنے بیٹھ کر خلال کرنا پسند نہ کرتے تھے۔

حضرت اقدس کی طبیعت نہایت سادگی پسند تھی

حضرت اقدس سادگی کو بہت پسند کرتے تھے

حضرت اقدس نہایت سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے وہ لوگ جو دنیا میں سادگی سے زندگی بسر کرتے ہیں بہت ہی پیارے لگتے ہیں۔"

مکان کی سادگی آپ کے لباس اور غذا کی سادگی کا تو مَیں ذکر کر چکا ہوں۔ اب مکان کی سادگی ملاحظہ ہو مکان کے جس حصہ میں آپ رہتے تھے۔ وہاں نہ کبھی کوئی کرسی میز نظر پڑا۔ نہ کوئی اور فرنیچر۔ نہ فرش فروش اگرچہ شب روز تصنیف و تالیف کا مشغلہ تھا مگر دوات قلم وغیرہ سب پلنگ پر ہی لیکر بیٹھ جاتے اور اُسی جگہ بیٹھ کر ہزارہا صفحے علم و حکمت کے لکھ ڈالے۔ مولوی عبد الکریم صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت مکان اور لباس کی آرائش اور زینت سے بالکل غافل اور بے پروا ہیں۔ خدا کے فضل و کرم سے حضور کا یہ پایہ اور منزلت ہے کہ اگر چاہیں تو آپ کے مکان کی اینٹیں سنگ مرمر کی ہو سکتی ہیں اور آپ کے پاانداز سندس و اطلس کے بن سکتے ہیں۔ مگر بیٹھنے کا مکان ایسا معمولی ہے کہ زمانہ کی عرفی نفاست اور صفائی کا جان دادہ تو ایک دم کیلئے وہاں بیٹھنا پسند نہ کرے۔ مَیں نے بارہا وہ تخت لکڑی کا دیکھا ہے۔ جس پر آپ گرمیوں میں باہر بیٹھتے ہیں۔ اُس پر مٹی پڑی ہوئی ہے اور میلا ہے جب بھی آپ نے نہیں پوچھا۔ اور جو کسی نے خدا کا خوف کر کے مٹی جھاڑ دی ہے جب بھی التفات نہیں کیا کہ آج کیسا صاف اور پاک ہے۔ غرض اپنے کام میں اس قدر استغراق ہے کہ ان مادی باتوں کی مطلق پروا نہیں۔ جب مہمانوں کی ضرورت کے لئے مکان بنوانے کی ضرورت پیش آئی ہے بار بار یہی تاکید فرمائی ہے کہ اینٹوں اور پتھروں پر پیسہ خرچ کرنا عبث ہے۔ اتنا ہی کام کرو جو چند روز بسر کرنے کی گنجائش ہو جائے۔ نجار تیر بندیاں اور تختے رندہ سے صاف کر رہا تھا روک دیا اور فرمایا یہ محض تکلف ہے اور ناحق کی دیر لگانا ہے۔ مختصر کام کرو۔ فرمایا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہمیں کسی مکان سے کوئی اُنس نہیں۔ ہم اپنے مکانوں کو اپنے اور اپنے دوستوں میں مشترک جانتے ہیں اور بڑی آرزو ہے کہ مل کر چند روز گزارہ کرلیں۔ اور فرمایا کہ میری بڑی آرزو ہے کہ ایسا مکان ہو کہ چاروں طرف ہمارے احباب کے گھر ہوں اور درمیان میں میرا گھر ہو۔ اور ہر ایک گھر میں میری ایک کھڑکی ہو کہ ہر ایک سے ہر ایک وقت واسطہ و رابطہ رہے" برادران یہ باتیں سچی ہیں۔ اور واقعات ان کے گواہ ہیں۔ مکان اندر اور باہر نیچے اور اوپر مہمانوں سے کشتی کی طرح بھرا ہوا ہے اور حضرت کو بھی بقدر حصہ رسدی بلکہ تھوڑا سا ایک حصہ رہنے کو ملا ہوا ہے۔ اور آپ اُس میں یوں رہتے ہیں جیسے سرائے میں کوئی گزارہ کرتا ہے اور اُس کے جی میں کبھی نہیں گزرتا کہ یہ میری کوٹھڑی ہے۔" (سیرت مسیح موعود مؤلفہ مولوی عبد الکریم صاحب)

مولوی عبد الکریم صاحب کا یہ بیان اُس زمانہ کا ایک صحیح نقشہ ہے۔ جب تک آپ کے مکان میں گنجائش رہی

آپ ہر ایک شخص کو جو ہجرت کر کے قادیان آتا اپنے مکان میں جگہ دیتے جاتے۔ مولانا نورالدین صاحب نے اگرچہ اپنا ایک مکان علیحدہ بنوا لیا تھا۔ لیکن طاعون کے دنوں میں ان کو بھی اپنے مکان کے اندر ایک حصہ رہنے کو دیدیا کیونکہ دار یعنی آپ کے مکان کی طاعون سے حفاظت کا وعدہ جناب الٰہی نے الہاماً فرمایا تھا۔ غرضکہ تمام مکان کشتی کی طرح اس کثرت سے بھرا ہوا تھا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ ایک ایک خاندان کے پاس ایک ایک کوٹھڑی آئی ہوئی تھی جس میں وہ کھاتے پکاتے اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے سبھی کچھ کرتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس آپکے حصہ میں بھی ایک ہی کوٹھڑی آئی ہوئی تھی لیکن کبھی آپکو یہ خیال نہیں آیا کہ اتنا بڑا مکان ہوتے ساتے میں کیوں خواہ مخواہ جگہ کی تنگی سے تکلیف اُٹھاؤں جس طرح ماں اپنے بچّوں کو گود میں لیکر خوش و مطمئن ہو جاتی ہے اسی طرح اپنے مریدوں کو اپنے مکان میں جگہ دیکر نہال ہو جاتے اور پھر ان کے ہر ایک طرح کے آرام و آسائش کا خیال رکھتے۔ اور نہ معلوم اس مکان میں کیا برکت تھی کہ جسے دیکھو اس میں سماتا ہی چلا جاتا تھا۔ بات یہ تھی کہ جب کسی نئے مہمان کو جگہ دیتے تو آپ اپنی ضروریات کو اور مختصر کر دیتے۔ اور کسی نہ کسی طرح کوئی کمرہ خالی کر کے دیدیتے۔ میں (یعنی خاکسار مؤلف) جب ۱۹۰۶ء میں معہ اہل و عیال کئی ماہ کی رخصت لیکر قادیان حاضر ہوا تو پہلے تو نواب محمد علی خاں صاحب والا مکان جو خالی تھا مجھے رہنے کے لئے عنایت ہوا۔ لیکن جب نواب صاحب نے خود قادیان آنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حضرت نے اپنے مکان کی نچلی منزل میں مجھے بھی ایک بڑا سا کمرہ عنایت فرما دیا۔ وہاں جاکر مجھے دو باتیں عجیب نظر آئیں۔ ایک تو یہ کہ اگرچہ اس قدر مختلف خاندان اس مکان میں آباد تھے۔ مگر مکان کی بناوٹ کچھ اس قسم کی تھی کہ سب ایک دوسرے سے الگ بھی تھے۔ یعنی کسی کے پردہ میں خلل نہ آتا تھا۔ کہیں کہیں صحن میں عارضی پردے بھی کھڑے کر لئے گئے تھے۔ لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ تقویٰ اور طہارت کی لہر اس قدر زبردست تھی کہ کسی کو کسی سے تعرّض نہ تھا۔ سب اپنی اپنی جگہ محبت الٰہی اور اشغال دینیہ میں اس قدر منہمک تھے کہ کسی کو یہ بھی پتہ نہ ہوتا تھا کہ ساتھ کے کمرہ والا کیا باتیں کر رہا ہے یا کیا کام کر رہا ہے۔ دوسری بات یہ نظر آئی کہ آپ کے فیض صحبت کا یہ اثر تھا کہ خدا کے فضل سے ہر ایک آدمی نہایت خوش اور ہشاش بشاش تھا۔ کبھی کسی کو شکوہ نہیں شکایت نہیں۔ بلکہ احساس تک نہیں کہ ہم اس قدر تنگی سے گزارہ کر رہے ہیں۔ ہر ایک کے چہرہ پر کچھ ایسی سکینت و طمانیت برستی تھی کہ دیکھنے والے کو یہی معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے ہر ایک کسی محل اور پائین باغ میں رہتا ہے۔

حُسنِ معاشرت اور آپکے اخلاقِ فاضلہ

صورتِ معنوی اب تک تو مَیں نے حضرت اقدس کی ظاہری شکل و صورت کا ذکر کیا اب کچھ تھوڑا سا ذکر میں صورتِ معنوی کا کرنا چاہتا ہوں یعنی آپ کے اخلاق و عادات کا ایک خفیف سا نقشہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ وہ کیفیت اور لطف جو آپ سے ملاقات اور معاملہ پڑنے پر آیا کرتا تھا۔ بذریعہ تحریر ناممکن ہے لیکن تاہم کسی قدر کوشش کروں گا کہ قارئین کرام کو اس کا اندازہ ہو سکے۔

خیرکم خیرکم لاھلہٖ حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مشہور و معروف ہے کہ خیرکم خیرکم لاھلہٖ کہ تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو اپنے اہل یعنی بی بی اور گھر کے لوگوں سے بہترین سلوک کرتا ہے۔ کیسا پاکیزہ ارشاد ہے۔ باہر سوسائٹی میں ہر ایک شخص مہذب اور بااخلاق بننے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اس کی شہرت نیک ہو۔ لیکن گھر کے اندر انسان کی تمام ظاہرداریاں اور تصنّع برطرف ہو کر اس کے اخلاق اپنی عریاں حالت میں نظر آتے ہیں۔ اس لئے جو گھر کے اندر اخلاقِ فاضلہ اور اعلیٰ درجہ کی تہذیب دکھاتا ہے وہی شخص بہترین اخلاق و تہذیب کا مالک کہلائے گا۔ اسی وجہ سے حضرت اقدس کی سیرت کے تذکرہ میں مَیں آپ کے اپنی بی بی سے سلوک کو مقدم کرتا ہوں۔

بی بی سے نیک سلوک حضرت اقدس کا وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں ہندوؤں کی تہذیب معاشرت کا اثر مسلمانوں کی طرزِ معاشرت پر اس قدر شدید پڑ چکا تھا کہ عورت کی کوئی حیثیت باقی نہ رہی تھی۔ پردہ کی سخت قیود کے ساتھ اس کی قدر اور وقعت بالکل باقی نہ رہی تھی۔ اس کا اتنا ہی کام تھا کہ وہ گھر کی چاردیواری کے اندر بیٹھ کر کھانا پکایا کرے یا بچے پالا کرے۔ مرد کی حیثیت ایک مطلق العنان حاکم کی تھی اور بی بی کا مقام ایک عاجز اور مجبور کنیز کا۔ گویا ہندوستان کے مسلمانوں کی معاشرت اسلامی نقطۂ نظر سے بالکل گر چکی تھی۔ حضرت مجدّدِ وقت نے اپنے نمونہ سے عورت کو پھر اس کے اصلی مقام پر لا کھڑا کیا جو اسلام نے اُسے عطا فرمایا تھا۔ آپ اپنی بی بی کے ساتھ پرلے درجہ کا نیک سلوک کرتے اور صحیح معنوں میں ان کی عزّت و احترام کرتے تھے۔ مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی جو سالہا سال حضرت اقدس کے مکان کے ایک حصّہ میں فروکش رہے ان کا اپنا چشمدید بیان نہایت معتبر اور دقیع ہے۔ اپنی کتاب سیرت مسیح موعود میں مولوی صاحب موصوف اس طرح رقمطراز ہیں:۔

"عرصہ قریب پندرہ برس کا گزرتا ہے جب سے حضرت نے بار دیگر خدا تعالیٰ کے امر سے معاشرت کے بھاری اور نازک فرض کو اٹھایا ہے (یعنی نکاح ثانی کیا ہے۔ ناقل) اس اثنا میں کبھی ایسا

موقعہ نہیں آیا کہ خانہ جنگی کی آگ مشتعل ہوئی ہو۔ کوئی بشر خیال کرسکتا ہے کہ ضعیف اور کم علم جنس کی طرف سے اتنے دراز عرصہ میں کوئی ایسی ادا یا حرکت خلاف طبع سرزد نہ ہوئی ہوگی؟ تجربہ اور عرف عام گواہ ہے کہ خانہ نشین ہم پہلو (یعنی بی بی۔ ناقل) کج طبعی اور جہالت سے کیسے کیسے رنجدہ امور کے مصدر ہوا کرتے ہیں۔ بایں ہمہ وہ ٹھنڈا دل اور بہشتی قلب قابل غور ہے جسے اتنی مدت میں کسی قسم کی رنج اور تنغص عیش کی آگ کی آنچ تک نہ چھوئی ہو۔ وہ کڑوا گوشت کا ٹکڑا جو تمام زہروں کا مخزن اور ہر قسم کے غِلّ اور حسد اور کینہ اور عداوت کا منشاء ہے اور جو اس عالم میں دوزخ در بغل ہے اگر کسی شخص سے قطعاً مسلوب نہ ہو چکا ہو اور خدائے قدوس کے دست خاص نے اس کا تزکیہ و تطہیر اور شرح صدر نہ کیا ہو تو خیال میں آسکتا ہے کہ پُر پیچ و تاب اور آتش ناک زندگی میں ایسے سکون اور وقار اور جمعیت سے زندگی بسر کرسکے۔ ایک ہی خطرناک اور قابل اصلاح عیب ہے جو سارے اندرونی فتنوں کی جڑ ہے۔ وہ کیا؟ بات بات پر نکتہ چینی اور چڑ۔ اور یہ عیب ایسے منقبض اور تنگ دل کی خبر دیتا ہے کہ جس کی نسبت بہ آسانی فیصلہ کرسکتے ہیں کہ وہ اس عالم میں دم نقد دوزخ میں ہے۔ دس برس سے میں بڑی غور اور نکتہ چینی کی نگاہ سے ملاحظہ کر رہا ہوں اور پوری بصیرت سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت اقدس کی جبلت پاک میں شیطان کے اس مس کا کوئی بھی حصہ نہیں۔ ...... اس بات کو اندرون خانہ کی خدمتگار عورتیں جو عوام الناس سے ہیں اور فطری سادگی اور انسانی جامہ کے سوا کوئی تکلف اور تصنع کی زیرکی اور استنباطی قوت نہیں رکھتیں۔ بہت عمدہ طرح سے محسوس کرتی ہیں اور تعجب سے دیکھتی ہیں اور زمانہ اور اپنے اور اپنے گردو پیش کے عام عرف اور برتاؤ کے بالکل برخلاف دیکھ کر بڑے تعجب سے کہتی ہیں۔ اور میں نے بارہا انہیں خود حیرت سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ "مرجا بیوی دی گل بڑی مندا ہے" ایک دن خود حضرت فرماتے تھے کہ "فحشاء کے سوا باقی تمام کج خلقیاں اور تلخیاں عورتوں کی برداشت کرنی چاہئیں" اور فرمایا کہ "ہمیں تو کمال بے شرمی معلوم ہوتی ہے کہ مرد ہو کر عورت سے جنگ کریں۔ ہم کو خدا نے مرد بنایا اور یہ درحقیقت ہم پر اتمام نعمت ہے۔ اس کا شکریہ یہ ہے کہ عورتوں سے ہم لطف اور نرمی کا برتاؤ کریں"

"ایک دفعہ ایک دوست کی درشت مزاجی اور بدزبانی کا ذکر ہوا کہ وہ اپنی بیوی سے سختی سے پیش آتا ہے۔ حضرت اس بات سے بہت کشیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا۔ ہمارے احباب کو ایسا نہ ہونا چاہیئے"

"جن دنوں امرت سر میں ڈپٹی آتھم سے مباحثہ تھا ایک رات خان محمد شاہ مرحوم کے مکان پر بڑا مجمع تھا۔ اطراف سے بہت سے دوست مباحثہ دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ حضرت اُس دن جس کی شام کا واقعہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں معمولاً سر درد سے بیمار ہو گئے تھے۔ شام کو جب مشتاقانِ زیارت ہمہ تن چشم انتظار ہو رہے تھے حضرت مجمع میں تشریف لائے منشی عبدالحق صاحب لاہوری پنشنر نے کمال محبت اور رسم دوستی کی بنا پر بیماری کی تکلیف کی نسبت پوچھنا شروع کیا اور کہا کہ آپ کا کام بہت نازک اور آپ کے سر پر بھاری فرائض کا بوجھ ہے۔ آپ کو چاہئے کہ جسم کی صحت کی رعایت کا خیال رکھا کریں۔ اور ایک خاص مقوی غذا لازماً آپ کے لئے ہر روز طیار ہونی چاہئے۔ حضرت نے فرمایا "ہاں بات تو درست ہے اور ہم نے کبھی کبھی کہا بھی ہے مگر عورتیں کچھ اپنے ہی دھندوں میں ایسی مصروف ہوتی ہیں کہ اور باتوں کی چنداں پروا نہیں کرتیں"۔ اس پر ہمارے پرانے مؤقد خوش اخلاق نرم طبع مولوی عبداللہ غزنوی کے مرید منشی عبدالحق صاحب فرماتے ہیں۔ "اجی حضرت آپ ڈانٹ ڈپٹ کر نہیں کہتے اور رعب پیدا نہیں کرتے۔ میرا یہ حال ہے کہ مَیں کھانے کے لئے خاص اہتمام کیا کرتا ہوں اور ممکن ہے کہ میرا حکم کبھی ٹل جائے اور میرے کھانے کے لئے اہتمام خاص میں کوئی سرِمو فرق آجائے؛ ورنہ ہم دوسری طرح خبر لےلیں"۔ مَیں ایک طرف بیٹھا تھا منشی صاحب کی اس بات پر اس وقت خوش ہوا اس لئے کہ یہ بات بظاہر میرے محبوب و آقا کے حق میں تھی اور مَیں خود فرط محبت سے اسی سوچ بچار میں رہتا تھا کہ معمولی غذا سے زیادہ عمدہ غذا آپ کے لئے ہونی چاہئے۔ اور ایک دماغی محنت کرنیوالے انسان کے حق میں لنگر کا معمولی کھانا بدل ما تحلل نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر مَیں نے منشی صاحب کو اپنا بڑا مؤید پایا اور بے سوچے سمجھے ...... بوڑھے صوفی ...... کی تائید میں بول اُٹھا کہ "ہاں حضرت! منشی صاحب درست فرماتے ہیں حضور کو بھی چاہئے کہ درشتی سے یہ امر منوائیں"۔ حضرت نے میری طرف دیکھا اور تبسم سے فرمایا "ہمارے دوستوں کو تو ایسے اخلاق سے پرہیز کرنا چاہئے"۔ ...... بس خدا ہی خوب جانتا ہے کہ مَیں اُس مجمع میں کس قدر شرمندہ ہوا اور مجھے سخت افسوس ہوا کہ کیوں مَیں نے ایک لمحہ کے لئے بھی بوڑھے تجربہ کار نرم خو صوفی کی پیروی کی ...... اُس بدمزاج دوست کا واقعہ سُن کر آپ معاشرت نسواں کے بارے میں دیر تک گفتگو کرتے رہے اور آخر میں فرمایا "میرا یہ حال ہے کہ ایک دفعہ مَیں نے اپنی بیوی پر آوازہ کسا تھا اور مَیں محسوس کرتا تھا کہ وہ بانگِ بلند دل کے رنج سے ملی ہوئی ہے۔ اور با اینہمہ

کوئی دلآزار اور درشت کلمہ منہ سے نہیں نکالا تھا۔ اس کے بعد میں بہت دیر تک استغفار کرتا رہا اور بڑے خشوع و خضوع سے نفلیں پڑھیں اور کچھ صدقہ بھی دیا کہ یہ درشتی زوجہ پر کسی پنہانی معصیت الٰہی کا نتیجہ ہے۔" مجھے اس بات کے سننے سے اپنے حال اور معرفت اور عمل کا خیال کر کے کس قدر شرم اور ندامت حاصل ہوئی کہ بجز خدا کے کوئی جان نہیں سکتا۔ میری رُوح میں اُس وقت میخ فولادی کی طرح یہ بات جاگزین ہوئی کہ یہ غیر معمولی تقویٰ اور خشیت اللہ اور دقائق تقویٰ کی رعایت معمولی انسان کا کام نہیں۔ ورنہ مَیں اور میرے امثال سینکڑوں اسلام اور اتباع سنت کے دعوے میں کم لاف زنی نہیں کیا کرتے اور اس میں شک نہیں کہ متعدیِ پاک اور حدود الٰہیہ سے متکبرانہ تجاوز کرنے والے بھی نہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہ قوت قدسیہ اور تیز شامہ ہمیں نہیں ملی۔ یا اور عوارض کے سبب کمزور ہو گئی ہے۔ ہم بڑی سے بڑی سعادت اور اتقا اس میں سمجھتے ہیں کہ موٹے موٹے گناہوں اور معاصی سے بچے رہیں اور بڑے ہی بیّن اور مرئی گناہوں کے سوا دقائق معاصی اور مشتبہات کی طرف ہم التفات نہیں کرتے۔ یہ خوردبین کامل ایمان اور کامل عرفان اور کامل تقویٰ سے ملتی ہے جو حضرت اقدس امام الزمان علیہ السّلام کو عطا ہوئی ہے۔ اور مَیں نے اس وقت لسان اور جنان کے سچے اتفاق سے کہا اور تسلیم کیا کہ اگر اور ہزاروں باہرہ حجتیں آپ کے منجانب اللہ ہونے پر جو آفتاب سے زیادہ درخشاں ہیں نہ بھی ہوتیں جب بھی یہی ایک بات کہ غیر معمولی تقویٰ اور خشیت اللہ آپ میں ہے کافی دلیل تھی۔ بڑے بڑے مرتاض صوفیوں اور دنیا و مافیہا سے دل برداشتگی اور دل سوختگی کے اشعار ورد زبان رکھنے والے زاہدوں اور بڑے بڑے اتباع کے مدعیوں اور علمائے رسوم کو دیکھا گیا ہے کہ جلوت میں ابناءِ دنیا کے حضور گربہ مسکین کی طرح بیٹھتے ہیں اور ہر ایک دقیقہ کے بعد سر اُٹھا کر اور سینہ اُبھار کر ایک آہ سرد بھر دیتے ہیں۔ اور مشتاقانِ سخن کے انتظار شدید کے بعد بھی زبانِ پاک کو کلام سے اگرچہ موزوں اور برمحل کیوں نہ ہو آلودہ نہیں کرتے۔ گھر میں بدمزاج اور گرگ و پلنگ ہیں۔ ہندوستان میں ایک نامی گرامی سجادہ نشین ہیں۔ لاکھ سے زیادہ ان کے مرید ہیں اور خدا کے قرب کا انہیں دعویٰ بھی بڑا ہے۔ اُن کے بہت ہی قریب متعلقین سے ایک نیک بخت عورت کو کچھ مدّت سے ہمارے حضرت کے اندرونِ خانہ میں رہنے کا شرف حاصل ہے۔ وہ حضرت اقدس کا گھر میں فرشتوں کی طرح رہنا۔ نہ کسی سے نوک ٹوک نہ چھیڑ چھاڑ۔ جو کچھ کہا گیا اس طرح مانتے ہیں جیسے ایک واجب الاطاعت مطاع کے امر سے انحراف نہیں کیا جاتا۔ ان باتوں کو دیکھ کر وہ حیران ہو ہو جاتیں۔ اور بارہا تعجب سے کہہ چکی ہیں کہ ہمارے

حضرت شاہ صاحب کا حال تو سراسر اس کے خلاف ہے۔ جب وہ باہر سے زنانہ میں آتے ہیں تو ایک ہنگامۂ رستخیز برپا ہو جاتا ہے۔ اس لڑکے کو گھور۔ اُس خادمہ سے خفا۔ اس بچہ کو مار۔ بیوی سے تکرار ہو رہی ہے کہ نمک کھانے میں کیوں زیادہ یا کم ہو گیا۔ یہ برتن یہاں کیوں رکھا ہے۔ اور وہ چیز وہاں کیوں دھری ہے۔ تم کیسی پھوہڑ بدمذاق اور بے سلیقہ عورت ہو۔ اور کبھی جو کھانا طبع عالی کے حسب پسند نہ ہو تو آگے کے برتن کو دیوار سے پٹخ دیتے ہیں اور بس ایک کہرام گھر میں مچ جاتا ہے۔ عورتیں بلک بلک کر خدا سے دعا کرتی ہیں کہ شاہ صاحب باہر ہی رونق افروز رہیں"۔ (سیرت مسیح موعود مؤلفہ مولوی عبدالکریم صاحب صفحہ ۱۲ تا ۱۸)

اُس زمانہ میں حضرت اقدس کے اپنی بی بی سے اس نیک سلوک کو مرد اور عورتیں سب تعجب کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور بعض پرانی طرز معاشرت کے دلدادہ ان باتوں سے چونکتے تھے۔ لاہور کا ذکر ہے ایک دفعہ ایک پرانی وضع کی خاتون قادیان سے ہمارے (یعنی خاکسار مؤلف کے) گھر آئیں۔ اُن کا پوتا حضرت اقدس کا مرید تھا اور وہ اسی سلسلہ میں قادیان گئی تھیں۔ اُنہوں نے قادیان کے حالات جو سنائے اس میں حضرت اقدس کے نورانی چہرہ اور تقدس کی تو بڑی تعریف کی لیکن جو بات اُنہیں بڑی معیوب نظر آئی وہ یہ تھی کہ حضرت مرزا صاحب گھر کے کام میں بیوی کی مدد کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ بیوی کا بستر بچھا دیتے بلکہ جھاڑ بھی دیتے ہیں۔

گھر کا کام خود کر لیا کرتے تھے

اور یہ سچی بات تھی۔ حضرت اقدس کو گھر کے کام کاج میں حصہ لینے سے ذرا بھی عار نہ تھا۔ جب دیکھتے کہ سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں تو اُٹھ کر اپنے کام یا گھر کے بعض ضروری کام خود کر لیا کرتے تھے۔ دیکھا کہ بھنگی نے پاخانہ میں فینائل نہیں ڈالی تو بجائے کسی کو حکم دینے کے خود اُٹھ کر ڈال لیتے۔ چارپائیاں خود بچھا لیتے تھے۔ فرش کر لیتے تھے۔ بستر کر لیا کرتے تھے۔ کبھی یکدم بارش آجاتی تو چھوٹے بچے تو چارپائیوں پر سوتے رہتے۔ آپ ایک طرف سے خود انکی چارپائیاں پکڑتے اور دوسری طرف سے کوئی اور شخص پکڑتا اور اندر برآمدہ میں کروا لیتے۔ اگر کوئی شخص ایسے موقعہ پر یا صبح کے وقت بچوں کو جھنجوڑ کر جگانا چاہتا تو آپ منع کرتے اور فرماتے کہ "اس طرح یکدم ہلانے اور چیخنے سے بچہ ڈر جاتا ہے۔ آہستہ سے آواز دیکر اُٹھاؤ"۔

ایک دفعہ مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے جو نئے مہمانخانہ کے ایک کمرہ میں ٹھیرے ہوئے تھے اپنے لڑکے کو حضرت اقدس کی خدمت میں بھیجا کہ تھوڑے سے کوئلے درکار ہیں۔ حضرت اقدس نے بیوی صاحبہ کو فرمایا کہ انہیں کوئلے دیدو۔ ان کا ہاتھ خالی نہ تھا اس لئے توجہ نہ کی۔ سخت بارش ہو رہی تھی

حضرت اقدس اپنا کام چھوڑ کر خود اُٹھ کر کوئلہ کی کوٹھری میں گئے اور اپنے ہاتھوں سے کوئلے نکال کر اُس بچے کو دیئے۔

گھر والوں کی تفریح میں شمولیت اور اس میں وعظ و تذکیر

حضرت اقدس اپنے گھر میں بدمزاج یا بہت خاموش و متین مردوں کی طرح نہیں رہتے تھے بلکہ اپنے برتاؤ میں ہمیشہ نہایت خوش مزاج اور ہنس مکھ ثابت ہوتے تھے بعض دفعہ گھر والوں کی تفریحات میں بھی شمولیت فرماتے لیکن ان تفریحات کے اندر مقصد دینی کبھی نہ فوت ہوتا۔ مولوی عبد الکریم صاحب ایک اسی قسم کا واقعہ لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

"تقاضائے سن اور عدم علم کی وجہ سے اندر کچھ دن کہانی کہنے اور سننے کا چسکا پڑ گیا۔ آدھی رات گئے تک سادہ اور معصوم کہانیاں اور پاک دل بہلانے والے قصے ہو رہے ہیں اور اُس میں عادتاً ایسا استغراق ہوا کہ گویا وہ بڑے کام کی باتیں ہیں۔ حضرت کو معلوم ہوا۔ منہ سے کسی کو کچھ نہ کہا۔ ایک شب سب کو جمع کر کے کہا آؤ آج ہم تمہیں اپنی کہانی سنائیں۔ ایسی خدا لگتی اور خوف خدا دلانے والی اور کام کی باتیں سُنائیں کہ سب عورتیں گویا سوتی تھیں جاگ اُٹھیں۔ سب نے توبہ کی اور اقرار کیا کہ وہ صریح بھول میں تھیں اور اس کے بعد وہ سب داستانیں افسانہ خواب کی طرح یادوں سے ہی مٹ گئیں"

پردۂ شرعی کے قائل تھے

حضرت اقدس نے اُن تمام ناجائز پردہ کی قیود کو اُٹھا دیا جو ہندو راجپوتوں کے زیر اثر مسلمانوں میں رواج پا گئی تھیں۔ آپ کی اجازت سے حضرت بیوی صاحبہ باہر سیر کو تشریف لیجاتیں کبھی آپ کے ساتھ اور اکثر دیگر مستورات کے ساتھ۔ ابتدائی زمانہ کا ذکر ہے ایک دفعہ کسی اسٹیشن پر (جو غالباً لدھیانہ کا تھا) حضرت اقدس وقت سے پہلے پہنچ گئے اور ریل کا کچھ دیر انتظار کرنا پڑا۔ آپ بیوی صاحبہ کو ساتھ لیکر پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگے۔ مولوی نور الدین صاحب اور مولوی عبد الکریم صاحب ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ اگرچہ بیوی صاحبہ برقعہ میں ملفوف تھیں لیکن تاہم مولوی عبد الکریم صاحب کو اس طرح حضرت صاحب کے ساتھ بیوی صاحبہ کا لوگوں کے درمیان ٹہلنا گراں گزرا۔ اُنہوں نے مولوی نور الدین صاحب سے کہا کہ آپ حضرت صاحب سے عرض کریں کہ بیوی صاحبہ کو کہیں الگ بٹھا دیں دوست دشمن سب پلیٹ فارم پر موجود ہیں۔ لوگوں کو باتیں بنانے کا موقعہ ملے گا۔ ناحق نکو بن جائینگے"۔ مولوی نور الدین صاحب فرمانے لگے کہ "جو کچھ حضرت صاحب کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں۔ مَیں تو کہتا نہیں آپ کہہ دیکھیں"۔ آخر مولوی عبد الکریم صاحب رہ نہ سکے اور اُٹھ کر حضرت کی خدمت میں گئے اور جو کچھ مولوی نور الدین صاحب سے کہا تھا وہی آپ کی خدمت میں بھی دُہرا دیا حضرت صاحب نے فرمایا "میں محمد رسول اللہ صلعم سے بڑھ کر کسی کی عزت نہیں سمجھتا جب آپؐ کی اور آپؐ کے صحابہ کی

بیبیاں جنگوں میں بھی شامل ہوتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتیں اور مرہم پٹی کرتی تھیں تو میں اُن سے زیادہ اپنی عزّت اور شرافت نہیں سمجھتا۔ بلکہ اُن کی پیروی ہمارے لئے باعث عزت و شرف ہے۔" مولوی عبدالکریم صاحب یہ جھاڑ کھا کر چپ چپاتے اپنی جگہ آن بیٹھے۔ اگرچہ حضرت بیوی صاحبہ اپنے چہرہ پر نقاب رکھا کرتی تھیں لیکن حضرت اقدس ہاتھوں کو اور چہرہ کی ٹکلیا کو جس میں آنکھیں اور ناک اور مُنہ شامل ہے کُھلا رکھنا شرعًا جائز سمجھتے تھے۔ گرمیوں کے ایام میں ایک مرتبہ لاہور میں اسٹیشن کو جاتے ہوئے حضرت اقدس بمعہ بیوی صاحبہ بند گاڑی میں سوار ہوئے۔ اگرچہ برقعہ تو موجود تھا مگر بیوی صاحبہ کے چہرہ پر اُس وقت نقاب پڑی ہوئی نہ تھی۔ کسی مرید نے جلدی سے کھڑکی کی جھلملی چڑھا دی حضرت اقدس نے فرمایا کہ جھلملی گرا دو۔ گرمی بہت ہے۔ ہَوا اندر آنے دو۔ اور غالبًا آپ نے گرمی کی وجہ سے ہی بیوی صاحبہ کو فرمایا ہوگا کہ نقاب اُٹھا دو کچھ ضرورت نہیں۔

بی بی پر اعتبار آپ کا قاعدہ تھا کہ بی بی سے کبھی حساب نہیں لیتے تھے کہ جتنی رقم تم نے مانگی تھی واقعی اُتنی خرچ بھی ہوئی یا نہیں۔ یا اگر خرچ ہوئی تو کہاں کہاں ہوئی۔ یا اتنا زیادہ کیوں خرچ کر دیا۔ اور جو خرچ ہوتا ہے اس کا حساب بہی کھاتہ مجھے دکھاؤ۔ خدا تعالیٰ نے آپ کا قلب ایسا وسیع اور صدر ایسا منشرح بنایا تھا کہ ان امور کی فکریں اور کاوشیں اور یہ مادی تجسّس اس میں دخل پا ہی نہیں سکتے تھے۔

گھر کے خادموں پر اعتبار اسی طرح حضرت اقدس کو اپنے خادموں پر بیحد اعتبار رہا کرتا تھا۔ ملازم مرد یا عورت جو سودا لاتے اس کی چگونگی سے آپ کبھی بازپُرس نہ فرماتے۔ اور جو کچھ وہ خرچ کرتے اور جو کچھ واپس دیتے آنکھ بند کر کے لے لیتے اور جیب میں ڈال لیتے۔ کبھی گرفت نہیں۔ سختی نہیں۔ بازپُرس نہیں۔ خدا جانے کیا قلب تھا اور درحقیقت خدا ہی ان قلوب مطہرہ کی حقیقت کو جانتا ہے جو خاص حکمت اور ارادہ سے اُنہیں پیدا کرتا ہے۔ مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی اپنی عینی شہادت اس طرح پیش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

"اتنے عرصہ دراز میں مَیں نے کبھی بھی نہیں سُنا کہ اندر تکرار ہو رہی ہے اور کسی شخص سے لین دین کے متعلق بازپُرس ہو رہی ہے۔ سبحان اللہ کیا سکون زا دل اور پاک فطرت ہے جس میں سوءِ ظن کا شیطان نشیمن نہیں بنا سکا۔ اور کیا ہی قابل رشک بہشتی دل ہے جسے یہ آرام بخشا گیا ہے۔ اور پھر کوئی نقصان اور مضرت عائد حال نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ اغماض اور اعتماد عام معاش اور معاد کی میزان میں کم وزن ہو یعنی نظام عالم اور خدا کی نگاہ میں مکروہ ہو تو کارخانہ درہم برہم ہو جانا چاہئے۔ مگر دن دوگنی رات چوگنی ترقی گواہ ہے کہ خدا ایسے ہی دلوں کو پیار کرتا ہے۔"

(سیرت مسیح موعود مؤلفہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم)

دوستوں پر اعتبار | یہی اعتبار آپ کو اپنے دوستوں پر تھا۔ اگر کوئی رقم کسی دوست کو خرچ کے لئے دی ہے تو کبھی اُس سے حساب نہ لیتے تھے۔ ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ مَیں یہاں ایک مثال عرض کئے دیتا ہوں۔ سید غلام حسین صاحب نے اپنا ایک واقعہ الحکم ۲۸-مئی و ۷-جون ۱۹۳۹ء میں شائع کیا ہے مَیں اس کا خلاصہ اپنے الفاظ میں یہاں عرض کرتا ہوں۔ واقعہ یوں ہؤا کہ غالباً ۱۸۹۶ء کا ذکر ہے کہ سید غلام حسین صاحب قادیان میں تھے۔ اور دل سے متمنّی تھے کہ حضرت اقدس کوئی خدمت اُن کے سپرد کریں تو وہ خوشی سے بجا لائیں۔ آخر ایسا ہؤا کہ ڈاک دیکھتے دیکھتے حضرت اقدس نے سیّد صاحب کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ "یہ ایک بلٹی ہے آپ بٹالہ سے جا کر لے آئیں"۔ ساتھ ہی بلٹی اُن کے ہاتھ میں دیکر فرمایا" ابھی ٹھیریئے"۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور پانچ رُپے لاکر سیّد صاحب کو دیئے کہ یہ رستہ اور بلٹی کے اخراجات کے لئے ہیں۔ اُن دنوں قادیان میں یکّے ایک دو ہی ہؤا کرتے تھے اور وہ اُس وقت موجود نہ تھے۔ سیّد صاحب اس وقت پندرہ سالہ نوجوان تھے۔ جوشِ خدمت میں پیدل ہی چل پڑے۔ بٹالہ پہنچکر معلوم ہؤا کہ پارسل آیا ہؤا ہے۔ رات سرائے میں رہے۔ صبح پارسل چھڑانے گئے تو معلوم ہؤا کہ پارسل کا محصول فرستندہ نے ادا کر دیا ہؤا ہے۔ پارسل لیکر واپس ہوئے تو یکہ والے کرایہ زیادہ مانگنے لگے۔ اُنہوں نے کفایت شعاری کے خیال سے ایک کہار سے چار آنے اُجرت ٹھیرائی اور ٹوکری اُس کی بہنگی میں رکھ دی اور خود پیدل چل پڑے۔ قادیان پہنچکر حضرت کی عطا کردہ رقم پانچ رُپے میں سے چار آنے تو کہار کو دیئے اور باقی پونے پانچ رُپے جیب میں رکھ ٹوکری ہاتھ میں لے مسجد مبارک کی سیڑھیوں سے چڑھ کر زنانخانہ کے دروازہ پر پہنچے اور اندر اطلاع کروائی۔ حضرت اقدس فوراً باہر تشریف لے آئے۔ اور انہیں دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمانے لگے کہ آپ آگئے! ٹوکری دیکھتے ہی فرمایا کہ آپ ٹھیریں۔ اندر جا کر ایک بڑا سا چاقو لے آئے اور اس ٹوکری کے اُوپر جو ٹاٹ سلا ہؤا تھا اس کو چاقو سے ایک طرف سے کاٹ کر اپنے دونو ہاتھ اس ٹاٹ کے اندر داخل کر کے باہر نکالتے ہی فرمایا کہ یہ آپ کا حصّہ ہے۔ انہوں نے دیکھا تو وہ سبزی مائل انگور تھے۔ انہوں نے جلدی میں وہ انگور اپنے کرتے میں ہی ڈلوا لئے۔ اس کے بعد اُنہوں نے وہ پونے پانچ رُپے حضرت کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضور یہ بقایا رقم ہے صرف چار آنے خرچ ہوئے ہیں۔ اس پر حضرت نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ "ہم اپنے دوستوں سے حساب نہیں رکھا کرتے"۔ اتنا فرمایا اور ٹوکری اُٹھا کر اندر تشریف لے گئے اور انگور ان کے کرتے میں اور پونے پانچ رُپے ان کے ہاتھ میں رہ گئے۔ (انتہیٰ)

ایسے بیسیوں واقعات آئے دن ہوتے رہتے تھے جو حضرت اقدس کے قلب کی وسعت اور فیاضی

اور سیر چشمی اور حسن ظنی پر دلالت کرتے تھے +

حضرت اقدس کی حیا اور غض بصر

بات یہ تھی کہ حضرت اقدس کی فطرت میں حیا اس قدر تھی کہ اس بات سے آپ کے قلب کو سخت تکلیف ہوتی تھی کہ آپ بی بی سے یا ملازم سے یا کسی دوست سے حساب لیں کہ مبادا اس کو یہ خیال ہو کہ انہیں مجھ پر اعتبار نہیں۔ کنواری لڑکی سے بھی بڑھ کر آپ باحیا تھے۔ غض بصر اس قدر تھا کہ مرد ہو یا عورت آپ آنکھ اُٹھا کر دیکھتے نہ تھے موٹی سے موٹی سمجھ کی کام کاج کرنے والی عورتیں اس بات پر دو اور دو چار کی طرح یقین رکھتی تھی کہ حضرت کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔ ہفتوں مہینوں اندر صحن میں پھرا کریں اور عورتوں کے مجمع میں سے ہر روز کیوں نہ گزرا کریں کبھی کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی آپ کو عادت نہ تھی۔ ہمیشہ نظر بر پا دوختہ رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک زمیندار عورت نہا کر اور ایک چادر بدن کے گرد لپیٹے ہوئے گزر کر دوسری طرف جانے لگی تو کسی عورت نے کہا کہ اُدھر مرزا بیٹھا ہوا ہے تو پہلی عورت کہنے لگی کہ "او نوں کُجھ نہیں لبدا" یعنی اُسے کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ وہ یقین تھا جو ہر ایک عورت کے دل میں تھا کہ آپ کو نظر اُٹھا کر دیکھنے کی عادت ہی نہیں۔ باہر مردوں میں بھی یہی حال تھا۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ فرمایا کہ فلاں صاحب کو بلالو۔ تو وہ صاحب پہلو میں سے ہی بول پڑے کہ حضور میں تو یہ بیٹھا ہوا ہوں۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ مولوی نورالدین صاحب کو بلانے کے لئے ارشاد فرمایا تو مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کیا کہ حضور وہ تو یہ بیٹھے ہوتے ہیں۔

۱۹۰۶ء کا ذکر ہے حضرت اقدس کے مکان کے سامنے دو پٹھان چچا بھتیجہ رہتے تھے۔ درزی کا کام کرتے تھے۔ وہ ایک دن لڑ پڑے اور گالی گلوچ اور مار پیٹ تک نوبت پہنچ گئی۔ حضرت اقدس صبح سیر کیلئے تشریف لیجایا کرتے تھے۔ ان دنوں طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے زیادہ بھیڑ سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی اس لئے صرف مولوی محمد احسن صاحب امروہی اور خاکسار مؤلف بشارت احمد کو سیر میں ساتھ جانے کی اجازت تھی۔ بعد میں تو لوگ رقعے لکھ لکھ کر اجازت طلب کرتے گئے اور اپنی جبلی مروت اور حیا سے حضرت اقدس اجازت دیتے گئے۔ شدہ شدہ ساتھ ایک جم غفیر سیر کو چلنے لگا۔ خیر تو تقدیر یوں ہے کہ مولانا محمد احسن صاحب امروہی اور مَیں حضرت اقدس کے مکان کے سامنے چوک میں کھڑے حضرت کا انتظار کر رہے تھے کہ حضرت باہر نکلیں تو سیر کو چلیں کہ وہ دونو پٹھان لڑ پڑے۔ اُس دن حضرت اقدس سیر کے لئے باہر تشریف نہ لائے۔ ظہر کے وقت مسجد میں نماز کے لئے تشریف لائے تو ہم نے سیر کو نہ نکلنے کی وجہ دریافت کی تو فرمانے لگے "کہ اُن دونو پٹھانوں کے آپس میں لڑ پڑنے کی وجہ سے مجھے اس قدر شرم آئی کہ میرا دل نہ کیا کہ باہر کسی کو منہ دکھاؤں۔ میرے مرید ہو کر وہ اس طرح آپس میں لڑے

جس سے مجھے نہایت رنج پہنچا۔ اور مجھے سخت شرم آئی۔ اسی لئے باہر نہیں آیا۔"

حضرت اقدس کی خارق عادت جمعیت قلبی اور حلم و حوصلہ

حضرت اقدس کو خدا نے وہ جمعیت قلبی اور حلم اور کوہ وقاری عطا فرمائی تھی کہ آپ کے تقاضائے عمر اور دماغی محنت کا خیال کرتے ہوئے اس کا وجود اپنے اندر ایک خارق عادت رنگ رکھتا تھا۔ کیونکہ بڑھاپے میں دماغی محنت کرنے والے اشخاص کا احساس بہت نازک اور اس لئے مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے لیکن حضرت اقدس کے قلب کی جمعیت اور طمانیت اور آپکے مزاج کی برودت و سکینت دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ اور یہ امر آپ کے نفس مطمئنہ اور اعلیٰ درجہ کے قرب الٰہی پر بڑی زبردست دلیل تھا۔ آپ کے اس سکون اور جمعیت قلبی پر مَیں مولوی عبدالکریم صاحب کی تحریر یہاں درج کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ لکھتے ہیں:۔

"عجب سکون اور جمعیت باطنی اور فوق العادت وقار اور حلم ہے کہ کیسا شور اور غلغلہ برپا ہو جائے جو عموماً قلوب کو پر کاہ کی طرح اڑا دیتا اور شور اور جائے شور کی طرف خواہ نخواہ کھینچ لاتا ہے حضرت اسے ذرہ بھر بھی محسوس نہیں کرتے اور مشوش الاوقات نہیں ہوتے۔ یہی ایک حالت ہے جس کے لئے اہل مذاق تڑپتے اور سالک ہزار دست و پا مارتے اور رو رو کر خدا سے چاہتے ہیں۔ مَیں نے بہت سے قابل مصنّفوں اور لائق محرروں کو سنا اور دیکھا ہے کہ کمرہ میں بیٹھے کچھ سوچ رہے ہیں یا لکھ رہے ہیں اور ایک چڑیا اندر گھس آئی ہے۔ اُس کی چڑچڑ سے اس قدر حواس باختہ اور سراسیمہ ہوتے ہیں کہ تفکر اور مضمون سب نقش بر آب ہو گیا اُسے مارنے اور نکالنے کو یوں لپکے ہیں جیسے کوئی شیر اور چیتے پر حملہ کرتا یا سخت اشتعال دینے والے دشمن پر پڑتا ہے ایک بڑے بزرگ صوفی صاحب یا قاضی صاحب کی بڑی صفت اُن کے پیرو جب کرتے ہیں یہی کرتے ہیں کہ وہ بڑے نازک طبع ہیں اور جلد برہم ہو جاتے ہیں۔ اور تھوڑی دیر آدمی ان کے پاس بیٹھے تو گھبرا جاتے ہیں اور خود بھی فرماتے ہیں کہ میری جان پر بوجھ پڑ جاتا ہے۔ مدت ہوئی ایک مقام پر مَیں خود اُنہیں دیکھنے گیا شاید دس منٹ سے زیادہ مَیں نہ بیٹھا ہوں گا جو آپ مجھ سے فرماتے ہیں کچھ اور کام بھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ جمعیت قلب اور کوہ وقاری اور حلم اکسیر ہے جس میں ہو۔ اور یہی صفت ہے جس سے اولیاء اللہ مخصوص اور ممتاز کئے گئے ہیں۔

"مَیں نے دیکھا ہے کہ حضرت اقدس نازک سے نازک مضمون لکھ رہے ہیں یہاں تک کہ عربی زبان میں بے مثل فصیح کتابیں لکھ رہے ہیں اور پاس ہنگامۂ قیامت برپا ہے۔ بے تمیز

بچے اور سادہ عورتیں جھگڑ رہی ہیں چیخ رہی ہیں چلا رہی ہیں. یہاں تک کہ بعض آپس میں دست وگریبان ہو رہی ہیں اور پوری زنانہ کرتوتیں کر رہی ہیں مگر حضرت یوں لکھے جاتے ہیں اور کام میں یوں مستغرق ہیں کہ گویا خلوت میں بیٹھے ہیں. یہ ساری لانظیر اور عظیم الشان کتابیں - عربی - اُردو - فارسی کی ایسے ہی مکانوں میں لکھی ہیں. مَیں نے ایک دفعہ پوچھا اتنے میں حضور کو لکھنے میں یا سوچنے میں ذرا بھی تشویش نہیں ہوتی؟ مسکرا کر فرمایا "میں سنتا ہی نہیں تشویش کیا ہو اور کیونکر ہو"۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے. محمود چار ایک برس کا تھا. حضرت معمولاً اندر بیٹھے لکھ رہے تھے میاں محمود دیا سلائی لیکر وہاں تشریف لائے اور آپ کے ساتھ بچوں کا ایک غول بھی تھا پہلے کچھ دیر آپس میں کھیلتے جھگڑتے رہے۔ پھر جو کچھ دل میں آئی تو اُن مسوّدات کو آگ لگادی۔ اور آپ لگے خوش ہونے اور تالیاں بجانے۔ اور حضرت لکھنے میں مصروف ہیں۔ سر اُٹھا کر دیکھتے بھی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ اتنے میں آگ بجھ گئی اور قیمتی مسودے راکھ کا ڈھیر ہو گئے۔ اور بچوں کو کسی اور مشغلہ نے اپنی طرف کھینچ لیا. حضرت کو سیاق عبارت کے ملانے کے لئے کسی گزشتہ کاغذ کے دیکھنے کی ضرورت ہوئی۔ اِس سے پوچھتے ہیں خاموش۔ اُس سے پوچھتے ہیں۔ دبکا جاتا ہے۔ آخر ایک بچہ بول اُٹھا کہ میاں صاحب نے کاغذ جلا دیئے۔ عورتیں بچے اور گھر کے سب لوگ حیران اور انگشت بدندان کہ اب کیا ہوگا۔ اور درحقیقت عادتاً ان سب کو علی قدر مراتب بری حالت اور مکروہ نظارہ کے پیش آنے کا گمان اور انتظار تھا اور ہونا بھی چاہئے تھا. مگر حضرت مُسکرا کر فرماتے ہیں "خوب ہؤا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی مصلحت ہوگی۔ اور اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے"۔ اس موقعہ پر بھی ابنائے زمانہ کی عادات سے مقابلہ کئے بغیر ایک نکتہ چین نگاہ کو اس نظارہ سے واپس نہیں ہونا چاہئے"۔

"ایسا ہی ایک دفعہ اتفاق ہؤا۔ جن دنوں حضرت التبلیغ (یہ عربی حصّہ آئینہ کمالات اسلام کا ہے۔ ناقل) لکھا کرتے تھے مولوی نورالدین صاحب تشریف لائے۔ حضرت نے ایک بڑا بھاری دو ورقہ مضمون لکھا اور اس کی فصاحت وبلاغت خداداد پر حضرت کو ناز تھا اور وہ فارسی ترجمہ کے لئے مجھے دینا تھا مگر یاد نہ رہا۔ اور جیب میں رکھ لیا اور باہر سیر کو چل دیئے۔ مولوی صاحب اور جماعت بھی ساتھ تھی واپسی پر کہ ہنوز راستہ ہی میں تھے مولوی صاحب کے ہاتھ میں کاغذ دیدیا کہ وہ پڑھ کر عاجز راقم کو دیدیں۔ مولوی صاحب کے ہاتھ سے وہ مضمون گرگیا

واپس ڈیرہ میں آئے اور بیٹھ گئے۔ حضرت معمولاً اندر چلے گئے۔ مَیں نے کسی سے کہا کہ آج حضرت نے مضمون نہیں بھیجا اور کاتب سر پر کھڑا ہے اور ابھی مجھے ترجمہ بھی کرنا ہے۔ مولوی صاحب کو دیکھتا ہوں تو رنگ فق ہو رہا ہے۔ آپ نے نہایت بیتابی سے لوگوں کو دوڑایا کہ لیکھو پکڑیو لیکھو کا غذ راہ میں گر گیا۔ مولوی صاحب اپنی جگہ بڑے خجل اور حیران تھے کہ بڑی خفت کی بات ہے۔ حضرت کیا کہیں گے یہ عجیب ہوشیار آدمی ہے ایک کاغذ اور ایسا ضروری کاغذ بھی سنبھال نہیں سکا۔ حضرت کو خبر ہوئی معمولی ہنشاس بشاش چہرہ۔ تبسم زیر لب تشریف لائے۔ اور بڑا عذر کیا کہ "مولوی صاحب کو کاغذ کے گم ہونے سے بڑی تشویش ہوئی۔ مجھے افسوس ہے کہ اس کی جستجو میں اس قدر دوا دوا اور تگا پو کیوں کیا گیا۔ میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر ہمیں عطا فرماوے گا۔"

"برادران! ان سب باتوں کی جڑ خدائے زندہ اور قادر کی ہستی پر ایمان ہے۔ یہ ایمان ہر وقت قویٰ کو زندہ اور تازہ رکھتا اور ہر قسم کی پژمردگی اور افسردگی سے بچاتا رہتا ہے جو دنیاداروں کو بسا اوقات بڑی بڑی شرمناک حرکت پر مجبور کرتی ہے۔"

(سیرۃ مسیح موعود مؤلفہ مولوی عبدالکریم صاحبؓ)

بی بی کے ساتھ حلم اور صبر کا نمونہ حضرت اقدس نے اپنی بی بی سے کبھی کسی امر پر باز پرس نہیں کی کہ تم نے خلاف موقعہ پر میری بات کی پروا نہ کی۔ یا فلاں وقت میرے کھانے کا خیال نہ رکھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ بی بی کی فروگذاشت پر صبر اور حلم کا نمونہ ایسا خارق عادت دکھاتے تھے کہ انسان کو حیرت ہو جاتی ہے مولوی عبدالکریم صاحب کی کتاب سیرت مسیح موعودؑ سے مَیں یہاں کچھ نقل کئے دیتا ہوں۔ لکھتے ہیں:۔

"اگر کبھی کوئی خاص فرمائش کی ہے کہ وہ چیز ہمارے لئے تیار کر دو (یہ فرمائش بیماری کے موقعہ پر کوئی پرہیزی کھانا تیار کرنے کے لئے ہؤا کرتی تھی۔ ناقل) اور عین اس وقت کسی ضعف یا عارضہ کا مقتضا تھا کہ وہ چیز لازماً تیار ہی ہوتی اور اس کے انتظار میں کھانا بھی نہیں کھایا اور کبھی کبھی جو لکھنے یا توجہ الی اللہ سے نزول کیا ہے تو یاد آگیا ہے کہ کھانا کھانا ہے اور منتظر ہیں کہ وہ چیز آتی ہے آخر وقت اُس کھانے کا گزر گیا اور شام کے کھانے کا وقت آگیا ہے اُس پر بھی کوئی گرفت نہیں۔ اور جو نرمی سے پوچھا ہے اور عذر کیا گیا ہے کہ دھیان نہیں رہا تو مسکرا کر الگ ہو گئے ہیں اللہ اللہ ادنیٰ خدمتگار اور اندر کی عورتیں جو کچھ چاہتی ہیں پکاتی کھاتی ہیں اور ایسا تصرف ہے کہ گویا اپنا ہی گھر اور اثاث البیت ہے۔ اور حضرت کے کھانے کے متعلق کبھی ذہول اور تغافل

بھی ہو جائے تو کوئی گرفت نہیں۔ کبھی نرم لفظوں میں یہ بھی نہیں کہا کہ "دیکھو یہ کیا حال ہے تمہیں خوف خدا کرنا چاہئے"۔ یہ سب باتیں ہیں جو یقین دلاتی ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا سچ ہے کہ مَیں اپنے رب کے ہاں سے کھاتا اور پیتا ہوں۔ اور حضرت امام علیہ السلام بھی فرماتے ہیں :۔ ؎

من مے زیم بوحیٔ خدائے کہ بامن است ✣ پیغام اوست چوں نفسِ روح پرورم

حقیقت میں یہ اگر سچ نہ ہو تو کون تاب لا سکتا ہے اور ان فوق العادت فطرت رکھنے والے انسانوں کے سوا کس کا دل گردہ ہے کہ ایسے حالات پر قناعت کر سکے"۔

(سیرۃ مسیح موعود مؤلفہ مولوی عبدالکریم صاحب)

بیماری میں حلم اور صبر کا نمونہ بڑے بڑے حلیم مزاج اور نرم خو لوگ بیماری میں دل و دماغ ضعیف ہو جانے کی وجہ سے بدمزاج اور سخت چڑچڑے ہو جاتے ہیں کیونکہ قوت برداشت جاتی رہتی ہے لیکن حضرت اقدس کے حلم اور بردباری میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ اور یہ ایک ایسا خارق عادت امر تھا جس کی نظیر سوائے اُن لوگوں کے جو خدا کے ہی ہاتھوں سے پاک و صاف کئے جاتے ہیں اور جن کے قلوب میں خاص طور پر خدا کی طرف سے سکینت و طمانیت اتاری جاتی ہے اور کسی فرد بشر میں نظر نہیں آتی۔ مَیں یہاں مولوی عبدالکریم صاحب کی قلم سے ہی ایک واقعہ یہاں نقل کرتا ہوں۔ لکھتے ہیں :۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے آپ کو سخت درد سر ہو رہا تھا اور مَیں بھی اندر آپ کے پاس بیٹھا تھا۔ اور پاس حد سے زیادہ شور و غل برپا تھا۔ مَیں نے عرض کیا جناب کو اس شور سے تکلیف تو نہیں ہوتی۔ فرمایا ہاں اگر چپ ہو جائیں تو آرام ملتا ہے۔ مَیں نے عرض کیا تو جناب کیوں حکم نہیں کرتے۔ فرمایا "آپ ان کو نرمی سے کہہ دیں مَیں تو کہہ نہیں سکتا"۔ بڑی بڑی سخت بیماریوں میں الگ ایک کوٹھڑی میں پڑے ہیں اور ایسے خاموش پڑے ہیں کہ گویا مزہ میں سوئے ہیں۔ کسی سے گلہ نہیں کہ تو نے ہمیں کیوں نہیں پوچھا۔ اور تو نے ہمیں پانی نہیں دیا۔ اور تو نے ہماری خدمت نہیں کی"۔

"مَیں نے دیکھا ہے کہ ایک شخص بیمار ہوتا ہے اور تمام تیمار دار اس کی بدمزاجی اور چڑچڑے پن سے اور بات بات پر بگڑ جانے سے پناہ مانگ اُٹھتے ہیں ...... برخلاف اس کے سالہا سال سے دیکھا اور سُنا ہے کہ جو طمانیت اور جمعیت اور کسی کو بھی آزار نہ دینا حضرت کے مزاج مبارک کو صحت میں حاصل ہے۔ وہی سکون حالت بیماری میں بھی ہے اور جب بیماری سے

افاقہ ہؤا معًا وہی خندہ روئی اور کشادہ پیشانی اور پیار کی باتیں۔ مَیں بسا اوقات عین اسوقت پہنچا ہوں جبکہ ابھی سر درد کے لمبے اور سخت دورہ سے آپ کو افاقہ ہؤا ہے۔ آنکھیں کھولکر میری طرف دیکھا ہے تو مسکرا کر دیکھا ہے۔ اور فرمایا ہے "اب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے"۔ اسوقت مجھے ایسا معلوم ہؤا کہ گویا آپ کسی بڑے عظیم الشان دلکشا نزہت افزا باغ کی سیر سے واپس آئے ہیں۔ جو یہ چہرہ کی رنگت اور چمک دمک اور آواز میں خوشی اور لذت ہے۔ مَیں ابتدائے حال میں ان نظاروں کو دیکھ کر بڑا حیران ہوتا تھا اس لئے کہ مَیں اکثر بزرگوں اور حوصلہ اور مردانگی کے مدعیوں کو دیکھ چکا تھا کہ بیماری میں کیا چولہ بدل لیتے ہیں اور بیماری کے بعد کتنی کتنی مدت تک ایسے سڑیل ہوتے ہیں کہ الامان۔ کسی کی تقصیر آئی ہے جو بھلے کی بات منہ سے نکال بیٹھے۔ بال بچے بیوی دوست کسی اورپرے کو دور ہی سے اشارہ کرتے ہیں کہ دیکھنا کالا ناگ ہے نزدیک آنا۔ اصل بات یہ ہے کہ بیماری میں بھی ہوش حواس اور ایمان اُسی کا ٹھکانے رہتا ہے جو صحت کی حالت میں مستقیم الاحوال ہو......حقیقت میں ایمان اور عرفان اور استقامت کے پرکھنے کے لئے بیماری بڑا بھاری معیار ہے جیسے سکر اور خواب میں بڑبڑانا اور خواب دیکھنا حقیقی تصویر انسان کی دکھا دیتا ہے۔ بیماری بھی مومن اور کافر اور دلیر اور بددل کے پرکھنے کے لئے ایک کسوٹی ہے بڑا مبارک ہے وہ جو صحت کی حالت میں جوش اور جذبات نفس کی باگ کو ہاتھ سے نکلنے نہیں دیتا"۔ (سیرت مسیح موعودؑ مؤلفہ مولوی عبدالکریم صاحب)

بچوں کے ساتھ صبر اور حلم

بچوں کے ساتھ آپ کے حوصلہ اور حلم کا ایک نظارہ مولوی عبدالکریم صاحب پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"حضرت کا حوصلہ اور حلم یہ ہے کہ مَیں نے سینکڑوں مرتبہ دیکھا ہے کہ آپ اوپر دالان میں تنہا بیٹھے لکھ رہے ہیں یا فکر کر رہے ہیں اور آپ کی قدیمی عادت ہے کہ دروازے بند کر کے بیٹھا کرتے ہیں۔ ایک لڑکے نے زور سے دستک بھی دی اور منہ سے بھی کہا ہے کہ ابّا بوا (دروازہ) کھول۔ آپ وہیں اُٹھے ہیں اور دروازہ کھولا ہے۔ کم عقل بچہ اندر گھسا ہے اور اِدھر اُدھر جھانک تانک کر اُلٹے پاؤں نکل گیا ہے۔ حضرت نے پھر معمولاً دروازہ بند کر لیا ہے۔ دو ہی منٹ گزرے ہوں گے جو پھر موجود۔ اور زور زور سے دھکے دے رہے ہیں اور چلا رہے ہیں ابّا بوا کھول۔ آپ بڑے اطمینان سے اور جمعیت سے اُٹھے ہیں اور دروازہ کھول دیا ہے۔ بچہ اب کی دفعہ بھی اندر نہیں گھسا۔ ذرا سر ہی اندر کر کے اور کچھ منہ میں بڑبڑا کے پھر اُلٹا بھاگ جاتا ہے۔ حضرت

بڑے ہشاش بشاش بڑے استقلال سے دروازہ بند کر کے اپنے نازک اور ضروری کام پر بیٹھ جاتے ہیں۔ کوئی پانچ ہی منٹ گزرے ہیں تو پھر موجود۔ پھر وہی گرما گرمی اور شوراشوری کہ ابّا بُوا کھول۔ اور آپ اُٹھ کر اسی وقار اور سکون سے دروازہ کھول دیتے ہیں۔ اور منہ سے ایک حرف تک نہیں نکالتے کہ تو کیوں آتا اور کیا چاہتا ہے اور آخر تیرا مطلب کیا ہے جو بار بار ستاتا اور کام میں حرج ڈالتا ہے۔ مَیں نے ایک دفعہ گنا کوئی بیس۲۰ دفعہ ایسا کیا۔ اور ان ساری دفعات میں ایک دفعہ بھی حضرت کے منہ سے زجر اور توبیخ کا کلمہ نہیں نکلا......

"بارہا مَیں نے دیکھا ہے اپنے اور دوسرے بچّے آپ کی چارپائی پر بیٹھے ہیں اور آپ کو مضطر کر کے پائنتی پر بٹھا دیا ہے اور اپنے بچپنے کی بولی میں مینڈک اور کوّے اور چڑیا کی کہانیاں سُنا رہے ہیں اور گھنٹوں سنائے جارہے ہیں، اور حضرت ہیں کہ بڑے مزہ سے سُنے جا رہے ہیں۔ گویا کوئی مثنوی ملائے روم سنا رہا ہے۔ حضرت بچوں کو مارنے اور ڈانٹنے کے سخت مخالف ہیں۔ بچے کیسے ہی بسوریں شوخی کریں۔ سوال میں تنگ کریں اور بیجا سوال کریں۔ اور ایک موہوم اور غیر موجود شے کے لئے حد سے زیادہ اصرار کریں۔ آپ نہ تو کبھی مارتے ہیں۔ نہ جھڑکتے ہیں اور نہ کوئی خفگی کا نشان ظاہر کرتے ہیں۔ محمود کوئی تین برس کا ہوگا آپ لدھیانہ میں تھے۔ میں بھی وہیں تھا۔ گرمی کا موسم تھا۔ مردانہ اور زنانہ میں ایک دیوار حائل تھی۔ آدھی رات کا وقت ہوگا جو مَیں جاگا اور مجھے محمود کے رونے اور حضرت کے اِدھر اُدھر کی باتوں میں بہلانے کی آواز آئی۔ حضرت اُسے گود میں لئے پھرتے تھے اور وہ کسی طرح چپ نہیں ہوتا تھا۔ آخر آپ نے کہا دیکھو محمود وہ کیسا تارا ہے۔ بچّے نے نئے مشغلہ کی طرف دیکھا اور ذرا چپ ہوا۔ پھر وہی رونا اور چلّانا اور یہ کہنا شروع کر دیا "ابّا تارے جانا"۔ کیا مجھے مزہ آیا اور پیارا معلوم ہوا آپ کا اپنے ساتھ یوں گفتگو کرنا۔ "یہ اچھا ہوا۔ ہم نے تو ایک راہ نکالی تھی۔ اس نے اُس میں بھی اپنی ضد کی راہ نکالی"۔ آخر بچہ روتا روتا خود ہی جب تھک گیا چپ ہو گیا مگر اس سارے عرصہ میں ایک لفظ بھی سختی کا یا شکایت کا آپ کی زبان سے نہ نکلا"۔ (سیرت مسیح موعود مؤلفہ مولوی عبدالکریم صاحب)

نوکروں کے ساتھ صبر اور حلم

نوکروں کے ساتھ بھی آپ کا صبر اور حلم اپنے اندر ایک خارق عادت رنگ رکھتا تھا اس کے متعلق بھی مَیں مولوی عبدالکریم صاحب کی کتاب سیرت مسیح موعود سے کچھ تھوڑا سا نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ لکھتے ہیں:-

"مَیں نے بچوں کا ذکر کیا ہے۔ عام خدمتگار عورتوں کی نسبت بھی آپ کا یہی رویّہ ہے۔ کئی کئی دفعہ

ایک آتی اور مطلوب چیز مانگتی ہے اور پھر پھر اس چیز کو مانگتی ہے۔ ایک دفعہ بھی آپ نہیں فرماتے کہ کم بخت کیوں دق کرتی ہے جو کچھ لینا ہے ایک ہی دفعہ کیوں نہیں لے لیتی......"

"کوئی نوکر گو کتنا بڑا نقصان کرے آپ معاف کر دیتے اور معمولی چشم نمائی بھی نہیں کرتے حامد علی کو کچھ لفافے اور کارڈ ڈاک خانہ میں ڈالنے کو دیئے۔ فراموش کار حامد علی کسی اور کام میں مصروف ہو گیا اور اپنے مفوض کام کو بھول گیا۔ ایک ہفتہ کے بعد محمود جو ہنوز بچہ تھا کچھ لفافے اور کارڈ لئے دوڑا آیا کہ ابا ہم نے کوڑے کے ڈھیر سے خط نکالے ہیں۔ آپ نے دیکھا تو وہی خط تھے جن میں بعض رجسٹرڈ خط تھے اور آپ اُن کے جواب کے منتظر تھے۔ حامد علی کو بلوایا اور خط دکھا کر بڑی نرمی سے صرف اتنا ہی کہا۔ حامد علی تمہیں نسیان بہت ہو گیا ہے فکر سے کام کیا کرو۔"

ایک مرتبہ حکیم فضل الدین صاحب بھیروی جو مہتمم لنگر خانہ تھے روٹی پکانے والے کو پکڑ کر حضرت اقدس کی خدمت میں لے آئے اور عرض کیا کہ یہ شخص لنگر کی روٹیاں چراتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ:-

"حکیم صاحب۔ وہ آپ کی طرح متقی ہوتا تو خدا اسے اس گرمی میں دوزخ (یعنی تنور) کے اوپر نہ بٹھاتا۔ غور کرو وہ ایک روٹی پکانے کے دوران میں دو مرتبہ آگ میں گھستا ہے۔ ایک مرتبہ لگانے کیلئے دوسری مرتبہ اتارنے کیلئے۔ ایسے لوگوں سے اعلیٰ اخلاق کی توقع رکھنا عبث ہے۔ اُسے تنبیہ کردو اور عفو اور چشم پوشی سے کام لو۔"

درگزر اور عفوِ خطا درگزر اور عفو خطا تو حضرت اقدس کی طبیعت کا جزو تھا۔ سخت سے سخت دشمن نے بھی اگر معافی مانگی ہے تو فوراً معاف کر دیا ہے اور نوکروں اور دوستوں کی فروگزاشت پر چشم پوشی اور عفو کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ ایک دفعہ کوئی مقدمہ تھا حضرت نے ایک شخص کو متعین فرمایا وہ عدالت میں گئے تو سہی لیکن دیر تک بلاوا نہ ہوا۔ یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت آگیا۔ اُنہوں نے صحن عدالت سے باہر کہیں نماز پڑھنی شروع کر دی۔ اِدھر اُنہوں نے نماز شروع کی اور اُدھر عدالت سے آواز پر آواز آنے لگی۔ یہ نماز میں مصروف رہے۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر عدالت کی طرف رُخ کیا تو معلوم ہوا کہ بوجہ عدم حاضری یک طرفہ فیصلہ ہو چکا ہے۔ ان کو بہت ندامت ہوئی کہ حضرت کیا کہیں گے۔ اسی پریشانی کی حالت میں قادیان آئے۔ دل میں بہت ڈر رہے تھے کہ حضرت ملیں گے تو میں کیا کہوں گا قصہ مختصر یہ کہ "حضرت اقدس تشریف لائے۔ انہوں نے فی الفور شرمندگی کا اظہار کرنا شروع کر دیا کہ حضرت کیا کہوں میں نماز پڑھنے لگ گیا اور" ابھی اُنہوں نے فقرہ ختم بھی نہیں کیا تھا کہ حضرت نے مسکرا کر فرمایا۔ "اچھا اچھا میں سمجھ گیا۔ فکر کی کچھ بات نہیں۔ جو کچھ ہوا خوب ہوا۔ ہم کو پہلے ہی الہام ہو چکا ہے۔ الخیر فیما وقع۔"

گنوار عورتوں سے آپکا نیک سلوک اور طبی امداد

آپ کے پاس قادیان اور اس کے اردگرد کے دیہات کی گنوار اور غریب عورتیں اکثر علاج اور دوا کے لئے آجاتی تھیں۔ اور آپ نے اسی لئے بہت سی دوائیں منگا کر رکھی ہوئی تھیں جو غریب مردوں اور عورتوں کو اُن کی بیماری میں آپ مفت دیتے رہتے تھے اور آپ کا یہ فیض دوست دشمن مسلمان ہندو سب پر حاوی تھا۔ قادیان کے بڑے بڑے دشمن آریہ بیمار ہوتے تو آدھی آدھی رات کو آپ کو جگاتے اور آپ سے مفت دوا لیجاتے۔ گنوار اور غریب عورتیں آتیں اور آپ سے علاج کرواتیں۔ مفت دوا لیجاتیں اور آپ ان باتوں سے کبھی نہ تھکتے۔ اور کبھی کسی کو یہ نہیں کہا کہ یہ دوا قیمتی ہے مفت نہیں دیجا سکتی یا میرے پاس دوا موجود نہیں۔ ان باتوں میں آپ کے دل نے کبھی بھی بخل نہیں کیا۔ اس جگہ میں مولوی عبدالکریم صاحب کی سیرت مسیح موعود سے کچھ تھوڑا سا نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ فرماتے ہیں:-

"بعض اوقات، دوا درمن پوچھنے والی گنواری عورتیں زور سے دستک دیتی ہیں۔ اور اپنی سادہ اور گنواری زبان میں کہتی ہیں "مِرجا جی بُوا کھولو تاں" (یعنی مرزا جی ذرا دروازہ تو کھولو۔ ناقل) حضرت اس طرح اُٹھتے ہیں جیسے مطاع ذی شان کا حکم آیا ہے۔ اور کشادہ پیشانی سے باتیں کرتے اور دوا بتاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں وقت کی قدر پڑھی ہوئی جماعت کو بھی نہیں تو پھر گنوار تو اور بھی وقت کے ضائع کرنیوالے ہیں۔ ایک عورت بے معنی بات چیت کرنے لگ گئی ہے اور اپنے گھر کا رونا اور ساس نند کا گلہ شروع کر دیا ہے اور گھنٹہ بھر اسی میں ضائع کر دیا ہے۔ آپ وقار اور تحمل سے بیٹھے سن رہے ہیں۔ زبان سے یا اشارہ سے اس کو کہتے نہیں کہ بس اب جاؤ دوا پوچھ لی اب کیا کام ہے ہمارا وقت ضائع ہوتا ہے۔ وہ خود ہی گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوتی اور مکان کو اپنی ہوا سے پاک کرتی ہے۔ ایک دفعہ بہت سی گنواری عورتیں بچوں کو لیکر دکھانے آئیں اتنے میں اندر سے بھی چند خدمتگار عورتیں شربت شیرہ کے برتن ہاتھوں میں لئے آنکلیں۔ اور آپ کو دینی ضرورت کے لئے ایک بڑا اہم مضمون لکھنا تھا اور جلد لکھنا تھا۔ میں بھی اتفاقاً جا نکلا۔ کیا دیکھتا ہوں حضرت کمربستہ اور مستعد کھڑے ہیں جیسے کوئی یورپین اپنی دنیوی ڈیوٹی پر چست اور ہوشیار کھڑا ہوتا ہے اور پانچ چھ صندوق کھول رکھے ہیں اور چھوٹی چھوٹی شیشیوں اور بوتلوں میں سے کسی کو کچھ اور کسی کو کوئی عرق دے رہے ہیں اور کوئی تین گھنٹے تک یہی بازار لگا رہا اور ہسپتال جاری رہا۔ فراغت کے بعد میں نے عرض کیا حضرت یہ تو بڑی زحمت کا کام ہے اور اس طرح بہت سا قیمتی وقت ضائع جاتا ہے۔" اللہ اللہ کس نشاط اور طمانیت

سے مجھے جواب دیتے ہیں کہ یہ بھی تو ویسا ہی دینی کام ہے۔ یہ مسکین لوگ ہیں۔ یہاں کوئی ہسپتال نہیں۔ میں ان لوگوں کی خاطر ہر طرح کی انگریزی اور یونانی دوائیں منگوا رکھتا ہوں۔ جو وقت پر کام آجاتی ہیں۔ اور فرمایا یہ بڑا ثواب کا کام ہے۔ مومن کو ان کاموں میں سست اور بے پروا نہ ہونا چاہیئے۔"

حضرت اقدس کی زوجہ محترمہ آپ کی معتقد اور مرید تھیں

کسی شخص کی نیکی اور صداقت کی رازدار جیسی اس کی بیوی ہوتی ہے اور کوئی نہیں ہوتا۔ ایک انسان باہر مردوں میں اپنے تصنع اور بناوٹ میں ایک وقت تک ممکن ہے کہ کامیاب ہو جائے لیکن اپنے گھر کے اندر اس کی بناوٹ باقی نہیں رہ سکتی۔ وہاں وہ اپنی اصلی شکل میں نمایاں ہوتا ہے۔ اس لئے بی بی سے اُس کی کوئی بناوٹ اور چالاکی پنہاں نہیں ہوتی۔ پس کسی مدعیٔ ماموریت کی بی بی کا سچے دل سے اس کی صداقت پر ایمان لانا اسکی صداقت اور اخلاص کا بڑا بھاری ثبوت ہوا کرتا ہے۔ میں یہاں مولوی عبد الکریم صاحب کی سیرت مسیح موعود سے کچھ تھوڑا سا نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ لکھتے ہیں:۔

"حضرت کی زوجۂ محترمہ آپ سے بیعت ہیں اور آپ کے منجانب اللہ ہونے پر صدق دل سے ایمان رکھتی ہیں۔ سخت سے سخت بیماریوں اور اضطراب کے وقتوں میں جیسا اعتماد انہیں حضرت کی دعا پر ہے کسی چیز پر نہیں۔ وہ ہر بات میں حضرت کو صادق و مصدوق مانتی ہیں۔ ...... میرا اعتقاد ہے کہ شوہر کے نیک و بد اور اس کے مکار اور فریبی یا راستباز اور متقی ہونے سے عورت خوب آگاہ ہوتی ہے۔ حقیقت میں ایسے خلا ملا کے رفیق سے کونسی بات مخفی رہ سکتی ہے۔ میں ہمیشہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بڑی محکم دلیل سمجھا اور مانا کرتا ہوں آپ کے ہم عمر اور محرم راز دوستوں اور ازواج مطہرات کے آپ پر صدق دل سے ایمان لانے اور اس پر آپ کی زندگی میں اور موت کے بعد پورے ثبات اور وفاداری سے قائم رہنے کو ...... اسی طرح میں دیکھتا ہوں حضرت اقدس کو آپ کی بی بی صاحبہ صدق دل سے مسیح موعود مانتی ہیں اور آپ کی تبشیرات سے خوش ہوتی اور انذارات سے ڈرتی ہیں۔ غرض اس برگزیدہ ساتھی کو برگزیدۂ خدا سے سچا تعلق اور پورا اتفاق ہے اور علیٰ ہذا جتنا جتنا آپ کا کوئی گہرا دوست اور واقف کار جلیس ہے وہ اُسی اندازہ پر آپ کی راستی کا قائل ہے اور جتنا دراز عرصہ کوئی آپ کی خدمت میں رہے وہ محبت اور نیک گمان میں دوسروں کی نسبت بہت زیادہ ترقی کر جاتا ہے۔"

مریدوں کو بیبیوں اور اپنے اعزا سے نیک سلوک کی تعلیم

حضرت اقدس کی اپنے مریدوں کو بھی یہی تعلیم تھی کہ اپنی بیبیوں اور اپنے اعزا سے بہتر سے بہتر سلوک کیا جائے۔ اگر آپ کا کوئی مرید اپنی بی بی سے بدسلوکی کرتا تو آپ کو بہت رنج ہوتا۔ ایک مرتبہ ابتدائی زمانہ میں مولوی عبد الکریم صاحب نے اپنی چھوٹی بی بی کو کسی وجہ سے سخت سُست کہا اور اُن کی غصّہ بھری زوردار آواز حضرت اقدس نے بھی نیچے اپنے مکان میں سُنی۔ آپ کو بہت رنج ہوا۔ اُسی شب کو حضرت کو یہ الہام ہوا کہ "یہ طریق اچھا نہیں۔ اس سے روک دیا جائے مسلمانوں کے لیڈر عبد الکریم کو"۔ لطیفہ یہ ہوا کہ صبح مولوی عبد الکریم صاحب تو اپنی اس حرکت پر شرمندہ تھے۔ اور لوگ اُنہیں مبارکبادیں دے رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کا نام "مسلمانوں کا لیڈر" رکھا ہے۔

ایک مرتبہ دوستوں کو بی بی سے نیک سلوک کا وعظ کرتے ہوئے ایک نکتہ بیان فرمایا کہ قرآن کریم میں حکم ہے کہ یطعمون الطعام علیٰ حبّہٖ مسکیناً و یتیماً و اسیراً کہ خدا کے نیک بندے اللہ کی محبت کے ماتحت مسکینوں اور یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ فرمایا بی بی میں تو یہ تینوں حالتیں ایک جگہ جمع نظر آتی ہیں۔ بی بی سے بڑھ کر مسکین کون ہو سکتا ہے جس کے ذرائع خورد و نوش سارے شوہر پر مبنی ہیں۔ یتیم وہ اس طرح ہے کہ اس کے والدین سے الگ کرکے اُسے شوہر لے آیا۔ اسیر وہ اس طرح ہے کہ شوہر کے قیدِ نکاح میں اسیر ہے۔ بغیر اس کی مرضی کے نہ کہیں آ سکتی ہے نہ جا سکتی ہے۔ پس بی بی میں تو وہ تینوں حالتیں جمع ہیں جو اگر فرداً فرداً کسی شخص واحد میں ہوں تو وہ مستحق رحم و ہمدردی ٹھیرتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ بی بی کس قدر رحم و ہمدردی کی مستحق ہے۔

ایک مرتبہ حکیم فضل دین صاحب بھیروی نے اپنی چھوٹی بی بی کو اُن کی سخت کلامی کی وجہ سے ایک طمانچہ مار دیا۔ اُن بی بی نے حضرت اقدس کے پاس جاکر شکایت کی۔ آپ نے حکیم صاحب کو رقعہ لکھا کہ یہ طریق ٹھیک نہیں۔ اس پر حکیم صاحب نے جو بہت بڑے عالم تھے۔ قرآن کریم کی آیت لکھ کر بھیج دی۔ فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن (پس اُن کو نصیحت کرو اور خوابگاہوں میں علیحدگی اختیار کرو۔ اور ان کو مارو (النسآء)) حضرت اقدس نے جواب میں لکھ بھیجا کہ عورت کی نافرمانی اور درشت کلامی اور جھگڑے اور بے حیائی اور فحشا پر یہاں تین طریق اصلاح کے بیان فرمائے ہیں۔ اول نصیحت کرنا۔ دوم خوابگاہوں میں علیحدگی۔ سوم مارنا۔ ظاہر ہے کہ یہ مختلف طبائع اور مختلف قسم کے قصوروں کے لئے تین طریق اصلاح کے ہیں۔ اور مارنا آخری صورت اصلاح کی ہے۔ یعنی جب کسی صورت سے اصلاح نہ ہو اور درحقیقت سب سے بڑے جرم فحشا اور بے حیائی پر ایسا کرنے

کا حکم ہے۔ لیکن قرآن نے ساتھ ہی یہ بھی تو حکم دیا ہے کہ واتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم۔ (الزمر) کہ تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا ہے اس میں سے جو سب سے بہتر بات ہو اُس کی پیروی کرو۔ آپ کو چاہئے تھا کہ سب سے بہتر بات فعظوھن کی پیروی کرتے اور وعظ و نصیحت سے کام لیتے نہ کہ مارنے کے حکم کو لیتے جو خاص حالات کے لئے ہے نہ کہ جوش نفس سے بے اختیار ہو کر عمل کرنے کے لئے۔ [1]

اسی طرح جو لوگ آپ کے مرید ہوتے اور ان کے والدین اور رشتہ دار اگر مخالف ہوتے تو آپ اُنہیں تاکید فرماتے کہ خواہ وہ کتنی بھی بدسلوکی سے تمہارے ساتھ پیش آئیں تم اپنی جگہ اُن سے نیک سلوک کرو۔ بعض لوگوں نے آپ کی بیعت کرنے کے بعد آپ کے وعظ و نصائح سے متاثر ہو کر اپنے اعزّا و اقربا کے حقوق اُنہیں واپس دیئے جنہیں وہ غصب کئے بیٹھے تھے۔ حالانکہ یہ اعزّا و اقربا بوجہ اُن کے احمدی ہونے کے ان کے سخت مخالف تھے۔

بچوں کے ساتھ نیک سلوک کی تعلیم

مَیں ذکر کر چکا ہوں کہ بچوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ نہایت مشفقانہ اور ہمدردانہ ہوا کرتا تھا۔ اور ان کے بیجا سوالات اور ضد اور شرارتوں سے آپ قطعاً دق نہ ہوتے تھے بلکہ نہایت صبر اور حوصلہ سے برداشت کرکے اُنہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس کے متعلق مَیں مولوی عبد الکریم صاحب کی کتاب سیرت مسیح موعود میں سے کچھ تھوڑا سا نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ مولوی صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

"حضرت بچوں کو سزا دینے کے سخت مخالف ہیں۔ مَیں نے بارہا دیکھا ہے کہ ایسا کسی چیز پر برہم نہیں ہوتے جیسے جب سُن لیں کہ کسی نے بچہ کو مارا ہے۔ یہاں ایک بزرگ نے ایک دفعہ اپنے لڑکے کو عادتاً مارا تھا۔ حضرت بہت متاثر ہوئے اور اُنہیں بلا کر بڑی دردانگیز تقریر فرمائی فرمایا "میرے نزدیک بچوں کو یوں مارنا شرک میں داخل ہے۔ گویا بدمزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیت میں اپنے تئیں حصہ دار بنانا چاہتا ہے۔ فرمایا۔ ایک جوش والا آدمی جب کسی بات پر سزا دیتا ہے۔ اشتعال میں بڑھتے بڑھتے ایک دشمن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور جرم کی حد سے سزا میں کوسوں تجاوز کر جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص خوددار اور اپنے نفس کی باگ کو قابو سے نہ دینے والا اور پورا متحمل اور بردبار اور باسکون اور باوقار ہو تو اسے البتہ پہنچتا ہے کہ کسی وقت مناسب پر کسی حد تک بچہ کو سزا دے یا چشم نمائی کرے۔ مگر مغلوب الغضب اور سبک سر اور

[1] یہ واقعہ خاکسار مؤلف کو خود حکیم فضل دین صاحب نے سنایا تھا (مؤلف)

طائش العقل ہرگز سزاوار نہیں کہ بچّوں کی تربیت کا متکفل ہو۔" فرمایا "جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے کاش دعا میں لگ جائیں اور بچوں کے لئے سوز دل سے دعا کرنے کو ایک حزب مقرر کرلیں۔"

آپ نے اُس زمانہ میں جبکہ اسکولوں میں اُستاد لڑکوں کو مارا کرتے تھے ہدایت بھیجدی تھی کہ ہمارے مدرسہ میں جس اُستاد کو مارنے کی عادت ہو اور وہ اپنے اس ناسزا فعل سے باز نہ آتا ہو اُسے موقوف کر دو۔

بچوں کے ساتھ یہاں تک نیک سلوک تھا کہ ان کی طفلانہ باتیں ناگوار خاطر نہیں ہوا کرتی تھیں جاڑے کا موسم تھا۔ میاں محمود احمد صاحب اس وقت بچّہ تھے۔ آپ کی واسکٹ کی جیب میں انہوں نے ایک بڑی اینٹ ڈال دی۔ آپ جب لیٹتے تو وہ اینٹ چبھتی۔ مولوی عبد الکریم صاحب فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میری موجودگی میں حامد علی سے فرمانے لگے۔ حامد علی چند روز سے ہماری پسلی میں درد ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی چیز چبھتی ہے۔ وہ حیران ہؤا اور آپ کے جسد مبارک پر ہاتھ پھیرنے لگا اور آخر اس کا ہاتھ اینٹ سے جا لگا۔ جھٹ جیب سے نکال لی۔ اور عرض کیا یہ اینٹ تھی جو چبھتی تھی۔ مسکرا کر فرمایا "او ہو چند روز ہوئے محمود نے میری جیب میں ڈالی تھی اور کہا تھا اسے نکالنا نہیں میں اس سے کھیلونگا"

بچّوں کی پرورش میں بھی رضاء الٰہی مدنظر تھی

آپ کا ہر ایک کام خدا کی رضا کے لئے تھا۔ آپ بچّوں کی پرورش بھی خدا کی رضا کے لئے کرتے تھے۔ مولانا عبد الکریم صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

آپ بچّوں کی خبر گیری اور پرورش اس طرح کرتے ہیں کہ ایک سرسری دیکھنے والا گمان کرے کہ آپ سے زیادہ اولاد کی محبت کسی کو نہ ہوگی۔ اور بیماری میں اس قدر توجہ کرتے ہیں اور تیمارداری اور علاج میں ایسے محو ہوتے ہیں کہ گویا اور کوئی فکر ہی نہیں۔ مگر باریک بین دیکھ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور خدا کے لئے اس ضعیف مخلوق کی رعایت اور پرورش مدنظر ہے۔ آپ کی پہلوٹی بیٹی عصمت لدھیانہ میں ہیضہ سے بیمار ہوئی آپ اس کے علاج میں یوں دوا دوی کرتے کہ گویا بغیر اس کے زندگی محال ہے۔ اور ایک دنیادار دنیا کی عرف اصطلاح میں اولاد کا بھوکا اور شیفتہ اس سے زیادہ جانکاہی کر نہیں سکتا۔ مگر جب وہ مرگئی آپ یوں الگ ہو گئے کہ گویا کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ اور جب سے کبھی ذکر تک نہیں کیا کہ کوئی لڑکی تھی۔ یہ مصالحت اور مسالمت خدا کی قضاء و قدر سے بجز منجانب اللہ لوگوں کے ممکن نہیں۔"

(سیرت مسیح موعود مؤلفہ مولوی عبد الکریم صاحب)

خواجہ کمال الدین مرحوم ایک دفعہ ذکر کرتے تھے کہ حضرت اقدس کا صاحبزادہ مبارک احمد جب مرض الموت سے بیمار تھا تو حضرت اقدس اس کی تیمارداری میں اس تن دہی سے مصروف تھے اور اس کے علاج میں اس قدر دوڑ دھوپ آپ نے کی کہ میرے دل پر یہ امر گراں گزرا کہ خدا کے مامور کو اس بچہ کی محبت میں اس قدر شغف کیوں ہے۔ لیکن جب مبارک احمد کی وفات پر آپ اس بچہ سے اس طرح الگ ہو گئے جیسے آپ کو اس سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اور اُسی وقت دوستوں کو خط لکھنا شروع کر دیا کہ مبارک احمد کی وفات سے خدا کی باتیں پوری ہوئیں اور جیسا کہ اُس کی پیدائش کے وقت مجھے بتلایا گیا تھا کہ یہ جلد اپنے رب کی طرف واپس جانے والا ہے۔ ایسا ہی ہؤا۔ اس لئے جہاں مبارک احمد کی جدائی سے افسوس ہے وہاں خدا کی بات پُوری ہونے سے خوشی ہے۔ اس کے بعد قبرستان جا کر وہاں آپ نے دوستوں کے سامنے صبر جمیل اور رضا بالقضا پر ایسی پُرحکمت اور لطیف تقریر فرمائی کہ ایمان اور معرفت میں بیحد ترقی ہوئی۔ اُس وقت مجھے سمجھ آئی کہ یہ خدا کے برگزیدے جو کچھ بھی کرتے ہیں اس میں خدا کی رضا ہی مدنظر ہوتی ہے۔ بچہ کی بیماری میں اس کی خدمت کرنا اور اس کے علاج میں پوری کوشش کرنا خدا کے حکم کے ماتحت ایک باپ کا فرض منصبی ہے جسے مقربین الٰہی بدرجۂ اولیٰ بجالاتے ہیں۔ اور بچہ کی وفات پر خدا کی تقدیر سے راضی رہنا یہ فانی فی اللہ لوگوں کی علامت ہے۔ سو وہ دونو پہلو حضرت اقدس نے نہایت اعلیٰ پیمانہ پر پورے کرکے دکھلائے۔

آپ کی راستبازی اور بچوں کی تربیت کا اعلیٰ نمونہ

یہاں مَیں ہر ایک باپ کیلئے ایک نہایت سبق آموز واقعہ حضرت اقدس کا بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ صاحبزادہ مبارک احمد کئی روز سے بخار سے بیمار تھا سبھی بچے پیارے ہوتے ہیں مگر مبارک احمد تو بہت ہی پیارا بچہ تھا۔ اور بیماری میں ماں باپ کی شفقت بیمار بچہ سے اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ مبارک احمد ضد کر رہا تھا کہ مَیں نے ملائی کی برف کھانی ہے۔ اور وہ بخار میں دینی نہ تھی۔ ملائی کی برف کی جگہ اسے سادہ برف دیتے تھے اور اُس کے بہلانے کے لئے کہتے تھے کہ یہی ملائی کی برف ہے مگر وہ مانتا نہ تھا۔ آخر حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی گئی کہ آپ مبارک احمد کو برف دیکر کہہ دیں کہ یہی ملائی کی برف ہے۔ اُسے آپ کی بات پر بہت اعتبار ہؤا کرتا ہے مان جائے گا۔ حضرت صاحب مبارک احمد کے پاس تشریف لے گئے۔ اور فرمایا "مبارک احمد یہ لو برف! تم اس وقت اسے ہی ملائی کی برف سمجھ لو" اُس نے کہا کہ نہیں۔ مَیں نے ملائی کی برف ہی کھانی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تم اس وقت اس برف کو ہی ملائی کی برف سمجھ لو۔ غرضیکہ بچہ ضد کرتا رہا مگر آپ نے ایک دفعہ بھی پسند نہیں کیا کہ بچہ کو دھوکا دیا جائے۔

کہ یہ برف نہیں۔ بلکہ ملائی کی برف ہے۔ بیمار بچہ کو ضد کرتے وقت غلط بیانی کر کے بہلا لینے میں بڑے بڑے محتاط لوگ ہرج نہیں سمجھتے۔ لیکن آپ کی کمال درجہ کی راستبازی نے ایسے نازک موقعہ پر بھی جائز نہ سمجھا کہ آپ بچہ کے سامنے غلط بیانی کریں۔ دوسرے تربیت اطفال کا یہ بہترین نمونہ آپ نے پیش کیا۔ بچہ کے سامنے جھوٹ بولنا اس سے جھوٹے وعدے کرنا یا اُسے دھوکا دیدینا خواہ وہ کتنی ہی نیک نیتی سے ہی کیوں نہ ہو درحقیقت بچہ کے اخلاق کو تباہ کر دینا ہے۔ اس طرح وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اپنا مطلب نکالنے کے لئے جھوٹ بولنا یا دھوکا دینا کچھ بُری بات نہیں۔ اور یہ اس کے اخلاق کے لئے سمِّ قاتل ہے۔ دوسرا باپ ہوتا تو وہ شفقت کے جوش میں اپنے بیٹے کو بہلانے کے لئے کہہ دیتا کہ بیٹا یہی ملائی کی برف ہے۔ لیکن آپ نے بیٹے کی شفقت پر خدا کی رضا کو مقدم کیا اور آپ کی راستی پسند طبیعت نے اتنی غلط بیانی کو بھی گوارا نہ کیا جو ایک بچے کو بہلانے کے لئے عام طور پر ماں باپ کر لیا کرتے ہیں۔

لوگوں سے معاملات میں آپکے اخلاق فاضلہ

مساوات اسلامی کا پورا پورا نمونہ اور شہرت اور کبر نفس سے نفرت

وہ مساوات اسلامی جس پر مسلمان فخر کرتے ہیں اس کا پورا پورا نمونہ حضرت اقدس مرزا صاحب میں نظر آتا تھا۔ یہاں معمولی مولوی ہوتا ہے یا کوئی ادنے سے ادنے درجہ کا سجادہ نشین ہوتا ہے۔ اُس کی شان ہی نرالی ہوتی ہے مجلس میں بیٹھنے کی مسند ہی جدا ہوتی ہے۔ گفتگو کا انداز ہی نرالا ہوتا ہے۔ ہر بات میں اپنی فضیلت اور مشیخت اور بڑائی کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ لیکن یہاں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ آپ کی مجلس میں کوئی خاص ضابطہ نہ ہوتا تھا۔ جہاں جس کو جگہ مل گئی بیٹھ گیا۔ آپ کیلئے کوئی خاص جگہ مخصوص نہ ہوتی تھی۔ احباب کے درمیان بیٹھے ہوئے پتہ بھی نہ لگتا تھا کہ اس میں مسیحیت و مہدویت کا مدعی کون شخص ہے۔ میلے سے میلے کپڑے والا غریب آدمی آپ کے پہلو بہ پہلو اس طرح بیٹھا ہوا نظر آتا تھا جیسے کوئی بڑا امیر و کبیر لباس فاخرہ پہنے ہوئے بیٹھا ہو۔ ہر چند کہ آپ کی طبیعت نہایت صفائی پسند اور لباس سادہ مگر صاف ہوتا تھا لیکن غریبوں میلے اور پھٹے کپڑے والوں کے ساتھ اس طرح بے تکلفی سے بیٹھے نظر آتے تھے جیسے کوئی پھولوں میں بیٹھ کر لطف اُٹھا رہا ہے۔

آنیوالے دوستوں سے اس طرح ملتے تھے جیسے کوئی بے تکلف دوست اپنے یکرنگ دوست سے مل رہا ہے۔ اُن کے ٹھیرنے کھانے پینے وغیرہ کی نسبت اسی طرح استفسار کرتے تھے جیسے ایک عام

صاحب خلق میزبان کیا کرتا ہے۔ یعنی آپ کے کسی قول یا فعل سے ایک لمحہ کیلئے بھی یہ ظاہر نہ ہوتا تھا کہ یہ کوئی بڑے آدمی ہیں۔ انہیں مہمانوں کی خاطر اور پرداخت سے کیا واسطہ۔ ان کا مقام اس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ کریں۔ ملازم اور خادم موجود ہیں جو ان باتوں کی فکر کرلیں گے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایک ایک دوست اور مہمان کی اسی طرح فکر کرتے جس طرح ایک متوسط درجہ کا آدمی اپنے مہمانوں کی فکر کرتا ہے۔ کسی نئے دوست کا دوسرے دوستوں سے تعارف کراتے تو حسب موقعہ نہایت عمدہ اور عزت والے الفاظ میں تعارف کراتے۔ شروع شروع میں تو مجھے (یعنی خاکسار مؤلف کو) بہت تعجب ہؤا کیونکہ میرے لئے یہ ایک بالکل نئی بات تھی۔ مَیں نے تو مختلف مشائخ کو اپنے مریدوں کو نہایت حقیر الفاظ میں مخاطب کرتے ہوئے دیکھا اور سُنا تھا اس لئے مشائخ کی عادتوں سے یہ نرالی عادت حضرت اقدس مرزا صاحب میں مجھے بہت عجیب معلوم ہوئی۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ اسی نرالی عادت نے میرے دل پر آپ کی عظمت و فضیلت کا سکہ بٹھا دیا۔ آپ کی اس عادت کے متعلق مولوی عبدالکریم صاحب کی کتاب سیرت مسیح موعود سے میں یہاں ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ لکھتے ہیں:-

"باہر مسجد مبارک میں آپ کی نشست کی کوئی خاص وضع نہیں ہوتی۔ ایک اجنبی آدمی آپ کو کسی خاص امتیاز کی معرفت پہچان نہیں سکتا۔ آپ ہمیشہ دائیں صف میں ایک کونے میں مسجد کے اس طرح مجتمع ہو کر بیٹھتے ہیں جیسے کوئی فکر کے دریا میں خوب سمٹ کر تیرتا ہے۔ مَیں جو اکثر محراب میں بیٹھتا ہوں اور اس لئے داخلی دروازہ کے عین محاذ میں ہوتا ہوں۔ بسا اوقات ایک اجنبی جو مارے شوق کے سرزدہ اندر داخل ہؤا ہے تو سیدھا میری طرف ہی آیا ہے اور پھر خود ہی اپنی غلطی پر متنبہ ہؤا ہے یا حاضرین میں سے کسی نے اُسی حقدار کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ آپ کی مجلس میں احتشام اور وقار اور آزادی اور بے تکلفی دونوں ایک ہی وقت میں جمع رہتے ہیں۔ ہر ایک خادم ایسا یقین کرتا ہے کہ آپ کو مخصوصاً مجھ سے ہی پیار ہے۔ جو جو کچھ چاہتا ہے بے تکلفی سے عرض کرلیتا ہے۔ گھنٹوں کوئی اپنی داستان شروع رکھے اور وہ کیسی ہی بے مزہ پا کیوں نہ ہو آپ پوری توجہ سے سُنے جاتے ہیں۔ بسا اوقات حاضرین اپنی بساط قلب اور وسعت حوصلہ کے موافق سُنتے سُنتے اُکتا گئے ہیں۔ انگڑائیاں اور جمائیاں لینے لگ گئے ہیں مگر حضرت کی کسی حرکت نے ایک لحظہ کے لئے بھی کبھی کوئی ملال کا نشان ظاہر نہیں کیا۔ آپ کی مجلس کا یہ رنگ نہیں کہ آپ سرنگوں اور متفکر بیٹھے ہوں اور حاضرین سامنے حلقہ کئے یوں بیٹھے ہوں جیسے

دیواروں کی تصویریں۔ بلکہ وقت کے مناسب آپ تقریر کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی مذاہب باطلہ کی تردید میں بڑے زور شور سے تقریر فرماتے ہیں گویا اُس وقت آپ ایک عظیم الشان لشکر پر حملہ کر رہے ہیں اور ایک اجنبی ایسا خیال کرتا ہے کہ ایک جنگ ہو رہی ہے ..... ایک دفعہ ایک شخص جو دنیا کے فقیروں اور سجادہ نشینوں کا شیفتہ اور خوکردہ تھا ہماری مسجد میں آیا۔ لوگوں کو آزادی سے آپ سے گفتگو کرتے دیکھ کر حیران ہوگیا۔ آپ سے کہا کہ آپ کی مسجد میں ادب نہیں لوگ بے محابا بات چیت آپ سے کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "میرا یہ مسلک نہیں کہ میں ایسا تُند خو اور بھیانک بن کر بیٹھوں کہ لوگ مجھ سے ایسے ڈریں جیسے درندہ سے ڈرتے ہیں۔ اور میں بُت بننے سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔ میں تو بُت پرستی کو رد کرنے آیا ہوں نہ یہ کہ میں خود بُت بنوں اور لوگ میری پُوجا کریں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں اپنے نفس کو دوسروں پر ذرا بھی ترجیح نہیں دیتا۔ میرے نزدیک متکبر سے زیادہ کوئی بُت پرست اور خبیث نہیں۔ متکبر کسی خدا کی پرستش نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی پرستش کرتا ہے"...... آپ کی ملاقات کی جگہ عموماً مسجد ہی ہے۔ آپ اگر بیمار نہ ہوں تو برابر پانچ وقت نماز با جماعت پڑھتے ہیں۔ اور نماز با جماعت کے لئے ازبس تاکید کرتے ہیں۔ اور بارہا فرمایا ہے کہ مجھے اس سے زیادہ کسی بات کا رنج نہیں ہوتا کہ جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھی جائے۔ مجھے یاد ہے جن دنوں آدمیوں کی آمدورفت کم تھی آپ بڑی آرزو ظاہر کیا کرتے تھے کہ کاش اپنی ہی جماعت ہو جس سے مل کر پانچ وقت نماز پڑھا کریں اور فرماتے تھے میں دعا میں مصروف ہوں۔ اور اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا منظور کرے گا۔ آج خدا کا یہ فضل ہے کہ پانچوں نمازوں میں اپنے ہی آدمی اسّی نوّے سے کم نہیں ہوتے فریضہ ادا کرنے کے بعد آپ معاً اندر تشریف لے جاتے ہیں۔ اور تصنیف کے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ مغرب کی نماز کے بعد آپ مسجد میں بیٹھے رہتے ہیں۔ کھانا بھی وہیں دوستوں میں مل کر کھاتے ہیں۔ اُس وقت بھی کسی نہ کسی بات پر تقریر ہو جاتی ہے۔ آپ کی ہر ادا سے صاف ترشح ہوتا ہے کہ آپ کو کوئی حُبّ جاہ اور علو نہیں۔ اور آپ جلوت میں محض خدا تعالیٰ کے امر کی تعمیل کی خاطر بیٹھتے ہیں۔ فرمایا اگر خدا تعالیٰ مجھے اختیار دے کہ خلوت اور جلوت میں تو کس کو پسند کرتا ہے تو اُس پاک ذات کی قسم ہے کہ میں خلوت کو اختیار کروں۔ مجھے تو کشاں کشاں میدانِ عالم میں اُنہوں نے نکالا ہے۔ جو لذّت مجھے خلوت میں آتی ہے اُس سے بجز خدا تعالےٰ کے کون واقف ہے۔ میں قریب ۲۵ سال تک خلوت میں بیٹھا رہا ہوں اور کبھی ایک لحظہ کیلئے

بھی نہیں چاہا کہ دربارِ شہرت کی کرسی پر بیٹھوں۔ مجھے طبعاً اس سے کراہت رہی ہے کہ لوگوں میں مل کر بیٹھوں مگر امرِ آمر سے مجبور ہوں۔ فرمایا میں جو باہر بیٹھتا ہوں یا سیر کے لئے جاتا ہوں اور لوگوں سے بات چیت کرتا ہوں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے امر کی تعمیل کی بنا پر ہے"۔

حضرت اقدس اس بات کو بہت بُرا سمجھتے تھے کہ کوئی آپ کی اس قدر تعظیم کرے جو انسان پرستی کی حد تک جا پہنچے۔ پنجاب کے مغربی اضلاع اور سرحد کی طرف کے لوگ بزرگوں سے ملاقات کے وقت اُن کے گھٹنوں اور پیروں کو ہاتھ لگایا کرتے ہیں اور مشائخ کو تو بعض جہلا سجدہ تک کر دیتے ہیں لیکن آپ اپنی مجالس میں ان باتوں کی قطعاً اجازت نہ دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے لڑکے کو آپ کی خدمت میں ملاقات کیلئے پیش کیا۔ جس وقت وہ لڑکا مصافحہ کیلئے آگے بڑھا تو اس نے اظہارِ تعظیم کے لئے آپ کے پیروں کو ہاتھ لگانا چاہا جس پر آپ نے اپنے ہاتھوں سے اُسے ایسا کرنے سے روکا اور آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور آپ نے بڑے جوش سے فرمایا کہ خدا کے ماموردنیا سے شرک کو مٹانے آتے ہیں نہ کہ شرک کو قائم کرنے۔

تواضع و انکسار آپ مساوات اسلامی کا نمونہ تھے۔ گفتگو میں نشست و برخاست میں۔ ملاقات میں غرضکہ کسی معاملہ میں ایک لمحہ کیلئے بھی محسوس نہ ہوتا تھا کہ آپ اپنے نفس کو دوسروں پر کسی قسم کی بھی برتری دینا چاہتے ہیں۔ دوستوں سے اسی طرح ملتے تھے جس طرح برابر کے یکرنگ دوست ملتے ہیں۔ بلکہ ہر امر میں تواضع و انکسار کی شان نمایاں نظر آتی۔ نواب محمد علی خاں صاحب آف مالیر کوٹلہ کی بیگم صاحبہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت اقدس جنازہ کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے۔ نماز جنازہ خود پڑھائی۔ قبر ابھی تیار نہ تھی۔ مَیں (یعنی خاکسار مؤلف) بھی جنازہ کے ساتھ تھا۔ لوگ قبر دیکھنے میں مشغول ہو گئے مَیں بھی اسی طرف متوجہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مَیں جو دیکھتا ہوں تو حضرت صاحب ندارد۔ گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا تو باغ میں ایک طرف اکیلے زمین پر بیٹھے ہوئے نظر پڑے۔ مَیں نے جلدی سے ایک درخت کے نیچے سفید چادر بچھائی اور حضرت سے جا کر عرض کی کہ یہاں تو دھوپ ہے وہاں درخت کے سایہ میں تشریف لے چلئے۔ فرمانے لگے ہاں یہ ٹھیک ہے۔ آپ درخت کے سایہ میں اُس چادر پر بیٹھ گئے۔ قریب ہی مَیں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں لوگوں نے جو دیکھا کہ حضرت صاحب درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں تو لوگ وہیں آنا شروع ہو گئے۔ اب جو آتا حضرت اقدس اُسے فرماتے "آیئے آیئے یہاں بیٹھئے" اور خود پیچھے کھسک جاتے اور اُسے چادر پر بٹھا لیتے۔ لوگ آتے گئے اور حضرت صاحب پیچھے کھسک کھسک کر لوگوں کو چادر پر بٹھاتے گئے۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر نہ گزری تھی جو دیکھتا ہوں

کہ حضرت صاحب تو مٹی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور مرید سارے چادر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آنے والوں کو تو زیارت اور ملاقات کے ذوق و شوق میں یہ نظر نہ آیا۔ مگر میں دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا۔ ساتھ ہی ایمان ترقی کر رہا تھا کہ خدا نے کیا مرتبہ دیا ہے اور نفس میں کس قدر انکسار اور فروتنی ہے۔

نفس میں اس قدر فروتنی اور انکسار تھا کہ مولوی محمد علی صاحب آپ کے مرید تھے اور حضرت اقدس سے نہایت درجہ اخلاص اور ارادت رکھتے تھے۔ اور آپ کے مکان کے ایک حصہ میں ہی رہتے تھے اگر آپ دن رات میں سو مرتبہ انہیں بلاتے تب بھی حاضر ہونے میں عذر نہ تھا لیکن آپ کو مولوی صاحب سے کوئی بات وغیرہ دریافت کرنی ہوتی تو آپ بجائے اس کے کہ اُن کو اپنے پاس بلا بھیجتے خود مولوی صاحب کی کوٹھڑی میں تشریف لے آتے (دیکھو سیرۃ المہدی حصہ دوم)

اسی طرح ایک مرتبہ آپ کی ایک صاحبزادی کی ولادت کے وقت آپ کو ایک منذر الہام ہوا۔ آپ اُسی وقت آدھی رات کو مولانا محمد احسن صاحب کی جائے رہائش پر تشریف لے گئے (یہ بھی آپ کے مکان کے ایک حصہ میں رہا کرتے تھے) اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اُنہوں نے اندر سے پوچھا کہ کون؟ فرمایا "غلام احمد" مولوی صاحب حیران رہ گئے۔ جلدی سے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ عرض کی حضرت خیر ہے؟ ایک منذر الہام بیان کر کے ارشاد فرمایا کہ "میں بھی دعا کر رہا ہوں۔ آپ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس تقدیر کو ٹال دے"۔ اللہ اللہ کیا انکسار تھا۔ خود مقرب الٰہی ہیں۔ مجدد و ملہم ہیں۔ مستجاب الدعوات ہیں۔ لیکن اس بات سے ذرا عار نہیں کہ اپنے مرید سے دعا کے لئے درخواست کریں۔ کوئی اور پیر ہوتا تو وہ یہ بات کب گوارا کر سکتا تھا کہ مرید سے درخواست دعا کرے۔ پھر کم سے کم اتنا تو حفظ مراتب کرتا کہ مرید کو اپنے پاس بلوا بھیجتا خود اس کے پاس جانے کی تکلیف نہ کرتا۔ لیکن نہیں۔ بالکل ایک معمولی آدمی کی طرح مرید کا دروازہ رات کو کھٹکھٹاتے ہیں اور اس سے درخواست دعا کرتے ہیں۔ اور پھر اُس کے نام پوچھنے پر کس بے تکلفی سے فرماتے ہیں "غلام احمد"۔ کوئی القاب خطاب وغیرہ ساتھ نہیں لگاتے۔ یہ نہیں کہا کہ مسیح موعود۔ امام وقت۔ مجدد زمان۔ نہیں صرف "غلام احمد" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ خدا نے یہ سب مراتب قرب آپ کو عطا فرمائے تھے۔ مگر آپ کی کسر نفسی کسی برتری کا خیال بھی دل میں نہ آنے دیتی تھی۔

ایک دفعہ قادیان کے قصابوں نے گوشت کی قیمت چڑھا دی۔ جماعت کے لوگوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں شکایت کی۔ حضرت نے فرمایا کہ قیمتیں اسی لئے بڑھائی ہوں گی کہ گوشت اچھا دیں

اچھا گوشت لینے کے لئے قیمت تو زیادہ ہی دینی چاہئیے یہ تو بالکل انصاف ہے لیکن بعد میں جب باوجود قیمت زیادہ لینے کے ان لوگوں نے گوشت بھی خراب دینا شروع کیا تو آپ نے پہلے تو اُن کو سمجھایا لیکن جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو آپ نے حکم دیا کہ ان سے گوشت نہ خریدا جائے۔ چنانچہ کئی دن تک گوشت بند رہا اور سب لوگ دال وغیرہ کھاتے رہے۔ مولوی سرور شاہ صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ حضور میرے پاس ایک بکری ہے وہ مَیں حضور کی خدمت میں پیش کرتا ہوں حضور اسے ذبح کروا کے اپنے استعمال میں لائیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ "ہمارا دل اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ ہمارے دوست دالیں کھائیں اور ہمارے گھر میں گوشت پکے۔"

ایک مرتبہ گھر میں ایک بڑھیا گنوار عورت آئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ صراحی میں ٹھنڈا پانی تھا۔ اوپر آبخورہ ڈھنکا ہوُا تھا۔ بڑھیا نے بغیر اجازت لئے اس آبخورہ میں صراحی سے پانی ڈال کر پی لیا۔ اس میلی کچیلی بڑھیا کو اس طرح پانی پیتے ہوئے دیکھ کر کسی نفیس طبع خاتون نے حکم دیا کہ اس آبخورے کو توڑ دو۔ حضرت اقدس نے سُنا تو فرمایا کہ "توڑنے کے کیا معنے؟ اس آبخورے میں مجھے پانی دو مَیں پیوں گا۔ میرے گھر میں تو ایسے لوگ اب کثرت سے آئیں گے چاہئیے کہ ہمارے گھر کے لوگ اپنی طبائع کو ان غریبوں سے میل جول کا عادی بنائیں۔"

میاں عبداللہ سنوری صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ اوائل زمانہ میں حضرت صاحب قادیان کے شمال کی طرف سیر کے لئے تشریف لیگئے۔ مَیں اور شیخ حامد علی مرحوم ساتھ تھے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ سنا ہوُا ہے کہ یہ لوگ دل کی باتیں بتا دیتے ہیں۔ آؤ مَیں امتحان لوں۔ چنانچہ مَیں نے دل میں سوال رکھنے شروع کئے اور حضرت صاحب انہی کے مطابق جواب دیتے گئے یعنی جو سوال دل میں رکھتا تھا اسی کے مطابق بغیر میرے اظہار کے آپ تقریر فرمانے لگ جاتے۔ چنانچہ چار پانچ دفعہ لگاتار اسی طرح ہوُا۔ اس کے بعد مَیں نے حضرت صاحب سے عرض کر دیا کہ مَیں نے یہ تجربہ کیا ہے۔ حضرت صاحب سُن کر ناراض ہوئے اور فرمایا "تم شکر کرو تم پر اللہ کا فضل ہوگیا۔ اللہ کے مرسل اور اولیاء غیب دان نہیں ہوتے آئندہ ایسا نہ کرنا"۔ (سیرۃ المہدی حصّہ دوم)

خاکسار مؤلف بشارت احمد عرض کرتا ہے کہ جھوٹا ہر بات میں اپنی بڑائی ڈھونڈتا ہے اور بزرگی منوانا چاہتا ہے۔ اور ایسے موقعوں پر دوسرے آدمی کی خوش عقیدگی کا ناجائز فائدہ اُٹھا کر وہ اپنی بزرگی کا سکہ لوگوں کے دلوں پر جمانا چاہتا ہے۔ لیکن سچے کا صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ راستی اور صداقت قائم ہو اور لوگ ضلالت سے ہٹ کر صراطِ مستقیم پر قائم ہوں وہ باوجود اپنے رُوحانی کمالات

کے اپنے لئے کوئی ایسی خصوصیت پسند نہیں کرتا جس سے بعد میں انسان پرستی اور شرک پیدا ہو۔
حضرت اقدس مرزا صاحب نہ غیب دان تھے۔ نہ آپ کو کشف قلوب کا دعویٰ تھا لیکن یہ سچ ہے کہ یہ بار ہا تجربہ ہؤا کہ جو وسوسہ دل میں گزرتا آپ اُس پر تقریر فرمانے لگ جاتے اور ایسا معلوم ہوتا جیسے دل کی بات انہوں نے بوجھلی۔ بات یہ ہے کہ چونکہ مامور من اللہ معلّم فطرت ہوتا ہے وہ تمام امور کی نزاکتوں اور مواقع کو خوب سمجھتا ہے وہ خود ہی محسوس کر لیتا ہے کہ اس موقع پر کیا کیا وساوس ایک عامی انسان کے دل میں گزر سکتے ہیں۔ اس لئے عین موقعہ کے مطابق وہ تقریر کرتا ہے دوسرے لوگ حیران ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ لوگ جن کی روحانیت اعلیٰ مقام پر ترقی کر چکی ہوتی ہے ان کے باطنی حواس اتنے تیز ہوتے ہیں کہ ان کا قلب صافی اپنے ان حواس کے ذریعہ نامعلوم طور پر دوسرے آدمی کے قلب کی حالت کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ اکثر اس روحانی انسان کو خود بھی پتہ نہیں ہوتا لیکن اس کا نفس تحت الشعور دوسرے کی قلبی حالت کو محسوس کرتا اور صاحب نفس کاملہ کو غیر معلوم طور پر محسوس کراتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود بخود وہ روحانی انسان اسی امر پر گفتگو کرنے لگتا ہے۔ بہرحال یہ روحانی کیفیت پاکیزگیٔ قلب اور ذکاوت حواس باطنی پر دلالت کرتی ہے۔ خاکسار مؤلف نے جب بیعت کی تو بیعت سے قبل میرے دل میں کوئی خیال بیعت کرنے کا نہ تھا۔ بلکہ ایک مشکل میرے قلب پر مستولی تھی جو بیعت میں مانع تھی۔ مجھے حیرت ہوگئی جب سلسلۂ گفتگو میں حضرت اقدس اصولی رنگ میں میری اُسی قلبی حالت پر بحث کرنے لگ گئے۔ اسی طرح ایک مرتبہ مجھے مولوی سید سرور شاہ صاحب نے اپنا ایک واقعہ سُنایا کہ ایک دن مولوی عبدالکریم صاحب نے دوران گفتگو میں حضرت اقدس مرزا صاحب سے عرض کی کہ گزشتہ تمام رات میں سو نہ سکا" میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ مولوی صاحب نے یہ غلط کہا۔ تمام رات سو نہ سکنا مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ فوراً ہی حضرت صاحب فرمانے لگے کہ "بعض لوگوں کے دل میں یہ وسوسہ گزرتا ہوگا کہ شاید تمام رات سو نہ سکنا مبالغہ ہو لیکن یہ وسوسہ درست نہیں بلکہ بدگمانی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تمام رات نیند نہ آئی ہو۔ علاوہ ازیں انسان کی یہ طرز گفتگو ہوتی ہے کہ جب رات کا بیشتر حصہ جاگتے گزر جائے تو یوں کہہ دیتے ہیں کہ تمام رات نیند نہیں آئی۔ پس اس طرح الفاظ کو پکڑ کر ناحق کی بدگمانی کرنا صحیح طریق نہیں ہے"

اسی طرح ایک دفعہ مولوی نورالدین صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ مجھے کسی نے دو ٹوپیاں بطور تحفہ بھیجیں۔ بہت قیمتی ٹوپیاں تھیں۔ میں نے اپنی طرف سے بطور تحفہ حضرت اقدس کی خدمت میں بھیجدیں اور بھیجیں اس طرح کہ دادی آئی (حضرت اقدس کے گھر میں یہ ایک خادمہ تھی جسے سب دادی دادی کہتے تھے۔ مؤلف

اُسے مَیں نے دیدیں کہ حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کر دو۔ وہ لیکر چلی گئی۔ بعد میں مجھے خیال آیا کہ یہ سیدھی سادی بڑھیا ہے خدا جانے اُس نے حضرت صاحب کی خدمت میں وہ ٹوپیاں پیش بھی کیں یا نہیں؟ یا اِدھر اُدھر رکھ دیں یا گھر میں کسی اور کو دے دی ہوں۔ اور حضرت صاحب کی نظر سے نہ گزری ہوں تو میرا اصل منشا تو نہ پورا ہوُا کہ خود حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوتیں اور وہ خوش ہوتے۔ غرضکہ تمام دن اسی اُلجھن میں گزر گیا۔ رہ رہ کے خیال آتا تھا۔ شام کو حضرت اقدس باہر تشریف لائے۔ باتیں کرتے کرتے کسی کو کہا "وہ میرا صندوقچہ اُٹھا لاؤ" صندوقچہ آیا۔ آپ نے کھول کر اُس میں سے وہی دو ٹوپیاں نکالیں اور خاموشی سے (گرمی کے ایام تھے) اُنہیں پنکھے کی طرح جھلنے لگے۔ تھوڑی دیر اسی طرح جھلتے رہے۔ اس کے بعد ان دونوں ٹوپیوں کو صندوقچہ میں بند کیا اور واپس گھر میں بھیجدیا زبان سے کچھ نہ کہا۔ مَیں دل میں نہایت شرمندہ ہوُا کہ خدا جانے اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ نورالدین فکر سے بے حال ہوُا جا رہا ہے اُسے جا کر تسلی دو۔ یا خود ہی انہوں نے محسوس کیا۔ غرضکہ آپ نے دکھا دیا کہ ٹوپیاں پہنچ گئیں۔

اسی طرح بیسیوں مرتبہ لوگوں نے محسوس کیا کہ جو دل میں وسوسہ یا اعتراض اُٹھتا گیا اُسی پر حضرت اقدس تقریر فرماتے گئے۔ حضرت اقدس کسی کو اس کی خطا اور لغزش پر مخاطب کرکے ملامت نہیں کیا کرتے تھے۔ اگر کسی کی حرکت ناپسند ہوئی تو مختلف پیرایوں میں عام طور پر تقریر فرما دیا کرتے تھے۔ اگر وہ سعید ہوتا تو خود ہی سمجھ جاتا۔ اور اپنی حرکت پر نادم ہوتا۔ لیکن ایسا ہوتا کہ جب آپ تقریر یا وعظ و نصیحت فرماتے تو ہر ایک ایسا محسوس کرتا کہ یہ میرے ہی عیب ہیں جو آپ بیان کر رہے ہیں۔ اور یوں اصلاح اور پاکیزگی کا پاک سلسلہ بڑی عمدگی سے جاری رہتا اور کسی کو کوئی ابتلا پیش نہ آتا۔ غرضکہ اس قسم کے واقعات اکثر پیش آتے رہتے تھے کہ لوگوں کے دلوں کے اعتراضات پر آپ تقریر فرما رہے ہیں۔ لیکن آپ اس بات کو بہت بُرا سمجھتے تھے کہ کوئی آپ کو غیب دان سمجھے اور اپنے دل میں اعتراضات دانستہ لیکر پھر توقع کرے کہ آپ اُسے بُوجھ لیں۔ آپ اسے شرک اور موجب ابتلا سمجھتے تھے۔ آپ کا یہ قول تھا کہ خدا کے مامور خدا پرستی سکھانے آتے ہیں۔ اپنی پوجا کرانے نہیں آتے۔ وہ غیب دان نہیں ہوتے ہاں وہی جو خدا اُنہیں بتاوے۔

آمدم بر سر مطلب۔ باایں کمالات رُوحانی آپ کے مزاج میں وہ تواضع اور انکسار اور ہضم نفس تھا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ زمین پر آپ بیٹھے ہوں اور لوگ فرش پر یا اُونچے بیٹھے ہوئے ہوں آپ کا قلب مبارک ان باتوں کو محسوس بھی نہ کرتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر مولانا عبدالکریم صاحب

یوں تحریر فرماتے ہیں :-

"چار برس کا عرصہ گزرتا ہے کہ آپ کے گھر کے لوگ لدھیانہ گئے ہوئے تھے۔ جون کا مہینہ تھا اور اندر مکان نیا نیا بنا تھا۔ میں دوپہر کے وقت وہاں چارپائی بچھی ہوئی تھی اس پر لیٹ گیا حضرت ٹہل رہے تھے۔ میں ایک دفعہ جاگا تو آپ فرش پر میری چارپائی کے نیچے لیٹے ہوئے تھے میں ادب سے گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ آپ نے بڑی محبت سے پوچھا آپ کیوں اُٹھے ہیں۔ میں نے عرض کیا آپ نیچے لیٹے ہوئے ہیں میں اُوپر کیسے سوئے رہوں۔ مسکرا کر فرمایا میں تو آپ کا پہرہ دے رہا تھا۔ لڑکے شور کرتے تھے انہیں روکتا تھا کہ آپ کی نیند میں خلل نہ آئے"

ایک دفعہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب بھی اسی طرح حضرت اقدس کے کمرہ میں جو گئے تو آپ موجود نہ تھے۔ یہ آپ کی چارپائی پر لیٹ گئے۔ گرمی کے دن تھے سو گئے۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ حضرت اقدس نیچے فرش پر لیٹے ہوئے ہیں۔ گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے روکا مگر یہ ادب کی وجہ سے نہ لیٹے۔

جب میں (خاکسار مؤلف) نے حضرت اقدس کی بیعت کی تو صبح کا وقت تھا۔ نماز فجر کے بعد میں نے تخلیہ میں ملاقات کرنے کی خواہش کی تھی۔ حضرت نے اندر اپنے کمرہ میں بلوالیا۔ وہاں ایک چارپائی بغیر بستر کے بچھی ہوئی تھی۔ اس کھڑی چارپائی پر حضرت اقدس نے سرہانے کی طرف تو مجھے اور میرے رفیق کو بٹھایا اور خود پائنتی ادوان پر ہو بیٹھے۔ میں نے بہتیرا عرض کیا کہ یہ بے ادبی میں برداشت نہیں کر سکتا لیکن آپ نے بڑی شفقت سے مجھے سرہانے کی طرف ہی بٹھایا اور خود پائنتی بیٹھے رہے۔ میں شرمندہ بھی تھا مگر ساتھ ہی آپ کے اس انکسار کے نمونہ سے حیران بھی تھا۔

ملاقات میں کبھی ایسی حرکت آپ سے سرزد نہ ہوتی جس سے ملنے والے کو یہ شبہ ہو کہ اب آپ تھک گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ یہاں سے اُٹھ جائے۔ بعض دفعہ دوست اپنی محبت کی وجہ سے آپ کو تنگ کرتے مگر آپ کی پیشانی پر کبھی بل نہ آتا۔ منشی محمد اروڑا صاحب ساکن کپورتھلہ کو حضرت اقدس سے بیحد محبت تھی۔ ایک دفعہ ملاقات کے لئے آئے تو حضرت اقدس نے اندر اپنے کمرہ میں ہی بلالیا۔ کچھ عرصہ بیٹھنے کے بعد اُٹھے تو کمرہ سے سیڑھیاں نیچے مہمانخانہ میں اُترتی تھیں۔ یہ نکلے تو حضرت اقدس نے دروازہ بند کر لیا۔ ایک دو سیڑھیاں اُتری تھیں جو پھر لوٹے۔ دروازہ پر دستک دی۔ حضرت اقدس نے دروازہ کھول دیا۔ منشی صاحب نے کھڑے کھڑے کچھ باتیں کیں۔ پھر رخصت ہوئے حضرت نے دروازہ بند کیا۔ منشی صاحب دو تین سیڑھیاں اُتر گئے پھر لوٹے پھر دروازہ پر دستک دی پھر حضرت اقدس سے کچھ باتیں کھڑے کھڑے کیں۔ پھر رخصت ہوئے۔ کچھ سیڑھیاں اُتریں۔ پھر لوٹے

پھر دستک دی۔ پھر حضرت سے ملے۔ غرضکہ جب کئی مرتبہ یہی حرکتیں کیں تو خود ہی شرمندہ ہو گئے۔ حضرت اقدس سے عرض کی کہ جب مَیں رخصت ہو کے سیڑھیاں اُترنے لگتا ہوں تو اس قدر اشتیاقِ زیارت غالب ہوتا ہے کہ رہ نہیں سکتا۔ کہ خدا جانے پھر زیارت نصیب ہوگی یا نہیں اس لیئے پھر کوئی عذر سامنے رکھکر دستک دیتا ہوں کہ فلاں بات کہنی رہ گئی تھی۔ دراصل بات کوئی نہ تھی۔ مقصد فقط دوبارہ زیارت کرنے کا تھا۔ حضور کو بڑی تکلیف ہوئی"۔ حضرت صاحب کھل کھلا کر ہنس پڑے فرمایا دوستوں کے آنے سے ہمیں خوشی ہوتی ہے نہ کہ تکلیف"۔ اللہ اللہ کیا زمانہ تھا۔ نہ کوئی پرائیویٹ سکرٹری تھا۔ نہ ملاقات کے لیئے تاریخ اور وقت کے تعین کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ ایک دوست نہایت بے تکلفی سے جاتا۔ حضرت کی خدمت میں جب تک چاہتا بیٹھتا۔ اور جتنی دفعہ چاہتا آتا اور جاتا۔ یہاں تک کہ خود شرمندہ ہو کر عذر کرتا۔ لیکن آپ ایک دفعہ بھی چین بجبیں نہ ہوتے کہ آخر یہ آنا اور جانا کیا لگا یا ہؤا ہے جو کچھ کہنا ہو ایک دفعہ کہہ لو۔ اور ناحق کا وقت ضائع نہ کرو۔ اسی کا نام فقیری اور درویشانہ زندگی ہے۔

خدام کا احترام آپ اپنے خدام کو بڑے ادب اور احترام سے پکارتے تھے اور حاضر و غائب ہر ایک کا نام ادب سے لیتے تھے۔ مولوی عبد الکریم صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"مَیں نے بارہا سُنا ہے اندر اپنی زوجہ محترمہ سے آپ گفتگو کر رہے ہیں اور اس اثنا میں کسی خادم کا نام زبان پر آگیا ہے تو بڑے ادب سے لیا ہے جیسے سامنے لیا کرتے ہیں۔ کبھی "تو" کر کے کسی کو خطاب نہیں کرتے۔ تحریروں میں جیسا آپ کا عام رویہ ہے "حضرت اخویم مولوی صاحب"۔ اور "اخویم حبی فی اللہ مولوی صاحب"۔ اسی طرح تقریر میں بھی فرماتے ہیں "حضرت مولوی صاحب یوں فرماتے تھے"۔ مَیں نے اکثر فقرا اور پیروں کو دیکھا ہے وہ عار سمجھتے ہیں اور اپنے قدر کی کاہش خیال کرتے ہیں اگر مرید کو عزت سے یاد کریں۔ ..... غرضکہ بڑے بڑے شیخ اور پیر دیکھے گئے ہیں انہیں ادب اور احترام سے اپنے متوسّلین کے نام لینا گویا بڑی بدکاری کا ارتکاب کرنا ہوتا ہے۔ مَیں نے اتنے دراز عرصہ میں کبھی نہیں سُنا کہ آپ نے مجلس میں کسی ایک کو بھی "تو" کہہ کے پکارا ہو یا خطاب کیا ہو"۔

ڈاکٹر عبد الحکیم خاں جو پہلے آپ کا مرید تھا اور بعد میں آپ کا مخالف ہو گیا۔ ابتدا میں اس نے جب یہ عقیدہ اختراع کیا کہ نجات کیلئے آنحضرت صلعم پر ایمان لانا ضروری نہیں اور بذریعہ خط کے حضرت اقدس کو اپنے ان خیالات سے آگاہ کیا تو حضرت نے اس کی تردید کی اور ان عقائد

کی غلطی بتلائی۔ اس پر وہ مغلوب الغضب آدمی بہت بپھرا اور آپ کو شوخ اور گستاخی سے بھرے ہوئے خطوط لکھنے لگا تو ایک دن دوستوں میں ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ "ڈر اس بات کا ہے کہ اگر ان کا یہی حال رہا تو مرتد ہو جائیں گے" یہاں "ہو جائیں گے" نے اہل ذوق کو تڑپا دیا۔ ایسے شوخ اور گستاخ آدمی کا نام اس ادب سے لیتے ہوئے سُن کر آپ کی تہذیب اور اخلاق کا اندازہ ہوتا تھا کہ آپ دشمن کا بھی ذکر کرتے ہیں تو ادب کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

ستاری اور چشم پوشی

آپ کو ستاری اور چشم پوشی کی بڑی عادت تھی۔ آپ کبھی پسند نہیں فرماتے تھے کہ کوئی اپنے کسی دوست یا دینی بھائی کی شکایت آپ سے کرے۔ اگر کوئی کسی کی شکایت کرتا تو فرماتے کہ "تم نے اپنے اس بھائی کے لئے چالیس روز رو رو کر خدا سے دعا کی ہے"؟ وہ عرض کرتا کہ نہیں تو فرماتے "پھر تمہیں اس کی شکایت کرنے کا کیا حق ہے۔ پہلے اپنے اس بھائی کی اصلاح کیلئے رو رو کر چالیس دن خدا سے دعا کرو۔ پھر اگر اصلاح نہ ہو تو شکایت کرو" یہی وجہ تھی کہ کسی کو دوسرے کی چغلی کھانے یا آپ سے شکایت کرنے کی جرأت نہ پڑتی تھی۔ آپ کا یہ طریق تھا کہ اگر کسی دوست کے عیب کا پتہ بھی لگ جاتا تو چشم پوشی فرماتے اور اُسے کسی ایسے طریق سے سمجھاتے کہ اُسے یہ گمان نہ ہو کہ اس بات کا آپ کو علم ہو گیا ہے۔ قاعدہ یہ تھا کہ اُسے مخاطب فرما کر کچھ نہ کہتے۔ بلکہ موقعہ پا کر کسی پبلک تقریر یا گفتگو میں ایسی طرز اختیار فرماتے جس سے اس کی اصلاح مقصود ہوتی اور پھر اُسے مناسب طریق پر کئی موقعوں پر بار بار بیان فرماتے۔ زیادہ تر زور دعاؤں پر دیتے۔ اصلاح میں بڑا زور اس امر پر تھا کہ پہلے جڑ کی اصلاح ہونی چاہیئے۔ شاخیں خود بخود درست ہو جائیں گی۔ فرمایا کرتے تھے کہ "اصل چیز تو دل کا ایمان ہے جب وہ قائم ہو جاتا ہے تو اعمال خود بخود ٹھیک ہو جاتے ہیں" ایک دفعہ میر ناصر نواب صاحب نے عرض کیا کہ آپ کے بعض مرید داڑھیاں منڈواتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "میر صاحب! آپ کو داڑھیوں کی فکر ہے مجھے ان کے ایمان کی فکر ہے۔ دلوں میں ایمان قوی ہوگا تو سب کچھ درست ہو جائے گا"

آپ کی چشم پوشی غیروں پر بھی حاوی تھی

آپ کی چشم پوشی اور ستاری دوستوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اُس کا فیض عام تھا۔ مولانا عبدالکریم صاحب کی قلم سے ایک واقعہ سنو۔ لکھتے ہیں:-

"ایک عورت نے اندر سے کچھ چاول چرائے۔ چور کا دل نہیں ہوتا اور اس لئے اُس کے اعضا میں غیر معمولی قسم کی بیتابی۔ اور اس کا اِدھر اُدھر دیکھنا بھی خاص وضع کا ہوتا ہے کسی دوسرے تیز نظر نے تاڑ لیا اور پکڑ لیا۔ شور پڑ گیا۔ اُس کی بغل سے کوئی پندرہ سیر کی

گٹھڑی چاولوں کی نکلی۔ اِدھر سے ملامت اُدھر سے پھٹکار ہو رہی تھی۔ جو حضرت کسی تقریب سے اُدھر آنکلے۔ پوچھنے پر کسی نے واقعہ کہہ سنایا۔ فرمایا "محتاج ہے۔ کچھ تھوڑے سے اسے دیدو۔ اور فضیحت نہ کرو۔ اور خدا تعالیٰ کی ستاری کا شیوہ اختیار کرو"۔

سیر میں خُلق چشم پوشی

صبح کو ناشتہ کے بعد حضرت اقدس اکثر سیر کیلئے تشریف لے جایا کرتے۔ کئی کئی میل کا چکر لگ جاتا۔ سیر میں آپ ہمیشہ پشتِ پا پر نظر رکھتے۔ اِدھر اُدھر دیکھنے بھالنے کی عادت نہ تھی۔ رستہ میں خدام سوالات کرتے جاتے اور آپ برابر تقریر فرماتے جاتے۔ جہاں تکان محسوس ہوتی نہایت بے تکلفی سے زمین پر ہی بیٹھ جاتے۔ کبھی کوئی چادر یا دری بیٹھنے کے لئے ساتھ نہ لی۔ لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ حضرت کے جوتے پر کسی کا پاؤں پڑ جاتا اور وہ نکل جاتا یا آپ کے عصا کو کسی آدمی کی ایسی ٹھوکر لگتی کہ عصا آپ کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا گرتا۔ لیکن آپ نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ شخص جس کی ٹھوکر لگی ہے یا پاؤں پڑا ہے شرمندگی محسوس کرے +

تصنع اور ریا کاری سے سخت نفرت تھی

مَیں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت اقدس کی خدمت میں جب باہر سے دوست آتے تو آپ ہمیشہ تبسم برلب نہایت خندہ پیشانی اور محبت سے ملتے۔ اور بالکل اس طرح جیسے ایک بے تکلف دوست اپنے دوست کی آمد پر اس سے مختلف سوالات کرتا ہے۔ آپ نئے وارد شدہ دوستوں سے انکی اور انکے متعلقین کی خیریت پوچھتے۔ اور مختلف حالات دریافت فرماتے۔ آپ کی مجلس میں ہر قسم کے سوالات ہوتے جنکے آپ جواب دیتے اور ہر قسم کے ذکر اذکار رہتے۔ اور جبتک کوئی خاص تحریک یا خاص سوال کسی مسئلہ کے متعلق نہ ہو تصنع اور تکلف سے مذہبی باتیں کرنا یا ہر وقت وعظ و نصیحت ہی کرتے رہنا جس سے آپ کی للّٰہیت ظاہر ہو آپ کی عادت نہ تھی۔ عوام الناس کو بعض دفعہ اس سے ٹھوکر بھی لگ جاتی۔ کیونکہ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ والوں کو صرف خدا کی ہی باتیں کرنے سے سروکار ہونا چاہیئے۔ کسی دوست کی یا اس کے متعلقین کی خیریت پوچھنا یا اس کے حالات دریافت کرنا یا کسی کی مصیبت کی داستان سننا اُن کے مزیل شان ہے۔ حالانکہ یہ خیال غلط اور خلاف سنّت رسول اللہ صلعم ہے۔ بہرحال حضرت اقدس اس قسم کے تکلف اور تصنع سے بالکل خالی تھے اور ریا کاری سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ ایک دفعہ دو صوفی حضرت اقدس سے ملنے حاضر ہوئے آپ کی مجلس میں اُس وقت کوئی مذہبی تذکرہ نہ چھڑا۔ آپ مختلف دوستوں سے اُن کے اپنے حال و احوال دریافت فرماتے رہے۔ مولوی عبد الکریم صاحب سے نہ رہا گیا۔ وہ حضرت اقدس کے ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے چپکے سے عرض کیا کہ یہ دو صوفی بیٹھے ہوئے ہیں کوئی ایسا نکتہ بیان فرمائیں جس سے یہ لوگ متاثر ہوں۔ یہ کلمہ سُن کر حضرت اقدس کا غصّہ سے چہرہ سرخ ہو گیا۔ فرمایا "مولوی صاحب مَیں اسے

بڑے درجہ کی ریاکاری سمجھتا ہوں کہ کسی پر اپنی للّٰہیت کا اثر ڈالنے کے لئے تصنّع اور تکلّف سے تقریر کی جائے۔" اس کے بعد جوش میں جو ریاکاری پر تقریر فرمائی ہے تو دیر تک معارف وحقائق کا ایک دریا بہتا رہا جس کو سُن سُن کر وہ دونوں صوفی تڑپ گئے اور عش عش کر اُٹھے کہ ریاکاری کی اس قدر باریکیاں آگے ہم نے کبھی نہ سُنی تھیں۔" حضرت اقدس تو تقریر ختم کر کے اندر تشریف لے گئے۔ مولوی عبد الکریم صاحب ہنس کر فرمانے لگے کہ "خیر۔ مقصد میرا بھی حاصل ہوگیا۔"

مجلس میں طریقِ گفتگو مجلس میں آپ کا طریقِ گفتگو نہایت مہذب ہوتا تھا۔ آپ کبھی ذومعنی بات نہ کرتے نہ کبھی آنکھ کے اشارے سے کوئی بات کرتے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے کسی کو لگا کر کوئی بات کی ہو۔ دوست ہو یا غیر ہو سب کا نام ادب اور تہذیب سے لیتے۔ اور اپنے خدام کو بھی یہی تاکید فرماتے کہ خواہ کچھ بھی ہو ادب اور تہذیب کو ہاتھ سے نہ دیں۔ مولوی عبد اللہ سنوری صاحب جب پہلی دفعہ قادیان آئے تو حضرت اقدس نے اُن سے ان کے والد کے متعلق دریافت فرمایا کہ اُن کا کیا حال ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ "آپ نے کس کا نام لیا میرا والد تو بہت بُرا آدمی ہے۔ شراب پیتا ہے اور بُری بُری عادتیں ہیں۔" حضرت صاحب نے فرمایا۔ "توبہ کرو۔ اپنے والد کے متعلق ایسا نہیں کہنا چاہیئے۔" پھر آپ نے یہ حدیث سُنائی کہ بعض اوقات ایک آدمی بُرے اعمال کرتے کرتے دوزخ کے کنارے پہنچ جاتا ہے لیکن پھر وہ وہاں سے واپس ہوتا ہے اور نیک اعمال شروع کرتا ہے اور آخر جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ میاں عبد اللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میرے والد صاحب کی حالت میں تغیر آیا اور پھر آخر ان کا انجام نہایت اچھا ہوا اور حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ انہیں عشق کی سی حالت ہوگئی تھی۔

مرزا نظام الدین حضرت اقدس کا چچازاد بھائی تھا اور آپ کا سخت دشمن تھا بلکہ اسے اسلام سے سخت عداوت تھی۔ ایک دفعہ آپ کے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے حضرت اقدس کے سامنے اُسی مرزا نظام الدین کا نام لیا تو صرف "نظام الدین" کہا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ "میاں آخر وہ تمہارا چچا ہے اس طرح نام نہیں لیا کرتے۔"

مجلس کا رنگ حضرت اقدس جب کسی سے ملتے تھے تو مسکراتے ہوئے ملتے تھے اور ساتھ ہی ملنے والے کی ساری کلفتیں دُور ہو جاتی تھیں۔ آپ کا ہر ایک مرید یہ محسوس کرتا تھا کہ آپ کی مجلس میں جا کر دل کے سارے غم دُھل جاتے ہیں۔ جہاں آپ کے مسکراتے ہوئے چہرہ پر نظر پڑی اور سارے جسم میں مسرت کی ایک لہر جاری ہوگئی۔ آپ کی عادت تھی کہ چھوٹے سے چھوٹے آدمی کی بات بھی توجہ سے سُنتے تھے اور بڑی محبّت سے جواب دیتے تھے۔ ہر ایک آدمی اپنی جگہ یہی سمجھتا تھا کہ حضرت صاحب کو

بس مجھ ہی سے زیادہ محبت ہے بعض وقت لوگ دیر دیر تک اپنے لاتعلق قصے سناتے رہتے اور حضرت اقدس خاموشی سے بیٹھے سنتے رہتے اور کبھی کسی سے یہ نہ کہتے کہ اب بس کرو۔ نمازوں سے قبل یا بعد یا بعض اوقات دوسرے موقعوں پر۔ آپ مسجد میں تشریف رکھتے تو اردگرد مشتاقین گھیرا ڈال کر بیٹھ جاتے اور پھر مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہتیں۔ گویا تعلیم و تربیت کا سبق جاری ہو جاتا۔ مجلس میں کوئی ضابطہ نہ ہوتا۔ بلکہ جہاں کہیں کسی کو جگہ ملتی بیٹھ جاتا۔ اور پھر کسی کو کوئی سوال پوچھنا ہوا تو اُس نے پوچھ لیا۔ اور حضرت صاحب نے جواب میں کوئی تقریر فرما دی۔ کبھی بیعت کرنیوالوں کو بطور نصیحت کچھ ارشاد فرمانے لگے تو وہ رفتہ رفتہ تقریر کی صورت پکڑ گئی۔ کبھی کسی مخالف کا ذکر ہو گیا تو اُس پر گفتگو ہو گئی۔ یا حضرت نے اپنا کوئی نیا الہام سُنایا تو اس کے متعلق کچھ فرما دیا۔ یا کوئی تصنیف فرما رہے ہیں تو اس کے مضامین پر جو تازہ لکھے گئے ہیں دوستوں میں بحث فرماتے رہے۔ یا کسی فرد یا جماعت کی تکلیف کا ذکر ہوا تو اُسی پر کلام کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ غرضکہ آپ کی مجلس میں ہر قسم کی گفتگو ہو جاتی تھی اور ہر ایک آدمی جو بولنا چاہتا تھا بول لیتا تھا۔ حضرت گفتگو فرماتے تو سب حاضرین ہمہ تن گوش ہو جاتے۔ آپ کی عادت تھی کہ خواہ کوئی پبلک تقریر ہو یا مجلسی گفتگو ہو ابتدا میں دھیمی آواز سے بولنا شروع کرتے تھے۔ اور پھر رفتہ رفتہ آواز بلند ہوتی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ دُور سے بیٹھا ہوا شخص بھی بخوبی سُن سکتا تھا۔ اور اثر کا یہ عالم تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ شربت کے گھونٹ کانوں کے ذریعہ سینوں میں اُتر رہے ہیں اور آبِ حیات بن کر رُوح اور قلوب کو زندہ کر رہے ہیں۔ ایک دفعہ میرے ایک دوست ریلوے اسٹیشن ماسٹر نے مجھ سے ذکر کیا کہ میں ریلوے میں سخت بددیانت اور رشوت ستان آدمی تھا حضرت اقدس کی بیعت کی تو حالانکہ میں اجنبی آدمی تھا۔ حضرت اقدس نے تنہائی میں مجھے مخاطب کر کے سرسری طور پر وعظ فرماتے ہوئے فقط اتنا فرمایا کہ "بابو صاحب رشوت لینے والے آدمی کی دُنیا میں بھی کوئی عزت نہیں ہوتی" بس وہ فقرہ تلوار کی طرح کاٹ کر گیا۔ اور وہ دن اور آج کا دن کبھی رشوت اور بددیانتی کے پاس نہیں پھٹکا۔ اسی طرح ایک بڑے شرابخور زمیندار کو تنہائی میں حضرت ایک فقرہ نصیحت کا فرمایا۔ اُسے شراب سے نفرت ہو گئی۔ اسی طرح کی صدہا مثالیں ہیں۔

دوستوں کی حوصلہ افزائی

دوستوں کے متعلق حوصلہ افزائی کا یہ عالم تھا کہ کوئی کیسی ہی ادنیٰ اور حقیر چیز آپ کی خدمت میں پیش کرے آپ اسے بڑی محبت اور شکریہ کے انداز سے قبول فرماتے۔ کتنی معمولی سی کوئی بات کرے آپ اُسے بڑے شوق سے سُنتے۔ کوئی آدمی کیسا ہی معمولی مضمون لکھ کر لے آوے اور پڑھ کر سناوے آپ اُسے ایسی توجہ سے سُنتے گویا ایک طالبعلم اپنے پروفیسر

کا لیکچر سُن رہا ہے۔ کوئی شخص کسی اخبار میں سے کوئی کٹنگ نکال کرلے آوے اور حضرت کی خدمت میں اُسے پیش کرکے عرض کرے کہ دیکھئے فلاں شخص نے فلاں علمی تحقیقات کی ہے جس سے اسلام کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ یا فلاں شخص نے ان الفاظ میں اسلام کی تعریف لکھی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو چہرہ خوشی سے پھول کی طرح کھل جاتا۔ اس لانے والے کی بڑی تعریف کرتے۔ دوسرے دوستوں سے فرماتے کہ "دیکھئے ان صاحب کو کتنا شوق ہے بس تلاش کرکرکے ایسی مفید باتیں جمع کرتے رہتے ہیں"۔ کوئی ادنیٰ سی خدمت کسی نے اگر کی ہے تو اس سے اس قدر شکر گزار نظر آتے کہ تعجب آتا تھا۔ اب وہ زمانہ یاد آتا ہے تو حسرت ہوتی ہے کہ کیسی کیسی نکتہ نوازیاں ہوتی تھیں اور کیا کیا حوصلہ افزائیاں تھیں۔ رہے نام اللہ کا۔ آپ تقریر فرما رہے ہیں۔ پاس سے کسی شخص نے کوئی چھوٹی سی بات بھی تائید میں پیش کردی ہے تو فوراً توجہ دلاتے کہ دیکھئے انہوں نے کیسی لطیف بات کہی ہے۔ حالانکہ علم کے اس بحرِ بے کنار کے سامنے اس کی کیا حیثیت تھی لیکن نہیں۔ اسقدر حوصلہ افزائی اور شکر گزاری کی عادت تھی کہ بعض دفعہ پیش کرنے والا اپنی بے حقیقت بات پیش کرکے خود جھینپ جاتا تھا۔ غرضکہ کوئی دوست کوئی خدمت کرے کوئی شعر بنائے۔ کوئی مضمون تائیدِ حق پر لکھے آپ بڑی قدر کرتے تھے اور بہت ہی خوش ہوتے تھے۔ بارہا فرمایا کہ "اگر کوئی تائید دین کے لئے ایک نقطہ نکال کر ہمیں دے تو ہمیں موتیوں اور اشرفیوں کی جھولی سے بھی زیادہ بیش قیمت معلوم ہوتا ہے"۔

حوصلہ افزائی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ حضرت اقدس نے کوئی کام کسی دوست کے سپرد کیا تو اُس نے عرض کیا کہ میں ڈرتا ہوں کہ مجھ سے کہیں غلطی نہ ہو جائے۔ مسکرا کر فرمایا کہ "انسان سے تو غلطی ہو ہی جایا کرتی ہے۔ آپ سے ہوگئی تو کونسی عجیب بات ہوگی۔ ہم آپ کو قدوس تو نہیں سمجھتے۔ یہ خدا کی صفت ہے"۔ قدوس کے معنے ہیں جس کے افعال میں کوئی غلطی اور عیب نہ ہو۔

اسی طرح آپ خدام کی برابر حوصلہ افزائی فرماتے رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت اقدس کی مجلس میں جاکر ہر ایک قسم کا غم غلط ہو جایا کرتا تھا۔ اور ہر ایک مایوسی اُمید اور خوشی سے بدل جایا کرتی تھی۔ کسی معاملہ میں بظاہر کیسی ہی ناکامی نظر آوے مگر حضرت اقدس اس میں بھی کوئی نہ کوئی مفید پہلو نکال ہی لیا کرتے تھے جس سے غمگین دل کو راحت اور پریشان دماغ کو سکینت مل جایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت اقدس نے کئی بکرے صدقے کئے۔ قادیان سے باہر غربا کا ایک قافلہ آیا پڑا تھا۔ حکیم فضل الدین صاحب بھیروی بہت سا گوشت ایک سینی میں رکھ کر ان میں تقسیم کرنے

کے لئے لے گئے اور لگے حساب سے دو دو بوٹیاں اُن میں تقسیم کرنے۔ وہ بھوکے کنگلے لوگ حکیم صاحب کا یہ صبر آزما حساب کتاب اُنہیں گوارا نہ ہؤا۔ اُن سب نے مل کر حکیم صاحب پر ہلّہ بول دیا۔ اور منٹوں میں وہ سارا گوشت لُوٹ کر لے گئے۔ اس کشمکش میں حکیم صاحب کا کرتا اور پگڑی پھٹ کر تار تار ہو گئی۔ حکیم صاحب بہت جُزبُز ہوئے۔ خفا ہوتے بڑبڑاتے حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام ماجرا عرض کیا اور بڑی شکایت کی۔ حضرت اقدس ہنسنے لگے۔ فرمایا کہ "حکیم صاحب آپ کو تو خوش ہونا چاہئے کہ صدقہ اس قدر مقبول ہؤا کہ بانٹنے کی نوبت ہی نہ آئی اور مستحق خود ہی چھین کر لے گئے۔ قبولیت کا یہ جذب باعث صد شکر ہے۔"

سنہ ۱۹۰۶ء میں جب خاکسار مؤلف لمبی رخصت لیکر قادیان گیا تو میری بیوی مرحومہ کی طبیعت ناساز تھی۔ اس ناسازیٔ طبع کی وجہ سے وہ کئی دن عورتوں کی نماز باجماعت میں شامل نہ ہوسکیں۔ جو زنانخانہ میں ہؤا کرتی تھی۔ ذرا طبیعت درست ہوئی تو حضرت کے زنانخانہ میں گئیں۔ حضرت بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ جب آپ کی طبیعت ناساز تھی تو قادیان نہ آنا چاہئے تھا۔ جب یہاں نماز وغیرہ میں شمولیت نہ ہوسکی تو آنا نہ آنا برابر ہوگیا۔ حضرت اقدس نے سُنا تو فرمایا کہ "الاعمال بالنیات۔ جب دین سیکھنے اور ترقی رُوحانیت کے لئے وہ قادیان آئی ہیں تو اس کا اجر تو خدا کے ہاں لکھا گیا۔ انسان بیماری سے لاچار ہوتا ہے۔ اگر نمازوں وغیرہ میں شامل نہ ہوسکیں تو کچھ ہرج نہیں۔ خدا دل اور نیت کو دیکھتا ہے وہ قادیان آنے کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔ بلکہ بیماری میں آنے پر تو اجر زیادہ مترتب ہوگا۔ پس جو ہؤا خوب ہؤا۔ اسی میں بہتری تھی"۔ میری بیوی مرحومہ بیان کرتی تھیں کہ میرے دل کو اس قدر راحت و خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے اور سمجھ آگئی کہ خدا کے مامور واقعی "تسلی دہندہ" ہوتے ہیں وہ کبھی خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونے دیتے۔

دوستوں سے یک جہتی دوستوں کی تکلیف میں کام آنا آپ اپنا فرض اولین سمجھتے تھے۔ کسی کو روپے کی ضرورت ہوئی ہے تو چپ چاپ بغیر کسی کو اطلاع دیئے ہوئے اسے روپے بھیجدیتے ہیں چپ چاپ اس لئے کہ تا اُسے لینے میں شرم دامنگیر نہ ہو۔ کئی مخلص احباب تمام آرام و عیش پر لات مار کر آپ کی خدمت میں قادیان جا بیٹھے تھے۔ لنگر سے روٹی کھالی یا برائے نام کچھ ماہانہ لے لیا۔ ان کی ضروریات کا برابر خیال رکھتے۔ سردیوں کے شروع میں اس خیال سے کہ سردیوں میں گرم کپڑوں یا گرم بستر کی ضرورت ہوگی۔ خفیہ طور پر کچھ رقم نہایت اصرار سے دیتے۔ اگر وہ انکار کرتا تو آپ مزید اصرار کرتے۔ اور اُسے الامر فوق الادب چار و ناچار لینا پڑتا۔ کبھی کسی دوست کی نسبت پتہ لگا ہے کہ حالت بہت

تنگ ہے تو چپ چاپ اس کے گھر میں روپوں کی پوٹلی رکھ آتے۔ اور فرما دیتے کہ اگر وہ دوست پوچھے کہ یہ رُپے کہاں سے آئے تو کہہ دینا کہ مَیں چھوڑ گیا ہوں۔ اگر وہ واپس کرنا چاہتا تو آپ قبول نہ کرتے۔ ایک دفعہ حکیم فضل الدین صاحب بھیروی کو دو سو روپوں کی ضرورت ہوئی۔ اُنہوں نے حضرت اقدس سے یہ رقم قرض مانگی آپ نے بھیج دی۔ جب اُن کے ہاتھ میں روپیہ آگیا تو وہ رقم اُنہوں نے حضرت کی خدمت میں واپس بھیجدی۔ حضرت اقدس نے رقم واپس بھیجدی اور لکھ بھیجا کہ ہم اپنے مال کو اپنے اور اپنے دوستوں میں مشترک سمجھتے ہیں۔ آپ کو ضرورت تھی آپ نے روپے منگوا بھیجے۔ ہم کو ضرورت ہوگی ہم آپ سے منگوا بھیجیں گے۔ اِس وقت مجھے ضرورت نہیں اس لیئے اس رقم کو واپس کرتا ہوں"۔

ایک دفعہ ایک شخص عبداللہ عرب قادیان سے حضرت اقدس کی بیعت کر کے بغداد چلا گیا اور وہاں مطب جاری کیا۔ اُس زمانہ میں وہاں ترکی گورنمنٹ تھی کسی وجہ سے ترکی گورنمنٹ نے اُسے گرفتار کرنا چاہا۔ اُس نے اپنی جان بچانے کیلئے یہ عذر کر دیا کہ مَیں ترکی رعیت نہیں ہوں بلکہ پنجاب کے شہر قادیان میں میرا گھر ہے اور وہاں میرا ایک باغ بھی ہے۔ اور ساتھ ہی مفتی محمد صادق صاحب کو ایک خط بھی لکھ دیا کہ مَیں نے ایسا عذر کیا ہے۔ ممکن ہے ترکی گورنمنٹ کی طرف سے وہاں پوچھ گچھ ہو۔ مفتی صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں یہ سب ماجرا عرض کر کے کہا کہ اُس نے بڑی غلطی کی جو ایسا کہا۔ حضرت اقدس کا چہرہ غمناک ہو گیا۔ فرمانے لگے "مفتی صاحب معلوم نہیں وہ بیچارہ کس مصیبت میں مبتلا ہے۔ اور وہاں کی حکومت اور پولیس اس کو کس تکلیف میں گرفتار کر رہی ہے اگرچہ اُس نے غلطی کی ہے مگر ہمارا باغ تو مریدوں ہی کا ہے۔ اگر وہ اس طرح سے مصیبت سے بچ سکتا ہے تو اُس کو ہی دیدیں گے"۔

غرضیکہ کوئی شخص اگر محبت آپ سے لگاتا اور گاڑھا تعلق پیدا کرتا تو وہ بالمقابل آپ کی محبت کو دیکھ کر شرمندہ ہو جاتا اور اپنی محبت کو بہت کم اور پست پاتا۔ دنیا میں کوئی ایسا رشتہ نہیں جسے اپنے متعلقین کی سود و بہبود کی وہ فکر ہو جو آپ کو اپنے متوسلین کی تھی۔ مولانا عبدالکریم صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"بارہا قسم کھا کر فرمایا ہے کہ ہم ایک شے سے محض خدا تعالیٰ کے لئے پیار کرتے ہیں۔ بیوی ہو بچے ہوں دوست ہوں سب سے ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے لیئے ہے"۔

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:۔ "جو شخص چاہیے کہ ہم اس سے پیار کریں اور ہماری دعائیں نیازمندی

اور سوز سے اس کے حق میں آسمان پر جائیں وہ ہمیں اس بات کا یقین دلا دے کہ وہ خادم دین ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔"

کسی کی دل شکنی گوارا نہ تھی

آپ کا اپنا طریق یہ تھا کہ زبان سے یا اپنے فعل سے کسی دوسرے کا دل دکھانا نہ چاہتے تھے۔ کوئی سختی کرتا تو آپ صبر اور تحمل سے کام لیتے لیکن خود کوئی ایسی بات نہ کرتے جس سے دوسرے کی دل شکنی ہو۔ بلکہ کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ سے بھی کسی کے دل کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہوتا تو اُسے حتی المقدور مٹانے کی کوشش کرتے۔ ایک دفعہ میر ناصر نواب صاحب مرحوم نے اپنے بھانجے محمد سعید صاحب کو جو اُن دنوں قادیان میں تھے اپنا ایک بانات کا کوٹ کو مستعمل تھا کسی خادمہ کے ہاتھ بطور ہدیہ بھیجا۔ محمد سعید صاحب نے نہایت حقارت سے وہ کوٹ واپس کر دیا۔ اور کہا کہ مَیں مستعمل کپڑا نہیں پہنتا۔ جب وہ خادمہ یہ کوٹ واپس لا رہی تھی تو رستہ میں حضرت اقدس نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میر صاحب نے یہ کوٹ محمد سعید کو بھیجا تھا مگر اُس نے واپس کر دیا ہے کہ مَیں اُترا ہوا کپڑا نہیں پہنتا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ "اس سے میر صاحب کی دل شکنی ہوگی تم یہ کوٹ ہمیں دے جاؤ ہم پہنیں گے اور اُن سے کہہ دینا کہ مَیں نے رکھ لیا ہے۔"

دوستوں سے وفاداری

حضرت اقدس دوستوں کے ساتھ اپنی دوستی میں کمال کے وفادار تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب لکھتے ہیں:-

"ایک دن فرمایا میرا یہ مذہب ہے کہ جو شخص مجھ سے عہد دوستی باندھے مجھے اس عہد کی اتنی رعایت ہوتی ہے کہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے مَیں اس سے قطع نہیں کر سکتا ہاں اگر وہ خود قطع تعلق کر دے تو ہم لاچار ہیں ورنہ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اگر ہمارے دوستوں سے کسی نے شراب پی ہو اور بازار میں گرا ہوا ہو اور لوگوں کا ہجوم اس کے گرد ہو تو بلا خوف لومۃ لائم کے اُسے اُٹھا کر لے آئیں گے۔ فرمایا عہد دوستی بڑا قیمتی جوہر ہے اس کو آسانی سے ضائع کر دینا نہ چاہئے۔ اور دوستوں سے کیسی ہی ناگوار بات پیش آئے اُسے اغماض اور تحمل کے محل میں اُتارنا چاہئے۔"

آپ کے اس فرمودہ کا منشا یہ نہیں کہ شرابیوں اور فاسق فاجروں کو اپنا دوست بنانے میں کوئی ہرج نہیں بلکہ منشا یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا کوئی دوست ہو اور وہ کسی قسم کی عملی کمزوری میں مبتلا ہو جائے تو اس وجہ سے اس کا ساتھ نہیں چھوڑ دینا چاہئے بلکہ اس کے ساتھ ہمدردی اور وفاداری کا طریق اختیار کرنا چاہئے اور مناسب طریق پر اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے۔ انسان کو

حتی الوسع اپنے لئے ہمیشہ اچھے دوستوں کا انتخاب کرنا چاہئے لیکن جب کسی کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں تو پھر ان تعلقات کا نبھانا بھی ضروری ہوتا ہے اور صرف اس وجہ سے کہ دوست کی طرف سے کوئی عملی کمزوری ظاہر ہوئی ہے یا کہ اس کے اندر کوئی کمزوری پیدا ہو گئی ہے تعلقات کا قطع کرنا مناسب نہیں بلکہ ایسے وقت میں دوستی کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ہمدردی اور خیر خواہی کے رنگ میں دوستانہ نصیحت اور دعا سے اس کی مدد کرنی چاہئے۔

دوستوں کو آپ ہمیشہ اپنے پاس آنے کی دعوت دیتے رہتے تھے

جس کسی کو جتنا آپ سے واسطہ پڑتا تھا وہ اُسی قدر آپ کے اخلاق کا گرویدہ ہو جاتا تھا اور جتنا آپ کا کوئی دوست اور واقف کار جلیس ہوتا وہ اسی اندازہ پر آپ کی راستی کا قائل ہوتا اور جتنا دراز عرصہ کوئی آپ کی خدمت میں رہتا وہ انتہائی محبت اور نیک گمان میں دوسروں کی نسبت بہت زیادہ ترقی کر جاتا۔ اور یہ آپ کی صداقت کی بہت بڑی دلیل تھی۔ کیونکہ کسی شخص کے اخلاق کا اندازہ تبھی ہوتا ہے جب اُس کی صحبت میں رہنے اور اُس کے اخلاق کو نزدیک سے دیکھنے کا موقعہ ملے۔ اور اس سے معاملہ پڑے۔ ایک دفعہ مَیں (یعنی خاکسار مؤلف) بھیرہ سے رخصت لیکر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ واپسی پر مجھے آغا محمد حسین صاحب تحصیلدار بھیرہ نے کہا کہ آپ اپنے مرشد کے پاس گھڑی گھڑی جاتے ہیں۔ آپ کو علم نہیں کہ یہ ایک مسلّم امر ہے کہ مرشد کے پاس بہت نہیں جانا چاہئے کیونکہ دور رہنے میں جو عقیدت ہوتی ہے وہ پاس جانے اور رہنے سے قائم نہیں رہتی۔ مَیں نے عرض کی کہ "یہ عام پیروں اور مشائخ کے لئے صحیح ہو گا کیونکہ نزدیک رہنے سے اُن کے تقوے اور طہارت کی قلعی کھُل جاتی ہے۔ یہاں معاملہ اُلٹا ہے۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کے نزدیک رہنے سے اُن کے ساتھ عقیدت بڑھتی ہے کیونکہ ان کی للّٰہیت اور اخلاق فاضلہ دیکھ دیکھ کر ایمان اور معرفت میں ترقی ہوتی ہے۔ اور ان کی صداقت اور زیادہ عیاں ہوتی ہے۔" حضرت اقدس کی خود بھی یہی خواہش ہوا کرتی تھی کہ احباب آپ کے پاس بار بار آویں اور زیادہ سے زیادہ عرصہ آپ کی صحبت میں رہیں تاکہ فیض رُوحانی اور تزکیہ نفس سے حصہ لیں۔ مَیں یہاں مولوی عبدالکریم صاحب کی تحریر سے کچھ اقتباس پیش کرتا ہوں۔ لکھتے ہیں:۔

"حضرت کبھی پسند نہیں کرتے کہ خدام ان کے پاس سے جائیں۔ آنے پر بڑے خوش ہوتے ہیں اور جانے پر کُرہ (یعنی ناپسندیدگی اور مجبوری سے۔ ناقل) سے رخصت دیتے ہیں۔ اور کثرت سے آنے جانیوالوں کو بہت ہی پسند فرماتے ہیں۔ اب کی دفعہ دسمبر میں بہت کم لوگ آئے۔ اس پر بہت اظہار افسوس کیا۔ اور فرمایا۔ "ہنوز لوگ ہمارے اغراض سے واقف نہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں

کہ وہ کیا بن جائیں۔ وہ غرض جو ہم چاہتے ہیں اور جس کے لئے ہمیں خدا تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے وہ پوری نہیں ہوسکتی جب تک لوگ یہاں بار بار نہ آئیں اور آنے سے ذرا بھی نہ اکتائیں۔ اور فرمایا جو شخص ایسا خیال کرتا ہے کہ آنے میں اُس پر بوجھ پڑتا ہے یا ایسا سمجھتا ہے کہ یہاں ٹھیرنے میں ہم پر بوجھ ہوگا اُسے ڈرنا چاہیئے کہ وہ شرک میں مبتلا ہے۔ ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ اگر سارا جہان ہمارا عیال ہو جائے تو ہمارے مہمات کا متکفل خدا ہے۔ ہم پر ذرا بھی بوجھ نہیں ہمیں تو دوستوں کے وجود سے بڑی راحت پہنچتی ہے۔ یہ وسوسہ ہے جسے دلوں سے دُور پھینکنا چاہیئے"۔ میں نے بعض کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم یہاں بیٹھ کر کیوں حضرت صاحب کو تکلیف دیں۔ ہم تو نکمے ہیں۔ یوں ہی روٹی بیٹھ کر کیوں توڑا کریں۔ وہ یاد رکھیں یہ شیطانی وسوسہ ہے جو شیطان نے اُن کے دلوں میں ڈالا ہے کہ اُن کے پَیر یہاں جمنے نہ پائیں۔ ایک روز حکیم فضل الدین صاحب نے عرض کیا کہ حضور میں یہاں نکما بیٹھا کیا کرتا ہوں مجھے حکم ہو تو بھیرہ چلا جاؤں۔ وہاں درس قرآن کریم ہی کروں گا۔ یہاں مجھے بڑی شرم آتی ہے کہ میں حضور کے کسی کام نہیں آتا اور شاید بیکار بیٹھنے میں کوئی معصیت نہ ہو۔ فرمایا۔ آپ کا یہاں بیٹھنا ہی جہاد ہے۔ اور یہ بیکاری ہی بڑا کام ہے۔ غرض بڑی دردناک اور افسوس بھرے لفظوں میں نہ آنے والوں کی شکایت کی۔ اور فرمایا یہ عذر کرنیوالے وہی ہیں جنہوں نے حضور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عذر کیا تھا ان بیوتنا عورۃ اور خدا تعالیٰ نے ان کی تکذیب کر دی کہ ان یریدون الا فرارًا...... فرمایا ہمارے دوستوں کو کس نے بتایا ہے کہ زندگی بڑی لمبی ہے۔ موت کا کوئی وقت نہیں کہ کب سر پر لوٹ پڑے۔ اس لئے مناسب ہے کہ جو وقت ملے اُسے غنیمت سمجھیں۔ فرمایا "یہ ایام پھر نہ ملیں گے اور یہ کہانیاں رہ جائیں گی" بھائیو خدا کیلئے تلافی کرو۔ اور ان جھوٹے تعلقات کی بستگی سے دست کشی کرو۔ اور یاد رکھو ابدی کام آنیوالا تعلق یہی ہے اور کوئی نہیں۔ باقی سارے تعلقات حسرت ہو جائیں گے یا گناہ کی صورت میں طوق گلو ہوں گے۔ میں ہمیشہ حضرت کی اس سیرت سے کہ وہ بہت چاہتے ہیں کہ لوگ اُن کے پاس رہیں یہ نتیجہ نکالا کرتا ہوں کہ یہ آپ کی صداقت کی بڑی بھاری دلیل ہے اور آپ کی رُوح کا کامل شعور ہے کہ آپ منجانب اللہ اور راستباز ہیں۔ جھوٹا ایک دن میں گھبرا جاتا ہے اور دوسروں کو دھکے دے کر نکالتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اُس کا پول ظاہر ہو جائے"۔

(سیرت مسیح موعودؑ مؤلفہ مولوی عبدالکریم صاحبؓ)

آپکا حلم اور سائل سے نرمی کا سلوک

حضرت اقدس سے ملنے والے ہر قسم کے لوگ آتے تھے۔ بعض نہایت شوخ اور دریدہ ذہن لوگ بھی آتے تھے۔ اور گفتگو کے وقت آپ سے نہایت گستاخانہ کلام کرتے تھے۔ لیکن بالمقابل آپ کے ماتھے پر کبھی شکن بھی نہ پڑتی اور نہایت ٹھنڈے دل سے اور متانت اور خاموشی سے آپ سب کچھ سُنکر جواب نہایت نرمی اور انکسار سے دیتے اور کبھی غصہ نہ کرتے اور کبھی کوئی درشت کلمہ استعمال نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک شخص قادیان آیا اور مہمان خانہ میں ٹھیرا۔ اُسے اپنی عبادت اور زہد پر بڑا ناز تھا۔ الہام کا بھی مدعی تھا۔ اتفاق سے اُس کا لوٹا مہمان خانہ میں گم ہوگیا۔ ظہر کے وقت حضرت اقدس مسجد میں تشریف لائے تو اُس نے شکایت کی کہ میرا لوٹا گم ہوگیا ہے۔ حضرت نے ایک دوست کو حکم دیا کہ مہتمم مہمان خانہ کو کہدیں کہ "فوراً ایک نیا لوٹا خرید کر انہیں دیدو" لیکن نہ معلوم اس خشک مزاج زاہد کو کسقدر غصہ چڑھا ہوا تھا کہ اس سے اس کی تسلّی نہ ہوئی۔ اور آپ کے ساتھ گستاخانہ کلام کرتا رہا۔ آپ بالکل خاموش رہے۔ بایں ہمہ وہ دمبدم تیز ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ دشنام دہی پر اُتر آیا۔ مَیں (یعنی خاکسار مؤلف) پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اسکی اس بدتہذیبی پر دل چاہا کہ تھپڑ مار کر مسجد سے باہر نکال دوں۔ لیکن ایسا کر نہ سکتا تھا کیونکہ حضرت اس امر کو قطعًا پسند نہ فرماتے تھے۔ مَیں حضرت صاحب کو دیکھتا تھا تو وہاں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی برف کا ڈھیر رکھا ہوا ہے۔ آپ نہایت اطمینان سے بیٹھے سُن رہے تھے۔ جب وہ بکتا بکتا دم لینے کو چپ ہوجاتا تو آپ جواب میں فرماتے کہ "مجھے بڑا افسوس ہے کہ مہمانخانہ کے ملازموں کی غفلت سے آپ کا لوٹا گم ہوگیا۔ جس سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ ابھی آپ کو نیا لوٹا مل جاتا ہے" لیکن وہ بداخلاق شخص پھر وہی بکواس شروع کر دیتا۔ اور آپ پھر اُسی طرح نہایت اطمینان اور سکون سے اس کی گالیاں سُنتے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ نماز باجماعت نے اس سلسلہ کو ختم کر دیا لیکن فریضہ نماز ادا کرنے کے بعد حضرت اقدس جو اندر تشریف لے جانے لگے تو اُس شخص نے پیچھے سے آپ کا کوٹ پکڑ لیا۔ آپ نے منہ پھیر کر دیکھا تو اُس نے آپ کو مخاطب کر کے کہا کہ "سُن۔ مجھے خدا نے بتایا ہے کہ تو بہت جلد طاعون سے ہلاک ہو جائے گا"۔ حضرت نے اس کے جواب میں کچھ نہ کہا اور خاموشی سے اندر تشریف لیگئے۔ اُس آدمی کو نیا لوٹا خرید دیا گیا اور وہ قادیان سے چلا گیا۔ لیکن خدا کی شان وہ اپنے گاؤں میں جو ضلع فیروز پور میں تھا پہنچتے ہی طاعون سے ہلاک ہوگیا۔

حضرت اقدس ۱۸۹۱ء میں جب لاہور تشریف لے گئے تو وہاں ایک شخص آپ کے پاس آیا اور آتے ہی آپ کو بُرا بھلا کہنے لگا اور سخت گالیاں بکنی شروع کر دیں۔ جب بہت دیر تک

بکتے بکتے وہ تھک کر چپ ہؤا تو آپ نے نہایت ٹھنڈک اور سکینت کے ساتھ اُسے کہا کہ "بھائی کچھ اور بھی کہنا ہے تو کہہ لو" اس پر وہ شخص بڑا متاثر ہؤا اور نادم ہو کر اُس نے آپ سے معافی مانگی۔ ایک تعلیم یافتہ اور فہمیدہ ہندو بھی بیٹھا ہؤا تھا یہ حالت دیکھ کر کہنے لگا کہ حضرت مسیح کی نرم مزاجی کی حکایتیں تو فقط سنی ہوئی تھیں۔ مگر آج آنکھوں سے اخلاق کا یہ نمونہ دیکھا۔ ایسا شخص ناممکن ہے کہ کامیاب نہ ہو۔

اسی طرح ایک دفعہ قادیان میں ایک نہایت شوخ زبان مولوی لکھنؤ سے آیا۔ اور شیخی مارنے لگا کہ میں ایک جماعت کا نمائندہ ہوں اور تحقیقات کیلئے آیا ہوں۔ لیکن گفتگو میں اس کا لہجہ نہایت گستاخانہ اور شوخ تھا۔ آپ نے اپنے دعوے کے متعلق ایک پُراز معارف وحقائق تقریر فرمائی۔ وہ شخص بجائے اس کے کہ آپ کے دلائل پر توجہ کرتا۔ تقریر کے درمیان میں ہی نہایت اہانت آمیز الفاظ میں بول اُٹھا کہ پنجابی ہونے کی وجہ سے آپ کے حلق سے قاف تو نکلتا نہیں ۔ آپ مہدی کیسے ہو سکتے ہیں۔ مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی نے اس کی اس بیہودہ گوئی پر اُسے کہا کہ آپ ذرا تہذیب سے کلام کریں۔ حضرت اقدس نے فوراً مولوی مبارک علی صاحب کو روک دیا۔ اور صبر اور حلم کی تلقین فرمائی۔ اتفاق سے وہاں صاحبزادہ عبداللطیف صاحب ساکن خوست بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو اس مولوی کی اس بدتمیزی پر سخت غصہ آیا۔ اور اسی جوش میں اس کے ساتھ فارسی میں گفتگو شروع کر دی۔ حضرت اقدس نے صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کو سمجھا کر ٹھنڈا کیا لیکن اس مولوی کو کچھ نہ کہا۔ بلکہ حسب معمول برابر اس کی خاطر و تواضع ہوتی رہی۔ کسی دوسرے وقت جب صاحبزادہ عبداللطیف صاحب مجلس میں موجود نہ تھے حضرت اقدس فرمانے لگے کہ "اُس وقت صاحبزادہ صاحب کو بہت غصہ آگیا تھا چنانچہ میں نے اسی ڈر سے کہ کہیں وہ اس غصہ میں اس مولوی کو مار ہی نہ بیٹھیں۔ صاحبزادہ صاحب کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں دبائے رکھا۔"

ایک اسی قسم کا واقعہ مولوی عبدالکریم صاحب بھی تحریر فرماتے ہیں۔ وھو ہذا:-

آپ (یعنی حضرت اقدس) دینی سائل کو خواہ کیسی ہی بے باکی سے بات چیت کرے اور گفتگو بھی آپ کے دعوے کے متعلق ہو بڑی نرمی سے جواب دیتے اور تحمل سے کوشش کرتے ہیں کہ آپ کا مطلب سمجھ جائے۔ ایک روز ایک ہندوستانی جس کو اپنے علم پر بڑا ناز تھا اور اپنے تئیں جہاں گرد اور سرد و گرم زمانہ دیدہ وچشیدہ ظاہر کرتا تھا، ہماری مسجد میں آیا اور حضرت سے آپ کے دعوے کی نسبت بڑی گستاخی سے باب کلام وا کیا۔ اور تھوڑی ہی گفتگو کے بعد کئی دفعہ

کہا آپ اپنے دعوے میں کاذب ہیں اور مَیں نے ایسے مکّار بہت سے دیکھے ہیں اور مَیں تو ایسے کئی بغل میں دبائے پھرتا ہوں۔ غرض ایسے ہی بیباکانہ الفاظ کہے مگر آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ بڑے سکون سے سُنا کئے۔ اور پھر بڑی نرمی سے اپنی نوبت پر کلام شروع کیا۔ بسا اوقات بعض سامعین اس دلخراش لغو کلام سے گھبرا کر اُٹھ گئے ہیں۔ اور آپس میں نفرین کے طور پر کانا پھوسی کی ہے۔ اور مجلس کے برخاست ہونے کے بعد تو ہر ایک نے اپنے اپنے حوصلے اور ارمان بھی نکالے ہیں مگر مظہر خدا کے حلیم اور شاکر ذات نے کبھی بھی ایسا کوئی اشارہ کنایہ نہیں کیا" (سیرت مسیح موعود مؤلفہ مولوی عبدالکریم صاحب)

ایک دفعہ ایک عرب صاحب، قادیان تشریف لائے لیکن تھے بہت تیز۔ آتے ہی حضرت اقدس کو کذاب اور کافر جو دل چاہا کہہ ڈالا۔ خود حضرت صاحب فرماتے تھے کہ میرے دل میں یہ بات پڑی کہ اسی اگالیاں دینے والے کو پوری پوری تبلیغ کرنی چاہئے۔ اور اس کی گالیوں سے گھبرانا نہ چاہئے۔ چنانچہ میں برابر گالیاں کھاتا گیا اور تبلیغ کرتا گیا یہاں تک کہ خدا نے ایسا فضل کیا کہ تین روز کے اندر اُس نے بیعت کر لی۔

ایک دفعہ حضرت اقدس بڑی مسجد میں تقریر فرما رہے تھے اور جلسہ کی وجہ سے جماعت کثیر تعداد میں جمع تھی کہ اتنے میں ایک آریہ مسجد میں گھس آیا اور سامنے کھڑا ہو کر حضرت صاحب کو اور آپ کی جماعت کو سخت گندی اور فحش گالیاں دینے لگا۔ اور ایسا شروع ہوا کہ بس چپ ہونے میں ہی نہ آتا تھا۔ مگر حضرت اقدس خاموشی کے ساتھ سُنتے رہے۔ اتنے بڑے مجمع میں ہر قسم کی طبائع کے لوگ ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کو اُس وقت اس قدر جوش تھا کہ حضرت صاحب کی اجازت ہوتی تو کسی دیں تکا بوٹی کر دیتے۔ مگر آپ کے خوف سے سب خاموش رہے۔ آخر جب اس کی فحش زبانی حد سے گزر گئی اور اُسے بار بار نرمی سے سمجھانے کے باوجود وہ اپنی اس گندہ دہنی اور دشنام دہی سے باز نہ آیا۔ تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ اسے نرمی سے پکڑ کر مسجد سے باہر کر دیں مگر اسے کچھ نہ کہیں۔ اور اگر یہ نہ جاوے تو پولیس کے سپاہی حاکم علی کے سپرد کر دیں۔

ایسے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے تھے۔ کہاں تک لکھا جائے مشتے نمونہ از خروارے اتنے ہی کافی ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے بعض اوقات غصّہ کی حالت تکلّف سے بنانی پڑتی ہے۔ ورنہ خود طبیعت میں بہت کم غصّہ پیدا ہوتا ہے"۔

مہمان نوازی آپ کی مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ جہاں کوئی دوست آیا اور آپ کا چہرہ خوشی سے

پھول کی طرح کھل گیا۔ بعض دفعہ سروقد تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے۔ اُسے اچھی جگہ بٹھاتے۔ اس کی اور اس کے متعلقین کی خیریت دریافت فرماتے۔ اور جو کچھ وہ عرض کرتا بڑی توجہ سے سُنتے۔ پھر اُس کے قیام اور طعام کی نسبت دریافت فرماتے۔ آپ کا پرانا خادم حامد علی تھا اسے اسی لئے مہمان خانہ پر متعین کر دیا تھا تا مہمانوں کی خاطرداری میں فرق نہ ہو۔ اُسے آپ بار بار تاکید فرماتے کہ کسی مہمان کو تکلیف نہ ہو اگر کوئی مہمان زیادہ عرصہ ٹھیرتا تو دریافت فرمالیتے کہ اپنے گھر میں وہ کیا کیا کھانا کھاتا تھا تا کہ وہی کھانا اس کے لئے مہیا کیا جائے اور عادت کے خلاف کھانا کھانے سے اُسے تکلیف نہ ہو۔ اگرچہ آدمی متعین تھے مگر خود بھی مہمانوں کا بڑا خیال رکھتے۔ اُن کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر خود ہی سب تدارک فرماتے۔ خاکسار مؤلف ۱۹۰۶ء میں جب لمبی رخصت لیکر قادیان حاضر ہوا تو برسات کا موسم تھا۔ سخت گرمی تھی۔ اور بہت بڑا کنبہ میرے ساتھ تھا۔ رتھوں میں بٹالہ سے ۵ بجے شام کو روانہ ہوئے تھے مگر بیلوں کی سُست رفتاری کی وجہ سے رات کے گیارہ بجے ہم قادیان پہنچے۔ دارالبرکات میں ہمیں اُتارا گیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے ساتھ تھے جن کا گزارہ فقط دودھ پینے پر تھا۔ مَیں اُسی وقت قادیان کے ایک احمدی شیر فروش کی دوکان پر گیا جو وہاں اکیلی دوکان تھی۔ مَیں جا کر کھڑا ہی ہوا تھا جو ایک شخص اُس کا سارا دُودھ خرید کر لے گیا۔ مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ بھاگا ہوا جائے قیام پر پہنچا تو معلوم ہوا وہ دودھ حضرت صاحب نے ہمارے لئے ہی خرید کیا تھا۔ چنانچہ وہ سارا دودھ ہمارے ہاں پہنچ چکا تھا۔ بات یہ ہوئی کہ جیسے ہی ہم لوگ قادیان پہنچے اور حضرت اقدس کو پتہ لگا کہ چھوٹے چھوٹے بچے ساتھ ہیں۔ آپ کو فوراً خیال ہوا کہ انہیں دُودھ کی ضرورت ہوگی۔ اسی وقت حضرت صاحب نے خاص طور پر آدمی دوڑایا کہ جتنا بھی دودھ ملے سب لے آؤ۔ چنانچہ وہ لے آیا۔ مہمانوں کی ضروریات کو خود ہی سمجھ کر پورا کر دینا یہ بڑی فراست کو چاہتا ہے اور اعلیٰ درجہ کی مہمان نوازی کا نشان ہے۔

اسی طرح انہی ایام میں ایک صبح کو ہم لوگ جو اُٹھے تو موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ اُن دنوں برسات میں قادیان میں اسقدر کیچڑ اور پانی جمع ہو جاتا تھا کہ باہر گلی میں انسان کے لئے قدم دھرنا مشکل ہو جاتا۔ اور اُس دن تو بارش دم ہی نہ لیتی تھی۔ قادیان کی حالت اُس وقت ایک نہایت چھوٹے سے قصبہ کی تھی دکانیں بند۔ لوگ گھروں میں گھسے ہوئے۔ کھانے پینے کو کچھ نہ ملتا تھا۔ کھانا لنگر خانہ سے آتا تھا۔ وہاں بھی بارش کی وجہ سے کچھ پک نہ سکا تھا۔ کسی کو ہمت ہی نہ پڑتی تھی کہ گھر سے سر باہر نکالے۔ کہ اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ دادی (حضرت صاحب کی خادمہ۔ سب اُسے دادی دادی کہتے تھے) بھیگتی بھیگتی چلی آرہی ہے ہاتھ میں دیگچی۔ اُس میں دُودھ۔ مصری اور ڈبل روٹی علیحدہ۔ کہنے لگی کہ حضرت صاحب کو جب پتہ لگا کہ

اب تک بارش کی وجہ سے لنگر خانہ میں کچھ پک نہیں سکا تو خود اُٹھ کر دودھ اور ڈبل روٹی بھجوائی ہے۔ کہ بچوں کو تو کچھ کھانے کو ملے۔ بعد میں کھانا تیار ہوتا رہے گا۔

مولوی محمد علی صاحب کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی اور خانہ داری کا انتظام کوئی نہ تھا۔ حضرت صاحب کے مکان کے ایک حصہ میں ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں رہتے تھے۔ کھانا تو لنگر سے آتا تھا۔ لیکن حضرت اقدس کا قاعدہ تھا کہ خود صبح کے وقت گلاس میں دودھ ڈال کر اور پھر اس میں مصری حل کر کے اُن کے لئے خاص اہتمام سے بھجوایا کرتے تھے۔ ناشتہ کے لئے بسکٹ انڈے وغیرہ بھی برابر ارسال فرماتے اور پھر لیجانے والے سے دریافت بھی کر لیتے تھے کہ انہوں نے اچھی طرح سے کھا بھی لیا۔ تب آپ کی تسلی ہوتی۔

جن ایام میں حضرت اقدس باہر دوستوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے تو بارہا ایسا ہوتا کہ آپ درمیان میں اُٹھ اُٹھ کر گرم چپاتی اندر سے لے آتے۔ کسی دوست کی فرمائش پر مربّہ یا اچار اندر سے لے آتے۔ خود تو بہت کم کھاتے تھے اس لئے زیادہ وقت دوستوں کو کھلانے میں ہی گزرتا تھا۔ اپنے آگے سے گوشت کی بوٹیاں اُٹھا کر دوستوں کے آگے رکھ دیتے۔ اگر خادم سالن کا بڑا پیالہ آپ کے آگے رکھ دیتا تو وہ اُٹھا کر کسی دوسرے کے سامنے رکھ دیتے۔ خود چھوٹا پیالہ لے لیتے۔ حافظ عظیم بخش صاحب پٹیالوی آنکھوں سے نابینا تھے وہ ذکر کیا کرتے تھے کہ حضرت اقدس مجھے اپنے ہاتھ سے لقمہ بنا کر دیتے اور مَیں کھاتا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت اقدس باہر دوستوں کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ کھانے میں مولوی نورالدین صاحب۔ مولوی عبدالکریم صاحب۔ مولوی محمد احسن صاحب اور میر شفیع احمد صاحب دہلوی شریک تھے۔ اس وقت اندر سے حضرت بیوی صاحبہ نے قیمہ بھرے ہوئے کریلے بھجوائے۔ حضرت صاحب نے ایک ایک کریلا مولوی نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ اس کے بعد دو کریلے حضرت صاحب کے سامنے رہ گئے۔ میر شفیع احمد صاحب نوجوان لڑکے سے تھے۔ اُنہیں خیال ہُوا کہ میرے سامنے حضرت صاحب شاید کوئی کریلا نہیں رکھیں گے۔ اُن کا بیان ہے کہ مجھے یہ خیال آنا ہی تھا کہ حضرت صاحب نے وہ دونو کریلے اُٹھا کر میرے سامنے رکھ دیئے۔ مَیں نے بہت عرض کیا کہ ایک حضور بھی لے لیں مگر حضرت صاحب نے نہیں لیا۔

مہمان خانہ کے مہتمم سے بار بار دریافت فرمایا کرتے کہ کوئی مہمان بھوکا تو نہیں رہ گیا یا کسی کی طرف سے ملازمان لنگر خانہ نے تغافل تو نہیں کیا بعض موقعہ پر ایسا ہُوا کہ کسی مہمان کیلئے سالن نہیں بچا

یا وقت پران کے لئے کھانا رکھنا یاد نہ رہا تو اپنا سالن یا بعض دفعہ اپنا سب کھانا اُٹھوا کر مہمان کو بھجوا دیا
سیرۃ المہدی حصّہ دوم میں قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری کا ایک اسی قسم کا واقعہ درج ہے
قاضی صاحب بیان کرتے ہیں کہ:-

"ایک دفعہ مَیں اور عبدالرحیم خاں صاحب پسر مولوی غلام حسن خاں صاحب پشاوری مسجد مبارک میں کھانا کھا رہے تھے جو حضرت صاحب کے گھر سے آیا تھا۔ ناگاہ میری نظر کھانے میں ایک مکھی پر پڑی چونکہ مجھے مکھی سے طبعاً نفرت ہے مَیں نے کھانا ترک کر دیا۔ اس پر حضرت کے گھر کی ایک خادمہ کھانا اُٹھا کر واپس لے گئی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت حضرت اقدس اندرون خانہ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ خادمہ حضرت کے پاس سے گزری تو اُس نے حضرت سے یہ ماجرا عرض کر دیا۔ حضرت نے فوراً اپنے سامنے کا کھانا اُٹھا کر اس خادمہ کے حوالہ کر دیا کہ یہ لے جاؤ اور اپنے ہاتھ کا نوالہ بھی برتن میں ہی چھوڑ دیا۔ وہ خادمہ خوشی خوشی ہمارے پاس وہ کھانا لائی اور کہا کہ لو حضرت صاحب نے اپنا تبرک دیدیا ہے۔ اس وقت مسجد میں سیّد عبدالجبار صاحب بھی جو گزشتہ ایام میں کچھ عرصہ بادشاہ سوات بھی رہے ہیں موجود تھے۔ چنانچہ وہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گئے۔"

سیرۃ المہدی حصہ دوم میں مفتی محمد صادق صاحب بیان کرتے ہیں:-

"ایک دفعہ مَیں لاہور سے حضور کی ملاقات کے لئے آیا اور وہ سردیوں کے دن تھے اور میرے پاس اوڑھنے کے لئے رضائی وغیرہ نہ تھی۔ مَیں نے حضرت اقدس کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ حضور رات کو سردی لگنے کا اندیشہ ہے حضور مہربانی کر کے کوئی کپڑا عنایت فرماویں حضرت صاحب نے ایک ہلکی رضائی اور ایک دُھسا ارسال فرمایا اور ساتھ ہی پیغام بھیجا کہ رضائی محمود کی ہے اور دھسا میرا ہے۔ آپ ان میں سے جو پسند کریں رکھ لیں اور چاہیں تو دونو رکھ لیں۔ مَیں نے رضائی رکھ لی اور دُھسا واپس بھیجدیا۔ نیز مفتی صاحب نے بیان کیا کہ جب مَیں قادیان سے واپس لاہور جایا کرتا تھا تو حضور اندر سے میرے لئے ساتھ لیجانے کے واسطے کھانا بھجوایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب مَیں شام کے قریب قادیان سے آنے لگا تو حضرت صاحب نے اندر سے میرے واسطے کھانا منگایا۔ جو خادم کھانا لایا وہ یونہی کُھلا کھانا لے آیا۔ حضرت صاحب نے خادم سے فرمایا کہ مفتی صاحب یہ کھانا کس طرح ساتھ لے جائیں گے کوئی رومال بھی تو ساتھ لانا تھا جس میں کھانا باندھ دیا جاتا۔ اچھا مَیں انتظام کرتا ہوں اور پھر

آپ نے اپنے سر کی پگڑی کا ایک کنارہ کاٹ کر اس میں وہ کھانا باندھ دیا۔"

کبھی باہر سے تحفہ کے طور پر کوئی کھانے کی چیز پھل مثلاً آم وغیرہ آجاتے تو خود طشتری میں رکھ کر اُٹھا لیتے اور مہمانوں کی آرام گاہ پر تشریف لیجاتے اور اُنہیں اپنے ہاتھ سے کھلاتے۔ کبھی ویسے ہی اپنے کسی خادم کے ہاتھ دوستوں کو بھیجدیتے۔ غرضکہ مہمان کی خدمت اور خاطر و مدارات کے لئے خدمتگزاروں کی طرح کمربستہ رہتے۔ ایک دفعہ بڑی رات گئے ایک مہمان آگیا۔ کوئی چارپائی خالی نہ تھی۔ اور سب سو رہے تھے۔ حضرت اقدس نے فرمایا ذرا ٹھیریئے میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور دیر تک واپس تشریف نہ لائے۔ مہمان نے خیال کیا کہ شاید حضرت بھول گئے۔ اس نے ڈیوڑھی میں جھانکا تو دیکھا کہ ایک صاحب چارپائی بُن رہے ہیں اور حضرت خود مٹی کا دیا لئے کھڑے ہیں۔ چارپائی بُنی گئی اور مہمان کو دی گئی۔ اِدھر مہمان صاحب عرقِ ندامت میں غرق ہو رہے تھے کہ میں نے آدھی رات کے وقت حضرت کو اسقدر تکلیف دی۔ اُدھر حضرت اقدس عذر فرما رہے تھے کہ معاف کرنا چارپائی لانے میں دیر ہو گئی۔

پٹیالہ میں مولوی محمود الحسن صاحب دہلی کے رہنے والے ایک بزرگ، تھے حضرت اقدس کے مرید تھے۔ سرتاپا اخلاص۔ شرافت اور وضعداری کی زندہ تصویر۔ اسکول میں معلّم تھے۔ تنخواہ قلیل۔ کنبہ بہت اس لئے تنگی ترشی میں گزر کرتے تھے۔ مگر سفید پوشی اور وقار میں فرق نہ آنے پاتا تھا۔ دُبلے پتلے آدمی۔ غذا کافی اور اچھی نہ ملنے کی وجہ سے سُوکھ کر اچھوہو گئے تھے۔ قادیان جو گئے تو چند روز رہ کر حضرت اقدس سے واپسی کی اجازت مانگی۔ حضرت نے فرمایا کہ اتنی جلدی! ابھی اور ٹھیریئے۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ اصل میں مجھے کچھ نزلہ زکام کی شکایت ہو گئی ہے میرا سینہ کمزور ہے۔ ڈر ہے کہ مرض کہیں بڑھ نہ جائے اور زیادہ تکلیف ہو جائے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اچھا ہم آپ کا یہاں ہی علاج کرتے ہیں۔ خادم کو بلوایا اور حکم دیا کہ مولوی صاحب کیلئے چوزہ کی یخنی تیار کرو اور ہر روز انہیں ایک چوزہ کی یخنی دیا کرو۔ مولوی صاحب تو روزانہ چوزہ کی یخنی پی کر دو ہفتہ میں ہی سرخ و سفید ہو گئے۔ کہاں گیا نزلہ اور کدھر گیا زکام۔ پٹیالہ واپس آئے تو نہایت چاق چوبند۔ دوست سب دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دریافت کیا تو سارا ماجرا اُنہوں نے ذکر کیا۔

میں ذکر کر چکا ہوں کہ حضرت اقدس ابتدائے عمر میں مولوی مبارک علی صاحب مرحوم کے والد مولوی فضل احمد صاحب سے بھی پڑھتے رہے تھے۔ مولوی مبارک علی صاحب کے چھوٹے بھائی مولوی محمد ایوب صاحب بیان کیا کرتے تھے کہ میری چھوٹی عمر تھی۔ جب میں قادیان جاتا تو گاؤں میں اِدھر اُدھر گھومتا رہتا۔ اور جب کھانے کے وقت موجود نہ ہوتا تو حضرت اقدس میری تلاش میں آدمی بھیجتے اور جبتک

میں حاضر نہ ہو جاتا حضرت کھانا نہ کھاتے۔ بعض دفعہ فرماتے کہ "یہ میرے اُستاد کے بیٹے ہیں ان کی۔ مجھے بہت خاطر اور عزت منظور ہے"۔

میر ناصر نواب صاحب مرحوم کی طبیعت سب جانتے ہیں کہ کس قدر تیز واقع ہوئی تھی۔ ایک دفعہ بہت سے مہمان آئے۔ میر صاحب مرحوم کسی مہمان سے کسی قدر سختی سے پیش آئے۔ حضرت اقدس کو خبر ہوئی تو آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور بڑے درد بھرے لہجہ میں فرمایا "میر صاحب مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے۔ میر صاحب مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے"۔ آپ بار بار اس فقرے کو دُہراتے۔ بیان کرنیوالا کہتا ہے کہ قریب تھا کہ آپ کے آنسو نکل پڑتے۔ پھر فرمایا کہ "میر صاحب یہ مہمان آپ کے پاس نہیں آتے میرے پاس آتے ہیں"۔

مولوی عبداللہ سنوری صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت اقدس مسجد مبارک کے ساتھ والے حجرہ میں لیٹے ہوئے تھے کہ حجرہ کی کھڑکی پر لالہ شرم پت یا شاید لالہ ملاوامل نے دستک دی میں اُٹھکر دروازہ کھولنے لگا۔ مگر حضرت صاحب نے بڑی پھرتی سے اُٹھ کر مجھ سے پہلے جا کر دروازہ کا کُنڈا کھول دیا اور پھر اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گئے۔ اور مجھ سے فرمایا کہ آپ ہمارے مہمان ہیں اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ مہمان کا اکرام کرنا چاہیئے۔

ایک سکھ مہمان کی سرگزشت

ایک دفعہ ایک سکھ مہمان آیا جس کا ذکر پیر سراج الحق صاحب نے اپنی کتاب تذکرۃ المہدی میں کیا ہے میں اسی کتاب میں سے نقل کر دیتا ہوں کیونکہ اس واقعہ سے حضرت اقدس کی ابتدائی زندگی کا بھی نقشہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:-

"قادیان کے پاس کے گاؤں کا ایک سکھ جاٹ جو عرصہ ہؤا فوت ہو گیا ہے اور وہ بہت معمّر آدمی تھا مجھ سے بیان کرتا تھا کہ میں مرزا صاحب (یعنی حضرت صاحب) سے بیس سال بڑا ہوں اور بڑے مرزا صاحب (یعنی حضرت صاحب کے والد صاحب) کے پاس میرا بہت آنا جانا رہتا تھا۔ میرے سامنے کئی دفعہ ایسا ہؤا کہ کوئی بڑا افسر یا رئیس بڑے مرزا صاحب سے ملنے کے لئے آتا تھا تو باتوں باتوں میں اُن سے پوچھتا تھا کہ مرزا صاحب! آپ کے بڑے لڑکے (یعنی مرزا غلام قادر) کے ساتھ تو ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ لیکن آپ کے چھوٹے بیٹے (مرزا غلام احمد) کو کبھی نہیں دیکھا۔ وہ جواب دیتے تھے کہ ہاں میرا ایک چھوٹا لڑکا بھی ہے۔ لیکن وہ تو الگ ہی رہتا ہے۔ اور لڑکیوں کی طرح شرم کرتا ہے۔ اور شرم کی وجہ سے کسی سے ملاقات نہیں کرتا۔ پھر وہ کسی کو بھیجکر مرزا صاحب (یعنی حضرت مسیح موعود) کو بلواتے تھے۔ مرزا صاحب آنکھیں نیچے کئے ہوئے آتے اور اپنے والد سے کچھ فاصلہ پر سلام کر کے بیٹھ جاتے

بڑے مرزا صاحب ہنستے ہوئے فرماتے کہ لو اب تو آپ نے اس دلہن کو دیکھ لیا ہے ؟"

پھر پیر صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"وہی سکھ جاٹ ایک دفعہ قادیان آیا۔ اس وقت ہم بہت سے آدمی گول کمرے میں کھانا کھا رہے تھے۔ اس نے پوچھا مرزا جی کہاں ہیں ؟ ہم نے کہا اندر ہیں اور چونکہ اس وقت آپ کے باہر تشریف لانے کا وقت نہیں ہے اس لئے ہم بلا بھی نہیں سکتے کیونکہ آپ کام میں مشغول ہوں گے۔ جب وہ تشریف لائیں گے مل لینا۔ اس پر اس نے خود ہی بے دھڑک آواز دیدی کہ "مرزا جی ذرا باہر آؤ" حضرت اقدس برہنہ سر اُس کی آواز سُن کر باہر تشریف لے آئے اور اُسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا۔ "سردار صاحب اچھے ہو۔ خوش ہو۔ بہت دنوں کے بعد ملے" اُس نے کہا "ہاں میں خوش ہوں مگر بڑھاپے نے ستا رکھا ہے۔ چلنا پھرنا بھی دشوار ہے پھر زمینداری کے کام سے فرصت کم ملتی ہے۔ مرزا جی آپ کو وہ پہلی باتیں بھی یاد ہیں۔ بڑے مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا مسیتڑ (یعنی مسجد میں ہر وقت بیٹھا رہنے والا۔ ناقل) ہے۔ نہ نوکری کرتا ہے نہ کماتا ہے۔ اور پھر وہ آپ کو ہنس کر کہتے تھے کہ چلو تمہیں کسی مسجد میں مُلاّ کروا دیتا ہوں۔ دس من دانے تو گھر میں کھانے کو آجایا کریں گے۔ پھر آپ کو وہ بھی یاد ہے کہ بڑے مرزا صاحب مجھے آدمی بھیج کر اپنے پاس بلا بھیجتے تھے اور آپ کو بڑے افسوس کی نگاہ سے دیکھتے کہ افسوس میرا یہ لڑکا دنیا کی ترقی سے محروم رہا جاتا ہے۔ آج وہ زندہ ہوتے تو یہ چہل پہل دیکھتے کہ کس طرح اُن کا وہی مسیتڑ لڑکا بادشاہ بنا بیٹھا ہے اور بڑے بڑے لوگ دُور دُور سے آکر اُس کے در کی غلامی کرتے ہیں" حضرت اقدس اس کی ان باتوں کو سُنکر مسکراتے جاتے تھے۔ اور پھر آخر میں آپ نے فرمایا "ہاں مجھے یہ ساری باتیں یاد ہیں یہ سب اللہ کا فضل ہے۔ ہمارا اس میں کوئی دخل نہیں ہے" اور پھر بڑی محبت سے اسے فرمایا کہ "ٹھیرو میں تمہارے لئے کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔ اور یہ کہکر آپ مکان کے اندر تشریف لے گئے"۔ پیر صاحب لکھتے ہیں کہ

"پھر وہ بڈھا سکھ جاٹ میرے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا اور کہنے لگا کہ بڑے مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ "میرا یہ لڑکا ملّاں ہی رہے گا۔ اور مجھے فکر ہے کہ میرے بعد یہ کس طرح زندگی بسر کرے گا۔ ہے تو وہ نیک مگر اب زمانہ ایسا نہیں۔ چالاک آدمیوں کا زمانہ ہے۔ پھر بعض اوقات آبدیدہ ہو کر کہتے تھے کہ غلام احمد نیک اور پاک ہے۔ جو حال اس کا ہے وہ ہمارا کہاں ہے"۔

یہ باتیں سُناتے ہوئے وہ سکھ خود بھی چشم پُر آب ہو گیا اور کہنے لگا "آج مرزا غلام مرتضیٰ

زندہ ہوتا تو کیا نظارہ دیکھتا ہا!

بذل و کرم حضرت اقدس بڑے سخی تھے آپ کا حال دنیا داروں کی طرح نہ تھا کہ مال کو سنبھال سنبھال کر رکھیں۔ ہاں آپ فضول خرچ بھی نہ تھے کہ بیجا طور پر مال خرچ کر ڈالیں۔ کان بین ذٰلک قواما پر آپ کا عمل تھا۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ جس کسی دوست کی نسبت علم ہو جاتا کہ اسے کھانے یا کپڑے سے تنگی ہے تو چپ چاپ خفیہ بغیر کسی کو علم ہوئے کوئی معقول رقم اُسے خود جا کر دیتے۔ اگر وہ لینے سے انکار کرتا تو آپ اصرار کرتے۔ یہاں تک کہ وہ مجبور ہو کر لے لیتا۔ سردیوں کے شروع میں بعض تنگ حال دوستوں کو خفیہ طور پر جاڑوں کے کپڑوں کے لئے کچھ رقم دے آتے۔ اور بڑے اصرار سے دیتے۔ ایک دفعہ آپ کو معلوم ہؤا کہ فلاں مرید مالی تنگی میں مبتلا ہے آپ نے پچیس روپے ایک پوٹلی میں باندھے اور اس کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ شخص بے انتہا خوش ہؤا کہ حضرت نے اس کے غریب خانہ کو قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ حضرت نے اس کے جملہ حالات دریافت کئے پھر پوچھا کہ کس قدر تنخواہ ملتی ہے اور گزران کی کیا حالت ہے۔ اُس نے کہا کہ آٹھ رُوپے تنخواہ ملتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ لئن شکرتم لازیدنکم۔ تھوڑے پر خدا کا شکر کرو خدا زیادہ بھی دیگا۔ پھر آپ وہاں سے تشریف لے آئے۔ آپ کی طبیعت میں حیا بہت تھی اس لئے دوبدو رُوپے دیتے ہوئے خود اپنے آپ کو بھی شرم آئی اس لئے چُپ چاپ روپوں کی پوٹلی وہیں چارپائی پر چھوڑ آئے۔ آپ کے چلے جانیکے بعد اس شخص نے دیکھا کہ روپوں کی پوٹلی چارپائی پر پڑی ہے۔ وہ یہ پوٹلی لے کر حضرت کے پیچھے بھاگا اور آپ سے کہنے لگا کہ حضرت آپ یہ پوٹلی بھول گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "نہیں میں تمہارے لئے ہی یہ رُوپے چھوڑ آیا ہوں"۔ اسی طرح ایک دفعہ ایک تنگ حال مرید کا پتہ لگا وہ آپ کے مکان کے ایک کمرہ میں ہی رہتا تھا۔ آپ نے اُدھر سے گزرتے ہوئے ایک پوٹلی روپوں کی اس کے کمرہ میں پھینک دی اور گھر والوں کو کہدیا کہ جب وہ آویں تو کہدینا کہ میں اُن کی ضروریات کے لئے یہ رُوپے چھوڑے جاتا ہوں۔ آپ جو کبھی کبھی دینے کا یہ طریق اختیار کرتے تھے تو اس کی وجہ آپ کی جبلی حیا تھی۔ آپ کسی کی مدد کرتے وقت خود شرم محسوس کرتے تھے۔ اور یہ بھی طبیعت پر بار تھا کہ لینے والا اگر دوبدو ہوگا تو وہ بھی شرم محسوس کرے گا۔ اس لئے اس طرح دیا جائے کہ آنکھیں نہ چار ہوں۔

جو بھی سائل آتا آپ کبھی اُس کو رد نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہؤا اور پچاس رُوپے کی ضرورت بیان کی۔ کہنے لگا کہ اگر پچاس رُوپے ہوں تو مکان قرضخواہوں کی قرقی سے بچ سکتا ہے۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور بجائے پچاس رُوپے کے ساٹھ روپے مولوی

عبدالکریم صاحب مرحوم کو بھیجدیئے کہ فلاں شخص کو دیدیں۔ مولانا عبدالکریم صاحب نے کہلا بھیجا کہ سائل کا سوال تو پچاس رُپے کا ہے۔ شاید حضرت کو غلطی لگی ہے کہ ساٹھ رُپے بھیجے ہیں۔ حضرت اقدس نے جواب میں فرمایا کہ پچاس روپیہ تو اُنہوں نے قرض ہی دینا ہے باقی اُن کے پاس کرایہ وغیرہ کے لئے کیا بچے گا؟ یہ دس رُپے ان کے اخراجات کرایہ وغیرہ کیلئے ہیں۔

سیّد عبدالحی صاحب عرب نے جب شادی کی تو ایک دفعہ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری بیوی کہتی ہے کہ ہمیں اپنا مکان بنوانا چاہیئے اس لئے میں فلاں جگہ جاتا ہوں وہ مالدار لوگ ہیں اُمید ہے مکان کیلئے روپیہ دیدیں گے۔ حضرت نے فرمایا اچھا کوشش کر دیکھئے۔ چنانچہ یہ گئے اور بے نیل مرام واپس آگئے اور حضرت سے ملے اور اپنا قصّہ بیان کیا۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ "عرب صاحب۔ زرمے طلبی سخن درین است۔ مگر آپ پریشان نہ ہوں آپ کے مکان کے لئے روپیہ ہم دیں گے" چنانچہ دوسرے دن آپ نے پانچ سو رُپے عرب صاحب کو تعمیرِ مکان کیلئے بھیجدیئے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت اقدس مسجد میں تشریف لائے۔ سب نماز کے لئے تیار ہی بیٹھے تھے فقط آپ کا انتظار تھا۔ ابھی آپ تشریف لائے ہی تھے کہ ایک سائل نے کچھ مانگا۔ آپ فی الفور واپس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ٹھیرو میں پہلے ان کا کام کر لوں۔ تھوڑی دیر کے بعد آئے اور کچھ نقدی لائے جو سائل کو دی اور پھر نماز ادا کی۔

اسی طرح ایک دفعہ جب آپ نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک شخص دانت کے درد میں مبتلا ہے۔ آپ فوراً واپس تشریف لے گئے۔ اندر سے دوائی لائے۔ اس کو دی اور پھر نماز ادا کی۔ اس کے معنے یہ کہ خلقِ خدا کی ہمدردی اور خدمت کا جذبہ آپکے دل میں بدرجۂ اتم تھا۔

مولوی عبدالکریم صاحب اپنی کتاب سیرت میں بیان فرماتے ہیں:۔

"ایک دن ایسا ہوا کہ نماز عصر کے بعد آپ معمولاً اُٹھے اور مسجد کی کھڑکی میں اندر جانے کے لئے پاؤں رکھا۔ اتنے میں ایک سائل نے آہستہ سے کہا میں سوالی ہوں۔ حضرت کو اُسوقت ایک ضروری کام بھی تھا۔ اور کچھ اُس کی آواز دوسرے لوگوں کی آوازوں میں مل جُل گئی تھی جو نماز کے بعد اُٹھتے اور عادتاً آپس میں کوئی نہ کوئی بات کرتے تھے۔ غرض حضرت سرزدہ اندر چلے گئے اور التفات نہ کیا۔ مگر جب نیچے گئے وہی دھیمی آواز جو کان میں پڑی تھی اب اُس نے اپنا نمایاں اثر آپ کے قلب پر کیا۔ جلد واپس تشریف لائے اور خلیفہ نورالدین صاحب کو آواز دی کہ ایک سائل تھا اُسے دیکھو کہاں ہے۔ وہ سائل آپ کے جانے کے بعد چلا گیا تھا خلیفہ صاحب

نے ہر چند ڈھونڈھا پتہ نہ ملا۔ شام کو حسب عادت نماز پڑھ کر بیٹھے وہی سائل آ گیا اور سوال کیا۔ حضرت نے بہت جلدی جیب سے کچھ نکال کر اُس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ اور اب ایسا معلوم ہوا کہ آپ ایسے خوش ہوئے ہیں کہ گویا کوئی بوجھ آپ کے اُوپر سے اُتر گیا ہے۔ چند روز کے بعد ایک تقریب سے ذکر کیا کہ اُس دن جو وہ سائل نہ ملا میرے دل پر ایسا بوجھ تھا کہ مجھے سخت بیقرار کر رکھا تھا اور میں ڈرتا تھا کہ مجھ سے معصیت سرزد ہوئی ہے کہ میں نے سائل کی طرف دھیان نہیں کیا اور یوں جلدی اندر چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ شام کو واپس آ گیا ورنہ خدا جانے میں کس اضطراب میں پڑا رہتا۔ اور میں نے دعا بھی کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اُسے واپس لائے"

غرضنکہ حضرت اقدس سائل کو رد نہیں کیا کرتے تھے جو کچھ میسر ہوتا دیدیتے تھے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب کا ایک بھتیجا ہوا کرتا تھا۔ سائیں عبدالرحمٰن نام تھا۔ بڑا وجیہ اور خوبصورت جوان۔ نہایت ذہین اور چرب زبان لیکن افسوس کہ رندمشرب اور آوارہ تھا۔ فقیر بنا پھرتا تھا۔ کبھی کبھی قادیان آ کر مولانا نورالدین صاحب کو دق کر کے خرچ کے لئے روپے لیجاتا تھا۔ مولوی نورالدین صاحب بھی بہت بڑے فیاض انسان تھے مگر ایک دفعہ تنگ آ کر اُسے روپے دینے سے اُنہوں نے انکار کر دیا۔ اُس نے حضرت اقدس مرزا صاحب کو ایک رقعہ لکھ بھیجا "کہ میں مولوی نورالدین صاحب کا بھتیجا ہوں اور مجھے اتنے روپوں کی ضرورت ہے۔ مولوی صاحب تو روپے نہیں دیتے آپ ہی دیدیں" لوگوں نے اُسے کہا کہ دیوانہ ہوا ہے جب تیرے چچا نے تجھے روپے نہیں دیئے تو حضرت صاحب کیوں دینے لگے۔ لیکن لوگوں کی تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب یہ دیکھا کہ حضرت صاحب نے مطلوبہ رقم اُسے بھیجدی اور وہ یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ "خدا کے مامور بارش کی طرح ہوتے ہیں جو اگر گل و گلزار پر برستی ہے تو کوڑے کرکٹ پر بھی برس جاتی ہے"

دوستوں میں خوش مزاجی اور مزاح

حضرت اقدس جب دوستوں سے ملتے تو ہمیشہ مسکراتے ہوئے اور نہایت خندہ پیشانی سے ملتے تھے اور نہایت بے تکلفی سے باتیں کرتے تھے۔ متکبر پیروں کی شان بنا کر بیٹھنا یہ آپ کا طریق نہ تھا۔ آپ کی طبیعت نہایت بامذاق تھی اس لئے بعض دفعہ مزاح بھی کر لیتے تھے لیکن اس طرح کہ الفاظ حقیقت سے الگ نہ ہوتے۔ فقط اس میں ایسا لطیف اور شگفتہ انداز پیدا کر لیتے کہ دل کو بہت پیارا لگتا تھا۔ کبھی کبھی دوران گفتگو میں کوئی پرمذاق حکایت بھی سُنا جایا کرتے تھے جس سے تمام مجلس کشت زعفران بن جایا کرتی تھی۔ خود بھی ہنستے تھے اور بعض دفعہ اتنا کہ آنکھوں سے آنسو نکل آتے تھے لیکن قہقہہ مارنا آپ کی عادت نہ تھی۔ ہنسی کے وقت منہ پر پگڑی کا پلہ

رکھ لیتے تھے۔ گفتگو میں کبھی کوئی لغو یا نازیبا لفظ آپ کی زبان سے نہیں نکلتا تھا۔ آپ کا مزاج نہایت معصومانہ رنگ کا ہوتا تھا۔ مثلاً خواجہ کمال الدین مرحوم سے آپ کو بہت محبت تھی۔ یہاں تک کہ اُن کے دوست اُنہیں "لاڈلا مرید" کہا کرتے تھے۔ خواجہ صاحب چونکہ بہت فربہ اور ضخیم شحیم آدمی تھے اسلئے جب مجلس میں چائے آتی تو سب سے بڑا پیالہ (پرانے فیشن کے بغیر ڈنڈی کے گول پیالوں میں چائے آتی تھی) خواجہ صاحب کے سامنے خود رکھ دیتے۔ اس پر آپ بھی ہنستے اور سب دوست بھی ہنستے۔ اور خواجہ صاحب ناز سے مسکراتے۔ دوستوں نے کہیں حضرت اقدس کو خبر کردی کہ خواجہ صاحب کو اچھا اور لذیذ کھانے کا بڑا شوق ہے۔ اس پر باورچی کو حضرت اقدس نے خاص طور پر حکم دیدیا کہ جب خواجہ صاحب آویں تو اُن کے لئے عمدہ کھانا تیار کیا جائے۔ ایک دفعہ خواجہ صاحب جو قادیان حاضر ہوئے تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ "خواجہ صاحب اب کے جلدی نہ واپس جائیے گا۔ ہم نے ایک باورچی منگوایا ہے جو نہایت لذیذ کھانے پکاتا ہے"۔ بس پھر کیا تھا سب دوست کھل کھلا کر ہنس پڑے اور خواجہ صاحب مسکراتے جاتے تھے اور معذرت کرتے جاتے تھے۔ خود حضرت اقدس ہنستے جاتے تھے۔ پھر واپس مہانخانہ گئے تو خواجہ صاحب اپنے دوستوں پر برس پڑے کہ تم نے حضرت کی خدمت میں یہ رپورٹ کیوں پہنچائی۔ ایک دفعہ خواجہ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "آپ لاہور جاتے ہیں تو کُنبھ کرن کی طرح چھ مہینے کے بعد کروٹ لیتے ہیں۔ آپ کو میرے پاس جلد جلد آنا اور میری صحبت میں زیادہ رہنا چاہیئے۔ کیا عجب ہے کہ آپ کو کہیں ہندوستان کے باہر جاپان یا کسی اور ملک میں تبلیغ اسلام کی خدمت پر جانا پڑ جائے"۔ [1]

[1] چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا یعنی خواجہ صاحب کو انگلستان تبلیغ اسلام کیلئے جانا پڑا اور خدا نے انہیں وہاں بڑی کامیابی عطا فرمائی اور ان کے ذریعہ حضرت اقدس مرزا صاحب کا وہ کشف پورا ہوا جس میں آپ نے دیکھا تھا کہ آپ لندن میں منبر پر خطبہ پڑھ رہے ہیں جو نصف عربی میں ہے اور نصف انگریزی میں۔ اور سفید پرندے پکڑ رہے ہیں۔ اور آپ نے اس کی تعبیر یہ فرمائی تھی کہ آپ کا کوئی مرید انگلستان میں تبلیغ اسلام کے لئے جائیگا اور اس کے ذریعہ وہاں انگریز مسلمان ہوں گے۔ پرندوں کا استعارہ قرآن کریم کا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جناب الٰہی میں اپنی مردہ قوم کے لئے دعا کی کہ رب ارنی کیف تحی الموتیٰ کہ میرے رب مجھے دکھا کہ تو ان مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔ تو جناب الٰہی نے فرمایا کہ چار پرندوں کو لو اور کوشش کر کے انہیں اپنی طرف مائل کرو۔ پرندے جیسی بھڑکنے والی جنس جو انسان کے سایہ سے بھی بھڑکتی ہے تم سے اسقدر مانوس ہو جائیگی کہ تم اگر ان کو دور پہاڑ پر بھی رکھ دوگے تو چاروں طرف سے تمہاری ایک آواز پر دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے۔ اسی طرح اگر صبر کے ساتھ تبلیغ میں کوشش کرتے رہوگے اور تالیف قلوب سے کام لوگے تو ایک دن آجائیگا کہ لوگوں کا تم سے بھڑکنا دور ہو جائیگا اور تمہاری ایک آواز پر یہ دوڑتے ہوئے تمہارے پاس آجائیں گے۔ یعنی یہ مردے زندہ ہو کر تمہاری اطاعت میں سرگرم ہو جائیں گے۔ (باقی برصفحہ ۱۳۲۳)

حضرت اقدس کو ایک دفعہ کسی خاتون نے یہ پیغام بھجوایا کہ میرے سر پر ایک جن ہے جو آپ کو مسیح موعود مانتا ہے وہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتا ہے اگر آپ اجازت دیں تو وہ آکر بیعت کرے۔ حضرت نے ہنس کر کہلا بھیجا کہ "اگر وہ جن بیعت کرنا چاہتا ہے تو اُسی خاتون کے سر پر چڑھ کر نہ آوے جو پہلے ہی میری مرید ہے بلکہ ہمارے کسی مخالف مولوی مثلاً مولوی ثناء اللہ امرتسری وغیرہ کے سر پر چڑھ کر آوے تاکہ لوگوں کو پتہ تو لگے کہ ہاں کسی جن نے بیعت کی ہے۔ ورنہ اس طرح معاملہ مشتبہ رہے گا۔"

حضرت اقدس کی زندگی کے آخری ایام میں بعض لوگ آپ کے لئے نیا کرتہ بنوالاتے اور اسے بطور نذر پیش کر کے حضور کا اُترا ہوا کرتہ تبرک کے طور پر مانگ کرلے جاتے۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ کسی نے میرے ہاتھ ایک نیا کرتہ بھجوا کر پرانے اُترے ہوئے کرتہ کی درخواست کی۔ گھر میں تلاش سے معلوم ہوا کہ اس وقت کوئی اُترا ہوا بے دُھلا کرتہ موجود نہیں۔ اس پر آپ نے اپنا مستعمل کرتہ دھوبی کے ہاں کا دُھلا ہوا دیئے جانے کا حکم فرمایا۔ مَیں نے عرض کیا کہ یہ دھوبی کے ہاں کا دُھلا ہوا کرتہ ہے اور وہ شخص تبرک کے طور پر میلا کرتہ لے جانا چاہتا ہے۔ حضور ہنس کر فرمانے لگے کہ "وہ بھی کیا برکت ہوئی جو دھوبی کے ہاں دُھلنے سے جاتی رہے"۔ چنانچہ وہی کرتہ اُس شخص کو دیدیا گیا۔

اس قسم کے لطائف اکثر ہوتے رہتے تھے۔ اور حضور کی خدمت میں جا کر طبیعت باغ باغ

(بقیہ صفحہ ۱۳۲۲) یہی حال بیان ہوا کہ وہ یورپین لوگ جو اسلام کے نام سے پرندوں کی طرح بھڑکتے تھے خدا کے فضل سے پکڑے گئے اور خواجہ صاحب اور ان کے احباب کے ہاتھ پر بہت بڑی تعداد میں مسلمان ہوئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ لارڈ ہیڈلے کے مسلمان ہونے پر جو خواجہ کمال الدین صاحب نے ایک نظم کہی تھی اس کے تین شعر یہاں نقل کرتا ہوں۔ اس میں اسی کشف کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ ؎

خود بخود کردی دراِفضال باز	حیف باشد گر کنم بر بخت ناز
آنچہ پیر ما را بنمودی بخواب	روزِ روشن دیدہ ام با چشمِ باز
من کہ سرگرداں پئے مرغاں شدم	تو عطا کردی مرا یک شاہباز

اسی طرح مغرب سے طلوع آفتاب کی جو حدیثوں میں پیشگوئی تھی اس سے بھی مطلب یہی تھا کہ آخری زمانہ میں مغربی ملکوں میں آفتابِ اسلام طلوع ہوگا۔ اسی پیشگوئی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خواجہ صاحب فرماتے ہیں:۔ ؎

اے خدا را قومِ من برخیز از مستانہ خواب	تا بکے غفلت ببیں بربام آمد آفتاب
کن نگاہ بر اُفقِ مغرب نمودِ آثارِ صبح	حیف باشد گر ایں ایّام بشناسی شتاب
در ملائک غلغلہ شد نصرتِ اسلام را	غلبۂ توحید میخواہد خود احدیت مآب

(مؤلف)

ہو جایا کرتی تھی۔ کبھی کسی قسم کا بوجھ یا کوفت آپ کی صحبت میں بیٹھنے سے نہ ہوتا تھا۔ بلکہ کوئی حزن یا گرانی جو طبیعت پر ہو آپ کی صحبت میں بیٹھتے ہی دُور ہو جایا کرتی تھی۔ آپ کے حقائق ومعارف جو دوران تقریر میں آپ کے منہ سے پھول کی طرح جھڑتے تھے کانوں کے ذریعہ شربت کے گھونٹ کی طرح دل میں اُترتے جاتے تھے۔ انسان روتا ہُوا آتا تھا اور ہنستا ہُوا جاتا تھا۔ بڑے سے بڑا فکر اور سخت سے سخت غم وہ چہرہ نورانی دیکھتے ہی کافور ہو جاتا تھا۔ اور تمام دنیا سے ایک استغنا کا رنگ پیدا ہو جاتا تھا۔ اور اس صحبت میں بیٹھ کر خدا حاضر و ناظر محسوس ہونے لگتا تھا۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے حضرت اقدس کی تعریف میں کس خوبصورتی سے ایک شعر میں یہ نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

اگر خواہی نشان بے نشانے ٭ بیا کن مجلسے با آں نگارے

اور واقعی حضرت اقدس کی مجلس میں آپ کا اپنا یہ شعر حال بن کر سامنے آجاتا تھا کہ:۔

عشق تو گردد عیاں بر روئے او ٭ بوئے تو آید زبام و کوئے او

ایک واقعہ اور ذکر کئے دیتا ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی حال میں بھی خواہ مزاح ہی کیوں نہ ہو حضرت اقدس کو اپنا نصب العین اشاعت اسلام کا نہیں بھولتا تھا اور اس عظیم الشان نصب العین کے سامنے اِدھر اُدھر کے مولویوں وغیرہ سے مباحثے آپ کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں رکھتے تھے۔ مفتی محمد صادق صاحب کا بیان ہے کہ:۔

"ایک دفعہ جب مَیں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر تھا تو آپ کے کمرہ کا دروازہ کسی نے زور سے کھٹکھٹایا اور سید آل محمد صاحب امروہوی نے آواز دی کہ حضور مَیں ایک نہایت عظیم الشان فتح کی خبر لایا ہوں۔ حضرت علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ آپ جا کر اُن کی بات سُن لیں کہ کیا خبر ہے۔ مَیں گیا اور سید آل محمد صاحب سے دریافت کیا۔ انہوں نے کہا۔ فلاں جگہ مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی کا فلاں مولوی سے مباحثہ ہُوا تو مولوی محمد احسن صاحب نے اُسے بہت سخت شکست دی اور بڑا رگیدا اور وہ بہت ذلیل ہُوا وغیرہ وغیرہ۔ اور مولوی صاحب نے مجھے حضرت صاحب کے پاس ۔۔۔ اندر گیا ہے کہ جا کر اس عظیم الشان فتح کی خبر دوں۔ مَیں نے واپس آکر حضرت صاحب کے سامنے آل محمد صاحب کے الفاظ دوہرا دیئے۔ حضرت صاحب ہنسنے لگے فرمایا (ان کے اس قدر زور سے دروازہ کھٹکھٹانے اور فتح کا اعلان کرنے سے) مَیں سمجھا تھا کہ شاید یورپ مسلمان ہوگیا ہے۔"

حضرت نے بات تو مزاح سے کی لیکن اس سے یہ صاف پتہ لگتا ہے کہ حضرت اقدس کی نگاہ میں اگر کوئی عظیم الشان فتح کی خبر ہو سکتی تھی تو وہ یورپ کا مسلمان ہونا تھا کسی مولوی کو شکست دے دینا یا کسی بحث مباحثہ میں فتح اس عظیم الشان نصب العین کے سامنے کوئی وقعت نہ رکھتے تھے۔

دشمنوں سے سلوک

آپ اپنے دشمنوں سے جب موقعہ ملتا ہمیشہ نیک سلوک کرتے۔ مولوی عبدالکریم صاحب سیرت میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجلس میں آپ کسی دشمن کا ذکر نہیں کرتے اور جو کسی تحریک سے ذکر آجائے تو بُرے نام سے یاد نہیں کرتے۔ یہ ایک بیّن ثبوت ہے کہ آپ کے دل میں کوئی جلانیوالی آگ نہیں ورنہ جس طرح کی ایذا قوم نے دی ہے اور جو سلوک مولویوں نے کیا ہے اگر آپ اسے واقعی دنیادار کی طرح محسوس کرتے تو رات دن کڑھتے رہتے اور ہیر پھیر کر ان ہی کا مذکور درمیان میں لاتے اور یوں حواس پریشان ہو جاتے اور کاروبار میں خلل آجاتا۔ زٹلی جیسا گالیاں دینے والا عرب کے مشرک بھی حضور سرور عالمؐ کے مقابل نہ لا سکے مگر میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ ناپاک پرچہ اوقات گرامی میں کوئی بھی خلل کبھی بھی ڈال نہیں سکا۔ تحریر (یعنی حضرت اقدس کی تحریر۔ ناقل) میں ان مولویوں کا برمحل ذکر کوئی دیکھے تو یہ شاید خیال کرے کہ رات دن انہی مفسدین کا آپ ذکر کرتے ہوں گے۔ مگر ایک مجسٹریٹ کی طرح جو اپنی مفوضہ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر پھر کسی کی ڈگری یا ڈسمس یا سزا سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور نہ اسے درحقیقت کسی سے ذاتی لگاؤ یا اشتعال ہوتا ہے اسی طرح حضرت تحریر میں ابطال باطل اور احقاق حق کے لئے لوجہ اللہ لکھتے ہیں۔ آپ کے نفس کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ایک روز فرمایا۔ میں اپنے نفس پر اتنا قابو رکھتا ہوں اور خدا تعالیٰ نے میرے نفس کو ایسا مسلمان بنایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک سال بھر میرے سامنے بیٹھ کر میرے نفس کو گندی سے گندی گالی دیتا رہے آخر وہی شرمندہ ہوگا اور اُسے اقرار کرنا پڑے گا کہ وہ میرے پاؤں جگہ سے اکھاڑ نہ سکا"

پھر آگے چل کر مولوی عبدالکریم صاحب لکھتے ہیں:۔

"آپ ہمیشہ فرماتے ہیں کہ کوئی معاملہ زمین پر واقع نہیں ہوتا جب تک پہلے آسمان پر طے نہ ہو جائے اور خدا تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور وہ اپنے بندہ کو ذلیل اور ضائع نہیں کرے گا۔ یہ ایک ایسا رکن شدید ہے جو ہر مصیبت میں آپ کا حصن حصین ہے۔ میں مختلف شہروں اور ناگوار نظاروں میں آپ کے ساتھ رہا ہوں۔ دہلی کی ناشکر گزار

اور جلد باز مخلوق کے مقابل۔ پٹیالہ اور جالندھر۔ کپورتھلہ۔ امرتسر۔ لاہور اور سیالکوٹ کے مخالفوں کی متفق اور منفرد دل آزار کوششوں کے مقابل میں آپ کا حیرت انگیز صبر اور حلم اور ثبات دیکھا ہے۔ کبھی آپ نے خلوت میں یا جلوت میں ذکر تک نہیں کیا کہ فلاں شخص یا فلاں قوم نے ہمارے خلاف یہ ناشائستہ حرکت کی اور فلاں نے زبان سے یہ نکالا۔ میں صاف دیکھتا تھا کہ آپ ایک پہاڑ ہیں کہ ناتوان پست ہمت چوہے اُس میں سرنگ کھود نہیں سکتے۔ ایک دفعہ آپ نے جالندھر کے مقام میں فرمایا۔ ابتلا کے وقت میں ہمیں اندیشہ اپنی جماعت کے بعض ضعیف دلوں کا ہوتا ہے۔ میرا تو یہ حال ہے کہ اگر مجھے صاف آواز آوے کہ تو مخذول ہے اور تیری کوئی مراد ہم پوری نہ کریں گے تو مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ اس عشق و محبت الٰہی اور خدمت دین میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ اس لئے کہ میں تو اُسے دیکھ چکا ہوں۔ پھر یہ پڑھا۔ هل تعلم له سميا۔"

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے آپ کے ساتھ مخالفت اور دشمنی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اپنے اخبار میں گالیاں دیں۔ آپ کے خلاف کفر کا فتویٰ تیار کیا اور تمام ہندوستان کے مولویوں سے اُس پر دستخط کروائے۔ گورنمنٹ میں آپ کے خلاف جھوٹی مخبریاں کیں۔ آپ کے خلاف مقدمات میں جھوٹی گواہیاں دیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اخیر میں جب اُن کا اخبار اشاعت السنّة بند ہوگیا اور ان کی حالت ایسی تباہ اور زار ہوئی کہ وہ اپنا مضمون لئے پھرتے تھے اور کوئی مولوی یا ایڈیٹر اخبار اُسے چھاپتا نہ تھا تو حضرت اقدس نے مولوی صاحب موصوف کو کہلا بھیجا کہ "آپ ہمارے پاس قادیان آجائیں۔ ہم آپ کے مضمون کی کتابت بھی کروا دیتے ہیں۔ اور چھپوا بھی دیتے ہیں۔" لیکن وہ ندامت کی وجہ سے نہ آئے۔

مولوی محمد یار صاحب ایک بہت بڑے عالم اور حاذق طبیب تھے۔ مولوی عبداللہ ٹونکی صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور کے شاگرد تھے۔ شیخ محمد اسماعیل صاحب لائل پوری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ چنیوٹ میں شہر کے بڑے بڑے متمول تاجر صاحبان بیٹھے ہوئے یہ ذکر کر رہے تھے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو تو عربی کا اتنا بھی علم نہیں جتنا ایک ادنےٰ طالب علم کو ہوتا ہے۔ مولوی محمد یار صاحب بھی موجود تھے۔ وہ بول اُٹھے "یہ نہ کہو۔ مرزا صاحب کے دعاوی ہمارے سمجھ میں نہیں آتے ورنہ اس میں شک نہیں کہ اُن جیسا عربی اور دین کا عالم اس زمانہ میں کوئی نہیں۔ مولویوں نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ مرزا صاحب

کو خود عربی کا کوئی علم نہیں یہ مولوی نورالدین صاحب یا ہیچ قسم کوئی دوسرا عالم انہیں عربی تصنیفات لکھ لکھ کر دیتا ہے اور وہ اپنے نام سے شائع کرتے ہیں۔ اس افواہ کو آزمانے کے لئے میرے اُستاد مولوی عبداللہ ٹونکی صاحب نے عربی زبان میں مرزا صاحب کے نام ایک خط لکھا اور مجھے دیا کہ قادیان جاکر مرزا صاحب کو دو اور کہو کہ میرے سامنے اس کا جواب عربی میں لکھ کر دو۔ بس ان کی عربی دانی کا اس طرح سارا پول کھل جائیگا۔ چنانچہ میں وہ عربی خط لیکر قادیان گیا۔ مسجد میں مرزا صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اور خط دیکر عرض کی کہ اس کا عربی میں جواب ابھی لکھ دو۔ آپ اُٹھ کر اندر جانے لگے میں نے کہا "اس کی سہی نہیں۔ ابھی اور یہیں میرے سامنے جواب لکھو" آپ سمجھ گئے کہ یہ آزمانا چاہتا ہے۔ مگر آپ نے ذرا بھی بُرا نہیں منایا اور نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ وہیں بیٹھ کر قلم دوات کاغذ منگا کر عربی میں اس خط کا نہایت مفصّل جواب لکھ کر میرے حوالہ کیا۔ میں جواب لیکر مولوی عبداللہ ٹونکی صاحب کی خدمت میں پہنچا اور سارا ماجرا اُن سے عرض کیا۔ وہ اس عربی جواب کی زبان کی فصاحت و بلاغت کو دیکھکر حیران رہ گئے۔ اور خط کو سمجھنے کے لئے دو مرتبہ عربی لغت کھولنی پڑی"

غرضکہ مخالف مولوی اس قسم کی بدگمانیاں کرتے اور آپ کی آزمائشیں کرتے رہتے۔ لیکن آپ کبھی بُرا نہ مناتے۔ بلکہ خوش ہوتے کہ اس طرح ان لوگوں کو تبلیغ کرنے کا موقعہ اچھا ملتا ہے۔

قادیان کے آریہ سخت دشمن تھے حضرت اقدس کے خلاف ہمیشہ طرح طرح کی منصوبہ بازیاں اور شرارتیں کرتے رہتے تھے۔ لیکن اُنہیں آپ سے جب کوئی کام پڑتا تو آپ ہمیشہ اُن سے نیک سلوک کرتے۔ منارۃ المسیح کی تعمیر پر جب قادیان کے آریوں نے جھگڑا اُٹھایا اور ڈپٹی کمشنر کو عرضی دی اور اس کی تحقیقات کے لئے تحصیلدار بٹالہ قادیان آیا تو وہ حضرت اقدس سے آکر ملا۔ قادیان کے آریوں میں سے بڈھامل بھی ساتھ تھا۔ دوران گفتگو میں حضرت اقدس نے تحصیلدار سے فرمایا کہ "یہ بڈھامل بیٹھا ہے آپ اس سے پوچھ لیں کہ بچپن سے لیکر آج تک کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ اسے فائدہ پہنچانے کا موقعہ ملا ہو اور میں نے فائدہ پہنچانے میں کوئی کمی کی ہو۔ اور پھر اسی سے پوچھیں کہ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ مجھے تکلیف دینے کا اسے کوئی موقعہ ملا ہو اور اس نے مجھے تکلیف دینے میں کوئی کسر چھوڑی ہو" بڈھامل کا چہرہ شرم کی وجہ سے سُرخ ہو گیا۔ اور ایک لفظ منہ سے نہ بول سکا بلکہ سر نیچے ڈال کر بیٹھا رہا۔ یہ لالہ بڈھامل قادیان کے آریوں کا ممتاز رکن تھا اور اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ لطف یہ ہے کہ خود آریوں کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب جب کریں گے اُن سے نیک سلوک ہی کریں گے۔

مولوی عبدالکریم صاحب "سیرت" میں تحریر فرماتے ہیں :-

"آپ کے تعلقات غیر قوموں سے ایسے ہیں کہ اس سے بہتر ممکن نہیں ہر ایک کی بہتری چاہتے ہیں خواہ کسی مذہب کا ہو۔ کافہ بنی نوع کی بہبود آپ کا قبلۂ ہمت اور نصب عین فرض ہے۔ قادیان کے ہندو ہر ایک مصیبت کے وقت آپ کے وجود میں امین اور مفید ر صلاح کار پاتے ہیں۔ مذہب کے لحاظ سے یہاں کے ہندو اور آریہ اسلام کے مخالف ہیں۔ اور حضرت کو عظیم الشان اور پختہ مسلمان تسلیم کرتے ہیں اور مذاہب باطلہ کی بیخکنی کرنے والا دل سے یقین کرتے ہیں۔ مگر حضرت کوئی دوا بتائیں اُس پر ایک رشی کی بات سے کمتر یقین نہیں رکھتے۔ ہمیشہ (حضرت اقدس) اپنے خدام کو تقریر و تحریر میں یہی نصیحت کرتے اور اس پر بڑا زور دیتے ہیں کہ کسی جاندار کی حق تلفی نہ کرو۔ اور تمہاری زبانوں اور کاموں میں فریب اور ایذا نہ ہو"

قادیان کی مسجد جامع کے ساتھ اس کے دروازہ کے متصل ایک آریہ ڈپٹی کا مکان تھا۔ وہ پنشن لیکر آیا تو اُس نے اُس مکان کو خوب بلند کرنا شروع کیا۔ چونکہ مسجد کے بالکل سامنے پڑتا تھا اسلئے مسجد کی شان میں اُس سے فرق پڑجانے کا احتمال تھا۔ حضرت اقدس کو خبر ہوئی تو اُسے کہلا بھیجا کہ "شاہی خیمہ کے پاس مکان بلند کرنا ٹھیک نہیں۔ آپ یہ حرکت نہ کریں" مگر وہ ڈپٹی رہ چکا تھا۔ اور کٹر آریہ تھا۔ حقارت کے ساتھ بات کو رد کر دیا۔ مکان تو بن گیا مگر جلدی ہی خود بھی مر گیا اور اس گھر کا کوئی مکین سوائے ایک بڑھیا کے باقی نہ رہا۔ وہ بڑھیا اس مکان کو بہت سستے داموں پر بیچنے لگی۔ مولوی نورالدین صاحب کو پتہ لگا تو حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ مکان بکتا ہے حضور اسے خرید لیں"۔ فرمایا میں اُسے دس روپے میں بھی نہیں خریدتا"۔ گویا مذہبی غیرت اس قدر تھی کہ آپ نے اس مکان کو جو خیمۂ شاہی یعنی مسجد کے مقابل بنا تھا خریدنا گوارا نہ کیا لیکن آپ کی یہ مذہبی غیرت اس بات میں کبھی مخل نہیں ہوئی کہ غیر مسلم اقوام سے کسی قسم کی بھی بدسلوکی کی جائے بلکہ جب کبھی موقعہ ملا ان لوگوں کے ساتھ نیک ہی سلوک کیا۔ قادیان میں دشمن سے دشمن آریہ تکلیف اور بیماری میں آپ کو آدھی آدھی رات کو بیدار کرتا اور آپ سے علاج اور دوا طلب کرتا تو آپ نہایت خندہ پیشانی سے ملتے اور قیمتی سے قیمتی دوا مفت دینے میں بھی دریغ نہ فرماتے۔ بات یہ تھی کہ آپ کی جنگ جس کسی سے بھی تھی وہ مذہب کے دائرہ کے اندر تھی۔ جہاں تک مذہب کے اصولوں اور عقائد کا معاملہ ہوتا آپ حق کو ہرگز نہ چھوڑتے اور اس کیلئے جہاں تک ممکن ہے آپ

دشمن سے مقابلہ کرنے میں فرق نہ کرتے اور اس جنگ میں آپ کا قلم تیر و تفنگ کا کام کرتا۔ لیکن جہاں اس جنگ سے الگ ہوئے اور عمل کا وقت آیا تو آپ نرمی اور صبر اور حلم کا نمونہ نظر آتے اور دشمن سے دشمن کے ساتھ بھی نیک سے نیک سلوک کرنے کو آمادہ نظر آتے۔ ایک فیاض جرنیل کی طرح جنگ سے باہر اپنے دشمنوں سے بہترین سلوک کرنا آپ کا وطیرہ تھا۔

لیکھرام اسلام کا سخت ترین دشمن تھا اور آپ کو اس سے اس قدر نفرت تھی کہ ایک دفعہ آپ لاہور تشریف لے گئے تو اسٹیشن پر وضو کر رہے تھے کسی نے عرض کیا کہ لیکھرام آیا ہے حضور کو سلام کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا "میرے سید و آقا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ گالیاں دیتا ہے اور مجھے سلام کرتا ہے۔ میں ایسے شخص کی شکل بھی دیکھنے کا روادار نہیں" اور یہی وہ غیرت و حمیت تھی جس کے ماتحت آپ نے وہ مشہور و معروف پیشگوئی کی جس کے ٹھیک مطابق لیکھرام ہلاک ہؤا لیکن جب لیکھرام کے قتل ہونے کی خبر آئی تو آپ نے فرمایا کہ "میں اگر موقعہ واردات پر ہوتا تو اُسے بچانے کی کوشش کرتا۔ کہ یہ انسانی فرض ہے" یعنی پیشگوئی کے باوجود انسانی فرض الگ چیز ہے۔ جسے انسان کو کبھی بھولنا نہ چاہئے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ آپ کو اپنے نفس کی خاطر کسی سے دشمنی نہ تھی۔ دشمنی اگر تھی تو حق کی خاطر باطل سے تھی۔ جب باطل حق کے مقابل صف آرا ہوتا تو آپ اس باطل کا سر کچلنے کے لئے ایک بہادر جرنیل کی طرح سب سے آگے ہوتے لیکن اس جنگ کے دائرہ سے باہر آپ سرتاپا متواضع اور ہر ایک فرد بشر سے خواہ وہ دوست ہو یا دشمن نیک سے نیک سلوک کرنے کو تیار رہتے تھے۔

آپ کے چچا زاد بھائی امام الدین اور نظام الدین وغیرہ آپ کے سخت دشمن تھے۔ دن رات آپ کو ایذا پہنچانا ان کا کام تھا۔ جب مسجد مبارک کے رستہ میں اُنھوں نے دیوار کھینچدی جس سے آپ کو اور آپ کے دوستوں کو سخت تکلیف پہنچی۔ اور ایک سال آٹھ ماہ تک مقدمہ چلتا رہا۔ اور مقدمہ میں آپ کو کامیابی ہوئی اور خرچہ فریق ثانی پر پڑا تو اُنہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں خرچہ معاف کر دینے کے لئے درخواست کی تو آپ نے اتنے طویل عرصہ کے دکھ اُٹھانے کے باوجود بھی اُنہیں خرچہ معاف کر دیا۔

یہی آپ کا چچا زاد بھائی نظام الدین جو آپ کا سخت دشمن تھا ایک دفعہ بیمار پڑا۔ بخار سخت چڑھا جس سے وہ ہذیان بکنے لگا اور اس کے گھر والے سخت گھبرا گئے۔ حضرت اقدس کو خبر ہوئی۔ فوراً تشریف لے گئے اور مناسب علاج فرماتے رہے۔ طبیعت سنبھلی تو واپس تشریف لائے۔

مرزا یعقوب بیگ صاحب جب میڈیکل کالج سے امتحان پاس کر کے ڈاکٹر بن کر نکلے تو حضرت اقدس نے ڈاکٹر صاحب کو یہی نصیحت کی کہ "آپ کو اللہ تعالیٰ نے طب کا علم اپنی مخلوق کی خدمت کرنے کے لئے عطا فرمایا ہے۔ پس علاج کے وقت آپ کے دل میں امیر اور غریب، مُسلم اور کافر، دوست اور دشمن کا قطعاً امتیاز پیدا نہ ہونا چاہیئے۔ سب کی خدمت یکساں کرنا ایک ڈاکٹر کا فرض ہے۔"

دشمنوں کے مقابلہ میں قوت قلب اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ

آپ کو اللہ تعالیٰ نے توکل اور صبر اور استقامت اور حوصلہ اور قوتِ قلب اس قدر عطا فرمائی تھی کہ کوئی ہولناک واقعہ اور غم انگیز سانحہ آپ کی توجہ کو منتشر اور مفوضہ کام سے غافل نہ کر سکتا تھا۔ اقدام قتل کا مقدمہ جسے پادری ہنری مارٹن کلارک اور عیسائیوں نے برپا کیا تھا اور جن کی تائید میں بعض ناعاقبت اندیش نام کے مسلمان اور آریہ بھی شامل ہو گئے تھے ایک دنیا دار کا پِتّہ پگھلا دینے اور اس کا دل پریشان اور حواس مختل کر دینے کو کافی تھا۔ مگر حضرت اقدس کے کسی معاملہ میں۔ لکھنے میں۔ معاشرت میں۔ باہر خدام سے کشادہ پیشانی اور رافت سے ملنے میں غرض کسی حرکت و سکون میں کوئی فرق نہ آیا۔ کوئی آدمی آپ کو دیکھ کر قیاس بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ پر کوئی مقدمہ ہے۔ کسی خوفناک رپورٹ کو جو کسی وقت کسی دوست کی طرف سے پہنچی ہے (مثلاً یہ کہ فلاں شخص نے مخبری کی ہے اور فلاں جگہ بڑی بڑی سازشیں آپ کے خلاف ہو رہی ہیں اور فلاں شخص شملہ کے پہاڑوں پر مارا مارا پھر رہا اور گورنمنٹ میں مخبریاں کر رہا ہے) کبھی آپ نے مرعوب دل سے نہیں سُنا۔ آپ کا ہمیشہ یہی قول تھا کہ "کوئی معاملہ زمین پر واقع نہیں ہوتا جب تک پہلے آسمان پر طے نہ ہو جائے اور خدا تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور وہ اپنے بندہ کو ذلیل اور ضائع نہیں کرے گا۔" جن دنوں مولوی کرم دین ساکن بھیں سے مقدمہ تھا۔ اور مقدمہ نے بہت طول پکڑا اور گورداسپور کے اکثر مجسٹریٹ یہ چاہتے تھے کہ آپ کو سزا ہو جائے۔ اور مقدمہ سے مخلصی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی تو خواجہ کمال الدین صاحب وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان تمام مشکلات کا ذکر کرتے تو حضرت اقدس ہنستے ہوئے فرماتے کہ "خواجہ صاحب کوئی خانہ خدا کیلئے بھی خالی چھوڑو۔ اگر مقدمہ ہمارے خلاف کمزور ہوتا تو اس میں خدا کی طرف سے نشان نمائی ہی کیا ہوتی۔ لوگ کہتے کہ مقدمہ کمزور تھا مریدوں میں وکیل موجود تھے جیتنا کونسی خارق عادت بات ہوئی۔ پس خدا کا ہاتھ تو جب ہی نظر آئے گا کہ دنیوی اسباب کی طرف سے مایوسی ہو اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بریت کر کے دکھا دے۔" خواجہ صاحب روتے ہوئے آتے تھے اور ہنستے ہوئے جاتے تھے۔ ابتلاؤں میں یہ

طمانیت قلبی اور استقامت سوائے مقربین الٰہی کے جو نفس مطمئنہ کے وارث ہوتے ہیں اور کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔

آپ ۱۸۹۱ء میں جب دہلی تشریف لے گئے ہیں جامع مسجد کی بیچ کی محراب میں آپ تشریف رکھتے تھے۔ آپ کے ساتھ صرف چند احباب تھے۔ جامع مسجد کا صحن دشمنوں سے بھرا پڑا تھا۔ مولویوں نے اپنی اشتعال انگیز تقریروں سے ہزارہا آدمیوں کو اس قدر برافروختہ کر رکھا تھا کہ ان کی آنکھوں سے خون برستا تھا۔ قریب آ آ کر گالیاں دیتے اور آوازے کستے۔ اور ہاتھ بڑھا بڑھا کر ارادہ کرتے کہ داڑھی سے پکڑ لیں۔ مگر کچھ خدا ہی کی طرف سے تھا جو جرأت نہ ہوتی تھی۔ اس حالت کو دیکھ کر مولوی عبدالکریم صاحب کی زبان سے یہ نکلا کہ "حضرت! اشتعال بہت بڑھ گیا ہے"۔ حضرت صاحب نے مولوی عبدالکریم صاحب کی طرف دیکھا اور نہایت طمانیت کے لہجہ میں فرمایا کہ "مولوی صاحب مردے زندہ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے"۔

دیانت و امانت دوست ہو یا دشمن حضرت اقدس کسی کا حق غصب نہ کرنا چاہتے تھے اور آپ کی دیانت و امانت کا یہ حال تھا کہ چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں بھی آپ اس کا خیال رکھتے تھے اور ان معاملات میں آپ کا تقویٰ بہت باریک تھا۔ ایک دفعہ سیر میں کسی دوست نے چند مسواکیں پیش کیں۔ بہت خوش ہوئے لیکن دریافت فرمایا کہ کہاں سے لیں معلوم ہوا کہ کسی ببول (کیکر) کے درخت سے کاٹی ہیں۔ بدقسمتی سے وہ درخت آپ کی زمین میں نہ تھا کسی اور زمیندار کی زمین میں تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ مالک کی اجازت سے کاٹی تھیں؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے وہ مسواکیں واپس کر دیں اور فرمایا کہ "یہ فعل جائز نہ تھا۔ اس لئے ان مسواکوں کا استعمال بھی درست نہیں"۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت اقدس سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ میاں عبداللہ صاحب سنوری ساتھ تھے۔ راستہ پر ایک کھیت کے کنارے ایک چھوٹی سی بیری تھی اور اسے بیر لگے ہوئے تھے اور ایک بڑا عمدہ پکا ہؤا لال بیر راستہ میں گرا ہوا تھا۔ میاں عبداللہ صاحب نے چلتے چلتے اُسے اُٹھا لیا اور کھانے لگے۔ حضرت صاحب نے فرمایا "نہ کھاؤ اور وہیں رکھ دو۔ آخر یہ کسی کی ملکیت ہے"۔ میاں عبداللہ صاحب سنوری بیان کرتے تھے کہ اس دن کے بعد میں نے کسی بیری کے بیر بغیر اجازت مالک اراضی کے نہیں کھائے۔ یہ زبان کی تاثیر تھی +

جانوروں سے نیک سلوک حضرت اقدس کی ہمدردی اور شفقت کا دائرہ صرف انسانوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ یہ جذبہ جانوروں تک پر حاوی تھا۔ ایک دفعہ ایک کتے کو بچوں نے صحن میں گھیر لیا اور

دروازہ بند کر کے مارنا شروع کیا۔ آپ نے سنا تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ خدا کی مخلوق کے ساتھ ایسا سلوک کرنا بہت بُرا ہے۔ پھر دروازہ کھلوا کر اس کتے کو نکلوا دیا۔ ایک دفعہ آپ کے کسی صاحبزادہ نے طوطے شکار کئے حضرت اقدس کے سامنے لائے تو آپ نے پسند نہ فرمایا۔ کسی نے دریافت کیا کہ کیا طوطے حلال نہیں ہیں۔ فرمایا۔ "حلال سہی لیکن سب پرندے کھانے کیلئے ہی نہیں ہوتے"۔ اسی طرح سیرۃ المہدی حصّہ اوّل میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ میاں محمود احمد صاحب دالان کے دروازے بند کر کے چڑیاں پکڑ رہے تھے کہ حضرت صاحب نے جمعہ کی نماز کے لئے باہر جاتے ہوئے ان کو دیکھ لیا اور فرمایا "میاں۔ گھر کی چڑیاں نہیں پکڑا کرتے جس میں رحم نہیں اس میں ایمان نہیں"۔

امراء سے استغنا

حضرت اقدس با ایں ہمہ کہ آپ کا جذبۂ ہمدردی و شفقت ہر ادنیٰ و اعلیٰ کے ساتھ یکساں تھا۔ لیکن نوابوں اور راجاؤں اور امراو حکام کے دروازہ پر جانے اور اُن سے ملاقات کی خواہش رکھنے کو نہایت ناپسند کرتے تھے۔ اور یہ آپ کی طبیعت کے سخت خلاف تھا۔ اوائل میں جب حضرت مولانا نور الدین صاحب ابھی جموں میں تھے انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں خط لکھا کہ اگر حضور یہاں تشریف لا سکیں تو مہاراجہ جموں حضور کی ملاقات کی خواہش رکھتے ہیں۔ میاں عبداللہ سنوری صاحب کا بیان ہے کہ حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ جواب لکھ دو کہ بئس الفقیر علیٰ باب الامیر۔ یعنی وہ بہت بُرا فقیر ہے جو کسی امیر کے دروازہ پر جائے۔ اسی طرح ایک دفعہ مہاراجہ نابھہ نے آپ کو بلوایا۔ لیکن آپ نے جانے سے انکار کر دیا۔

مذہبی بلند نظری اور رواداری

مذہبی رواداری اور بلند نظری

اسلام کے دائرہ کے اندر اُس شخص سے بڑھ کر مذہبی بلند نظری اور رواداری رکھنے والا اور کون ہو سکتا ہے جو اس اسلامی اصول کو زندہ کرے کہ جس شخص میں ننانوے وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو اُسے بھی کافر نہ کہو اور وہ ایک وجہ انسان کا کلمہ گو ہونا ہے یعنی جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے وہ مسلمان ہے حضرت اقدس مرزا صاحب کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے جو اس چودھویں صدی میں آپ کے ہاتھ سے انجام پذیر ہوا۔ جب تکفیر کا ہنگامہ اس شان سے ہر سُو بپا تھا کہ چھوٹا اور بڑا کوئی اس کی زد سے بچا ہوا نہ تھا یہاں تک کہ اگر سب علما کی تکفیر بازی کو جمع کیا جائے تو دنیا میں کوئی مسلمان بھی باقی نہیں رہتا۔ شیعہ کے نزدیک سُنی کافر۔ سُنی کے نزدیک شیعہ کافر۔ مقلد کے نزدیک غیر مقلد کافر اور غیر مقلد

کے نزدیک مقلّد کافر۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر مسلمان مشاہیر میں سے ایک ایک فرد کی نام بہ نام اور ایک ایک جماعت کی تکفیر ہو رہی تھی۔ ان حالات میں یہ مجدد وقت کا ہی کام تھا جو اس لعنت کے خلاف آواز بلند کرتا اور بتلاتا کہ تکفیر کی اس ہنگامہ آرائی نے مسلمانوں کی جماعت کی وحدت اور تنظیم کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اس لئے خدا کے لئے اس فعل شنیع سے باز آؤ اور کلمہ کو بطور بنیاد رکھ کر اسلام کی وحدت و تنظیم کی بنیاد رکھو۔ اور مذہب میں رواداری اور بلند نظری سے کام لو۔ عام طور پر علماء زمانہ نے اگر اس آواز پر کان نہ دھرا اور حسب دستور سابق اپنے کفر کے فتووں کے ذریعہ جماعت مسلمین کے تشتت و افتراق میں ساعی رہے تو یہ ان کی اور مسلمانوں کی بد قسمتی ہے۔ لیکن حضرت اقدس مرزا صاحب کے نقش قدم پر چلنے والے لوگ جن کی نمایندہ آج لاہوری احمدی جماعت ہے اس لعنت سے بچ گئے۔ آپ کی زندگی میں آپ کی جماعت کا طرز عمل مذہبی رواداری کا ایک بہترین نمونہ تھا۔ آپ کی مسجد میں مقلّد اور غیر مقلّد بھائیوں کی طرح ایک دوسرے سے سلوک کرتے تھے۔ اور کبھی ان فروعی امور میں نہ جھگڑتے جن کے لئے مقلّدین اور غیر مقلّدین میں آئے دن سر پھٹول ہوتی رہتی ہے۔ مسجد میں آمین زور سے کہنے والے بھی کثرت سے ہوتے تھے اور آہستہ سے کہنے والے بھی موجود ہوتے تھے۔ کبھی ایک نے دوسرے کو نہیں ٹوکا۔ خود حضرت اقدس آمین آہستہ سے کہتے تھے لیکن آمین بالجہر کہنے والوں کو آپ نے کبھی نہیں روکا۔ آپ خود سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے۔ لیکن جو ناف سے نیچے ہاتھ باندھے آپ نے اُسے کبھی کچھ نہیں کہا۔ آپ کی اپنی نہایت خوبصورت داڑھی تھی۔ لیکن کسی داڑھی منڈوانے والے کو آپ خفا نہیں ہوئے کہ تو داڑھی کیوں منڈواتا ہے۔ ایک دفعہ میر ناصر نواب صاحب نے آپ سے کہا آپ کے فلاں فلاں مرید داڑھی منڈواتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "آپ کو اُن کی داڑھی کی فکر ہے مجھے ان کے ایمانوں کی فکر ہے۔"

اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان پیدا کرنا آپ کا مقصد اصلی تھا

اور بات بھی یہی سچ ہے کہ آپ کو اس بات کی بڑی فکر تھی کہ لوگوں میں اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان پیدا ہو۔ فرمایا کرتے تھے جب انسان کے دل میں پختہ ایمان پیدا ہو جاتا ہے تو اعمال خود بخود سنور جاتے ہیں۔ اعمال میں کمزوری دراصل ایمان کی کمزوری کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ کسی کھانے کی نسبت یہ گمان بھی ہو کہ اس میں زہر ہے تو کوئی آدمی اُسے ہاتھ تک نہیں لگائے گا۔ تو کیا وجہ ہے کہ اگر ایک شخص سچ مچ گناہ کو زہر سمجھے تو پھر وہ اس کا مرتکب بھی ہو۔ ایک دفعہ ایک بڑے مولوی نے بذریعہ تحریر حضرت اقدس کی

بیعت کی۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور یہ بہت بڑا عالم ہے۔ فرمانے لگے "علم اچھی چیز ہے۔ مگر بغیر ایمان کے کچھ نہیں۔ مجھے تو ایمان چاہئے"۔ وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ ابنائے فارس میں سے ایک شخص کو خدا کھڑا کرے گا جو ایمان کو ثریّا سے واپس لائے گا وہ آپ پر حرف بحرف صادق آتا تھا۔ آپ کی دن رات توجہ خصوصیت سے اس ایک امر کی طرف تھی کہ جماعت میں خدا پر پختہ ایمان پیدا ہو۔

فروعی مسائل کے جھگڑوں سے نکال کر جہاد فی سبیل اللہ پر لگایا

اس کے علاوہ آپ کی بہت بڑی خدمت اسلام یہ تھی کہ آپ نے اپنی جماعت کی ساری توجہ کو فروعی جھگڑوں اور مباحثات و مناقشات سے ہٹا کر اسلام کے مخالفوں کے مقابل میں جہاد فی سبیل اللہ پر لگا دیا۔ آپ کا خیال تھا کہ مسلمانوں میں تفرقہ اس وقت سے پڑا جب سے کہ مسلمانوں نے اسلام کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرنا چھوڑ دیا۔ اور انہیں کوئی کام نہ رہا سوائے اس کے کہ آپس میں جھگڑتے رہیں۔ اسی لئے آپ نے مسلمانوں کی توجہ کو آپس کے جھگڑوں سے ہٹا کر دشمنان اسلام کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے کی طرف منتقل کر دیا۔ خود آپ کا اپنا طرز عمل بھی یہی تھا کہ شب و روز دشمنان دین کے خلاف آپ کا قلم چلتا رہتا تھا۔ مگر فروعی جھگڑوں پر کبھی آپ نے ایک سطر تک نہیں لکھی۔ مسیح کی وفات یا معجزات پر اگر آپ نے کچھ لکھا تو اس لئے کہ یہ مسائل دشمنان اسلام کے ہاتھ میں بہت بڑا حربہ بنے ہوئے تھے! اور مسیح کی خدائی اور مسیحیت کے غلبہ میں بہت ممد تھے۔ اس لئے ان مسائل کو صاف کرنا ضروری تھا۔ اسی طرح خونی مہدی کے متعلق جو کچھ لکھا اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ تلوار کے ذریعہ سے اسلام کی اشاعت کا اعتراض اسلام کے خوبصورت چہرہ پر ایک بدنما داغ تھا جس کا مٹانا ازبس ضروری تھا۔ چونکہ یہ چیزیں اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں روک بنی ہوئی تھیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ یہ باتیں معرض بحث میں آتیں اور اُن پر روشنی ڈال کر صراط مستقیم کو واضح کر دینا ایک مجدد وقت کا فرض تھا جو آپ نے ادا کیا۔ پس ان خاص مسائل کو چھوڑ کر جن پر بحث کرنا اسلام کی حفاظت اور اشاعت و تبلیغ کے لئے ازبس ضروری تھا۔ آپ نے اسلام کے فروعی مسائل میں کبھی دخل نہیں دیا۔ یہ سچ ہے کہ اسلام کے مختلف فرقوں میں بھی آپ نے بطور حکم کے فیصلے دیئے ہیں لیکن وہاں بھی آپ نے جو کچھ لکھا اصولی طور پر لکھا۔ سب فرقوں کے لئے قرآن کو حکم بنایا اور حدیث کو اس کے ماتحت رکھا۔ پھر قرآن و حدیث سے اس فرقہ کی غلطی یا راستی کو اصولی رنگ میں واضح کر کے دکھایا۔ ان فرقوں کی اپنی اپنی

فروعات میں پڑکر غلط مبحث اور وقت کو ضائع نہیں کیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے فقہی مسائل یا تفاسیر کے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو کبھی زیادہ اہمیت نہیں دی +

فقہی مسائل کے اختلاف کو کبھی زیادہ اہمیت نہیں دی

میں لکھ چکا ہوں کہ آپ کی مسجد میں آپ کا کوئی مرید آمین زور سے کہتا کوئی آہستہ سے کہتا خود حضرت اقدس آمین آہستہ کہتے لیکن کبھی آپ نے کسی کو نہیں ٹوکا۔ مولوی نورالدین صاحب سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھتے تھے۔ اور مولوی عبدالکریم صاحب زور سے پڑھتے تھے لیکن آپ نے کسی کو بھی کچھ نہیں کہا حضرت خود فاتحہ خلف امام پڑھتے تھے۔ لیکن نہ پڑھنے والوں کی نماز کو کبھی مردود قرار نہیں دیا۔ بلکہ ان فقہی مسائل کی نسبت کبھی کوئی دریافت کرتا تو اس طرف بہت کم توجہ فرماتے۔ زیادہ تر اپنی جماعت کے علماء کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے۔ اکثر مولوی محمد احسن صاحب امروہی فقہی مسائل میں فتوے دیا کرتے تھے کبھی مولوی نورالدین صاحب اور کبھی مولوی عبدالکریم صاحب بھی +

تفسیر میں اختلاف کو کبھی زیادہ اہمیت نہیں دی

یہی حال تفسیر میں تھا۔ حضرت اقدس کو تکلف سے کسی آیت کی تفسیر میں جدت پیدا کرنے کی عادت نہ تھی جب تک کہ پرانی تفسیر آپ کی خدمت و تبلیغ اسلام کے رستہ میں روک بن کر کھڑی نہ ہو جاوے۔ یا اشاعت و تبلیغ اسلام کے وقت تحریر و تقریر فرماتے ہوئے کسی آیت کا علم آپ کے قلب صافی پر منکشف نہ ہو جائے۔ اور جب کبھی ایسا موقعہ ہوتا تو اس وقت حقائق و معارف اور علم و حکمت کا ایک دریا بہ جاتا۔ لیکن ان مواقع کے علاوہ آپ تکلّف سے کوئی نئی تفسیر کرنے کے عادی نہ تھے۔ قرآن کریم میں جو آیت ہے۔ یاتینا بقربان تاکلہ النار۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب اس کے معنے سوختنی قربانی کے کیا کرتے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت میں یہودیوں کے اس مطالبہ کا ذکر ہے جو وہ آنحضرت صلعم سے کرتے تھے۔ کہ اگر تم ہی آنے والے موعود نبی ہو تو اس سوختنی قربانی کو قائم کرو جو بیت المقدس میں ہوا کرتی تھی۔ سوختنی قربانی اسے اس لئے کہتے تھے کہ قربانی کے گوشت کو یہود خود نہیں کھایا کرتے تھے بلکہ آگ میں جلا دیا کرتے تھے۔ اب ایسا ہوا کہ مولوی ثناءاللہ امرتسری صاحب نے جو تفسیر ثنائی لکھی تو اس میں اس آیت کے انہوں نے یہی معنے لکھے جو مولوی نورالدین صاحب کیا کرتے تھے لیکن دوسرے مولوی لوگ اس کے یہ معنے کیا کرتے تھے کہ یہودیوں کے ہاں قربانی کی قبولیت کا نشان یہ تھا کہ آسمان سے ایک آگ آکر قربانی کے گوشت کو کھا جایا کرتی تھی۔ اور اپنی اس آیت کے معنے کی تائید میں وہ پرانی تفسیریں پیش کیا کرتے تھے۔ مولوی نورالدین صاحب کے نزدیک یہ پرانی تفسیر درست نہ تھی۔

مگر مولوی لوگ کب مانتے تھے۔ تفسیر ثنائی پڑھ کر امرتسر کے علمانے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری پر ایک زبردست کفر کا فتویٰ لکھا اور اس میں مولوی صاحب موصوف کے کافر خارج از اسلام ہونے کی چالیس وجوہات لکھیں۔ ان میں ایک وجہ اس آیت کی یہ تفسیر بھی تھی۔ خاکسار مؤلف نے جب یہ فتویٰ پڑھا تو گورداسپور میں حضرت اقدس مرزا صاحب کی خدمت میں یہی آیت پیش کی اور اس کی تفسیر دریافت کی کہ اس قربانی کی جسے آگ کھا جاتی تھی اصل حقیقت کیا ہے۔ تو نہایت سادگی سے فرمانے لگے کہ "اللہ تعالیٰ نے ہم پر ابھی تک اس کے معنے نہیں کھولے۔ جب کھلیں گے تو آپ کو بتا دینگے"۔

اللہ الصمد۔ میں یہ ارشاد سُنکر حیران رہ گیا۔ میں نے خود آپ کی زبان مبارک سے قرآن کریم کے وہ وہ حقائق و معارف سُنے تھے جو بجائے خود آبحیات کے جام تھے۔ اور جن کا پہلی تفاسیر میں کہیں نشان نہ تھا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ آپ جب لکھنے بیٹھتے ہیں اور کوئی آیت اس وقت سامنے آجاتی ہے تو سینکڑوں صفحے اس ایک ہی آیت کی تفسیر میں لکھتے چلے جاتے ہیں اور اس کے حقائق و معارف ختم ہونے میں نہیں آتے۔ دشمن کسی آیت پر اعتراض کردے تو اسی آیت میں سے آپ وہ وہ علم و حکمت کے خزانے نکال کر دکھاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ غرضکہ قرآن کریم کا وہ علم آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا جو اس علمی زمانہ میں بے نظیر تھا۔ لیکن وہی شخص ایک آیت کے متعلق اپنے مرید کے استفسار پر بغیر کسی جھجک کے صاف کہدیتا ہے کہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس آیت کے معنے نہیں کھولے اور میں اپنی رائے سے کوئی تفسیر نہیں کرتا۔ دراصل آپ سمجھتے تھے کہ پرانے معنے اس شخص کی تسلی نہیں کرسکتے۔ نئے معنے بوجہ مامور من اللہ ہونے کے آپ بغیر اشارۂ الٰہی کے تکلف سے کر نہیں سکتے تھے اس لئے صاف فرما دیا کہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کے معنے نہیں کھولے اس لئے مجبور ہوں۔ اس کا نام ہے تقویٰ۔ اور اس کا نام ہے اپنے مامور من اللہ ہونے پر یقین جس کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے اس بات کی ذرا پروا نہیں کی کہ اس وقت میری لاعلمی کا اقرار مبادا اس مرید کی نظر میں میری وقعت کو کم کردے۔ آپ کو اپنے نفس کی بڑائی اگر منظور نظر ہوتی تو آپ کیلئے دماغ پر زور ڈال کر کوئی معنی کرکے اپنے ایک مرید کو بہلا دینا کچھ بڑی بات نہ تھی لیکن آپ اسے اپنی شان ماموریت کے خلاف سمجھتے تھے۔ مقام غور ہے کہ ایک طرف تو آپنے تمام دنیا کو قرآن کی تفسیر میں مقابلہ کیلئے چیلنج دیا ہوا تھا۔ اور دوسری طرف ایک آیت کے متعلق اپنے ایک مرید کو کہدینے میں ذرا بھی تامّل نہیں کرتے کہ ابھی تک اس معاملہ میں مجھے علم نہیں دیا گیا۔ کیا اس کے صاف معنے یہ نہیں کہ دشمن کے مقابلہ پر جو تفسیر لکھتے تھے وہ اس علم لدنّی کی بنا پر ہوتا تھا جو

جناب الٰہی سے آپ کو ملتا تھا اور جس کے متعلق آپ کو پورا یقین تھا کہ تفسیر نویسی میں مقابلہ کے وقت اللہ تعالیٰ اس علم سے ضرور میری مدد کرے گا جیسا کہ وہ اپنے خاص بندوں کیساتھ معاملہ کیا کرتا ہے اور ہوتا بھی یوں ہی تھا کہ عین وقت پر آپ کو وہ علم ملتا تھا کہ بڑے بڑے اربابِ فہم و بصیرت حیرت سے سر دُھنتے رہ جاتے تھے۔ اس آیت کے معنے مولوی نورالدین صاحب اپنے فہم و علم سے سوختنی قربانی کے کیا کرتے تھے لیکن حضرت اقدس نے اُنہیں کبھی اس سے نہیں روکا۔ لیکن خود اُسی پرانے معنے پر قائم تھے جب تک کہ اس مسئلہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو کوئی روشنی نہ ملے۔ یہی شانِ ماموریت ہؤا کرتی ہے۔

مولوی نورالدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ایک مولوی نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ مَیں قرآن پڑھایا کرتا ہوں مجھے تفسیر کرنے کے متعلق کچھ ہدایات دی جائیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا "متوفّیک کے معنے ممیتک کریا کرو" یعنی مسیح کی نسبت جہاں توفّی کا لفظ آئے وہاں موت کے معنے کریا کرو۔ مولوی نورالدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ "مجھ سے پوچھتا تو مَیں بیسیوں باتیں بتاتا۔ مگر مامور من اللہ کا یہ کام ہؤا کرتا ہے کہ وہ جس ڈیوٹی پر کھڑا ہے اُسی کو ہر چیز پر مقدم کرتا ہے اور اُس کی حدود سے تجاوز نہیں کرتا۔ وہ کسی مسئلہ میں دخل نہیں دیتا جب تک اشارۂ الٰہی نہ ہو"

جب ماسٹر امام الدین صاحب گجراتی نے ایک رسالہ التنقیح فی ولادت المسیح لکھا جس میں مسیح کو باباپ ثابت کیا تھا تو حضرت اقدس کی خدمت میں بھی لکھا کہ آپ بھی اس مسئلہ پر اپنی رائے لکھیں تو مولوی عبدالکریم صاحب نے حضرت اقدس کے حکم سے ماسٹر صاحب موصوف کو ایک خط لکھا جو اسی رسالہ میں چھپا ہؤا موجود ہے۔ وہو ہٰذا:۔

"منشی صاحب۔ وعلیکم السلام۔ بجواب آپ کے کارڈ ۱۹ ستمبر ۱۸۹۷ء کے حسب ایماء حضرت امام ہمام صادق مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السلام بایں الودود عرض ہے کہ جناب امام ہمام کی توجہ آجکل ایسے امور مہمہ دینیہ کی طرف متوجہ ہے کہ اُن سے کسی اور جانب توجہ نہیں کر سکتے اور فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے اس بارے میں کچھ انکشاف کیا تو ضرور آپ کو اطلاع دی جاوے گی۔ مگر توجہ اپنے اختیار میں نہیں ہے اللہ تعالیٰ جب مصلحت عام کے لئے اپنے نزدیک کوئی امر اجرا کرنا چاہتا ہے تو اس طرف خود ہی اپنے بندہ کی توجہ معطوف کر دیتا ہے۔ عاجز عبدالکریم از قادیان ۲۳ ستمبر ۱۸۹۷ء"

یعنی جب تک کہ کوئی مسئلہ آپ کی راہ میں نہ آتا یا خاص اشارۂ الٰہی کسی امر میں آپ کو نہ ہوتا۔ از خود کسی مسئلہ میں دخل دینا آپ کا دستور نہ تھا۔ اور آپ کی شان ماموریت کا تقاضہ بھی یہی تھا۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ اُس مسئلہ میں آپ نے اپنے مریدوں کو بھی بحث کرنے سے روک دیا تھا۔ مامور من اللہ اور غیر مامور میں یہی تو فرق ہے۔ مامور کسی مسئلہ میں بغیر اشارۂ الٰہی کے کوئی نیا اجتہاد یا نئی تفسیر نہیں کرسکتا۔ لیکن غیر مامور آزاد ہوتا ہے۔ اسے اپنے دماغ کو آزادی سے استعمال کرنے میں کوئی چیز روک نہیں۔

ایک دفعہ حضرت اقدس مستورات میں وعظ فرمانے لگے تو حضرت یونسؑ کا قصہ وہی سُنایا جو تفسیروں میں مذکور ہے۔ لیکن مولوی نورالدین صاحب اپنے درس میں جو کچھ فرمایا کرتے تھے اس کا ملخص یہ تھا کہ مچھلی نے حضرت یونس کو لقمہ کی طرح نگلنا چاہا مگر حضرت یونس بچ گئے اور اُس کے پیٹ میں نہیں گئے۔ حضرت اقدس نے اس قسم کی تفسیر سے اُنہیں کبھی نہیں روکا۔ اور کیوں روکتے۔ آپ خود تو مامور تھے اور آپ کی ماموریت کی شان اس امر کے منافی تھی کہ آپ اپنے دماغ پر زور ڈال کر مختلف مسائل میں اجتہاد کریں اور تفاسیر میں ضرورت زمانہ کے مطابق تکلّف سے از خود ہی جدّت پیدا کریں۔ آپ اس امر کے پابند تھے کہ ہر ایک نئے مسئلہ کے متعلق جو آپ کی راہ میں آوے اشارۂ الٰہی کے منتظر رہیں۔ لیکن ان قیود کو دوسرے لوگوں پر لگانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے اپنی جماعت کے علما کو ان باتوں سے کبھی نہیں روکا کہ اس طرح ذہنی اور علمی ترقی رُک جاتی ہے۔ خدا کے مامور ہر زمانہ میں انسان کی علمی اور ذہنی ترقی کو نشوونما دینے آتے ہیں نہ کہ اسے روکنے کو۔ حدیث اختلاف امتی رحمۃ کے بھی یہی معنے ہیں کہ اس قسم کے اختلافات جو انسانی دل ودماغ کی جولانی اور مختلف لوگوں کی کاوش فکر کا نتیجہ ہوں۔ بشرطیکہ اختلاف آرا کی عزّت کی جائے اور اُنہیں موجب جنگ و جدل نہ بنایا جائے۔ واقعی ایک رحمت ہیں۔ کیونکہ کسی قوم کی ذہنی اور علمی ترقی انہی امور پر مبنی ہوتی ہے۔ خود حضرت اقدس کے سامنے بعض دفعہ مولانا نورالدین صاحب کی اور مولوی محمد احسن صاحب امروہی کی کسی آیت کی تفسیر پر بحث ہو جاتی تھی۔ اور حضرت اقدس نہایت دلچسپی سے سنتے رہتے بلکہ ہنستے رہتے تھے۔

ایک دفعہ اضرب بعصاک الحجر پر خوب گرما گرم بحث رہی۔ مولوی نورالدین صاحب اس آیت کے یہ معنی کیا کرتے تھے کہ "اپنی جماعت کو لیکر اس پہاڑ پر جا"۔ اور مولوی محمد احسن صاحب وہی پرانے معنے کرتے تھے کہ "اس پتھر پر اپنا سونٹا مار"۔ دونوں صاحبوں کی بحث بڑے جوش سے ہوتی رہی

حضرت اقدس سُنتے رہے اور ہنستے رہے۔ لیکن کسی کو بھی کچھ نہیں کہا کہ یہ معنی غلط ہیں یا وہ صحیح ہیں۔ کیونکہ آپ ذہن کو تنگ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ جب تک غور وفکر اور دل و دماغ کی جولانیوں کے لئے موقعہ نہ دیا جائے گا۔ انسان کسی علم میں بھی خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی ذہنی ترقی نہیں کر سکتا۔ ہمارے غیر از جماعت طبقہ کے علما میں جو اکثر ایسا نظر آتا ہے کہ ان کا ذہنی ارتقا بند ہو چکا ہے اور وہ کودن کے کودن بن کر رہ گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ لوگ ہر ایک قسم کے اجتہاد اور تفسیر نویسی کا دروازہ بند کر کے بیٹھے ہوئے ہیں۔ بھلا جن کا عقیدہ یہ ہو کہ سب کچھ پچھلے لوگ کر گئے اب ہم نے فقط ان کی تقلید کرنی ہے۔ وہ کیا علمی اور ذہنی ترقی کر سکتے ہیں۔

ایک دفعہ ایسا ہؤا کہ مولوی نورالدین صاحب کو اسہال کا مرض ہو گیا جس سے نقاہت بڑھ رہی تھی۔ مولوی صاحب لگ کر علاج نہ کرتے تھے اور خدا پر توکّل کر کے بیٹھے ہوئے تھے کہ فطرت خود علاج کرے گی۔ ایک روز حضرت اقدس نے اُن سے فرمایا کہ آپ باقاعدہ علاج کریں سعی اور تدبیر کرنا انسان کا فرض ہے۔ پاس سے کسی نے مولوی نورالدین صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ "قرآن میں بھی توفالمدبرات امرًا آیا ہے" (جس کے معنے ہیں امر کی تدبیر کرنیوالیاں۔ مؤلف) تو مولوی نورالدین صاحب نے ہنس کر فرمایا کہ آیا تو ہے مگر صیغہ مؤنث کا استعمال ہؤا ہے (مطلب یہ کہ تدبیر کرنا ایک قسم کا زنانہ پن ہے۔ مؤلف) حضرت صاحب سُن کر ہنستے رہے۔ اس بات کو قطعًا بُرا نہیں منایا۔ حالانکہ مولوی صاحب کی بات خود حضرت صاحب کے بھی خلاف پڑتی تھی۔ الغرض جو خدا کی طرف سے آتے ہیں وہ قلب وسیع اور حوصلہ بلند لیکر آتے ہیں۔

مولوی عبدالکریم صاحب خاکسار مؤلف کو سُناتے تھے کہ "جب مَیں نیا نیا قادیان آیا تو نیچریت دل و دماغ پر مسلّط تھی۔ مَیں گول کمرہ میں رہتا تھا اور حضرت اقدس کی تصنیف آئینہ کمالات اسلام چھپ رہی تھی۔ حضرت اقدس کی اور میری روزانہ بحث ہوتی تھی۔ مَیں ہر بات کو نیچریت میں ڈھالتا تھا اور حضرت اقدس اس کے خلاف تھے۔ اور بعض دفعہ بحث کے درمیان میں مجھے جوش آجاتا اور میری آواز بلند ہو جاتی اور شور مچ جاتا۔ لیکن حضرت اقدس نہایت دھیمے پن اور نرمی سے فرماتے کہ "مولوی صاحب! کوئی مضائقہ نہیں۔ جلدی نہیں۔ رفتہ رفتہ آپ کو سب کچھ سمجھ آجائے گا۔" اور ایسا ہی ہؤا کہ رفتہ رفتہ سب کچھ سمجھ آگیا اور وہ نیچریت بالکل دل و دماغ سے نکل گئی۔ اور اب وہ وقت یاد کر کے سخت ندامت ہوتی ہے کہ مَیں کس قدر گستاخی سے حضرت اقدس سے کلام کرتا تھا۔ اور بہت استغفار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔"

لیکن حضرت صاحب نے ذرا بھی بُرا نہیں منایا کہ تم میرے مرید ہوکر مجھ سے اختلاف کرتے ہو۔ بحث کرتے ہو۔ جھگڑتے ہو۔

اسی طرح ایک دفعہ قاضی امیر حسین صاحب حضرت اقدس سے اس آیت سبحٰن الذی اسری بعبدہٖ لیلًا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصٰی پر بحث کرنے لگ گئے۔ حضرت اقدس وہی پرانے معنے کرتے تھے کہ یہ آیت معراج کے متعلق ہے اور مسجد اقصٰی سے مراد بیت المقدس ہے۔ اور قاضی امیر حسین صاحب یہ جدت پیدا کرتے تھے کہ یہ آیت ہجرت کے متعلق ہے۔ اور مسجد اقصٰی سے مراد مدینہ منورہ کی مسجد نبوی ہے جو گو ابھی تعمیر نہ ہوئی تھی مگر علم الٰہی میں موجود تھی۔ ایک دن کئی لوگوں کی موجودگی میں حضرت اقدس سے قاضی صاحب اس پر بحث کرنے لگ گئے۔ بحث کچھ طول پکڑ گئی تو قاضی صاحب کی طبیعت جو بہت سخت تھی مشتعل ہوگئی۔ اور وہ اس قدر سختی سے حضرت اقدس سے جھگڑے اور اس قدر شور وغل مچایا اور لڑے کہ لوگوں کو خیال ہوا کہ آج پیری مریدی کا سارا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ چنانچہ اس بحث کے ختم ہونے کے بعد ایک بزرگ نے حضرت اقدس کی خدمت میں رقعہ لکھا کہ کیا ہم قاضی امیر حسین صاحب کو اب آپ کا مرید سمجھیں یا نہیں؟ حضرت اقدس نے جواب میں لکھا کہ "قاضی صاحب میرے نہایت مخلص مرید ہیں" وہ بزرگ یہ سن کر حیران ہوگئے۔ اور حضرت اقدس کی وسیع القلبی اور بلند نظری پر فریفتہ ہوگئے۔

حضرت اقدس کو نیچریت سے سخت نفرت تھی۔ وہ ایک عارف باللہ انسان تھے۔ اللہ تعالٰی کی قدرتوں پر کامل ایمان تھا۔ نیچریوں کی طرح خدا کو قوانین قدرت کا پابند ماننا اُنہیں سخت ناگوار اور شاق تھا۔ قرآن کریم کی آیت لن تجد لسنّت اللہ تبدیلا کے معنے وہ کرتے تھے کہ اس سے مراد وہ سنت اللہ ہے جو خدا نے اپنے کامل علم کے ماتحت قرآن میں عادت اللہ کے طور پر بیان فرما دی ہیں نہ کہ وہ قوانین نیچر جنہیں انسان کے ناقص علم نے دریافت کیا ہے اور جن میں ہمیشہ اصلاح اور کمی بیشی کی گنجائش ہے۔ اس لئے نیچریوں نے جب حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی ولادت کی نسبت یہ اعلان کیا کہ بغیر باپ کے ولادت خلاف قوانین نیچر ہے تو حضرت صاحب کو بہت ناگوار گزرا۔ آپ نے فرمایا کہ جو خدا کو قوانین قدرت میں بندھا ہوا مانتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ خدا بغیر باپ کے انسان پیدا کر نہیں سکتا اس کو خدا کی معرفت ہی نہیں۔ اور یہ سچ تھا جو یہ مانتا ہے کہ خدا بغیر باپ کے انسان کو پیدا نہیں کر سکتا وہ واقعی خدا کی معرفت سے بے نصیب ہے لیکن دراصل سوال کر سکنے کا نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ قرآن سے اس معاملہ میں خدا کی سنت یا عادت کیا معلوم ہوتی ہے۔ اور حضرت عیسٰی کی ولادت کے

اس سنت اللہ سے مستثنٰے ہونے پر دلائل کیا ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ باوجود اس بات کے کہ حضرت اقدس مسیح کی ولادت کو بن باپ مانتے تھے۔ لیکن جماعت میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو مسیح کا باپ مانتے تھے۔ چنانچہ خود مولوی نورالدین صاحب کا بھی عقیدہ یہی تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے خاکسار مؤلف سے فرمایا کہ ہم تو مسیح کا باپ ہی مانتے تھے لیکن چونکہ حضرت صاحب مسیح کی ولادت بن باپ مانتے ہیں اس لئے ہم نے یہ بحث ترک کر دی اور خاموشی اختیار کر لی ہے۔ ؎۱

انہی لوگوں میں سے شیخ قمرالدین گھڑی ساز جہلم بھی تھے۔ ایک دفعہ حکیم فضل الدین صاحب بھیری کسی کام کو جو جہلم گئے تو شام کو کشتی میں دریا کی سیر کرتے ہوئے شیخ قمرالدین صاحب سے مسیح کی ولادت پر اُن کی گفتگو ہو گئی۔ شیخ صاحب نے بہتیرا قرآن کریم سے استدلال کیا مگر حکیم صاحب بالکل برہم ہو گئے اُنہوں نے حضرت اقدس کے عقیدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے صاف کہہ دیا کہ یہ کلمات کفر ہیں۔ دوسرے دن حکیم صاحب واپس قادیان چلے گئے اور حضرت اقدس سے سخت شکایت کی کہ قمرالدین آپ کا مرید ہو کر مسیح کا باپ مانتا ہے۔ چنانچہ اب کے دفعہ جو میں جہلم گیا تو وہ مجھ سے بحث کرتا رہا اور کئی ایک آیات قرآنی بھی اپنی بات کی تائید میں اُس نے پیش کیں۔ مگر میں نے صاف کہہ دیا کہ مسیح کا باپ ماننا کفر ہے اور اس کا ماننے والا کافر ہے۔ حکیم صاحب نے تو غالباً یہ سمجھا ہو گا کہ شاید یہ سُن کر حضرت صاحب بہت خوش ہوں گے لیکن ان کی توقع کے بالکل برخلاف حضرت اقدس نے فرمایا تو یہ فرمایا کہ "حکیم صاحب جو شخص اپنے دعوے کی تائید میں قرآن شریف پیش کرتا ہے اور آیات قرآنی سے استدلال کرتا ہے وہ کیونکر کافر ہو سکتا ہے۔ آپ کو اُسے کافر کہنے کا کوئی حق نہیں۔" اس پر حکیم صاحب نادم ہو کر خاموش ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد شیخ قمرالدین صاحب قادیان جو گئے تو مسجد مبارک میں بعد از نماز عصر حکیم فضل الدین صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ شیخ قمرالدین آیا ہوا ہے اس سے آپ ولادت مسیح کے مسئلہ کے بارے میں دریافت فرما سکتے ہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے شیخ صاحب موصوف کو اپنے قریب بلا کر بیٹھنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ اور دریافت فرمایا کہ "آپ حضرت عیسٰی کو باباپ مانتے ہیں؟" تو یہ ادب کی وجہ سے کچھ دیر خاموش رہے۔ آخر حضرت اقدس نے فرمایا کہ وہ آیات قرآنی جن سے آپ مسیح کے باباپ ہونے کا استدلال کرتے ہیں میرے سامنے بیان کریں۔ تو شیخ صاحب نے سب سے پہلے سورۃ السجدہ کی آیت الذی احسن کل شیءٍ خلقہٗ وبدأ خلق الانسان من طین

؎۱ لیکن حضرت اقدس کی وفات کے بعد مولوی نورالدین صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کو قرآن کریم کے انگریزی اور اردو ترجمہ میں مسیح کی ولادت باباپ ہی لکھنے کا حکم فرمایا۔ (مؤلف)

ثم جعل نسلہٗ من سلالۃٍ من ماءٍ مھین ۰ پڑھی اور اسی طرح کئی ایک آیات قرآنی پڑھکر استدلال کیا کہ ان آیات سے قرآن کی پیش کردہ سنت اللہ یہی نظر آتی ہے کہ خدا کی عادت یونہی ہے کہ وہ انسان کو مرد و عورت کے مرکب نطفہ سے پیدا کرتا ہے۔ اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسان ہیں تو ان کے لئے استثنا قرآن میں کہیں نظر نہیں آتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان دلائل کو سُن کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ "ماشاء اللہ آپ کے دلائل تو قوی ہیں مگر جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امر کے متعلق ہمیں تفہیم نہیں ہوتی ہم تب تک اُنہی عقائد پر قائم ہیں جو جمہور کا عقیدہ ہے" یہ ہوتی ہے عالی حوصلگی اور بلند نظری۔ حضرت اقدس نے کیا لاکھ رُپے کی بات حکیم فضل الدین صاحب کو کہی۔ کہ جو قرآن کریم سے استدلال کرتا ہے تم اُسے کافر کیسے کہہ سکتے ہو۔ استدلال کرنے میں غلطی کر جانا امر دیگر ہے۔ مگر جب ایک شخص اپنے خیال میں اپنے عقیدہ کی بنا قرآن کریم پر رکھتا ہے تو قرآن پر اپنے عقیدہ کی بنا رکھنے والے کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ وہ قرآن کو خدا کا کلام مانتا ہے۔ اُس پر اپنے عقیدہ کی بنا رکھتا ہے۔ اگر وہ غلطی پر ہے تو تم اُسے مخطی اور غلطی خوردہ کہہ سکتے ہو۔ لیکن کافر نہیں کہہ سکتے۔ یہ وہ زرّین اصول ہے جسے آج مسلمان مضبوطی سے پکڑ لیں تو ساری کی ساری مسلمانوں کی تکفیر دنیا سے مٹ جاتی ہے۔ حضرت اقدس شیخ قمر الدین پر ناراض نہیں ہوئے۔ اُن کو کافر اور وہریہ نہیں بنایا۔ بلکہ ان کے استدلال قرآنی کو سُن کر فرمایا کہ ماشاء اللہ بہت قوی دلائل ہیں۔ یہی وہ باتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نظر اسلام کے متعلق کس قدر وسیع تھی۔ اور قرآن کریم کو واقعی وہ بحر بیکراں مانتے تھے جس کی عجائبات کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اور جس کے معارف و حقائق کے خزانوں کی کوئی انتہا نہیں۔ خدا کی طرف سے جو آتے ہیں وہ خدائی معلم ہوتے ہیں۔ وہ گو خود سارے قرآن کی تفسیر نہیں کرتے لیکن اپنے شاگردوں کو قرآن کی تفسیر کرنے کا ڈھنگ بتلا جاتے ہیں۔ وہ انہیں ایسی راہ پر ڈال جاتے ہیں جس سے قرآن کریم کو سمجھنے اور اُس کی تفسیر کرنے کا ڈھب آجاتا ہے۔ وہ خود جو تفسیر کرتے ہیں اور حقائق و معارف بیان کرتے ہیں وہ بطور نمونہ ہوتا ہے جس سے اپنے شاگردوں کو قرآن کریم کی تفسیر کرنے کا طریق سکھانا منظور ہوتا ہے اور جس سے اس علم کلام کی بنیاد پڑتی ہے جس کے وہ موجد ہوتے ہیں اور جس کے ذریعہ دین حق کو تمام دیگر ادیان پر غالب کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ وہ سب کچھ بطور بیج کے کر جاتے ہیں۔ جس کی آبیاری کرتے رہنا اُن کے شاگردوں کا کام ہوتا ہے پس اُن کے نقش قدم پر چل کر جو کچھ خدمت دین اُن کے خدام اور شاگرد کرتے ہیں وہ سب اُنہی ماموریں الٰہی کا فیض ہوتا ہے ولا غیر۔

حق پرستی آپکا شعار تھا وسیع القلبی اور حق پرستی حضرت اقدس کا ہمیشہ سے شعار تھا۔ ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء کا واقعہ ہے۔ جوانی کا عالم تھا اور مجددیت کے منصب عالی پر ابھی تک آپ مامور نہ ہوئے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نئے نئے پڑھ کر اور مولوی بن کر جو بٹالہ آئے تو چونکہ یہ اہل حدیث تھے اس لئے حنفیوں کو اُن کے خیالات بہت گراں گزرے۔ بعض اختلافی مسائل میں بحث کرنے کے لئے حنفیوں نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی طرف رجوع کیا اور ان کا ایک نمائندہ حضرت اقدس کو قادیان سے بٹالہ لے آیا۔ شام کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور اُن کے والد مسجد میں تھے جو حضرت اقدس وہاں پہنچ گئے۔ بحث شروع ہوئی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے تقریر کی حضرت اقدس نے تقریر سُن کر فرمایا کہ "اس میں تو کوئی بات ایسی نہیں جو قابل اعتراض ہو تو میں تردید کس بات کی کروں"۔ اُن لوگوں کو جو آپ کو لائے تھے بہت مایوسی ہوئی اور وہ آپ سے بہت ناراض ہوئے لیکن آپ نے محض اللہ کے لئے اس بحث کو ترک کر دیا۔ کیونکہ محض دھڑے بندی کیلئے آپ حق بات کی تردید نہیں کر سکتے تھے۔ آپ نے ذرا بھی پروا نہ کی کہ یہ لوگ جو مجھے لائے ہیں مجھ سے ناراض ہو جائیں گے یا یہ سمجھیں گے کہ جواب نہ بن پڑا تو یوں گریز کی راہ اختیار کی۔ پس اس میں میری بڑی سُبکی ہے۔ قطعاً نہیں آپ ان تمام ادنیٰ اور سفلی خواہشات اور شہرت نفس کی تمنا سے بہت بلند تھے۔ کسر نفس کی یہ کتنی بڑی قربانی ہے کہ فریق مخالف کی حق بات کو سُن کر نہایت صفائی سے کہہ دیا جائے کہ یہ حق ہے۔ یہی طریق آپ کا تمام عمر رہا کہ کوئی حق بات کہے۔ خواہ وہ کہنے والا آپ کا کتنا ہی مخالف کیوں نہ ہو۔ آپ اس کی تائید کرتے اور کوئی باطل بات کہے خواہ وہ کہنے والا آپ کا کتنا ہی دوست کیوں نہ ہو آپ اس کی تردید کرتے۔ آپ کو حق سے محبت تھی اور باطل سے دشمنی۔

عشق الٰہی

حضرت اقدس مرزا صاحب کی ساری زندگی ہی عشق الٰہی کی مرقع تھی۔ جنہوں نے اس کتاب مجدّدِ اعظم کے ہر دو حصّوں کا مطالعہ کیا ہے اُن کے آگے کسی علیحدہ باب کے ماتحت اس بات کے دُہرانے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن محض یاد دہانی کے طور پر مختصراً کچھ اُس کا ذکر کر دینا غیر مناسب نہیں ہوگا۔

بچپن سے دل خدا کی محبت میں گداز تھا

حضرت اقدس مرزا صاحب کا بچپن سے ہی دل خدا کی محبت میں گداز تھا۔ ابتدائی عمر میں لڑکوں کو کھیل کُود سے واسطہ ہوتا ہے مگر آپ ہمیشہ اس قسم کے مشغلوں سے مجتنب رہے۔ آپ کے والد صاحب نے اُستاد نوکر رکھے تو عزیزوں اور ہمسایوں کے لڑکے بھی اُن کے پاس پڑھنے آجاتے۔ لیکن آپ اپنا سبق لیکر علیحدہ جا بیٹھتے اور اپنے مطالعہ میں مصروف ہوجاتے۔ دوسرے لڑکوں کے ہڑدنگوں اور بدتمیزیوں سے بالکل الگ تھلگ رہتے۔ گویا بچپن سے ہی دنیا سے منقطع ہو چکے تھے۔ جوانی آئی تو اپنے ساتھ دنیا کی کوئی اُمنگ ساتھ نہ لائی۔ نہ اچھا کھانے سے غرض۔ نہ اچھا پہننے سے واسطہ۔ صاف رہنے کی تو عادت ضرور تھی۔ لیکن سادہ غذا اور سادہ لباس کے سوا نمود و نمائش اور زیب و زینت سے ہمیشہ آپ کو نفرت رہی۔ سوائے مسجد کے اور عبادت کے یا دینی اور پاکیزہ کتابوں کے مطالعہ کے کسی چیز سے واسطہ نہ تھا۔ باپ نے بہتیرا اپنے زمینداری کے کاموں میں لگانا چاہا۔ لیکن آپ کا ان چیزوں میں دل نہ لگا۔ باپ کے حکم کی تعمیل کے لئے آپ زمینداری کے مقدمات میں بھی دوڑ دھوپ کرتے رہے اور جہاں تک بن پڑا اُن میں سعی کرنے میں کمی نہیں کی۔ لیکن تقویٰ اور حق پرستی کو کبھی ہاتھ سے نہیں دیا۔ اور مقدمات کے شغل نے کبھی آپ کو یادِ الٰہی سے غافل نہیں کیا۔ جب کسی مقدمہ سے خلاصی ہوتی خواہ شکست ہی کیوں نہ ہو آپ ہمیشہ اللہ کا شکر کرتے کہ اب یادِ الٰہی کے لئے زیادہ وقت ملے گا۔ گویا خدا کی محبت ہر چیز پر غالب تھی۔ دنیا کی دولت۔ زمینداری نفس کی خواہشات اور اُن کی لذات خدا کی محبت کے آگے آپ کی نظروں میں سب ہیچ تھیں۔ باپ نے مختلف ملازمتوں پر لگانا چاہا۔ لیکن وہاں بھی دل نہ لگا۔ آخر ایک رقعہ کے ذریعہ عرض کر دیا کہ "دو جوڑے کھدر کے اور روٹی جیسی میسر ہو مجھے دیدی جایا کرے اور میرے حال سے تعرض نہ کیا جائے"۔ میرا دل دنیا میں نہیں لگتا۔ آپ کے والد صاحب نے جب دیکھا کہ اس کے سوا اب کوئی چارہ نہیں تو منظور کر لیا۔ اُنہیں ہمیشہ یہ فکر رہی

کہ میرے بعد میرا یہ بیٹا اپنی زندگی کس طرح کاٹے گا۔ اور بیٹے کو سوائے اس کے کوئی فکر نہ تھی کہ وہ اپنے محبوب حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کو کس طرح پائے گا۔ شب و روز یہی ایک دُھن تھی۔ اور دن رات یادِ الٰہی سے واسطہ تھا۔ آپ کے والد حقارت سے آپ کو مسیتڑ (یعنی مسجد میں ہی رہنے والا) کہا کرتے تھے۔ مگر یہاں نہ کسی دنیوی عزّت کی تمنا تھی اور نہ شہرت کی خواہش۔ نہ کسی کی تحسین و آفرین سے غرض۔ نہ زر و مال کی پروا۔ بلکہ برخلاف اس کے مزاج میں حد درجہ کا انکسار اور فروتنی تھی۔ حیا اور خلوت پسندی اسقدر تھی کہ آپ کے والد نے ایک دفعہ کسی حاکم ضلع سے اس کے اصرار پر آپ کا اس سے یوں تعارف کرایا کہ یہ ہے میرا دوسرا بیٹا لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلا! لیکن مشک کی خوشبو خود بخود پھوٹ کر نکلتی ہے۔ اردگرد کے دیہات میں اور علاقہ میں آپ کا یادِ الٰہی میں انہماک اور پاک نفسی کا چرچا پھیل گیا۔ شکر گڑھ ضلع گورداسپور کی تحصیل میں منور خاں ایک ذیلدار تھا بڈھا آدمی تھا۔ خاکسار مؤلف نے ابھی حضرت مرزا صاحب کی بیعت نہ کی تھی۔ ایک دفعہ اس سے حضرت مرزا صاحب کا ذکر آیا تو کہنے لگا کہ "آدمی بڑا نیک تھا۔ عابد و زاہد تھا اور بڑا مستجاب الدعوات تھا۔ ہم لوگوں کو جب کبھی مشکل پیش آتی تھی اُن سے دعا کرواتے اور اللہ فضل کر دیتا۔ لیکن خدا جانے کیا ہو گیا جو عیسیٰ مسیح ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ ولیوں کو ٹھوکر لگ جایا کرتی ہے۔" مجھے یہ سُن کر تعجب ہؤا کہ خدا تو قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔ کہ اللہ مومنوں کا ولی ہوتا ہے۔ انہیں ظلمتوں سے نور کی طرف نکالتا رہتا ہے۔ لیکن لوگوں میں برخلاف اس کے مشہور ہے کہ ولی ٹھوکر کھایا کرتے ہیں۔ خوب ولایت خدا کی ہوئی کہ خدا ٹھوکر کے موقعہ پر اُنہیں کوئی ہدایت نہیں دیتا اور ظلمت سے روشنی کی طرف نہیں لاتا۔

آپ کو درجۂ احسان حاصل تھا

جس چیز کا عشق ہوتا ہے اس کا ذکر ہر وقت زبان پر ہوتا ہے۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کا کوئی وقت ذکرِ الٰہی سے خالی نہ تھا۔ اکثر فرمایا کرتے کہ "جو دم غافل سو دم کافر"۔ علاوہ فرض نمازوں کو با جماعت ادا کرنے کے نمازِ تہجّد نہایت سوز و گداز اور خشوع و خضوع سے پڑھتے۔ اور پچھلی رات کا کافی حصّہ اس میں گزارتے۔ آپ کو یہ پسند نہ تھا کہ فجر کی نماز سے ذرا پہلے اُٹھ کر کچھ نفلیں پڑھ لیں بلکہ آپ کا طریق یہ تھا کہ رات کا پچھلا حصّہ نہایت سوز و گداز سے نماز میں گزارا جائے۔ اشراق کی نماز بھی پڑھا کرتے تھے۔ لیکن نماز تہجد نہایت التزام سے پڑھتے تھے۔ اور ہر ایک نماز خواہ وہ دن کی ہو یا رات کی تعدیلِ ارکان کے ساتھ اور حضورِ قلب اور خشوع و خضوع سے گزارنا آپ کی عادت تھی۔ مسجد میں آپ کی نماز نہایت متانت اور

ادب کا پہلو لئے ہوئے ہوتی تھی۔ لوگوں کے سامنے نماز میں رونا اور بسورنا آپ کی عادت نہ تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ دعا میں گریہ وزاری اور خشوع وخضوع کے لئے اس قدر تنہائی اور خلوت کی ضرورت ہوتی ہے کہ اگر اس وقت اتفاقیہ کوئی شخص اس تخلیہ میں آجائے تو ایک مومن ویسی ہی شرمندگی محسوس کرتا ہے کہ جیسے شوہر اور بیوی ہم بستری کے وقت اگر کوئی انہیں دیکھ لے تو شرمندگی محسوس کرتے ہیں۔ نماز میں آپ کے حضور قلب کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ نماز میں حضوریٔ قلب کس طرح حاصل ہو۔ فرمانے لگے "ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ نماز میں غیبوبت کیسے ہوتی ہے"۔ گویا وہ احسان کا درجہ آپ کو حاصل تھا جس کا ذکر حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندہ ہمہ وقت ایسا سمجھتا ہے کہ وہ اپنے رب کو دیکھ رہا ہے۔ یا کم سے کم ایسا سمجھتا ہے کہ اس کا رب اُسے دیکھ رہا ہے۔ اور یہ توحید و معرفت الٰہی کا وہ درجہ ہے جہاں سالکوں کا سلوک آکر ختم ہو جاتا ہے۔

نماز میں دعائیں آپ اس بات کے سختی سے پابند تھے کہ نماز عربی زبان میں پڑھی جائے۔ کسی اور زبان میں جائز نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی نمازوں میں مختلف مقامات پر مثلاً سجدوں میں تسبیح مسنونہ کے بعد یا قومہ میں ربنا لک الحمد کے بعد یا جلسہ میں التحیات اور درود شریف کے بعد آپ اپنی زبان میں دعائیں مانگنا جائز سمجھتے تھے۔ بہت سی حاجتیں ایک بندہ کو ہوتی ہیں جن کو وہ اپنے رب کے آگے پیش کرنا چاہتا ہے لیکن وہ عربی زبان نہیں اس لئے وہ نماز کے بعد لمبی لمبی دعائیں مانگتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہو کہ جیسے کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں حضوری کے وقت تو کچھ نہ کہے اور دربار سے باہر نکل کر شور مچائے کہ مجھے فلاں فلاں باتیں عرض کرنی تھیں۔ حضرت مرزا صاحب کا فتویٰ یہ تھا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ اور قرآن شریف اور وہ تسبیح و تکبیر اور التحیات اور درود شریف اور دعائیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں وہ تو اسی طرح عربی زبان میں پڑھنی چاہئیں۔ کیونکہ اس کے بغیر تمام دنیا کے مسلمانوں کا نماز میں اشتراک نہیں رہتا۔ اور وہ زبان جس میں خدا کا آخری کلام قرآن شریف نازل ہوا بجائے خود ایک خاص برکت اور اثر اپنے اندر رکھتی ہے۔ لیکن نماز کی مذکورہ بالا مقررہ ادعیہ ماثورہ کے علاوہ اپنی زبان میں دعا مانگنا ممنوع نہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سجدہ میں بندہ اپنے رب سے اقرب ہوتا ہے اس لئے سجدہ میں بہت دعائیں مانگو۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو جو التحیات اور درود شریف

پڑھ چکا تھا فرمایا کہ تو اپنے نبی پر درود بھیج چکا اب جو تیرا دل چاہتا ہے اپنے رب سے مانگ۔ پس یہ موقعے جو حضرت نبی کریم صلعم نے مسلمانوں کو دعاؤں کے لئے بتائے ہیں۔ یہاں ضروری ہے کہ بندہ اپنے دل کو کھول کر اپنے رب کے حضور میں رکھ دے اور جہاں تک اُس سے بن سکتا ہے جی کھول کر جناب الٰہی کے آستانہ پر اپنے دُکھ درد کو بیان کرے۔ کیونکہ اُس ذات سے بڑھ کر اور کون ہے جو اپنے بندہ کی سُن سکتا اور اس کی مدد کر سکتا ہے۔ اب ایک عرب تو عربی زبان میں اپنا درد دل جناب الٰہی میں بیان کر سکتا ہے۔ لیکن ایک عجمی یا ہندی یا انگریز وغیرہ جو عربی نہیں جانتا اس کیلئے سوائے اس کے کہ اپنی مادری زبان میں اپنے درد دل کو بیان کرے اور کوئی چارہ نہیں۔ پس ان موقعوں پر اپنی مادری زبان میں دعائیں کرنا جائز ہے۔ بالخصوص نفل نمازوں میں ٭

آپکے مریدوں کا نمازیں خشوع و خضوع

حضرت اقدس کی طرف سے اپنے مریدوں کو یہی تاکید ہوا کرتی تھی کہ نمازوں کو سنوار سنوار کر اور سمجھ سمجھ کر نہایت خشوع و خضوع سے پڑھو۔ اور نماز تہجد کے لئے بہت تاکید تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور آپ کی فیضان رُوحانیت کا یہ اثر تھا کہ آپ کی جماعت کے لوگ آپ کے زمانہ میں جس سوز و گداز اور خشوع و خضوع سے نمازیں پڑھا کرتے تھے وہ دوسرے مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں تک پر اثر انداز ہوا کرتا تھا۔ بہت سے لوگوں کو احمدیت کی طرف اور بعض دفعہ غیر مسلموں کو اسلام کی طرف کشش کا موجب یہی نماز ہوئی۔ خواجہ کمال الدین مرحوم ذکر کرتے تھے کہ ایک دفعہ ووکنگ میں ایک انگریز دہریہ مسجد کو دیکھنے آیا۔ مجھ سے کچھ گفتگو بھی ہوئی۔ نماز کا وقت تھا۔ ہم لوگ نماز کو کھڑے ہوئے تو وہ تہذیب کے خیال سے جماعت کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ شیخ نور احمد بلال ووکنگ کھڑے تھے۔ نماز میں دفعۃً شیخ صاحب موصوف کو ایسی رقت اور سوز و گداز ہوا کہ اس دہریہ انگریز کو بھی رقت ہو گئی۔ نماز کے بعد وہ انگریز کہنے لگا کہ "یہ کیا سحر تھا جو مجھ پر ہوا۔ مجھے ڈر ہے کہ میں مسلمان نہ ہو جاؤں" اور آخر ایسا ہوا کہ دو چار صحبتوں میں وہ مسلمان ہو گیا۔ اسی طرح انبالہ میں ۱۹۰۳ء میں ایک بہت بڑے عالم مولوی محمد حسن صاحب ہوتے تھے۔ انہوں نے خاکسار مؤلف سے بیان کیا کہ سہارنپور کے تین صوفی منش مولوی جن میں مولوی خلیل الرحمٰن صاحب بھی تھے۔ قادیان گئے۔ بیعت تو نہ کی لیکن واپسی پر جب مجھے ملے تو کہنے لگے کہ ہم حضرت مرزا صاحب سے ملنے قادیان گئے تھے۔ ایک بات وہاں ایسی لاجواب دیکھی کہ

جس سے ہم لوگ بیحد متاثر ہوئے۔ وہ یہ کہ مسجد مبارک میں جب نماز کا وقت آیا تو جماعت کھڑی ہوئی۔ مولوی عبدالکریم صاحب امام تھے۔ ہم نے چونکہ ان کی اقتدا میں نماز نہیں پڑھنی تھی اس لئے مسجد سے چلنے لگے۔ سیڑھیوں پر پہنچے تو مولوی عبدالکریم صاحب کی قرأت شروع ہوگئی۔ وہ عجیب غریب قرآن سُن کر ہم مبہوت ہوگئے اور مُڑ کر مسجد میں جماعت کو دیکھنے لگے۔ اب یہ عالم تھا کہ ایک طرف قرآن پڑھا جا رہا تھا اور ساری جماعت پر ایسا خشوع وخضوع اور سوز وگداز طاری تھا کہ وہ جناب الٰہی کے آستانہ پر تڑپتی نظر آرہی تھی۔ اور دوسری طرف اُن کی تڑپ اور سوز وگداز کو دیکھ کر ہم وہیں سیڑھیوں پر تڑپ رہے تھے۔ وہ کیفیت نہیں بھُولتی"

حضرت اقدس کے مریدوں کی نمازیں لوگوں کے استعجاب کا موجب ہُوا کرتی تھیں۔ کئی دفعہ کسی احمدی کے لمبے سجدہ کو اس بات پر محمول کر لیا گیا کہ یہ سجدہ میں سو گیا ہے اور اسے لوگوں نے نیک نیتی سے جھنجھوڑا۔ غرضکہ وہ عجیب ایام اللہ تھے کہ عبادت کرتے ہوئے طبیعت تھکتی نہ تھی۔ اور ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کا انتظار اسی شوق اور تڑپ سے ہُوا کرتا تھا جیسے ایک عاشق کو اپنے محبوب کے آنے کا انتظار ہُوا کرتا ہے +

نماز کے علاوہ ذکر الٰہی نماز کے علاوہ اوقات میں حضرت اقدس کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہمہ وقت جاری رہتی تھی۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم اکثر پڑھتے۔ اور کونسی تحریر اور تقریر تھی جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور معرفت اور اس کی عظمت وجلال کا ذکر نہ ہوتا۔ ساری تصنیفات اور تحریر وتقریر کا محور ایک ہی تھا اور وہ تھا خدا کی معرفت اور جلال کو دنیا میں ظاہر کرنا اور اس کے نام کی تسبیح وتحمید اور تبلیغ کو دنیا کے چار کھونٹ میں پہنچانا۔ اور لوگوں کو تعلق باللہ کے لئے دعوت دینا۔ فرمایا کرتے کہ اُس سے بڑھ کر ناشکر گزار بندہ کون ہو سکتا ہے جس کی سجدہ میں سبحان ربی الاعلےٰ پڑھتے وقت یہ دلی تمنا نہ ہو کہ خدایا تیری تسبیح وحمد سے ساری دنیا بھر جائے۔ یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ لو کان الایمان معلقًا بالثریا لنالہٗ رجل من فارس۔ اگر ایمان ثریا سے معلق ہوتا تو اہل فارس میں سے ایک شخص وہیں اسے نے لیتا۔ یہ بات حضرت اقدس کے وجود میں ایسی صفائی سے پوری ہوئی کہ اس سے بڑھکر ممکن نہیں۔ آپ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعریف میں رطب اللسان رہتے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا ایسے محبت بھرے الفاظ میں ذکر فرماتے جس سے سننے والوں کے دلوں میں جناب الٰہی سے تعلق پکڑنیکا

بے انتہا شوق پیدا ہو جاتا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ پر اسقدر ایمان تھا کہ گویا وہ ہمہ وقت سامنے موجود ہے اور اسی ایمان کو آپ اپنے مریدوں میں دیکھنا پسند کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر آپکا ایمان ایسا زبردست تھا کہ بارہا فرمایا کرتے کہ کسی کو مال و دولت کی کثرت سے خوشی ہوگی۔ کسی کو اولاد سے خوشی ہوگی۔ کسی کو حکومت و سلطنت سے خوشی ہوگی۔ مگر ہمیں اس بات سے خوشی ہے کہ ہمارا خدا علیٰ کلّ شیءٍ قدیر ہے۔ یعنی اُسے ہر چیز پر قدرت ہے اس کے آگے کوئی چیز انہونی نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کو نیچریت سے سخت نفرت تھی۔ نیچریوں کا یہ کہنا کہ خدا اپنے قانون قدرت کے خلاف کچھ کر نہیں سکتا۔ آپ کو سخت شاق گزرتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کو قدرت کے قوانین کے ماتحت سمجھنا اُس کو اُس کی خدائی سے جواب دینا ہے۔ خدا کیا ہوُا نعوذ باللہ ایک کولھو کا بیل ہوُا کہ قوانین قدرت کے چکر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ وہ غالبٌ علیٰ امرہٖ ہے یعنی اپنے امر پر بھی غالب ہے اوّل تو انسانی علم کا تمام قوانین قدرت الٰہیہ پر حاوی ہونا ایک ناممکن امر ہے۔ دوم قوانین قدرت خدا کے اپنے بنائے ہوئے ہیں وہ خود خدا پر کیسے غالب ہو سکتے ہیں۔ البتہ مخلوق پر وہ ضرور غالب ہیں یعنی مخلوق اُن کے جُوئے سے باہر نہیں نکل سکتی۔ نہ کہ وہ خدا پر غالب ہیں اور خدا اُن کے جوئے کے نیچے ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ خدا اپنی صفات اور اُن کے ماتحت اپنی عادت کے خلاف جو اُس نے قرآن میں بیان کر دی ہیں کوئی کام نہیں کرتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسے افعال اس سے سرزد ہوں جو اس کی صفات ازلی کے خلاف ہوں۔ خدا کا کوئی فعل اس کی اپنی صفت کے برخلاف نہیں ہو سکتا۔ پس اُن باتوں کو جو خدا کی صفات کے خلاف ہیں خدا کی طرف منسوب کرنا یہ عدم معرفت الٰہی کی دلیل ہے۔ مثلاً جھوٹ بولنا یہ اس کی صفت حق کے خلاف ہے اس لئے اس فعل کو خدا کی طرف منسوب کرنا ہی جہالت ہے۔

قصہ کوتاہ یہ کہ آپ کا نیچریت کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھنا اسی وجہ سے تھا کہ نیچری ایسی باتیں خدا کی طرف منسوب کرتے تھے جو خدا کی عظمت و جلال کے منافی ہیں۔ اور یہ آپ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

زندہ خدا پر ایمان اللہ تعالیٰ کی عظمت، وجلال اور اس کی توحید و معرفت کا ذکر ہر وقت آپ کی زبان پر جاری رہتا۔ اور خدا سے تعلق پیدا کرنے کیلئے جو بات بڑی زبردست آپ نے پیش کی وہ زندہ خدا پر ایمان تھا۔ یعنی وہ خدا آج بھی زندہ حی وقیوم موجود ہے۔ اور اپنے بندوں کی دعاؤں کو سُنتا اور اُن کو جواب دیتا ہے جو اگلے زمانہ میں نبیوں اور ولیوں سے بولا کرتا تھا۔ خدا پر ایمان فقط اگلے

لوگوں کا فسانہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ خدا آج بھی زندہ حی و قیوم اپنی تمام ازلی صفات کے ساتھ موجود ہے۔ اور جیسے اگلے زمانہ میں وہ اپنے بندوں کی دعائیں سُنتا اور جواب دیتا اور اُن سے تعلق پکڑتا اور اُن سے مکالمہ مخاطبہ کرتا رہا ہے۔ آج بھی اپنی انہی تمام صفات کے ساتھ وہ اپنے بندوں سے معاملہ کرتا ہے۔ اگرچہ نبوّت ختم اور وحی نبوّت بند ہے۔ کیونکہ دین کے کامل ہو جانے کی وجہ سے اسکی ضرورت نہیں رہی۔ لیکن وحی ولایت یعنی مکالمہ و مخاطبۂ الٰہیہ آج بھی اُمت محمدیہ میں اسی طرح جاری ہے جس طرح پہلی اُمتوں میں تھا۔ تاکہ انسان معرفت و یقین کے تمام مراتب طے کر سکے۔ آج بھی حدیث شریف کے الفاظ اُسی طرح سچے ہیں جس طرح سلف صالحین کے زمانہ میں تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر کوئی چل کر میری طرف آتا ہے تو میں دَوڑ کر اُس کی طرف آتا ہوں۔ کشتی نوح میں حضرت اقدس مرزا صاحب کس ذوق و شوق سے تحریر فرماتے ہیں:۔

"کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اُس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے۔ اگرچہ جان دینے سے ملے۔ اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دل میں بٹھا دوں۔ کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سُن لیں۔ اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سُننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔ اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوتے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگیگا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں۔ اور اگر تم جانتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا کہ تم دنیا کے لئے سخت غمگین ہو جاتے۔ ایک شخص جو ایک خزانہ اپنے پاس رکھتا ہے کیا وہ ایک پیسہ کے ضائع ہونے سے روتا ہے اور چیخیں مارتا ہے اور ہلاک ہونے لگتا ہے۔ پھر اگر تم کو اس خزانہ کی اطلاع ہوتی کہ خدا تمہارا ہر ایک حاجت کے وقت میں کام آنیوالا ہے تو تم دنیا کے لئے ایسے بیخود کیوں ہوتے۔ خدا ایک پیارا خزانہ ہے۔ اس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے"

اسی طرح اربعین ملا میں آپ کس زور سے اسی بات کا اعلان فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

"میری ہمدردی کے جوش کا اصل محرک یہ ہے کہ میں نے ایک سونے کی کان نکالی ہے اور مجھے جواہرات کے معدن پر اطلاع ہوئی ہے اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہوا اور بے بہا ہیرا اُس کان سے ملا ہے اور اس کی اس قدر قیمت ہے کہ میں اپنے ان تمام بنی نوع بھائیوں میں وہ تقسیم کروں تو سب کے سب اس شخص سے زیادہ دولتمند ہوجائیں گے جس کے پاس آج دنیا میں سب سے بڑھکر سونا اور چاندی ہے۔ وہ ہیرا کیا ہے؟ سچا خدا۔ اور اُس کو حاصل کرنا یہ ہے کہ اُس کو پہچاننا۔ اور سچا ایمان اُس پر لانا۔ اور سچی محبت کے ساتھ اس سے تعلق پیدا کرنا۔ اور سچی برکات اس سے پانا۔ پس اس قدر دولت پاکر سخت ظلم ہے کہ میں بنی نوع کو اس سے محروم رکھوں"

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:-

"بجز اسلام وہ مذہب کہاں اور کدھر ہے جو یہ خصلت اور طاقت اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور وہ لوگ کہاں اور کس ملک میں رہتے ہیں جو اسلامی برکات اور نشانوں کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ اگر انسان صرف ایسے مذہب کا پیرو ہو جس میں آسمانی رُوح کی کوئی ملاوٹ نہیں تو وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے۔ مذہب وہی مذہب ہے جو زندہ مذہب ہو اور زندگی کی رُوح اپنے اندر رکھتا ہو اور زندہ خدا سے ملاتا ہو"

اس مادہ پرستی کے زمانہ میں جب خدا پرستی کو اگلے زمانہ کا ایک ڈھکوسلا سمجھا جاتا تھا۔ صاف لفظوں میں نہایت زور کے ساتھ تمام دنیا کو زندہ خدا پر ایمان لانے کیلئے دعوت دینا اور ساتھ ہی اپنے آپ کو بطور اہل حال اور صاحب تجربہ کی حیثیت سے پیش کرنا آجکل کے مادہ پرست دہریوں پر ایک ایسی زبردست حجت تھی جس کا کوئی جواب نہیں۔ آپ نے بڑی تحدی کے ساتھ اعلان کیا کہ اگر ان مادہ پرستوں کے اندر کوئی تحقیقات کی رُوح موجود ہے۔ اگر وہ اس فانی دنیا کے ادنیٰ ادنیٰ مقاصد کے لئے بھی جدوجہد کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو خدا کی معرفت جیسے اعلیٰ مقصد کے لئے میرے پاس آئیں جس نے اُس سچے اور زندہ خدا کو پالیا ہے اور میرے ہاتھ پر وہ نشانات آسمانی دیکھیں جس سے اُس ذات بیچوں پر یقین پیدا ہوتا ہے اور مجھ سے وہ خدا و رسولؐ کی بتلائی ہوئی راہیں سیکھیں جن پر چلنے سے وہ خدا آج بھی اپنے آپ کو اپنے بندوں پر ظاہر کرتا ہے جس کا قرآن میں وعدہ ہے کہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا کہ جو ہماری راہ میں جدوجہد کرتے

ہیں ہم اُنہیں اپنی راہیں دکھا دیتے ہیں۔ اگر اس کائنات کے تمام قوانین اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ کوئی ان کا مقنّن اور خالق ہونا چاہئے تو خدا کا مکالمہ مخاطبہ انسان کو اُس یقین کامل پر پہنچا دیتا ہے کہ وہ خدا جو خالق کائنات ہے واقعی موجود ہے۔ پس میں صاحب تجربہ ہوں۔ اور خدا مجھ سے بولتا ہے۔ اور یہ وہ دعویٰ تھا جس کے ذریعہ حضرت اقدس نے اس زمانہ کے تمام دہریوں اور مادہ پرستوں پر حجت تمام کر دی۔ آپ نے بار بار نہایت بلند آہنگی سے یہ دعویٰ کیا کہ میں نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا ہے اور قرآن و سنت رسول کی پیروی سے اُس خدا کو پا لیا ہے جو اس تمام کائنات کا خالق و مالک ہے۔ پس میں علیٰ وجہ البصیرت لوگوں کو اسلام کے زندہ خدا کی طرف بلاتا ہوں جس کا دل چاہے میرے پاس آئے اور تجربہ کر کے اپنی تسلّی کرے۔ اس قسم کے اعلانات سے آپ کی کتابیں آپ کے اشتہارات آپ کی نظمیں بھری پڑی ہیں۔ یہاں بطور نمونہ آپ کے چند اشعار پیش کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔ ؎

"ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا — نور ہے نور اُٹھو دیکھو سنایا ہم نے
تھک گئے ہم تو انہی باتوں کو کہتے کہتے — ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کیلئے کوئی نہ آیا ہر چند — ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے
آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے — لو تمہیں طَور تسلّی کا بتایا ہم نے
آج اُن نوروں کا اک زور ہے اس عاجز میں — دل کو اُن نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے
مصطفےٰ پر ترا بےحد ہو سلام اور رحمت — اُس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے"

یہ وہ باتیں ہیں جو کسی مولوی اور مشائخ میں آج کے زمانہ میں نہیں پائی جاتیں۔ آج اس مادہ پرستی کے زمانہ میں جب مشاہدہ اور تجربہ پر تمام علوم کا مدار ہے محض قال انسان کے دل میں یقین اور تسلّی نہیں پیدا کر سکتا جب تک کہ کوئی صاحب مشاہدہ و تجربہ اہل حال اُٹھ کر یہ اعلان نہ کرے کہ مَیں نے اُن راہوں پر عمل کر کے جو اسلام نے سکھائی ہیں اُس زندہ خدا کو پا لیا جو اس تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اور جس کسی کا دل چاہے آئے اور میرے پاس رہ کر اپنی تسلّی کرے۔ اسی بات کو کس زور سے حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔ ؎

"اے مزوّر گر بیائی سوئے ما — وز و فارخت افگنی در کوئے ما
وز بہر صدق و ثبات و غمخوری — روزگارے در حضورِ ما بری
عالَمے بینی ز ربّانی نشاں — سُوئے رحماں خلق و عالم را کشاں

گر خلافِ واقعہ گفتم سخن
رضیم گر تو سرم بُرّی ز تن

رضیم گر خلق بر دارم کشند
از سر کیں با صد آزارم کشند

رضیم گر با شدم ایں کیفرے
خوں رواں بر خاک فتادہ سرے

رضیم گر مال و جان و تن رَوَد
وآنچہ از قسمِ بلا بر من رَوَد

لیک گر تو زیں سخن پیچی سرے
بر تو ہم نفرین ربِّ اکبرے

زیں سخن ہا ہر کہ رُو گرداں بُود
آں نہ مردے رہزنِ مرداں بود"

یہی وہ باتیں تھیں جن سے خواجہ کمال الدین جیسے معقول پسند دہریوں کی آپ کے آگے گردنیں جھک گئیں اور آپ کی صحبت کے اثر سے اُن میں وہ خدا کی توحید اور معرفت پیدا ہو گئی کہ اپنے تمام دنیوی مفاد قربان کر کے خدا کے دین کی خدمت میں لگ گئے اور سینکڑوں گم گشتگانِ بادیۂ ضلالت کی ہدایت کا موجب بن گئے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی صحبت سے بڑے بڑے خدا کے منکروں کو خدا کا چہرہ نظر آگیا۔ خواجہ کمال الدین مرحوم حضرت اقدس کی تعریف میں ایک نظم لکھتے ہوئے ایک شعر کیسا پتہ کا لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔ ؎

اگر خواہی نشانِ بے نشانے ⁂ بیا کن مجلسے با آں نگارے

حضرت اقدس مرزا صاحب نے دہریوں اور مادہ پرستوں پر ہی حجت تمام نہیں کی بلکہ اسلام کے سوا تمام دیگر مذاہب کے پیروؤں پر بھی اسی طرح حالی رنگ میں حجّت تمام کی کہ آج اس زندہ خدا کو جو تمام کائنات کا خالق و مالک ہے پانے کی راہ صرف اسلام میں ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلعم ہی وہ زندہ رسول ہیں جن کی خدا کی طرف سے لائی ہوئی ہدایت قرآن کریم اور جن کے فیضان روحانیت کے ذریعہ انسان کو خدا ملتا ہے اور اس دروازہ کے سوا باقی سب دروازے بند ہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا اشعار میں بھی یہی باتیں مذکور ہیں۔ لیکن انکے علاوہ سینکڑوں صفحے نظم و نثر کے انہی دعاوی سے بھرے پڑے ہیں۔ بطور نمونہ حضرت اقدس کے چند اور اشعار ملاحظہ ہوں غیر مسلموں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ ؎

اے در انکار و شکّے از شاہِ دیں[1]
خادمان و چاکرانش را بہ بین

کس ندیدہ از بزرگانت نشاں
نیست در دستِ تو بیش از داستاں

[1] مراد ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مؤلف)

لیک گر خواہی بیا بنگر زما | صد نشانِ صدقِ شانِ مصطفےٰ
ہاں بیا اے دیدہ بستہ از حسد | تا شعاعش پردۂ تو بر درد
صادقاں را نورِ حق تابد مدام | کاذباں مُردند و شد تُرکی تمام
مصطفےٰؐ مہرِ درخشانِ خداست | بر عدوش لعنتِ ارض و سماست
ایں نشانِ لعنت آمد کیں خساں | ماندہ اندر ظلمتے چوں شپّراں
نے دلِ صافی نہ عقلِ راہ بیں | راندۂ درگاہِ ربّ العالمیں
جاں کَنی صد کُن بکینِ مصطفےٰ | رہ نہ بینی جز بدینِ مصطفےٰ
تا نہ نورِ احمدؐ آید چارہ گر | کس نے گردد ز تاریکی بدر
از طفیلِ اوست نورِ ہر نبی | نامِ ہر مرسل بنامِ او جلی
آں کتابے ہم چو خور دادش خدا | کز رخش روشن شد ایں ظلمت سرا
ہست فرقاں طیّب و طاہر شجر | از نشاں ہا میدہد ہر دم ثمر"

یہ وہ باتیں تھیں جنہوں نے تمام ادیان کے پیرؤں پر حجّت تمام کر دی۔ زبانی دعوے خدا رسی کے ہر ایک مذہب کا پیرو کرتا ہے۔ لیکن اس طرح مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر صاحب حال بن کر دنیا کو للکارنا اور اُنہیں خدا و رسول کی طرف دعوت دینا یہ اُنہی لوگوں کا کام ہوتا ہے جو خدا کے ہاتھ سے پاک و صاف کئے جاتے اور اس کے دین کی خدمت کے لئے کھڑے کئے جاتے ہیں۔ یہ کسی مولوی مُلّا پیر فقیر کا کام نہیں بلکہ یہ اُسی شخص کا کام ہے جو خدا سے تعلق رکھتا اور یقین و معرفت کے تمام مراتب طے کر کے خدا کی طرف سے اعلائے کلمۃ اللہ اور خدمتِ دین کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔

وحی الٰہی پر زندہ ایمان

یہاں ضمناً مَیں اس بات کا ذکر کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کے اس دعوے نے کہ مجھ سے خدا بولتا ہے وحی الٰہی پر ایمان کو زندہ کر دیا۔ بعض لوگ گھبراتے ہیں کہ مرزا صاحب نے وحی و الہام کا جھگڑا کیوں ناحق درمیان میں کھڑا کر دیا۔ حالانکہ سچ پوچھو تو مذہب کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے وحی الٰہی پر ایمان کو زندہ کرنا ازبس ضروری تھا۔ آج اس مادہ پرستی کے زمانہ میں مذہب کے انکار کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وحی الٰہی سے جو مذہب کے لئے بطور بنیاد کے ہے بکلّی انکار ہے۔ موجودہ زمانہ کے جن فلاسفروں نے وحی کا اقرار کیا خواہ وہ مسلم تھے یا غیر مسلم اُنہوں نے بھی اُسے ایک اندرونی آواز سے بڑھ کر حیثیت نہیں دی کہ وہ دل سے اُٹھتی ہے

اور دل پر پڑتی ہے۔ اس لئے مجدد وقت کا پہلا فرض یہ تھا کہ وہ اس حقیقت کو واضح کر کے دکھاتا کہ سلسلۂ نبوت سچا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ہم کلام ہوتا رہا ہے اور چونکہ اس کی صفات ازلی ابدی ہیں اس لئے وہ آج بھی اپنے برگزیدہ بندوں سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ نبوت ختم ہو گئی کیونکہ دین کامل ہو چکا۔ لہذا وحی نبوت بند ہو گئی کیونکہ اس کی ضرورت نہیں رہی۔ لیکن وحی ولایت باقی ہے یعنی مبشرات کے رنگ میں خدا کا انسان سے مکالمہ و مخاطبہ اسی طرح جاری ہے جس طرح پہلے تھا۔ تاکہ سلسلۂ نبوت پر وہ ایک دلیل ہو۔ اور بندوں کی معرفت اور یقین اپنے کمال کو پہنچے۔ حضرت اقدس مرزا صاحب نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں بڑا زور اس بات پر دیا اور اس مادہ پرستی اور لامذہبی کے زمانہ میں بڑے زور سے یہ اعلان کیا کہ آج بھی خدا بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے زمانہ میں اپنے برگزیدوں سے بولا کرتا تھا۔ اور کھول کر سنایا کہ میں اس میں صاحب تجربہ اور اہلِ حال ہوں۔ اور ساتھ ہی اپنی رویا و کشوف اور الہامات کو پیش کیا جن میں آئندہ امور کی اطلاع دی گئی تھی اور اُن کے سچا ثابت ہونے پر شہادتیں مہیا کیں اور تمام دہریوں اور مادہ پرستوں کو چیلنج کیا کہ وہ میرے پاس آویں اور الہامات الٰہیہ کے سچا ہونے پر اپنی تسلی کر لیں اور ساتھ ہی اس بات کا بھی اعلان کیا کہ وحی الٰہی دل کی کسی اندرونی آواز کا نام نہیں بلکہ وہ خارج سے آتی ہے اور انسان کے قلب پر پڑتی ہے۔ وہ آواز اسی طرح خارج سے آتی ہے جس طرح ایک ٹیلیفون کی آواز خارج سے آتی سنائی دیتی ہے۔ البتہ وہ ایک رُوحانی ٹیلیفون ہے جسے قلب کا کان سُنتا ہے اسی طرح جیسے قلب کی آنکھ کشف کی حالت میں عین بیداری میں بعض دفعہ آئندہ کے واقعات کو اور بعض دفعہ دوسرے عالم باطن کے نظاروں کو دیکھتی ہے۔ [1] اور اس وحی و الہام کے

---

[1] خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ بعض لوگوں کو یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ وحی الٰہی اگر خارج سے آتی ہے تو ہمارے جسمانی کانوں سے کیوں نہیں سنائی دیتی۔ یہ وسوسہ ان کی ناواقفی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ وحی کوئی مادی آواز نہیں جو مادی کانوں کے ذریعہ قلب تک پہنچے۔ وہ عالم رُوحانیت کی آواز ہے جو براہ راست قلب کو سنائی دیتی ہے۔ آجکل فزیالوجی اور علم النفس کی تحقیقات نے اس بات کو پایۂ ثبوت پر پہنچا دیا ہے کہ تمام حواس کے مراکز جو حصولِ علم کا ذریعہ ہیں انسان کے قلب میں ہیں۔ جس طرح ہمارے حواس ظاہری اور مادی ہیں مثلاً آنکھ۔ کان۔ ناک۔ زبان و چمڑے میں دیکھنے اور سننے اور سونگھنے اور چکھنے اور چھونے سے علم حاصل کرنے کے حواس ہیں۔ اسی طرح انکے مقابل قلب میں بھی یہی حواس باطنی طور پر موجود ہیں اور عالم ظاہر یعنی عالم مادیات سے جو علم ہمیں حاصل ہوتا ہے وہ ان دونو ظاہری اور باطنی حواس کے اشتراک عمل سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر اصلی حواس وہی باطنی حواس ہیں جو قلب میں ہیں۔ یہ ظاہری حواس فقط عالم مادیات کے حادثات کو باطنی حواس تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کچھ دیکھ اور سن نہیں سکتا جب تک قلب کے باطنی حواس ظاہری حواس کی طرف متوجہ نہ ہوں (باقی برصفحہ ۱۳۵۶)

ذریعہ ایسے علوم غیبیہ پر اطلاع دی جاتی ہے جن کو جاننا انسان کی بساط سے باہر ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ الہام ہی میں سوال و جواب کا ایک سلسلہ ہوتا ہے جو بندہ اور اس کے رب کے درمیان جاری رہتا ہے۔ پھر خدا کے اس کلام کے ساتھ ایک عجیب شوکت اور نور ہوتا ہے اور ایسا یقین ہوتا ہے جو فولادی میخ کی طرح قلب میں گڑ جاتا ہے اور خدا کا فعل اس کی تائید کرتا ہے یعنی جس طرح قبل از وقت کوئی امر بتایا جاتا ہے اُسی طرح ظہور پذیر ہوتا ہے اور اگر رستہ میں کچھ موانعات اور مشکلات حائل ہوں تو خدا تعالیٰ اپنی قدرت سے اُنہیں دُور کر کے اپنے کلام کی سچائی کو ظاہر کرتا ہے۔ تب انسان کے اندر خدا کے کلام پر وہ زندہ ایمان پیدا ہوتا ہے جو تمام اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کی جڑ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت اپنے کمال کو پہنچ کر انسان کو ان تمام انعامات اور ترقیات کا وارث بنا دیتی ہے جس کیلئے جناب الٰہی نے اُسے پیدا کیا ہے۔ پس خدا کا مکالمہ

(بقیہ صفحہ ۱۳۵۵) کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے پاس لوگ باتیں کر رہے ہوتے ہیں اور ہماری توجہ کسی اور طرف ہوتی ہے تو ہم کچھ نہیں سنتے۔ اور ہمیں کچھ علم نہیں ہوتا کہ وہ باتیں کیا تھیں جو یہ لوگ کر رہے تھے حالانکہ ان کی آوازیں برابر ہمارے کانوں کے پردہ پر پڑ رہی تھیں۔ اسی طرح بعض دفعہ ایک آدمی سامنے سے گزر جاتا ہے اور ہمارا خیال کسی اور طرف ہوتا ہے تو ہمیں اُس آدمی کے گزر جانے کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس کا انعکاس ہماری آنکھوں کے پردہ پر برابر ہوتا رہا۔ پس حقیقت یہ ہے کہ قلب کے کان اور آنکھ اور دیگر باطنی حواس ہی اصلی حواس ہیں جو انسان کو صحیح علم پہنچاتے ہیں اور ظاہری حواس محض ذرائع ہیں جو عالم مادیات کے حوادثات کو ہمارے باطنی حواس تک پہنچاتے ہیں۔ پس جب باطنی حواس اصلی ہیں اور جسم کے ظاہری حواس محض عالم مادیات سے حوادثات کو باطنی حواس تک منتقل کرنے کے ذرائع ہیں تو پھر باطنی و رُوحانی عالم کے حوادثات کے لئے یہ ضرورت نہ رہی کہ وہ ان ظاہری حواس سے منتقل ہوں کیونکہ عالم مادی سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ پس وہ بغیر وساطت ظاہری و مادی حواس کے براہ راست باطنی حواس پر اثر انداز ہوتے ہیں اور قلب کے حواس اُنہیں اسی طرح خارج سے آتا محسوس کرتے ہیں جیسا کہ وہ عالم مادیات کے حادثات کو ظاہری حواس کے ذریعہ محسوس کرتے ہیں۔ کیونکہ دونو طرح کے علم قلب کے خارج سے ہی آتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ عالم روحانیات کے اُمور باطنی حواس پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں اور عالم مادیات کے امور حواس ظاہری کے واسطے سے حواس باطنی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ قلب دونو امور کو یکساں طور پر محسوس کرتا اور اُن سے علم حاصل کرتا ہے۔ چونکہ دونو طریق پر علم خارج سے آتا ہے۔ ایک میں عالم رُوحانیات سے اور دوسرے میں عالم مادیات سے۔ اس لئے قلب دونو کو یکساں طریق پر خارج سے آتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ ایک میں فقط قلب کی آنکھ دیکھتی ہے۔ اور فقط قلب کا کان سُنتا ہے۔ دوسرے میں قلب کی آنکھ جسم کی ظاہری آنکھ کے شیشہ میں سے دیکھتی ہے اور قلب کا کان جسم کے ظاہری کان کے ذریعہ سُنتا ہے۔ دونو صورت میں دیکھتا اور سُنتا قلب ہی ہے۔ اور جو علم بھی حاصل ہوتا ہے خارج سے ہی حاصل ہوتا ہے ٭

مخاطبہ ہی وہ شہادتِ حقہ ہے جس سے مذہب کی سچائی اور سلسلۂ نبوت پر دلیل قائم ہوتی ہے۔ ورنہ جو بات بطور حال مشاہدہ اور تجربہ میں نہ آئے وہ افسانہ کے رنگ میں ہوجاتی ہے اور انسان کو کسی یقین پر نہیں پہنچا سکتی۔

دعا اور تقویٰ کیلئے تاکید حضرت اقدس کا بڑا زور اس بات پر تھا کہ آپ کی جماعت میں تقویٰ پیدا ہو۔ کئی بار جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص عارف باللہ ہو۔ کسی نے پیر پکڑنے کی نسبت دریافت کیا تو فرمایا کہ تمہیں کسی شخص کو پیر پکڑنے کی ضرورت نہیں میں تو چاہتا ہوں کہ تم خود پیر یعنی شہداء علی الناس بن کر ایک عالم کے لئے موجب ہدایت بنو۔

آپ حصول تقویٰ کے ذرائع میں سے سب سے اہم ذریعہ دعا سمجھتے تھے اس لئے دعا کے لئے بڑی تاکید تھی۔ نماز میں دعا۔ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے دعا۔ غرضکہ دعا سے انسان کا دل اَور زبان کسی وقت خالی نہ ہو۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مومن کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ

دست بہ کار و دل بہ یار

جب کوئی تکلیف ہو کمرہ کا دروازہ بند کر و اور اپنے رب کے حضور میں گر جاؤ۔ اور بڑی اُمیدوں کے ساتھ گرو۔ کہ ہمارا خدا علیٰ کل شیءٍ قدیر ہے۔ اُس پر کبھی بدظنی نہ کرنا۔ اور اُس کی قدرت کے آگے کسی چیز کو انہونی نہ سمجھنا اور اُس کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا یہی دعا ہے جس سے پہاڑ ٹل جاتے ہیں یہی تقویٰ اور دعا ہے جس سے انسان آخر خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ یہی دعا ہے جو اپنی اجابت کے ساتھ انسان کو خدا کی ہستی پر یقین و معرفت کے تمام مراحل طے کرا دیتی ہے۔ بلکہ آخر کار مکالمۂ و مخاطبۂ الٰہیہ کے انعام سے مشرف کرا دیتی ہے۔ منکرینِ استجابت دعا یعنی نیچریوں وغیرہ پر آپ نے مستقل تصانیف لکھیں جن میں نہ صرف استجابت دعا پر دلائل پیش کئے بلکہ اپنے آپ کو بطور صاحب تجربہ و صاحب حال کے پیش کیا اور اُنہیں دعوت دی کہ میرے پاس آ کر مستجاب دعاؤں کے نمونے دیکھ کر اپنی تسلی کر لیں۔ برکات الدعا میں کس زور سے اعلان فرماتے ہیں :۔

از دعا کن چارۂ آزارِ انکارِ دعا	چوں علاج مَے زمَے وقتِ خمار و التہاب
ایکہ گوئی گر دعا ہارا اثر بودے کجاست	سوئے من بشتاب بنمایم ترا چوں آفتاب
ہاں مکن انکار زیں اسرارِ قدرتہائے حق	قصہ کوتاہ کن بہ بیں از ما دعائے مستجاب

حق تو یہ ہے کہ یہی دعا اور اس کی اجابت ہے جس سے انسان میں زندہ ایمان پیدا ہوتا ہے۔ اور خدا کی قدرتوں کے کرشمے نظر آ کر انسان یقین اور معرفت میں ترقی کرتا ہے جنہوں نے حضرت اقدس کی

صحبت اُٹھائی ہے۔ اُنہوں نے اس آیت کریمہ کی تفسیر بطور حال کے اپنے اوپر وارد ہوتی ہوئی دیکھی ہے جو قرآن کریم میں اس طرح مذکور ہے کہ سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم کہ ہم انہیں اپنے نشان دکھائیں گے آفاق میں یعنی دنیا میں اور ان کے اپنے نفسوں میں۔ آفاق میں تو وہ پیشگوئیوں اور نشانات آسمانی کی شکلوں میں نظر آئے جو حضرت اقدس مرزا صاحب کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔ اور اپنے نفسوں میں جو نشانات نظر آئے۔ وہ اپنے نفس کے اندر تبدیلی اور استجابت دعا کے نشانات تھے یعنی دعاؤں کی قبولیت کے کرشمے ایسے ایسے عجیب وغریب دیکھنے میں آئے جن سے خدا پر وہ زندہ ایمان پیدا ہوتا ہے جس سے نفس میں ایک پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور انسان خدا کے دین کے لئے ہر قسم کی قربانی کے واسطے آمادہ ہو جاتا ہے۔

قربانی کسی چیز کی محبت کا سب سے بڑھ کر نشان وہ قربانی ہُوا کرتی ہے جو اس کے لئے کی جاتی ہے۔ حضرت اقدس نے اللہ تعالیٰ کے لئے کسی قسم کی بھی قربانی کرنے میں دریغ نہیں کیا۔ آپ کی جان اور مال ہر وقت خدا کے لئے وقف تھا۔ جو مال تھا اُسے خدا کی راہ میں صرف کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا۔ اور جان کا یہ حال تھا کہ وہ ہمہ وقت خدا کے دین کے لئے وقف تھی۔ سر میں چکر آتے ہیں دل ضعف سے گھٹ رہا ہے۔ ہاتھ پاؤں سرد ہو رہے ہیں۔ راتوں کو نیند نہیں آتی لیکن خدا کی یاد اور اس کے دین کی خدمت میں تقریر و تحریر تصنیف و تالیف کا سلسلہ برابر جاری ہے ابھی پلنگ پر پڑے ہیں۔ نبض ساقط ہے۔ سر چکرا رہا ہے۔ ابھی دیکھو تو پھر لکھ رہے ہیں۔ ڈاکٹر منع کرتے ہیں طبیب روکتے ہیں۔ گھر والے ناراض ہوتے ہیں لیکن ایک لگن ہے جو ہر وقت دل میں لگی ہوئی ہے وہ یہ کہ میرے رب کا نام دنیا میں بلند ہو۔ اس میں کبھی فرق نہیں آتا۔ کوئی مشکل ہو کوئی مصیبت ہو وہ اس راہ میں آپ کے لئے روک نہیں بن سکتی جس کام کیلئے خدا نے آپ کو کھڑا کر دیا تھا اس کے لئے آپ نے اپنی تمام بنی ہوئی شہرت اور عزّت کو خاک میں ملا دیا[1]۔ حق بات کہنی اس قدر مشکل کام ہے کہ بڑے بڑے علماء اور مشائخ تک اس کی تاب نہیں لا سکتے۔ اور گول مول باتیں کر کے وقت کو ٹال جاتے ہیں یا خاموشی میں اپنی نجات سمجھتے ہیں۔ لیکن جسے خدا کھڑا کرتا ہے اسے اُس کی

---

[1] حضرت اقدس نے اس امر کو دو شعروں میں کیسی خوبصورتی سے ظاہر فرمایا ہے:۔

نمی باید مرا یک ذرّہ عزّتہائے ایں دنیا	مِنہ از بہرِ ما کرسی کہ ماموریم خدمت را
ہمہ خلق و جہاں خواہد برائے نفسِ خود عزّت	خلافِ من کہ میخواہم براہِ یار ذلّت را

ذرا پروا نہیں ہوتی کہ لوگ مجھے اس بات کے کہنے پر بُری نظروں سے دیکھیں گے اور میری مخالفت کریں گے۔ یہی بات حضرت اقدس مرزا صاحب میں بدرجۂ اولیٰ ہمیں نظر آتی ہے۔ دعویٔ مسیحیت سے قبل آپ کا وسعت علم اور تقویٰ وطہارت اور استجابت دعا اور تعلق باللہ مسلمانوں میں ایک مسلّم امر تھا۔ لیکن خدا کے حکم سے جب آپ نے دعویٔ مسیحیت کیا تو آپ کی وہ تمام شہرت و عزت خاک میں مل گئی۔ اور بہت سے لوگ جو آپ سے عقیدت رکھتے تھے اور آپ پر نہایت درجہ حسن ظن رکھتے تھے مخالف اور دشمن بن گئے۔ بلکہ آپ کو ذلیل اور ہلاک کرنے کے درپے ہو گئے۔

اس دعوے سے قبل جب آپ پٹیالہ تشریف لے گئے تھے تو ریاست پٹیالہ کے وزیر خلیفہ محمد حسن صاحب اور شہر کے تمام مسلمان ریلوے اسٹیشن پر آپ کے استقبال کے لئے حاضر ہوئے تھے اور آپ کو ہاتھی پر بٹھا کر بڑے جلوس کے ساتھ قیام گاہ پر لے گئے تھے۔ مگر اس دعوے کے بعد جب آپ پٹیالہ تشریف لے گئے تو سوائے دو چار دوستوں کے اور کوئی نہ تھا۔ تمام عمر دشمنوں کے درمیان بتیس دانتوں کے بیچ میں زبان کی طرح گزار دی۔ اور کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کے دل میں خیال نہیں گزرا کہ یہ کیا بیٹھے بٹھائے میں نے دردسر مول لے لیا۔ اور اپنی اچھی بھلی شہرت کو خاک میں ملا دیا۔ آپ کے یہ اشعار کس قدر درد سے بھرے ہوئے اور حالات پر روشنی ڈالنے والے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔ ؎

اے خدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار — اے میرے پیارے میرے محسن میرے پروردگار
کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس — وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار
بدگمانوں سے بچایا مجھ کو خود بن کر گواہ — کر دیا دشمن کو اک حملہ سے مغلوب اور خوار
کام جو کرتے ہیں تیری رہ میں پاتے ہیں جزا — مجھ سے کیا دیکھا کہ یہ لطف و کرم ہے بار بار
تیرے کاموں سے مجھے حیرت ہے اے میرے کریم — کس عمل پر مجھ کو دی ہے خلعتِ قرب و جوار
کرمِ خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں — ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار
یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند — ورنہ درگہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمتگزار
دوستی کا دم جو بھرتے تھے وہ سب دشمن ہوئے — پر نہ چھوڑا ساتھ تو نے اے میرے حاجت برآر
اے میرے یارِ یگانہ اے میری جاں کی پناہ — بس ہے تو میرے لئے مجھ کو نہیں تجھ بن بکار
میں تو مر کر خاک ہوتا گر نہ ہوتا تیرا لطف — پھر خدا جانے کہاں یہ پھینک دی جاتی غبار
اے فدا ہو تیری رہ میں میرا جسم و جان و دل — میں نہیں پاتا کہ تجھ سا کوئی کرتا ہو پیار

ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے	گود میں تیری رہا میں مثلِ طفلِ شیر خوار
نسلِ انساں میں نہیں دیکھی وفا جو تجھ میں ہے	تیرے بن دیکھا نہیں کوئی بھی یارِ غمگسار
لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول	میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار
اس قدر مجھ پر ہوئیں تیری عنایات و کرم	جن کا مشکل ہے کہ تا روزِ قیامت ہو شمار

صدق و وفا محبت میں سب سے چوٹی کی چیز صدق و وفا ہے کہ محبوب کی طرف سے خواہ عنایات ہوں یا اس کے ہاتھوں کوئی تکلیف اور دُکھ پہنچے۔ عاشق صادق وہی ہے کہ اس کی محبت اور وفا میں فرق نہ آئے جیسا کہ حضرت مولانا روم بھی فرماتے ہیں:ـ

صادق آں باشد کہ ایامِ بلا ٭ میگزارد با محبت باوفا

یہ رنگ حضرت اقدس مرزا صاحب میں اس قدر نمایاں تھا کہ یوں کہنا چاہئے کہ آپ کی عظمت و شان پوری طرح اُسی وقت نظر آتی تھی جب آپ کو کسی ابتلا اور تکلیف سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ اُس وقت ہی نظر آتا تھا کہ یہ کس اعلیٰ پایہ کا انسان ہے جس کی بلندی کو پانا ایک عامی انسان کا کام نہیں۔ کیسی ہی سخت بیماری یا تکلیف ہو کبھی کوئی کلمہ شکوہ و شکایت کا آپ کی زبان سے نہیں نکلا۔ بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعریف اور شکر کے ہی کلمات آپ کی زبان سے نکلے۔ کیسی ہی ہلاچلی اور گھبراہٹ کا موقعہ ہو لیکن کبھی آپ کی استقامت اور ایمان میں تزلزل نہیں آیا۔ کامیابیوں پر تو خدا کی حمد کرنا آسان ہے۔ لیکن جب بظاہر ناکامی ہو اور دشمنوں کو ہنسنے کا موقعہ مل گیا ہو اُس وقت بھی خدا کی تسبیح و حمد سے دل اور زبان کا رطب اللسان رہنا اور اپنے صدق و وفا میں ترقی کرتے چلے جانا اُس سچی محبت اور حقیقی تعلق کو ظاہر کرتا ہے جو حضرت اقدس کو اللہ تعالیٰ سے تھا۔ آپکے صاحبزادوں بشیر احمد اوّل اور مبارک احمد کی وفات پر اہلِ دنیا نے بڑا بڑا طوفان بے تمیزی مچایا۔ کیونکہ ان کے متعلق جو پیشگوئیاں تھیں ان میں قبل از وقت اجتہادات میں آپ سے جو غلطیاں ہوئی تھیں اُن سے دشمنوں کو ناحق کی باتیں بنانے اور استہزا کرنے کا موقعہ مل گیا تھا۔ لیکن ان تمام مخالفتوں کے طوفان اور تمسخر و استہزا کے سیلاب میں آپ کے ایمان باللہ اور استقامت میں ذرا بھر بھی تو فرق نہیں آیا۔ بلکہ ان موقعوں پر وہ وہ علوم باطنی اور معارف و حقائق پیشگوئیوں اور سنن آلہیہ اور مصائب و ابتلا پر آپ کی زبان مبارک اور قلم سے نکلے کہ اُنہیں اگر ایمان اور معرفت کیلئے آب حیات کہا جائے تو بجا ہے۔ اور خیال ہوتا ہے کہ اگر یہ مصائب اور ابتلا نہ آتے تو یہ علوم کے خزانے کہاں سے نکلتے ساتھ ہی آپ کے ایمان کامل اور صدق و وفا پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ اس شخص کو یہ کبھی خیال نہیں آتا

کہ میں نے پیشگوئیاں تو اس لئے کی تھیں کہ اُن سے خدا کا جلال اور اس کے دین کی صداقت ظاہر ہو اگر مجھ سے ان کی تفہیم میں اجتہاداً غلطی ہوگئی تھی تو خدا اگر اسی کے مطابق پیشگوئی کو پورا کر دیتا تو کیا حرج ہوتا۔ یا اجتہاد کے وقت ہی مجھے روک دیتا تو آج مجھ پر اس قدر دشمنوں کی طرف سے لے دے نہ ہوتی۔ مَیں تو خدا کا جلال ظاہر کرتا پھرتا ہوں اور خدا نے میری اس موقعہ پر ذرا بھی پروا نہ کی۔ تو مجھے کیا پڑی ہے کہ ناحق کا دردِ سر مول لوں۔ لیکن آپ کے دل میں یہ کمزوری ایک لمحہ کیلئے بھی پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ آپ بیش از پیش اللہ تعالیٰ کے جلال کو ظاہر کرنے کے لئے لگ جاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہی تو بندہ کے علم اور خدا کے علم میں فرق ہے کہ خدا کا علم کبھی غلطی نہیں کرتا اور بندہ کا علم غلطی کر جاتا ہے بلکہ ملہمین سے اس قسم کی اجتہادی غلطیاں اسی لئے سرزد ہوتی ہیں کہ تا بندہ کے علم اور خدا کے علم میں ایک امتیاز قائم ہو جائے اور پتہ لگ جائے کہ الہام کا منبع انسانی دماغ نہیں بلکہ وہ خارج میں کسی کامل علیم و خبیر ہستی کے علم پر مبنی ہے۔ اور بندہ کے مبلغ علم کی یہ حالت ہے کہ اس کی تفہیم تک بھی غلطی کر جاتا ہے۔ علاوہ ازیں توحید الٰہی کا بھی یہی تقاضہ ہوتا ہے کیونکہ اس طرح اجتہادی غلطیوں کے لگ جانے سے رسول اور ملہم کو عوام الناس عالم الغیب مان کر شرک میں مبتلا ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ دوسری طرف ان ابتلاؤں میں ایک ملہم کے صدق کا بھی امتحان مطلوب ہوتا ہے جبکہ وہ اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ محض خدا کے لئے دشمنوں سے طرح طرح کے طعن و تشنیع سنتا ہے اور پھر بھی اس کی استقامت میں فرق نہیں آتا اور خدا کے اس کی مرضی کے خلاف اس طرح ایک کام کر دینے سے اس کی محبت اور صدق و وفا میں بجائے کمی ہونے کے اُلٹا ترقی ہوتی ہے تو یہی وہ بندے ہوتے ہیں جو محبت الٰہی میں صادق اُترتے ہیں۔ کسی عاشق پر محبوب کی طرف سے اگر مہربانی ہی ہوتی چلی جائے تو اس محبوب کی محبت میں ترقی کرنا کوئی خوبی نہیں کہ یہ عام انسانی فطرت ہے۔ لیکن محبوب کی طرف سے اگر بجائے مہربانی کے کسی عاشق سے سلوک بظاہر ایسا نظر آئے کہ گویا اس کی طرف سے اس کے دشمنوں کو اس پر استہزا کرنے اور اس کے ساتھ بدسلوکی کرنے کا موقعہ دیدیا گیا ہے۔ بااین ہمہ اُس عاشق کی محبت میں جو اُسے اپنے محبوب سے ہے فرق نہ آئے بلکہ وہ ان حالات میں بھی اپنے محبوب کی تعریف میں دل وجان سے رطب اللسان نظر آئے تو ایسا انسان واقعی قابل قدر ہے اور یہی وہ طریق ہے جس سے عاشقانِ الٰہی مقام اصطفا و اجتبا کو حاصل کرتے ہیں۔ حسب منشا واقعات کے اندر ایمان پر قائم رہنا کوئی خوبی نہیں۔ ایمان کی خوبی اور عظمت کا تو اسی وقت پتہ لگتا ہے کہ جب مخالف اور خلافِ منشا واقعات میں اس میں کوئی فرق نہ آئے۔

بلکہ اس میں بیش از پیش ترقی ہو۔ اور یہی وہ رنگ ہے جو ہم نے حضرت اقدس مرزا صاحب میں بدرجہ کمال دیکھا اور اسی سے ان کی عظمت نظر آتی ہے۔

مختلف مقدمات میں آپ کو عدالتوں میں گھسیٹا جاتا ہے۔ نقصان مال کے علاوہ دل و دماغ پر سخت کوفت پڑ رہی ہے۔ برابر خبریں مل رہی ہیں کہ حکام آپ کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور منصوبہ بازیاں ہو رہی ہیں۔ فلاں فلاں آدمی آپ کے خلاف گورنمنٹ میں مخبریاں کر رہا ہے۔ لیکن ان تمام مصائب اور ہلاچلی میں آپکے شگفتہ چہرہ اور خندہ جبینی پر بل تک نہیں پڑتا۔ وہی ہشاش بشاش چہرہ۔ لب پر مسکراہٹ۔ ہنستے ہوئے آنا اور روتے ہوؤں کو ہنسا کر چلے جانا۔ آپ کی تصنیف و تالیف۔ وعظ و نصائح۔ نماز اور دعا۔ دوستوں سے ملاقات اور خط و کتابت۔ مہمانداری اور تواضع غرضیکہ کسی چیز میں بھی تو فرق نہیں پڑتا۔ جب دیکھو اللہ تعالیٰ کی توحید اور معرفت و محبت پر تقریر ہو رہی ہے۔ بات بات میں زبان اُس کی حمد و تسبیح سے رطب اللّسان ہو رہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کس قسم کی طمانیتِ قلبی ہے کہ جس میں دنیا کی کوئی آفت بھی خلل انداز نہیں ہو سکتی۔ خواجہ کمال الدین مرحوم روتے ہوئے آتے کہ حضرت مقدمہ میں بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ آپ ہنستے ہوئے فرماتے "کہ خواجہ صاحب کوئی خانہ خدا کے لئے بھی خالی چھوڑو۔ اگر بچنے کی کوئی قانونی صورت موجود ہو تو خدا کی خدائی کہاں سے نظر آئے گی۔ لوگ سمجھیں گے کہ مرید قانون دان تھے۔ مقدمہ فتح ہو گیا۔"

مولوی کرم الدین کے مقدمہ میں جب گورداسپور کے بعض نیک دل حکام نے آپس میں راضی نامہ کرانا چاہا تو حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ راضی نامہ میں یہ ضرور لکھا جاوے کہ "میرے اور مولوی کرم دین کے درمیان جو مقدمہ دنیوی عدالت میں دائر ہے ہم دونوں اس سے دست بردار ہوتے ہیں اور اس مقدمہ کو ہم جناب الٰہی کی عدالت میں پیش کرتے ہیں" تو کرم دین نے انکار کر دیا کہ اگر میرے ساتھ یا میرے خاندان کے کسی ممبر کے ساتھ کوئی واقعہ ہو گیا تو مرزا صاحب کہیں گے کہ اس پر عذاب نازل ہؤا ہے۔ اس پر شیخ خدابخش صاحب ڈسٹرکٹ جج نے اُسے کہا کہ "بظاہر حادثہ واقعہ ہونے کا احتمال تو مرزا صاحب کے برخلاف زیادہ ہے وہ آپ کی نسبت بہت زیادہ معمّر ہیں اور بیمار بھی رہتے ہیں اور اُن کا کنبہ بھی بہت زیادہ ہے۔ اور آپ نہایت تندرست اور جوان ہیں اور آپ کے فقط ایک بیوی اور دو بچے ہی ہیں۔ پس آپ اس خیال کو ترک کر دیں۔ مگر مولوی کرم دین نے خدا کی عدالت میں مقدمہ سپرد کرنے سے بڑی شدت

کے ساتھ انکار کیا۔ گویا مولوی کرم دین کو کسی مدبر بالارادہ خدا پر ایمان نہ تھا اور نہ یہ ایمان تھا کہ خدا کی عدالت میں کوئی انصاف ہے لیکن حضرت مرزا صاحب کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ "خدا کو چھوڑ کر میں کہاں جاؤں"۔ یہ صحیح نقشہ ہے آپ کے قلب کا! اور حقیقت بھی یہی ہے کہ خدا کا بندہ خدا کو چھوڑ کر کہاں جائے۔ اور خدا کو نہ چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہؤا کہ راضی نامہ نہ ہو سکا۔ پھر خدا نے تمام مخالف حالات کے ہوتے ہوئے حضرت اقدس کی بریت کو جس طرح ظاہر کیا وہ خدا کی معیت پر دلیل واضح ہے (اسی کتاب میں اس کا مفصل ذکر آچکا ہے)۔

اسی طرح جب پادری ہنری مارٹن کلارک کے مقدمۂ ارادۂ قتل میں حضرت اقدس کے نام وارنٹ گرفتاری امرت سر سے جاری ہؤا اور آپ کے ایک مرید کو اس کا علم ہؤا تو وہ نہایت گھبراہٹ کی حالت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہؤا اور کہنے لگا کہ "حضرت گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے ہیں"۔ آپ نے ایک ذرہ برابر بھی گھبراہٹ کا اظہار نہیں فرمایا اور نہایت اطمینان اور کوہ وقاری سے ارشاد فرمایا کہ:۔

"والدین اپنے بچوں کو سونے چاندی کے زیور پہناتے ہیں۔ اگر میرا خدا مجھے لوہے کی کڑیاں پہنائے گا تو میں خوشی سے پہنوں گا"

غرضیکہ آپ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی راہ میں ہر ایک دُکھ اور تکلیف سہنے اور اس کی محبت اور عشق میں کڑی سے کڑی مصیبت جھیلنے کو تیار رہتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا آپ محافظ ہوتا ہے۔ کچھ ایسا زبردست تصرف الٰہیہ ہؤا کہ وہ وارنٹ رستہ میں ہی گم ہو گیا اور حضرت اقدس تک نہ پہنچا۔ یہاں تک کہ ڈپٹی کمشنر امرت سر نے اپنا وہ وارنٹ منسوخ کر دیا۔

اسی طرح کئی دفعہ ایسا ہؤا کہ ایسے مقدمات میں جن میں آپ ملزم ہیں وکیل جو غیر از جماعت ہیں وہ صلاح دیتے ہیں کہ اس اس قسم کا بیان دینے سے نجات ہو سکتی ہے۔ آپ اُس بیان کو رد کر دیتے ہیں کہ اِس میں جھوٹ ہے وہ کہتا ہے کہ پھر میری وکالت آپ کو فائدہ نہیں دے سکتی۔ آپ فرماتے ہیں کہ "ہم نے آپ کو رعایت اسباب کے طور پر وکیل کیا تھا۔ انسان کی وکالت پر بھروسہ کرنا ہم شرک سمجھتے ہیں۔ ہمارا حقیقی وکیل تو خدا ہے۔ ہم اُسے کسی صورت میں ناراض نہیں کر سکتے"۔ گویا خدا کی محبت اور رضا کے لئے ہتھکڑیاں پہننے کو تیار ہیں لیکن اس کی ناراضگی منظور نہیں خدا کی محبت اور رضا کے آگے دنیا کی عزت و شہرت آپ کی نظروں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

آپ کے پیارے بیٹے فوت ہو جاتے ہیں۔ لیکن خدا کی محبت میں ذرا فرق نہیں آتا۔ دنیا ایسے

موقعوں پر منہ سے کیا کیا کلمات ناشکری کے نہیں نکالتی لیکن آپ کی زبان سے کوئی شکایت کا کلمہ نکلنا تو دُور رہا اپنے بیٹوں کی موت میں بھی آپ خدا کا جلال ڈھونڈتے پھرتے ہیں تلاش کر کر کے اُن کی موت کے متعلق پُرانی پیشگوئیاں نکالتے ہیں اور دوستوں کو خطوط لکھنے بیٹھ جاتے ہیں کہ بیٹا مر گیا تو کچھ ہرج نہیں خدا کا شکر ہے کہ اُس کی منہ کی باتیں پوری ہوئیں۔ مقام غور ہے کہ جناب الٰہی سے یہ کس انتہائی درجہ کی محبت ہے جو باپ کی فطری محبت پر بھی جو اولاد سے انتہائی درجہ کی ہوتی ہے غالب ہے۔

واقعہ لیکھرام کے سلسلہ میں حضرت اقدس کے مکان کی جب تلاشی لی گئی تو دوران تلاشی میں ایک کاغذ نکلا جس میں حضرت کے دست مبارک سے لکھے ہوئے یہ الفاظ تھے:۔

"اے میرے پیارے خدا! مَیں چاہتا ہوں کہ مَیں تیرے رستہ میں مارا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں۔ الخ"

تلاشی لینے والے افسر کو اس سے کچھ اشتباہ ہؤا۔ اُس نے آپ سے پُوچھا یہ کیا ہے۔ آپنے فرمایا "یہ وہی دعا ہے جو ہمارے مقتدا اور پیشوا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانگا کرتے تھے۔ اور یہی میری دعا ہے"

اس پر وہ افسر خاموش ہوگیا۔ ہر ایک صاحب دانش و بینش سمجھ سکتا ہے کہ یہ آپ کی ایک پرائیویٹ تحریر تھی جس کا اگر تلاشی نہ ہوتی تو کسی کو بھی علم نہ ہو سکتا تھا۔ یہ پرائیویٹ تحریر آپ کی قلبی کیفیت کی ترجمان ہے اور آپ کی پرائیویٹ زندگی پر روشنی ڈالتی ہے جس عشق و محبت الٰہیہ کا اظہار آپ نے جابجا اپنے کلام میں فرمایا ہے وہ نعوذ باللہ شاعروں کی طرح کسی تصنّع اور بناوٹ پر مبنی نہ تھا۔ بلکہ حقیقت نفس الامری کا اظہار تھا۔ اور آپ کا باطن بفضلہٖ ایسا پاک و صاف اور اخلاص سے پُر تھا جیسا کہ ظاہر۔ اور آپ کی پرائیویٹ زندگی ایسی ہی پاکیزہ تھی جیسی کہ پبلک زندگی +

عشقِ رسُولؐ

عشق کی علامات حضرت اقدس مرزا صاحب کا شعر ہے کہ ؎

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمّرم + گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

یہ شعر ایک حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عشق کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلعم کا عشق آپکے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا تھا۔ اور یہ شاعرانہ لاف و گزاف نہ تھا عشق کی کچھ علامات ہوتی ہیں جو ہر ایک عقلمند کے

نزدیک مسلّم ہیں اور وہ یہ ہیں کہ (۱) عاشق اپنے محبوب کے رنگ میں رنگین ہوتا ہے (۲) محبوب کا ذکر ہر وقت اس کی زبان پر ہوتا ہے اور اُسے وہ ہر خوبی سے موصوف سمجھتا اور ظاہر کرتا ہے۔(۳) وہ اس کے خلاف کچھ سُن نہیں سکتا یعنی اس کے لئے اُسے بڑی غیرت ہوتی ہے۔ (۴) وہ اسکے واسطے ہر ایک قسم کی قربانی کے لئے تیار رہتا ہے۔ (۵) اگر وہ خدا پرست ہے تو اپنے محبوب کے لئے بڑے درد دل سے دعائیں کرتا اور اس کے مقاصد کو پُورا کرنے کیلئے تن من دھن سے معروف رہتا ہے۔

حضرت اقدس مرزا صاحب کو حضرت ختمی مرتبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق تھا اگر مذکورہ بالا معیار پر کوئی شخص پرکھنا چاہے تو واقعات پر نظر ڈالے۔ اُسے صاف نظر آجائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کا عشق درجۂ کمال کو پہنچا ہؤا تھا۔

(۱) پہلی علامت۔ محبوب کے رنگ میں رنگین ہونا

حضرت اقدس مرزا صاحب کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے رنگ میں رنگین ہونے کا ظاہر ثبوت یہ ہے کہ آپ کا ہر ایک قول و فعل قرآن اور سنت رسول اللہ صلعم کے عین مطابق تھا۔ عبادات ہوں یا معاملات ہر امر میں قرآن و سنت کی پیروی مدنظر تھی۔ اور بدعات سے سخت نفرت تھی۔ جب خاکسار مؤلف نے بیعت کی تو عرض کیا کہ تزکیۂ نفس کیلئے کوئی وظیفہ بتایا جائے۔ فرمانے لگے "یہی نماز سمجھ کر اور سنوار سنوار کر پڑھو۔ اور تہجد پڑھو کہ یہی سنّت رسولؐ ہے۔" موجودہ پیروں فقیروں نے جو بہت سے اوراد و وظائف بنا رکھے ہیں ان سے آپ قطعاً مجتنب تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ "عبادت کے معاملہ میں تو انہوں نے ایک نئی شریعت بنالی ہوئی ہے۔" آپ کے اخلاق بالکل خلق محمدی کے نمونہ تھے جن میں سے کچھ مشتے نمونہ از خروارے میں اس کتاب میں ذکر کر آیا ہوں۔

(۲) دوسری علامت۔ ہر موقعہ پر آنحضرت صلعم کے محامد و محاسن کا تذکرہ

قاعدہ ہے کہ عاشق ہر وقت اپنے محبوب کا ذکر کرتا اور ہر موقعہ پر اس کے محامد و محاسن کو پیش کرتا رہتا ہے۔ یہی حال حضرت اقدس مرزا صاحب کا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور آپ کے محامد و محاسن کا تذکرہ اکثر اوقات آپ کا شغل تھا۔ کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے جہاں آنحضرت صلعم کی خوبیوں کا ذکر کسی نہ کسی رنگ میں نہ کر دیں۔ کسی مذہب اور اس کے پیشوا کا ذکر ہو۔ وہاں بالمقابل آنحضرت صلعم کی عظمت اور کمال کا ذکر ضرور لے آتے۔ دعوئے مسیحیت سے قبل آپ لدھیانہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ان دنوں تھیوسوفیکل سوسائٹی کا نیا نیا چرچا شروع ہؤا تھا۔ ان کے لیکچر اور ڈرامے مختلف شہروں میں ہؤا کرتے تھے۔ ایک دفعہ

لدھیانہ میں ان کا ایک جلسہ تھا۔ لدھیانہ کی ٹمپرنس سوسائٹی کے سکرٹری نے حضرت اقدس کی خدمت میں آکر عرض کی کہ آپ بھی مُسکرات اور شراب کے خلاف کچھ تقریر فرما دیں۔ لیکن اس میں مذہبی خصوصیات کا تذکرہ نہ ہو۔ صرف منشّیات کے استعمال کے خلاف ایک اخلاقی لیکچر ہو۔ آپ نے انکار کر دیا۔ فرمانے لگے "یہ کس طرح ممکن ہے کہ منشّیات کے استعمال کے خلاف اور ٹمپرنس کی تائید میں لیکچر ہو اور دنیا کے اُس سب سے بڑے انسان یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہ آوے جس نے ایک اشارہ میں ایک ملک کے ملک کے ہاتھ سے شراب کے جام پھنکوا دیئے اور مٹکے تڑوا دیئے۔ اور ہر ایک قسم کی نشہ آور چیزوں اور مسکرات کو مذہبًا حرام قرار دے کے دنیا پر احسان عظیم کیا۔ ٹمپرنس پر تقریر کرتے ہوئے اتنے بڑے محسن کا ذکر نہ کرنا میرے لئے تو ناقابل برداشت ہے"۔

آنحضرت صلعم کی تعریف جو کرتے تھے وہ واقعات پر مبنی ہوتی تھی

اس میں کیا شک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور محامد و محاسن کا تذکرہ نظم و نثر میں اس اُمت کے بڑے بڑے علما اور صوفیا اور شعراء نے کیا ہے۔ اور اپنی اپنی جگہ خوب کیا ہے۔ لیکن اس امر میں جو ایک خاص رنگ اور شان حضرت اقدس مرزا صاحب کی نظم و نثر کو حاصل ہے وہ دوسری جگہ بہت کم نظر آتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کا طریقِ تعریف محض اظہارِ عقیدت اور شاعرانہ رنگ میں اظہارِ تعشق تک محدود نہ تھا۔ آپ کا کلام منظوم آنحضرت صلعم کے زلف و گیسو اور عارض و خد و خال کی تعریفوں اور شاعرانہ مبالغہ سے بکلی پاک ہوتا تھا۔ نثر ہو یا نظم آپ کی کوشش ہمیشہ یہ ہُوا کرتی تھی کہ اظہارِ واقعات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شان کو دنیا کے سامنے نمایاں کیا جائے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق و عادات۔ تعلیم اور کتاب۔ اقوال و افعال کو اہل عالم کے سامنے ایسے صحیح طریق پر اور تمام زوائد و حواشی سے پاک کر کے اس طرح اپنی اصلی صورت میں پیش کیا جائے کہ ان کی پوری پوری چمک اور حسن ہر ایک دانا و سلیم الطبع انسان کی نظروں میں آشکارا ہو جائے۔ ابتدائے عمر سے یہی آپ کا طریق تھا۔ پادریوں سے آریوں وغیرہ سے آپ کے مباحثے اور تبادلۂ خیالات جہاں بھی ہوئے یہی رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ کی نظموں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اُن میں آنحضرت صلعم کی سیرت اور اخلاق۔ قوت قدسی اور فیضان و برکات کا صحیح صحیح نقشہ ایسے خوبصورت اور دلکش پیرایہ میں کھینچکر رکھ دیا ہے کہ ان کو پڑھ کر انسان کی رُوح اور قلب سے بے اختیار صلِّ علیٰ کا شور بلند ہوتا ہے۔ شاعرانہ مبالغہ اور لفاظی سے آپ کے کلام کو دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ صرف واقعات اور حقیقت کو منظوم کر کے رکھدینا آپ کا طریق تھا

جس سے حضورؐ سرورِ دو عالم کی حقیقی شان اور مرتبہ پر ایسی عمدہ روشنی پڑتی ہے کہ ممکن نہیں کہ اُسے ایک سلیم الطبع انسان پڑھے اور اس کا سر اس عظیم الشان انسان کے آگے ادب سے جُھک نہ جائے۔ نعتیں تو بہتیری پڑھی اور سُنی جاتی ہیں لیکن حضرت اقدس مرزا صاحب کی لکھی ہوئی ایک نعت کے چند اشعار میں بطور نمونہ یہاں نقل کئے دیتا ہوں۔ قارئین کرام پڑھیں اور غور کریں کہ کیا واقعات کی بنا پر اس سے بہتر اور مؤثر تعریف ہو سکتی ہے؟ نہ کوئی مبالغہ ہے۔ نہ شاعرانہ رنگینی ہے۔ محض واقعات ہیں۔ اور کس قدر پُر اثر ہیں۔ فرماتے ہیں:۔ ؎

اندراں وقتیکہ دُنیا پُر ز شرک و کفر بود — ہیچ کس را خوں نہ شُد دل جز دلِ آں شہریار
ہیچ کس از خبثِ شرک و رجسِ بُت آگہ نہ شد — ایں خبر شد جانِ احمدؐ را کہ بُود از عشق زار
کس چہ میداند کزاں نالہ ہا باشد خبر — کاں شفیعے کرد از بہرِ جہاں در کُنجِ غار
من نمیدانم چہ دردے بود و اندوہ و غمے — کاں دراں غارے در آوردش حزین و دلفگار
نے ز تاریکی توحش نے ز تنہائی ہراس — نے ز مُردن غم نہ خوفِ کژدم و نے بیمِ مار
کُشتۂ قوم و فدائے خلق و قربانِ جہاں — نے بجسمِ خویش میلش نے بہ نفسِ خویش کار
نعرہ ہا پُر درد میزد از پئے خلقِ خدا — شُد تضرّع کارِ او پیشِ خدا لیل و نہار
سخت شورے بر فلک اُفتاد زاں عجز و دعا — قدسیاں را نیز شد چشم از غمِ آں اشکبار
آخر از عجز و مناجات و تضرّع کردنش — شد نگارہ لطفِ حق بر عالمِ تاریک و تار

آنحضرت صلعم کی بعثت سے پہلے جس طرح دنیا بداعمالی اور شرک و کفر میں غرق تھی اور آپ کی دعاؤں اور تضرّع سے جس طرح جنابِ الٰہی کی رحمت جوش میں آئی اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ذریعہ دنیا کو ہدایت دی گئی۔ اس کا بیان اس سے زیادہ مؤثر اور دلپذیر طریق پر جو حضرت اقدس نے بیان فرمایا ہے ہو نہیں سکتا۔

آنحضرت صلعم کی صداقت پر نہایت مدلل لٹریچر پیدا کیا

نظم تو خیر دل کے جوش اور محبت کا اُبال ہوتا ہے جس کا وقتاً فوقتاً اظہار ہوتا رہتا ہے۔ لیکن اصل ٹھوس کام وہ لٹریچر تھا جو عشقِ محمدی نے آپ سے پیدا کروایا اور جس میں آنحضرت صلعم کی صداقت اور عظمت و شان پر ایسے ایسے دلائل و براہین جمع کر دیئے جن کا جواب نہیں۔ لٹریچر کے اس ذخیرہ میں سے ایک کتاب براہین احمدیہ تھی جس میں آپ نے قرآن کریم اور نبوّت محمدیہ پر ایسے ایسے دلائل بیّنہ و براہین قاطعہ تحریر فرمائے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک دلیل کے توڑ دینے پر آپ نے دس ہزار روپیہ انعام مقرر کیا تھا۔ اور کسی کو اس کے

مقابلہ پر آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ یہ وہی کتاب تھی جس کی تعریف میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تک کو لکھنا پڑا کہ تیرہ سو سال میں ایسی کوئی کتاب مدلل و معقول تصنیف نہیں ہوئی۔ غرضکہ تمام عمر مختلف تصنیفات و تالیفات اشتہارات اور تقاریر کے ذریعہ یہی شغل جاری رہا۔ اور دن رات انہی باتوں کے چرچے تھے۔ یہی عشق تھا کہ کس طرح محمد رسول اللہ صلعم کی عزت شوکت اور عظمتِ شان کا اظہار دنیا پر ہو۔ آپ کی اس تمام سعی اور جد وجہد میں تین امور آنحضرت صلعم کی نسبت آپ نے ایسے ثابت کئے جو بے نظیر ہیں ؛

ا۔ آنحضرت صلعم جامع کمالات انبیا ہیں

حضرت اقدس مرزا صاحب کا بڑا زور اس بات پر تھا کہ جو کمالات مختلف انبیا کو وقتاً فوقتاً حسب ضرورت زمانہ اور ضرورت قومی ملتے رہے وہ سب کمالات اکمل اور اتم اور مجموعی طور پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ تعالیٰ نے جمع کر دیئے۔ اگرچہ ایمان کے رنگ میں بہت سے مسلمان یہی عقیدہ رکھتے چلے آئے تھے اور آج سے بہت عرصہ پہلے کہنے والے نے یہ شعر کہا تھا کہ ؎

حُسن یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری ٭ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

لیکن عملاً ہمارے علما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دیگر انبیا کو فضیلت دینے میں بہت دلیر تھے۔ کہیں یہ عقیدہ بنا رکھا تھا کہ قیامت میں جب اللہ تعالیٰ جلوہ فرما ہوگا تو سوائے حضرت موسیٰ کے سب بیہوش ہو کر گر جائیں گے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ صرف حضرت موسیٰ خدا کو برابر دیکھتے رہیں گے اور بیہوش نہ ہوں گے۔ یہ بھی مانتے تھے کہ جادوگروں کا جادو حضرت موسیٰ کے سامنے تو دب گیا مگر محمد رسول اللہ صلعم پر چل گیا۔ کہیں جن و پری کو حضرت سلیمان کے ماتحت کر کے ان کے تخت کو اُڑاتے تھے۔ کہیں حضرت خضر کو بقائے دوام کا تاج پہنا رکھا تھا۔ کہیں یہ عقیدہ بنا رکھا تھا کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے سوا اور کسی کی ولادت مس شیطان سے پاک نہیں۔ اور حضرت عیسیٰ کو تو اس قدر فضیلتیں آنحضرت صلعم پر دے رکھی تھیں جن کا کوئی شمار ہی نہیں۔ ان کا پرندوں کا خلق کرنا۔ اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشنا۔ مُردوں کو زندہ کرنا۔ عالم الغیب ہونا۔ گہوارہ میں دعویٰ نبوت کرنا۔ آسمان پر بجسدہ العنصری چڑھ کر آج تک الآن کما کان کی شان سے برابر بغیر کسی تغیر کے زندہ چلے آنا۔ اور اخیر میں اُمتِ محمدیہ کے غرق ہوتے ہوئے بیڑے کو اُنہی کا پار لگانا۔ غرضکہ کہاں تک بیان کیا جائے اس معاملہ میں تو ہمارے علما نے عیسائیوں کے بھی کان کتر دیئے تھے۔ اور مختلف انبیا کو آنحضرت صلعم پر طرح طرح سے فضیلتیں

دے رکھی تھیں۔ اور بعض نے تو یہاں تک غضب کر دیا تھا کہ نہایت لغو روایتوں کی بنا پر بعض کمزوریاں تک نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کر رکھی تھیں۔ پس حضرت اقدس مرزا صاحب کا یہ کس قدر عظیم الشان کارنامہ تھا کہ آپ نے ان تمام لغو روایات کا قلع قمع کر کے دکھا دیا اور ان تمام بے سروپا باتوں کی حقیقت کو طشت از بام کر کے مختلف انبیا کی آنحضرت صلعم پر ان فرضی فضیلتوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور کھول کر دکھا دیا کہ ہر ایک خوبی اور ہر ایک انعام جو کسی نبی کو خدا کی طرف سے ملا ہے وہ بہ وجہ احسن اور اتم اور اکمل ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے اور یہ زبانی خوش عقیدگی کے رنگ میں نہیں فرمایا۔ بلکہ صفحوں کے صفحے ان پر لکھ کر ان امور کو پایۂ ثبوت تک پہنچا کر دکھا دیا۔ تفصیل کا یہ موقعہ نہیں جس کا دل چاہے آپ کی تحریریں پڑھ لے۔ پھر آنحضرت صلعم کی شان کے متعلق جو کچھ معترضین کے جواب میں لکھا وہ اپالوجی یعنی معذرت کے رنگ میں نہیں لکھا کہ آنحضرت صلعم کی بعض باتوں کے لئے کوئی عذر تلاش کرنے بیٹھ گئے۔ یا الزامی رنگ کا جواب دیکر پیچھا چھڑایا۔ نہیں بلکہ جو کچھ قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا تھا ان کو ایسی صحیح اور معقول شکل میں پیش کیا کہ نہ صرف یہ کہ وہ تمام اعتراضات اُڑ گئے بلکہ ہر وہ بات جسے معترضین نے محل اعتراض بنا رکھا تھا بہترین خُلق ثابت ہوئی۔

آپ آنحضرت صلعم کو سچے دل سے تمام اخلاق فاضلہ کا جامع اور صداقت کا آفتاب مانتے تھے۔ اور آپ کی راستبازی کو اس قدر ظاہر و باہر اور غیروں کی تصدیق سے بے نیاز سمجھتے تھے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے آپ کو خط لکھا کہ آنحضرت صلعم کی پیشگوئی ویدوں میں بھی ہے تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلعم تو صداقت کے آفتاب ہیں۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب آپ کی صداقت کے نشانات تو اس قدر بیّن ہیں کہ آپ کی ذات ویدوں کی تصدیق سے قطعًا بے نیاز ہے۔ البتّہ ویدوں میں اگر یہ پیشگوئی ہے تو ماننا پڑ گیا کہ کم سے کم اُتنا حصّہ ویدوں کا جو آنحضرت صلعم کی پیشگوئی پر مشتمل ہے ضرور منجانب اللہ ہے۔ پس اس سے فائدہ ویدوں کو پہنچا نہ کہ محمد رسول اللہ صلعم کو۔ محمد رسول اللہ صلعم کی اپنی زندگی ہی آپ کی صداقت پر ایسی دلیل واضح ہے کہ وہ کسی غیر کی تصدیق کی محتاج نہیں۔ البتہ آپ کی تصدیق کرنے والے کو اس سے نفع پہنچ جاتا ہے کہ اُسے اپنے بیان میں سچّا ماننا پڑ جاتا ہے۔" یہ آپ ہی کا شعر ہے کہ ؎

"اگر خواہی دلیلے عاشقش باش ✤ محمدؐ ہست برہان محمدؐ"

(ب) آنحضرت صلعم خاتم الانبیا ہیں
(ج) اور زندہ نبی ہیں

دوسری اور تیسری بات جس پر آپ نے بڑا زور دیا وہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کامل طور پر خاتم الانبیا ہیں اور زندہ نبی ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی ختم نبوت ان معنوں میں تو سب مسلمان مانتے چلے آئے تھے کہ آپ آخری نبی ہیں۔ لیکن اس میں کئی نقص باقی تھے جن کا تدارک حضرت اقدس مرزا صاحب نے ایسا کیا کہ ختم نبوت ہر پہلو سے مکمل ہو گئی۔

(۱) پہلا نقص تو یہ تھا کہ آنحضرت صلعم کے بعد تمام علماء حضرت عیسٰی کے آسمان سے نزول کے قائل تھے۔ ہاں وہی حضرت عیسٰی جنہیں قرآن نے نبی بتایا ہے۔ گویا آنحضرت صلعم کے بعد ایک پرانے نبی کے واپس دنیا میں آکر چالیس سال نبوّت کرنے کے قائل تھے۔ یہ بڑا بھاری نقص تھا کیونکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ آنحضرت صلعم کا فیضان قیامت تک جاری نہ رہ سکا اور درمیان میں آکر ختم ہو جانے کی وجہ سے خدا کو حضرت عیسٰی کو دوبارہ بھیجنا پڑا۔ اور پھر آخری نبی حضرت عیسٰی ہوئے نہ کہ آنحضرت صلعم۔ حضرت اقدس مرزا صاحب نے یہ ثابت کیا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم ہی آخری نبی ہیں ولا غیر۔ اور آپ کی نبوت کا دامن قیامت تک دراز ہے اور آپ کے بعد کسی پرانے یا نئے نبی کو قدم دھرنے کی جگہ نہیں کیونکہ آپ کا فیضان نبوت قیامت تک جاری ہے اور حضرت عیسٰی کبھی کے مر چکے۔ اور سرینگر میں دفن ہو چکے۔ اور مرے ہوئے واپس اس دنیا میں نہیں آیا کرتے۔

(۲) دوسرا نقص یہ تھا کہ مسلمان آنحضرت صلعم کو آخری نبی مانتے تو تھے لیکن اس دعوے کو اُنہوں نے تشفی بخش دلائل سے مدلّل نہ کیا ہوا تھا۔ حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس پر ایسے ایسے پُر زور دلائل دیئے کہ آنحضرت صلعم کا آخری نبی ہونا بالکل واضح ہو گیا حضرت اقدس کا آنحضرت صلعم کی تعریف میں ایک شعر ہے جو ختم نبوت پر دلائل کی ایک کنجی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ختم شد بر ذاتِ پاکش ہر کمال + لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

پھر یہی نہیں کہ ایک شعر کہہ دیا بلکہ آپ نے دلائل و براہین سے آنحضرت صلعم کی ذات میں تمام کمالاتِ نبوّت ختم ہوتے ہوئے دکھا کر ثابت کیا کہ جب اہل عالم کے لئے انسانیت کے کمالات کا مکمل نمونہ آچکا تو اب کسی اور نبوّت کی ضرورت باقی نہیں رہی +

(۳) تیسرا نقص یہ تھا کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آنحضرت صلعم خاتم الانبیا یعنی آخری نبی ہیں

اور آپ کا فیضانِ نبوّت قیامت تک جاری ہے۔ لیکن دوسری قوموں میں جو نبی آئے اُن کے فیضان کے بند ہو جانیکا کیا ثبوت ہے۔ اور اگر اُن کا فیضان بھی جاری ہے تو پھر ہر ایک قوم کا آخری نبی اپنی قوم کے لئے خاتم الانبیا ٹھیرا۔ یہی وجہ تھی جو اس بات پر حضرت اقدس مرزا صاحب نے بڑا زور دیا کہ اب صرف حضرت محمد رسول اللہ صلعم ہی تمام دنیا کیلئے واحد زندہ نبی ہیں کیونکہ صرف آپ ہی کا فیضان نبوت جاری ہے اور باقی سب نبیوں کے فیضان ختم ہو چکے۔ چنانچہ اسلام کے سوا اب کوئی دین ایسا نہیں جس میں تعلق باللہ رکھنے والے لوگ پیدا ہوں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ختمِ نبوت کے اس پہلو کی آپ کے ہاتھوں سے بوجہ احسن تکمیل ہوئی۔ کیونکہ آپ نے بڑے زور اور بڑی تحدّی کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ تمام نبیوں کے فیضان ختم ہو چکے اور تمام قوموں کے لئے اب صرف آنحضرت ہی خاتم الانبیا یعنی زندہ اور آخری نبی ہیں جن کی قوت قدسی اور فیضان نبوت آج بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اور آپؐ کی بعثت کے بعد فقط اُمت محمدیہ ہی وہ اُمت ہے جس میں آپؐ کی اتباع کی برکت اور طفیل سے ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جو خدا کا قرب حاصل کرتے اور خدا کے کلام سے مشرّف ہوتے رہے ہیں اور ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور اس زمانہ میں اس بات کا زندہ ثبوت میرا وجود ہے۔ کہ مَیں نے آنحضرت صلعم کی اتباع کے فیضان سے خدا کے قرب کو پایا اور مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کا شرف حاصل کیا۔ اگر اور مذہبوں میں کوئی رُوحانی زندگی اور فیضانِ نبوّت باقی ہے تو وہ میرے مقابلہ میں ایسے وجودوں کو پیش کریں جنہوں نے ان مذاہب کی پیروی سے خدا کا قرب حاصل کیا ہو۔ اور اس کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوئے ہوں۔ لیکن وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ آج اسلام کے سوا کوئی زندہ مذہب نہیں اور محمد رسول اللہ صلعم کے سوا اب کوئی زندہ نبی نہیں جس کا فیضان نبوت جاری ہو۔ چنانچہ تمام مذاہب عالم کو چیلنج دیتے ہوئے ایک نظم میں کیا خوب فرماتے ہیں:۔

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے	کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے	یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا	نُور ہے نور اُٹھو دیکھو سُنایا ہم نے
اُس سے بہتر نظر آیا نہ کوئی عالم میں	لاجرم غیروں سے دل اپنا چھڑایا ہم نے

اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے

تھک گئے ہم تو انہی باتوں کو کہتے کہتے
ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے

آزمائش کیلئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

آج اُن نوروں کا اک زور ہے اس عاجز میں
دل کو اُن نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے

مصطفےٰ پر ترا بیحد ہو سلام اور رحمت
اُس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

شعروں میں ہی نہیں۔ کتابوں میں۔ اشتہاروں میں بھی چیلنج بڑے زوروں سے آپ ہمیشہ دیتے رہے اور کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ آپ کے مقابلہ پر آئے۔ جن لوگوں نے اس معاملہ میں لاہور کے بشپ لیفرائے کی شکست اور سراسیمگی دیکھی ہے۔ وہ اس نظارہ کو بھول نہیں سکتے۔ جس کا ذکر میں اسی کتاب کے حصہ اوّل میں مفصّل لکھ چکا ہوں۔ مختصر یوں کہ لاہور کے بشپ لیفرائے نے مسلمانوں کو "زندہ رسول" پر مناظرہ کے لئے چیلنج دیا تھا۔ لاہور کے غیر احمدی مسلمانوں نے پہلے تو مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری کو اس مناظرہ کے لئے بلایا۔ لیکن جب وہ ٹال گئے تو فہمیدہ طبقہ نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت عیسٰی کو آسمان پر زندہ بٹھا کر اور محمد رسول اللہ صلعم کو خاک میں مدفون کر کے ہم ایک عیسائی پادری کا اس مسئلہ میں مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان سب نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی طرف رجوع کیا۔ چنانچہ مناظرہ کے دن جب بشپ موصوف کے مقابلہ میں حضرت اقدس مرزا صاحب کا لیکچر "زندہ رسول" پر پڑھا گیا جس کا ملخص یہ تھا کہ "زندہ نبی اور رسول" فقط حضرت محمد رسول اللہ صلعم ہیں کیونکہ "زندہ نبی" وہ ہوتا ہے جس کے فیوض و برکات زندہ ہوں۔ اور جس کی اتباع سے آج بھی لوگ خدا کے قرب کو حاصل کرتے اور اس سے واصل ہوتے ہوں۔ اور جس کی زندہ مثال اس زمانہ میں مَیں خود ہوں۔ جس کا جی چاہے آزمائے۔ برعکس اس کے حضرت عیسٰی نہ صرف مر چکے بلکہ ان کے فیوض و برکات بھی منقطع ہو چکیں۔ اگر نہیں تو میرے مقابلہ میں کسی ایسے عیسائی کو پیش کرو جس نے حضرت عیسٰی کی اتباع سے خدا کا قرب حاصل کیا ہو۔ لیکن تم کسی کو پیش نہیں کر سکتے کیونکہ حضرت عیسٰی کی نبوت وقتی اور قومی تھی اور اُس کا وقت گزر چکا اور فیضان ختم ہو چکا۔ پس کوئی زندہ نبی سوائے حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے نہیں۔ جس کا فیضان نبوت آج بھی جاری ہو" یہ لیکچر جو دلائل اور تحدّی سے پُر تھا جب بشپ موصوف نے سُنا تو اُس کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور ادھر اُدھر کی باتیں بنا کر بیٹھ گیا۔ بعد میں حضرت اقدس نے اُسے دوبارہ "معصوم نبی" اور "زندہ رسول" پر مناظرہ کے لئے

بڑا زبردست چیلنج دیا۔ مگر اس نے راہ فرار اختیار کی۔ اور صرف وہی نہیں۔ کسی مذہب کے بھی عالم کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ اس امر میں آپ کے مقابلہ پر آتا۔

غرضکہ آنحضرت صلعم کے ختم نبوّت کے اس پہلو کو حضرت اقدس مرزا صاحب نے نہایت نمایاں کرکے دکھایا کہ نہ صرف بعثت کے رُو سے آپ آخری نبی ہیں اور آپ پر تمام کمالات نبوّت ختم ہو چکے بلکہ فیضان نبوّت کے رُو سے بھی آپ آخری اور اکیلے زندہ نبی ہیں۔ تمام گزشتہ نبیوں کی نبوّتیں اب ختم ہیں۔ فقط آپ ہی کی نبوّت ہے جو اکیلی تمام قوموں اور تمام زمانوں کے لئے زندہ نبوّت ہے جس کی تعلیم ابدی اور فیضان زندہ ہے اور جو کچھ مراتب قرب الٰہی اور شرف مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ اب مل سکتا ہے وہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے فیضان نبوّت سے ہی مل سکتا ہے ولا غیر۔

یہ وہ باتیں تھیں جو حضرت اقدس مرزا صاحب کے علم کلام سے مخصوص تھیں۔ آنحضرت صلعم کے خاتم الانبیا اور زندہ نبی ہونے پر یہ پُر زور تحدیاں وہی شخص کر سکتا ہے جو خود صاحب حال ہو اور جس کی اپنی بصیرت کی آنکھ روشن ہو۔ اور جو یقین اور معرفت کے تمام مراتب طے کر چکا ہو۔ ایک مولوی یا فلاسفر کا یہ کام نہیں۔ یہ وہ خاص وجود ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تائید و تصدیق کے لئے خود کھڑا کرتا ہے۔ مبارک ہے وہ جو انہیں شناخت کرتا ہے اور ان کے ساتھ مل کر خدمت دین میں حصّہ لیتا ہے۔

عشق رسول کا اثر مریدین پر

پھر اتنا ہی نہیں حضرت اقدس مرزا صاحب کو آنحضرت صلعم سے جو عشق تھا اُس کا اثر آپ کے مریدوں پر بھی پڑا۔ کیونکہ جو چیز دل سے نکلتی ہے وہ دلوں پر پڑتی ہے۔ جو آپ کے دامن سے لگا وہ بھی آنحضرت صلعم کی محبت کی اسی مے سے سرشار ہو گیا۔ جس کا ذکر خود حضرت اقدس اس شعر میں فرماتے ہیں:۔

تیرا میخانہ جو ایک مرجع عالم دیکھا ٭ خم کا خم مُنہ سے بصد حرص لگایا ہم نے

جو بات مرشد میں ہوتی ہے وہی مریدوں میں سرایت کر جاتی ہے۔ جو عشق رسولؐ کا شعلہ آپ کے سینہ میں روشن تھا اس کی گرمی ہر مرید کے سینہ میں بھر گئی۔ ایک عقلمند کے لئے اس سے بڑھ کر حجت اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک جماعت کی جماعت اس عشق سے سرشار ہو کر خدمت دین میں لگ گئی اور خدا اور رسولؐ کے نام کو بلند کرنے اور ان کی عزت کی اشاعت کے لئے تن من دھن کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئی۔ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے جس جماعت کے دلوں میں عشق رسولؐ کی آگ بھڑک رہی ہو ظاہر ہے کہ اس جماعت کے بانی اور امام کے سینہ میں اس آگ کا شعلہ کس قدر زور سے بھڑکتا ہوگا۔

(۳) تیسری علامت۔ آنحضرت صلعم کیلئے حضرت اقدس مرزا صاحب کی غیرت

مَیں نے عرض کیا تھا کہ عشق کی تیسری علامت یہ ہے کہ عاشق کو اپنے محبوب کیلئے بڑی غیرت ہوتی ہے وہ اس کے خلاف کچھ سُننا برداشت نہیں کر سکتا۔ حضرت اقدس مرزا صاحب کا حلم اور قوت برداشت اپنے متعلق تو اس قدر تھی کہ بعض دفعہ خبیث باطن لوگ آتے اور بالمشافہ نہایت گستاخی سے کلام کرتے بلکہ دشنام دہی تک سے فرق نہ کرتے لیکن آپ کے چہرہ پر کبھی ملال یا غصہ کے تیور نظر نہ آتے۔ آپ برف کی طرح ٹھنڈے رہتے۔ اگر کوئی مرید جواب میں کچھ کہنا چاہتا تو اُس کو روک دیتے۔ اور صبر سے کام لینے کی ہدایت فرماتے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اگر کوئی گستاخی کرتا تو آپ برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ابتدائے عمر میں کبھی کبھی آپ اپنی چچی مرزا غلام حیدر مرحوم کی اہلیہ کے گھر تشریف لیجایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اُن کے منہ سے آنحضرت صلعم کی شان میں کوئی گستاخی کا کلمہ نکل گیا تو آپ کا چہرہ رنج سے متغیر ہو گیا اور اُس کے بعد پھر کبھی اُن چچی صاحبہ کے مکان پر تشریف نہیں لیگئے اور قطع تعلق کر لیا۔ یہ جو آپکے چچا زاد بھائیوں مرزا امام الدین اور نظام الدین وغیرہ سے آپ کو بیزاری تھی تو یہ بھی ان کی لامذہبی اور اُس توہین کا نتیجہ تھا جو وہ لوگ آنحضرت صلعم کی شان میں روا رکھتے تھے۔ ابتدائے عمر سے آپکا یہ دستور تھا کہ آپ کا اگر کسی آریہ یا عیسائی سے مباحثہ ہوتا تو ہمیشہ آپ اس سے یہ شرط کر لیتے کہ مباحثہ اصولی ہوگا اور آنحضرت صلعم کی شان میں کوئی بے ادبی کا کلمہ منہ سے نہیں نکالا جائے گا جیسا کہ پادریوں اور آریہ مناظروں کا شیوہ ہے کہ جب کوئی جواب بن نہیں پڑتا تو اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آتے ہیں۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ ان پادریوں اور آریوں کے ہاتھ میں سوائے اس قسم کی بکواس کے اور کچھ ہوتا نہیں وہ ادبدا کر خارج از بحث آنحضرت صلعم پر ناحق حملہ کر دیا کرتے ہیں۔ اور یہی آپ برداشت نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ بعض دفعہ بدمزگی بھی پیدا ہو گئی۔ ابتدائی زمانہ میں قادیان میں جب پنڈت کھڑک سنگھ آریہ سے وید اور قرآن پر مباحثہ ہوا تو پنڈت کھڑک سنگھ نے اصولی رنگ کی بحث میں زچ آکر آنحضرت صلعم کی شان میں چند گستاخی کے کلمے کہے جس سے حضرت اقدس مرزا صاحب کو سخت رنج ہوا۔ اور آپ کے کلام میں تیزی پیدا ہو گئی۔ اور مناظرہ بند کر دیا گیا مبادا کہ بدمزگی زیادہ بڑھ جائے۔ غرضکہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی عادت تھی کہ خود اُن کو کوئی سامنے بیٹھ کر ہزاروں گالیاں دے لے کبھی آپ کے ماتھے پر بل بھی نہیں پڑتا تھا۔ لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی شان میں اگر کوئی گستاخی کرتا یا آپ صلعم کے خلاف کوئی تحریر نظر پڑ جاتی تو اسقدر طبیعت برہم ہو جاتی کہ دیکھنے والے کو حیرت ہو جاتی تھی۔ چہرہ سُرخ ہو جاتا تھا۔ اور دیر تک اسکی تردید

اور آنحضرت صلعم کے محامد اور محاسن پر نہایت جوش سے تقریر فرماتے۔ اور جب تک اس کا رد نہ لکھ لیتے چین نہ آتا۔ جب ایک پادری نے وہ موذی اور خبیث کتاب "امہات المومنین" لکھی جس میں بجز دل آزاری اور آنحضرت صلعم اور آپ کی ازواج مطہرات کی شان میں ہرزہ سرائی کے کوئی معقول بات نہ تھی تو اس کے دیکھنے سے اس قدر صدمہ آپ کے دل پر ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ فرمانے لگے۔ "ہمارا آرام تلخ ہوگیا ہے۔ میری جائداد کا تباہ ہونا اور میرے بچوں کا میری آنکھوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہوجانا مجھ پر آسان ہے بہ نسبت آنحضرت صلعم اور دین کی ہتک اور استخفاف کے دیکھنے اور اس پر صبر کرنے کے"۔

یہ جو حضرت اقدس نے عبداللہ آتھم اور لیکھرام کے متعلق انذاری پیشگوئیاں شائع فرمائی تھیں یہ بھی سب آنحضرت صلعم کی شان کے استخفاف کی بنا پر کی گئی تھیں۔ عبداللہ آتھم کی نسبت پیشگوئی کا اعلان کرتے وقت آپ نے صاف طور پر مجلس مناظرہ میں فرمایا تھا کہ اس شخص نے اپنی کتاب "اندرونہ بائیبل" میں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ دجال کہا ہے اس لئے اس گستاخی کی سزا میں بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے یہ شخص پندرہ ماہ کے اندر ہاویہ میں گرایا جائے گا جس پر اُس نے کان کو ہاتھ لگا کر اور زبان باہر نکال کر کہا کہ مَیں نے ایسا نہیں کہا۔ گویا اپنے قول سے وہیں اس شخص نے رجوع کر لیا۔ اسی طرح آنحضرت صلعم کی شان میں جب لیکھرام کی بدزبانی حد سے گزر گئی تو آپ نے وہ مشہور عالم پیشگوئی کی جس کے عین مطابق وہ چھ سال کے اندر ہلاک ہوگیا۔ اسی کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا:۔

"الا اے دشمن نادان و بے راہ | بترس از تیغ بُرّان محمدؐ
کرامت گرچہ بے نام و نشان است | بیا بنگر ز غلمان محمدؐ"

ایک مرتبہ حضرت اقدس لاہور سے واپس قادیان تشریف لا رہے تھے۔ لاہور کے اسٹیشن پر وضو فرما رہے تھے جو لیکھرام ملنے کے لئے آگیا۔ اس نے سلام کیا آپ نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ کسی نے عرض کیا کہ لیکھرام آیا ہے اور سلام کرتا ہے۔ فرمانے لگے "میرے آقا کو گالیاں دیتا اور مجھے آکر سلام کرتا کیا معنی رکھتا ہے۔ مَیں ایسے بے ادب اور گستاخ شخص کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا"۔ آنحضرت صلعم کی تعریف کرتے ہوئے حضرت اقدس کیسا صحیح فرماتے ہیں:۔

اُس نور پر فدا ہوں اُس کا ہی مَیں ہُوا ہوں ✦ وہ ہے مَیں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

لاہور کی آریہ سماج نے ایک مرتبہ جلسہ مذاہب میں تقریر کرنے کے لئے حضرت اقدس کو دعوت دی اور

آپ کی تسلی کردی کہ کوئی کلمہ استخفاف دین کا آریہ سماج کی طرف سے استعمال نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت اقدس نے لیکچر لکھکر ایک وفد کے ذریعہ آریہ سماج کے جلسہ میں بھیجا۔ وفد کے قافلہ سالار مولوی نورالدین صاحب تھے۔ لیکچر نہایت معقول اور مہذب طریق پر لکھا گیا تھا۔ اور نہایت خوبی سے جلسہ میں پڑھا گیا لیکن اس کے بعد آریہ لیکچرار نے جو لیکچر دیا تو حسب عادت نہایت بیہودہ اور گستاخانہ کلمات آنحضرت صلعم کی شان میں استعمال کئے۔ قادیان کا وفد اور دوسرے احباب جو باہر سے اس جلسہ میں شمولیت کے لئے آئے تھے نہایت صبر و تحمل سے سُنتے رہے۔ جب یہ وفد واپس قادیان آیا اور سب باتیں حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیں تو آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اور اس قدر اظہار رنج فرمایا کہ ایسا کبھی دیکھا نہیں گیا تھا۔ فرمانے لگے "تمہاری غیرت نے کس طرح برداشت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہو رہی تھی اور تم چپ بیٹھے سُنا کئے۔ اگر تم اُسے روک نہیں سکتے تھے تو اُٹھ کر چلے آتے۔ بیٹھے رہنے کے کیا معنے تھے۔" مولوی نورالدین صاحب مرحوم تو کئی روز شرمندگی سے سامنے نہیں گئے۔ اور اسی جوش میں حضرت اقدس نے وہ مشہور کتاب چشمۂ معرفت لکھی جس میں آریہ مذہب کی جڑیں پکڑ کر ہلا دیں۔

عشق رسول میں استقامت عشق میں استقامت بھی ایک بڑی کرامت ہوتی ہے اور وہ حضرت اقدس میں بدرجۂ کمال تھی۔ اس نئی روشنی کے زمانہ میں جب نیچریت کے سیلاب میں بڑے بڑے سمجھدار لوگ بہ گئے۔ اور مسلمانوں میں سے بعض نئی روشنی کے دلدادہ لوگوں کا یہ خیال ہوگیا کہ نجات کیلئے صرف توحید الٰہی اور اعمال صالحہ کی ضرورت ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانیکی ضرورت نہیں۔ تو اس خیال کی تائید آپ کے ایک مرید ڈاکٹر عبدالحکیم خاں پٹیالوی نے بھی کی۔ اور حضرت اقدس کی خدمت میں غالباً اس نیت سے کہ یہ اس زمانہ میں ایک بڑی جماعت کے امام ہیں اس خیال کی ان کی طرف سے اشاعت ہو تو بہت مؤثر ہوگی۔ ایک خط لکھا اور اس میں اس عقیدہ کی بڑے زور سے تائید کی۔ حضرت اقدس کو اس خط سے بہت تکلیف ہوئی۔ آپ نے اُسے نرمی سے بہت سمجھایا اور بتایا کہ یہ عقیدہ غلط اور سخت گمراہ کن ہے۔ لیکن وہ ضدی سا آدمی۔ اپنی بات پر اَڑ گیا اور خطوط میں روز بروز گستاخ اور تیز ہوتا گیا۔ آخر حضرت اقدس نے جب دیکھا کہ یہ اپنے اس گمراہ عقیدہ سے باز نہیں آتا تو اُسے اپنی جماعت سے خارج کر دیا۔ اور کتاب حقیقۃ الوحی لکھی جس کے ابتدائی حصہ میں آپ نے بڑے زور سے اور نہایت معقول طریق پر بحث کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ بغیر محمد رسول اللہ صلعم کی اتباع کے نجات ناممکن ہے۔ دیکھو حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۵

سے تھوڑا سا بطور نمونہ نقل کرتا ہوں جس سے اندازہ ہو سکے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کا عقیدہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں کیا تھا۔ فرماتے ہیں :-

"پس اس میں شک نہیں کہ توحید اور خدا دانی کی متاع رسول کے دامن سے ہی دنیا کو ملتی ہے بغیر اس کے ہرگز نہیں مل سکتی۔ اور اس امر میں سب سے اعلیٰ نمونہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے دکھایا کہ ایک قوم کو جو نجاست پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کو نجاست سے اُٹھا کر گلزار میں پہنچا دیا۔ اور وہ جو رُوحانی بُھوک اور پیاس سے مرنے لگے تھے اُن کے آگے رُوحانی اعلیٰ درجہ کی غذائیں اور شیریں شربت رکھ دیئے۔ ان کو وحشیانہ حالت سے انسان بنایا۔ پھر معمولی انسان سے مہذب انسان بنایا۔ پھر مہذب انسان سے کامل انسان بنایا۔ اور اس قدر ان کے لئے نشان ظاہر کئے کہ ان کو خدا دکھلا دیا اور اُن میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ انہوں نے فرشتوں سے ہاتھ جا ملائے۔ یہ تاثیر کسی اور نبی سے اپنی اُمت کی نسبت ظہور میں نہ آئی۔ کیونکہ ان کے صحبت یاب ناقص رہے۔ پس میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اُس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اُس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیا اور تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی۔ اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے۔ اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اسکے کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذریتِ شیطان ہے۔ کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اُس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا ہے جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اسی نبی کے ذریعہ پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اُس کے نور سے ملی ہے۔ اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی

جس سے ہم اُس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے۔ اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اُسی وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں جب تک ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں"۔

(۴) قربانی چوتھی علامت عشق کی یہ ہے کہ عاشق اپنے محبوب کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہتا ہے۔ اس پر حضرت اقدس مرزا صاحب کی ساری عمر گواہ ہے کہ اپنے کل ارمان اور کل خواہشات اس ایک مقصد پر قربان کر دیئے کہ آنحضرت صلعم کا خوبصورت چہرہ دنیا پر ظاہر ہو اور آپ کے دین کا غلبہ تمام ادیان پر حاصل ہو۔ تن من دھن سے اس مقصد کیلئے آپ قربان ہو چکے ہوئے تھے۔ کیا خوب ارشاد فرماتے ہیں:۔ ؎

یا نبی اللہ فدائے ہر سرِ موئے توام	وقفِ راہِ تو کنم گر جاں دہندم صد ہزار
منکہ رہ بُردم بخوبی ہائے بے پایانِ تو	جاں گدازم بہرِ تو گر دیگرے خدمتگزار
اتباع و عشقِ رویت اندرہِ تحقیق چیست	کیمیائے ہر دلے اکسیر ہر جانِ فگار
دل نہ ترسد بہرِ تو مرا از موت ہم	پائداری ہا ببیں خوش میر دم تا پائے دار
عارفاں را منتہائے معرفت علمِ رُخت	صادقاں را منتہائے صدق بر عشقت قرار
بے تو ہرگز دولتِ عرفاں نہ یابد کسے	گرچہ میرد در ریاضت ہا و جہدِ بیشمار
راغب اندر رحمتت یا رحمت اللہ آمدیم	ایکہ چوں ما بر درِ تو صد ہزار اُمیدوار
یا نبی اللہ نثارِ روئے محبوبِ توام	وقف راہت کردہ ام ایں سر کہ بر دوش است بار
تا بمن نورِ رسولِ پاک را بنمودہ اند	عشقِ او در دل ہمے جوشد چو آب از آبشار
بر سرم وجد است دل تا دیدہ روئے او بخواب	اے بر آں روئے و سرش جان و سر و رویم نثار
صد ہزاراں یوسفے بینم دریں چاہِ ذقن	واں مسیحِ ناصری شد از دمِ او بے شمار

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔ ؎

در رہِ عشقِ محمدؐ ایں سر و جانم رود	ایں تمنا ایں دعا ایں در دلم عزمِ صمیم
آں مقام و رتبتِ خاصش کہ بر من شد عیاں	گفتمے گر دیدمے طبعے دریں راہے سلیم

(۵) ایک خدا پرست اپنے محبوب کیلئے دعا کرنے سے کبھی نہیں تھکتا عشق کی پانچویں علامت یہ ہے کہ ایک خدا پرست انسان اپنے محبوب کے لئے دعائیں کرنے سے کبھی نہیں تھکتا۔ اور یہی حال حضرت اقدس مرزا صاحب کا تھا۔ شب و روز آپ آنحضرت صلعم اور آپ کے دین کے لئے دعائیں کرتے اور

اس معاملہ میں کبھی نہ تھکتے۔ آنحضرت صلعم کے لئے دعا تو سب کو معلوم ہی ہے کہ وہ درود شریف ہے۔ جو مختلف طریقوں سے پڑھا جاتا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللّٰھم صل علیٰ محمدٍ وعلیٰ آل محمدٍ وبارک وسلم انک حمیدٌ مجید۔ کہ اے اللہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم پر اور آپ کی آل یعنی آپ کے متبعین پر اپنی خاص رحمتیں اور برکتیں اور سلام نازل فرما۔ بیشک تو تعریفوں والا اور بزرگی والا ہے۔ ویسے پڑھنے کو تو درود شریف سب ہی مسلمان پڑھتے ہیں لیکن رسمی طور پر بغیر سوچے سمجھے پڑھنا اور بات ہے اور سمجھ سمجھ کر دردِ دل کے ساتھ دعا کے رنگ میں پڑھنا اور بات ہے۔ جب درود شریف آنحضرت صلعم کے لئے ایک دعا ہے۔ تو اسے بغیر سمجھے بوجھے زبان سے پڑھنا اور دل اور دماغ کا کسی اور طرف متوجہ رہنا اس کے مقصد کو بہت حد تک زائل کر دیتا ہے۔ حضرت اقدس کا یہ طریق تھا کہ نہایت دردِ دل سے سمجھ سمجھ کر درود شریف پڑھا کرتے یہانتک کہ اس کے ساتھ رقت اور گریہ و بکا کی حالت آپ پر طاری ہو جاتی۔ اور نہایت کثرت سے درود شریف پڑھتے۔ چنانچہ براہین احمدیہ حصہ چہارم میں صفحہ ۵۰۲ پر آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطر ہو گیا۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ آبِ زلال کی شکل پر نور کی مشکیں اس عاجز کے مکان میں لئے آتے ہیں۔ اور ایک نے اُن میں سے کہا کہ یہ وہی برکات ہیں جو تو نے محمدؐ کی طرف بھیجے تھے۔ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم"

یہی وہ عشقِ رسول تھا جس نے آپ کو امام الزمان کے عہدۂ جلیلہ پر سرفراز کیا۔ چنانچہ اسی جگہ حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور ایسا ہی عجیب ایک اور قصہ یاد آیا ہے کہ ایک مرتبہ الہام ہوا جس کے معنے یہ تھے کہ ملاءِ اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں یعنی ارادۂ الٰہی احیاءِ دین کے لئے جوش میں ہے۔ لیکن ہنوز ملاءِ اعلیٰ پر شخص مُحیی کی تعین ظاہر نہیں ہوئی اس لئے وہ اختلاف میں ہیں۔ اسی اثنا میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک مُحیی کی تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اُس نے کہا ھٰذا رجلٌ یحب رسول اللہ یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ سے محبت رکھتا ہے۔ اور اس قول سے یہ مطلب تھا کہ شرط اعظم اس عہدہ کی محبتِ رسولؐ ہے۔ سو وہ اس شخص میں متحقق ہے۔"

یہی وہ عشقِ رسولؐ اور آپؐ پر درود شریف بھیجنے کا نتیجہ تھا جو حضرت مرزا صاحب کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی

زیارت عین بیداری کی حالت میں بھی ہو جایا کرتی تھی۔ چنانچہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو مخاطب کرتے ہوئے کس محبت اور ذوق سے تحریر فرماتے ہیں :۔

در دو عالم نسبتے دارم بتو از بس بزرگ | پرورش دادی مرا خود ہمچو طفلے در کنار
یاد کن وقتیکہ در کشفم نمودی شکل خویش | یاد کن ہم وقتِ دیگر کامدی مشتاق وار
یاد کن آں لطف و رحمت ہا کہ با من داشتی | واں بشارت ہا کہ میدادی مرا از کردگار
یاد کن وقتے چو بنمودی بہ بیداری مرا | آں جمالے آں رُخے آں صورتے رشکِ بہار

پھر حضرت نبی کریم صلعم کے مقاصد یعنی آپ کے دین کی اشاعت کے لئے جو کچھ حضرت اقدس مرزا صاحب کے دل میں درد اور تڑپ تھی وہ آپ کے ان دو اشعار سے ظاہر ہے۔ فرماتے ہیں:

نے ز فرد و ہم حکایت کن نہ از آلام نار | کز غمِ دینِ محمدؐ مے زیم شوریدہ وار
اندراں وقتیکہ یاد آید ہمہ دیں مرا | بس فراموشم شود ہر عیش و رنج ہر دو وار

تنہائی میں آنحضرت صلعم کے عشق کا آپ کے قلب پر اثر

یہاں مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کے بیان کردہ ایک واقعہ کو پیش کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں جس سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ حضرت اقدس کو آنحضرت صلعم سے کس قدر عشق تھا۔ مولوی عبد الکریم صاحب فرماتے تھے کہ "ایک دفعہ دوپہر کو مَیں مسجد مبارک میں داخل ہؤا تو دیکھا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب اکیلے مسجد میں ٹہل رہے ہیں اور حضرت حسان بن ثابت کا یہ شعر گنگناتے ہوئے آہستہ آہستہ پڑھتے جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ ٹہلتے بھی جاتے ہیں :۔

کُنتَ السّوادَ لناظری فعمی علیکَ النّاظر
من شاء بعدک فلیمت فعلیک کنتُ احاذر

حضرت صاحب نے چہرہ پر رومال رکھا ہؤا تھا۔ میری آہٹ سے حضرت اقدس نے چونک کر میری طرف دیکھا تو بے اختیار چہرہ پر سے رومال والا ہاتھ ہٹ گیا۔ مَیں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے"۔

مذکورہ بالا شعر حضرت حسان بن ثابت کا ہے جو آنحضرت صلعم کے صحابی تھے اور شاعر تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی وفات پر انہوں نے یہ شعر کہا تھا جس کے معنے یہ ہیں کہ "تو میری آنکھ کی پُتلی تھا پس تیری موت سے میری آنکھ اندھی ہوگئی۔ اب تیرے بعد جو چاہے مرے مجھے پروا نہیں۔ کیونکہ مجھے تو صرف تیری موت کا ڈر تھا جو واقع ہو چکی"۔

اس شعر میں درد و غم کو ایسا صحیح اور فطرتی طریق پر ظاہر کیا ہے کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔ شاعر کی محبت تو ظاہر ہی ہے لیکن وہ محبت بھی کس قدر زبردست ہوگی جو آج تیرہ سو سال بعد بھی اس شعر کے ذریعہ قلب پر اثر انداز ہو کر تنہائی میں جہاں خدا کے سوا کوئی دیکھنے والا نہ تھا آنسو بہانے کا موجب ہو گئی۔

عشقِ قرآن

قرآن کریم آپ کا جزوِ زندگی تھا

حضرت اقدس مرزا صاحب کو جو قرآن کریم سے عشق تھا وہ اس زمانہ میں ایک خارق عادت رنگ اپنے اندر رکھتا ہے۔ ابتدائے عمر سے آپ کو قرآن کریم سے ایسا غیر معمولی عشق تھا کہ قرآن کریم آپ کا دن رات کا وظیفہ تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ آپ کا جزوِ زندگی بن چکا تھا۔ اکثر حصہ وقت کا قرآن مجید کی ہی تلاوت کے شغل میں گزرتا۔ اُٹھتے بیٹھتے ٹہلتے قرآن مجید پڑھنے کا شغل جاری رہتا۔ قرآن شریف پڑھتے جاتے اور اس سے متاثر ہو کر زار زار روتے جاتے۔ قرآن شریف کا علم حاصل ہونے کیلئے بہت دعائیں کرتے۔ سجدوں میں جناب الٰہی میں گریہ وزاری کرتے۔ کوئی آیت اگر مشکل ہوتی تو اس کے معارف و حقائق کا علم پانے کیلئے ہمہ وقت اس آیت کو سامنے رکھتے اور نہایت عجز والحاح سے جناب الٰہی کے حضور دعائیں کرتے رہتے یہاں تک کہ اس کا علم آپ کو مل جاتا۔ خدا جانے کتنی دفعہ قرآن شریف کو ختم کیا جس کا صحیح علم تو اللہ ہی کو ہے مگر مرزا سلطان احمد مرحوم کا بیان تھا کہ ہزار دفعہ سے زیادہ تو ضرور پڑھا اور ختم کیا ہوگا۔ آپ کا ایک قرآن شریف مولانا محمد علی صاحب کے پاس بھی ہے جسے آپ نے سترہ سال پڑھا تھا۔ پڑھ پڑھ کر اس کے ورق تک گھسا دیئے ہیں۔ اس کے حاشیہ پر اپنی قلم سے اوامر و نواہی کے نمبر بھی دیئے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کے والد صاحب نے آپ کے ایک خادم مرزا اسماعیل کو بلا کر پوچھا کہ "سنا تیرا مرزا کیا کرتا ہے"؟ اس نے عرض کی کہ قرآن دیکھتے رہتے ہیں۔ اس پر وہ فرمانے لگے کہ "کبھی دم بھی لیتا ہے"؟ یعنی کبھی قرآن پڑھتے پڑھتے درمیان میں وقفہ بھی کرتا ہے یا پڑھے ہی جاتا ہے بس ہی نہیں کرتا۔

آپ کو قرآن کریم اولاد سے بھی بڑھ کر پیارا تھا

قرآن کریم کے لئے وہ غیرت تھی کہ اولاد کی بھی اس کے سامنے پرواہ نہ تھی۔ ایک دفعہ آپ کے صاحبزادہ میاں مبارک احمد صاحب سے جو چھوٹے سے تھے اور آپ کو نہایت پیارے تھے قرآن کریم کی بے ادبی ہو گئی۔ اگرچہ آپ بچوں کو مارنے کے سخت مخالف تھے لیکن حرارت دینی سے بے اختیار ہو کر اُن کے مُنہ پر آپ نے ایک ایسا طمانچہ مارا کہ اُن کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

اور فرمایا کہ "اس کو میرے سامنے سے ہٹا لو ابھی سے یہ حال ہے تو آگے چل کر کیا ہوگا" آپ کے مریدں میں سے کوئی شخص اگر اپنا بچہ آپ کی خدمت میں سلام کے لئے پیش کرتا تو سب سے پہلے دریافت فرماتے کہ "قرآن شریف پڑھا ہے"؟ گویا بچوں کی تعلیم میں آپ کے نزدیک قرآن شریف سے بڑھ کر کسی اور چیز کی اہمیت نہ تھی +

آپ کا وظیفہ قرآن کریم تھا

صوفیوں نے تزکیۂ نفس کے لئے طرح طرح کے چلّے اور وظائف اور اوراد بنا رکھے ہیں۔ مگر حضرت اقدس مرزا صاحب کا وظیفہ ہمہ وقت قرآن تھا۔ آپ پر بھی ایک وقت ایسا آیا کہ آپ نے دنیا سے الگ ہو کر ایک مجاہدہ اختیار کیا اور یہ کئی ماہ کا لمبا مجاہدہ تھا۔ مگر اس مجاہدہ میں بھی آپ کا وظیفہ صوم و صلوٰۃ کے علاوہ فقط قرآن کریم تھا۔ گویا آپ نے اپنے عمل سے یہ دکھلا دیا کہ اگر کوئی مسلمان مجاہدہ اختیار کرنا چاہتا ہے یا تزکیۂ نفس کے لئے ریاضت شاقہ کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو وہ مجاہدہ اور ریاضت شاقہ قرآن کریم کا مطالعہ اور اس کے مطالب پر غور و خوض ہے۔ تاریخ تصوّف میں آپ کا یہ کارنامہ آب زر سے لکھا جانے کے قابل ہے۔ کیونکہ آپ نے اس طرح مجاہدات تصوّف میں ایک ایسے باب کا اضافہ کیا جو عین مطابق حکم خدا و رسولؐ ہے۔ اور جس سے بہتر طریق مجاہدہ و ریاضت کا ہو نہیں سکتا +

قرآن کریم سے آپ کا تعشق

قرآن کریم کی محبت حضرت اقدس مرزا صاحب کے دل میں اس قدر بسی ہوئی تھی کہ جہاں آپ نے اپنے اشعار میں اللہ تعالیٰ سے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار تعشق کیا ہے۔ جو پہلے بھی عاشقان خدا و رسولؐ کرتے رہے ہیں۔ وہاں آپ نے قرآن کریم سے بھی اظہار تعشق کیا ہے۔ اور بقول ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم۔ یہ خصوصیت حضرت مرزا صاحب کی ایسی ہے جو تمام تاریخ اسلام میں الگ نمایاں نظر آتی ہے اور اس اُمت مرحومہ کے کسی اور فرد میں نظر نہیں آتی۔ بطور نمونہ مَیں آپ کی چند نظموں میں سے دو دو چار چار اشعار بیاں درج کرتا ہوں۔ پُوری نظمیں دیکھنی ہوں تو کتاب دُرّثمین ملاحظہ فرمائیں جس میں آپ کی کل نظمیں جمع کی ہوئی ہیں۔ اور جو قابل دید ہے:۔

(۱)

جمالِ و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

بہارِ جاوداں پیدا ہے اُسکی ہر عبارت میں
نہ یہ خوبی چمن میں ہے نہ اُس سا کوئی بُستاں ہے

ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرارِ لاعلمی
سخن میں اُسکی ہمتائی کہاں مقدورِ انساں ہے

خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرقِ نمایاں ہے

(۲)

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا
ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفیٰ نکلا

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں
مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا

پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں
پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا

(۳)

اے عزیزو سنو کہ بے قرآں
حق کو ملتا نہیں کبھی انساں

جن کو اس نور کی خبر ہی نہیں
ان پہ اس یار کی نظر ہی نہیں

ہے یہ فرقاں میں اک عجب اثر
کہ بناتا ہے عاشقِ دلبر

جس کا ہے نام قادرِ اکبر
اسکی ہستی سے دی ہے پختہ خبر

دل میں ہر وقت نور بھرتا ہے
سینہ کو خوب صاف کرتا ہے

اسکے اوصاف کیا کروں میں بیاں
وہ تو دیتا ہی جاں کو اور اک جاں

بحرِ حکمت ہے وہ کلام تمام
عشقِ حق کا پلا رہا ہے جام

دردمندوں کی ہی دوا وہی ایک
ہے خدا سے خدا نما وہی ایک

ہم نے پایا خورِ ہدیٰ وہی ایک
ہم نے دیکھا ہے دلربا وہی ایک

اس کے منکر جو بات کہتے ہیں
یونہی اک واہیات کہتے ہیں

بات جب ہے کہ میرے پاس آویں
میرے منہ پر وہ بات کہہ جاویں

مجھ سے اس دلستاں کا حال سنیں
مجھ سے وہ صورت و جمال سنیں

آنکھ پھوٹی تو خیر کان سہی
نہ سہی یوں ہی امتحان سہی

(۴)

شکرِ خدائے رحماں جس نے دیا ہے قرآں
غنچے تھے سارے پہلے اب گل کھلا یہی ہے

دیکھی ہیں سب کتابیں مجمل ہیں جیسے خوابیں
خالی ہیں انکی قابیں خوانِ ہدیٰ یہی ہے

اس نے خدا ملایا وہ یار اس سے پایا
راتیں تھیں جتنی گزریں اب دن چڑھا یہی ہے

کہتے ہیں حسنِ یوسف دلکش بہت تھا لیکن
خوبی و دلبری میں سب سے سوا یہی ہے

یوسف تو سُن چکے ہو اک چاہ میں گرا تھا | یہ چاہ سے نکالے جس کی صدا یہی ہے
دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں | قرآں کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

(۵)

ایں صفت ہست خاصۂ فرقاں | ہر اصولش موثّق از برہاں
آفتابِ رہِ صواب است ایں | بخدا بہ ز آفتاب است ایں

(۶)

ہست فرقاں آفتابِ علمِ دیں | تا بَرَندت از گماں سوئے یقیں
ہست فرقاں از خدا حبل المتین | تا کشندت سوئے ربّ العٰلمیں
ہست فرقاں روزِ روشن از خدا | تا دہندت روشنیٔ دیدہ ہا
حق فرستاد ایں کلامِ بے مثال | تا رسی در حضرتِ قدسِ جلال

(۷)

از نورِ پاک فرقاں صبحِ صفا دمیدہ | بر غنچہ ہائے دلہا بادِ صبا وزیدہ
ایں روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد | ویں دلبری و خوبی کس در قمر ندیدہ
یوسف بقعرِ چاہے محبوس ماند تنہا | ویں یوسفے کہ تن ہا از چاہ بر کشیدہ
از مشرقِ معانی صد ہا دقائق آورد | قدِ ہلال نازک زاں نازکی خمیدہ
کیفیتِ علومش دانی چہ شان دارد | شہدیست آسمانی از وحیٔ حق چکیدہ
آں نیّرِ صداقت چوں رُو بعالم آورد | ہر بُومِ شب پرستے در کنجِ خود خزیدہ
روئے یقیں نہ بیند ہرگز کسے بدنیا | الّا کسیکہ باشد با رویش آرمیدہ
آنکس کہ عالمش شد. شد مخزنِ معارف | واں بیخبر ز عالم کیں عالمے ندیدہ
اے کانِ دلربائی دانم کہ از کجائی | تو نورِ آں خدائی کیں خلق آفریدہ
میلم نماند باکس محبوبِ من توئی بس | زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیدہ

(۸)

از وحیٔ خدا صبحِ صداقت بدمیدہ | چشمیکہ ندید آں صحفِ پاک چہ دیدہ
کاخِ دلِ ماشد زہماں نافہ معطّر | واں یار بیامد کہ ز ما بود رمیدہ
آں دیدہ کہ نورے نگرفت است ز فرقاں | حقا کہ ہمہ عمر ز کوری نہ رہیدہ

(۹)

هست فرقانِ مبارک از خدا طیّب شجر | نونہال و نیک پودو سایہ دار و پُر زِبر
گر نباید باورت در وصفِ فرقانِ مجید | حسن آں شاہد بپرس از شاہداں یا خود نگر

(۱۰)

اے سرِ خود کشیدہ از فرقاں | پا نہادہ بہ لجّۂ طغیاں
بانگ کم کُن بہ پیشِ نورِ ہدیٰ | توبہ کن از فسوس و بازی ہا
اینچہ چشمیست کور و سخت کبود | کافتابے درو چو ذرّہ نمود
آں چراغِ ہُدیٰ است دُنیارا | رہبرو رہنماست دنیارا
رحمتے از خدا است دُنیارا | نعمتے از سماست دُنیارا
مخزنِ رازہائے ربّانی | از خدا آلۂ خدا دانی
وہ چہ دارد خزائنِ اسرار | دل و جانم فدائے آں انوار
ہست آئینہ بہر روئے خدا | عالمے را کشیدہ سوئے خدا

قرآن کریم کی محبت سے بھرے ہوئے اسی قسم کے اشعار سینکڑوں ہیں جو آپ کے دل اور قلم سے نکلے ہیں جنہیں پڑھ پڑھ کر اس خیال سے حیرت ہوتی ہے کہ جس شخص کے دل میں قرآن کریم کی اس قدر محبت ہے کہ وہ قرآن کریم کی خوبیوں کا نقشہ کھینچتا چلا جاتا ہے اور تھکتا نہیں۔ جس کی قرآن کریم کی تعریف کے صرف اشعار کی ایک کتاب بنتی ہے۔ اگر قرآن کا ایسا پُر جوش عاشق جس کے جذبۂ محبت سے ہزاروں اور دل بھی روشن ہو جاتے ہیں۔ کاذب اور قرآن کا دشمن ہے جیسا کہ مکفر مولویوں کا خیال ہے تو دنیا میں صدق اور وفاداری کو کہاں تلاش کریں؟ اور عشق اور محبّتِ حقیقی کی علامتیں کیا ہوتی ہیں؟ کوئی دانشمند ہے جو اس پر غور کرے!

قرآن کریم کی اطاعت قرآن کریم کی محبت حضرت اقدس مرزا صاحب کے نہ صرف دل میں اور زبان پر تھی۔ بلکہ عمل سے اس قدر نمایاں تھی کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔ آپ کے تمام اقوال اور اعمال قرآن کریم کی اطاعت سے پُر تھے۔ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں:۔ ؎

یک قدم دُوری ازاں روشن کتاب + نزدِ ما کفر است و خسران و تباب

قرآن کریم کی صداقت پر دلائل قرآن کریم پر حضرت اقدس جس طرح خود عاشق تھے اسی طرح آپ کی شب و روز کوشش یہ تھی کہ ایک عالم کو اُس کا عاشق بنا دیا جائے۔ چنانچہ خود بھی ایک نظم میں اس تڑپ کا

اظہار فرماتے ہیں جس میں سے چند اشعار یہاں نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں :- ؎

دردا کہ حسنِ صورتِ فرقاں عیاں نماند
آں خود عیاں مگر اثرِ عارفاں نماند

مردم طلب کنند کہ اعجازِ آں کجاست
صد درد و صد دریغ کہ اعجاز داں نماند

بینم کہ ہر یکے بہ غمِ نفس مبتلاست
کس را غمِ اشاعتِ فرقاں بجاں نماند

جانم کباب شد ز غمِ ایں کتابِ پاک
چنداں بسوختم کہ خود اُمیدِ جاں نماند

صد بار رقص ہا کنم از خورّمی اگر
بینم کہ حسنِ دلکشِ فرقاں نہاں نماند

یا رب چہ بہرِ من غمِ فرقاں مقدّرست
یا خود دریں زمانہ کسے راز داں نماند

اے خواجہ پنج روز بُوَد لطفِ زندگی
کس از پئے مدام دریں خاکداں نماند

امروز گر دل از پئے قرآں نسوزدت
عذرے دگر ترا بجنابِ یگاں نماند

بگزار وردِ مثنوی و شغلِ غزل و شعر
ایں خود چہ چیز ہست اگر قدرِ آں نماند

در خادماں نشینی و صد نازے کنی
آزا کہ سیّد است کس از خادماں نماند

اے بیخبر بخدمتِ فرقاں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

اس تڑپ کو محض ایک نظم تک ہی آپنے محدود نہیں رکھا بلکہ شب و روز قرآن کی خدمت کو اپنا شعار بنا لیا۔ سب سے پہلی معرکۃ الآرا کتاب جو آپ نے تصنیف فرمائی وہ براہین احمدیہ تھی جو قرآن کریم اور آنحضرت صلعم کی رسالت کی صداقت پر دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کا ایک مجموعہ ہے جن کے ذریعہ سے آپ نے ہر ایک مذہب پر اتمام حجّت کیا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کا پُورا نام ہے البراھین الاحمدیہ علیٰ حقیقۃ کتاب اللہ القراٰن والنّبوۃ المحمّدیّۃ اس کے بعد بھی تمام عمر تصنیف و تالیف ٹریکٹ اور اشتہارات تقریر و تحریر کے ذریعہ خدمت قرآن ہی آپ کا مشغلہ رہا۔

عظمت قرآن کو مخالفین کے مقابلہ میں ثابت کرکے دکھایا

قرآن کریم کی عظمت کو مخالفین اسلام کے مقابل پر جس خوبی کے ساتھ حضرت اقدس مرزا صاحب نے ثابت کرکے دکھایا ہے اور اُن کو لاجواب کیا ہے اس میں آپ کی نظیر متکلمین میں نہیں ملے گی۔ آپ نے تحدّی کے طور پر تین باتیں مخالفین کے سامنے پیش کیں اور اُن سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی آسمانی کتاب کو ان میں سے کسی ایک معیار پر پرکھ کر دکھائیں :-

(۱) اوّل یہ کہ قرآن کریم تمام مذہبی صداقتوں کا جامع ہے اور کوئی مذہبی صداقت ایسی نہیں پیش کی جاسکتی۔ جو کسی مذہبی کتاب نے پیش کی ہو یا آج کسی شخص کے ذہن میں آسکے اور اور وہ قرآن کریم میں موجود نہ ہو۔ اور جو مذہبی صداقت بھی اس میں ہے وہ اپنی کامل اور مکمل شکل میں ہے۔

(۲) قرآن کریم نے تمام عقائد باطلہ کی جو دنیا کی کسی قوم میں پائے جاتے ہوں تردید کی ہے۔

(۳) قرآن کریم نہ صرف ہر ایک دعوے کو خود پیش کرتا ہے بلکہ اس کے دلائل بھی خود دیتا ہے۔

اب مَیں ہر ایک قلب سلیم رکھنے والے بزرگ سے دریافت کرتا ہوں کہ جو شخص قرآن کریم کی اس عظمت کو ظاہر کرتا ہے اور نہ صرف ظاہر کرتا بلکہ دلائل سے پایۂ ثبوت کو پہنچا دیتا ہے۔ کیا اس شخص کو دشمنِ اسلام قرار دینا ظلم عظیم نہیں؟ حضرت اقدس مرزا صاحب وہ شخص ہیں جنہوں نے اس کتاب الٰہی کو جسے اس زمانہ میں مسلمانوں نے محض تعظیم کے لئے گھروں میں رکھا ہؤا تھا۔ یا زیادہ سے زیادہ تلاوت کے ثواب کے لئے سمجھا ہؤا تھا۔ جنگ مذاہب میں دنیا کا زبردست ترین حربہ ثابت کیا۔ مگر اس ناشکری کا کیا علاج کہ اسی عظیم الشان محسن کو ہمارے مکفر علما نے دشمن اسلام ثابت کرنے کی کوشش کی۔

قرآن کریم کو ایک علم و حکمت کی کتاب ثابت کیا

حضرت اقدس مرزا صاحب نے نہ صرف غیر مذاہب کے مقابلہ پر قرآن کریم کی عظمت کو ظاہر کیا بلکہ آپ نے قرآن کریم کو ایک علم و حکمت کی کتاب بھی ثابت کیا اور یہ دکھایا کہ آج جس قدر وساوس اور اعتراضات دہریت اور مادی تعلیم سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب کا علاج بھی قرآن شریف میں موجود ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی دکھایا کہ جس قدر علم اور سائنس دنیا میں ترقی کرے گی اسی قدر قرآن کریم کی عظمت بھی زیادہ ظاہر ہوگی۔

مسلمانوں کی دینی مشکلات کا حل قرآن کریم سے کیا

حضرت اقدس مرزا صاحب نے جس طرح غیر مذاہب پر قرآن کریم کے ذریعہ سے اتمام حجت کیا۔ مسلمانوں کی دینی مشکلات یعنی ان کے اندرونی اختلافات کا علاج بھی آپ نے قرآن کریم کو ہی بتایا اور تمام اختلافات کو اس طرح حل کرنے کی ہدایت دی کہ قرآن کریم کو سب پر مقدم کیا جائے۔ اور حدیث کو اس حد تک قبول کیا جائے کہ وہ قرآن کریم کے خلاف نہ ہو۔ اور اجتہاد ائمہ کو اس حد تک مانا جائے کہ وہ قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو۔ یوں خود مسلمان قوم کو قرآن کریم کی اس عظمت کی طرف توجہ دلائی جس کا وہ مستحق تھا۔

مسلمانوں کی دنیوی مشکلات کا حل بھی قرآن کریم سے کیا

حضرت اقدس مرزا صاحب نے نہ صرف مسلمانوں کی دینی مشکلات کو قرآن کریم سے حل کرنے کی راہ بتائی بلکہ آج دنیا میں جو ہر قسم کی جدوجہد جاری ہے اس میں بھی مسلمانوں کی ہر قسم کی مشکلات کو حل کرنے کا ذریعہ قرآن کریم کو ہی بتایا اور صاف طور پر دکھلا دیا کہ ان کی دنیوی ترقی اور دوسری قوموں پر برتری بھی قرآن کریم کو ہی مشعل راہ بنانے سے وابستہ ہے۔ اور بتایا کہ قرآن کریم کی ہدایات ابدی صداقتیں ہیں۔ جس طرح پہلے مسلمانوں نے صرف قرآن کو اپنا رہنما بنا کر دنیوی فلاح حاصل کی۔ اسی طرح آج بھی مسلمانوں کی دنیوی فلاح قرآن کریم سے ہی وابستہ ہے اور یوں توجہ دلائی کہ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ قرآن کریم کو پڑھے۔ اسے سمجھے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے اور اپنی تمام دینی و دنیوی مشکلات میں اسی سے نور وہدایت حاصل کرے۔

جہاد بالقرآن کو رواج دیا

حضرت اقدس مرزا صاحب کا معمول تھا کہ جب کسی اہم مسئلہ پر لکھنے کی ضرورت پیش آتی تو اس مسئلہ کو ذہن میں رکھ کر ایک دفعہ سارے قرآن شریف کو پڑھ جاتے تا کہ قرآن کریم سے اس مسئلہ کے متعلق ہدایت اور روشنی حاصل کریں۔ بلکہ ساتھ ساتھ وہ آیات بھی نوٹ کرتے جاتے جو اس مسئلہ پر روشنی ڈالتیں۔ اور یہی ہدایت آپ کی طرف سے کل مسلمانوں کو تھی کہ ہر مشکل کے لئے قرآن کریم کی طرف رجوع کرو۔ اور جو دلیل دو قرآن کریم سے دو۔ خدائی دلیلوں کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔ گویا ہر ایک کفر اور باطل کی فوج کے مقابلہ میں قرآن کریم کے حربہ سے کام لو۔ جیسا کہ خود قرآن کریم میں حکم ہے کہ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا کہ کفار کے ساتھ قرآن کریم کے ذریعہ جہاد کبیر کرو۔ یعنی قرآن ہی وہ زبردست حربہ ہے جسے ہاتھ میں لے کر مسلمانوں کو باطل کی فوج پر حملہ آور ہونا چاہئے۔ اس جہاد بالقرآن کو اس غلبۂ کفر کے زمانہ میں رواج دینا آپ کا عظیم الشان کارنامہ تھا۔ اور جو کامیابی اس میں آپ کو حاصل ہوئی وہ اظہر من الشمس ہے کہ باطل کی فوج کو ہر جگہ آپ کے اور آپ کے خدام کے لٹریچر کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی۔

جہاد بالقرآن سے مسلمانوں میں وحدت پیدا کی

حضرت اقدس نے جہاد بالقرآن پر مسلمانوں کو لگا کر ان میں وحدت پیدا کی۔ آپ نے فرمایا کہ فقہی فروعی مسائل پر مسلمانوں کا باہم لڑنا اور جھگڑنا مسلمانوں کو کمزور اور برباد کر رہا ہے۔ اختلافی مسائل دراصل وسعت دین پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر کسی نے آمین زور سے کہہ لی یا آہستہ کہہ لی۔ رفع یدین کی یا نہ کی۔ رفع سبابہ کیا یا نہ کیا۔

وغیرہ وغیرہ - ان میں جھگڑنا غلطی ہے۔ یہ اختلافات ان مسائل کی وسعت پر دلالت کرتے ہیں اگر ایک شخص کسی فروعی مسئلہ میں جس میں اختلاف آرا موجود ہے۔ ایک طریق کو ترجیح دیتا ہے۔ تو اس اختلاف رائے کی عزّت کرنی چاہئے۔ اور دوسرے آدمی کو جو اسی مسئلہ میں دوسرے طریق کو ترجیح دیتا ہے اس پہلے آدمی سے لڑنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس وسعت کو تنگی نہیں بنانا چاہئے۔ اگر دلائل سے ایک شخص دوسرے کو اپنا ہم خیال بنا سکتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس وسعت کو تنگی میں بدل کر اس پر باہم لڑنا جھگڑنا اور مسلمانوں میں ان مسائل کی وجہ سے تفرقہ پیدا کرنا سخت غلطی ہے۔ اس وقت کفار کا حملہ اسلام اور مسلمانوں پر ہے۔ پس مسلمانوں کو جب وہ اصولی طور پر باہم متفق اور متحد ہیں تو دشمنان اسلام کے مقابلہ میں متحدہ محاذ قائم کرنا چاہئے۔ اور قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لیکر اس جہاد میں مصروف ہو جانا چاہئے۔ گویا مسلمانوں کی توجّہ کو اندرونی فروعی اختلافات سے ہٹا کر آپ نے دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد بالقرآن کی طرف پھیرا۔ اور ان کی قوت کو آپس کی تفرقہ بازی میں ضائع ہونے سے بچا کر دشمنان اسلام کے مقابل میں لگایا۔ کاش کہ سب مسلمانوں کا اس اصول پر عمل ہو جائے تو آج مسلمانوں سے تفرقہ مٹ کر اسلام کے بہتر دن آجائیں اور کفار کے حملے اسلام پر ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں۔ راہ تو مجدد وقت بتا گیا اب عمل کرنا مسلمانوں کا اپنا کام ہے؛

قرآن شریف کو عام مسلمانوں میں مروّج کرنے کی بنیاد رکھی

حضرت اقدس مرزا صاحب کا کام اسی حد تک ختم نہیں ہو گیا کہ قرآن کریم کو مسلمانوں کے لئے مجاہدات اور تزکیۂ نفس کا ذریعہ قرار دیا جائے جہاد بالقرآن کو ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ٹھیرایا جائے۔ قرآن کریم کی محبت دلوں میں داخل کی جائے۔ اس کی بے نظیر عظمت کے مقابلہ سے سب مذاہب کو عاجز دکھایا جائے۔ آسے مسلمانوں کی دینی و دنیوی مشکلات کا علاج بتایا جائے۔ بلکہ ان تمام باتوں کے ساتھ آپ نے قرآن شریف کو عام طور پر مسلمانوں میں مروّج کرنے کی بنیاد رکھی۔ اور اس کے دو پہلو اختیار فرمائے۔ ایک طرف کتابوں، رسالوں، ٹریکٹوں کے ذریعہ سے تعلیم قرآنی کو عام کیا۔ دوسری طرف درس قرآن کی بنیاد اپنی جماعت میں ایسی مضبوط رکھی کہ جماعت احمدیہ کی زندگی کا یہ جزو ہو گیا ہے کہ جہاں کہیں جماعت احمدیّہ قائم ہے وہاں درس قرآن کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ بلکہ ان کی دیکھا دیکھی اب کہیں کہیں غیر از جماعت لوگوں میں بھی درس قرآن کا رواج ہونے لگا ہے؛

قرآن کریم کی تفسیر میں محکمات کے ماتحت متشابہات کو رکھنے کی ہدایت دی اور ناسخ و منسوخ کا فیصلہ کر دیا

قرآن کریم کی تفسیر میں جس قدر مفسرین کی طرف سے اختلاف اور غلطیاں رُونما ہوئیں وہ قرآن کریم کی آیات محکمات و متشابہات میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ہوئیں۔

اس معاملہ میں حضرت اقدس مرزا صاحب کی ہدایت یہ تھی جو عین مطابق ہدایت قرآن تھی کہ متشابہ آیات کو سمجھنے کے لئے انہیں محکمات آیات کے ماتحت کرو۔ محکمات اصل ہیں۔ اور عقائد کی بنا انہی پر ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اس طرح قرآن کریم کی صحیح تعلیم سے کبھی انحراف نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وہ طریق تفسیر تھا جس کی وجہ سے آپ کی تفسیر کی معقولیت کے سامنے بڑے بڑے منکرین اور ملحدین کا سر جھک گیا۔ اسی سلسلہ میں آپ نے ناسخ و منسوخ آیات کا جھگڑا بھی چکا دیا۔ آپ نے صاف اعلان کر دیا کہ قرآن کریم میں کوئی آیت منسوخ نہیں۔ ساری مشکل یہ ہے کہ مفسرین جب دو آیتوں میں باہم تطبیق نہ دے سکے تو اُنہوں نے ایک کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ قرار دے دیا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ایسی مروی نہیں جس میں آپ نے قرآن کریم کی کسی آیت کو منسوخ قرار دیا ہو اور قرآن کریم کی جن آیات سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ کوئی آیت قرآنی منسوخ ہے وہ فی الحقیقت شرائع سابقہ کی منسوخی کے متعلق ہیں۔ اور جن آیات قرآنی میں سمجھا جاتا تھا کہ تطبیق نہیں ان میں آپ نے یا آپ کے خدام نے تطبیق دے کر اس غلطی کو اظہر من الشمس کر دیا۔ اور آفتاب کی طرح اس حقیقت کو روشن کر دیا کہ نہ قرآن میں کوئی آیت منسوخ ہے اور نہ کوئی قرآنی حکم قرآن سے باہر منسوخ التلاوۃ ہے۔ جیسا کہ بعض مولویوں کا خیال ہے۔ اور جو نہایت غلط خیال ہے۔

قرآن کریم کی غیر مسلم اقوام میں تبلیغ اور غیر زبانوں میں تراجم

حضرت اقدس مرزا صاحب نے نہ صرف مسلمانوں میں تعلیم قرآن کو ترویج دی بلکہ غیر مسلم اقوام میں تبلیغ کے لئے اس پاک کتاب کے تراجم کی بنیاد رکھی۔ اس میں شک نہیں کہ بزرگان دین نے قرآن کریم کی بیش بہا خدمات کی ہیں۔ اس کی تفسیریں لکھی ہیں۔ عربی کے علاوہ اُردو اور فارسی میں ترجمے بھی کئے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ مسلمان قوم تک محدود تھا۔ آج ضرورت تھی کہ قرآن کریم کے ذریعہ سے غیر مسلموں پر اسلام کی فتوحات حاصل ہوئیں تا کہ اسلام کا قدم دنیا میں آگے بڑھتا۔ سو اس کی بنیاد مسلمانوں میں حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب نے رکھی۔ جس کتاب

فتح اسلام میں آپ نے مسیح موعود کے دعوے کا اظہار کیا ہے۔ اسی کتاب میں آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ میرے دل میں یہ آرزو ہے کہ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اور تفسیر کر کے انگریزوں میں اس کو پہنچاؤں۔ آپ کی اس آرزو کو آپ کے خدام نے تکمیل کا جامہ پہنایا۔ اور آج آپ کی بدولت نہ صرف انگریزی میں ترجمۂ قرآن ہؤا بلکہ دنیا کی اور کئی زبانوں میں بھی ہو چکا ہے۔ جیسے ڈچ، جرمنی، چینی، گورمکھی، ہندی۔ اور آپ کی جماعت اس عظیم الشان مقصد کو اپنے سامنے رکھتی ہے کہ قرآن کریم کو دنیا کی ہر زبان میں ترجمہ کر کے دنیا کے ہر ملک کے لوگوں تک پہنچائے ؂

اہل انصاف سے ایک سوال

اب میں تمام ارباب بصیرت اور اہل انصاف بزرگوں سے سوال کرتا ہوں کہ کیا اس قدر خدمت قرآن کرنیوالا انسان۔ تزکیہ نفس کیلئے قرآن کو مقدم کرنیوالا انسان۔ جہاد کیلئے قرآن کو آگے کرنیوالا انسان۔ اظہار محبت عشق کے لئے قرآن کو چُن لینے والا انسان۔ دینی و دنیوی مشکلات کے لئے قرآن کو مشعل راہ بنانے اور بتانے والا انسان۔ سینکڑوں مقامات پر درس قرآن کا سلسلہ جاری کرنے والا انسان۔ قرآن کی اُس عظمت کو ظاہر کرنیوالا انسان جس کے مقابلہ سے تمام دنیا کی قومیں عاجز ہیں۔ کیا یہ عاشق قرآن ہے یا دشمن قرآن؟ کیا اُن لوگوں کے متعلق آپ کے دلوں میں نفرین کا جذبہ نہیں پیدا ہوتا جو ایسے عاشق قرآن اور خادم اسلام کو کافر اور کذاب قرار دیتے اور استہزا کرتے ہیں۔ انما اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للّٰہ مثنیٰ وفرادیٰ ثم تتفکروا (السبا) ترجمہ۔ مَیں نصیحت کرتا ہوں تم کو ایک بات کے لئے کہ اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ دو دو اور ایک ایک۔ پھر غور کرو۔ یعنی مل مل کر اور تنہائی میں اس معاملہ میں غور کرو اور صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کی طرف ہم سب کو ہدایت بخشے۔ آمین۔ کیا کوئی ہے جو ان اشعار پر غور کرے جو حضرت اقدس مرزا صاحب نے نہایت دردِ دل سے فرمائے ہیں:۔ ؎

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں	دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلین
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں	خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں
سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے	جان و دل اس راہ پر قربان ہے
دے چکے دل اب تنِ خاکی رہا	ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فدا
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب	کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب

آپ کی زندگی کا مقصد حضرت اقدس مرزا صاحب نے خود ہی ایک شعر میں اپنی زندگی کا مقصد بیان فرما دیا ہے۔ اور ایک عقلمند کے لئے اصل حقیقت کو پانے کیلئے وہی کافی ہے۔ فرماتے ہیں:-

جانم فدا شود برہِ دینِ مصطفیٰؐ
این است کامِ دل اگر آید میسّرم

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ